شریکِ سفر

زہرہ ممتاز

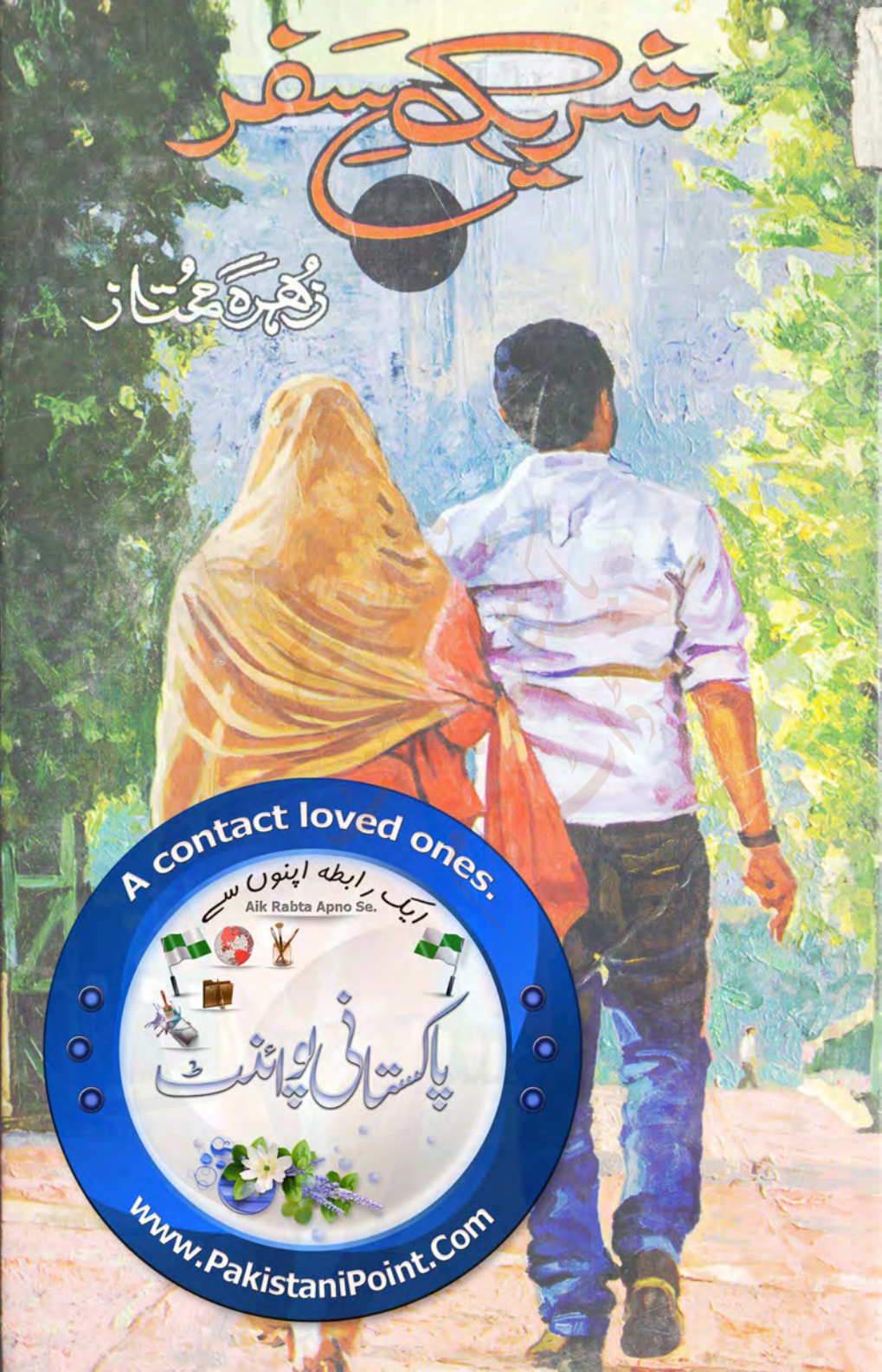

A contact loved ones.
ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.
پاکستانی پوائنٹ
www.PakistaniPoint.Com

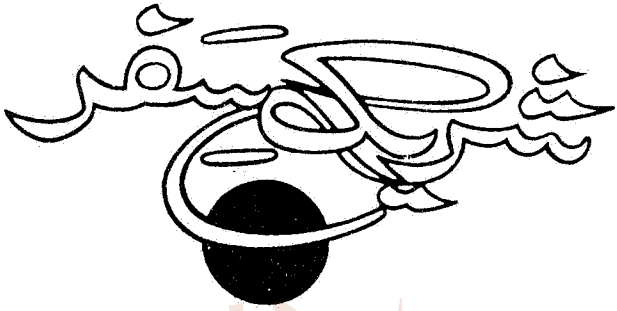

زہرہ مختار

پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

خواتین ڈائجسٹ
37۔ اُردو بازار، کراچی

پیش لفظ

میرا جب پہلا ناول کتابی شکل میں شائع ہوا تھا تو میں نے رب عزّ وجل کی بارگاہ میں ایک دعا عرض کی تھی، اب بھی اسی دعا کے سفر میں ہوں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہمیں مانگنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا اور جیسا مانگنے والا اس بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار میں بننا چاہیے ویسا ہم بنتے بھی نہیں۔ لیکن اصلاح کے دروازے کھلے ہیں، ہمیں ہر لمحے اسی تگ و دو میں رہنا چاہیے کہ اپنی ذات اور اپنے اعمال کو بہتری کے سفر کی طرف مائل کریں۔ لوگ صبح کرتے ہیں پھر شام کر دیتے ہیں لیکن اپنے اعمال کی طرف نظر نہیں کرتے۔ دیکھیں رب عزّ وجل کی نعمتوں کی تقسیم اس کی اپنی مرضی کے مطابق منفرد ہے۔ کسی کو دولت دی، کسی کو نہیں دی۔ کسی کو بیٹے دیے کسی کو صرف بیٹیاں، کسی کو دونوں دیے، کسی کو دونوں ہی نہیں دیے اور اس کی رضا ہے وہ مالک ہے جو چاہے سو کرے لیکن ایک نعمت ایسی ہے جو اس نے ہر کسی کو یکساں دی کہ امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا حقیر، دن کے چوبیس گھنٹے سب کے لیے یکساں ہے۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے جو سب کو ایک سی دی ہے بس انسان کی عقل ہے کہ اسے کون کس طرح استعمال کر رہا ہے۔ یقین جانیے زندگی کا ایک ایک پل ہمارے لیے قیمتی موتی سا ہے کہ کچھ کر کے گزر جائیں گے تو بڑی بات ہوگی تو اس وقت کی قدر جان کے کچھ نہ کچھ وقت بھلائی کے کام میں لگے رہیں۔ اپنی صلاحیتوں کو پہچان کر عمل کی طرف لگ جائیں کہ بے عملی اور بے حسی نے ہماری قوم کو زنگ لگا دیا ہے۔

میں نے کتاب لکھنے میں شاید اتنے دن نہیں لگائے تھے جتنے دن اس کتاب کا پیش لفظ لکھنے میں لگا دیے ہیں لیکن ادارہ کاکمال ہے انہوں نے مجھ سے پیش لفظ لکھوا کر ہی دم لیا کہ ان کا کہنا ہے کہ پیش لفظ تو کتاب کی زینت ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے۔

زہرہ ممتاز

شریکِ سفر

''نہیں بھئی ہمارے بھائی جان آزادیٔ نسواں کے قطعی قائل نہیں، وہ تو پابندیٔ نسواں کے حامی ہیں۔''

شرمین نے زور و شور سے آزادیٔ نسواں پر شروع ہو جانے والی بحث کو ایک پل میں چوپٹ کر دیا اور اس نے یقیناً صرف مذاق میں آصفہ کو چھیڑنے کے لیے یہ بات کہی تھی، مگر آصفہ کو ہراساں کرنے کے لیے کوئی بہت چھوٹی سی بات بھی کافی تھی۔ اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو پھیلا کر وہ فوراً طلعت کو دیکھنے لگی جیسا کہ ہر مشکل میں دیکھا کرتی تھی اور طلعت نے اپنی ہوشیاری سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ٹوکا۔

''اپنی آنسہ، کو پابند کرنے کے اتنے ہی حامی ہیں شرجیل صاحب تو اپنے بزرگوں کو جلد بھیجیں، بچوں میں ایسی باتیں کب ہو سکتی ہیں بھلا۔''

تہنیت بلا کی تیز اور پٹاخہ تھی، اس کی فوری حاضر جوابی سے شرمین اور شرجیل دونوں بہن بھائی گڑبڑا سے گئے اور آصفہ بی بی کی آنکھوں کی وحشت بھی کچھ کم ہوئی۔

''ارے جب دل میں پابند کر لیا ہے تو گھر میں بھی کر لیں گے، لڑکیوں کو اتنی جلدی نہیں مچانی چاہیے۔ ہم نے تو سنا تھا کہ ایسے معاملات میں بات کرتے بھی لڑکیاں شرماتی ہیں۔''

اب آصفہ کو محفل چھوڑ کر بھاگنا ہی پڑا، مگر طلعت جانتی تھی کہ وہ دروازے کی اوٹ میں دل یہیں لگائے کھڑی ہے۔ شرجیل قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''افوہ! شرم کی مار، مار کر ہی تو آپ لوگ لڑکیوں کو جینے نہیں دیتے، ارے بھئی، اکیسویں صدی شروع ہو گئی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ شرم و حیا صرف عورت کا زیور ہی نہیں مردوں کی ڈھال بھی ہے، یہی ہماری سنت بھی ہے اور اسی کو ہمارا معاشرتی نظام بھی ہونا چاہیے، مگر ہمارے ہاں صدیوں سے اس وصف کو عورت کی کمزوری مان کر اسے اور دبایا جاتا ہے۔''

وہ یک دم چپ ہو گئی۔

''چھوڑ دو اب اس بحث کو، دیکھو مانا سب کی تواضع کے لیے اتنی اچھی آئس کریم لائی ہے کہ سب ٹھنڈے پڑ جائیں۔'' طلعت نے نامناسب رنگ لیتی بحث کو سمیٹنا ہی مناسب سمجھا۔

''یہ شرجیل جیسے مرد ہیں نا۔ گندھے ہوئے آٹے کی طرح لڑکیوں کو جس صورت میں چاہے ڈھال لیتے ہیں اور تم ہو آصفہ بی بی! کہ اگلے لمحے بزدلوں کی طرح محفل چھوڑ کر ہوا ہو گئیں۔ ارے پانچ منٹ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہیں بیٹھی رہتیں نا تو میاں صاحب زادے کے چودہ طبق روشن ہو جاتے۔ اونہہ دوسری کو نصیحت کرتے ہیں اور خود ان کی بہن دیکھو، زمانے بھر کی پٹاخہ اور لومڑی کی طرح چالاک۔''

تہنیت کو بھلا کوئی کچھ کہہ دے اور وہ سہ لے۔ وہ تو اس وقت طلعت نے اس کے بہت زور سے چٹکی کاٹی، سو وہ چپ رہ گئی تھی۔ مگر اب تک ہاتھ مل رہی تھی کہ اسے جی بھر کر سنا نہ سکی۔

اور آصفہ اپنے کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں شرجیل کو کوئی بات بری نہ لگی ہو، تہنیت کے لہجے پر وہ جی ہی جی میں ضرور برہم ہوا ہوگا۔ کہیں شرجیل۔۔۔!

بس اس کی سوچ کی ابتدا اور انتہا یہیں تک جاتی تھی، کوئی خیال آئے تو شرجیل کے نام کا اور جائے تو شرجیل کے نام کا۔

امریکا کے ٹریڈ ٹاورز پر جہاز کس نے گرائے؟ کمپیوٹر وائرس کی انتہا کتنی نقصان دہ ہے اور کتنی فائدہ مند یا؟ صفیہ خالہ اپنی اکلوتی بیٹی کا رشتہ، جواد ماموں کے لڑکے سے کریں گی یا نہیں؟ اسے ان نئی پرانی، اندرونی و بیرونی خبروں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کے دل کے اندر بس چوبیس گھنٹے شرجیل کے نام کا سُر گونجتا رہتا تھا۔ اس کی آہٹ، چوکھٹ اور جھنجھلاہٹ کا دھڑکا اس کے ذہن سے چمٹا رہتا تھا۔

وہ ان کے گھر مسکراتا ہوا آتا اور مسکراتا ہوا ہی جاتا تو درمیان میں کٹنے والے سارے دن آصفہ سُریلے، شرمیلے ملن کے گیت گاتی رہتی اور اگر کبھی وہ کسی طرح روٹھ جاتا بلکہ روٹھتا بھی کیا ان کی آپس کی تو نہ چوری کی ملاقاتیں تھیں نہ باتیں تھیں، بس اس کی طرف سے روٹھنے کا اشارا ہی مل جاتا تو وہ باؤلی ہو جاتی۔ سیدھے سادے کام اس سے الٹے ہو جاتے، بات کسی سے کرتی، دھیان کہیں اور بندھا ہوتا، نہ راتوں کو سوتی اور نہ دن کو ہوش میں ہوتی۔

''یار تہنیت! اس کا کیا ہوگا، شرجیل تو اسے پاگل کر دے گا۔'' طلعت ہر نماز کے بعد اپنی خواہشیں، آرزوئیں بھول کر پہلے آصفہ کے لیے دعا کیا کرتی تھی۔

''کر دے گا! کیا ابھی تمہیں یہ پاگل نہیں لگ رہی؟''

تہنیت چیخ کر بولی۔ وہ تو یوں بھی اپنی اس کزن کا حال دکھ کر ماتھا پیٹا کرتی تھی۔

''مگر یار! میں دن میں ہزار بار ضرور سوچتی ہوں کہ جتنی مخلص اپنی آصفہ ہے۔ شرجیل ہرگز اتنا سیریس نہیں ہے۔''

وہ بچپن سے ہی آصفہ سے بہنوں سے بڑھ کر پیار کرتی تھی اور آصفہ بھی طلعت کو اپنی کزن ہی نہیں سب سے پیاری دوست، ہمدرد مانتی تھی۔ اسے چاہتی بھی بہت تھی، شاید طلعت جتنا اسے چاہتی تھی اس سے بڑھ کر اسے چاہتی ہو مگر شرجیل سے بڑھ کر نہیں۔

''یہ کوئی نئی بات نہیں، ہمارے ہاں مرد اور عورت کے معاملے میں یہی فلسفہ لاگو ہوتا ہے۔''
تہنیت لاپروائی دکھا رہی تھی مگر ایسی بھی بے پروا نہ تھی۔

''کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے۔ اس کے جسم سے اس کے دل کو نکال باہر کروں۔ ایسا دیوانہ دل اور ایسا جنون۔ اس پر کسی کے سمجھانے کا خاک اثر نہیں ہوتا۔ بس ہر بات کی تان یہیں پر ٹوٹتی ہے کہ میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔''

''پٹ جائے گی بی بی آصفہ اپنے دل کے ہاتھوں، مگر طلعت! تمہاری تو وہ ہر بات مانتی تھی۔''
تہنیت بالآخر کڑھتے چڑتے سنجیدگی پر آ ہی گئی۔

''اس معاملے میں نہیں مانتی نا اور اسی معاملے میں، میں اس سے منوانا چاہتی ہوں۔''

''خیر، اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم اپنی کوشش چھوڑ دو گی۔''

''ہرگز نہیں! میری کوشش تو اور تیز ہوتی جاتی ہے مگر اس دن کے ذرا سے منہ بنا کر گئے ہوئے شرجیل کے پیچھے آصفہ کے باؤلے پن پر میرا جی چاہ رہا ہے، اسے بہت سارے تھپڑ لگاؤں۔ تہنیت! تم اپنے غصے سے اسے سمجھاؤ۔ اسے بتاؤ کہ مرجاؤ گی تو تین دن سوگ منا کر چوتھے دن تمہارا شرجیل دوسری لڑکی ڈھونڈنے نکل پڑے گا۔''

''ہائے اللہ طلعت! ایسی باتیں نہ کرو، آج الٹا الٹا معاملہ چل رہا ہے، مجھ سے زیادہ تم غصے میں ہو۔ کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا؟'' تہنیت حیران ہوئی۔

''رات اس نے ایسی حرکت کی کہ میرا خون ابھی تک کھول رہا ہے۔'' اور رات کی بات یاد کر کے وہ پھر تپنے لگی۔

طلعت تو نیند اور بھوک دونوں معاملات میں کچی تھی، اس نے سوچا تھا وہ اور آصفہ دیر تک جاگیں گے اور ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔ اسی خیال سے اس نے اچھی سی کافی بنائی اور لے کر اندر کمرے میں سوئی ہوئی تہنیت کے خیال سے چپ چاپ گئی اور جو وہ بنا آہٹ کے کمرے میں گئی تو اسے دیکھنے کو یہ ملا کہ آصفہ صاحبہ گود میں رکھی کتاب کے آگے ہاتھ جوڑے بیٹھی کچھ بڑبڑا رہی ہیں۔ وہ مزید خاموشی سے آگے بڑھتی اس کے سر پر پہنچ گئی۔

''پلیز شرجیل! کسی کی بھی کبھی کوئی بات تمہیں بری لگی ہو تو مجھے معاف کر دو۔'' وہ کتاب میں رکھی شرجیل کی تصویر کے آگے یوں منمنا رہی تھی جیسے اس کے قدموں میں بیٹھی خدانا خواستہ اپنی زندگی بخش دیے جانے کی بھیک مانگ رہی ہو۔

اوہ گاڈ! میرا تو جی چاہا تھا، گرم گرم کافی کا کپ اس کے اوپر انڈیل دوں۔ مگر صرف اس کی سبکی کے خیال سے چپ چاپ کافی سرہانے رکھ کر پلٹ گئی۔''

سارا قصہ تہنیت کو بتا کر اس نے کہا تو اس کی چھوٹی بہن بھی سر پیٹ رہی تھی۔

''میں تمہاری جگہ ہوتی تو اسے ہرگز شرمندگی سے نہ بچاتی۔ اسی وقت اسے ایسی کڑوی کسیلی سناتی کہ آئندہ کے لیے ایسی حرکت سے توبہ کر لیتی۔''

''وہ یوں توبہ کر لینے والوں میں سے نہیں اور میرا اس کے ساتھ دوستی کا بھی رشتہ ہے نا، تو دوستی میں

بہت سے رویوں کا بھرم رکھنا پڑتا ہے۔''

''ٹھیک کہتی ہو تم پریار! مجھے لگتا ہے آصفہ کا رشتہ شرجیل سے نہیں ہونا چاہیے تھا، دونوں کا کوئی جوڑ ہی نہیں، ایک پس جانے کے لیے تیار اور ایک پیسنے میں ماہر۔''

''آصفہ کے سامنے یہ بات کہنا۔ شرجیل کے نہ ملنے کی بات پر وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جائے گی۔''

دونوں بہنیں دیر تک آصفہ کے لیے فکر مند ہوتی رہیں۔ آصفہ ان کی چھوٹی خالہ کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ دو سال پہلے اس کا رشتہ اپنے تایا کے بیٹے سہیل احمد کے گھر طے ہوا تھا۔ اس رشتے میں سراسر دونوں فریقین کی مرضی شامل تھی۔ سہیل احمد کا بیٹا شرجیل ایم بی بی ایس کرنے کے بعد پوسٹ گریجویٹ کورس کے لیے امتحانوں کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کا سب سے بڑا رعب یہ تھا کہ اس کے پاس وقت نہیں ہے، مہینے دو مہینے کے بعد جب اس کی خاص طور پر بااہتمام دعوت کی جاتی تو وہ باقاعدہ پوری طرح تیار ہو کر کھانے کے وقت سے صرف پانچ منٹ پہلے پہنچتا اور اگر کھانا لگنے میں کہیں دو پانچ منٹ زیادہ لگ جاتے تو فوراً گھڑی دیکھنے لگتا، ایک منٹ اور گزرتا تو اپنا موبائل آن کر کے نمبر ملاتا۔

''دیکھو صفدر! میں نے اپنا موبائل بند رکھا ہوا ہے اگر کوئی بہت زیادہ ایمرجنسی ہو تو مجھے اس نمبر پر کال دینا۔''

گھر کا نمبر دے کر موبائل آف کرتے ہوئے وہ ایک بہت ہی مغرورسی مسکراہٹ سامنے بیٹھے ہوئے سب لوگوں کی طرف پھینکتا اور اس حد سے آگے بھی شاید گزر جاتا کہ کھانا لگ جانے کی اطلاع مل جاتی۔

''اونہہ! دو پیسے کا ایم بی بی ایس ڈاکٹر، نخرے یوں دکھاتا ہے جیسے ساری ایمرجنسیاں پڑی اس کے لیے رو رہی ہوں گی۔'' تہنیت اس کے پیچھے ہمیشہ اسے گالیاں ہی دیتی تھی۔

''یہی بات تم اس کے سامنے کہہ دیتیں نا۔'' طلعت اسے چھیڑتی۔

''کہہ ہی دیتی، بس ماموں جان کا غصہ ڈرا دیتا ہے ورنہ میں تو اس کے سر پر ایسے گولے برساؤں کہ دوبارہ ادھر کا رخ ہی نہ کرے۔''

''ارے ارے، ادھر کا رخ نہ کرے گا تو اپنی آصفہ کو کون بیاہ کر لے جائے گا۔''

صفیہ خالہ کی بیٹی سنبل اسے یاد دلاتی۔ غرض ہر بار وہ ساری کزنز مل کر اس کو پیٹھ پیچھے اتنا سناتیں کہ اس کے یہاں کیے گئے سارے گناہ گھر پہنچنے کے راستے میں ہی دھل جاتے ہوں گے۔

وہ ساری کزنز ہر پندرہ دن کے بعد دو دن کے لیے اپنی اپنی ماؤں کے ساتھ ان کے میکے یعنی بڑے ماموں کے گھر جمع ہوتی تھیں، ان کے نانا جان کا انتقال دس سال پہلے ہو چکا تھا۔ تب سے نانی جان بڑے ماموں کے پاس ہی رہتی تھیں، بلکہ بڑے ماموں نے سب بھائی بہنوں کے لیے اپنے گھر کو میکہ بنایا ہوا تھا۔ وہ پانچ بھائی بہن آپس میں اتنی محبت اور میل ملاپ رکھتے تھے کہ یہی پیار اور انسیت ان کے بچوں کو بھی ایک دوسرے کے لیے ورثے میں ملی تھی۔

شرجیل کی بھی اکثر دعوت بڑے ماموں کے گھر ہی ہوتی تھی۔

اور اس بار صرف شرجیل ہی کو نہیں تایا جان کی پوری فیملی کو دعوت دی گئی تھی۔

''یہاں اپنے لان میں ہی کر لیتے ہیں دعوت، تمہارے گھر میں اتنی جگہ ہی کہاں ہے امینہ، کیوں اماں۔'' بڑے ماموں نے اپنی بہن سے بات کہہ کر ماں کو پکارا۔

''نہیں بیٹا! یہ دعوت اس کے اپنے گھر پر ہی بھلی لگے گی۔ گھر میں گنجائش بھی ہو ہی جائے گی۔'' پھر ماموں جان کچھ نہ بولے۔

نانی جان کا خیال تھا کہ یونہی ان لوگوں کو دعوت پر بلا کر شادی کی تاریخ کی بات کی جائے۔ آصفہ کے والد کو بھی یہ مشورہ پسند آیا ورنہ وہ سوچ رہے تھے کہ خود جا کر بڑے بھائی یا اس کے بیٹے سے کس طرح یہ بات کہیں۔ آصفہ کا بی اے کا رزلٹ بھی آ گیا تھا۔ ان سب کا خیال تھا کہ منگنی کو اتنا زیادہ طول دینا کسی طرح مناسب نہیں۔

''یہ نانی ماں کو پتا نہیں اتنی کیا جلدی پڑی ہے، سال دو سال اور بیٹھ جائے گی آصفہ اپنے گھر تو کون سی قیامت آ جائے گی۔''

طلعت اس دن صبح سے بڑبڑا رہی تھی۔ اسے اپنی طرف سے جلدی مچانے والا خیال بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ کیسے پسند آتا، ایسی پیاری سہیلی پرائی ہو جائے گی، یہ دکھ رہ رہ کر اس کی آنکھوں میں پانی بھر دیتا۔

''ارے اپنی آصفہ سے تو پوچھو، اس کے دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں، اس کا تو ایک ایک دن مشکل سے گزر رہا ہے تم سالوں کی بات کر رہی ہو۔'' سنبل نے کہا۔

''اب ایسی بھی بے مروت نہیں ہوں میں، مجھے کیوں جلدی پڑی ہوگی۔'' آصفہ اس دعوت کی وحشت سے حسبِ عادت بوکھلانا شروع ہو گئی تھی۔

''ارے بنو رانی! ہم آپ پر کوئی فردِ جرم عائد نہیں کر رہے، ساری لڑکیاں اس موقع پر اپنی سکھی سہیلیوں سے بے وفائی ہی کرتی ہیں۔'' سنبل نے اسے منہ بنا کر دکھاتے ہوئے کہا۔

مگر طلعت پھر چپ ہو گئی تھی، آہستہ آہستہ سب ہی چپ چاپ اپنے کاموں میں لگ گئیں۔

آج صبح سے وہ سب امینہ خالہ کے گھر جمع ہوئی تھیں۔ امینہ خالہ بھی خوش تھیں کہ ان کی بھانجی بھتیجیوں نے ابھی سے گھر میں شادی کا سماں پیدا کر دیا تھا۔

''سنو سنو! کزنز ایک اہم خبر!''

ناخن تراشتی ہوئی آصفہ کے ہاتھ سے نیل کٹر چھوٹ گیا۔ بڑے ماموں کے بیٹے ثاقب کے یوں سسپنس پھیلانے پر پہلے وہی بوکھلائی اور طلعت نے اسے گھور کر دیکھا۔

''سنو، خبروں کے دوران وقفہ نہیں ہونا چاہیے، سمجھے۔ اور تمہارا تو خبر نامہ بھی کمرشلائزڈ ہوتا ہے۔ اب جلد بتا بھی چکو۔'' تہنیت نے اسے جھڑکا۔

''مجھے تم سے یہی امید تھی، ایسی خاص رازداری والی خبر لایا ہوں جو صرف بڑوں کی حد تک محدود ہے اور یہ بات ہمارے گھر میں بھی نہیں ہوئی مگر تم لوگ کہاں داد دینے والے ہو۔ میں جا رہا ہوں۔'' وہ روٹھ گیا۔

''ارے میرے بھائی! یہاں اتنے بے صبرے لوگوں کو تم کس کے آسرے پر چھوڑے جا رہے ہو'' طلعت لپک کر اس کے پاس آئی، اس کی نظر تیزی سے بدلتی آصفہ کے چہرے کی رنگت پر تھی۔

''چلو اب اپنے بچوں کی طرح جلدی سے بتا دو۔ کیا بات ہے پھر اس کے بعد ہم تمہیں ایک اور اہم کام سونپنے والے ہیں۔'' طلعت نے اسے مزید بہلایا۔

''وہ اپنی صفیہ پھوپھو ہیں نا، وہ بھی آج اپنا فیصلہ سنانے والی ہیں۔''

آصفہ کی سانس بحال ہوئی اور سنبل کی رک گئی۔ لیکن ثاقب کے سامنے کچھ بول نہ سکی۔

''فیصلہ کیا ہوگا۔ یہ بھی تو بتاؤ۔''

''فیصلہ تو جب بتاؤں گا کہ ابھی فوراً سنبل ہم سب کو فالودہ اسپیشل گلاس کھلانے کی آفر کرے۔''

''ارے نہیں سنبل کیوں کھلائے فالودہ آئس کریم، اپنے اس کام چور، نکھٹو کزن سے کہو، اس کے سر چند روپے تو ساری عمر سر پر ہاتھ رکھ کر بھی اپنی سنبل روئے اور فالودہ کا خرچا بھی اپنی جیب سے برداشت کرے۔'' تہنیت نے ثاقب کو سنائیں۔

''اوہو اس کا مطلب ہے، بڑوں کے درمیان کیا گیا فیصلہ لڑکیوں بالیوں کو منظور نہیں ہے، میں ابھی جا کر دادی جان کو یہ اطلاع دیتا ہوں۔'' ثاقب بھی اتنا سیدھا نہیں تھا۔

''نہیں نہیں، ایسا غضب نہیں کرنا، یہاں کوئی اپنی جان سے چلا جائے گا۔'' آصفہ سب سے پہلے بولی تو سنبل سمیت سب اس کے سر ہو گئیں۔

''آصفہ اسٹوپڈ! کیا فالتو کی جان ہے ہماری کہ یوں آتے جاتے لوگوں کی راہ میں لٹاتے پھریں۔ تم تو ہمیشہ بے مول کر دینے والی بات کرتی ہو'' فوری طور پر جواب سنبل نے دیا۔

''چلو تم لوگ آپس میں فیصلہ کر لو، تب تک میں اپنے ایک دو کام نمٹا کر آتا ہوں، ویسے یہ بات طے ہے کہ اگر معاملہ سنوارنا ہے تو فالودہ آئس کریم ضرور کھلانی پڑے گی۔ کیونکہ آپ لوگوں کو خبر نہیں کہ بزرگوں کے دوپہر کے اجلاس میں میرا جگری دوست جسے ابھی آپ نے نکھٹو اور کام چور بنایا ہے۔ وہ بھی شرکت کرے گا، یعنی اس کی رائے معلوم کی جائے گی۔'' وہ اکڑ رہا تھا۔

''اچھا جب ہی آپ اترائے اترائے پھر رہے ہیں کہ آپ کے دوست سے رائے مانگی گئی ہے، جائیے اور اس وقت سے ڈریے جب رائے معلوم کرنے والے ادھر کا بھی رخ کریں گے۔''

طلعت نے اسے چلتا کر دیا اور اس کے بعد اس نے خوب آصفہ کی خبر لی۔

''تم کس مٹی کی بنی ہوئی ہو آصفہ! اپنی سوچ کو بدلو ورنہ ہم تمہیں اس گھر سے رخصت نہیں ہونے دیں گے۔''

''یہ اس طرح کی ڈپلومیسی مجھ سے نہیں ہوتی۔ جب سنبل، انصار کو چاہتی ہے تو اس میں پردہ داری کیسی! سب جانتے ہیں لیکن بلاوجہ اظہار سے گریز کرنا۔''

''یہ گریز ہی لڑکیوں کا وتیرہ ہونا چاہیے، تم اگر یونہی ہر وقت اپنے آپ کو دل و جان سمیت اپنے محبوب کے قدموں میں حاضر رکھنا چاہو گی تو محبوب تمہاری کیا خاک قدر کرے گا۔'' تہنیت نے بھی اسے سمجھایا۔

''تم شاید ٹھیک کہتی ہو مگر میں پتا نہیں کیوں یہ بات بھول جاتی ہوں۔''

اب اسے سمجھانے والا یہیں آ کر ہار جاتا تھا، وہ فوی اپنا قصور مان لیتی مگر یہ نہ کہتی کہ آئندہ وہ یہ قصور نہ کرے گی۔

ٹھیک تین مہینے بعد آصفہ کی شادی کی تاریخ مقرر کی گئی اور سنبل اور انصار کی منگنی اس مہینے کے آخر میں ہی ہونا طے پائی۔

سب خاندان والوں کے چہرے خوشی سے تمتمانے لگے، شادی کی خوشی پر تو در و دیوار تک گیت گانے لگتے ہیں، سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہوئی کہ شادی کی تاریخ طے کرنے کی بات تایا جان نے خود ہی چھیڑی، آصفہ کے والد بہت زیادہ مطمئن اور ہلکے پھلکے ہو گئے ورنہ دو دن سے وہ یہی بات سوچ سوچ کر پریشان تھے کہ آخر وہ خود یا ان کی طرف کا کوئی بھی فرد یہ بات کہتا ہوا کتنا برا دکھائی دے گا۔ دراصل ان کی طبیعت میں جھجک اور اب کیا ہوگا، کا خوف ہمیشہ ہی شامل رہا تھا اپنے سب بہن بھائیوں میں وہ شروع ہی سے بہت بھولے اور دبو قسم کے رہے تھے۔ خاص کر اپنے بڑے بھائی یعنی تایا جان کے گھر میں وہ کسی سے چالاکی یا تیز طراری میں مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور آصفہ مکمل ان ہی پر گئی تھی، اتنی بھولی اور ایسی ڈرپوک۔

''اف امینہ خالہ نے کہاں اس کی قسمت پھوڑی۔'' سنبل برملا کہتی۔

''لیجیے آپ کی خواہش پوری ہو گئی۔ مبارک ہو۔''

دعوت کے بعد جاتے جاتے شرجیل نے اس کے پاس آ کر دھیرے سے یہ جملہ اس کی طرف اچھالا تھا۔ وہ شرم سے سرخ ہو گئی اور سر جھکا کر ہنسنے لگی۔

''یہ کوئی ایسی خوشی کی بات نہیں ہے۔ وہ تم پر طنز کر کے گیا ہے۔''

طلعت نے اس کے انداز پر اسے جھڑکا تو اس نے نظر اٹھا کر اپنی دوست کو دیکھا اور پھر آگے کی طرف نکل جاتے ہوئے سب میں نمایاں شرجیل کو دیکھا۔ اس کی چال میں غرور زیادہ تھا اور سرور کم، وہ تو ایک آدمی ہی تھا شرجیل جس کا نام تھا مگر اسے یوں سب میں نمایاں تو آصفہ کی نظر اور اس کی نظر کے اثر نے ہی کیا تھا۔

''تمہیں اسے جواب دینا چاہیے تھا کہ آپ کی خواہش کیا ہوئی؟''

اس کی کزنز اور دوستیں ہر طرح اسے سکھاتی اور پڑھاتیں کہ کس طرح اسے شرجیل کے ساتھ نمٹنا چاہیے مگر یہ والا سبق وہ یاد کرنے کے معاملے میں بالکل ڈفر تھی۔

آپ سے عرضِ ملاقات نئی بات نہیں
ہے میرے لب پہ وہی بات، نئی بات نہیں
دل بے تاب یہ ہلچل، یہ قیامت کیسی
آج کچھ ان سے ملاقات نئی بات نہیں
آپ آجائیں تو رم جھم کی صدا ناچ اٹھے

اس نے پلٹ کر کیسٹ تھوڑی سی روائنڈ کی۔

آپ آجائیں تو رم جھم۔۔۔

اس کے دل کی کیفیت، احساس میں چاہت اور انداز میں اپنائیت یوں گھل رہی تھی، مسعود خان کی آواز میں غزل سنتے ہوئے بہت خوشی سے وہ بھی ساتھ ساتھ گنگنا رہی تھی کہ دروازے پر ہوتی آہٹ اور کمرے میں آتی طلعت کی طرف اس کا دھیان ہی نہ گیا اور اس کی مدہوشی اور سرور کتنی دیر تک کنارے سے لگ کر کھڑی طلعت نے دیکھا، یک دم سے پھر کیسٹ ریوائنڈ کرتے اس کی نظر طلعت پر پڑ گئی۔

''تم آئی ہو؟'' بالکل بے خیالی میں اس کے منہ سے یہ جملہ نکلا۔

''سوری۔ مجھے نہیں آنا چاہیے تھا مگر مجھے کیا خبر تھی کہ تم کسی اور کی آرزو کر رہی ہو۔''

''ہیں! نہیں۔ تمہارا دماغ خراب ہے۔ میں تو یونہی غزل سن رہی تھی۔''

وہ سچ مچ بوکھلا گئی مگر طلعت نے اس کو کچھ بھی کہنے کے بجائے اس کے کمرے سے نکل جانا بہتر سمجھا وہ پیچھے سے طلعت، طلعت کرتی رہ گئی۔

لیکن پھر اگلے لمحے وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس کا کوئی خیال اس کے چہرے پر لکھا ہوا تھا یا جذبے کا کوئی رنگ پھیل گیا ہو۔ کچھ دیر وہ اپنے حواس جمع کرتی رہی اور پھر بالوں کو کلچ کلپ میں اچھی طرح سمیٹتے ہوئے کمرے سے باہر آئی۔

اسے خبر تھی طلعت امی جان کے پاس گئی ہوگی۔ مگر وہ باہر برآمدے میں ٹہل رہی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ مجھے بہت برا لگا۔'' اس نے طلعت کو بازو سے پکڑ کر روکا کیونکہ اس نے اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر بھی ٹہلنا بند نہ کیا تھا۔

''ارے اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے، میں آئی تو تم کہیں اور پہنچی ہوئی تھیں۔ اب میں ہر جگہ تو تمہارے ساتھ نہیں آسکتی نا۔'' عجیب سا انداز تھا طلعت کا۔

''دیکھو طلعت! تمہیں پتا ہے، مجھے یہ ہیرا پھیری کی باتیں نہیں پسند، سیدھی سی بات کہو کہ تم جیلس فیل کر رہی ہو۔''

حسِ جذبات آصفہ کی اتنی تیز تھی، وہ اکثر لوگوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا کرتی تھی۔ طلعت نے آنکھ اٹھا کر آصفہ کی طرف دیکھا۔

''آصفہ! تم ہمیں بہت جلدی اور بہت آسانی سے بھول جاؤ گی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اور پھر وہ سچ مچ رونے لگی۔ اس کے دل میں ایک کسک، ایک عجیب تعصب کی لہر سی دوڑی تھی۔ اک لمحے کے لیے اس نے سوچا تھا کہ شرجیل اور آصفہ کو الگ الگ کر دے، اس ایک پل جب اسے لگا تھا جیسے شرجیل آصفہ کے پورے وجود میں پھیلا ہوا ہے۔

''پاگل ہو! یوں رو رہی ہو، لگتا ہے تمہیں مجھ پر بھروسا ہی نہیں۔ ارے کیا ہر رشتے کی اپنی اہمیت نہیں ہوتی اور کیا بندہ شادی کر کے باقی سب دنیا کو بھول جاتا ہے؟''

برآمدے میں ہی ایک طرف وہ دونوں بیٹھ گئیں اور اس کے آنسو اپنی انگلیوں سے صاف کرتے

ہوئے آصفہ اسے سمجھانے لگی۔

''شرجیل تمہیں اچھا نہیں لگتا نا، چلو تم کہتی ہو تو میں اس سے شادی نہیں کرتی بس۔''

وہ ہنستے ہوئے کہنے لگی تھی مگر آنسو روک کر طلعت نے اسے ٹوکا۔

''اب ایسی باتیں نہ کرو، خالہ جان سن لیں گی تو مجھے اپنے گھر سے نکال باہر کریں گی۔'' اس نے اپنی ہر کیفیت کو قابو کر لیا۔

''شرجیل نہیں تو کوئی اور ہوگا، شادی تو تم ضرور کرو گی اور جس سے کرو گی اس سے میں جلوں گی ضرور۔''

ہلکے پھلکے لہجے میں اب وہ اس سے مذاق کر رہی تھی۔

''اچھا۔ اس کا مطلب ہے، تمہاری شادی پہلے کر دینی چاہیے مگر تین مہینے میں تمہارے معیار کا دولہا کیسے مل پائے گا۔'' وہ بھی ہنسی۔

''بس بس زیادہ پھیلو نہیں، میں نے رونا دھونا اس لیے بند نہیں کیا تھا۔''

وہ فوراً ہی سنبھل گئی تھی مگر حقیقت یہ تھی کہ اس نے اپنے دل میں سچ مچ حسد محسوس کیا تھا۔ جب ہم کسی کو زیادہ شدت سے چاہنے لگتے ہیں تو اس کے اوروں سے تعلقات، اس کے لگاؤ سے کبھی نہ کبھی جلنے ضرور لگتے ہیں۔ یہ سارے رویے انسان کی فطرت میں شامل ہیں صرف اتنا ہے کہ کوئی ان رویوں کو اپنے اوپر طاری کر لیتا ہے اور کوئی ان کے اچھے برے اثرات محسوس کر کے اپنے اندر دبا لیتا ہے یا سامنے لاتا ہے، خود نہیں ہارتا، جذبوں اور رویوں کو اپنا تابع بناتا ہے۔ طلعت بھی بہت تلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ یوں ہو نہیں سکتا تھا کہ کوئی سطحی جذبہ اسے کسی کے بھی آگے شرمسار کر سکے۔

سنبل کی منگنی ہوگئی تو اس کی شادی کی تیاریاں زور و شور سے ہونے لگیں۔ نانی جان، بڑے ماموں اور چھوٹے ماموں، صفیہ خالہ اور آمنہ خالہ اور اس کی ساری کزنز دل و جان سے اس کی شادی کی تیاریوں میں اس کی ماں کا ہاتھ بٹا رہے تھے، کوئی اپنا فرض نبھانے میں ذرا بھی اٹکا نہیں سو، کہیں اس کا کوئی کام رکا نہیں۔

بس اس کے پورے ننھیال میں خوشی کی لہر دوڑی ہوئی تھی۔ بچے بچے کی زبان پر ایک ہی مصروفیت کا نعرہ تھا۔ آصفہ کی شادی۔ کئی بار تو ان سب کی ایسی محبت اور چاہت دیکھ کر آصفہ کا جی بھی رکا، اس کا خیال بھی تڑپا اف۔ ایسے پیارے چاہنے والے، ایک شادی کے پیچھے سب چھوٹ کر رہ جائیں گے۔ کیسے کیسے محبت کے خزانے لڑکیاں ایک مرد کے نام پر چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔ رشتوں کی ایسی زنجیر کہ جس کا موتی موتی لفظ محبت کے نام پر پرویا گیا ہو، کیسے اس سے دامن چھڑا کر اور دائرہ کے اثر میں چلی جاتی ہیں، کبھی قدر ہوتی ہے! کبھی صلہ ملتا ہے! بہت کم۔ بہت ہی کم۔

''نہیں بھئی۔ یہ سنہری و نہری کیا ہوتا ہے، شادی کا جوڑا سرخ ہی اچھا لگتا ہے، تم یہی رنگ بتانا۔'' طلعت نے فوری منع کر دیا۔

ایک روز پہلے شرمین آئی تھی تو انگوٹھی اور چوڑیوں کا ناپ لے گئی تھی۔ ساتھ ہی شادی کے جوڑے

کا رنگ بھی پوچھا تھا جو کہ امینہ خالہ نے کہا کہ آصفہ سے پوچھ کر بتا دیں گی۔

''شرجیل کہہ رہا تھا کہ اسے گولڈن کلر کا شرارہ زیادہ پسند آیا ہے مگر امی جان نے سختی سے کہا ہے کہ رنگ آصفہ کی پسند کا چنا جائے گا۔''

اور یہ مرحلہ آصفہ کے لیے بہت کڑا تھا، شرجیل کی پسند کو رد کرنا گویا اس کے لیے کفر کی حد تک ناجائز تھا مگر میکے سے جدائی کے خیال سے وہ بھی ہر لڑکی کی طرح ان دنوں میکے کی محبت میں زیادہ گرفتار تھی اور طلعت کو تو آج کل وہ بالکل ناراض نہیں کر سکتی تھی سو اس نے اپنی پسند سرخ رنگ بتا دیا۔

''ڈیم فول گرل! مجھے انفرادیت کا کریز ہے مگر تمہیں ابھی تک میرے معیار کا اندازہ ہی نہیں۔ یہ کیا ساری دنیا جہان کی لڑکیوں کی طرح لال رنگ پہن کر بیٹھ جاؤ گی۔''

وہ جی ہاں، جی سرکار، جی صاحب کرتی لڑکی پہلی بار شرجیل کی پسند کو رد کر گئی تھی، مزید شرمین نے رنگ پیرا ہن چڑھا کر بات ایسے بڑھائی کہ شرجیل سے برداشت کرنا ناممکن ہو گیا۔ اسی دن رات کو اس نے اسے فون کر کے بری طرح جھڑک دیا۔

''سرخ رنگ تو دلہن کا امتیاز ہے ہمارے ہاں، نیلے پیلے رنگ تو ہم لڑکیاں ہر آئے گئے دن پہنتی رہتی ہیں۔''

ایک تو اس کی پسند کو جھٹلایا تھا۔ اوپر سے بحث کر رہی تھی اونہہ! جنگل کا قانون چلتا ہوتا یہاں تو وہ اس کی گردن مروڑ کر رکھ دیتا۔

''حد ہے، میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے وہ چیز پسند ہی نہیں جو سب استعمال کرتے ہیں اور تم اپنا راگ الاپ رہی ہو، اوہ یو آر نو میچ ود می (You are no match with me)۔''

اس نے پٹخ کر فون ہی بند کر دیا وہ تو یک دم بوکھلا کر رہ گئی۔ کہاں کسی دیوار سے سر ٹکرا دے یا اونچے پہاڑ سے چھلانگ لگا دے۔ اس نے کہہ دیا میں اس کے قابل ہی نہیں، کیا کیا باتیں سکھائی تھیں طلعت نے، شاید اسے خبر تھی کہ وہ اسے ٹوکے گا ضرور، سو اس نے بہت سے جملے اسے بتائے تھے، بحث اور وضاحت کے لیے، مگر دو ایک جملے کہہ کر ہی اس نے انجام دیکھ لیا تھا۔

''پاگل ہو بی بی آصفہ تم بھی، زندگی تمہیں شرجیل کے ساتھ گزارنی ہے یا طلعت کے ساتھ۔''

اس کے دل نے اسے بری طرح ڈانٹا۔ آخر وہ دل بھی شرجیل ہی کا دیوانہ تھا، اسے ڈانٹ اور جھڑک ہی سکتا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ اسے فوراً فون کر کے ابھی ہی منا لے۔

بھلا یہ بھی کوئی صنم کے روٹھ جانے کے دن ہیں، مگر پھر وہ رک گئی طلعت ناراض ہو جائے گی یا شرجیل آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ اس صورت حال سے قطع نظر اس کی اپنی بھی کوئی پسند تھی۔ اس کا اپنا بھی کوئی شوق تھا اور اس کا خیال یہی تھا کہ دلہن صرف رخ رنگ میں بچتی ہے۔ بس پھر اس نے تھوڑی سی ہمت کر لی۔ ہمت یہی کہ اس نے شرجیل کی بات کی پروانہ کی۔ آخر یہ تو اس کے ناز اٹھوانے کے دن ہیں، سر جھکا کر بیٹھ جائے اور دنیا جہان کی فکروں سے آزاد رہے، کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ وہ ابھی سے ہونے والے شوہر کی چاپلوسی کیا کرے۔

''بس جناب! مایوں بیٹھنے والی ہے ہماری آصفہ، اب وہ نہیں کرے گی آپ سے بات وات!''

دوسرے دن شرجیل کے فون کا اگلا سیشن تہنیت کے ہاتھ لگ گیا۔

''ارے بھئی، ابھی اسے مایوں بیٹھنے میں آٹھ دن پڑے ہیں، اور یوں بھی آپ کو کوئی حق نہیں دو دلوں کے درمیان کباب میں ہڈی بننے کا۔'' شرجیل کہاں کسی سے جھک کر بات کر لیتا۔

''اچھا۔ آپ کے پاس بھی دل ہے! ثبوت تو کبھی نہیں دیا آپ نے۔''

''افوہ! آپ کس رشتے سے مجھ سے اتنا فری ہو رہی ہیں؟'' وہ جھلا گیا۔

''لیجیے۔ سالی ہوں میں آپ کی اور چار باتیں آپ ہماری نہیں سن رہے تو کل کو ہماری بہن کا کیا خیال رکھیں گے۔'' تہنیت کو کہاں لحاظ کرنا آتا تھا۔

''زبردستی کی رشتہ داری جوڑ رہی ہیں آپ، ایسی تو آصفہ کی درجنوں کزنز ہیں مگر مجھے نہیں چاہئیں اتنی سالیاں! سمجھیں آپ؟''

اس نے لفظ سالیاں چبا کر بولا اور پھر کھٹ سے فون رکھ دیا۔ تہنیت کو تو بات ہضم کرنا مشکل ہو گیا، وہ بری طرح تپ کر رہ گئی۔

''ذلیل، کم ظرف، گھٹیا انسان، تمیز اور تہذیب تو اسے چھو کر نہیں گزری، کس جنگلی کے پلے باندھ دیا ہے تمہیں تمہارے ماں باپ نے۔''

فیڈ بیک کمپیوٹر کی طرح اس کے منہ سے تو ایک گالی کے جواب میں دھڑا دھڑ گالیاں نکل سکتی تھیں۔

''آخر کیا ہو گیا؟ کیوں انگارے چبا رہی ہو؟'' طلعت نے اسے ٹوکا۔

''یہ اس کا ہونے والا میاں، لڑکیوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں تو کیوں لڑکیوں والے گھر میں فون کھڑکا تا رہتا ہے۔''

اس نے آصفہ کی طرف اشارا کیا۔ جو ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے اطمینان سے لیٹی، بشیر بدر کا ''آسمان'' پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس نے کل سے تہیہ کر لیا تھا کہ باقی بچے ہوئے دس دن ضرور سکون سے بنا کسی کی پروا کیے صرف اپنے آپ میں مگن رہ کر گزارے گی لیکن تہنیت کی گالیاں اور پھر اگلی بات سن کر وہ کتاب ایک طرف پھینک کر اچھلتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

''اوہ! شرجیل کا فون آیا تھا۔'' وہ دونوں بہنیں اسے دیکھتی رہ گئیں، یہ اس کے اپنے اختیار سے بے اختیار معاملہ تھا۔

''آپ جذبوں کی گٹھڑی بنا کر ایک مضبوط سی گرہ لگاتے ہوئے اسے کون سے دریا میں پھینک سکتے ہیں۔''

اس نے محبت کی تھی اور مر مٹنے کی حد تک سچی محبت، کوئی اس کے جذبے کو ٹھہرا نہیں سکتا تھا، وہ خود اپنی الفت کو قید و بند کی پابندیوں میں نہیں رکھ سکتی تھی۔

''تم نے مجھے کیوں نہ بلایا؟'' وہ بے تاب تھی۔

''اب مایوں بیٹھنے والی ہو، اب بھی اس سے پردہ نہ کرو گی۔''

دماغ میں سرسراتی ساری گالیاں بھول کر تہنیت کا لہجہ نرم سا پڑ گیا تھا۔

''فون پر بات کرنے سے بھلا کون سی بے پردگی ہو جاتی ہے۔''

''طلعت! تم کیسی دوست ہو، اسے کوئی ڈھنگ کی بات اب تک نہ سکھا سکی ہو۔'' وہ اپنی بڑی بہن کو ٹوکنے لگی۔

''کیا سکھانا چاہتی ہو آخر تم لوگ مجھے، میں کوئی دودھ پیتی بچی ہوں یا کانچ کی گڑیا، جسے زمانے کو برتنا نہیں آتا۔ کسی کو ضرورت نہیں ہے میرے کسی معاملے میں ٹانگ اڑانے کی، خبردار! آئندہ کوئی میرے معاملے میں کچھ نہ بولے۔''

بہت اچانک اتنی تیزی سے وہ پھٹی تھی کہ دونوں بہنیں بہت دیر تک چپ کی چپ رہ گئیں۔ کمرے سے غصے میں باہر نکلتے ہوئے اس نے بہت زور سے دروازہ بند کیا تھا، اس کا دھکا دروازے کو نہیں طلعت کے دل کو لگا تھا۔

ساری شام اس کی غصے میں اپنے کمرے میں ٹہلتے گزر گئی۔ اس نے باہر جھانک کر نہ دیکھا کہ کون کیا کر رہا ہے، اس کے جہیز کی تیاری کے لیے آج کل تو تقریباً ہر روز ہی سب کزنز اس کے گھر جمع ہوتی تھیں۔ خاص کر طلعت ہر کام میں دل و جان لگا رہی تھی جوڑے ٹانکنے سے لے کر ہر سوٹ کے لیے میچنگ بندے اور کلپس ڈھونڈنے تک اور اس کے کمرے کے فرنیچر کے رنگ اور سجاوٹ کے لیے خریدے گئے گلدانوں کے پھول تک طلعت اس کے ساتھ ساتھ خوار ہوئی تھی۔ اپنے جہیز کے لیے چادر پینٹ کرنا شروع کی تو صبح ہی صبح فون کر کے اس نے طلعت کو بلایا۔

''یار! دیکھو یہ پھول پینٹ کرنے ہیں، انہیں چادر پر کس طرح سیٹ کروں۔ یہ تم بتاؤ۔''

''ارے زیور خریدنے تو تم لوگوں کے ساتھ نانی جان بھی جائیں گی۔ مجھے کہاں ساتھ گھسیٹو گی؟''

جیولر کے پاس آصفہ کے ساتھ جانے سے وہ کترائی تھی، کہیں کوئی ٹوک ہی نہ دے کہ جہاں دیکھو، سائے کی طرح بی بی آصفہ کے ساتھ چمٹی ہوئی ہے۔

''بھئی، میں تو ہر ٹیڑھے میڑھے ڈیزائن پر ہاں کر دوں گی، تم ساتھ ہوئیں تو نانی جان کے سامنے بولنے کی ہمت پڑے گی۔'' اس نے منت کی اور طلعت ٹال نہ سکی۔

فریج کا ماڈل، ٹی وی کا سائز، واشنگ مشین کا معیار اس نے کسی چیز میں طلعت کی جان نہ چھوڑی، اور آج اس نے یوں حساب لیا، ایسی بات کہی کہ طلعت کی جان میں جان نہ رہی۔ وہ اسی وقت گھر چلی گئی تھی، تہنیت اور سنبل نے اسے بہت روکا تھا۔

شام سے رات ہوئی تو آصفہ کو احساس ہوا کہ اس سے کچھ غلطی ہوئی ہے حالانکہ شام تک وہ بگڑی ہوئی تھی، اسے خبر بھی ہوئی کہ طلعت ناراض ہو کر واپس اپنے گھر چلی گئی ہے تو اس نے لاپروائی سے کندھے اچکا دیے تھے۔

''اونہہ! اب دوستی اور رشتہ داری کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اس کی مرضی سے زندگی گزرنے لگوں۔''

''ارے مروت کا ایسا بھی قتل دن دھاڑے جائز نہیں، اس رشتہ کو دوستی کا گھنا شجر بنانے میں کیا تم نے کوئی کردار ادا نہیں کیا بی بی آصفہ!'' پھر اس کے خیالات خود اس سے جھگڑنے اور الجھنے لگے۔

خلوص کا بیج ڈالا، محبت کی گرمی دی، احساس کا پانی دے دے کر شجر کو جوان کیا اور مروت کی ہوا کا رخ ہمیشہ اس شجر کی طرف زیادہ رکھا کہ اس کی جڑیں مضبوط ہوں، ثمر پھیلیں اور پھول کھیلیں۔

اور آج کیسے جذبات میں اندھی ہو کر آندھی اس شجر پہ گرادی۔

رات کے گہرے ہونے تک دل و دماغ میں اچھی خاصی گھمسان کی جنگ چھڑ گئی تھی۔ کھانا اس سے ڈھنگ سے نہ کھایا گیا اور نیند کا پُرسکون مزا وہ نہ لے سکی۔

صبح ناشتا تو اس نے جیسے تیسے کیا لیکن وقت جلد کٹ نہ رہا تھا اور اس کی بے چینی قابل دید تھی۔ اس نے تین دفعہ اپنے لیے چائے بنائی اور تین دفعہ ادھوری پیالی کچن کی ٹرالی پر چھوڑ کر چلی گئی، فون کے پاس وہ کتنی بار آئی اور پلٹی۔

''نہیں طلعت سے فون پر وہ ڈھنگ سے بات نہیں کر سکے گی۔''

بالکنی میں ٹہل ٹہل کر بھی اس نے پاؤں دکھا لیے۔

کیا طلعت اور شرجیل میں کبھی دوستی نہیں ہو سکتی۔

آخر ان دونوں شخصیات کے خیالات ایک دوسرے سے اتنے مختلف کیوں ہیں۔

اور وہ اکیلی لڑکی آصفہ جلال ان دونوں ہی کی ناراضی پر پاگل پن کی حد تک بے چین ہو سکتی ہے۔

''آصفہ! کیا ہوا ہے بیٹا؟''

امی صبح سے کام میں مشغول تھیں مگر ان کا دھیان اسی کی طرف لگا ہوا تھا۔ اس کی بے چینی وہ بہت دیر سے دیکھ رہی تھیں لیکن صبح کے وقت اکثر خواتین کی طرح ان کے پاس وقت کی شدید قلت ہوتی تھی، چاہتے ہوئے بھی بہت دیر تک وہ اس سے پوچھ ہی نہ سکیں اب سب کے لیے ناشتا بناتے ہوئے انہوں نے آواز دے کر آصفہ کو کچن میں بلا لیا تھا۔

''روٹی میں پکا لیتی ہوں امی۔'' وہ چائے چھاننے لگیں، تو اس نے روٹی بیلنا شروع کر دی۔

''چھوڑو تم، میں نے منع کیا ہے نا کہ اب کاموں کو ہاتھ نہیں لگایا کرو۔''

روزانہ وہ اسے ٹوکا کرتی تھیں مگر کچھ نہ کچھ وہ کرتی ہی رہتی، یونہی تو وقت بھی نہ گزرتا تھا اور پھر اسے اچھا بھی نہ لگتا تھا کہ وہ بیٹھی رہے اور امی کام کیا کریں۔

''آصفہ! تم سنتی نہیں ہو، اتنی دیر کم سے کم چولہے کے پاس تو نہ کھڑی رہو۔''

''بس پک گئیں امی! آپ ناشتے کے لیے بیٹھیں، باقی چیزیں میں میز پر لگا دیتی ہوں۔''

''بس کل سے میری عاصمہ رہنے آجائے گی تو میرے سارے کام یوں چٹکی بجاتے میں نمٹ جائیں گے۔'' امی جان نے اپنی بڑی بیٹی کو یاد کیا تو وہ فوراً بولی۔

''بہت اچھا امی! جو بیٹی آپ کے پاس نہیں ہے، اس کی قدر کر رہی ہیں اور میری کوئی حیثیت ہی نہیں۔''

''تیری حیثیت کی تو تجھے خود خبر نہیں، میرے گلشن کو ویران کر کے چلی جائے گی، ماں کے دل میں جھانک کر دیکھ تو پتا چلے اپنی حیثیت کا۔'' امی کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''امی! میرا بھی آپ سب کو چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا، وہ کمبخت طلعت میں تو میری جان اٹکی

ہوئی ہے۔'' وہ دوستوں کی طرح امی جان سے ہر بات کہہ لیتی تھی۔

''تم صبح سے طلعت ہی کی وجہ سے پریشان ہو؟''

انہوں نے آنکھوں میں آئے پانی کو صاف کیا۔ بیٹیوں کو رخصت کرنے کا دکھ جتنا پرانا ہے اتنا ہی گہرا۔ سارے والدین اس دکھ پر روتے بھی ہیں اور اس دکھ کو سہنے کے لیے بے تاب بھی رہتے ہیں۔

''تم لوگ آپس میں الجھتی کیوں ہو۔'' پوری بات تو انہیں معلوم نہیں تھی مگر اندازہ ''کچھ'' وہ لگا چکی تھیں۔

''آج ناشتا ملے گا یا یونہی اللہ حافظ کہہ جاؤں۔''

پاپا بالکل تیار ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑے تھے۔

''تمہارے پاپا خود لیٹ ہو جائیں تو کوئی پروا نہیں، ناشتا پانچ منٹ بھی لیٹ ہو جائے تو صبر نہیں کریں گے۔''

باتوں میں لگ کر وقت سرک گیا تھا، وہ جلدی جلدی میز پر رکھی پیالی میں چائے ڈالنے لگیں، آصفہ باقی ناشتا ٹرالی سے اٹھا کر میز پر ترتیب دینے لگی۔

''بس ڈائننگ ٹیبل تک پہنچ جاؤں پھر بھوک برداشت نہیں ہوتی اور اسی کرسی پر بیٹھ کر ہی دن بھر کے کام بھی سر پر سوار ہونے لگتے ہیں۔'' امی جان مسکرانے لگیں۔

''وقار نے ناشتا کر لیا یا نہیں؟'' ناشتا شروع کرنے سے پہلے پاپا نے پوچھا۔

''وہ تو ابھی اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلا۔''

''حالانکہ میں نے اس سے رات ہی کہہ دیا تھا کہ صبح اسے میرے ساتھ جانا ہے، آصفہ بیٹا ذرا آواز لگا کے آنا اپنے لاڈلے بھائی کو۔''

وہ فوراً بھائی کے کمرے کی طرف لپکی، وہ ناشتے کے لیے ہی آ رہا تھا۔

''پاپا! مجھے پتا ہے کہ آپ کی لاڈلی صاحبزادی کی شادی ہو رہی ہے اور آپ نے سارے کام مجھ ہی سے کروا کے ختم کر لینے ہیں، اپنے اس چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ بیٹے کے لیے کچھ نہیں چھوڑنے، جناب وہ ٹھہرے اثر و رسوخ والے آدمی، وہ کیوں کسی جھنجھٹ میں پڑیں۔ حکومت کے ملازم ہیں، کرسی پر ٹھاٹھ، گھر میں ٹھاٹھ۔'' وہ میز پر بیٹھا تو ناشتا بھی جلدی جلدی نمٹانے لگا۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے وقار، اگلے مہینے اس کے امتحان بھی ہونے والے ہیں، سارا دن وہ اسی طرح کام میں لگا رہے گا تو پڑھائی کیسے کرے گا، آخر دو تین روز میں شہریار آ ہی جائے گا، پھر سارا دن آپ کے ساتھ لگا رہے گا تو آپ کے سب کام نمٹ جائیں گے۔''

امی جان کو فوراً بیٹے کی محبت نے مجبور کیا کہ بولیں، آخر وہ دیکھتی تھیں کہ رات گئے تک بیٹا پڑھائی بھی کرتا ہے۔

''کیوں وقار میاں! یہ دوہری پالیسی کیوں چلائی جا رہی ہے، باپ کے پاس کچھ اور ماں کے پاس کچھ۔''

''ارے سمجھا کریں نا پاپا! یہ ہے ماں کا پیار وصول کرنے کا صحیح طریقہ۔''

اس نے مسکرا کر باپ کو دیکھا اور کرسی گھسیٹ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر ماں کے پاس آیا اور سر جھکا دیا تو انہوں نے ہنستے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کیا اور پیٹھ تھپتھپائی۔ اس نے گردن اکڑائی۔

''دیکھ لیجیے، میں آپ سے پہلے تیار ہوں، آپ کا ابھی ناشتا بھی پورا نہیں ہوا۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف پلٹا۔

''دیکھو بھلا، اس نے کیا پانچ منٹ میں ناشتا کیا، باتیں کیں اور ہوا ہو گیا، سدا کا تیز رو ہے یہ لڑکا۔''

امی اتنی دیر اس کی طرف ہی متوجہ رہیں۔

''تیزی کا ہی زمانہ ہے بیگم، دیکھنا یہی ایک دن بہت کچھ کر کے دکھائے گا، کل کہہ رہا تھا کہ بھائی جان کے اسلام آباد سے آنے سے پہلے ہی ہم دونوں باپ بیٹے سارے کام ختم کر لیتے ہیں تاکہ بھائی اپنی چھٹیوں کو آرام سے انجوائے کر سکیں اور ہم سب بھائی بہن اور کزنز مل کر شادی کا مزا بھی لے سکیں نہ کے کام کے ٹینشن میں وقت کے پیچھے بھاگتے پھریں۔''

''ماشاء اللہ! ایسی فرماں بردار اولاد اللہ سب کو نصیب کرے، جلال صاحب! ہماری اولاد ہمارے لیے اللہ کی بڑی رحمت اور نعمت ہے۔'' امی جان اب خود اطمینان سے ناشتا کر رہی تھیں۔

''بس اللہ ان کے نصیب اچھے کرے۔'' پاپا نے محبت سے آصفہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''پاپا چلیں!'' لاؤنج کی طرف سے وقار کی آواز آئی۔

''بس بیگم! مجھے اجازت دو، تمہارا بیٹا دھن کا پکا ہے۔''

پاپا سائیڈ ٹیبل سے اپنی عینک اور اپنا بریف کیس اٹھانے لگے۔

''امی جان! میں پاپا کے ساتھ چلی جاؤں، آمنہ خالہ کے گھر اتر جاؤں گی، طلعت بہت ناراض ہو گئی ہے نا۔'' اس نے جلدی جلدی ماں سے پوچھا۔

''ارے پاگل ہوئی ہو، اب شادی کو دن کتنے رہ گئے ہیں، اب گھر سے باہر نکلنے کے دن ہیں بھلا اور اماں جان کو پتا لگا تو وہ میری جان کو آجائیں گی۔ کوئی ناراض نہیں رہتی طلعت دیکھنا دو پہر تک خود ہی آئے گی اور نہ بھی آئی تو میں اسے منا کر لے آؤں گی۔''

پاپا نے لمحے بھر رک کر ماں بیٹی کی تکرار سنی اور اپنی بیگم کی بات مانتے ہوئے باہر کی طرف نکل گئے۔ اس کا موڈ آف ہو گیا لیکن اسے ضد کرنے کی عادت نہیں تھی۔ بلکہ اسے اپنی بات منوانے کے لیے تکرار کی بھی عادت نہ تھی۔

وہ چار بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی تھی اور چھوٹی بھی بہت زیادہ تھی، عاصمہ باجی اس سے سترہ سال بڑی تھیں اور بھائی جان یعنی شہریار بھائی پندرہ سال بڑے تھے۔ اس لیے اس نے ماں باپ کے لاڈ بھی اٹھائے۔ ساتھ بڑے بہن بھائی کی مادرانہ، پدرانہ شفقت بھی خوب سمیٹی۔

وقار اس سے چار سال بڑا تھا، ناز اس کے بھی اٹھائے گئے مگر آصفہ کو تو عاصمہ باجی نے ماں کی طرح پالا تھا، امی جان کو فکر ہی نہ تھی کہ آصفہ کا بھی کوئی کام کرنا ہے اور بھائی جان نے تو سارا بچپن اسے کندھوں پر کھلایا تھا۔ سو اس کے دو ہرے لاڈ تھے، کسی چیز سے امی منع کر دیتیں تو وہ عاصمہ باجی کے پاس

آ کر منہ بسورے کھڑی ہو جاتی اور مجال ہے جو وہ اس کی کسی جائز خواہش کو ٹالتیں جہاں پاپا اسے لے کر نہ جاتے وہاں بھائی جان کی گود میں چڑھی وہ پہنچ جاتی لیکن ایسی خوش نصیبی کے باوجود وہ کبھی ضد نہ کرتی۔ کسی ناجائز کے لیے نہ مچلتی۔ جس بات کے لیے اسے سمجھا کر منع کر دیا جاتا، وہ آسانی سے مان لیتی، فرماں برداری اس کی فطرت میں شامل تھی۔

فرماں برداری آسان ہنر نہیں ہے، اپنی مرضی کو دوسروں کے احترام یا محبت میں رد کر دینا اس دور میں جب لوگ اپنی مرضی دوسروں پر مسلط کیا کرتے ہیں، فرماں برداری صرف یہ نہیں کہ جی جی کریں، بلکہ یوں ہونا چاہیے کہ بات کو دل سے مان لیں اور جس بات کو ہم دل سے تسلیم کر لیں وہ سہل ہو جاتی ہے۔

بے وجہ خراب موڈ سے الجھنے سے بہتر اس نے جانا کہ طلعت کو فون کر لے۔

''سنو طلعت! آج گھر آ رہی ہو نا؟'' اس نے آگے پیچھے کوئی تمہید نہ باندھی۔

''ضرور آؤں گی کیونکہ پھر کل سے تو وہ تمہاری چہیتی عاصمہ باجی اور پیارے بھائی جان آ جائیں گے۔'' وہ بھی صاف بات بولی۔

''تم کیا یونہی میرے تمام چاہنے والوں سے جلا کرو گی؟''

''بالکل! بلکہ ان دنوں تو میں حاسدوں کی ملکہ بننے کی کوشش کر رہی ہوں، تمہیں اعتراض ہو تو ملنے پر اصرار نہ کرو۔'' اس کے مزاج پر کل کی تمام باتیں سوار تھیں۔

''دیکھو بابا! میں کان پکڑتی ہوں اور اپنے اگلے پچھلے تمام کتاہوں کی معافی چاہتی ہوں آپ کے دربار میں، اب تم حاسدوں کی ملکہ بنو یا ڈاکوؤں کی رانی یہ طے ہے کہ میں تم سے ملنا ترک نہیں کر سکتی۔''

اس نے ہنستے ہوئے فون رکھ دیا۔

''ایک کیکٹس کا گملا لیا ہے اور ایک ربڑ کا بہت خوف ناک سانپ تمہارے دولہا کو شادی والے دن تحفہ دینے کے لیے، بولو منظور ہے؟''

دوپہر کو گھر آتے ہی طلعت نے اس کی کھچائی کی۔

''ارے بابا! کان تو پکڑ لیے اب کیا پھانسی چڑھاؤ گی، میری بلا سے تم اصلی کا سانپ لے آؤ۔ میں تمہارے معاملے میں کچھ نہیں بولوں گی۔'' طلعت کو دیکھ کر اس کا سیروں خون بڑھ گیا۔

''دیکھا کیسی توبہ کروائی ہے قیس کو، اب لیلیٰ کا نام نہ لیا جائے گا۔'' طلعت نے آنکھیں چڑھا کر تہنیت سے کہا۔

''ارے یہ اپنی لیلیٰ ہے۔'' تہنیت نے یاد دلایا۔

''نہیں بھئی، اپنی آصفہ کے سلسلے میں قصہ الٹا ہے، یہ میاں مجنوں ہیں اور لیلیٰ ادھر بیٹھی ہے ناز نخرے اٹھوانے کو تیار۔''

وہ اپنے دل کی بھڑاس پوری طرح نکالنے پر تلی ہوئی تھی۔

''بس بہت بے ایمانی ہو گئی میڈم طلعت! چپ چاپ سنے جا رہی ہوں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ منہ میں زبان ہی نہیں رکھتی۔''

''اچھا ہے؟ منہ کھول کر دکھانا ذرا۔'' اس نے چڑایا۔
''طلعت کی بچی!'' اس نے کنارے رکھا مٹی کا گل دان اٹھالیا۔ لیکن امی جان اسی وقت اس کے کمرے میں آگئیں۔
''شکر ہے آج میری بچی کے چہرے پر رونق تو آئی، کل شام سے آج صبح تک تو یہ منہ لٹکائے جلے پاؤں کی بلی کی طرح سارے گھر میں پھری ہے۔ ایسے کیوں چلی گئیں کل طلعت، میری بیٹی کو بہت ستایا تم نے۔'' امینہ خالہ نے اسے پیار سے ڈانٹا۔
''آپ کی بیٹی کو سبق پڑھانا ضروری تھا آنٹی۔'' وہ کھلکھلائی۔
''چلو، اب اس جھگڑے کو نمٹاؤ اور کوئی کام کر کے دکھاؤ، آصفہ! وہ کڑھائی والی چادر آج مکمل ہو جانی چاہیے۔ بے وجہ اتنا بوجھ لے کر بیٹھی ہو، کوئی آخر آخر تک سلائیاں کڑھائیں کرتا ہے، آنکھیں نہ سوج جائیں گی۔''
وہ سنجیدہ ہو کر اپنا کام مکمل کرنے لگی۔ طلعت اور تہنیت بھی کام میں لگ گئیں۔ شام تک سنبل آئی تو وہ بھی ان کے ساتھ مل بیٹھی۔
''سرپرائز لڑکیو! آج میں امینہ خالہ کے گھر رہنے آئی ہوں۔'' وہ چہک رہی تھی۔
''اچھا ہمیں نہ بتایا، کہیں ہم بھی تمہارے ساتھ یہاں رہ نہ جاتے۔'' طلعت چلائی۔
''بناؤ نہیں۔ کیا تم لوگ اپنا کالج چھوڑ دو گی؟'' اس نے آنکھیں نکالیں اور پھر مزید کہا۔
''یوں بھی میرا پروگرام دوپہر کے بعد فائنل ہوا ہے اور میں نے آپ کے گھر فون کیا۔ تو پتا چلا آپ دونوں آصفہ کی محبت میں زیادہ مبتلا ہیں۔ بہت پہلے روانہ ہو چکی ہیں۔''
''ارے تم نے آکر پھر ہمیں باتوں میں الجھا لیا، امینہ خالہ ابھی ڈانٹ کر گئی ہیں کہ وقت ضائع نہ کریں، سلائی کڑھائی کا سارا کام آج مکمل ہو جانا چاہیے۔''
''کیوں کیا تاریخ بدل گئی، یہ کل ہی رخصت ہو رہی ہے۔'' سنبل موڈ میں تھی، خالہ کے ہاں ٹھہرنے کی خوشی میں اس کی طبیعت ترنگ میں تھی۔
''بھئی، اس کے بس میں ہوتا تو یہ ابھی چلی جاتی مگر کیا کرے مجبوری ہے ڈھول باجے بجنے اور قاضی صاحب کے آنے تک اسے رکنا پڑے گا۔'' تہنیت نے اسے چھیڑا۔
''بس تہنیت! آج آخری دن ہے، اب اسے نہیں ستائیں گے، امینہ خالہ نے بھی کہا ہے نا۔'' طلعت کو دوست کی دلی کیفیت کا بہت اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا۔
''بالکل ٹھیک ہے، سوری آصفہ! اب ہم سب کان پکڑتے ہیں۔'' ان تینوں نے سچ مچ کان پکڑ لیے، وہ ہنس پڑی اور ہنستے ہنستے پھر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

عاصمہ باجی آگئیں تو گھر میں رونق بہت بڑھ گئی، پھر امی جان کو بھی سکون اور راحت محسوس ہونے لگی، بھائی جان اور بھابھی جان آئیں تو بقول پاپا کے اب تو ہمارے گھر کا ہر کونا روشن ہو گیا ہے۔
''مہر النساء! سرکاری نوکری تو تمہارے میاں کی ہے، تم کیوں نیشنلائزڈ ہو کر اسلام آباد میں بیٹھ

جاتی ہو۔''

پاپا نے بھائی جان کے چھوٹے بیٹے کو گود میں بیٹھایا ہوا تھا۔ ارسلان آتے ہی دادا کی گود میں چڑھ جایا کرتا تھا، اسے اپنی یہ جگہ بہت زیادہ بھائی تھی اور دادا بھی اس کے لیے ہر وقت بے چین رہا کرتے تھے۔

''پاپا! کیا کروں آپ کے صاحبزادے سرکاری نوکری کرتے ہیں اور میں صاحب کی نوکری کرتی ہوں، ایمان داری سے بٹھا کر ان سے پوچھ لیں کہ نوکری میری سخت ہے یا ان کی؟'' پاپا ہنسنے لگے۔

''بہر حال، اب میرے گھر آ کر تم کو اس کی نوکری سے چھٹی ملی، سمجھو۔ آخر یہ بھی تو چھٹیاں منانے آیا ہے۔''

امی جان نے بیٹے کو اشارے میں تنبیہ کی۔ مہر النساء اٹھ کر ساس کے ساتھ چل دی، پھر شادی کے آٹھ دن واقعی اسے اپنے میاں کی ناز برداریوں سے اچھی خاصی چھٹی مل گئی، ورنہ شہریار اچھا خاصا پنکچوئل، سخت مزاج اور روٹین سے زندگی گزارنے والا آدمی تھا۔ مگر بہر حال وہ گھر کی ابھی اکلوتی بہو تھی، ہر کام میں ساس نند کا ہاتھ بٹانا، چھوٹے بڑے ہر کام میں آگے آنا اور اپنا آپ منوانا ایسے موقع پر اس کے لیے لازمی تھا۔

''آصفہ گڑیا! کسی چیز کی کمی تو نہیں رہ گئی بیٹا!'' جس دن کراچی آئے تھے اسی روز رات کھانے کے بعد بھائی جان اس کے کمرے میں آئے اور تسلی سے بیٹھ کر اس سے پوچھا۔

''نہیں بھائی جان! چیزوں کی کمی بیشی کی تو میں نے کبھی پروا ہی نہیں کی۔ یوں بھی پاپا نے کوئی کسر چھوڑی ہی نہیں اور وقار کو دیکھا آپ نے، کیسے چھوٹا، بھائی جان بن کر کام کر رہا ہے نا پھر اتنا سامان آپ اور بھابھی جان لیے چلے آئے ہیں، کچھ اور کہنے کی گنجائش ہی کہاں ہے۔ ہاں اتنی ساری محبتوں کی کمی کا ملال ہمیشہ ساتھ رہے گا۔''

وہ ان دنوں اتنی حساس ہو گئی تھی بات بات پر آنکھوں میں دریا اترنے لگتا۔

''ارے خدا نہ کرے کہ ہماری گڑیا کو کبھی محبت کی کمی کا ملال ہو۔ سسرال میں اتنا پیار اور آرام ملے کہ تم ہم سب کو بھول جاؤ۔''

بیٹیوں کو رخصت کرتے ہوئے سارے والدین یہی دعا کرتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے کرتے ہیں۔ اتنا ڈوب کر کہ اس دعا کو ہر بیٹی کے لیے ضرور قبول ہونا چاہیے۔ مگر قبولیت کی گھڑی بھی تو ہر کسی کی گرفت میں نہیں آتی نا۔

دلہن بنی آصفہ کو سب نے بے اختیار ماشاء اللہ کہا۔

اس کا صاف ستھرا چہرہ، دل کے شفاف آئینے کے عکس میں، دلہن کے پیراہن سے آراستہ یوں چمک رہا تھا کہ بس جس نے دیکھا نظر نہ ٹھہرائی کہ کہیں نظر لگ نہ جائے۔ وہ بہت حسین تھی، کھڑی ناک، گہری سیاہ آنکھیں اور گھنی پلکوں کے سائے، پردہ کر دیں تو دنیا اندھیر ہو جائے، پھر خوب صورتی کے ساتھ جذبات کا بھول پن، نیت کی پاکیزگی اور محبت کی سچائی وہ سچ مچ پری لگ رہی تھی، پاپا نے کہا۔

''ہمارے گھر کے ہر ذرّے کی چمک اپنے ساتھ لیے جا رہی ہو۔''

امی جان نے کہا۔ ''ہمارے دلوں کی محبت کا ہر سبق اپنی نئی کتابِ زندگی کے لیے سمیٹ کر لے جاؤ۔''

اماں جان نے کہا۔ ''ہمارے خاندان کی تربیت اور گہری یگانگت کا رنگ عمر کے ہر تار میں سجا کر ثابت کرنا کہ جلال احمد کی بیٹی اور اصغر یار میاں کی نواسی ہو۔''

بھائی جان نے کہا۔ ''بچپن میں جو محبتیں دی ہیں، ان کو راستے میں ستاروں کی طرح بچھاتی رہنا ہر راستہ روشن رہے گا۔''

عاصمہ باجی نے کہا۔ ''کبھی دعاؤں، کبھی یادوں اور کبھی وقت پڑنے پر ہمیں مڑ مڑ کر دیکھتی رہنا، ہم یونہی تمہیں چاہتے ہوئے، دعائیں دیتے ہوئے ملیں گے۔''

اور۔۔۔

طلعت نے کہا۔

''ہر کسی سے بڑھ کر اور مجھ سے بڑھ کر شرجیل اور اس کے گھر والوں کو چاہنا۔ یہی زندگی کی سچائی ہے، اس میں تم کامیاب ہوئیں تو میں سمجھوں گی تم دوست اچھی ثابت ہوئی ہو۔''

شرجیل سہیل احمد اور آصفہ جلال احمد، جیسے سمجھو مقناطیس کے دو مختلف سرے ہیں۔ ایک ٹکیٹو ایک پازیٹو، جیسے مانو دنیا کے دو متضاد حصے، مشرق اور مغرب، جیسے دیکھو دن کے بالکل دو الگ پہر، اجلی صبح اور سیاہ رات، جیسے سوچو اللہ کے دو جدا ماننے والے، ایک سیدھا اور بے ریا اور دوسرا ریاکار اور جھوٹا۔

نہیں یہ بہت زیادتی ہوگئی، اتنا بھی فرق بتا دینا جائز نہیں، دونوں انسان ہی تو ہیں! ایک دوسرے سے ملتے بھی ہیں۔ یوں کہ جب آسمان پر ان کی قسمت کے ستارے ملائے گئے تو جذبات، احساسات، خیالات کچھ نہ ملے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عادات کو ملا دیا، دونوں کو غصہ بہت آتا تھا، دونوں روتے تھے تو دنیا سے چھپ کر اور ہنستے تھے تو خود سے جدا ہو کر۔

آپ کھوجنے جاؤ تو پتا لگے گا کہ ہر شادی شدہ جوڑے میں کوئی ایک چیز اتنی حیرت ناک طور پر مشترک اور یکساں ہوتی ہے کہ جہاں سے خدائے برتر مرد و زن دونوں کے وجود کی لکیریں کھینچ کر ڈور کو گرہ لگا دیتا ہے۔ کوئی عادت، کوئی جذبہ، فطرت کا کوئی انداز یا سوچ کا کوئی رخ بس ایک طرف سے اللہ تعالیٰ نے گرہ لگا دی کہ جاؤ محبت کا ایک خانہ، ایک گھر ہم نے بن کر دے دیا ہے، باقی پورا جال تم دونوں خود اسی محبت اور وفا کے تارے سے بن کر پورا کرو کہ قدرت نے انسان کو ہر کمال سے بڑھ کر کمالات عطا کیے ہیں، ہر جذبے سے بڑھ کر جذبات دیے ہیں اور ہر خیال سے بڑھ کر عقل دی ہے، پوری زندگی پر محیط ایک جال بننا تھا اور گرہ صرف ڈور کے ایک سرے پر لگی ہوئی تھی۔ وہ دونوں ان خوش نصیبوں میں سے نہ تھے جن کے جذبات، احساسات، خیالات بہت سے سروں سے ملتے ہوں، لیکن بدنصیب بھی نہ تھے کیونکہ گرہ قدرت نے ایک سرے سے بہت پکی باندھی تھی۔ آصفہ اس کی محبت میں دیوانی تھی اور شرجیل کو یہ ناز کہ اسے بہت چاہا جائے گا۔

زندگی کتنی طویل ہے اور اس کی ہر الجھی ڈور کو سلجھایا جائے تو ایک طویل کہانی بن جاتی ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر کہانی لمبی ہو، کبھی پوری زندگی چند لفظوں میں بیان ہو جاتی ہے اور کبھی ایک پل کی بات ایک صدی جتنی طویل ہو سکتی ہے۔

''جی تو مس آصفہ جلالی! اپنی زندگی کے اس خاص موقع کے لیے آپ نے کون سے اشعار منتخب کیے ہیں۔''

اس کی بہترین کالج فرینڈ خوب صورت پھولوں کا گلدستہ لیے اسٹیج پر اس کے سامنے کھڑی اس سے پوچھ رہی تھی۔ وہ یک دم گڑبڑا سی گئی، لوگوں سے بھرا شادی ہال اور اسٹیج پر اپنے شور شرابے اور ہا ہو میں مصروف اس کے اتنے جاننے والے کوئی بھی نمرہ کی آواز سن سکتا تھا۔ اسے اپنی ذات کی خوبیوں کو بھی خامیوں کی طرح چھپانے کی عادت تھی، اور آصفہ جلالی بھی اس کی شخصیت کا وہ خوب صورت نام تھا جس کا ہر پہلو بہت خوب صورت اور ہر انداز سراہے جانے کے لائق تھا۔ لیکن اسے تو ہمیشہ ہی دنیا سے ڈرنا اور خود کو پردے میں چھپا کر رکھنا پسند تھا۔ سو پہلے تو اس نے جھرجھری لے کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر آہستہ سے نمرہ کو جھڑکا۔

''پاگل! اتنا زور سے کیوں بول رہی ہو؟ تمہیں پتا ہے کہ میرا یہ نام ہر کوئی نہیں جانتا۔''

''آج اعلان کر رہی دو، تمہارے شوہر کو بھی اترانے کا موقع ملے گا کہ کیسی قابل بیوی نصیب ہوئی ہے۔''

نمرہ اس کی شادی کی خوشی میں جوش دکھانے کے موڈ میں تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں اور اب تم چپ ہو جاؤ سمجھیں۔''

''اوہ تو آپ ہیں آصفہ جلالی، جن کے اشعار، رضا حسین کاظمی کے ریڈیو پروگرام میں سن کر میں اکثر جیلس ہو جایا کرتا ہوں، اکثر ہاتھ ملتا ہوں کہ آخر یہ لڑکی کہاں سے کھوج کر اتنے بہترین اشعار لے آتی ہے کہ ساری داد خود ہی وصول کر لیتی ہے۔''

شرجیل کے دوستوں میں ناصر علی وہیں اسٹیج پر صوفے کے پاس کھڑا ان دونوں کی بات سن چکا تھا۔

''لیکن افسوس شرجیل سہیل احمد کو شیر اور شعر کا فرق بالکل نہیں پتا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ فرق تو ضرور پتا ہے لیکن اس فرق سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

وہ چپ رہی اور دیکھتی رہی۔

بولنا منع نہیں تھا۔

مگر اس کو نہیں بولنا تھا۔

دلہن بنی ہے رات بڑے اہتمام سے
آنسو سجا رہی ہے ستاروں کے نام سے
سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے
نیند آگئی ہے آج ستاروں کو شام سے

ان سے ضرور ملنا، سلیقے کے لوگ ہیں
سر بھی قلم کریں گے بڑے احترام سے
کتنا بدل گیا ہوں میں دنیا کے واسطے
آواز دے رہی ہے مجھے تیرے نام سے

سارے دن کی بے پناہ گہما گہمی کے بعد اس وقت رات کے ساڑھے تین بجے اس نے خاموشی اور تاریکی کو محسوس کیا۔ آدھی رات خاموش تو ضرور ہوتی ہے اور تاریک بھی ہوتی ہی ہے لیکن آج اسے تاریک نہ لگنی چاہیے تھی۔ ابھی ابھی شرمین اور عینی آپا اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھیں۔ اس کے بعد پھر جیسے سارا گھر سناٹے میں ڈوب گیا۔

جانے شرجیل کہاں تھا، وہ اس کے ڈھیر سارے دوست، کچھ دیر پہلے ہنسی مذاق کرتے، کھلکھلاتے، دمکتے روشن چہروں کے ساتھ اور اتنے سارے رشتہ دار جن سے گھر بھرا پڑا تھا۔ ساری رونق جیسے یکا یک غائب ہوگئی۔ کبھی کبھی آوازوں کے لیے ہماری سماعت بری طرح للچاتی ہے، کسی آہٹ، کسی کھٹکے کی چاہ میں تڑپتی گزرتی ہر گھڑی اس کا سارا جسم کان بن گیا تھا، کوئی آئے گا، بس اب کوئی آنے ہی والا ہے، اب اسے آجانا چاہیے۔ گھڑی کی ٹک ٹک اس کے دل کی دھک دھک کے ساتھ ملتی اونچی ہوتے ہوتے اب شور بننے لگی تھی۔ آج تاریکی کو اس کی روح میں نہ اترنا چاہیے تھا لیکن وہ اس چپ سے کیسے لڑے۔

طلعت، تہنیت، سنبل، ثناء آپا اور باجی تسلیم کو عالیہ آنٹی نے کتنی جلدی واپس کر دیا تھا۔

''بس اب ہم دولہا دلہن کو اکیلا چھوڑیں گے تو یہ ہمیں دعا دیں گے ورنہ رات تو بھاگ جانے پر تلی ہوئی ہے۔'' ایسی انتہائی بات کے بعد کوئی بھی اس کے سسرال میں مزید ٹھہرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

ثناء آپا اور باجی تسلیم نے جلدی جلدی اس سے دو چار باتیں کہیں، طلعت گلے ملی اور تہنیت اور سنبل اللہ حافظ کہتی ہوئی اس کی سجی سنوری خواب گاہ سے باہر نکل گئیں اور یہی سجی سنوری خواب گاہ اب اسے وحشت زدہ کر رہی تھی۔ شاید ایک گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا، بالآخر جب اس کے خوب صورت خواب، ڈراؤنی شکلیں اختیار کرنے لگے تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ پاؤں کا زیور بجا، ہاتھ کی چوڑیاں کھنکیں، سرخ، وزنی شرارہ پہلے قدم پر ہی پیر سے الجھا لیکن اب صبر کی حد اس کے لیے حد سے پار ہو گئی تھی۔ اس نے ہر ترنگ، کھنک اور الجھن کو قابو کیا اور چپ چاپ دروازے کا لاک اونچا کر کے کمرے سے باہر آئی۔

اسے اب اندازہ ہوا کہ اس کا کمرا مکان کے بہت زیادہ پچھلے حصے میں ہے۔ سہیل انکل اور آنٹی عالیہ کے گھر تو وہ بیسیوں بار آچکی تھی اور یہ سب باتیں تو وقفے وقفے سے بہت لوگوں نے اسے بتائی بھی تھیں، اس کا کمرا کہاں ہے، فرنیچر کس طرح سیٹ کیا گیا ہے، ایک چائے کی پیالی بنانے کے لیے اسے لان پار کر کے گھر کے اگلے حصے تک جانا پڑے گا وغیرہ، مگر اس نے وقت پر ان باتوں کی طرف دھیان نہ دیا تھا، اونہہ جب جاؤں گی تو دیکھا جائے گا، اسے کیا خبر تھی کہ آتے ہی یہی سب کچھ دیکھنا پڑے گا۔

اب اگر وہ لان پار کر کے گھر کے اگلے حصے کی طرف جائے گی تو ضرور اسے کوئی نہ کوئی دیکھ لے

گا۔ کسی نے پکڑ کر پوچھ لیا کہ۔

''بی بی! آدھی رات کو ہم نے کسی دلہن کو یوں کھلے آسمان کے نیچے گھاس پر چہل قدمی کرتے کبھی نہیں دیکھا۔'' تو وہ کیا کہے گی کہ۔

''وہ اپنے دولہا کا پتا کرنے نکلی ہے، جانے کہاں رہ گیا۔'' وہ تیزی سے پلٹ گئی۔

''کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔'' صبر اس میں کم تھا لیکن جرات اس سے بھی کم۔

''کہنا نہیں چاہیے آپا! لیکن آصفہ کا دلہن بن کر ہمارے گھر میں آنا سبز قدم ہی ٹھہرانا۔ آج ہی آئی اور آج ہی آپ کا بیٹا سیڑھیوں سے گر گیا۔''

اس نے پلٹ کر نہ دیکھا کہ آواز کہاں سے آئی۔

وہ اپنے کمرے میں گھس گئی تھی اور دونوں بہنیں لان کے پچھلی طرف سے نکل کر شاید اسی طرف آ رہی تھیں۔

سرخ رنگ کا شرارہ شرجیل کی نگاہ میں انگارہ کی طرح سلگ رہا تھا اور شرارے کی سرخی اتنی نہ کھٹک رہی تھی، جتنے وہ خیالات بھڑک رہے تھے، جو شرمین اور اس کی ماں کئی دنوں سے اس کے ذہن میں مسلسل بھرتی چلی آ رہی تھیں۔

کیا حال ہوتا ہے اس معصوم اور حساس لڑکی کا جو شادی کے دن اپنے سر پر اٹھایا، محبت کے موتیوں کا تھال پیچھے انڈیل کر اسے خالی کر کے چلی آتی ہے۔ اس آس پر کہ آج کے دن تو یہ تھال نئی محبتوں، رفاقت کے حسین و رنگین پھولوں سے یوں بھر جائے گا کہ پیچھے گرائے گئے محبت کے کسی موتی کا خیال تک ملال میں نہ ڈالے گا۔

لیکن کچھ مائیں ایسی ہیں جو صرف اس خوف سے کہ نکاح پڑھا کر لائی گئی لڑکی کو ان کا بیٹا حلال سمجھ کر کہیں اس کے حقوق کی ادائیگی میں کم نہ ہونے لگے۔ صاحبزادے کی اپنی ہی بیوی کی شرعی حیثیت تک کو کم سے کم گنوانے لگتی ہیں۔

''تمہیں شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی، اپنے ماں باپ کے گھر ہی رہتیں۔ وہاں تمہارے اتنے لاڈ اٹھائے جاتے تھے اور طلعت جیسی دوست ہر وقت تمہارے ساتھ تھی، جس کی کوئی بات کبھی نہیں ٹال سکتیں۔''

اس کے سامنے بیٹھ کر اس نے اس کے دوپٹے کو سرکایا بلکہ جھٹکا دے کر کھینچا تھا۔ وہ کمرے میں آ کر جلدی جلدی ٹِک کر بیٹھی ہی تھی کہ چند منٹوں کے اندر وہ کمرے میں چلا آیا۔

''طلعت میری اچھی دوست اور کزن ہے، لیکن آپ یوں بات کر رہے ہیں جیسے کسی رقیب کا ذکر کیا جائے۔''

اسے گمان تک نہ تھا کہ شادی کی پہلی رات ہی ''طلعت'' ان دونوں کے درمیان آئے گی۔

''آخر تم نے اس کی پسند ناپسند کو ترجیح دی ہے۔ اسی کے دل کو لگتا لباس پہنا ہے، جس طرح اس نے چاہا اسی طرح اپنا روپ سنوارا جب کہ تمہیں اچھی طرح خبر تھی کہ مجھے یہ رنگ نہیں پسند پھر۔۔۔''

''پھر کیا شرجیل۔۔۔!'' چہرے پر پردہ ڈالتا گھونگٹ اس نے خود ہی اسی وقت الٹ دیا۔ پھر جب

شرجیل کی نظر اس کے چہرے پر اٹکی تو اس کے دل سے بے شمار خیالات خود ہی جھڑ گئے۔ چند لمحے تو وہ پلکیں جھپکانا ہی بھول گیا۔ سنہری کام کے ساتھ سرخ رنگ کا آرگنزا کا دوپٹہ اس کے ہلکے گلابی چہرے کو اتنا منور کر رہا تھا کہ شرجیل سہیل احمد پاگل ہی ہو جاتا۔ اگر اس کے دل میں بہت سا میل نہ بھر دیا گیا ہوتا لیکن وہ وقتی طور پر مبتلا ضرور ہو گیا۔

حسین عورت، رات کا خوب صورت پہر اور عورت کی شرعی حیثیت بھی جائز ہو تو مرد مبتلا ہو ہی جاتا ہے لیکن اس حد تک جس حد تک اس جیسے مرد کے نفس کی سیرابی ہو جائے۔

اس نے شرجیل کو بتایا ضرور کہ سرخ رنگ اسے خود بہت پسند تھا، اس موقعے کے لیے، مگر پھر اس نے بحث نہ کی کہ تمہاری پسند طلعت کی سوچ سے کیوں ملی، مجھ سے کیوں نہ ملی۔ کیسے بحث کرتا اس وقت اس کی گہری سیاہ آنکھوں اور گھنی زلفوں نے اسے الجھا دیا تھا۔ وہ بہت کچھ بھلا بیٹھا تھا۔

اور آج ہی آج آصفہ شرجیل احمد بننے والی آصفہ بی بی کو ضرور بے پناہ خوش ہونا چاہیے تھا کہ جسے اس نے چاہا اسے پالیا۔

لیکن بندے کے رویوں کو اندر تک پہچان لینے کی اس کی عادت خود اس کے اپنے لیے بہت کھوٹی تھی کیونکہ اسے خود بہت ستاتی تھی۔ اچھائی کے پردے میں چھپے انسان کے خیالات کی گندگی کو جانچ لینا کون سی خوشی کی بات ہے۔

شرجیل کوئی ابھی ابھی اس کے سامنے پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ شرجیل کو بہت بچپن سے جانتی تھی مگر آدمی کو پرکھنے کے لیے اس کے قریب رہنا ضروری ہے، اور اس کے گھر میں اس کے قریب تو وہ آج ہی آئی تھی۔ اس کے ہر انداز سے ٹپکتی اس کی خود غرضی جو آج سے پہلے بھی اس نے بہت بار محسوس کی تھی، لیکن جب وہ سمجھتی تھی، وہ خوددار ہے، انا پسند ہے۔ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تو یہ اس کی ادا ہے اور ادا جب سدا کے لیے آپ کا نصیب بن جائے تو پھر اس کی حقیقت پتا چلتی ہے۔ صبح کمرے کا دروازہ کھلتے ہی اس کے کانوں میں یہ جملہ گونجا۔

''اس کا آنا سبز قدم ٹھہرا ہے۔''

اسے کچھ اچھا نہ لگا، خوب صورت صبح، تازہ ہوا اور نئے گھر میں پہلا دن۔

''ہائے بے چارے بھائی! لگتا ہے ساری رات نہیں سوئے۔'' شرمین کمرے میں آئی اور دیکھا کہ شرجیل دوسری طرف کروٹ لیے اطمینان سے سویا ہے تو اس نے کہا۔

''رات کہاں جب یہ کمرے میں آئے تو رات ختم ہونے والی تھی۔'' اس نے چڑ کر سوچا۔

''آپ باہر آ رہی ہیں بھابھی!'' اس نے آصفہ کو یوں مسلسل دیکھا جیسے کبھی نہ دیکھا تھا۔

''ہاں چلتے ہیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آصفہ رکو، میرے کچھ کام رہ گئے ہیں وہ کر لو۔'' سویا ہوا شرجیل جاگا بیٹھا تھا۔

''شرمین! تم جاؤ ہم کچھ دیر میں باہر آ رہے ہیں۔'' اسے کچھ اچھا نہ لگا مگر بھائی کی بات ٹال بھی نہ سکی۔

''بھلا آج بھائی کو نیند کہاں۔'' جاتے جاتے اس نے جملہ اچھالا۔ حالانکہ وہ کنواری لڑکی تھی اسے

ایسا مذاق زیب نہیں دیتا تھا مگر جہاں لاڈ پیار میں زیادتی ہو، وہاں زیبا اور نازیبا کی تربیت اکثر رہ ہی جاتی ہے۔

شرجیل نے دروازہ پیچھے سے لاک کیا اور آصفہ کی طرف دیکھا۔

''تم کیوں کھڑی ہی رہ گئی ہو، بیٹھ جاؤ بلکہ تھوڑی دیر لیٹ جاؤ، شرمین کا تو دماغ خراب ہے نہ سوئے گی نہ سونے دے گی۔''

''اس وقت شرجیل! آپ نے دروازہ بند کیوں کیا ہے، میں نے آپ کی سب چیزیں تیار کر دی ہیں۔ اب کیا کام رہ گیا ہے۔'' وہ وحشت زدہ سی ہو رہی تھی۔

اسے یہی سبق ملا تھا کہ صبح ساس کے پہلے بلاوے پر کمرے سے باہر نکل جانا۔

''بھئی، ہم میاں بیوی ہیں، بند کمرے میں رہنے کا لائسنس مل گیا ہے ہمیں، پھر تمہیں کیا بے چینی ہے۔'' وہ بہت پرسکون تھا۔ کچھ دیر نیند بھی لے لی تھی اس لیے فریش بھی ہو گیا تھا۔

''پلیز دیکھیں، شرمین جا کر امی جان سے جانے کیا کہے گی۔ ذرا سی دیر میں دس باتیں بن جائیں گی۔''

''ارے تمہارے خیال میں میری ماں بہنیں باتیں بنایا کرتی ہیں۔ تمہارا دماغ درست ہے۔ باتیں بناتی ہو گی تم، تمہاری ماں بہنیں، تمہارا پورا خاندان۔''

چھناکے سے اس کے دل کے اندر وہ آبگینہ بھی ٹوٹ گیا جس کے دوسرے رخ پر اس نے سوچا تھا کہ شرجیل ضرور بہت اچھا ہو گا۔

اس نے نہایت خاموشی سے سب کچھ سن کر دروازہ کھول دیا۔

''آپ میرے ساتھ باہر چل رہے ہیں؟'' ایک لمحہ سوچ کر اس نے شرجیل سے پوچھا تھا۔

''نہیں۔۔۔!'' فوراً جواب آیا۔ وہ کمرے سے باہر نکل گئی مگر اسے عجیب سا لگا، شرمین کے ساتھ وہ باہر نہ گئی۔ اب شرجیل بھی ساتھ نہ آیا۔ اور مہمان ہوتے ہوئے اسے یوں اکیلے اندر جانا اچھا نہ لگا۔ وہ پہلے دن کی دلہن اور اس کا پہلا تجربہ ہی ناخوشگوار ثابت ہو رہا تھا۔ لان سے نکل کر وہ گھر کے اگلے حصے میں آئی، دائیں طرف آنٹی کا کمرا تھا اور بائیں طرف ڈرائنگ اور ڈائننگ ہال، برآمدے میں رک کر اس نے سوچا کہ اسے کس طرف جانا چاہیے، پہلے ساس کے کمرے میں جا کر ساس کو سلام کرنا چاہیے اور اگر وہ اپنے کمرے میں موجود نہ ہوئیں تو۔۔۔ کتنی ندامت ہو گی۔

''اوہ گاڈ'' وہ بری طرح الجھی ہوئی تھی کہ عینی آپا بائیں طرف سے آتی نظر آئیں ان کے پیچھے شرمین بھی تھی۔ وہ دونوں شاید کچن کی طرف جا رہی تھیں۔

''آئیں بھابھی! رک کیوں گئیں؟'' عینی آپا نے اسے بڑھ کر بلایا۔

''شرجیل نہیں آیا ساتھ؟'' انہوں نے پوچھا۔

''ابھی کہا ساتھ آ رہے ہیں، ابھی کہہ دیا نہیں آ رہے۔'' اس نے شرجیل کے انداز کو اپنے لہجے میں سمیٹنا چاہا۔

''یہ مرد ایسے ہی غیر ذمہ دار ہوتے ہیں۔'' مرد اور غیر ذمہ داری اس نے اپنی بیس سالہ زندگی میں

اپنے میکے میں مرد کا یہ نمونہ نہیں دیکھا تھا۔ مگر عینی آپا سے وہ کیا کہتی۔ ڈرائنگ روم کی طرف ہی وہ دونوں بہنیں پھر پلٹنے لگیں کہ وہ بھی ان کے پیچھے جائے۔

''آنٹی! کہاں ہیں میں پہلے انہیں سلام کرلوں۔'' اس نے جھجک کر پوچھا۔

''کون۔۔۔؟ اچھا امی جان کو پوچھ رہی ہیں۔ وہ ڈرائنگ روم میں ہی آپ کی منتظر ہیں۔'' شرمین نے تیزی سے کون کہہ کر پوچھا شاید اس کا آنٹی کہنا اسے برا لگا، مگر وہ تو ہمیشہ ہی انہیں آنٹی کہتی آئی تھی۔ آخر وہ اس کی آنٹی ہی تھیں۔ اور اسے خیال نہ آیا تھا کہ اسے آج سے یکا یک پچھلا پرانا رشتہ ختم کر دینا چاہیے تھا۔

''صبح بخیر آنٹی!'' سامنے صوفے پر آرام دہ طریقے سے بیٹھی آنٹی کو اس نے ادب سے سلام بھی کیا لیکن اس کے ''آنٹی'' کہنے پر شرمین سے زیادہ انہیں کرنٹ لگا۔ وہ فوری طور پر پھر اپنی غلطی درست کرنا بھول گئی تھی۔ باوجود شاکڈ ہونے کے آنٹی نے اس وقت اسے قطعی نہ ٹوکا۔ بلکہ اپنے ساتھ بٹھایا، روایتی دعائیں دیں۔

مزاج ان کا درست نہ تھا، لیکن دماغ سو فیصد درست کام کر رہا تھا۔ اس نے عجیب سی بات محسوس کی تھی اپنی ساس اور شرمین کے بارے میں، ان کی آنکھوں سے آگ اور ہونٹوں سے پھول برس رہے تھے۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس نے شرجیل کے ساتھ بھی ایسا محسوس کیا تھا اور پھر وہ زیادہ دیر ریاکاری نہ کر سکا، چند منٹوں میں زبان کے پھول بھی شعلے بن گئے۔ ان سب لوگوں کا مزاج پہلے تو اس کے ساتھ ایسا نہ تھا۔

''ناشتا کروگی بیٹا!'' آنٹی نے اسی محبت سے پوچھا۔

''نہیں ابھی جی نہیں چاہ رہا۔''

''بیٹا! بھابھی کے لیے اچھی سی کافی بنالو۔''

شرمین کو کہتے ہوئے کنارے کی میز پر پڑے نمکین بادام اور پستہ کی ٹرے اٹھا کر انہوں نے اس کے آگے کی۔

''یہ لو، ناشتا نہیں کر رہیں تو یہ کھالو۔ سوکھے منہ تو میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔''

میز پر ایک ٹرے میں مٹھائی بھی رکھی ہوئی تھی۔ اس کا جی نہ چاہ رہا تھا، مگر جی کا چاہنا کوئی خاص معنی نہ رکھتا تھا یہاں اور خصوصاً اس وقت، شرمین نے پیش کی مگر پھر بھی مٹھائی اس نے نہ لی، کافی کا کہہ کر شرمین پھر ماں کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔

اور ابھی اس نے ایک بادام منہ میں رکھا تھا کہ شرمین اپنی ماں سے سرگوشی میں کچھ کہنے لگی اور پھر دونوں ماں بیٹی مکمل اسے فراموش کر کے منہ پھیرے سرگوشیوں میں باتوں میں مگن ہوگئیں۔ عینی پہلے ہی اٹھ کر جا چکی تھیں۔

وہ غیر متعلقہ فرد بنی وہاں بیٹھی، عجیب بے چینی کی صورت حال سے گزر رہی تھی۔ ڈرائنگ روم کے صوفوں اور پردوں کو وہ پہلے بھی کئی بار دیکھ چکی تھی، ان پر کیا غور کرتی۔ دیوار سے لگے وال یونٹ میں البتہ کچھ تبدیلی نظر آرہی تھی۔ ہر چیز کو نئی وضع سے ترتیب دیا گیا تھا اور کچھ نئے شوپیسز کا اضافہ ہوا تھا۔ اور اس

نے غور کیا تو اسے پتا چلا کہ یہ چند نئے شوپیسز وہی تھے جو اس کے جہیز کی چیزوں میں شامل تھے۔ خاص طور پر وہ کرسٹل کا گلدان جس میں سنہری رنگ کے مصنوعی پھول لگے ہوئے تھے اور جو طلعت نے اسے اس کی پچھلے مہینے گزرنے والی سالگرہ پر تحفتاً دیا تھا۔ جس کے ساتھ کارڈ پر لکھا تھا۔

''پھول سونے کے نہیں ہو سکتے لیکن سونے میں خوشبو نہیں ہو سکتی۔ صرف تمہیں یہ باور کرانے کے لیے کہ دوستی سونے سے بہت بڑھ کر قیمتی چیز ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ دوستی وہ سونا ہے جو خوشبو دیتا ہے۔''

بہت خلوص کے ساتھ

طلعت

''اوہ خدایا!'' نہ وہ ماں بیٹی سرگوشیاں کرتیں نہ وہ اتنے غور سے کمرے کا جائزہ لیتی کہ آج ہی آج اسے یہ صدمہ بھی سہنا پڑتا۔

ورنہ سرسری تو وہ کسی چیز پر غور کیا نہیں کرتی تھی۔ اس کی فطرت میں تیزی نہیں تھی۔ لوگوں کو پہچاننے کا ہنر جاننے کے باوجود وہ حاضر جوابی، تیزی اور چالاکی سے صورت حال قابو کرنے کے فن سے بے بہرہ تھی۔ خدا نے اسے اتنی صلاحیت دی تھی کہ وہ چور کا چہرہ دیکھ کر اس کی نیت بھانپ لیتی کہ وہ چوری کرنے والا ہے لیکن اتنی ہمت نہ دی تھی کہ بڑھ کر اسے بے نقاب کر دے۔ سو یہ صلاحیت اس کے اپنے لیے بس ایک آزمائش ہی تھی۔

کافی آ گئی، ان کی باتیں بھی ختم ہوئیں مگر اس کی الجھن نہ ختم ہوئی۔

''ارے آپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں بھابھی! ہم ذرا دو چار ضروری باتیں کرنے میں لگ گئے اس شادی میں ایسے الجھے ہیں کہ فرصت ہی نہیں ملتی۔''

شرمین نہ شرماتی تھی نہ کتراتی تھی۔ جواب میں وہ صرف مسکرا سکی۔

''عینی کہاں ہے؟'' آنٹی نے کافی دینے کے لیے آنے والی نوکرانی سکینہ سے پوچھا۔

''وہ اپنے بیٹے کے پاس ہیں۔''

''عینی آپا کا بیٹا کیسا ہے اب۔'' بات نکلی تو اس نے پوچھ ڈالا اور پھر کبھی یوں ہوتا ہے نا کہ کوئی بات کہہ کر آدمی اپنا سر پیٹ لے ''دھت تیری کی۔''

''شرجیل نے تمہیں بتا دیا، میں نے اسے منع بھی کیا تھا۔'' آنٹی کو ہر بات پر اعتراض تھا۔

''کل رات ہی سیڑھیوں سے گر گیا تھا بس ادھر آپ نے گھر میں قدم رکھا اور اُدھر وہ سیڑھیوں سے نیچے آن گرا۔ جانے کیسے پاؤں پھسلا۔''

شرمین کا کہا اس نے سنا، وہ غلطیوں پر غلطیاں کر رہی تھی۔ پھر سننا تو تھا ہی اور آگے بھگتنا بھی۔ اس کے جاتے ہی شرجیل اپنی ماں کی پھٹکار سنے گا اور پھر بول پڑے گا کہ میں نے تو آصفہ سے کچھ نہیں کہا۔ اور پھر۔۔۔ ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کا کوئی مرحلہ تو ان دونوں کے درمیان آیا بھی نہیں تھا۔ وہ اس کا شوہر تھا مگر نہ دوست تھا نہ چاہنے والا بلکہ اس کے خیال میں ہمدرد بھی نہیں تھا۔

وہ اتنا سوچتی تھی پھر بھی کوئی ڈھنگ کی بات بول نہ سکی تھی۔

اور اب تو اس کا دماغ بھی شل ہونے لگا تھا۔ رات بھر تو وہ سوئی ہی نہیں تھی اور پھر تھکن تو اسے نڈھال کر رہی تھی۔ پھر بھی دل دعائیں کر رہا تھا کہ بس اب اس ماحول سے رہائی ملے۔

اور اسی وقت احساس ہوا کہ باہر کوئی آیا ہے۔ اللہ کرے اس کے بھائی اور بھابھی ہوں۔ اور وہی تھے، وہ شکر ادا کرنے لگی۔

پانچ منٹ بیٹھ کر ہی بھائی جان اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ارے بیٹھو، کافی پیو، اور ناشتا کر کے جانا۔ تمہارے انکل بھی آتے ہوں گے۔ رات دیر بہت ہوگئی تھی نا اس لیے میں نے ہی کہا تھا کہ ابھی تھوڑا آرام کر لیں۔''

آنٹی نے ان لوگوں کو روکنا چاہا مگر بھائی جان کھڑے ہو جائیں تو بیٹھتے نہ تھے اور چل پڑیں تو رکتے نہ تھے۔

''ہرگز نہیں آنٹی! انہیں قطعی ڈسٹرب نہ کریں۔ آؤ بھگت اور بیٹھنا بٹھانا کئی دنوں سے چل ہی رہا ہے۔ آج تو بس اجازت ہی رہی، سب تھکے ہوئے ہیں اور سب سے بڑھ کر آپ لوگ خود بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔''

اب وہ چل ہی پڑے، ان کے پیچھے بھابھی کے ساتھ وہ بھی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ دروازہ پر پہنچ کر آنٹی سے اجازت لی۔ شرمین کو اللہ حافظ کہا اور آخر تک پلٹ کر دیکھا کہ شاید شرجیل نظر آئے۔

کیا وہ اس سے محبت کرنے کے جرم میں ستائی جائے گی۔ اتنی ساری سوالیہ نظروں کی زد میں وہ پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔

میکے واپس آئی تو سارے لوگ اسے اپنے منتظر ملے، آدھی آدھی رات تک جاگے ہوئے وہ سب لوگ نہ تھکے تھے نہ ہارے تھے۔ تازہ دم چہرہ لیے اس کے استقبال کے لیے مل بیٹھے تھے۔

''کیسی ہو؟ ٹھیک ہو؟'' سے آگے منہ سے کسی نے کوئی سوال نہ پوچھا۔ شرجیل کیسا ہے؟ ساس کیسی ہیں، نند کیسی نکلی، اسے پتا تھا یہ اور ایسے کتنے سوال سرگوشیوں کی صورت میں اس سے آہستہ آہستہ سارے دن میں مسلسل پوچھے جائیں گے۔

اب اسے کیا کرنا تھا ''سب ٹھیک ہے'' کا ڈھول پیٹنا شروع کرنا تھا۔ اور شاید ساری عمر پیٹتے ہی چلے جانا تھا۔

''چلو ہوگئی سلام دعا، پوچھ لی خیر خیریت، لڑکیو! تم لوگ تو لگتا ہے صدیوں بعد آصفہ سے ملی ہو۔ ابھی رات تو گئی ہے اور صبح واپس آگئی۔ عاصمہ! بہن کو لے جاؤ۔ کپڑے زیور بدل کے اسے جس طرح ناشتا کرنا ہو کرے اور سو جائے۔ تھک کر بے حال ہوگئی ہے۔''

نانی جان کی ڈانٹ پر سب لڑکیاں اِدھر اُدھر کھسک گئیں۔

''اس سے پہلے تو رات بھر کے لیے بھی کہیں نہ گئیں بی بی آصفہ!'' نبیل نے کھسکتے کھسکتے اس کے پاس سرگوشی کی۔ وہ پوری آنکھیں کھول کر اسے گھور بھی نہ سکی۔

''اتنا زیادہ کیوں تھک گئی ہو گڑیا! تھکی ہوئی کم اور نڈھال زیادہ لگ رہی ہو۔''

عاصمہ باجی کو اس نے یوں دیکھا جیسے کہے، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے لیکن نہیں پوچھنے کی بات

تو یہی تھی۔ محبت، خوشی اور اعتبار کے ساتھ ملی ہوتی تو ضرور وہ تھکی ہوئی ایسی نہ ہوتی۔

''پلیز! اس لیے کہ مجھے نیند بہت آرہی ہے۔'' وہ ابھی سو جائے گی تو پھر اتنے سوالوں اور اتنی باتیں پوچھتی نظروں کا سامنا کر سکے گی۔

کیسے کہہ دے کہ اس کا امیدوں سے، نازک خوابوں سے، اعتبار بھرے خیالوں سے اور محبت نہیں بلکہ جنونی جذبوں سے بنایا گیا محل پتھروں کی بارش کی زد میں آ گیا ہے۔ اپنے بستر پر لیٹ کر آنسو اس کے گالوں سے بہنا شروع ہو گئے بہت بہے اور جانے کتنی دیر تک بہتے رہے۔ بالآخر نیند نے مہربانی سے اپنی آغوش میں لے لیا۔

رائل بلو رنگ کی ساڑھی میں بھرپور کھلے ہوئے موتیے کا سارا زیور پہنے وہ اتنی سج رہی تھی کہ جس نے نظر ڈالی ضرور ماشاء اللہ کہا۔ ناک کی کیل سونے کی تھی یا ماتھے کا ٹیکہ باقی آج اس نے سونا چاندی چھوڑ کر سارا قدرتی زیور پہنا تھا اور ہاتھوں میں کلائی بھر کانچ کی چوڑیوں کے ساتھ کنارے پر موتیے کے کنگن بے حد کھل رہے تھے۔ انگوٹھی تک موتیے کی کلی کی بنوائی گئی تھی۔

''دیکھو! میرا آئیڈیا کیسا کامیاب رہا، تم کتنی پیاری لگ رہی ہو۔'' آخر آخر اس کی چوٹی میں موتیے کی کلیاں پروتے ہوئے طلعت نے کہا۔

''بھئی، یہ کسی سے نہ کہنا کہ یہ تمہارا آئیڈیا تھا۔'' یونہی آصفہ کے منہ سے نکلا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو، ورنہ لوگوں کو پتا چل گیا تو جان بوجھ کر جھٹلائیں گے۔ اچھی لگو گی پھر بھی نہ سراہیں گے کہ مجھ سے خار کھاتے ہیں۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔

''طلعت! مجھے تم پر اعتبار ہے کہ تمہاری دوستی مجھے کبھی آزمائش میں نہ ڈالے گی۔''

اس نے مڑ کر بہت پیار سے طلعت کو دیکھا تھا، وہ جانتی تھی کہ وہ اپنی بہت پیاری سکھی اور سہیلی کے بچھڑ جانے کے دکھ گزار رہی تھی۔ اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسے اسی دکھ کو اس کے ساتھ مل کر شیئر نہیں کرنا۔ اب ان دونوں سہیلیوں کو اپنا اپنا دکھ اپنے اپنے پردوں میں چھپا کر اکیلے اکیلے رونا تھا۔ یہ ان کے دلوں کی مضبوطی قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا۔

''آجاؤ گڑیا تیار ہو گئی ہو نا!'' عاصمہ باجی اسے بلانے کے لیے آئیں۔

''تھوڑی دیر پاپا کے پاس بیٹھ جاؤ، وہ شام سے تمہارا پوچھ رہے ہیں۔'' وہ ''ضرور'' کہتی ہوئی ان کے ساتھ ہی چلی آئی۔

''ارے ارے یہاں سب سینئرز کی محفل جمی ہوئی ہے، تم کہاں گھس رہی ہو۔'' پاپا کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ثاقب ٹکرایا۔

''مجھے خصوصی طور پر بلایا گیا ہے، بلکہ آپ نہ پوچھیے کہ میرا شدت سے انتظار ہو رہا ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے ثاقب کو چڑایا۔

''اچھا، اچھا کل تم دلہن بنی تھیں اس لیے بلا لیا ہوگا۔ یہ دادی اماں نے سفارش کی ہوگی ان کے دل میں بڑی محبت پھوٹ رہی ہے تمہاری۔''

''تو یہاں کیوں جلنے کی بدبو پھیل رہی ہے، ہٹو میرے اتنے قیمتی پرفیوم کا ذائقہ خراب ہو رہا ہے۔''

اس نے دیکھا وقار کے کمرے سے سارے کزنز جلسے کی صورت میں تشریف لا رہے تھے، اسے پتا تھا ادھر بھی بے چینی سے اس کا انتظار ہو رہا تھا۔

''پرفیوم کا ذائقہ ہوتا ہے، عاصمہ باجی! کچھ کریں ابھی تو اسے پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے سسرال گئے ہوئے۔'' ثاقب اسے دیکھ کر موڈ میں شرارت بھرے بیٹھا تھا۔

''یہ ساری لڑکیاں سسرال جا کر ایسے ہی باؤلی ہو جاتی ہیں، ابھی تم صبر کرو، اس کا حال ایسا ہوگا کہ دن میں تارے نظر آئیں گے۔ رات کو سورج چمکے گا۔''

''وقار بھائی! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟''

''یہ سب تمہاری جدائی کے غم کو سیلیبریٹ کر رہے ہیں۔'' سنبل کی آواز کے ساتھ اسے آگے سے امی جان کی آواز بھی آئی۔

''کیا ہوا عاصمہ، آصفہ کو نہیں بلایا۔'' سب کے گھیرے میں گھری وہ امی جان کو کہاں دکھتی۔

''آ رہی ہوں امی جان!'' اس نے خود ہی بڑھ کر ماں کو جواب دیا۔

''کیا بات ہے بھئی سب ایک آصفہ کے پیچھے ہی پڑے ہوئے ہیں۔ ارے آؤ نا، میں بتاتا ہوں سسرال میں کیا ہوتا ہے۔ ایک ساس ہوتی ہے، ایک نند ہوتی ہے، کبھی نندیں ہوتی ہیں، کسی کونے میں چھپے بیٹھے ایک سسر صاحب بھی ہوتے ہیں جو ہماری پولیس کی طرح ہمیشہ گھر میں ہونے والی ہر واردات کے آخر میں پہنچتے ہیں۔ اوہو بھول گیا، ایک دولہا بھی ہوتا ہے جو آدھی رات کے بعد تشریف لاتا ہے اور اس کا اگر رنگ اچھا ہو تو ٹھیک ہے ورنہ دن کے اجالے میں اسے دیکھ کر دلہن اسے پہچاننے سے انکار کر دے۔''

انصار نے بڑے مزے سے سب کو مگن کر دیا کیونکہ آصفہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ مگر آگے رک کر آصفہ نے اس کی ساری بات سنی تھی وہ سب کے ساتھ دل لگی کر رہا تھا مگر اس کی ہر بات آصفہ کے دل کو لگ رہی تھی۔ نقشہ سسرال اس نے کتنا ٹھیک کھینچا تھا۔

''پہلے دن کی دلہن اور اس کے چہرے پر ایسی مسافتوں کی تھکن۔'' گاڑی میں شرمین کے ساتھ بیٹھ کر، جب وہ اپنے سسرال چلی گئی تو الٹے قدم مڑتے ہوئے طلعت نے سوچا۔ پھر اندر گھر میں جانے کے بجائے وہ برآمدے میں مڑ گئی اور پیچھے کی طرف چلتی ہوئی گھر کے پچھلے دروازے کے ساتھ بنی ہوئی ایک اسٹیپ پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور سامنے قطار میں لگے گملوں کو دیکھنے لگی۔ دو تین کیکٹس کے، ایک منی پلانٹ کی اوپر دیوار تک چڑھی ہوئی بیل، ایک سیدھی شاخ والا گملا، دو مارننگ گلوری کے گملے اور ان کے درمیان سب سے نمایاں ایک گلاب کا پودا۔

''دیکھو میں کہتی ہوں اس میں کل تک ضرور پھول کھل جائے گا۔''

''نہیں، میرا دعوا ہے کہ ابھی گلاب کو کھلنے میں دن لگیں گے۔''

''اونہہ! تم مجھے ہمیشہ مایوس کر دیتی ہو۔'' وہ گلہ کرتی۔

''نہیں، یہ مایوسی کی بات نہیں۔ یہ ضبط کی بات ہے۔ دل کے حوصلے کی بات کہ وہ انتظار کے لمحوں کو سہہ سکے۔''

طلعت سمجھاتی تو وہ یوں سر ہلاتی جیسے مانے گی بھی، اور سمجھے گی بھی۔ آصفہ نے گھر کے پچھلے حصے میں رکھے ان گملوں کو اتنے پیار سے پالا تھا، خاص کر گلاب کا پودا اس کی آدھی جان تھا۔

''اور تمہاری باقی کی آدھی جان کہاں ہے۔'' طلعت اس سے جان بوجھ کر یہ سوال پوچھتی کیونکہ اس کا جواب اسے خوش کیا کرتا تھا۔

''تمہارے اندر۔۔۔'' پھر وہ دونوں مل کر ہنستیں۔

گھر کے اس پچھلے حصے میں آصفہ نے اپنی عمر کا بہت سارا حصہ گزارا تھا تنہائی میں یا صرف طلعت کے ساتھ وہ گھنٹوں یہاں بیٹھا کرتی تھی۔

آج پہلی بار شاید طلعت اکیلی یہاں اتنی دیر سے بیٹھی ہوئی تھی۔ بھلا گئے وقت کی کیا اہمیت ہے۔

جو آج نہیں، کل تھا، جسے آج ہم چھو بھی نہیں سکتے۔

جو گئے لوگ، جو گزرا وقت، آج بولتا نہیں، آج کھلتا نہیں۔ اس کی کیا وقعت۔۔۔ مگر۔۔۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

بنا رکے رو رہی تھی۔

بنا سوچے رو رہی تھی۔

اور بنا آواز کے رو رہی تھی۔

''دیکھا، یہ کھل گیا نا گلاب کا پھول! اسے دیکھ کر تم ایک دن رو گی کہ خود مجھے صبر و ضبط کا سبق ہی پڑھاتی رہیں اور کیوں کسی نے تمہیں یہ سبق نہیں پڑھایا۔''

آصفہ کی آواز کتنے قریب، اس کے دل کے اندر سے نکلی تھی۔

''ہاں اگر پڑھا دیا ہوتا تو آج میں یوں نہ ہارتی۔ اپنے احساس سے آگے آدمی دنیا کو دیکھے تو ہارنے ہی لگتا ہے۔

بھلا جو نہیں ہے، جسے ہم چھو نہیں سکتے اس کی کوئی اہمیت نہیں؟''

پرائی ہوئی آصفہ کو آج وہ جی بھر کر رونا چاہتی تھی۔

''جب احساس پر انگلیوں کی پوریں رکھ کر، کسی کو محسوس کیا جائے تو اس کی قدر اور وقعت حقیقت سے بڑھ کر تسلیم کرنی پڑتی ہے۔''

سارا دن ''سب ٹھیک ہے'' کا ورد کرتے کرتے اس نے طلعت سے کہا تھا۔

''سب لوگ اتنے اچھے ہیں اور شرجیل تو اتنا پیار کرنے والا ہے۔ جتنا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی اکڑ اور اس کی خودداری تو سب ڈرامہ ہے۔ ورنہ اندر سے تو وہ اتنا ہی نرم خو اور مخلص ہے جتنا سخت دکھتا ہے۔

''نہیں آصفہ! تم نے اپنی تمام تر طاقت مجتمع کر کے جو مجھ سے اتنا بڑا جھوٹ بولا تھا۔ اس کی گواہی تمہارے چہرے کی کسی لکیر نے نہیں دی تھی اور سارا دن تمہاری آنکھوں کی پتلیوں کے اندر تیرتا پانی، وہ

کیوں تمہاری گہری آنکھوں میں ٹھہر گیا ہے۔کل تک تو نہ تھا مگر میں نے تمہیں جھٹلایا نہیں۔''

اوہ میرے خدا! یہ کیسی بھرم کی دیوار میرے اور تمہارے بیچ آ گئی ہے۔ہاں جو پاس نہیں، جسے ہم چھو نہیں سکتے، ان کی یاد ہمارے دلوں کو چھوتی ہے اور پھر ان کی اہمیت کبھی بھی ساتھ رہتے لوگوں سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

''شرجیل بہت تھک گیا ہے، شرمین بیٹا! آج آصفہ کو فوراً اس کے کمرے میں بھیج دو، جلدی جلدی سب سو جائیں تو بہتر ہے، کل ولیمہ بھی ہے اور گھر اکھڑا پڑا ہے، صبح اٹھ کر بے شمار کام سمیٹنے ہیں۔''

پانچ منٹ اسے آئے نہ گزرے تھے کہ آنٹی نے اسے اس کے کمرے میں جانے کا حکم دے دیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ بے زاری سے یا خوشی سے۔

''اتنی خوب صورت ساڑھی پر آپ نے کوئی ڈھنگ کا زیور نہ پہنا بھابھی! ساڑھی کی خوب صورتی ماند پڑ کر رہ گئی ہے۔جہیز کے ساتھ دکھایا تو بہت ساز یور گیا تھا۔''

لان کا درمیان میں پڑنے والا راستہ اس کے کمرے تک پہنچتے جب شرمین کے ساتھ کٹے گا اسے لگا صحرا سا بن جایا کرے گا۔

''مجھے تو پھولوں کا زیور بے حد پسند ہے۔تمہیں نہیں پسند۔۔۔'' وہ قیمت کی اہمیت کے پیچھے پڑی تھی اور اسے فطری قیمتی کا شوق جذباتی کر رہا تھا۔

''یہ تو بندہ میلاد وغیرہ میں پہن لے تو چلتا ہے، آپ کی تو کل شادی ہوئی ہے بھابھی! مگر آپ کے جہیز میں شاید فیروزے کا کوئی سیٹ تھا نہیں، لیکن آپ کی ننھیال کا خاندان تو شوقین مزاج لڑکیوں سے بھرا پڑا ہے۔کسی سے مانگ لیتیں تو کیا کوئی دے نہ دیتا۔''

اس کا جی چاہا وہ کسی صحرا میں بھٹکنے کے لیے نکل جائے لیکن اس کا صحرا شاید یہی تھا سسرال، اس نے سوچا اب وہ چپ رہے۔وہ اسے قائل کر نہ سکے گی اور قائل کرنے بیٹھے تو شاید اپنی قابلیت گنوا بیٹھے۔

وہ کمرے میں آئی تو اس نے دیکھا، شرجیل بے سدھ سویا پڑا تھا۔اسے بہت بے تکی سی صورت حال محسوس ہوئی، غیر ارادی طور پر ہی اس کی نظریں شرمین کے چہرے پر جا کر اٹک گئیں۔

''بھائی جان کے سر میں بہت درد ہو رہا تھا۔اس لیے کچھ دیر پہلے امی نے انہیں سر درد کی دو گولیاں دیں وہ کھا کر سوئے ہیں۔اچھا ہے کچھ دیر آرام کر لیں'' اس کی سوالیہ نظروں کو بھی شرمین کے چہرے کے سوا کوئی دوسرا نہ ملا تھا۔اس نے اپنے آپ کو کوسا۔

''آؤ بیٹھو شرمین۔'' اس نے کہا۔

''نہیں، مجھے تو نیند بہت آ رہی ہے۔'' وہ کاندھے اچکاتی عجیب طرز سے مسکراتی ہوئی پلٹ گئی۔

جانے کیوں آج سارے گھر پر نیند کا بھوت سوار ہے۔اس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا، جب سب سو ہی رہے ہیں تو اسے جاگ کر کیا لینا۔

ایسی گہری نیند سو رہا تھا وہ جیسے سارے اس کے نام کے حساب سے بے باق ہو چکے ہوں، اور وہ کچھ کھا کر سو رہا ہو۔شرجیل کا چہرہ دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

پھر آ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

زیور اتارنے کی غرض سے کان سے بالی کی طرف ہاتھ لے جاتے ہوئے وہ رک سی گئی۔ آئینہ اسے پوری شدت سے سراہ رہا تھا۔

آخر اس نے اتنا سنگھار کس کے لیے کیا تھا، کیسے بے وقوف بن رہی تھی وہ۔ کانچ کی چوڑیاں بج رہی تھیں۔ موتیے کے کنگن کھل رہے تھے، کان کی بالی جھول رہی تھی اور چوٹی کا گجرا مہک رہا تھا۔

مگر اسے لگا شرمین نے صرف کہا نہیں عملی طور پر بتا دیا تھا کہ اس زیور کی کوئی اہمیت نہیں، جسے چاہنے والی سراہنے والی نظر نہ دیکھے وہ سنگھار ہی کیا۔

اس نے پھر پلٹ کر شرجیل کی طرف دیکھا۔

اسے اپنی دلہن کا انتظار نہیں تھا۔

اسے آنے والی گھڑیوں کے حسن کا احساس نہیں تھا۔

یا شادی کی کشش بس اس کے لیے ختم ہو گئی تھی۔

وہ اٹھ کر یونہی بستر پر ایک طرف ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دور ہی وہ لیٹا ہوا تھا۔ شاید اسے موتیے کی مہک جگا دے۔ Anais Anais (پرفیوم) کی خوشبو اسے نیند سے جھنجھوڑ دے یا اس کے حسن کی آنچ اس کے وجود کو ایسی گرمی دے کہ اٹھ کر بیٹھ جائے۔

کچھ دیر پہلے اسے تھوڑا وہم سا ہوا کہ وہ اٹھ چکا ہے مگر نیند کا ڈرامہ کر رہا ہے، لیکن اب اسے یقین آ گیا کہ وہ واقعی گھوڑے بیچ کر سو رہا ہے۔ پرابھی تو ایک دن گزرا ہے اور لمبا سفر باقی ہے۔ اس نے آج ہی آج گھوڑے کیوں بیچ دیے۔

''کیا ندیدوں کی طرح اس سنگدل کے سرہانے بیٹھی محبت کی بھیک ملنے کی آس لگائے ہوئے ہو۔۔۔'' اس کی خودداری نے بری طرح اسے جھڑکا۔

وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اپنا وجود بڑا بے مایہ سا لگا جو شرجیل کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ لا سکا تھا۔ اس کے دل میں احساس کی لو نہ چمکا سکا تھا۔ چند منٹوں میں اس نے تمام زیور اتار پھینکا۔ لباس تبدیل کر لیا۔ آف وائٹ کاٹن کا اپنے خیال میں نہایت بدمزا سا سوٹ پہن کر اس نے چوٹی کے گجرے بھی نوچ ڈالے۔ کتنے چاؤ سے طلعت نے چوٹی گوندھی تھی۔ اسے کیا پتا تھا کہ ان زلفوں کو سایہ کرنے کے واسطے کسی نے اپنے کندھوں کو نہ پھیلایا تھا۔

''افوہ چپ بھی کرو۔'' اس نے پھر اپنی سوچ کو ڈانٹا، کم مائیگی کے احساس نے اسے نکو سا بنا دیا تھا۔

نکاح کے دو بول پڑھوا کر کیا مرد عورت کے احساسات سے یوں چند روپوں کے کھلونے کی طرح کھیل سکتا ہے۔

واش بیسن پر کھڑے ہو کر اس نے اپنے چہرے پر بہت سا ٹھنڈا پانی ڈالا اور پھر تولیے سے چہرہ خشک کر کے واپس کھونٹی پر لٹکاتے ہوئے وہ تولیہ اس کے ہاتھ سے پھسل گیا تو اس نے جھک کر تولیہ اٹھا لیا جب ہی اسے باتھ روم کے فرش پر سر درد کی دو گولیوں کا خالی ریپر ملا، ٹیبلٹ کا نام پڑھ کر اسے بے یقینی کا

سا احساس ہوا۔ وہ سر درد کی نہیں نیند کی گولیاں تھیں۔
آج کی رات شرجیل نیند کی گولیاں کھا کر سو گیا۔
''اگر اسے اس سے یوں اجتناب ہی برتنا تھا، روزے ہی رکھنے تھے تو۔۔۔۔'' بس وہ مسلسل اپنے خیالات کو ٹوکتی تھکتی جا رہی تھی مگر سُونی آدھی رات کے اس پہر میں خیالات کا آسیب آہستہ آہستہ اسے جکڑنے میں کامیاب ہو ہی رہا تھا۔
بی بی آصفہ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ روزہ شرجیل نے اپنی ماں کی خوشنودی کے لیے رکھا تھا۔ وہ شادی کی رات اس کے ساتھ گزار چکا تھا اور ماں نے اس کی آنکھوں میں بیوی کے لیے تھوڑا پیار، تھوڑی نرمی دیکھ لی تھی۔ حالانکہ منہ سے اُس نے آصفہ کے بارے میں ایک حرفِ توصیفی نہ بولا تھا، مگر ماں کے لیے اس کی آنکھ کی چمک بھی ناقابل برداشت تھی۔ رات کھانے سے دو گھنٹے پہلے تک دونوں ماں بیٹی نے اس کے ذہن میں اس قدر خناس بھر دیا کہ اس کی آنکھ میں موجود ہلکی سی نرمی ختم ہو کر رہ گئی۔
رات کے آخری پہر جب اس کی نیند ٹوٹی تو اس نے اپنے نفس کا پیٹ بھی بھر لیا۔ اور وہ اندھیری رات کے اس حصے میں شور بھی نہ مچا سکی کہ دیکھو یہی ہے جس نے ابھی ایک پہر پہلے اس کے جذبوں کا خون کیا ہے اور ابھی اس کی ذات پر نقب لگانے آ گیا ہے۔
''تو آصفہ بی بی! یہ ہے تمہاری وہ اوقات جس کی تم پروا کیا کرتی تھیں کہ جانے اگلے گھر جا کر کیا ٹھہرے۔'' وہ گم صم ہو کر رہ گئی۔
اسے یہ سب کچھ اس طرح منظور نہ تھا۔ محبت کا یوں لٹنا اور خودداری کا یوں مٹنا، مگر وہ کم ہمت تھی نہ شرجیل کا خود غرض ہاتھ جھٹک سکتی تھی، نہ شرمین کی ہر پل معترض زبان بند کر سکتی تھی، نہ آنٹی کے دل سے حسد کی گہری جمی تہہ صاف کر سکتی تھی۔ وہ ابھی تک اسی حیرانی میں تھی یہ سب لوگ یک دم اتنے بدل کیوں گئے ہیں۔ وہ آنٹی کا ہر وقت کا پیار بھرا لہجہ، وہ شرمین کی بھابھی بھابھی کہتی نہ تھکتی زبان اور وہ شرجیل کی سوبرسی مغروری۔
''کیسی پٹاخہ ہے یہ شرمین! ابھی تو جب وہ اور کھل کر سامنے آئے گی تو پتا چلے گا۔''
''آنٹی تو زبان کی جتنی میٹھی ہیں، دل ان کا اتنا ہی کڑوا ہے، میں پورے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ روایتی ساس کا بھرپور کردار ادا کریں گی۔''
''اور یہ شرجیل صاحب!'' ''مجھے خبر ہے کہ وہ کسی کی نہیں سنتا، کیسا کم گو اور خشک سا آدمی ہے۔'' وہ جوش میں آ کر بیچ میں بولتی۔
''نہیں وہ سب کی سنتا ہے سوائے تمہاری سننے کے۔''
''اوہ گاڈ تہنیت! کچھ خوف خدا کرنا چاہیے، اتنا ظالمانہ تبصرہ کرتی ہو۔'' طلعت ٹوکتی۔
''ارے ظالمانہ کیا! حقیقت ہے اور اچھا ہے نا کہ آصفہ ابھی سے اس حقیقت سے نمٹنے کے لیے تیار رہے۔'' مگر وہ کبھی بھی ان ساری باتوں کو حقیقت ماننے کے لیے تیار نہ ہوئی تھی۔
اور یہ سب کچھ کتنی جلدی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا، پہلے دن سے ہی وہ لوگ کچھ تو پردہ داری رکھتے تھوڑی اور ریاکاری ہی کر لیتے جب اتنے دنوں سے کر رہے تھے۔ آج پھر صبح ہوئی پھر کمرے سے

اکیلے باہر جانا، وہی شرجیل کی بدسلوکی کا رویہ اس کے ساتھ۔

''میں اتنا شدید تھکا ہوا ہوں، تمہیں اچھا نہیں لگ رہا کہ تھوڑا آرام کرلوں۔'' آج پھر اس نے اسے جھڑکا تھا۔

''مرد پیار کا لہجہ بھی تو بولتے ہوں گے کہ نہیں۔''

آج شرمین بلانے بھی نہ آئی، اسے خود باہر جانا چاہیے، آج اسے یہاں ناشتے کے لیے رکنا تھا پھر وہی ادب و آداب کا سلسلہ ہونا تھا۔

''آداب آنٹی!'' وہ کل سے آج تک پورے ایک دن میں اپنی غلطیوں کو دہرانا بھی بھول گئی تھی۔ دہرا لیتی تو شاید سدھار بھی لیتی۔ نہ وہ حاضر جواب تھی نہ چالاک نہ بہت ذہین کہ کھڑے کھڑے صورت حال کو فتح کر لیتی۔

''آپ تو اپنی ساس کو آج تک بڑی امی کہتی آئی ہیں نا امی۔'' شرمین نے ٹوک ہی ڈالا، کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے بیٹھتے وہ رک گئی۔

آنٹی شرمین کو گھور کر دیکھ رہی تھیں اس لیے نہیں کہ بیٹی نے بڑی بھاوج کو ٹوکا تھا۔ ان کی نظر کا انداز کچھ اور تھا ان کا خیال تھا ابھی لوہے کو اور گرم ہونے دینا چاہیے تھا، پھر چوٹ مارنا چاہیے تھی۔

''ظاہر ہے وہ میری ماں تھیں اور میں اب تک انہیں اپنی بڑی ماں ہی سمجھتی ہوں۔''

اب پتھر شرمین نے اٹھا ہی لیا تو وہ مار مارنے میں کیوں دیر کرتیں۔ وہ ڈھیلی ہو کر کرسی پر بیٹھ ہی گئی تھی، اپنی جھگی اور شرمساری کا احساس اس سے چھپایا نہیں جا رہا تھا۔ حالانکہ اس طرح اپنے آپ کو بے وقعت ظاہر کرنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں تھی۔

''خیر، ہر کوئی ایسا کہاں سمجھتا ہے، اب رشتوں کی اہمیت جانتا ہی کون ہے۔''

شادی کے دوسرے دن پہلی بار وہ کھانے کے لیے اپنے سسرال میں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھی۔ اور پہلی ہی بار ماحول اتنا سخت تھا کہ وہ سوچنے لگی کہ اس سختی میں وہ کیسے جیے گی۔ اگلے ہی لمحے انکل ڈائننگ روم میں آتے دکھائی دیے تو وہ دونوں ماں بیٹی چپ ہو گئیں اور اسے لگا آنٹی ابھی کوئی اور سخت بات کہنے کی حسرت رکھتی تھیں مگر کامیاب نہ ہو سکیں۔

''شرجیل۔۔۔نہیں آیا۔۔۔!'' انہوں نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

''شرجیل سو رہا ہے۔'' آنٹی نے بنا اس سے تصدیق کیے کہہ ڈالا۔

''یہ تو غلط بات ہے، آج شرجیل کو ہمارے ساتھ ناشتا کرنا چاہیے، جاؤ شرمین اسے آواز دے آؤ۔ بولو ناشتے کے لیے تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔''

''اچھا ابو!'' وہ فوراً کھڑی ہوئی، مارے وحشت کے اس نے انکل کو سلام یا آداب ہی نہیں کیا۔

''بھائی جان منع کر رہے ہیں۔'' صاف ظاہر ہوا کہ وہ آدھے راستے سے پلٹ کر آ گئی ہے شرجیل کو بلانے گئی ہی نہیں۔

''اچھے مزاج ہیں صاحب زادے کے، تمہیں اسے پہلے ہی ہدایت کر دینا چاہیے تھی۔'' انہوں نے آنٹی کو ٹوکا۔

''اب آپ رہنے بھی دیں، رات بھر جاگے گا تو صبح کہاں اٹھ سکے گا۔ جوان اولاد کو زیادہ ہدایتیں بھی نہیں دینی چاہئیں۔''

جاگنے کا طعنہ سیدھا اسے دیکھتے ہوئے آنٹی نے دیا تھا، بیٹے کو نیند کی گولیاں کھلا کر سلا دیا اور اب ڈھنڈورا یہ پیٹ رہی ہیں کہ رات بھر لاڈلے کو جگا دیا گیا ہے، وہ کیسے سہے گی اور کیسے رہے گی۔

میز پر رکھا ناشتا اس کے سر پر آ رہا تھا۔ آملیٹ، پراٹھے، پوریاں، مکھن، جام حالانکہ اسے بہت بھوک لگ رہی تھی۔ مگر ڈھنگ سے کچھ بھی وہ نہ کھا سکی، بس پیالی بھر کر گرم چائے پی لی۔

اسی وقت بھائی بھابھی کے آنے کی اطلاع سکینہ نے دی۔ عین مشکل کے وقت وہ دونوں رحمت بن کر نازل ہوا کرتے تھے مگر چند دن کا آسرا تھا۔ وہ بھی کب تک رحمت بنا کریں گے۔ آج انکل موجود تھے اس لیے بھائی جان کو تھوڑی دیر کے لیے بیٹھنا پڑا۔ مگر چائے پانی کے لیے انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔

''آج ولیمہ ہے، برا نہ ماننا مہر النساء! آصفہ کو ذرا ڈھنگ سے تیار کروانا، رات تو اس کی تیاری دیکھ کر دل بیٹھ سا گیا۔ دوسرے دن کی دلہن نہ لگ رہی تھی۔ محفل میلاد کی مہمان لگ رہی تھی۔ کچھ زیور وغیرہ کی کمی ہو تو ہم سے منگوا لینا، رات کو ولیمے میں تو دنیا دیکھے گی۔''

بھائی جان آگے نکل گئے تو پیچھے سے آنٹی نے بھابھی کو روک کر یہ ساری باتیں کہیں۔

''ارے آنٹی! زیور سونے کی کمی ہے کیا ہمارے گھر میں، لیکن جتنا ہوا تنا بندہ لادتو نہیں لیتا۔ یہ تو موتیے کا زیور آصفہ کا شوق تھا، سو اس نے پہن لیا، پھر بھی اگر آپ کو پسند نہیں آیا تو ایسا کریں ولیمے کی دلہن آپ تیار کروا دیں۔'' بھابھی جان کا تیز جواب اسے اچھا لگا۔

''اب اتنی ایمرجنسی میں تو ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔ ہاں آپ لوگ کہیں گے تو شرمین کو آصفہ کے ہی ساتھ پارلر بھجوا دوں گی۔'' وہ کہاں ہاتھ آنے والوں میں سے تھیں۔

''دیکھو آصفہ! بیٹا دل تو کبھی تمہارا یہ بھی چاہے گا کہ سر پر خالی سفید دوپٹہ اوڑھ کر بیٹھ رہو، لیکن چندا دنیاداری کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے، اور دل کو تو سب سے پہلے مار دینا پڑتا ہے۔''

پلٹتے پلٹتے انہوں نے دھیمے میٹھے لہجے میں آصفہ کو ایسی بات کہی کہ بھابھی جان کا چہرہ سرخ انگارہ ہو گیا۔ وہ بہت صبر سے گھونٹ پی گئیں۔ اس بات کا جواب دیتیں تو شاید ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔

''کیسے انہوں نے سفید دوپٹے کا طعنہ مارا، میرا تو ابھی تک خون کھول رہا ہے۔

"How dare she can talk like this" گاڑی کے گیٹ سے باہر نکلتے ہی بھابھی جان پھٹ پڑیں اور پھر آنٹی کی نقل اتارتے ہوئے انہوں نے بھائی جان کو ساری بات بتائی۔

''آصفہ! لگتا ہے دو دن میں تم نے ان لوگوں کا دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔''

''میں نے! میں نے کیا کیا ہے۔'' پچھلی سیٹ پر بیٹھی آصفہ پہلے ہی بوکھلائی ہوئی تھی۔

''چپ چاپ سنتی رہی ہو گی ہر بات۔ ارے تمہیں ایک عرصے سے سب سمجھاتے چلے آ رہے ہیں کہ اس گھر میں تم چپ رہ کر تماشا دیکھنے والی بن کر نہیں رہ سکتیں۔''

''لیکن میں نے تو کچھ نہیں کہا بھابھی جان۔'' وہ رونے والی ہو گئی۔

''یہی میں کہہ رہی ہوں جب سامنے والا مسلسل خاموش رہے تو اگلے کی زبان یونہی کھل جاتی ہے۔ میرے اللہ! میرا بس نہیں چل رہا کیا کر ڈالوں انہوں نے ایسا کہا کیسے، سفید دوپٹہ وہ خود کیوں نہیں اوڑھ لیتیں۔''

''بس اب ختم کرو اور ٹھنڈی ہو جاؤ۔'' بھائی جان خود افسوس میں بہت دیر چپ رہے تھے۔

''کچھ اچھا نہیں ہو رہا ہماری آصفہ کے ساتھ، پتا نہیں کیا دیکھ کر پاپا نے یہ رشتہ طے کیا تھا۔'' ان کا غصہ تھمنے میں نہیں آ رہا تھا۔

''بس اب خاموش ہو جاؤ۔ یہ کوئی وقت نہیں ہے ایسی باتیں کرنے کا۔''

''ابھی تو دو دن میں ان کی بدسلوکی کا یہ حال ہے، آگے زندگی پڑی ہے، مجھے تو رہ رہ کر ہول اٹھ رہے ہیں۔''

''فار گاڈ سیک مہر النساء! چپ ہو جاؤ۔ ساری تپ آج ہی نکال دو گی۔ اور جو ہو گیا اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ ہاں آنے والے دنوں کے لیے کوئی اچھی راہ نکال سکتے ہیں۔''

بالآخر وہ چپ ہو گئیں اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ آصفہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''ابھی گھر جا کر کسی سے کوئی بات نہ کہنا، حتیٰ کہ پاپا سے بھی نہیں۔ آج ولیمہ ہو جائے اس کے بعد ان سے آرام سے بات کریں گے۔ آصفہ بیٹا! تم بھی دل کو تھوڑا مضبوط کر لو، گھر میں سب مہمان موجود ہیں۔ تمہارے قدم بھی ان شاء اللہ مضبوط ہو جائیں گے۔''

وہ سامنے آئینے سے دیکھ رہے تھے اسے روتے ہوئے۔

''بیٹا! اگر سامنے پتھر کا انسان آ جائے تو اس سے سر نہیں پھوڑتے بلکہ اسے پگھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔'' بھائی جان کی بات اس نے پورے دھیان سے سنی اور رونا بھی بند کر دیا۔

''دیکھنا طلعت! وہ مجھے اتنا چاہے گا کہ تم سب لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔'' ایک دن شرجیل کے لیے ہی لڑتے لڑتے اس نے طیش میں آ کر طلعت سے کہا تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ ہم تو دن رات یہی دعا کرتے ہیں، کیا تمہیں اندازہ نہیں۔'' وہ آصفہ کے غصے کا قطعی برا مانے بغیر کہہ رہی تھی۔

''ہوں مجھے خوب اندازہ ہے، یہ بھی خبر ہے کہ بی بی طلعت نے زندگی میں کبھی اتنی نمازیں نہیں پڑھیں جتنی آج کل وہ میری اچھی شادی شدہ زندگی گزرنے کی دعا مانگنے کے لیے پڑھا کرتی ہے۔''

وہ ہنسی تو طلعت نے محبت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تھا۔

''ارے اگر مجھے اشارہ ملے تو میں عمر بھر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھ لوں، بس میری دعا قبول ہو جائے۔'' مگر اس کی دعا قبول نہ ہوئی۔ خدشوں میں گھرے اس کے دل کی دعا نہ پوری ہوئی اور خود آصفہ کو بھی ایک فیصد بھی خدشہ لاحق نہ ہوتا تھا کہ ایسا ہوگا، وہ تو یہی سوچتی کہ وہ شرجیل کو اتنا چاہتی ہے تو کیا شرجیل اسے نہ چاہے گا۔

''آصفہ! تم مجھے کتنا چاہتی ہو؟''

''اب آپ کو چاہنے کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔'' اس کے جی میں آئی کہ کہہ ڈالے لیکن شادی کی

تیسری رات تھی وہ شرجیل کے آگے کیا زبان کھولتی اور اگر یہ تیسویں رات بھی ہوتی یا شاید تین ہزارویں بھی ہوتی تو وہ شرجیل کے آگے زبان یوں بند رکھ کر بیٹھ رہنے والوں میں سے ہی تھی۔

بس کاجل سے بھری میک اپ سے سجی آنکھیں اٹھائے اسے دیکھتی رہی۔

''بھئی، اب تو کوئی شرعی مسئلہ حائل نہیں، تمہیں جواب دینا چاہیے۔''

وہ حیران تھی، وہ اس کے سامنے بیٹھا اس سے مسکرا کر بات کر رہا تھا۔''آپ کی ماں کو پتا چل گیا کہ آپ بند کمرے میں میرے سامنے مسکرائے تھے۔تو ان کے دل میں بہت آگ بھڑکے گی۔'' زبان اس کی بے شک نہ ہل رہی تھی مگر آج اس کا دل بہت تپا ہوا تھا کل نیند کی گولیاں کھائے شرجیل کو یاد کر کے اور تپ رہا تھا۔

''تم آج بھی پہلی رات کی دلہن کی طرح شرما رہی ہو، اوہ دلہن تو تم آج بھی بنی ہوئی ہو۔شرمانا لازمی ہے مگر ہاں یا نا میں ہی جواب دے دو، تمہارا اچھا جواب سن کر میرے دل کو بہت خوشی ہوگی۔''

''آپ کے دل کی راحت کا میں نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے باوجود اس کے کہ آپ میرے دل کی سوئی برابر بھی پروا نہ کریں۔''

یوں سوچنے کے باوجود شرجیل کے دل کی راحت اور تسلی کے لیے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

چاہا تو اس نے اسے اس دن سے تھا جب انٹر میں پوزیشن حاصل کرنے کے بعد شرجیل کا داخلہ میڈیکل کالج میں ہو رہا تھا اور اسی خوشی میں سہیل انکل نے دعوت کی تھی جس میں خاندان کے سب لوگ شریک تھے۔وہ اس وقت ابھی صرف آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی۔قد کاٹھ بھی ابھی اس نے پورا نہ نکالا تھا اور اس کے چہرے اور باتوں میں ابھی معصومیت اور بچپنا بہت ظاہر تھا بلکہ آج بھی اسے کبھی کبھی وہم ہوتا تھا کہ بس اسی دن تک تھا بچپنا پھر اسے نوجوانی کی نوخیز خواہشوں اور سپنوں کے دیس میں اکیلا چھوڑ کر بہت پیچھے ہٹ گیا۔

سترہ اٹھارہ سال کا شرجیل اس وقت بھی اتنا ہی مغرور تھا۔دوستوں اور رشتے داروں سے تحفے اور مبارک باد وصول کرتے وہ صرف ہوں ہاں کر رہا تھا یا مسکرا رہا تھا۔زیادہ بات چیت، زیادہ گھل مل جانا یا صرف خوش خلقی ہی سے بھی وہ دامن بچائے بچائے پھر رہا تھا۔کتنا مختلف تھا نایہ نہ بے تکے لطیفوں پر قہقہے لگا کر ہنس رہا تھا، نہ بے وجہ اخلاق دکھا رہا تھا کہ آپ کیسے ہیں، اور کتنے ہیں اور کیوں ہیں۔اس نے اپنے سب کزنز ایسے ہی دیکھے تھے نا بامروت، بااخلاق، ہنس مکھ اور بہت بولنے والے، اسے یاد تھا اس دن وہ بلیک پینٹ کے ساتھ خوب صورت سی فیروزی شرٹ پر بلیک دھاریوں والی ٹائی باندھے بہت سج بھی رہا تھا۔

''کتنا اچھا لگ رہا ہے نا شرجیل۔'' اس نے ساتھ کھڑی طلعت سے کہا تھا۔

''اچھا۔۔۔!'' اس نے بڑا لاپروا سا جواب دیا، اسے شرجیل یا اس کے اچھا لگنے سے کوئی دلچسپی نہ لگ رہی تھی بلکہ اس سے پوچھا جاتا تو وہ کہتی۔

''خاک اچھا لگ رہا ہے۔اپنے آپ کو بہت گورا چٹا سمجھتا ہے، اس لیے ایسے رنگ پہنتا ہے۔''

لیکن اس کا دھیان اس کی طرف ہوتا تو وہ کوئی بات کہتی بھی، اسے شرجیل قطعی اہم اور قابل غور بندہ نہ لگا

تھا۔

اور آصفہ اپنے ہنستے کھیلتے کی عمر کو اس کے دھیان میں گنوانے چل پڑی تھی۔ اپنے خاندان کے اتنے جان دینے والے کزنز کو چھوڑ کر اس جان لینے والے بندے کے خیال میں مبتلا ہو گئی تھی۔

جب اس کی عمر پسند کرنے کی حد سے چاہنے کے شعور تک پہنچی تب سب سے پہلے اسے طلعت ہی نے ٹوکا۔ وہ دوسرا موقع تھا جب بڑے ماموں کے گھر کسی تقریب میں پورا خاندان جمع تھا اور شرجیل کو دیکھ کر پھر اس نے اپنی معصوم سوچ اور جذبے کی بازی لگائی تھی۔ اسے یوں بھی ڈاکٹر بہت پسند تھے اور وہ تو میڈیکل کا اسٹوڈنٹ تھا اور خاندان میں دور دور تک کوئی دوسرا لڑکا یا لڑکی ابھی میڈیکل کالج تک نہ پہنچی تھی۔

''یہ شرجیل دن بہ دن روڈ ہوتا جا رہا ہے۔ جانے اسے کس بات کا غرور ہے۔'' یونہی پاس سے گزرتے طلعت نے شرجیل کو سلام کہہ دیا۔ اور اس نے حسب عادت سر ہلا دیا۔ تو طلعت تپ گئی۔

''دراصل وہ کم گو بہت ہے۔'' وہ یک دم بول پڑی تھی اور طلعت چونک گئی تھی۔

''ہیں تم نے اس کی طرف داری کیوں کی وہ بھی اس لہجے میں؟'' وہ بوکھلا گئی، اس نے آنکھیں جھکا لیں، کاجل چھپا لیا۔ اور کاجل کے پیچھے گہری آنکھوں کی بے چینی جلدی سے سمیٹنی چاہی، مگر طلعت شک میں پڑ گئی تھی۔ اتنے صاف لہجے میں اس نے بے قراری سے اس کی صفائی دی تھی، جیسے کوئی خونی رشتہ ایسے وقت میں جوش میں آ کر بول پڑے۔ یا بہت پیار کرنے والی بیوی اپنے شوہر کا فوری دفاع کرے یا پھر کوئی بھولا عاشق یوں بے وفا محبوب کی پردہ داری کرے۔

بس پھر طلعت اس کی کھوج میں لگ گئی۔ اس وقت اس نے اسے مزید کچھ نہ کہا مگر اسی دن وہیں تقریب میں اس نے آصفہ کے دل کی لگی کا سراغ پا لیا۔ ہر بار اس کی نگاہوں کا تعاقب کر کے ہی وہ جان گئی۔ سچ مچ آصفہ بہت بھولی تھی، خلوص، محبت اور دلوں کو جیت لینے ہی کو حقیقت جانتی تھی۔

''خبردار! تمہیں اس فضول آدمی کے لیے خود کو ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اگلے ویک اینڈ پر جب سب کزنز ملیں تو طلعت نے موقع پاتے ہی آصفہ کو ٹوکا۔

''تم کون سی نانی اماں ہو کہ کھڑے کھڑے کسی بندے کو پرکھنے کا دعوا کرنے لگو۔''

''تم جا کر نانی جان سے پوچھ لو، وہ بھی یہی کہیں گی تمہارا شرجیل کے ساتھ کوئی میچ نہیں۔''

''طلعت پلیز، وہ مجھے اچھا لگتا ہے۔'' وہ جھک گئی، اس نے ہار کر اعتراف کر لیا۔ وہ ایسے بولی جیسے اس کے دل نے کہا۔

''کب سے؟'' اس کا دل چاہا آصفہ کہے میں تو مذاق کر رہی تھی۔

''جب سے شعور آیا ہے۔''

''یعنی عقل آئی نہیں اور عقل کو رخصت کر دیا۔'' اس نے سوچا اب وہ سر پیٹے یا دیوار فائدہ کچھ ہونا نہیں تھا۔

سولہ سال کی منہ زور عمر میں جذبوں کے آگے وہ چاروں شانے چت گر گئی تھی۔

''یہ ایسا ہی ہے جیسے چوہا بلی کو دل دے بیٹھے یا ہرن، شیر پر مرمٹے۔'' تہنیت اس وقت اپنی

زولوجی کی کتاب کھولے Animal and food کا مضمون پڑھ رہی تھی جب طلعت کو انتہائی پریشان دیکھ کر اس نے وجہ پوچھی تھی اور بات سن کر فوری مثال اسے یہی سوجھی۔

''تم چپ کر جاؤ اچھا، بلکہ تم چپ ہی رہا کرو۔'' پریشانی میں اس کی ہر بات اور خیال بے ترتیب تھا۔ ڈانٹ تو دیا اس نے تہنیت کو مگر اسے لگا، اس نے ٹھیک ہی مثال دی ہے۔ آنٹی اور ان کی اولاد پر ظالم اور چالاک جیسی مثالیں فٹ ہی آتی ہیں۔

لیکن طلعت کے سمجھانے یا تہنیت کے چڑنے کا، اس پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ خود نا سمجھ ہو گئی تھی۔

''تم ٹھیک ہی کہتی تھیں طلعت! شرجیل کو دیکھ کر میری عقل چلی گئی تھی اور اب اسے پا کر مجھے عقل آ گئی ہے۔''

ولیمے کی رات بھی اس کی ہی مرضی سے گزر گئی تھی۔ اس نے چاہا تھا اس کے منہ سے اظہار محبت سننا سو سن بھی لیا، اسے پا بھی لیا اور اب آرام سے سو رہا تھا۔

اور وہ نیند سے بھی ناراض اپنے آپ سے بھی خفا، الجھ رہی تھی خود اپنے ہی خیالوں سے۔ اب تو اپنا دکھ بھی طلعت سے شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ عقل جو آ گئی تھی۔

''آج تیسرا دن ہو گیا، تم نے پلٹ کر عینی آپا کے بیٹے کو پوچھا بھی نہیں، جب کہ تمہیں خبر ہے کہ وہ سیڑھیوں سے گر گیا تھا۔''

صبح اٹھ کر وہ اپنے رات والے موڈ سے یکسر بدلا ہوا تھا۔

''مگر رات ولیمے میں تو وہ اچھا خاصا کھیل رہا تھا، آپ کی گود میں بیٹھ کر مووی بھی بنوائی تھی۔''

''ان سب باتوں پر غور کر لیا اور دھیان رکھنے کی باتوں پر دھیان نہیں دیتیں۔''

''پچھلی رات اور کل صبح مجھے عینی آپا ملی ہی کب ہیں اور رات ولیمے میں کتنی گہما گہمی تھی۔ مجھے تو خیال ہی نہیں آیا۔''

اب اپنے ولیمے میں دلہن بنی بیٹھی وہ کس طرح اور کیسے کسی کی خیر خیریت دریافت کرتی۔ اس کے تو کیسے کیسے روشن خیالات بجھ کر رد گئے تھے۔ کتنی اہم ترین باتیں وہ ان تین دنوں میں بھول چکی تھی۔ عینی آپا کے بچے کی معمولی چوٹ اسے کہاں یاد رہتی مگر شرجیل نے اسے سگنل دے دیا تھا کہ یہ معمولی چوٹ اس کے لیے گہری ثابت ہو سکتی ہے۔

''دیکھو بے خیالی اور بے فکری کی زندگی تو تم نے بہت گزار لی، اب ذرا ڈھنگ کی زندگی گزارنا بھی سیکھ لو۔ ورنہ اس گھر میں تمہیں بہت مشکل پیش آئے گی۔''

اس نے سر ہلا دیا حالانکہ اتنے دنوں میں شرجیل نے تو اس کا دل بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اسے پہلے دن ہی برا لگا تھا، لیکن آہستہ آہستہ زیادہ احساس ہو رہا تھا۔ لان کے دوسری طرف اس کے دونوں کمرے گھر سے بالکل الگ بنے ہوئے تھے۔ اور اسے تاکید اور نصیحت مسلسل یہی تھی کہ وہ گھر اور گھر والوں سے ہر وقت مل جل کر رہے مگر کیسے، اس کی پروا اس کے سوا کوئی اور کیوں کرے۔ وہ اس

طرف ہوتی تو اسے اس طرف کی خبر نہ رہتی اور اُدھر ہوتی تو اِدھر کا دھیان نہ رکھ سکتی۔

چار دن چاؤ چونچلوں کے تو گزر گئے (یہ اور بات کہ اس کے تو وہ بھی اچھے نہ نکلے تھے) مگر پھر اسے بہت مشکل پیش آنے لگی اور اسے لگا کہ اس طرف والے کمرے صرف اسے مشکل میں ڈالنے کے لیے اس کے لیے مخصوص کیے گئے تھے ورنہ عالیہ آنٹی کے بیڈروم کے برابر دونوں کمرے خالی تھے۔ ایک کو بے وجہ گیسٹ روم بنا دیا گیا تھا اور دوسرے کو روحیل کا کمرا بتایا جاتا تھا جبکہ شادی میں تین دن وہ یہاں رہا اور ہر رات اپنی ماں کے بیڈروم میں ہی سویا کرتا تھا۔

''گھر میں اسے اکیلے سونے کی عادت کبھی نہیں رہی۔''

ان کی وضاحت عجیب سی ہی تھی۔ بھلا فوج کا بندہ اکیلے سونے سے گھبرائے۔ عالیہ آنٹی نے دوسری صبح اسے خود ہی بتایا تھا جبکہ اس نے پوچھا بھی نہ تھا۔

پھر سکینہ کی زبانی اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ تبدیلی ابھی لائی گئی ہے۔ ورنہ لان کے اس طرف والے کمرے ہی گیسٹ روم بنے ہوئے تھے اور روحیل تو ہمیشہ ہی چھٹیوں پر آتا ہے تو ماں کے بیڈروم میں ہی سویا کرتا ہے۔

یہ گھر اس کے لیے انجانا نہیں تھا اور اسے اب خیال آتا کہ اسے پہلے سے ہی ان باتوں پر دھیان دینا چاہیے تھا۔ شادی سے پہلے وہ جتنی بار عالیہ آنٹی کے گھر آئی اس نے کبھی کسی چھوٹی بڑی بات پر غور نہیں کیا اور کیسے غور کرتی۔ شادی سے پہلے تو اس کی ذات پر صرف شرجیل کا سایہ رہتا تھا۔ اس کی کبھی ایسی کوئی سوچ کھلی ہی نہ تھی۔

اب یہ سایہ اس کی ذات پر کیا سر پر بھی نہ رہا تھا اور اسے اس گھر میں کسی گھنے درخت کا پتا بھی معلوم نہ تھا۔

''یہ بتاؤ شرجیل کا برتاؤ کیسا ہے تمہارے ساتھ۔'' مہرالنساء بھابھی نہ صرف خود اس کی فکر میں مسلسل مبتلا تھیں، بلکہ لگتا تھا بھائی جان کو بھی چین لینے نہ دے رہی تھیں۔

''بہت اچھا، بے حد اچھا، آپ اتنی ٹینشن کیوں لے رہی ہیں بھابھی! عالیہ آنٹی تو ہمیشہ سے ہی ایسی ہیں، آپ سب تو جانتے تھے نا۔''

''اب ایسا بھی نہ جانتے تھے، ان کے تیور تو ابھی سے بہت خراب ہیں۔'' وہ اسے یوں ڈانٹ رہی تھیں، جیسے ان کے خراب تیور کی ذمہ دار وہی ہو۔

''اگر شرجیل تمہیں بہت چاہتا ہے تو تم ایسا کرو، ابھی سے الگ رہنے کی فرمائش کر ڈالو۔''

''ہیں۔۔۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ایسا انتہائی مشورہ، اسے بھابھی سے ایسی امید نہ تھی۔

''ارے کیوں نہیں ہوسکتا، جب تم اس گھر میں خوش نہیں رہ سکتیں تو تمہیں اپنا گھر الگ بنا لینا چاہیے۔ یہ شرجیل کا فرض ہے، تم سے اس نے شادی کی ہے تو بیوی کو خوش رکھنا اور اسے الگ گھر لے کر دینا اس کا فرض ہے۔''

وہ تو سوچ رہی تھی عمر کیسے گزارے گی۔ صرف ضبط اور اپنی محبت بھری فطرت کے سہارے، لیکن

بھابھی نے ایک لمحے میں حل بتا دیا۔ چار دن بھی برداشت کا سبق نہ سکھایا۔ نہ مروت کے سبق پڑھائے نہ اخلاق اور خلوص کے درس دیے۔

''دیکھو، دب کر رہنے سے کیا حاصل؟ جب نکاح کے بعد عورت کو یہ حق خود ہمارے مذہب نے بھی دیا ہے کہ اگر وہ اپنے شوہر کے گھر والوں کے ساتھ آسانی سے نباہ نہیں کر سکتی تو اپنے لیے الگ گھر کا مطالبہ کر دے۔''

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی بھابھی کی اتنی اچھی سوچ پر ہنسے یا اپنے غیر حقیقت پسندانہ ہونے پر روئے اف یہ آئیڈیل خیالات اور آئیڈیل معاشرہ! ہمارے لیے تو دنیائے مادرا کے کسی روپہلے شہر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

دراصل اس کی بھابھی بے باک اور بے ریا خاتون تھیں۔ غلط بات کو مان لینا ان کی سرشت میں ہی شامل نہیں تھا اور ان کی قسمت اچھی تھی کہ کبھی انہیں کسی ناجائز پر سمجھوتا کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ اور قسمت سے زیادہ شاید وہ خود اچھی تھیں کہ اگر کبھی کوئی ناجائز ان کے سامنے آ جائے تو وہ کھڑے کھڑے اسے جائز بنا کر دم لیں۔ نہ بنا سکیں تو اسے چھوڑ ہی دیں۔

''بولو، تم کچھ کہو ہمت کرو، تمہارے بھائی تو مجھے کسی سے بات بھی نہیں کرنے دے رہے ورنہ میرا بس چلے تو ابھی پاپا سے جا کر ساری بات کہوں اور انہیں سمجھاؤں کہ اپنے بڑے بھائی سے جا کر پوچھیں کہ ان کی بیوی اور بیٹے سے حساب لینے والا کوئی ہے یا نہیں۔''

''پلیز بھابھی! آپ بہت جذباتی ہو رہی ہیں۔ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے، میں عالیہ آنٹی کی باتوں کا برا نہیں مانتی۔''

اس نے سوچا تھا بھابھی بھی اس کا دکھ جانتی ہیں تو شاید ان سے ایک دو باتیں کر کے دل ہلکا کر لے گی، مگر ان کا تو انداز ہی الگ تھا اب وہ اس چکر میں پڑی تھی کہ جو کچھ وہ جانتی ہیں، وہ بھی بھول جائیں۔

''شاباش ہے آصفہ جی! تم برا نہ ماننا اس وقت تک جب تک وہ خود تمہیں برا نہ بنا ڈالیں۔''

وہ اس کے لیے اسی سے لڑ رہی تھیں اور اس کی اپنی مجبوری کہ وہ ان کا ساتھ نہ دے سکتی تھی۔

''ظلم کو سہہ لینا ایسا ہی ہے، جیسا کہ ظالم کا ساتھ دینا، برائی سے لڑنا بھی ایک قسم کا جہاد ہے۔ وغیرہ۔'' یہ ساری باتیں اس نے خود بھی بہت سی کتابوں میں پڑھی تھیں۔ پڑھنا، جاننا اور عمل کرنا سب الگ الگ باتیں ہیں اور سب سے مشکل بات عمل کرنا ہے۔ اچھی بات جاننے کے باوجود ہر انسان کو دعا کرنی چاہیے کہ خدا اسے عمل کے لیے باہمت بنائے۔ بزدلی ہر گن کو کھا جاتی ہے۔

''ادھر آؤ! میرے ساتھ آؤ۔'' وہ بھابھی سے بات کر کے ابھی کمرے سے باہر نکلی ہی تھی کہ طلعت نے اس کا ہاتھ کھینچ لیا اور پھر اسے گھسیٹتے ہوئے وہیں گھر کے پچھلے حصے کی طرف لے گئی وہ کتنی بار چلتے چلتے رکی کہ۔

''نہیں طلعت! اندر کمرے میں بیٹھ جاتے ہیں۔''

''یار! میں تھک بہت گئی ہوں۔''

''دیکھو، یہاں کتنی خنکی ہے، ویسے ہی نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے میرے گلے میں خراش آ گئی ہے اور نزلہ مجھے بس ہونے ہی والا ہے۔'' اسے سچ مچ چھینک آئی تھی۔

''یاد کرو وہ وقت جب بھرپور سرما کی راتوں میں چھینکوں سے بے حال تم اپنے بستر سے غائب ہوگئی تھیں اور تمہیں تلاش کیا گیا تو تم اتنا بڑا کمبل لپیٹے گھر کے اس کونے میں بیٹھی ہوئی ملی تھیں۔'' طلعت نے اسے پاس بٹھایا۔

دراصل وہ ڈر رہی تھی اس وقت سے، اس ماحول سے، اور اس جگہ سے اور سب سے بڑھ کر ساتھ بیٹھی طلعت سے۔

''یار! انسان اور اس کے اطوار بدل بھی تو جاتے ہیں۔'' اب جب وہ مشکل وقت کے دائرے میں آ ہی گئی تھی تو اسے ثابت قدمی تو دکھانی ہی تھی۔

''اچھا چار دن میں آصفہ جلال احمد کتنا بدل سکتی ہے ڈیئر۔''

''دیکھو ابھی تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی۔ کیونکہ ابھی تمہاری شادی نہیں ہوئی ورنہ لڑکیاں شادی کے بعد ایک دن میں بدل جایا کرتی ہیں۔'' وہ مستقل لہجہ بنا کر بات کر رہی تھی۔

''اوہ تم شاید سچ مچ بدل گئی ہو۔'' طلعت زچ ہو کر کہہ رہی تھی۔

''تم نے تو پہلے ہی دعوا کیا تھا کہ میں بہت جلد سب لوگوں کو بھول جاؤں گی۔''

''پٹ جاؤ گی میرے ہاتھ سے، مجھ سے سیدھی بات کرو آصفہ! مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تم کتنا خوش ہو، اچھی گزر رہی ہے نا۔''

سامنے وہی گلاب کا پودا تھا جس پر نظریں ٹکا کر ہمیشہ وہ سب کچھ سچ سچ طلعت کے سامنے بول دیا کرتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی وہ اپنے دل کی کوئی بات اس سے چھپا نہیں سکتی۔ مگر ان چار دنوں میں ہی اس نے دیکھ لیا تھا کہ دنیا میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو اس کی سمجھ کے مطابق ہرگز نہیں ہو رہی تھیں۔

''لگتا ہے طلعت! تم زبردستی چاہتی ہو کہ مجھے خوش نہیں رہنا چاہیے، تاکہ وہ ساری باتیں جو تم لوگ کہا کرتی تھیں، ٹھیک ثابت ہو جائیں اور تم فخر سے گردن اونچی کر کے کہہ سکو۔ 'دیکھا میں نہ کہتی تھی شرجیل ایسا ہی ہوگا۔'' اس نے بہت تیزی میں ساری بات کہی اور پھر بہت سکون سے طلعت کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''آر یو میڈ آصفہ! کیا تم پاگل ہوگئی ہو؟ تم کتنی تھرڈ کلاس باتیں کر رہی ہو، میں تمہارے دکھ یا شکست پر فخر محسوس کروں گی۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، مگر تم ٹھیک کہہ رہی ہو، بائی ماری شادی ہوگئی ہے نا۔ شاید تمہارے سینگ وینگ نکل آئے ہیں جو کہ ہمارے نہیں نکلے۔''

وہ بری طرح ناراض ہو کر اٹھ گئی اور بھاگتی ہوئی اندر گھر کی طرف چلی گئی۔

سو آخر اس نے اسے ٹال ہی دیا، اس کا سکون تھوڑی دیر اور قائم رہا وہ طلعت کے سامنے جیت ہی گئی یا اس کی قوت برداشت جیتی تھی۔

لائٹ پرپل کلر کی ساڑھی میں وہ اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ شرجیل نے آج برملا اس کی

تعریف کی۔

''تم بہت حسین ہو، ہر رنگ میں سج جاتی ہو۔'' خوشی کی لہر اس کے پورے جسم میں سرایت کرنے لگی اور اسی وقت کھٹ سے دروازہ کھول کر شرمین اندر آ گئی۔

''دیکھیں بھابھی! کیسا لگ رہا ہے میرا سوٹ، امی کہتی ہیں بلیک رنگ مجھ پر بہت جچتا ہے۔''

''واقعی بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' یوں شرمین کا وارد ہونا اسے بہت ناگوار لگا لیکن اس نے فوراً مسکرا کر اپنے تاثرات چھپا لیے۔

''تم مجھی کہیں جا رہی ہو کیا شرمین!''

جب شرمین اس کے برابر آ کر آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے مکمل سنوری ہوئی اپنی نوک پلک کو پھر درست کرنے لگی تو اس نے اپنے ہی آئینے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''ارے میں آپ ہی لوگوں کے ساتھ تو جا رہی ہوں۔ بھائی جان کے دوستوں کی دعوت میں، میں تو ہمیشہ شرکت کرتی ہوں، آپ پہلی دفعہ جا رہی ہیں اس لیے آپ کو پتا نہیں۔''

کیا انداز تھا اس کا اور بات کا کہ خود آگے آ گئی اور اسے ایک کونے میں کھڑا کر دیا، اور یہ اس کی اپنی نادانی تھی کہ اس نے پیچھے ہٹ کر اسے جگہ دے دی۔ حالانکہ اس وقت شرجیل خود بھی بہن کے اس طرح آنے پر بے زار ہوا تھا اور آصفہ تھوڑا سا بھی منہ بناتی تو ضرور شرجیل اسے ٹوکتا کہ۔

''شرمین دروازے پر دستک دے کر اندر آنا چاہیے تھا، لیکن آصفہ ''سسرال والوں کو کچھ برا نہ لگ جائے، اس بیماری میں جانے کیوں پہلے دن سے مبتلا ہو گئی تھی۔

''چلیں بھائی جان! میں تو بالکل تیار ہوں، بھابھی! آپ بھی جلدی کریں نا۔'' اس کا لہجہ اس کی رفتار کی طرح تیزی میں ہی تھا۔

''اور امی جان تیار ہو گئیں؟'' اسے خبر ہی نہ تھی کہ کون کون دعوت میں جا رہا ہے۔ یونہی اس نے سمجھ لیا تھا کہ صرف وہ اور شرجیل جائیں گے۔

''امی جان کے سر میں درد ہو رہا ہے، اس لیے وہ نہیں جا رہی ہیں۔''

''اگر امی جان نہیں جا رہیں تو پھر تم اکیلی کیا کرو گی۔'' پہلی بار شرجیل کو احساس ہوا تھا کہ میاں بیوی کے درمیان شرمین کو لے جانا کتنا عجیب محسوس ہوگا۔ دوستوں میں اچھا خاصا نکو، بن کر رہ جائے گا۔

''توبہ توبہ بھائی جان! بیوی کے آتے ہی آپ تو چار دن میں بدل کر رہ گئے۔ مجھے اکیلا کر دیا، میں ابھی امی سے جا کر شکایت کرتی ہوں۔'' لمحے بھر میں شرمین نے وہ واویلا مچا دیا کہ الامان۔

''امی۔۔۔! امی۔۔۔!'' دوڑتی ہوئی، چیختی ہوئی وہ ماں کو پکارنے لگی۔

''سنو تو، بات تو سنو شرمین!'' شرجیل دوڑ کر جاتی ہوئی بہن کے پیچھے بھاگا۔ حیران سی آصفہ بھی ان کے پیچھے گئی۔

''دیکھا امی آپ نے۔ بھائی جان نے مجھے منع کر دیا، اب بیوی جو آ گئی ہے، انہیں ماں، بہن کی کیا ضرورت۔ کہہ رہے ہیں میں اکیلی جا کر کیا کروں گی، ماں باپ بھائی بہن سب کے ہوتے ہوئے میں اکیلی ہوں۔''

اس نے ماں کے کمرے میں جا کر اونچی آواز میں بولنا شروع کیا تھا، اور پھر اسی والیوم میں اس نے دھواں دھار رونا شروع کر دیا تھا۔

''ارے کیا ہوا میری لاڈلی کو۔ شرمین میری گڑیا! کیوں رو رہی ہے۔ آصفہ نے تو کچھ نہیں کہا۔''

ان کا لہجہ اور بھڑکانے والا تھا، قصہ سن کر بھی انہوں نے اس طرح پوچھا کہ ادھر آصفہ کا نام آئے ادھر وہ اس کی گردن تک پہنچ جائیں۔

''وہ کیا کہے گی اس کے لیے بھائی جان جو ہیں، آنکھیں پھیر لیں ہم سے، حمایتی بن گئے اس کے۔'' وہ بالکل جاہل عورتوں کی طرح ہاتھ ملتے ہوئے بھائی کو کوس رہی تھی۔

''تجھے عقل نہیں ہے شرجیل! بہن کا پتا نہیں ہے تجھے، کیسا چڑیا جیسا دل ہے میری بچی کا۔ تو نے اسے کیوں ٹوکا، وہ بھی اس چڑیل کی خاطر، اسی دن کے لیے تیری شادی رچائی تھی۔''

تھینک یو اور ویل کم کا لہجہ ہر وقت اپنائے رکھنے والی عالیہ آنٹی کی زبان سن کر اس کا جسم کپکپانے لگا تھا۔ اور مزید شرمین کا رچایا گیا ناٹک، بھائی کمرے میں آ گیا تھا اور دروازے میں اس نے بھابھی کو بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ اور شدت سے رونے لگی۔

''ارے شرمین گڑیا! میرا یہ مطلب نہیں تھا، میں تو کہہ رہا تھا، تم اکیلی کیوں جا رہی ہو، امی کو بھی زبردستی کہو کہ ہمارے ساتھ چلیں۔''

بستر پر بیٹھی ہوئی بہن کے قدموں میں بیٹھ کر شرجیل اس کے ہاتھ سہلانے لگا اور بہلاتے ہوئے بات کی۔

''جھوٹے، مکاری کر رہے ہیں امی! ان سے کہیں میں نہیں جاؤں گی ان کے ساتھ، نہیں جاؤں گی۔''

وہ بری طرح بھائی کے ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہو گئی اور بیچ بستر پر بیٹھ کر اس نے اپنے بندے اور ہار نوچ کر پھینک ڈالا۔ اس کے بعد کانچ کی چوڑیاں نہایت غصے میں اتار پھینکنے لگی۔ کتنی ہی چوڑیاں ٹوٹیں، ہاتھ زخمی ہو گئے تو وہ اور شور کرنے لگی۔ روتے روتے اس کی آواز پھٹنے لگی۔ منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔

آصفہ کے تو پاؤں وہیں بیچ دروازے میں جم سے گئے تھے۔ وہ بری طرح سہم گئی تھی۔

''خدا کی مار اس پر، کیا حال کر دیا میری بیٹی کا۔ یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے، چلو یہاں کیا تماشا ہو رہا ہے۔ جو تم دیدے پھاڑے دیکھ رہی ہو۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔''

بنا اشارہ کیے بڑبڑاتے ہوئے، پھر عالیہ آنٹی اس کی طرف آئیں اور اسے بری طرح جھڑک دیا۔

وہ یک دم بھاگ کھڑی ہوئی اور سیدھا اپنے کمرے میں جا کر دم لیا اس کے حواس گم تھے اور سانس بری طرح چل رہی تھی۔ بستر پر بیٹھی کتنی ہی دیر تک وہ خود اپنے ہاتھ سہلاتی رہی اور دل کو تسلی دیتی رہی۔ سر اٹھایا تو سامنے آئینے پر نظر پڑی۔ خوب صورت چہرہ وحشت زدہ ہو رہا تھا، اس کی زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ اکیلی کسی دکھ کو سہہ رہی تھی۔ نہ کاندھے پر کوئی ہاتھ تھا، نہ دل پر کسی پرخلوص سائے کی چھاؤں۔

''اف کیا شادی کر کے ہر لڑکی دکھ کے جنگل میں یوں اکیلی بھٹکتی پھرتی ہے۔''

''کتنی سنگدل ہو آصفہ! گونگی بنی تماشا دیکھتی رہیں اور پھر وہاں سے بھاگ آئیں، نہ شرمین کو بہلایا نہ اس سے دو پیار کے لفظ بولے۔ حالانکہ ہماری ہی وجہ سے وہ اتنا ٹینشن میں آئی۔'' کمرے میں آتے ہی شرجیل اس پر برس پڑا۔

''نہیں اس ساری بات میں، میں کہیں شامل نہیں ہوں، میں نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔''

''کیا میں اور تم الگ الگ ہیں؟''

''اچھا تو ہم ایک ہیں کیا؟'' اس کا جی چاہا اب وہ چیخ چیخ کر روئے کہ دیکھو یہ ہے وہ شخص شرجیل سہیل احمد جسے وہ پاگلوں کی طرح ٹوٹ کر چاہتی ہے، وہ کہہ رہا ہے ہم ایک ہیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، لیکن چھلکے نہیں، ضبط کا ہر مرحلہ وہ بہت حوصلے سے طے کر رہی تھی۔

''یہاں بیٹھ کر مجھ پر طنز کرنے کے بجائے جاؤ جا کر شرمین کو مناؤ۔ اس سے معافی مانگ کر آؤ۔''

''دیکھیں، آپ کے کسی عمل کی ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ یہ آپ بھائی بہن کا آپس کا معاملہ ہے، میں معافی نہیں مانگوں گی۔''

اس کا پورا وجود چڑ کر رہ گیا۔ ماتھے پر بل ڈال کر اس نے سختی سے منع کر دیا۔

''سنو بی بی آصفہ! یہ ہم بھائی بہن کے معاملے میں پھوٹ پڑنے کی وجہ تم ہی ہو، سمجھیں ورنہ ہماری محبت مثالی تھی۔ صرف تمہاری ہی وجہ سے میں نے آج شرمین کو ٹوک دیا۔ کبھی کسی نے اس سے اونچی آواز میں بات نہیں کی نہ اس کی کسی بات کو رد کیا ہے۔ بہت نازوں پلی ہے میری بہن۔''

اس کی آنکھیں حقارت سے بھری تھیں، لہجہ آگ اگل رہا تھا اور دل۔۔۔ دل کس نے چیر کر دیکھا ہے۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے شام کے سرے پر، اس نے ایک پیار کی نظر آصفہ پر ڈالی تھی جسے شرمین نے دیکھ لیا تھا۔ سو اب بیٹھا وہ اس کا کفارہ ادا کر رہا تھا۔

''ایسا ہی تھا تو آپ نے شادی کیوں کی، بہن کے نازک دل کو ہتھیلی میں سجائے بیٹھے زندگی گزار دیتے۔'' آصفہ کا مزاج اب بگڑ گیا تھا۔ ہر بات الٹی اور اسی پر مہر بھی لگ جاتی تھی۔

لیکن شرجیل نے پروا کیے بغیر ایک تھپڑ اسے جڑ دیا۔

''شرمین کا مقابلہ تمہیں مہنگا پڑے گا۔''

''شرجیل! کم سے کم آپ اس لائن میں کھڑے ہوئے اچھے نہیں لگ رہے۔'' وہ پلٹ کر بستر کے دائیں طرف لیٹ گئی اور تکیے میں منہ دے کر سسکنے لگی۔

''اوہ پتا نہیں تمہارا دماغ کس طرح درست ہوگا۔'' اس نے سر پیٹ لیا۔ اچھے اعصاب تھے اس کے اب کہیں جا کر تھکے تھے۔ جانے عورتوں کے ایسے چکروں میں پڑا یہ شخص ڈاکٹر کیسے بن گیا تھا۔ اس کے موبائل کی گھنٹی اسی وقت بجی۔

''سنو ریحان پلیز! بس آدھے گھنٹے میں پہنچ رہے ہیں۔''

''آصفہ! شرمین کو جا کر مناؤ ورنہ ہم جا نہیں سکیں گے، دعوت میں۔'' وہ اسے نہیں منا رہا تھا اور چاہ رہا تھا کہ وہ سب کو مناتی پھرے۔

''اونہہ۔۔۔!'' وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔

''پلیز آصفہ! ہم پہلے ہی لیٹ ہو چکے ہیں اور دس بجے ڈنر ٹائم ہے، اس سے پہلے ہمیں ضرور وہاں ہونا چاہیے۔ یہ سارے ڈاکٹرز بہت پنکچوئل ہوتے ہیں۔'' اب اس نے اس سے منت کر کے کہا۔

''کیا اسی طرح کبھی میرے کسی غلط عمل کی ذمہ داری آپ لیں گے۔ آپ میرے ساتھ معافی مانگنے چلیں گے۔'' اس کو اپنے مؤقف کی بات بھی کہنا آتی تھی۔

''کیوں نہیں ضرور ساتھ دوں گا تمہارا۔ چلو اب جلدی تم بھی اپنا حلیہ درست کرلو اور شرمین کو بھی لے آؤ میں گاڑی نکالتا ہوں۔''

فوراً چابی اٹھاتا ہوا وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس پر ''اب'' وقت کو پکڑنے کا بھوت سوار ہو رہا تھا۔

اور لان سے اِدھر کی طرف جاتے ہوئے اسے خیال آیا کہ کیا شرمین صرف اس کے منانے پر چلنے کے لیے راضی ہو جائے گی۔ اس کے تیور تو ایسے نہیں تھے اور خیال آتے ہی اس نے تیزی سے پلٹ کر چند قدم ادھر جا کر دیکھا، مگر شرجیل تو باہر پہنچ گیا تھا، وہ پھر گھر کے اندر اس طرف چلی گئی۔

لان میں چلتے چلتے وہ سوچ رہی تھی کہ دھواں دھار روتی، سسکتی شرمین کیونکر چپ ہو گی اور اس کی بات سنے گی۔ یہ لان کا چند منٹ کا فاصلہ اسے روزانہ یہ سبق دے رہا تھا۔

اندر کمرے میں شرمین کرسی پر منہ پھیرے بیٹھی تھی۔ وہ بھی منہ لٹکائے بیٹھی ہے۔ وہ بوکھلا سی گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا کہے۔

''چلو شرمین! تمہارے بھائی تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' اس نے مشکل سے جملہ کہا۔

''اچھا! چلیں۔ میں تو تیار ہی ہوں، مجھے پتا ہے بھائی جان میرے بغیر جا ہی نہیں سکتے۔''

بری طرح حیران ہو کر اس نے شرمین کے نئے سرے سے چمکتے چہرے کو دیکھا۔ وہاں نہ آنسوؤں کی کوئی لکیر تھی نہ دکھ کا کوئی نشان، اور اسے یونہی خیال آیا کہ شرمین جانتی ہی نہیں کہ دکھ کسے کہتے ہیں۔ وہ صرف دکھ دینا جانتی ہے۔ اور ابھی کچھ دیر پہلے وہ صرف اسے دکھ دینے کے لیے ہی ''درد'' رچائے بیٹھی تھی۔

میرے دکھ کی کوئی دوا نہ کرو
ابھی مجھ سے مجھے جدا نہ کرو
ناخدا کو خدا کہا ہے تو پھر
ڈوب جاؤ خدا خدا نہ کرو

سہارے کتنے بے حقیقت ہوتے ہیں نا! بہت سارا مان، بہت سارا اعتبار، بہت ساری امیدیں اور پھر اپنے ہی کسی فضول سے خیال، بے کار واہمے سے سب دھڑام، اگلے کو خبر نہ ہو اور آپ ناامیدی کے صحراؤں کی خاک چھان کر آ جائیں۔

شاید وہ قنوطی سی ہو گئی تھی۔ کیسٹ پلیئر بند کر کے اس نے اپنے اوپر تانی چادر اتار دی اور بالوں کو

یونہی انگلیوں سے سنوار کر کلپ لگالیا۔ وہ ایک گھنٹے سے بستر میں پڑی نیند کو ترس رہی تھی، پھر اس نے کیسٹ پلیئر لگا دیا۔ امی کے گھر وہ رات سے آئی ہوئی تھی۔ دس دن ہو گئے تھے اس کی شادی کو، اور اتنے دنوں کے بعد رات جب اپنے کمرے میں وہ سونے کے لیے آئی تو اس کا جی چاہا ہر چیز سے گلے مل کر پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اپنا تکیہ، اپنی چادر، اپنی الماری اور اس کے اندر رکھی ساری چیزیں، اسٹڈی ٹیبل اور کتابیں، اس کی بے شمار کتابیں، ڈائریاں، خطوط، کارڈز، کیسٹوں سے بھری دراز جن کی اکثر بیٹھ کر گنتی کرتے انہیں ترتیب سے رکھتے، اسے ایسا وحشت ناک خیال کبھی نہ آیا تھا کہ یہ سب چیزیں اس سے یوں بچھڑ جائی گی۔

کیسے چٹکی بجاتے میں لڑکیوں کی یہ اتنی بڑی، گہری خوابوں خیالوں سے بھری دنیا ان سے چھوٹ جاتی ہے۔

ایک انجانے دیس کا بھید پانے کی آرزو اور زعم میں ان کا کیا کچھ داؤ پر نہیں لگ جاتا۔

پر کیسی صبر سے ان کی یاری کہ اس دیس میں کچھ پائیں نہ پائیں، اپنی پچھلی سلطنت سے ضرور دست بردار ہو جاتی ہیں۔

ابھی وہ دس دن کے بعد یہاں رہنے آئی تھی، پھر جانے کتنے دن نکل جائیں۔ چوتھی کی دعوت کو ٹالتے ٹالتے شرجیل نے اتنے دن نکال دیے۔ ''آج مصروف ہوں، کل۔۔۔''

''کل دوستوں کی دعوت ہے، پرسوں۔۔۔'' دنوں کو نکل جانے میں کتنی دیر لگتی ہے۔

''طلعت رات سے نہیں آئی، میں نے فون پر اس سے کہا بھی تھا۔''

صبح اٹھتے کے ساتھ ہی اس نے امی سے پوچھا تھا، پوچھنا تو اسے رات کو ہی چاہیے تھا۔ لیکن رات کو وہ اس ڈاکٹر کی طرح نڈھال تھی، جو مسلسل بے حساب گھنٹوں کی ڈیوٹی دے کر بالآخر فارغ ہوا ہو۔ اس کی ڈیوٹی تو گھنٹوں میں نہیں دنوں میں گنی جانے والی تھی۔

''پتا نہیں بیٹا! میں نے بھی اس سے بہت کہا لیکن مانی نہیں، کہاں صبح ہی آؤں گی۔''

''عاصمہ باجی بھی ابھی تک نہیں آئیں۔ رات فون پر تو کہہ رہی تھیں کہ انوار کے آفس کے لیے نکلتے ہی چلی آؤں گی۔''

''تمہاری عاصمہ باجی اپنے گھر کے سو کام نمٹا کر آئیں گی۔ انہیں ہر وقت اپنے گھر کی نوک پلک سنوارتے رہنے کا خبط جو ہے۔''

صبح سویرے ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ فجر کی نماز پڑھ کر وہ پھر بستر میں لیٹی مگر نیند نامہربان تھی، عجیب سست سی اس کی طبیعت تھی باہر برآمدے میں ٹہلنے کو جی نہ چاہا۔ کچن میں امی کے پاس گئی تو انہوں نے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ کہ خبردار! کسی کام کو ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں۔ بھابھی کا تو سامنا کرنے سے ہی وہ گھبرا رہی تھی۔ اسی لیے پھر جا کر بستر میں پڑ گئی تھی۔

''بھئی، آج تو سیدھا چاند ہمارے ہی آنگن میں اُترا ہے۔'' پاپا رات سے اتنے خوش تھے اور مسلسل اس خوشی کا اظہار بھی کر رہے تھے۔

''آنگن میں نہیں پاپا! اس وقت تو ناشتے کی میز پر چمک رہا ہے۔'' وقار کے کہنے پر پاپا بہت

ہنسے۔ وہ خود جھینپ کر ہنس پڑی۔

''آپ بھی کسے چاند سے ملا رہے ہیں پاپا! چاند تو پورے حساب کتاب سے آتا جاتا ہے۔ اور یہ اپنی آصفہ! یہ کسی حساب پوری اترنے والی نہیں ہے۔

آج چوتھی کی دعوت کی مثال آپ کے سامنے ہے۔'' مہر النساء بھابھی فوراً بولیں۔

انہوں نے شاید اسے مسلسل جوش دلانے کا عہد کر لیا تھا۔

''ہاں آصفہ! یہ بہت بری بات ہوئی ہے۔ تمہیں خود شرجیل کو سمجھانا چاہیے تھا، ذرا سی دعوت کے پیچھے لوگ کتنی باتیں بنا جاتے ہیں۔''

امی ناشتا پاپا کو دے کر اب اس کے آگے بڑھا رہی تھیں۔ انہوں نے خاص طور پر گاجر کا حلوہ بنایا تھا۔ ساتھ پراٹھے، آملیٹ، دودھ، مکھن وہ اسے سب کچھ کھلا دینا چاہ رہی تھیں۔ صبح اٹھتے کے ساتھ ہی وہ کچن میں لگ گئی تھیں، اور بھابھی کو بھی ساتھ لگا لیا تھا۔

''امی! میں نے کہا تھا مگر روز کوئی نہ کوئی مسئلہ نکل آتا تھا۔''

''صاف کہو! تمہارے کہنے میں کوئی اثر ہی نہ تھا۔'' بھابھی نے بلا جھجک کہہ ڈالا وہ جھنجھلا کر رہ گئی۔

بھابھی آخر اسے کس حد تک شرمندہ کرنا چاہتی تھیں۔ اور ان کا جوش تو اسی کی محبت میں کھوئے ہوئے ہوش کے سبب ہی تھا مگر وہ خود اپنے ہوش و حواس اور جوش کو کس ٹھکانے لگا سکتی تھی۔

''چلو چھوڑو اور دعا کرو کہ آج دعوت خیریت سے ہو جائے۔ جو کام جس وقت مقرر ٹھہرا ہوتا ہے، اس سے آگے پیچھے تو ہو نہیں سکتا۔''

امی جان نے اس بات کو ختم کرتے ہوئے اس کی مشکل آسان کی کیونکہ پاپا اور وقار بھی ٹینشن میں آ گئے تھے۔

بلکہ پاپا مہر النساء کی بات پر کچھ حیران سے ہو گئے تھے۔ انہیں شک سا ہوا کہ کہیں کچھ گڑبڑ ہے، ورنہ ان کی بہوویں سب لوگوں کے درمیان بیٹھ کر اپنی نند سے اتنی صاف بات نہیں کر سکتی تھی۔

پھر باقی ناشتا سب لوگوں نے خاموشی سے کیا۔

اور ابھی وہ چائے کا کپ خالی کر کے میز پر بیٹھی سوچ رہی تھی کہ کیا کرے کہ پاپا نے بلا لیا۔

''کیسی ہو بیٹی آصفہ؟'' پاپا نے اسے پاس بلا کر بٹھاتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھا۔

وہ انہیں دیکھنے لگی۔ یہ سوال پوچھنے کا جواز۔

''بالکل ٹھیک ہوں پاپا! آپ کے سامنے تو ہوں۔''

اس نے تیزی سے جواب دیا تو وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگے۔ اور اب اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ اب کیسی ہو، نہیں پوچھ رہے یوں پوچھ رہے ہیں کہ کیسی رہی ہو۔ اور ان کا انداز سمجھ کر بھی وہ چپ رہی۔

''تمہاری بھابھی کی بات صبح مجھے کچھ اچھی نہیں لگی اور تم نے بھی چپ کر کے سن لی۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ حسد یا عداوت جیسے کسی جذبے میں مبتلا ہو سکتی ہے۔ کیا تم ایسا سمجھتی ہو؟'' انہوں نے اپنی عادت کے مطابق صاف بات کہہ دی۔

وہ یونہی سمجھتے تھے اور یونہی کرتے بھی تھے کہ بات یا تو سیدھی اور کھری کہنی چاہیے یا کچھ بھی نہ کہنا

چاہیے۔

اور جلال احمد کی یہ مکمل ان ہی پر گئی ہوئی بیٹی سیدھی بات کہہ نہ سکتی تھی، سو کچھ بھی نہ کہہ رہی تھی۔

''آصفہ! کیا تم سمجھتی ہو کہ مہرالنساء کسی چیز سے یا تم سے جیلس ہو سکتی ہے؟'' انہوں نے بات دہراتے ہوئے پھر اس سے پوچھا۔

''ہرگز نہیں پاپا! ان کے اندر یہ منفی جذبے نہیں ہیں، آپ اچھی طرح جانتے تو ہیں۔''

''بس یونہی میری خوش فہمی مجھے کہہ رہی ہے کہ وہ بری ہو سکتی ہے، تمہارے حالات برے نہ ہوں گے۔''

حرف شناسی اور چہرہ شناسی میں وہ ظاہر ہے آصفہ کے بھی باپ تھے۔ مگر اولاد کی محبت میں بندہ اپنی سمجھ کو بھی جھٹلانے لگتا ہے۔

وہ دل تھامے چپ ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

آپ میں سے کتنے باہمت ہیں، جو ایک باپ کا وہ چہرہ دیکھ سکیں جو بیٹی کے دکھ میں نڈھال ہو، اس کی وہ آنکھیں جھانک سکیں جو بیٹی کے ماتھے پر خوشی کی لکیریں کھوجتے کھوجتے غم کے زاویوں میں کھونے لگی ہوں۔

''آج شرجیل آئے گا تو میں اس سے پوچھوں گا کہ آصفہ کیسی ہے۔'' انہیں یقین سا ہو رہا تھا کہ نظریں چُرا کر بات کرنے والی آصفہ بدل گئی ہے۔

''آپ کو کیوں ضرورت پیش آ رہی ہے یہ پوچھنے کی، میں آپ کے سامنے ہوں اور اچھی تو ہوں۔''

اس کی زندگی کا ہر دن اس کی مرضی کے بغیر گزر رہا تھا۔

''اچھا بیٹا! جاؤ اب اپنی ماں کے پاس بیٹھو۔ تم چلی گئی ہو تو سارا دن بولائی پھرتی ہے۔'' وہ اخبار پھیلا کر بیٹھ گئے۔

''میں تو کہتی ہوں ان جنگلیوں کو شادی کرنے کا کوئی حق ہی نہیں جو عورت کے حقوق کو نہیں پہچانتے۔''

وہ ارسلان کو بلانے اور کھلانے کی غرض سے بھابھی کے کمرے کی طرف آ رہی تھی کہ ان کی تیز آواز نے دروازے سے چند قدم پہلے ہی اس کے پاؤں روک لیے۔ جانے وہ کس سے بات کر رہی تھیں۔ شاید فون پر اپنے میاں سے ہی کر رہی ہوں گی۔

بہرحال وہ تو الجھ کر فوراً پلٹ گئی۔ سوچا تھا ارسلان کی پیاری باتوں میں کچھ جی بہلا لے گی مگر ادھر سے لوٹنا پڑا۔

''ہائے طلعت! کیسی ہو، صبح سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' دوست کو دیکھ کر اس کے چہرے پر رونق بکھر گئی۔ جھوم کر وہ اس کے گلے لگ گئی۔

''اچھا بلایا تو رات سے تھا۔ انتظار میں بھی ڈنڈی ماری۔'' وہ ہنسی۔

''یار! سچ بات یہ ہے کہ رات کو تو مجھے ہوش ہی نہیں تھا، اتنا تھکی ہوئی تھی۔'' اس نے صاف کہہ

دیا۔

''اسی لیے میں رات کو نہیں آئی۔''

دل توڑنے والے دیکھ کے چل
ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں

تہنیت پیچھے سے ہانک لگاتے ہوئے ان دونوں کے سامنے آئی۔

''اچھا، تم بھی آئی ہو۔'' آصفہ نے مسکراتے ہوئے منہ بنایا۔

''میں ابھی واپس جارہی ہوں، یہاں مہمانوں کو لفٹ کرانے والا ہی کوئی نہیں۔'' وہ سچ مچ پلٹ گئی۔

''سوچ لو، آج ارادے ہمارے بڑے بڑے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم انجوائے زیادہ کرلیں اور تم پچھتاؤ۔'' طلعت نے اسے لپک کر روکتے ہوئے کہا۔

''دیکھو ذرا، میں تمہاری سگی بہن ہوں طلعت! مگر دوست کو دیکھ کر تمہارا تو خون بھی جوش نہیں مار رہا۔ اب کہاں تم مجھے پہچانو گی۔''

''یار! دیکھو، دوست پرائی ہوگئی ہے نا، اس لیے زیادہ پیاری لگتی ہے۔ تم تو اپنی ہی ہو اور تمہیں تو روز دیکھ دیکھ کر کچھ بوریت سی ہونے لگی ہے۔'' وہ اسے ستانے لگی۔

''دیکھا تم نے آصفہ! اور جب تم سسرال چلی گئی تھیں تو یہ میرے ہی کندھے پر سر رکھ کر روئی تھی۔''

''ٹھیک ہے نا مگر اب جب دو چاہنے والے مل گئے ہیں تو بیچ میں ظالم سماج کا کیا کام۔''

اس نے زور سے ہنستے ہوئے تہنیت کو چھیڑا۔

''نہیں نہیں آصفہ! میری بہن کو مذاق میں بھی ظالم سماج نہ کہو۔ تم نہیں ہو تو یہ تو میرے لیے سایہ رحمت بن کر ہر لمحے کھڑی رہتی ہے۔'' یہ کتنی اچھی بات ہوئی ہے کہ طلعت نے تہنیت کی صورت میں دوستی کا آسرا پایا ہے۔ وہ سوچ کر مطمئن سی ہوگئی۔

''اگر ایسا ہے تو میں اپنے کان پکڑتی ہوں، تہنیت نے تو بڑا لاجواب کام کیا ہے۔''

طلعت نے بہت دیر تک خاموشی سے آصفہ کو دیکھا۔ اس نے سوچا تھا شاید آصفہ حسد کرے گی۔ یا تھوڑا بہت کڑھے گی تو ضرور، چڑ کر کوئی سخت سا جواب دے گی لیکن وہ تو فرخ دلی سے اپنا کاسۂ دوستی تہنیت کے حوالے کر کے خود اپنے کاندھوں سے یہ بوجھ اتار دینے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔

لیکن تھوڑی دیر میں ہی اس نے اپنا موڈ درست کرلیا، ان پچھلے چند دنوں میں طلعت نے بہت سی باتیں اپنے آپ سے طے کرلی تھیں اور ان پر قائم رہنے کا عہد بھی کیا تھا۔

تھوڑی دیر میں عاصمہ باجی بھی آگئیں۔ سنبل بھی کالج سے سیدھی آمنہ خالہ کے گھر ہی آئی اور شام تک پورا خاندان ہی وہاں جمع ہوگیا تھا۔

''تہنیت! آج پھر تم نے کالج سے چھٹی کرلی۔''

سنبل اپنے کالج جانے اور اس کے نہ جانے پر بے چین ہوگئی تھی۔

''ارے آج پھر سے کیا مراد ہے؟'' اس نے تیزی سے سنبل کو جھڑکا۔

''پوری شادی میں، میں نے صرف ایک چھٹی کی ہے جب کہ تم نے خود چھٹیوں کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔''

''آپ بھول رہی ہیں بی بی تہنیت! ان دنوں میری چھٹیاں ہی تھیں۔'' سنبل نے فوراً یاد دلایا۔

''اب بیٹھی افسوس کیوں کر رہی ہو، تمہیں بھی چھٹی کر لینی چاہیے تھی۔'' آصفہ نے بیچ میں کہا۔

''یہ تہنیت بتا کر کوئی کام کب کرتی ہے۔ مجھے کہتی ہے تو میں بھی صبح سے یہاں آجاتی۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''سچ بتاؤ کیا میں کہتی تو تم چھٹی کر لیتیں۔ بے وجہ مجھے ٹوکتی ہے۔ ورنہ میرے کہنے پر آج تک اس نے چھٹی نہیں کی۔''

''بھئی کوئی ضروری کلاس یا پریکٹیکل ہو تو کیسے چھٹی کر سکتی ہوں۔''

''چھوڑو بھی سنبل! اب تمہاری اپنی شادی آنے والی ہے نا، اس میں چھٹیاں کرنے کا شوق پورا کر لینا۔'' عاصمہ باجی اپنے بیگ سے استری کے کپڑے نکال رہی تھیں۔ ان کی بحث سن کر بولیں تو سب ہنس پڑے اور سنبل اور زیادہ روہانسی ہوگئی۔

''آپ بھی ان ہی کا ساتھ دے رہی ہیں عاصمہ باجی۔''

''دیکھو، اب تمہاری باری ہے تو ہم تمہیں ستائیں گے تو ضرور، یوں ہنستے کھیلتے تو شادی نہیں کرنے دیں گے۔'' وہ ادرہنسیں۔

''ہاں سنبل! ان سب کو ستانے کا کام بہت اچھا آتا ہے۔'' آصفہ اپنے اوپر گزری ہوئی سے جیسے بہت پریشان ہو کر بولی۔

''اوہ خدا! تم لوگ باتیں کرنے سے نہ تھکتی ہو نہ بے زار ہوتی ہو۔ اب کھڑی ہو جاؤ اور اپنی اپنی تیاری شروع کرو۔ دو دو گھنٹے تو تم میں سے ہر لڑکی کو تیار ہونے میں لگ جائیں گے۔'' اسی وقت مہرالنساء بھابھی نے آکر سب کو ڈانٹا۔

''اور آصفہ تم!'' بھابھی کا اس کی طرف اشارہ ہی ہوا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بس بھابھی! میں تو آ ہی رہی ہوں۔'' وہ سب کے درمیان بیٹھ کر ان کی کوئی نہیں سننا چاہ رہی تھی اسے ان سے ڈر لگنے لگا تھا۔

''عاصمہ جی! آپ بھی ان لوگوں کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، جب کہ آپ کو امی جان کچن میں یاد فرما رہی ہیں۔''

''بے ایمانی نہیں چلے گی بھابھی! آج آپ کا نمبر بڑھانے کا دن ہے، اس لیے آپ یوں برتاؤ کر رہی ہیں۔''

''نہیں عاصمہ جی! آپ سے میں کسی کمی بیشی والے سلوک کی بات نہیں کر سکتی بس ان لڑکیوں پر رعب ڈالنا مقصود ہے۔'' فوراً مسکرا کر انہوں نے عاصمہ باجی کی طرح اپنا لہجہ نرم کر لیا۔

''ویسے بھابھی! آپ کے لہجے میں حد سے زیادہ رعب ہی رعب ہے پھر بھی آپ ناشکری کرتی ہیں۔ میاں تو میاں ان کے اماں ابا بھی آپ کے رعب میں ہیں۔''

تہنیت موقع ملے تو ہر کسی کے آگے شروع ہو سکتی تھی۔
''اے تہنیت! تم نے فوراً ماتھے کی سلوٹیں ہٹتے ہی فائدہ اٹھالیا۔'' انہوں نے اسے گھورا۔
سب ہنسنے لگی تھیں مگر آصفہ ان میں شامل نہ تھی۔ وہ پہلے ہی وہاں سے کھسک چکی تھی۔
چوتھی کی دعوت کے لیے بنایا گیا پرپل سوٹ اس نے خاص شوق سے سلوایا تھا، ٹرائزور کے ساتھ لانگ شرٹ جو پنڈلیوں سے بس چند انچ اونچی تھی اور اتنی ہی اونچائی تک ٹراؤزر پر سفید موتیوں کا کام کیا ہوا تھا۔ ایسا ہی کام قمیص کے گلے آستین اور دامن میں بھی بنا ہوا تھا۔ رنگ بھی اس کے اوپر خوب جچ رہا تھا۔ سوٹ سلا ہوا بھی بہت اچھا تھا۔
''یہ سیٹ پہنو گی تم اس سوٹ کے ساتھ۔'' طلعت خود تیار ہو چکی تھی اب اس کے پاس کمرے میں آ کر اس کی تیاری دیکھ رہی تھی۔
''خدا کا خوف کرو طلعت! ساڑھے چار ہزار کا سیٹ لیا تھا۔ بازار میں تم بھی میرے ساتھ تھیں، اب یوں کہہ رہی ہو جیسے چند روپوں کی چیز ہو۔''
''بھئی، تمہارے سسرال والوں کے مزاج کی بات کر رہی ہوں، اپنی پسند سے تو تم پہلے ہی بچھڑ چکی ہو۔''
وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اور آصفہ سوچ رہی تھی کہ اس نے کب اس کے سسرال والوں کے مزاج کا اندازہ لگالیا ہے۔
آصفہ کل رات سے اپنی ماں کے ہاں رہتے ہوئے اپنی فطری سادگی کی طرف پلٹ آئی تھی۔ سسرال کے الجھے ہوئے ماحول کو تو وہ بھلا ڈالنے والی تھی۔ مگر یوں بھولنا تو لاحاصل ہی تھا۔ یک دم ہی اس کا دل ٹوٹ سا گیا۔ وہ سیٹ اس نے واپس ڈبے میں رکھ دیا۔
''یار! ثناء آپا کے پاس پرپل نگوں والا ایک سیٹ ہے تم نے صبح سے دھیان نہیں رکھا، لیکن انہیں ابھی فون کر دو تو وہ ضرور لے آئیں گی۔ منع نہیں کریں گی۔'' طلعت نے یاد دلایا۔
''نہیں لیکن۔۔۔۔'' وہ نہ کہتے کہتے رک گئی، چڑنے اور جھنجھلانے کے باوجود اسے ایسا ہی کچھ انتظام کرنا پڑے گا۔
''عاصمہ باجی سے کہتے ہیں، وہ خود ہی کچھ کر لیں گی۔ بلکہ طلعت پلیز! تم کہہ دو، مجھے تو عجیب سی بات لگ رہی ہے۔'' وہ بات بدل کر خوش نہیں تھی۔ یونہی جیسے وہ اپنی زندگی کے یوں بدلنے پر خوش نہیں تھی۔
''تم تیار ہوئیں یا نہیں، ٹھیک ہے، سوٹ تو بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' اسی وقت بھابھی کمرے میں آئیں تو وہ نئے سرے سے چوکنی ہو گئی۔
''میں طلعت سے کہنے ہی والی تھی کہ چوٹی بنا دے۔'' جواب بھی اس نے جلد ہی دیا۔
''پاگل ہوئی ہو اس ڈریس پر چوٹی بناؤ گی۔ اور طلعت کو رہنے دو، ثناء آ گئی ہے۔ وہ تمہارے بال سیٹ کر دے گی۔ آج بال کھلے رکھ لینا۔ پہلے یہ زیور پہن لو۔''
زیور کا ڈبا ہاتھ میں پکڑتے ہوئے وہ کچھ بھی نہ بولی۔ اسے بھولنا ہی نہیں چاہیے تھا کہ جس طرح

دوسرے دن اس کی ساس نے مہرالنساء بھابھی کو باتیں سنائی تھیں، اس کے بعد وہ کس طرح کوئی بھی کسر چھوڑ سکتی تھیں۔ سیٹ کے لیے انہوں نے ثناء آپا سے پہلے ہی کہہ رکھا تھا اور پھر بالوں کا انداز، لپ اسٹک کا شیڈ، جوتے کی ایڑی، ہر چیز پر بھابھی ٹھونک بجا کر اطمینان کرتی رہیں کہ اس کا اسٹائل ہر طرح سے دو ٹوک ٹھہرے۔

تیار ہو کر آئینہ اس کے سامنے آ ہی گیا۔ ثناء آپا اس کا دوپٹا ترتیب دینے کے لیے اسے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا کر چکی تھیں۔ کچھ حسن خدا نے وافر دیا تھا، کچھ نیت کی سچائی اور طبیعت کا بھولپن چہرے کو ہمیشہ رونق بخشتا تھا۔ آئینہ اسے ہر روپ میں سراہا ہی کرتا تھا۔ جو لوگ اس کے دل کے آس پاس کہیں نہ بھٹکتے تھے وہ زبردستی ان کا خیال رکھنے پر مجبور تھی۔ ساس کی پسند اور شرمین کے اعتراضات کی روشنی میں اسے سنوارا گیا تھا۔ اور کتنے شوق سے اس نے وہ سیٹ خریدا تھا۔ اس دن اس نے طلعت کے ساتھ پورا دن شاپنگ کی تھی۔ کتنے لگن اور جوش سے ہر چیز خریدی تھی مگر دل کے مرجانے میں کتنے تھوڑے دن لگے تھے۔

طلعت اسی وقت اس کے کمرے سے چلی گئی تھی جب اس نے یہ جملہ سنا تھا کہ ''طلعت کو رہنے دو۔''

آصفہ نے بہت محسوس کیا لیکن کر کچھ نہ سکی۔

''ہاں اب ٹھیک ہے۔'' بھابھی کتنی بار پلٹ پلٹ کر اس کے کمرے میں آئی تھیں، اپنے بچوں کی تیاری چھوڑ کر وہ اس کے پیچھے لگی ہوئی تھیں۔

''اونہہ! سمجھتی ہیں سب عقل اور سارے انداز انہی کو آتے ہیں۔'' سر جھٹک کر انہوں نے رعونت سے کہا اور پھر اسے باہر سب منتظر بیٹھے ہوؤں کا حال بتایا۔

''بھئی نانی جان کو تم سے بہت سی باتیں کہنی سننی ہیں اور پاپا تو تمہیں پتا ہے، اس وقت صرف تمہیں ہی یاد کر رہے ہوں گے۔ باقی وہ تمہارے کزنز کی ٹولی ان پر تمہارا اچھا جادو ہے، جب دیکھو آصفہ، آصفہ کی ہی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔''

دن بھر میں پہلی بار بھابھی ریلیکس ہو کر بات کر رہی تھیں اس کے ساتھ۔

باہر واقعی سب دیدہ و دل فرش راہ بیٹھے تھے اس کے لیے۔ دعوت کا انتظام بھی مکمل تھا اور اس کے خاندان کے تو تقریباً سب لوگ آ گئے تھے۔

وہ مسکرا کر سب سے ملی اور پھر نانی جان کے پاس آئی۔

''پہلے اپنے باپ سے مل آؤ، ان کا دل تمہاری طرف ہی لگا ہوا ہے۔''

ان سب اسی کی طرف دل لگائے لوگوں کو ابھی ابھی یہ خبر مل جائے کہ اس کا اپنا دل کس طرح کرچی کرچی ہو گیا ہے تو اف کیسا ظلم ہے، اس نے جھرجھری لے کر، اتنے برے خیال کو اپنے ذہن سے دفع ہو جانے کا سختی سے حکم دیا۔

''ارے ہماری آصفہ تو آج پری لگ رہی ہے بھئی۔'' پاپا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

''اوہو پاپا! کبھی آپ مجھے پری کہتے ہیں، کبھی چاند، باقی سارے گھر والے آپ سے ناراض ہو جائیں گے۔''

اس نے ہنس کر پاپا کو اپنے خوش ہونے کا یقین دلایا، اسے یہ بھی خیال ہوا کہ اس گھر میں گزرنے والا اچھا وقت اس کا سرمایہ ہو سکتا ہے۔

پھر وہ کچھ دیر پاپا کے پاس ہی بیٹھی رہی۔

''بھئی، یہ کب آئیں گے تمہارے سسرال والے، دس تو بج گئے۔'' بھائی جان کی ایک نظر گھڑی پر، ایک اس پر تھی۔

''وقت تو نو بجے کا دیا تھا، مگر سب کہاں تمہاری طرح وقت کے پابند ہو سکتے ہیں شہریار میاں۔''

''کیا کروں پاپا! ضروری ہے ورنہ میں نے تو صبح ہی واپسی کا پروگرام بنایا تھا اب دیکھیں بارہ ساڑھے بارہ تک تو ہمیں نکل ہی جانا پڑے گا۔ اسی لیے گھڑی دیکھے جا رہا ہوں، حد ہو گئی تایا جان بھی ابھی تک نہیں آئے۔''

وہ ایک منٹ کے لیے بیٹھے پھر کھڑے ہو گئے۔

''بھائی! رات کو ہی واپس جا رہے ہیں؟'' ابھی چھ بجے تو آئے ہیں آپ!''

''کیا کروں بیٹا! صبح بہت ضروری میٹنگ ہے، صرف اس لیے آیا ہوں کہ ہماری گڑیا ناراض نہ ہو جائے۔''

''اور بھابھی!'' صرف اس کی چوتھی کی دعوت میں شرکت کے لیے وہ اسلام آباد سے دوڑے آئے تھے۔ پہلے بھی وہ ولیمے کے بعد دو دن اس لیے آئے کہ یہ دعوت نمٹا کر جائیں گے، مگر ان کی روٹین بری طرح اپ سیٹ ہوئی بالآخر اس کی شادی کے پانچویں روز وہ بھابھی اور بچوں کو یہاں چھوڑ کر چلے گئے کہ اس دعوت کا کوئی دن مقرر ہی نہ ہو رہا تھا۔

''وہ بھی ساتھ جا رہی ہے۔'' اب وہ کمرے سے باہر نکلنے لگے۔

''اوہ گاڈ! تو ان کی پیکنگ وغیرہ کب ہوگی۔ کتنے دنوں سے وہ یہاں ہیں، ان کا تو سارا سامان بکھرا ہوا ہوگا۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پاپا! میں ذرا بھابھی سے پوچھ لوں۔ کوئی کام وغیرہ ہو تو۔۔۔''

وہ اپنے ہی جال میں آپ پھنسی اسے دوسروں کی خبر و خیال ہی نہ تھا۔

''پاپا! آپ بھی باہر ہی آ جائیں۔ بڑے ماموں، چھوٹے ماموں دونوں آ گئے ہیں۔'' بھائی جان باہر دیکھ کر آئے تو پاپا کو بتانے لگے۔

اس نے دیکھا کہ بھابھی کا سامان وغیرہ بالکل تیار تھا۔ ان کا ہینڈ بیگ اور بھائی جان کا بریف کیس تک کونے میں میز پر رکھا تھا اور اب وہ خود جلدی جلدی تیار ہو رہی تھیں۔

''ہاں دیکھو، یہ تہنیت اور طلعت کب سے لگی ہوئی تھیں میرے ساتھ، سامان تو سب سمیٹ لیا۔ شکر ہے اب تک تمہارے سسرال والے آئے نہیں ورنہ تمہارے بھائی جان تو مجھ سے کہہ رہے تھے گھر کے لیٹروں میں دروازے پر جا کر کھڑی ہو جاؤں۔ داماد کے استقبال کے لیے۔''

''داماد۔'' کہتے ہوئے انہوں نے ہونٹ سکیڑے۔

''ہائے میری پیاری بھابھی! آپ میری وجہ سے کتنی خوار ہو رہی ہیں۔''

سچ یہ تھا کہ خدا نے اتنی ہمت اور پھرتی انہیں ہی عطا کی تھی۔ ورنہ آصفہ کے بھائی جان کے معیار پر پورا اترنا ایسا آسان کام نہیں تھا۔ مزید سسرال کا بھرا پرا خاندان اور ان کی کسی وقت کی بھی آؤ بھگت اور خاطر داری، مگر مہر النساء بھابھی مجال ہے جو کسی موڑ پر ہمت ہار کر بیٹھ رہی ہوں۔ اور یہ صرف اس لیے ممکن تھا کہ شوہر مشکل پسند ضرور تھا مگر بہت قدر کرنے والا تھا اور سسرال میں بھی انہوں نے ہمیشہ ہر اچھے کام اور محنت کا بڑھ کر صلہ پایا تھا۔

''بس تمہاری محبت میں خوار ہو رہے ہیں۔'' بھابھی ہنسیں۔

''ویسے بھائی جان شور مچا رہے ہیں کہ میرے سسرال والے ابھی تک آئے نہیں اور آپ دعائیں کر رہی ہیں کہ وہ جلدی نہ آئیں۔ فرشتے بھی سوچ میں پڑ گئے ہوں گے کہ کس کی دعا پہلے اللہ تعالیٰ تک پہنچائیں۔''

ایک لمحے میں انہوں نے اپنے اسٹیپس میں کٹے بالوں کو برش پھر کر خوب صورت کلپ میں جکڑ لیا۔

''دیکھو بھئی، اب تو میں بالکل تیار ہوں، ہاں تو تمہارے سسرال والے ابھی تک آئے کیوں نہیں۔ ٹھیک ہی تو شور مچا رہے ہیں میرے میاں۔''

انہوں نے آواز بنا کر کہا تو وہ ہنستے ہوئے ان کے ساتھ باہر آئی۔

اور اسی وقت شور مچا کہ آصفہ کی ساس آگئیں، بھابھی دوڑ کر استقبال کے لیے کھڑی ہو گئیں۔ اسی طرح جیسے گھنٹے بھر سے ان کے انتظار میں کھڑی سوکھ رہی ہوں۔

عالیہ آنٹی نے ماشاء اللہ کہہ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

سہیل انکل نے ''جیتی رہو۔'' کہہ کر اس کے آداب کا جواب دیا۔

شرمین اس سے یوں گلے لگی، جیسے بہت محبت کرتی ہو۔

''اف بھابھی! آج تو آپ بڑی توپ چیز لگ رہی ہیں۔''

''اللہ اسے توپ چیز بنائے۔'' برابر کھڑی بھابھی نے دل ہی دل میں دعا کرتے ہوئے مغرورسی مسکراہٹ کے ساتھ شرمین سے ہاتھ ملایا۔

عینی آپا اپنے بچوں کو سمیٹتی بہلاتی چلی آ رہی تھیں، اور ان کے پیچھے کوئی نہیں تھا۔

''شرجیل کہاں ہے؟'' وہ آواز نیچی کر کے پوچھ نہ سکی دل میں تو پکار سکتی تھی۔ لیکن پیچھے سے اس نے سنا کئی آوازیں آئیں۔

''شرجیل کہاں ہے؟ شرجیل ساتھ کیوں نہیں آیا؟'' وغیرہ۔

''اسے ہسپتال میں ایک ایمرجنسی کے لیے جانا تھا۔ اس نے کہا تھا، وہ ڈائریکٹ یہاں پہنچ جائے گا۔ بس اب آتا ہی ہوگا۔''

سہیل انکل نے جواب دیا۔ آگے عالیہ آنٹی بھی عورتوں میں اسی طرح کے کچھ جواب دے رہی

تھیں۔

''یہ آج کل کے لڑکے کہاں ہماری بات سنتے ہیں۔اس کے ابو نے اسے سمجھایا بھی کہ بیٹا کیس کوئی اور ڈاکٹر کرلے گا لیکن اسے خود بہت شوق ہے ایسی ایمرجنسیز نمٹانے کا۔''

''آپ کو یوں کہنا چاہیے کہ دوسروں کو ایمرجنسی میں مبتلا کرنے کا۔''

تہنیت پیچھے سے بڑبڑائی، طلعت نے اسے چپ کرایا۔

گھر میں سارے مہمان اکٹھے ہوگئے تھے، مگر رونق نہ تھی۔ بھائی جان کا موڈ بگڑ چکا تھا۔ تیزی سے آگے بڑھتی گھڑی کی سوئیوں کو دیکھتے ہوئے پاپا بھی متفکر ہوتے چلے جارہے تھے۔ ساڑھے گیارہ بجنے لگے تو انہوں نے بڑے بھائی کی طرف کچھ عجیب دوش دیتی نظروں سے دیکھا۔ اسی لمحے کھڑے ہوکر انہوں نے اپنے بیٹے سہیل احمد کو ایک طرف بلایا اور مہمانوں سے بھرے لاؤنج پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے میاں؟ بیٹے کو کہاں چھوڑ آئے ہو، اس کا اتا پتا معلوم ہو تو فون ملاؤ میں خود بات کروں گا۔'' انہوں نے اپنا موبائل فون ان کے آگے بڑھایا۔

''ابا جان! میں خود یہی سوچ رہا تھا کہ اسے فون کرنا چاہیے۔'' سہیل احمد فوراً بیٹے کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ، آپریشن ختم ہونے میں مزید دو گھنٹے لگیں گے۔''

''آپ ان سے بات تو کرائیں۔''

''نہیں جی، سرجن حمید کی موجودگی میں ہم کسی جونیئر ڈاکٹر کو کال نہیں کرسکتے، وہ بہت سخت آدمی ہیں۔'' بند کرکے وہ سر جھکا کر اپنے باپ کے سامنے کھڑے ہوگئے۔

''تم نے اپنے بیٹے کو وہ تربیت نہیں دی، جو میں نے تمہیں دی ہے۔''

''ابا جان! اس کی تربیت تو اس کی ماں نے کی ہے۔'' وہ بہت نیچی آواز میں بولے۔

''اور تم ساری عمر بیٹھے تماشا ہی دیکھتے رہے۔ یاد رکھو، آج کی بے عزتی کے بعد میں ساری زندگی تمہاری شکل دیکھنا پسند نہیں کروں گا۔''

بہت مشکل سے وہ آواز دبا رہے تھے، مگر جلال احمد ادھر ہی آنکھیں اور کان لگائے کھڑے تھے۔ چند لمحے ٹھہر کر آگے آئے اور خاموشی سے سہیل احمد کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔

''آپ کھانا شروع کروا دیجیے بھائی صاحب! شرجیل کا آنا مشکل ہے۔''

تایا جان نے شاید زندگی میں پہلی بار ایسی شرمندگی اٹھائی تھی۔ وہ شخص جس کا خاندان بھر میں رتبہ بڑا ہو، قد بڑا ہو، رشتہ بڑا ہو، اعزاز بڑا ہو اور سب سے بڑھ کر مان و اعتبار بڑا ہو، اسے اپنے چھوٹے بھائی بیٹوں کے سامنے لہجہ دبا کر بات کرنا کیسا مشکل تھا۔

''اگر کوئی خاص مسئلہ ہو تو میں خود جا کر شرجیل کو لے آؤں تایا جان؟''

بھائی جان پاپا کے برابر آکر کھڑے ہوگئے۔ کبھی ایسا ہوا کہ تایا اپنے بھتیجوں کے سامنے نظر نہ اٹھا سکے ہوں۔

بالآخر بات سمیٹ لی گئی۔ پرتکلف کھانا جو جلال احمد نے اپنے داماد کے اعزاز میں دل کھول کر پکوایا تھا۔ اکثر لوگوں نے بے دلی سے کھایا مگر مہر النساء بھابھی نے خاص طور پر نوٹ کیا تھا کہ عالیہ آنٹی کی مسکراہٹ اور شرمین کا چہکنا بند نہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے بہت ڈھونڈا کہ ان کی پیشانی پر بھی شرمندگی کی کوئی لکیر ہو، مگر صاف واضح تھا کہ وہ آمنہ چچی کی اُتری ہوئی شکل کو عاصمہ باجی کی کھوئی مسکراہٹ کو، اپنے دیور کے متردد چہرے کو شہریار بھائی کے غصے کو اور وقار کے ماتھے کی لکیروں کو پوری جرأت سے انجوائے کر رہی تھیں۔

''جی عالیہ آنٹی! کھانا تو آپ کو ضرور پسند آرہا ہوگا۔ یہ بریانی اور لیں نا۔''

اس سارے ماحول میں صرف مہر النساء بھابھی ہی حوصلے اور ہمت سے ساری صورت حال کو نمٹا رہی تھیں۔

''نہیں بس بیٹا! آج تو کھانا جی بھر کر کھایا ہے۔''

''اونہہ! وہ سب لوگ جو فکر میں بھوکے رہ گئے تھے، ان کے حصے کا بھی لگتا ہے کھا کر بیٹھی ہیں۔''

''ضرور! پاپا نے اپنے چہیتے داماد کے آنے کی خوشی میں کھانا پکوایا ہی بہت شوق سے تھا۔ اب یہ اتفاق ہی ہے کہ وہ نہیں آیا، باقی سب شوق سے کھا رہے ہیں۔ ٹھیک ہی ہے، کسی کا نصیب کوئی کھاتا ہے۔''

ان کا دل و دماغ بری طرح تپ رہا تھا، مگر وہ مسکرا رہی تھیں اور مسکراتی ہوئی عالیہ آنٹی کو بہت مشکل سے برداشت کر رہی تھیں۔ ان کی بات سن کر عالیہ آنٹی کی مسکراہٹ گم ہی ہوگئی۔ کیا بات کہہ گئی تھیں وہ، تھوڑی دیر کے لیے امی جان بھی اپنی بہو کو گھورنے لگیں مگر بھابھی نے پروانہ کی۔

''بھئی شرمین! تم نے کتنا وزن بڑھا لیا، تھوڑا اپنے بھائی کے حصے کا بھی کھالو، ہماری آصفہ نے تو ابھی تک اس کے حصے پر قابض ہونا نہیں سیکھا۔''

شرمین سے بھابھی نے بہت آہستہ سے یہ باتیں کہیں، اتنی کہ صرف وہی جل بھن گئی باقی کوئی کچھ نہ سن سکا۔

اور وہ کچھ جواب میں کہتی اس سے پہلے بھابھی وہاں سے کھسک گئیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اس وقت ان کی کسی بات کا جواب دینے کی پوزیشن میں وہ دونوں ماں بیٹی تھیں بھی نہیں۔

لیکن کیوں رونق ہو اور کیسی رونق ہو ان کے چہرے پر، اتنے ارمانوں سے سجی سنوری ان کی نند کے ماتھے سے روشن خواب اور دل سے خوشی چھین کر عالیہ آنٹی یا ان کی کوئی بیٹی کیوں اپنے دل کو ٹھنڈا کر سکیں۔

بس شام ڈھلتے آصفہ کے دل میں دھڑکا سا پڑ گیا تھا کہ جانے اب کون سے دکھ کی باری ہو۔ وہم کا نام ہوتا ہے نہ علاج۔

''ٹھیک ہے عالیہ! پھر آصفہ تو آج تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔ کل ان شاء اللہ شرجیل کے ساتھ ہی ہم اسے بھیج دیں گے۔''

نانی جان کی بات سن کر کچھ دیر تو عالیہ آنٹی سٹپٹاتی رہیں۔

''مگر کیوں خالہ! ہم تو آئے ہیں نا، اور اپنی بہو کو ساتھ لے کر ہی جائیں گے۔''

''تم بھول رہی ہو عالیہ ہمارے ہاں رسم ہے، چوتھی کی دعوت میں دولہا ہی دلہن کو لے کر جاتا ہے۔ یہ شگون کی بات ہے۔'' نانی جان اپنی بات پر قائم رہیں۔

''ارے چھوڑیں امہ خالہ! پرانی روایات ہیں اور فضول سے رسم و رواج، بھلا آج کل ہماری اولاد کہاں ان باتوں کو مانتی ہے۔ کیوں بڑی امی! آپ کچھ بولیں نا۔'' انہوں نے اپنی ساس یعنی تائی جان کو پکارا۔

انہیں بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اپنی مرضی کا کھیل کھیلتے کوئی ان کے سامنے بھی چال چلتا آن کھڑا ہوگا یوں بھی اپنے شوہر یا ان کے خاندان کو وہ کبھی خاطر میں نہ لائی تھیں۔ حالانکہ سہیل احمد کا خاندان بہت اونچا اور بارعب تھا، ایک زمانے میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی، کمال احمد جلالی کے نام کی۔ مگر وہ جو کہتے ہیں نا کہ بڑے لوگ اونچے اس وقت کہلاتے ہیں جب اعلا ظرف ہو اور باکمال بھی۔ اور تایا جان و تائی جان نے عالیہ کی چھوٹی بڑی نادانیوں کو ہمیشہ کبھی ظرف کبھی رعب اور کبھی محبت سے دبایا تھا۔ اسی لیے خاندان میں بہت سے لوگ ابھی ان کی شخصیت کے اس پہلو سے آشنا نہ تھے جو بہت مکروہ تھا۔ بہت سفاک بھی اور انتہائی چالاک بھی۔ تایا جان ہمیشہ اپنی بیوی کو سمجھاتے۔

''دیکھو، چھوٹی بات کا جواب دینے کے لیے انسان کو اپنی سطح سے نیچے آنا پڑتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے گھر کا کوئی فرد میرے خاندان کی سطح سے نیچے گرے۔''

یوں خاموشی سے تو بڑے بڑے سبق بھی سکھائے تھے تائی جان نے اپنی بہو عالیہ کو مگر عالیہ آنٹی جیسے لوگ ڈھیٹ بھی بہت ہوتے ہیں اور ظالم بھی۔

آج بھی انہیں سبق سکھانے کا وقت آیا تھا پھر بھی تائی جان ہمیشہ ان سے محتاط رہ کر بات کرتیں۔ انہیں اپنے شوہر کی نصیحت کبھی بھولتی نہ تھی۔

کھانے کے بعد سب خواتین اندر کمرے میں بیٹھ گئی تھیں اور مرد حضرات وہاں موجود نہیں تھے اسی لیے تائی جان کو موقع ملا تھا کہ امہ خالہ کا ٹھیک ٹھاک ساتھ دیں۔ (نام نانی جان کا عمارہ تھا لیکن بچپن سے سب انہیں پیار سے ''امہ'' کہہ کر بلاتے تھے، پھر وہ چار بہنوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ شادی سے پہلے ہی تقریباً درجن بھر بھانجے بھانجیوں کی امہ خالہ بن گئی تھیں اور آخر آخر ان کا امہ خالہ نام جگ میں مشہور ہو گیا۔)

''کیوں عالیہ! تم اپنا وقت بھول گئیں، تمہاری چوتھی کی دعوت میں بھی تو بہت مشکل پیدا ہوئی تھی۔ سہیل کھانے پر نہ آسکا تھا کیونکہ اسے شدید یرقان ہو گیا تھا اور تم آٹھ دن تک صرف اس لیے گھر نہ آئیں کہ سہیل تمہیں لینے نہ آسکا۔ کیسے آتا ہسپتال کے بستر پر پڑا تھا۔ تم تو اسے دیکھنے کے بہانے بھی نہ آئیں، تم بھی کیسے آتیں، تمہارے گھر والوں نے یہی کہا تھا نا کہ شگون کی بات ہے۔''

عالیہ آنٹی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ بڑے حوصلے اور بڑے دل والی ان کی ساس نے آج بھرے سمدھیانے میں انہیں کیسا بے نقاب کیا تھا۔ ان کی اپنی بات اپنے منہ پر آ گئی تھی مگر وہ ایسی بھی کہاں تھیں کہ انہیں شرمندہ کیا جائے اور وہ چپ رہ جائیں۔

''حد کرتی ہیں آپ بھی، سالوں پرانی بات لے کر بیٹھ گئیں۔ بڑی امی۔''

''امی! آپ نے بھی تو بیچ میں بولنے کے لیے دادی اماں کو ہی پکارا، اونہہ ساس تو ساس ہی ہوتی ہے نا۔'' شرمین کا لہجہ بے باک تھا۔

''ارے تم چپ کرو شرمین! تمہیں کس نے بیچ میں بات کرنے کو کہا ہے، بڑے بول رہے ہیں نا۔''

عینی آپا نے شرمین کو بری طرح جھڑکا۔ اپنی اماں اور شرمین کے برعکس وہ خود ضرورتاً دم ہوئی تھیں۔ ساری صورت حال انہیں خود بہت بُری لگی تھی۔

''بات ٹھیک ہی تو ہے امی! کل شرجیل بھائی خود آ کر لے جائیں گے آصفہ بھابھی کو۔۔۔ اصول کی بات ہے، اس پر آپ کیوں بحث کر رہی ہیں۔'' انہوں نے اپنی ماں کو سمجھایا بھی۔

''ٹھیک ہے امہ خالہ! پھر کل شرجیل اکیلا ہی آئے تو آئے، کیونکہ آپ کو اپنے داماد ہی سے مطلب ہے۔'' وہ منہ پھیر کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ارے عالیہ بہن! آپ ناراض کیوں ہو رہی ہیں۔ روایات اور اصولوں پر چلنا ہمیں ہمارے والدین نے سکھایا ہے اور اب ہمارا فرض ہے کہ یہی باتیں ہم اپنی اولاد کو بھی سکھائیں۔''

آمنہ خالہ نے عالیہ آنٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں آرام سے ٹھنڈا کیا، دو چار اور ٹھنڈی میٹھی باتیں کیں کہ انہوں نے پلٹ کر سب کو اللہ حافظ کہا اور پھر کمرے سے باہر نکلنے لگیں۔ امی جان اور بھابھی انہیں باہر تک چھوڑنے گئیں۔

''اچھا اللہ حافظ آنٹی!'' کسی کونے سے آصفہ کو بھیجا گیا کہ ساس کو الوداع کہہ دے، کہیں گھر جا کر اس بات پر بھی سُنانے نہ لگیں۔

''اونہہ! اپنے گھر میں تو سب شیر ہوتے ہیں۔'' صرف سر ہلا کر انہوں نے اسے جواب دیتے ہوئے تپ کر سوچا۔

یوں بھرم، عاجزی، رواداری اور محبت سے بھری طبیعت رکھنے والی آصفہ بے اعتبار، عاجز کر دینے والے، بے مروّت اور رقابت رکھنے والے سسرال میں رل سی گئی، پیار دیا اور پیار نہ پایا۔ خلوص برتا، دھکے کھائے اور پھر اسے اپنی کم ہمتی کی رسوائی اور مار الگ کھانی پڑی۔

دوسرے دن شاید صرف اپنے ساس سسر اور اپنے شوہر کے بہت دباؤ میں آ کر، عالیہ آنٹی نے شرجیل کو اسے لینے کے لیے بھیجا تھا اور اس نے جو پورے چوبیس گھنٹے میں سوچ رکھا تھا کہ شرجیل کو ضرور بتائے گی وہ کوفت، بے وقعتی اور ندامت جو اس کے گھر والوں نے اس کے نہ آنے کی وجہ سے اٹھائی۔ کتنی ایمرجنسی میں، مہمانوں کے نکلتے ہی بھائی جان کو اسلام آباد کے لیے روانہ ہونا پڑا۔ نہ چاہتے ہوئے بھابھی کو بھی ان کے ساتھ جانا پڑا، اور اللہ حافظ کے ساتھ سوری، کہتے ہوئے اس کی آنکھ کے آنسو۔۔۔ بھائی جان نے اسے گلے لگا کر، سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنے دل کے اندر گرتے محسوس کیے مگر انہیں سمیٹ نہ سکے۔

''روزگار زمانہ لیے جا رہا ہے، میں جانا نہیں چاہتی امی جان!'' مہرالنساء بھابھی اپنی ساس کے

گلے لگ کر رو ہی پڑیں۔ وہ باہمت سی خاتون جنہیں شاید کبھی کسی نے روتے نہ دیکھا تھا اور آہستہ آہستہ اس کے سب رشتہ دار خاموشی سے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ وہ سب اسے اتنا چاہتے تھے کہ اپنے دکھ کی وجہ سے ان سب کو دکھی دیکھ کر وہ روہانسی ہوگئی، لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اب بھلا احساس کے یہ قصے شرجیل سننے لائق تھا، اس نے اسے صرف ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ۔

''آپ نے اچھا نہیں کیا، کل آپ کو ضرور آنا چاہیے تھا۔'' تو جواب آیا۔

''ارے چھوڑو، بے کار کی دعوت تھی، میں نے تو تمہیں منع بھی کیا تھا کہ دعوت رہنے دو، بھلا رسم کا دن نکل جائے تو دعوت کی کیا اہمیت۔'' گاڑی کا گیئر بدلتے ہوئے وہ بڑے اطمینان اور سکون میں تھا۔ ندامت نہ کوئی معافی تلافی۔

''ہائیں شرجیل! دن تو آپ نے ہی لیٹ کیا تھا ہم تو دعوت چوتھے ہی دن کرنے والے تھے۔''

''اچھا تو دو چار مرتبہ میں نے منع کیا اور تم چپ کر کے بیٹھ گئیں۔ اگر تمہارے گھر والوں میں سے کوئی دعوت دینے آتا تو میری مجال تھی کہ میں انکار کرتا۔''

اس کا جی چاہا چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دے۔ ایک ہی دفعہ سڑک پر سے گزرتی ساری گاڑیاں اس کے وجود کو کچل کر گزر جائیں، یہ اس سے تو بہتر تھا کہ شرجیل کے رویے اسے روندا کریں اور اس کا دم نکلے نہ درد تھمے۔

''ضرور آپ کے اندر تو ایسی جرأت کی ہمت کمی ہے جب ہی تو کل آپ نے نہ آ کر ہمارے پورے گھر کو حتیٰ کہ خود اپنے دادا اور دادی کو پریشان و پشیمان کر کے رکھ دیا۔''

''دوسرے لفظوں میں تم یہ کہہ رہی ہو کہ آپ کی یہ مجال کہ آپ نہ آئے۔ آصفہ بیگم! گھر کے اندر ہوتیں تو ایسے دو تھپڑ لگاتا کہ ہوش ٹھکانے آجاتے''

''کیوں گھر سے باہر کسی سے ڈرتے ہیں کیا؟'' اس کا دماغ بھی اس وقت بہت خراب تھا۔

''دو دن میکے میں رہ لینے کے باوجود تمہارا دماغ ابھی پوری طرح درست نہیں ہوا، میرا خیال ہے چند دن اور وہاں گزار آؤ۔ ہوش اچھی طرح ٹھکانے آجائیں تو اطلاع کر دینا۔''

یک بارگی اس نے گیئر بدل کر گاڑی کا رخ موڑ لیا۔ شہید ملت روڈ کی طرف جاتی گاڑی اب پھر پلٹ کر گلشن اقبال کی طرف جانے لگی۔ میکے کا راستہ دیکھ کر اسے ہول اٹھنے لگے، ابھی تو اس کے ماں باپ بھائی بہن کے دکھ بھرے چہرے ستائے ہوئے نہ ہوں گے کہ وہ پھر ان کی پیشانی کا گہرا داغ بننے ان کی طرف جانے لگی تھی۔

''پلیز شرجیل! میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی جس سے آپ اس قدر غصہ ہو رہے ہیں۔ پلیز گھر واپس چلیں۔'' وہ اتنی دل گرفتہ اور مایوس ہوگئی کہ رونے لگی۔

''چپ کر جاؤ، مجھے رونے والی عورتیں قطعی ناپسند ہیں۔ میں ہرگز تمہارے آنسوؤں کے فریب میں نہیں آؤں گا۔''

اب وہ واقعی شدید غصے میں آ گیا تھا۔ اس نے تو دنیا اتنی ہی دیکھی تھی جہاں رو کر عورتیں پتھر دل مرد کو بھی موم کر دیا کرتی تھیں۔ اور اس کے آنسو دیکھ کر شرجیل تو اس طرح جلال میں آ گیا تھا جیسے اس نے

کوئی گناہ کر ڈالا ہو۔ وہ رونا ہی بھول گئی۔ یا اللہ! مرد کا کون سا روپ اس کے نصیب میں لکھا گیا ہے۔

''گھر واپس چلیں شرجیل پلیز۔'' اس نے اسٹیئرنگ گھماتے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

'ہاں گھر واپس چلنا ہی پڑے گا۔ ابھی تو مجھے تم سے اس بے عزتی کا بدلہ لینا ہے جو تمہاری چہیتی بھابھی اور تمہاری باعزت دباوقار نانی جان نے میری امی جان اور شرمین کی، کی ہے۔''

وہ اس کے لہجے پر لرز کر رہ گئی۔ وسوسے اور خوف میں الجھے اس نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تو وہاں سب سے پہلے اسے اپنے ہی وجود کے سناٹے نے گلے لگایا۔ گھر کے لوگ تو چپ تھے، در و دیوار تک اسے ایک گھبرائی چپ کا کُرتا پہنانے کے لیے جیسے بے تاب کھڑے تھے۔

اس گھر کا ایک رواج تھا کہ باہر سے آنے والا ہر فرد، عالیہ آنٹی کے کمرے میں جا کر پہلے حاضری لگواتا۔ جیسے بچپن میں حساب کی انتہائی سفاک اور سخت ٹیچر کی کلاس میں ہر بچہ منمنی سی آواز میں پریزنٹ مس کہا کرتا تھا۔

''آداب آنٹی!'' کہتے ہوئے ان کی آنکھیں دیکھتے ہوئے اسے لگا پیچھے سے اچانک آ کر ''مس طاہرہ'' نے اس کی کمر پر تیز گھما کر اسکیل مارا ہو۔

''آواز نکالو روتی صورت! کیا زبان گھر پر رکھ کر آئی ہو۔''

اپنے تئیں وہ یس مس بولا ہی کرتی تھی، مگر ان کی دہشت سے اکثر اس کی آواز گلے کے اندر ہی کہیں مرمرا جایا کرتی تھی۔ مار کھا کر اس کی آواز مزید گلے میں گھٹ جاتی کیونکہ ساری کلاس بری طرح خاموش ہوتی تھی۔

''کتنے ڈنڈے پڑیں گے تب بی بی آصفہ کی سریلی آواز ہمیں سننے کو ملے گی۔'' وہ پھر اسکیل گھمانے لگتیں کہ وہ گھبرا کر کہہ دیتی۔ ''یس مس۔''

آج پھر وہ ایسی ہی دہشت میں مبتلا عالیہ آنٹی کے کمرے میں موجودہ ہر شخص کو دیکھ رہی تھی۔ عینی آپا، شرمین، سہیل انکل، سب عالیہ آنٹی کے بستر پر گھیرا بنائے ان کے گرد ہی موجود تھے۔ آداب کا اسے جواب نہ ملا، خاموشی سے اسے گھورتے آنٹی نے کتنے منٹ گزار دیے، وہ اتنی بھی ہمت نہ کر سکی کہ پاس پڑے صوفے پر ٹک جاتی۔

''لے آئے اپنی چہیتی دلہن کو میکے سے، شگون کے مطابق۔'' بالآخر ماں نے بیٹے کو مخاطب کیا۔

''پوچھ لیجیے سر پر بٹھا کر لایا ہوں۔'' شرجیل کا لہجہ اور بات دونوں وہ نہ سمجھی۔

''حالانکہ چوٹی سے گھسیٹ کر لانا چاہیے تھا۔'' عالیہ آنٹی کے لہجے کا زہر اس نے محسوس کیا تو اس کی ٹانگیں کپکپانے لگیں، بالآخر وہ پیچھے ہو کر صوفے پر بیٹھ ہی گئی۔

''آخر کیسی عزت افزائی کی تھی اس کی لاڈلی بھابھی نے ہماری، بھرے سمدھیانے میں ذلیل کرنے کے لیے، کم بخت کی نانی نے گڑے مردے اکھاڑے اور کمینہ اس کا باپ۔ کیسی آنکھیں دکھا رہا تھا تمہارے ابا کو۔'' یہ زبان یہ ماحول۔۔۔! نہ سر پر آسمان تھا نہ پاؤں کے نیچے زمین۔

وہ سمجھی تھی سہیل انکل ضرور بالکل الگ ہوں گے ان لوگوں سے لیکن ان ہی کے درمیان بیٹھے چپ

چاپ جو سب کچھ سن اور دیکھ رہے تھے۔ تو کیا ان جیسے نہ ہوں گے اور کیوں ان جیسے نہ ہوں گے، ان سب کے سربراہ تھے، وہ تو اس کی اپنی سمجھ ہی قصوروار تھی وہ نہ چاہتے تو گھر کا کوئی فرد اس کے سامنے ایسی ہلکی زبان اور سطحی سلوک روا نہ رکھ سکتا تھا۔

''پلیز آنٹی! گالی نہیں دیجیے گا، ایسی کوئی بدتمیزی کسی نے آپ کے ساتھ نہیں کی ہے۔'' اس کے دماغ کی ایک ایک رگ تن گئی تھی۔

''اچھا تو میں بدتمیز ہوں؟ دیکھ لیجیے اپنی لاڈلی چچازاد بیٹی کی زبان کو، منہ در منہ گالی دے رہی ہے۔ آپ ابھی صفائی دے رہے تھے کہ نہیں کمال چچا کے گھر کے لوگ بہت شائستہ ہیں۔ دیکھا آپ نے اپنی چہیتی بہو بی بی شائستہ کو، کیسے گھنے لوگ ہیں لپیٹ لپیٹ کر گالیاں دیتے ہیں اور تمیزدار کہلاتے ہیں۔''

وہ باقاعدہ اونچی آواز میں چیخ و پکار کر رہی تھیں، اپنے شوہر کی نقل اتارتے ہوئے پورے جوش میں آئی تھیں۔

وہ منہ میں انگلی ڈال کر بلوانا اور پھر زبان پکڑنا۔ وہ زبان ہلائے تو سزاوار، نہ ہلائے تو گناہ گار، کیا تماشا پرست لوگ تھے۔ اگر شادی سے پہلے ایک دن وہ شرجیل کے گھر کا ماحول دیکھ لیتی تو عاشقی کا بھوت عمر بھر کے لیے اس کے سر سے اُتر جاتا۔

''ابا! میں نے آپ کو بتایا نا، میرے کان کے قریب آ کر مہرالنساء بھابھی نے تو مجھے اتنا سنایا ہے، یہاں تک کہہ دیا کہ آصفہ کے حق پر تو تم ڈاکہ ڈالے بیٹھی ہو، بھائی سے اتنا ہی پیار تھا تو اس کی شادی کیوں کروائی، اف اللہ، کیا بھائی بہنوں میں پیار نہیں ہوتا، کیسی ذلیل سوچ ہے ان کی۔''

گالیوں کی بھرمار ہو رہی تھی اور وہ سہ رہی تھی، نہ اس کا دماغ پھٹا نہ زمین۔

''کیا کہہ رہی ہو شرمین! یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی۔'' شرجیل فوراً آگے آ کر بہن کے پاس کھڑا ہو گیا۔

''اب بھی نہ کہتی، وہ تو بات میرے منہ سے نکل گئی ورنہ امی جان نے تو مجھے قسم دے رکھی تھی کہ خوامخواہ آپ کا دل خراب ہوگا۔'' اس کی آنکھوں میں فوراً آنسو تیرنے لگے تھے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ سسکیاں بھرنے لگی اور اس کے آنسو نہ فریب تھے نہ شرجیل کو غصہ دلا سکے۔

''ارے پہلے بتا دیتیں تو میں اس مردود کو وہیں پڑا سڑنے دیتا اپنی اماں کے گھر، کبھی واپس نہ لاتا چالاک لومڑی۔ اب کیسے سر جھکائے چپ چاپ کھڑی ہے، ابھی ہاتھ پکڑ کر دروازے کے باہر کھڑا کر دوں نا تو ساری چالاکی نکل جائے۔''

زبان کی صفائی کی جو کسر رہ گئی تھی، وہ اب پوری کرنے لگا تھا۔

''پلیز سہیل انکل! آپ منع کریں نا، دیکھیں شرجیل کس طرح بات کر رہے ہیں۔''

''میں کیا کہوں بیٹا! وہاں دعوت میں اتنی ساری باتیں ہو گئیں، مجھے تو آج خبر ہوئی ہے۔ تمہارے گھر والوں کو بھی خیال رکھنا تھا، ابھی تو شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔''

''ایسی کوئی بڑی بات نہیں ہوئی۔ عینی آپا! آپ کچھ بتائیں انکل کو، آپ تو وہیں عورتوں میں موجود تھیں۔'' وہ آس لے کر کس کس کی طرف دیکھتی اور بڑھتی۔

''دیکھو بی بی! میں تو زیادہ وقت اپنے بچوں کے پیچھے مصروف تھی اور یوں بھی امی جان جھوٹ تو نہیں کہہ سکتیں۔''

اس کا حلق خشک تر ہونے لگا اور سب شکلیں سامنے دھندلانے لگیں، لیکن پھر بھی وہ بیٹھی سب کچھ دیکھتی اور سنتی رہی، اس نے کیوں چاہا کہ ماں کو چھوڑ کر عینی آپا اس کا ساتھ دینے لگ جائیں۔

''یہی تو اس کا کہنے کا مطلب ہے کہ ہم سب جھوٹے ہیں۔ دھوکے باز ہیں، برے ہیں، اے شرجیل کے ابا میں نے تو ساری دنیا میں یہی دیکھا کہ بیٹی دے کر ماں باپ ساری زندگی سر جھکائے اس کے سسرال والوں کے آگے کھڑے رہتے ہیں مگر آپ کے چچا کے گھر والوں کے مزاج تو بس اللہ بچائے۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگیں۔

''جس کو دیکھو، کیسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ارے ڈاکٹر ہے میرا بیٹا، اسے سو ایمرجنسیاں پڑ سکتیں ہیں مگر ان لوگوں کو تو ایسا برا لگا جیسے ہم نکاح کے دن بارات لے کر نہ پہنچے ہوں۔''

''ارے کس مٹی کی بنی ہوئی ہو تم! اتنا کچھ سن رہی ہو اور تمہارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ معافی مانگو، ہاتھ جوڑو، تمہاری دلجوئی کے لیے ڈرامہ تھوڑی ہو رہا ہے یہاں۔'' شرجیل نے اسے کھینچ کر اپنی امی جان کے سامنے لا کھڑا کیا۔

''مگر میں کیوں معافی مانگوں، میں نے تو کسی سے کچھ کہا ہی نہیں۔''

''تو جا اپنے اماں ابا کو لے آؤ، وہ آ کر معافی مانگ لیں گے۔ ٹھیک ہی ہے، بھلا تمہارا کیا قصور ہے، یہ تو میری ماں ہی اتنی سیدھی ہیں کہ تمہارے ماں باپ کے کیے دھرے کی تم سے معافی طلب کر کے پرسکون ہو رہیں گی۔''

''آپ زیادتی کر رہے ہیں میرے ساتھ۔'' وہ چیخ رہی تھی۔

''یہ اس طرح سیدھی نہیں ہو گی۔'' شرجیل دھکا دے کر، اسے دروازے کے پاس لایا اور پھر گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر لے جاتے ہوئے گیٹ کی طرف جانے لگا۔ غصے کی شدت سے اس کا چہرہ پورا سرخ ہو گیا تھا اور تنی ہوئی رگیں اس کی پیشانی پر صاف پھڑک رہی تھیں۔

''بس کریں بھائی جان! آپ بھی حد ہی کرتے ہیں۔''

روحیل جو کب سے خاموش تماشائی بنا بیٹھا ہوا تھا، اٹھ کر پیچھے آیا اور اپنے بھائی کو دونوں شانوں سے پکڑ کر روکا۔

''آپ اپنے کمرے میں جائیں بھابھی۔''

''ہاں دفع کرو۔ مجھے اس منحوس کے معافی مانگ لینے سے کون سا اعزاز حاصل ہو جائے گا۔''

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس نے اپنی ساس کی آواز سنی تھی۔

کل والا خوب صورت پرپل سوٹ اس نے جانے کس آس پر پہنا تھا۔

''مجھے خوش کرنے کے لیے تم یہ رنگ پہنا کرو۔''

اس دن شرجیل نے کہا تھا اور آج وہ اندھا ہی ہو گیا تھا۔ بستر پر اوندھی پڑی بنا پروا کیے وہ بہت دیر تک چیخ چیخ کر روئی تھی۔

''پلیز طلعت! اب گھر چلو، امی ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی۔'' وہ دونوں بہنیں گھنٹے بھر سے زیادہ وہاں لائبریری میں بلاوجہ بیٹھی ہوئی تھیں، کلاسیں ختم ہونے کے بعد طلعت سیدھی لائبریری میں گھس گئی تھی۔ تہنیت اپنے پریکٹیکل سے فارغ ہو کر اسے بلانے آئی مگر وہ یوں مصروفیت پوز کرنے لگی، جیسے بہت ضروری کام میں لگی ہے جو اگر آج نہ ہوا تو جیسے کبھی نہ ہو سکے گا۔ تہنیت اسے تیسری دفعہ ٹوک رہی تھی اور وہ اسی رفتار سے نوٹ لکھنے میں مشغول رہی تھی۔

''ارے طلعت! کیا چلہ کاٹ رہی ہو، جواب کیوں نہیں دے رہیں۔'' وہ اب بری طرح چڑ گئی تو اس کی فائل پر ہاتھ رکھ کر تھوڑی اونچی آواز میں بولی۔

''بھئی، مجھے بہت دیر لگے گی، تم چاہو تو گھر چلی جاؤ۔'' وہ یونہی بے رخی برت رہی تھی۔

''پاگل ہوئی ہو! ڈیڑھ گھنٹے سے تمہارے انتظار میں بیٹھی سوکھ رہی ہوں اور اب کہہ رہی ہو گھر چلی جاؤں اور ایسا پہلے کبھی ہوا ہے، روزانہ ساتھ ہی گھر جایا کرتے ہیں کہ نہیں۔''

''ٹھیک ہے کرو انتظار، یہاں بیٹھے بٹھائے مر تو نہیں جاؤ گی، آخر کو اٹھ کر گھر ہی جاؤ گی، تو تم بھی ساتھ چل پڑنا۔'' وہ عجیب قنوطیت بھرے لہجے میں بولی۔

''تمہارے دماغ کے پیچ لگتا ہے سارے ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ مجھے پتا ہے فالتو وقت گنوا رہی ہو ورنہ کام تمہیں کوئی نہیں ہے، چلو کھڑی ہو جاؤ۔''

تہنیت نے اس کی فائل بند کر دی، قلم اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور اس کی ایشو کروائی ہوئی کتابیں خود ہی اٹھ کر واپس کر آئی۔

''چلو! دوپہر کو بڑے ماموں کے ہاں بھی جانا ہے امی جان بری طرح ناراض ہوں گی۔''

''میں اسی لیے نہیں اٹھ رہی تھی کہ مجھے نہیں جانا بڑے ماموں کے ہاں۔ بس کہہ دینا امی جان سے میں نہیں جاؤں گی۔'' کاریڈور میں چلتے چلتے اس نے رک کر کہا اور پھر تیزی سے چلنے لگی۔

''ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا! تم لاکھ جتن کر لو۔'' وہ دونوں بہنیں کالج سے باہر نکل کر اب بس اسٹینڈ کی طرف جا رہی تھیں۔

''اچھی زبردستی ہے، ہم اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر سکتے کیا؟ تم لوگ ضرور جانا، میں گھر پر ابو جی کے پاس رہوں گی۔''

''اور صبح اٹھ کر ان کے ساتھ دادی جان کے ہاں جاؤ گی کیا؟''

''ہاں میں ان کے ساتھ دادی کے گھر چلی جاؤں گی۔'' وہ اپنی اسی ضد پر قائم تھی۔

''اچھا ادھر بڑے ماموں کے گھر ہنگامہ مچ جائے گا، سارے کزنز تمہارا جلوس نکال دیں گے۔'' تہنیت نے اسے جوش دلانا چاہا۔

''ارے چھوڑو، کوئی خوار نہیں ہوتا کسی کے لیے۔ تھوڑا شور ہوگا اور پھر سب اپنے کام میں لگ جائیں گے۔ بھلا کبھی کسی کے لیے وقت کا چلتا پہیہ رکا ہے۔''

''یہی تو میں تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ کسی کے لیے یہ وقت نہیں رکتا۔ بہت ظالم چیز ہے، بندے کو

خود وقت کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ نہ چلے تو یہ وقت کا کانٹا اس بندے کو الجھنوں کے اندھے جنگل میں اٹھا کر پھینک دیتا ہے، جہاں سے بندہ خود کو کبھی سمیٹ نہیں سکتا۔''

''چپ کر جاؤ تم، تمہیں کسی نے مشورہ نہیں دیا کہ تم اپنی ساری عقل میرے اوپر ہی لٹا دو۔''

وہ واقعی چپ ہو گئی، بس میں بیٹھ کر بھی سارا راستہ پھر ان دونوں نے کوئی بات نہ کی، گھر پہنچیں تو امی جان واقعی ان دونوں کے انتظار میں برآمدے میں ٹہل رہی تھیں۔

''ڈھائی بج رہے ہیں طلعت! کہاں رہ گئی تھیں تم دونوں بہنیں۔'' انہیں دیکھتے ہی وہ بولیں۔

''آج کلاسیں تھوڑی دیر سے ختم ہوئیں۔'' طلعت رکنا نہیں چاہ رہی تھی، بات کر کے آگے جانے لگی۔

''تھوڑی دیر! ہر ہفتے کو تم دونوں بہنوں کی کلاسیں بارہ یا ساڑھے بارہ تک ختم ہو جاتی ہیں نا؟''

''افوہ امی! کبھی دیر بھی ہو جاتی ہے۔'' اس کا لہجہ امی جان کے سامنے بھی نہ بدلا تھا۔

''دیر ہوئی ہے یا جان بوجھ کر دیر کی گئی ہے۔'' انہیں غصہ آ گیا۔

''ہیں۔۔۔ امی آپ کو کیسے پتا؟'' تہنیت حیرانی سے بول پڑی۔

''تمہاری بہن کا مزاج رات سے ہی بگڑا ہوا ہے۔ کہہ رہی ہے ماموں جان کے گھر نہیں جاؤں گی۔ اگر یہ نہیں جائے گی تو کوئی بھی نہیں جائے گا۔''

وہ کاندھے اچکا کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

وہ کپڑے بدل کر منہ ہاتھ دھو کر بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی، وہ سمجھ رہی تھی کہ ابھی تہنیت اسے بلانے کے لیے آئے گی یا بھاگتا ہوا رضا کسی کونے سے آئے گا اور اس کے کمرے کے دروازے سے جھانک کر بولے گا۔

''آپ کو نانی جان بلا رہی ہیں۔'' ثناء آپا کا بڑا بیٹا جمعہ کو اسکول سے سیدھا اپنی نانی کے گھر ہی آیا کرتا تھا اور جس ہفتے بڑے ماموں کے ہاں جانے کی باری ہوتی تو اپنی نانی کے ساتھ ہی وہاں چلا جاتا اور پھر ہفتے کی رات کو اپنی ماں کے ساتھ گھر واپس چلا جاتا۔ ثناء آپا ماموں کے ہاں رات کو نہیں ٹھہرا کرتی تھیں، کیونکہ اتوار چھٹی والے دن ان کے میاں اکیلے گھر میں پریشان ہو جاتے تھے، وہ اپنے الگ گھر میں رہتی تھیں اس لیے اپنے میاں کی ہر ذمہ داری انہیں خود اٹھانا لازمی تھی۔ ان کے سسر تو حیات تھے نہیں اور ان کی ساس نے شادی کے ایک سال بعد ہی الگ گھر لے کر اپنے چھوٹے بیٹے کو بھی اپنی ذمہ داری آپ اٹھانے کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ وہ خود ایک ایک ہفتہ اپنے تینوں بیٹوں کے پاس رہا کرتی تھیں، اکثر بڑے بیٹے کے ہاں زیادہ دن ٹھہر جاتیں، انہوں نے ہمیشہ اپنی زندگی کا طرز ایسے رواں رکھا تھا کہ کسی بہو یا بیٹے کو حرف شکایت زبان پر لانے کا موقع نہ ملتا تھا۔ ان کی اکلوتی بیٹی شادی کے بعد دس سال سے امریکا میں رہ رہی تھیں، ہر دو تین سال بعد پاکستان آیا کرتی تھیں مگر پردیس میں رہنے والوں کا آنا کیا اور ٹھہرنا کیا۔ بس اپنی روانی پر چلتی ہوا جیسے تھوڑی دیر کے لیے رقص پر آئے جھومنے لگے اور پھر وہی اپنی چال پر رواں ہو جائے۔

بہت دیر گزر گئی، وہ تکیہ اونچا کر کے بستر پر ٹیک لگا کر آنکھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھے بیٹھے بھی تھک گئی۔

اسے کھانا کھانے کے لیے بھی نہ بلایا گیا اور بلاتا کیا اسے خود کھانے کے لیے میز پر حاضر ہو جانا چاہیے تھا۔ امی جان نے یہی اصول بنایا تھا، کھانے کا وقت ہو سب کھانے کے کمرے میں جمع ہو جائیں۔ سونے کا وقت ہو سب اپنے اپنے کمروں میں گھس جائیں۔ کالج کا وقت ہو دونوں بہنیں خود ہی وقت پر اٹھ کر تیار ہوتے ہی ناشتا کر کے کالج کے لیے روانہ ہو جائیں۔ وہ تینوں بہنیں یونہی ہمیشہ پابندیٔ وقت کی عادی رہی تھیں۔ تہنیت ابھی چھوٹی ہونے کے ناتے کبھی کبھی امی جان کو ستا لیتی تھی لیکن طلعت تو خاص خیال رکھتی۔ کبھی ماں کو ستانے یا ان کی بات نہ ماننے کا قصور نہ کرتی تھی مگر چند دنوں سے وہ خود عجیب بے ترتیب سی ہو گئی تھی اور اس کا جی چاہتا تھا کہ سب اس کی پروا کرنا چھوڑ دیں۔ کوئی اس سے پوچھا ہی نہ کرے کہ وہ کہاں ہے، کیا کر رہی ہے یا کیوں کچھ بھی نہیں کر رہی ہے۔

چار بجنے لگے تو اسے خود وحشت ہونے لگی، امی جان ضرور اس سے بری طرح روٹھ گئی ہیں، نہ چاہتے ہوئے بھی اب وہ انہیں تنگ بھی تو بہت کرنے لگی تھی اور آج تو حد ہی کر دی تھی۔ اپنے میکے جانے کے لیے وہ بے تاب ہوں گی اور وہ انہیں ستا رہی تھی۔ اسے اچھی طرح خبر تھی کہ گھر پر اسے اکیلا چھوڑ کر تو وہ جائیں گی نہیں، کیونکہ ہفتے کی رات ابو جی بھی دیر سے گھر آیا کرتے تھے، آفس سے اٹھ کر سیدھا اپنی ماں سے ملنے جاتے اور پھر وہاں سے دوستوں میں چلے جاتے۔ ان ہی کے ساتھ باہر ڈنر بھی کرتے اور گھوم پھر کر رات ایک ڈیڑھ بجے تک گھر واپس آتے۔ اب ظاہر ہے بیٹی کی خاطر امی جان، ابو جی سے تو کہنے سے رہیں کہ آپ اپنے دوستوں اور ان کی محافل کو چھوڑ کر آفس سے سیدھے گھر آ جائیں۔۔۔ وہ خود اپنا ہی میکے جانا ترک کر سکتی تھیں۔

اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اپنے فضول سے جذبوں کی خاطر ہر کسی کو یوں پریشان کرے۔ تہنیت ٹھیک ہی کہتی ہے، دکھ چھپانے کی چیز ہیں اور ہمارے جذبات و احساسات صرف ہمارا ذاتی مسئلہ ہیں، اپنے چہرے پر ان کا اشتہار لگا کر امید رکھنا کہ ساری دنیا ان میں شامل ہو جائے سراسر نادانی ہے۔

''سوری امی جان! میں نے آپ کو بلاوجہ ڈسٹرب کیا۔'' ان کے برابر کرسی پر بیٹھ کر اس نے معافی مانگی۔

''میں بالکل تیار ہوں، بس پانچ منٹ میں اپنا بیگ لے کر آتی ہوں، ماموں جان کے ہاں چلتے ہیں۔'' اس نے دیکھا امی کے چہرے پر سکون اتر آیا تھا اور تہنیت بھی مسکراتے ہوئے اسے گھور رہی تھی اسے ضرور امی جان نے روکا ہوگا ورنہ وہ تو کب کی دوڑ لگا کر اس کے کمرے میں کھڑی اب تک اس کا آدھے سے زیادہ بھیجا کھا چکی ہوتی۔

امی جان نے اس پر غصہ بھی نہیں کیا اور ٹوکا بھی نہیں۔

آمنہ خاتون بہت ہی نرم مزاج، صابر لیکن اصول پسند خاتون تھیں۔ کسی معاملے کو الجھانا یا جلدی جلدی میں نمٹانا انہیں پسند نہیں تھا مگر اگر کوئی معاملہ الجھ ہی جاتا، تو وہ بہت حوصلے سے اسے سلجھانے یا اکثر خود بخود سلجھ جانے کا انتظار کر لیتیں۔ بلا کا ضبط تھا ان کی طبیعت میں، خاندان میں بھی سب ان کی اصول پسندی کو اس لیے مانتے تھے کہ وہ خود ہر کسی کے رد عمل اور حالات سے سمجھوتہ کیا کرتی تھیں۔ ان کے شوہر نے آفس سے اٹھ کر یکا یک روزانہ پہلے اپنی ماں کے گھر جانا شروع کر دیا بلاوجہ نہیں بلکہ اس لیے کہ ان

کی ماں کی طبیعت اب ناساز رہنے لگی تھی اور وہ رات دیر تک جاگ نہ سکتی تھیں تو انہوں نے اطمینان سے طے کرلیا کہ اب رات کا کھانا آٹھ بجے کے بجائے نو بجے کھایا جائے گا۔ جب کبھی بچیوں کی سردیوں یا گرمیوں کی چھٹیاں آتیں وہ خود ہی نظام بدل لیتیں کہ ناشتا دیر سے ہوگا، رات کو سویا دیر سے جائے گا یا شام کی چائے دیر سے پی جائے گی۔

دراصل اصول وہی کامیاب ہوسکتے ہیں جن میں لچک ہو اور جو انسان کی زندگی کی سرد و گرم کے ساتھ اپنے اندر تبدیلی کی گنجائش رکھتے ہوں۔ سو بس ان کی یہی عادتیں تھیں کہ سسرال اور میکے دونوں جگہ انہیں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی اور ان کی بیٹیاں بھی ماں کی ہر بات اور روایت کو بہت خلوص سے اپنا کر فخر کرتیں کہ ان کی والدہ یقیناً بہت سلجھی ہوئی عورت تھیں۔

اسی لیے آج طلعت اپنی کہی ہوئی بات اور ضد پر خود ہی شرمندہ ہوئی کہ امی جان نے اسے کوسانہ ڈپٹا

''امی جان! آپ نے اسے دو چار صلواتیں بھی نہ سنائیں، میں آپ کی جگہ ہوتی تو بدتمیز کے دو ہاتھ ہی جڑ دیتی۔ اف! صبح سے ناک میں دم کر رکھا ہے۔''

ماموں جان کے گھر جاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھتے ہی تہنیت اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگی۔ اپنی ماں جتنا صبر اور حوصلہ اس کے اندر قطعی نہیں تھا۔

''بندے سے کھڑے کھڑے حساب صاف کر لینا چاہیے، یہ زمانہ ہے بھلا خاموش رہ کر نتیجے کا انتظار کرنے کا۔'' وہ اکثر یہی کہتی اور کرتی بھی تھی۔

آمنہ خاتون مسکراتے ہوئے تہنیت کو دیکھنے لگیں۔

''ہاتھ جڑ کر وہ سبق نہیں دیا جاسکتا جو خود سہہ کر دوسروں کو سکھایا جاسکتا ہے۔''

وہ ماموں جان کے بڑے سے لان میں رحیم بابا کے کوارٹر کے پیچھے والی دیوار سے ٹیک لگا کر اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سوچا وہ اپنے بے زار اور بے کار سا موڈ لے کر سب کے درمیان رہے اس سے بہتر یہی ہے کہ کہیں اکیلی کسی کونے میں چھپی چپ سادھے بیٹھی رہے۔ آصفہ جب سے گئی اس نے ایک چپ سہیلی کو اپنا رازدار بنا لیا تھا۔ وہ بہت بے بس سی تھی۔ وہ اپنا جنونی سا دیوانہ پن لے کر اب کس کے دربار میں جائے کہ دل میں دوستی کا سمندر سا حصہ سوکھنے لگا ہے، ریت کا صحرا بننے لگا ہے مگر ضد ہے کہ بادل کا ٹکڑا بھی بدلا ہوا نہیں چاہیے، کسی اور سے سمجھوتہ نہیں کرنا تو اب بھلا دوسری آصفہ جنم لینے سے تو رہی۔ ضدی سی، کھردری سی طبیعت ہوتی ہے طلعت جیسی لڑکیوں کی، محبوب کی طرح دوست بھی نہیں بدلنا، لاکھ تہنیت اس کی سگی بہن اور آصفہ سے بڑھ کر خیال رکھنے والی تھی۔

مگر۔۔۔ ہاں مگر اس کی ضد کہ نہ ٹوٹتی تھی نہ پلٹتی تھی۔ وہ خواب دیکھتی، خیالوں سے بہلتی اور پھر خود آپ اپنے سے الجھ کر چپ ہو جاتی۔ اسے لگتا آصفہ ابھی دوڑتی ہوئی، ہنستی کھلکھلاتی آئے گی اور کہے گی۔

''میں تو مذاق کر رہی تھی۔''

مگر وہ اتنی زیادہ بدل گئی تھی کہ اب طلعت کو اس سے یہ پوچھتے بھی ڈر لگتا تھا کہ آخر تم نے جیتے جی میری دوست آصفہ کو کیوں مار ڈالا۔'' وہ جانتی تھی کہ مذاق تو قسمت نے آصفہ کے ساتھ کیا ہے، اس کی دیوانگی بھری چاہتوں کی تعبیر کیسی حسرتوں بھری تھی۔ یوں بھی اس کی اپنی محبتوں کا محل جتنا وسیع اور اونچا تھا اتنا ہی نازک ترین بھی تھا۔ تیز ہوا کی ایک پھونک نہ سہہ سکتا لیکن مقدر نے ایک سیاہ آندھی کو اس کی تاک میں لگا دیا تھا۔

چوتھی کی دعوت میں جو کچھ ہوا تھا، اس نے سب کو رلایا اور طلعت کے دل کو دہلا دیا تھا۔ آصفہ چپ چاپ اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ گئی تھی، طلعت اس کے پیچھے آئی تھی اور کتنی دیر کی وحشت ناک خاموشی کے بعد وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اسے لگا شاید آصفہ اس کے آنے اور جانے کے احساس سے بھی ناآشنا سی ہو گئی تھی۔ لیکن وہ اپنے بولتے خیالوں کو خاموش بھی نہ کرا سکتی تھی۔ وہ اس کا دکھ بانٹنے آئی تھی مگر آصفہ دکھ چھپانا سیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے ان لمحوں کو یاد کرنے آئی تھی جب آصفہ کہتی تھی۔

''جب شرجیل مجھ سے پوچھے گا نا کہ تمہیں کیا چاہیے، جب میری پہلی فرمائش پوچھے گا، پہلا تحفہ دینے کے لیے کہے گا تو میں اسے بتاؤں گی کہ ایک گلاب کا گملا جو میں اسی طرح اپنے نئے گھر میں اپنے کمرے کے پچھلے حصے میں رکھوں گی، اگلے حصے میں نہ رکھوں گی ہر آئے گئے کی نظر اس پر پڑے گی اور مجھے توہم رہتا ہے نا کہ گلاب کا گملا اگر اکیلا ہو تو اس کو نظر بہت جلدی لگ جاتی ہے۔''

مگر بھلا اب ان شرمندہ لمحوں کو آصفہ کیونکر اس کے سامنے جگا سکتی تھی۔

کیسے چھوٹے چھوٹے اس کے خواب بڑے بڑے آسیب کھا رہے تھے۔

وہ سب جانتی تھی، وہ سب سمجھتی تھی، آصفہ کبھی اپنے دکھ طلعت کو نہ بتائے گی، کیونکہ یہ دکھ سب سے زیادہ نادم اسی کے آگے ہو جائیں گے کہ آصفہ نے اپنے سکھ کے سارے خواب اپنی سہیلی کو سنائے تھے۔

مگر پھر بھی ضد کرتی تھی کہ

آصفہ کیوں کھو گئی۔

آصفہ کو کہاں کھوجوں۔

آصفہ کیوں اسے دوبارہ رازدار سہیلی کی طرح اسے نہ ملے گی؟

سکھ کے سارے خواب اسی کے کیوں الٹے ہو گئے کہ ہماری دوستی کا گلا کٹ گیا۔ تکرار و بحث میں اب وہ یونہی روز الجھتی تھی، اس کا حل اسے ملنے والا نہیں تھا۔ مگر انسان جذبوں کو یک دم بھلا تو نہیں سکتا نہ مار سکتا ہے۔ کبھی کبھی اس کا جی چاہتا وہ شرجیل کو گولی مار دے۔ اتنی پیاری اس کی سہیلی اور اس کی دنیا کو اس نے تباہ کر کے رکھ دیا۔

''اف سارے جہان میں تمہیں ڈھونڈ ڈالا طلعت! پلیز اس طرح کیوں ہم سب سے الگ تھلگ رہنے لگی ہو۔ مل کر بیٹھیں گے تو اپنے اپنے دکھ کے احساس کو کچھ کم کر سکیں گے۔ آصفہ کو تو اپنے خاندان کا ہر فرد اتنی ہی محبت اور خلوص سے یاد کرتا ہے۔'' وہ بیٹھے بیٹھے جب ٹہلنے لگی تو اسے ڈھونڈتی صنبل کی نظر اس پر پڑی تھی۔

''بس یار تھوڑے دن تو لگتے ہیں نا انسان کو اپنا دماغ ٹھکانے لگنے میں۔''

''پلیز، تم سب کزنز میرے ساتھ تو ایسا سلوک نہ کرو، دیکھو یوں مل بیٹھنے کے دن میرے پاس تو کتنے تھوڑے رہ گئے ہیں۔ مجھے تو عجیب ڈر سا لگنے لگا ہے۔'' سچ مچ سنبل کی شادی میں ایک ڈیڑھ مہینہ ہی رہ گیا تھا اسے تو خیال تک نہ آیا تھا۔ لیکن کسی ایک کے لیے دنیا کوئی نہیں تیاگ سکتا۔ سنبل کا چہرہ کیسا اترا ہوا تھا۔

''پاگل ہو ڈر کس بات کا۔'' اس نے سنبل کا ہاتھ تھام کر کہا۔ اس کی ہتھیلیاں ٹھنڈی یخ ہو رہی تھیں۔

''شادی کے بعد مرد کا کیا بھروسا!''

''انصار کو نہیں جانتیں کیا اور تم دونوں تو آپس میں محبت بھی کرتے ہو۔''

''تو کیا شرجیل کو ہم نہیں جانتے تھے اور وہ دونوں بھی تو آپس میں محبت کرتے تھے۔''

''نہیں، دونوں نہیں سنبل! محبت تو صرف آصفہ نے ہی کی تھی اور شرجیل کو تو ہم میں سے کسی نے کبھی جانا ہی نہیں۔''

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں، بھلا آدمی کو اپنی پہچان کھونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔''

''ارے آہستہ بولو کہیں انصار نے سن لیا تو تمہارا قیمہ بنا دے گا، وہ بالکل الگ ٹائپ کا آدمی ہے۔''

وہ دونوں اب صحن سے دور لان کے بائیں طرف بیٹھ گئی تھیں۔

''میں سب کچھ سن ہی رہا ہوں اور بہت دنوں سے تاک میں تھا کہ اس کے ذہن میں بدلے گئے ہوئے ان خیالات کو سنوں، جو آج کل اس کی پیشانی پر مایوسی کی لکیر کی انڈر لائن کے ساتھ بہت واضح حروف میں لکھ رہے ہیں۔''

''ارے بدتمیز آدمی تم چھپ کر دوسروں کی باتیں سننے لگے ہو، وہ بھی لڑکیوں کی۔'' انصار کو سچ مچ اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر سنبل گھبرا سی گئی لیکن طلعت نے فوراً اسے جھڑکا۔

''ہاں میں سن رہا ہوں اس لیے کہ میں سنبل کا ابھی سے قیمہ بنا سکوں یہ بتانے کے لیے کہ مجھ جیسے مرد بدلنے کے لیے شادی کا انتظار نہیں کرتے۔'' وہ سنبل کو گھور رہا تھا۔

''ہیں! قیمہ کیا بناؤ گے ابھی تو تم اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے، لوگ تمہیں قتل کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔''

''ارے تم چپ تو کرو دو منٹ، مجھے اس سے بات کرنے دو ہاں تو سنبل! تمہیں انسانوں کی پہچان نہیں ہے اور تم مجھے اس خبیث اور کمینے انسان شرجیل سے ملا رہی ہو۔'' وہ آنکھیں چڑھا کر واقعی غصے میں سنبل کو دیکھ رہا تھا۔

''اوہو یوں گالیاں تو مت دو، آخر وہ اپنی آصفہ کا شوہر ہے۔'' طلعت کو فوراً جوش آیا۔

''اور اپنی آصفہ اس کے گھر میں جا کر جو رُل رہی ہے، اس کا حساب کیسے صاف ہوگا۔''

''ہڈی پسلی نہیں توڑ سکتے تو کم سے کم، کم بخت کو گالیاں تو دے سکتے ہیں یا نہیں قسم سے اس دن جو

اس نے حرکت کی اس پر جی چاہتا ہے کہیں ملے تو ایسا مکا رسید کروں کہ بدتمیز کے چند ایک دانت ضرور ٹوٹ جائیں اور دوسرے دن جب آصفہ کو لینے آیا تھا تو اس کا منہ دیکھا تھا، یوں پھولا ہوا تھا جیسے ہم نے اس کا باپ مارا ہو، میں تو وہیں تھا نا پھپھو کے گھر اور انکل جلال سے کہہ رہا تھا۔ ''بیٹیوں کے والدین کو اتنے نخرے سوٹ نہیں کرتے۔'' انصار بری طرح تپا ہوا تھا۔

''اور انکل جلال نے کچھ نہیں کہا۔۔۔؟'' سنبل بولی۔

''کیا کہتے، بیٹی دے کر پھنس گئے ہیں نا ہم تو۔ ورنہ مجھے کیا سمجھتی ہو، شادی سے پہلے ایسی بات کہہ کر دیکھتا تو اسے اپنی ٹانگوں پر زندہ سلامت گھر جانے دیتا۔''

انصار خود آصفہ کو بہت چاہتا تھا، بچپن سے آصفہ کے آڑے ترچھے موقع پر اس کے کام آتا تھا، کسی شرارت میں بچانا ہوتا، کسی مشکل میں کام آنا ہو، امتحانوں کا نازک زمانہ ہو یا اس کے ریڈیو پروگراموں میں حصہ لینے کے بے غرض شوق میں خوار ہونا ہو وہ کبھی آصفہ کو منع نہ کرتا۔

کچھ دیر کے لیے وہ تینوں خاموشی سے بیٹھ گئے پھر اچانک ہی انصار کھڑا ہوا اور پھر سنبل کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا اس کے انداز میں بہت تیزی تھی۔

''تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے نا! یہی بات اندر جا کر سب کے سامنے کہہ دو اور میں بھی وہیں سب کے سامنے کھڑے کھڑے اس شادی سے انکار کر دیتا ہوں۔''

بہت سخت لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ کھینچنے لگا۔

''پلیز انصار! اس طرح بی ہیومت کرو اس کے ساتھ، وہ پہلے ہی بہت سہمی ہوئی ہے۔''

وہ لان کے اس حصے میں تھے جو صحن اور کمروں سے کافی دور تھا، لیکن پھر بھی عین شام کے وقت لان میں کوئی بھی آ سکتا تھا اور انصار کا جلال کسی بات کی پروا کرتا نہ لگتا تھا۔ سنبل بری طرح گھبرا کر اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''مجھے بہت طیش آتا ہے ان لڑکیوں پر جو اپنی کم ہمتی سے آپ اپنی زندگی تباہ کر لیتی ہیں۔ کسی بات کا گمان ہو تو اس کا برملا اظہار کرنا چاہیے۔'' وہ یونہی تپا ہوا تھا۔

''گمان اور یقین میں فرق ہوتا ہے، اور اس طرح تفتیش میں آنے کے بجائے تمہارا فرض ہے کہ تم مجھے اپنی وفاداری کا یقین دلاؤ اگر سچے ہو۔''

کچھ دیر تذبذب کا شکار رہنے کے بعد سنبل نے بہت سنبھل کر انصار کو جواب دیا اور اسی وقت اس نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور آنکھوں میں چمک۔

''طلعت ذرا تم اندر جانا، میں اسے اپنی وفاداری کا یقین دلا دوں۔''

اور پھر ہوا یہ کہ طلعت اور سنبل دونوں اپنا جوتا لے کر اس کے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔

وہ روتے روتے جانے کب سو گئی تھی۔ صبح فجر کے وقت بھی اس کی آنکھ نہ کھلی۔

فجر کی نماز اس کی جس دن قضا ہو جاتی تھی، اس کا سارا دن عجیب دکھ کے سے عالم میں گزرتا تھا۔

اسے ہمیشہ یہ وہم رہتا تھا کہ جس دن وہ فجر کی نماز نہ پڑھے گی، اس کا دن اچھا نہ گزرے گا۔ کبھی اس نے بیٹھ کر یہ بھی سوچا تھا کہ کیا وہ اپنی غرض کے لیے نماز پڑھتی ہے۔ جب کہ یہ تو خالص اللہ کی عبادت کا معاملہ ہے اور پھر یونہی ایک دن سوچتے سوچتے اس نے یہی بات طلعت سے پوچھی۔

کتنے خوشیوں بھرے دن تھے، ہر خیال کو شیئر کرنے کے لیے کوئی موجود تھا اور آج وہ رات گئے تک آنسو بہا بہا کر مر گئی، کوئی کاندے پر ہاتھ رکھ کر دو لفظ تسلی کے بولنے والا نہیں تھا۔ یہ بندہ بھی کیا پاگل سی مخلوق ہے۔ آیا اکیلا، جائے گا اکیلا مگر ساری عمر اپنے جیسے انسان کے لمس کی ہوس میں مبتلا رہتا ہے۔

''ارے یار! ہم تو اللہ کے ادنیٰ، حقیر سے بندے ہیں، بے غرضی اور بے نفسی یہ تو نبیوں اور ولیوں کے اوصاف ہیں، ہمارے لیے تو یہی بہت ہے کہ عبادات کو پورے طور پر بجالائیں اور یہ بھی شیطان کی شرارت ہے جب ہم عبادات کے معاملے میں پنکچوئل ہونے لگتے ہیں تو شیطان ہمارے دل میں ایسے کھٹکے ڈالنے لگتا ہے کہ کسی طرح اولاد آدم بھٹکے۔''

وہ بڑے ٹھہرے انداز میں اطمینان سے اسے سمجھاتی۔

''طلعت! تم نے یہ باتیں کہاں سے سیکھیں؟'' وہ حیرت سے پوچھتی۔

''اپنی امی سے اور کس سے؟'' وہ فوراً کہتی۔

آمنہ خالہ نے اپنی بیٹیوں کو استطاعت سے بڑھ کر تربیت دی تھی۔ وہ اپنی سیکھی ایک اچھی بات کو دس گنا بڑھا کر اپنی بیٹیوں کو سکھاتی تھیں۔ اور طلعت تو ہمیشہ سیکھنے کے شوق میں مبتلا رہنے والی لڑکی تھی۔

اف طلعت! اسے بھی بیماری ہوگئی تھی ہر دن کی ابتدا اور دن کے تیسرے پہر طلعت کو یاد کرنے کی۔

وہ کس طور اس سے بچھڑ گئی تھی نا! اس کے دل کے اندر رہتی تھی اور سامنے آتی تو اسے دل اور آنکھیں بند کر لینی پڑی تھیں۔

صبح ہی اسے یہ بھی خیال آیا کہ شرجیل رات بھر کمرے میں نہیں آیا، شاید رات بھر ماں کے پاؤں دباتے اپنی جنت کا راستہ کھوجتا رہا ہوگا۔

لیکن کیا جنت کا ایک یہی راستہ ہے، اور عالیہ آنٹی کے پیروں تلے تو آصفہ کی خودداری، انا، خوشی اور معصومیت کی ریت تھی جسے وہ روند کر اپنی ذاتی تسکین حاصل کیا کرتی تھیں۔ بھلا اس ریت کے پرلے طرف جنت بھی ہو سکتی ہے۔

''بھابھی! آپ اٹھ گئی ہیں پھر بھی کچن میں نہیں آئیں، ادھر ناشتا بنانا ہے، سارا کام چوپٹ پڑا ہے، شرمین کے سر میں شدید درد ہے، وہ تو بستر سے اٹھنے کے لائق نہیں ہے اور امی جان کا مزاج تو انتہائی خراب ہی ہے، آپ کو جلدی کرنا چاہیے کہیں پھر کوئی ناراضی والی بات نہ ہو جائے۔''

بنا دستک دیے عینی آپا کھٹ سے کمرے میں چلی آئیں اور آتے ہی اسے یسا ہولایا کہ وہ اپنا دکھ درد بھول کر لمحے بھر میں بستر چھوڑ کر باتھ روم میں گھس گئی، اور دو منٹ میں نکل بھی آئی۔ ڈھنگ سے منہ پر چند قطرے بھی نہ ٹپکائے کہ آنکھیں اور چہرہ بشاش ہو پاتے حتیٰ کہ بال بھی نہ بنائے۔

''ایسی پھرتیلی اور چوکس بھابھی ہے، اسے دبانے اور اس کا تیل نکالنے میں بھلا امی جان کو کیا

ایسی محنت کرنا پڑے گی۔ رات کا دکھ پی گئی اور صبح پھر سے تازہ دم کہ آ بیل مجھے مار۔'' عینی آپا نے اسے دیکھ کر سوچا۔

کمرے سے نکلیں تو ان دونوں کو سامنے سے شرجیل آتا دکھائی دیا۔

''سنو، مجھے جلدی نہ اٹھانا اور کمرے میں آؤ تو کوئی کھٹ پٹ بھی مت کرنا رات بھر میرا سر درد سے بس پھٹتا ہی رہا ہے۔''

وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گئی۔

رات کے واقعے نے سب کو ادھ موا کر کے رکھ دیا تھا ایک وہ اتنی سخت جان نکلی کہ بجلیاں بھی اسی پر گریں اور اپنی کوئی چوٹ بھی اس نے کسی کو نہ دکھائی، کسی کو اس سے دلچسپی ہی کہاں تھی کہ اس کی چوٹ دیکھتا، اس نے خود ہی کڑھ کر سوچا۔

''اگر تم چوٹ کا اشتہار لگاتیں تو ضرور دیکھتا، ہر کوئی دیکھتا۔'' تہنیت کے انداز میں اس کے ذہن نے اس کو جھڑکا مگر اس نے کبھی جیتی جاگتی تہنیت کی نہ سنی تھی ایک فقط اپنے خیال کو کیا لفٹ کراتی۔

''کتنی دیر سے تو میں اکیلی ہی کچن میں ناشتے کی تیاری کر رہی تھی، اس خیال سے آپ خود ہی آجائیں گی پھر سوچا کہ چل کر خود آپ کو بلاؤں اس سے پہلے کہ امی جان کچن میں جھانکیں۔''

چائے کا پانی چڑھا ہوا تھا، آٹے کا کنستر نکلا پڑا تھا۔ تو اچولہے پر تیار رکھا تھا، وہ اپنی قسمت پر آپ ہنسی، کتنے کام انہوں نے کر لیے تھے، اسے تو صرف ڈھیروں پراٹھے بنانے تھے، آملیٹ بنانے تھے، ٹوسٹر میں توس سینکنے تھے، چائے بنانی تھی وغیرہ اور سر پر عینی آپا امی جان کی دہشت مسلط کرنے کے لیے موجود تھیں۔

''امی جان نے کہا ہے، آج سب کے لیے پراٹھے بنا لیجیے۔ روحیل بھی آیا ہوا ہے، بچے بھی ہیں۔''

اس نے سوچا، کہے بتانے کی ضرورت نہ تھی، تیاری دیکھ کر وہ سمجھ ہی گئی تھی، لیکن اگر وہ کچھ کہہ سن لیا کرتی تو کچھ ہلکی پھلکی ہی ہو جاتی، چائے کا پانی کھولتے دیکھ کر اس کا کتنا جی چاہا کہ پہلے خود ایک پیالی چائے ہی پی لے۔ اس کا اپنا سر جیسے کسی وزنی پتھر کے نیچے رکھا ہوا تھا مگر اپنے خیال کو اس نے خود پس پشت ڈال دیا۔ امی جان کی دہشت کہ ''ہائے کمبخت پہلے خود ناشتا کر رہی ہے، ہم یہاں بھوکے مر رہے ہیں۔'' چلو اب وہ دکھ پی گئی، چائے پی کر کیا کرے گی۔

''نہیں نہیں بھابھی، اتنا آٹا پورا انہیں پڑے گا۔ تھوڑا آٹا اور ڈالیں۔ اچھا لائیں، آٹا میں گوندھ لیتی ہوں، آپ آملیٹ کی تیاری کریں۔''

انہوں نے آٹے کا تسلا کھسکا کر اپنے قریب کر لیا، وہ شکر گزاری سے انہیں دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے ٹرالی میں سب چیزیں رکھیں، مکھن، توس، جام، دودھ کا جگ، ڈبل روٹی وغیرہ، اتنی دیر میں چائے بھی تیار ہو گئی۔ کیتلی میں ڈال کر چائے بھی اس نے ٹرالی پر رکھ دی۔ آملیٹ کا آمیزہ تیار کر رہی تھی کہ آواز آئی۔

''عینی! کہاں گھسی پڑی ہو، تمہارا بچہ رو رو کر ہلکان ہو گیا ہے۔'' عالیہ آنٹی کی کڑک دار آواز سن کر

وہ سہم سی گئی۔ وہ کچن میں نہ آئیں۔ اسے کوئی حق نہیں تھا ان کی صورت سے بے زاری کا، مگر اس کی سوچ کو اس کی اپنی ہونی چاہیے کہ نہیں۔

عینی آپا جلدی سے ''آئی امی'' کہہ کر کچن سے نکل گئیں، اس نے شکر کیا کہ عینی آپا نے اپنی ماں کو اندر آنے کا موقع نہیں دیا۔

وہ چولہا جلا کر پراٹھے پکانے بیٹھ گئی، لیکن آٹا دیکھ کر اس کی ساری شکر گزاری ہوا ہوگئی، لگتا تھا سارا کنستر ہی آٹے کے تسلے میں انڈیل کر گوندھ ڈالا ہے، اتنے ڈھیر پراٹھے وہ کب تک بناتی رہے گی۔۔۔!

کڑھتے ہوئے اس نے کام شروع تو کیا، مگر جلتے چولہے کے ساتھ دل بھی جلا رہی تھی۔

''اب تک ناشتا میز پر نہیں لگا۔ اس گھر کے تو رواج ہی بدلنے لگے ہیں، دیر تک اٹھنے کا نام نہیں لیا جاتا تو کام کیسے شروع ہوں۔''

عالیہ آنٹی کی آواز اسے پھر جھنجلانے لگی، پراٹھا ادھورا چھوڑ کر وہ ٹرالی لے کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف روانہ ہوگئی۔ گھر میں اتنے افراد ہونے کے باوجود کوئی ٹرالی لے کر ناشتا میز تک لے جانے بھی نہ آیا۔

''تمہارے ہوتے ہوئے کسی کی مجال ہے بیگم کہ اس گھر کے رواج بدل ڈالے۔''

انکل نے جانے اسے سنانے کے لیے یہ جملہ کہا یا آنٹی کو چھیڑنے کے لیے، وہ غور بھی نہ کر سکی تیزی سے پلٹ کر کچن میں آگئی اور آملیٹ بنانے لگی، ابلے ہوئے انڈے بھی نمک کالی مرچ کے ساتھ پلیٹ میں نکالنے تھے۔ چیزیں اِدھر سے اُدھر کرنے کا کام تو روحیل بھی کر سکتا ہے یا شرمین کا سر ہی دکھ رہا ہے، ہاتھ پاؤں تو سلامت ہیں، لیکن پھر اپنے ہر خیال کو چپ کرا کے وہ تیز تیز ہاتھ چلانے لگی۔

آملیٹ میز تک پہنچانے گئی تو سب لوگ میز پر ناشتے پر لپکنے کے لیے تیار بیٹھے تھے، جیسے آگے الہ دین کا چراغ رکھا ہو، حکم ملتے ہی ہر چیز مل جائے گی شرمین بھی ''آ، اوئی'' اور ''آں'' کرتے میز پر پہنچ گئی تھی۔

''اچھی طرح ناشتا کر لو بیٹا! یہ کم بخت سر کا درد تیرے نصیب میں کہاں لکھا آ گیا، دیکھو تو میری بچی کا اتنا سا منہ نکل آیا ہے۔''

عالیہ آنٹی آملیٹ بیٹی کی طرف بڑھاتے بولیں، پھر چیخیں۔

''پراٹھے بنے یا نہیں؟'' اور وہ سچ مچ الہ دین کے جن کی طرح پراٹھے لے کر حاضر ہوگئی۔

پھر کچن میں چولہے کے پاس بیٹھی تو خیال آیا، آملیٹ پورے نہیں بنے، وہ پھر کھڑی ہوگئی۔ دراصل کچن میں صرف ایک ہی چولہا نیچے بیٹھ کر یقیناً روٹی پکانے کے لیے ہی بنا ہوا تھا۔ باقی سارے چولہے اوپر بنے ہوئے تھے اور اس اٹھک بیٹھک میں اس کے کام کی رفتار بھی کم ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا بھابھی! ذرا جلدی جلدی ہاتھ چلائیں، مجھے تو یہ شیطان کوئی کام نہیں کرنے دے رہا۔''

''آپ کے کام سے بچ کر رہنا ہی بہتر ہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔

عینی آپا اپنے چھوٹے بیٹے کو گود میں اٹھائے پھر اسے ہولانے آئی تھیں اس کا دل تپا ہوا تھا، اس کا دماغ تپا ہوا تھا، آگے سے اس کے حالات بھی بری طرح تپ رہے تھے، اگر وہ پلٹ کر عینی آپا کو کوئی بھی جواب دے دیتی تو یقیناً اسی صبح اس گھر میں جنگ عظیم دوئم شروع ہو سکتی تھی۔

''یہ کم بخت سکینہ بھی آج ابھی تک نہیں آئی۔ روزانہ تو نو ساڑھے نو بجے ہی حاضر ہو جاتی ہے۔''
اس کے چپ چاپ کام میں مصروف رہنے پر عینی آپا نے جانے اس سے ہمدردی میں کہا یا اسے چڑانے کو۔

''آپا! یہ ٹرے لیتی جایئے گا۔'' پراٹھے اور آملیٹ پلیٹوں میں رکھ کر ٹرے پر رکھتے اس نے ان سے کہا، انہوں نے فوراً اپنے تین سالہ بیٹے کو گود سے اتار کر نیچے کھڑا کیا اور ٹرے اٹھ لی اور ابھی انہوں نے کچن سے باہر قدم نکالا ہی تھا کہ ان کے صاحبزادے نے دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔

''ارے بھابھی! اس کو اٹھالیں ورنہ یہ تو ابھی قیامت برپا کر دے گا۔'' وہ بیٹھی ہی تھی کہ پھر اٹھنا پڑا۔ ٹرے کو میز تک عینی آپا نے پہنچایا اور ان کے بیٹے کو پیچھے پیچھے لے کر میز تک وہ آئی۔ کیا کرتی، اس گھر کا بچہ بچہ تک قیامت جو برپا کر سکتا تھا اور عینی آپا جیسے بڑا اس کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ ناشتا کرتے سب لوگوں نے کچھ ایسی ہی نظروں سے ان دونوں کو آگے پیچھے آتے دیکھا۔

''عینی! اب تم بھی ناشتے کے لیے آجاؤ، بچہ بھوک ہی کی وجہ سے تو رو رہا ہے۔''

''میں نے سوچا ذرا بھابھی بھی آجاتیں۔''

''اب وہ ذرا سی جلدی اٹھ جاتی تو اس وقت پراٹھے بن بھی چکے ہوتے اور وہ ہمارے ساتھ ہی بیٹھی ناشتا کر رہی ہوتی کہ نہیں۔''

اس کی اتنی مشقت کی عالیہ آنٹی کے دل کے در پر کوئی قدر و منزلت ٹھہرنے والی نہیں تھی۔

پراٹھے بناتے بناتے اس کی کمر بری طرح دکھنے لگی، نہ ان سب کا پیٹ بھر رہا تھا نہ آٹا ہی ختم ہو رہا تھا۔

ہر آواز پر میز تک دوڑی ہوئی بھی وہی جاتی۔ صبح عینی آپا کا میٹھا لہجہ سن کر وہ بہل گئی تھی کہ عینی آپا ضرور ان سب لوگوں میں اچھی ہیں۔ لیکن اب پھر وہی رات والا خیال ٹھیک لگ رہا تھا کہ یہ سب لوگ ایک جیسے ہیں۔ وہ کسی نوکر کی طرح بھاگ بھاگ کر سب کو ناشتا پہنچا رہی تھی اور ان میں سے کوئی بھی اس کی ظاہر ہوتی اس حیثیت پر متردد نہ تھا۔

''اچھا ہوا بیٹا! تم بھی ناشتے کے لیے آگئے، کچھ پیٹ میں اناج جائے گا تو جان آئے گی، بھوکے پیٹ تو نہ نیند اچھی لگے نہ آرام۔ آصفہ! شرجیل بھی آگیا ہے، اس کا ناشتا بھی لے آؤ۔''

اب شاید وہ تھک کر آٹا چھوڑ دینے والی تھی۔ وہ نڈھال سی ہو گئی تھی، لیکن شرجیل کا نام سن کر مردہ جسم میں جان سی پڑ گئی۔ وہ پھرتی سے اٹھی اور نئے سرے سے اس کے لیے سارا ناشتا تیار کیا اور ٹرے اٹھا کر میز تک گئی تو اس نے دیکھا ایک کونے میں نیچے سکینہ بھی بیٹھی اطمینان سے ناشتا کرنے میں مصروف تھی۔

''اور پراٹھا لو گی سکینہ؟ پیٹ بھر کر ناشتا کرنا، بے چارے، ان غریبوں کو کون پوچھتا ہے، لیکن میری تو ہمیشہ سے عادت ہے جو خود کھایا وہی انہیں بھی دیا۔''

ٹرے لے کر آئی آصفہ کے قدم ڈگمگانے لگے تھے۔ عالیہ آنٹی ہنستے ہوئے بیٹے سے کہہ رہی تھیں اور وہ ماں کی جی حضوری میں سر ہلا رہا تھا۔

''آپ لیں نا امی! اتنی دیر میں ناشتا کر لیا۔'' شرجیل کی نظریں ماں بہن سے آگئی ہی نہیں۔

''نہیں بیٹا! میں نے پہلے ہی پراٹھا کھا لیا ہے، آج آصفہ نے توس نہیں بنائے تھے تو کیا کرتی، مجبوری میں کھا لیا۔ اب پیٹ میں وزن سا محسوس ہو رہا ہے۔''

پلٹتے پلٹتے آصفہ نے سنا مگر سر نہ پیٹ سکی، ساری افراتفری میں صرف توس بنانے یاد نہ رہے اور یاد بھی اس لیے نہ دلائے گئے کہ پھر جتایا جا سکے۔

اوہ خدا۔۔۔! بس مجھے ہمت زیادہ دے۔

کچن میں جا کر وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی، گھر کے نوکروں تک کی بھوک اور پیاس کی پروا کرنے والی عالیہ آنٹی اس کے لیے کتنی سنگ دل تھیں۔ آخر آخر بھی انہوں نے یہ نہ کہا کہ آصفہ تم بھی ناشتا کر ہی لو اور کیسے کہتیں، وہ تو اس سے ناراض تھیں۔ اس نے ہنس کر اپنے جی کو تسلی دی اور اس تسلی پر اس کا دل رونے ہی بیٹھ گیا۔ ایک دو ہزار تنخواہ پانے والی نوکرانی سے بھی کمتر حیثیت اس گھر میں اسے مل رہی تھی اور اسے وہ خود قبول کر رہی تھی نہ کرتی تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس جھوٹی خدمت گزاری کا ہار اس کے گلے میں پہنا سکتا۔ جلتے کڑھتے اس نے اپنے لیے صرف ایک گرم پیالی چائے کی لی اور کھڑے کھڑے ہی پینے لگی۔

''سلام بھابھی! وہ عینی آپا کہہ رہی ہیں، ان کے دونوں بچے اٹھ گئے ہیں، ناشتے کا انتظار کر رہے ہیں، دو پراٹھے دے دیں۔''

آدھی بچی چائے اس کا جی چاہا پیالی سمیت سکینہ کے منہ پر دے مارے۔ اس نے کیا پراٹھوں کی دکان کھولی ہوئی ہے۔ لیکن صبر کے گھونٹ چائے کے ساتھ پی گئی اور تھوڑا سا آٹا جو اس نے سوچا تھا اب بالآخر چڑیوں کو گولیاں بنا کر ڈال دے گی، خود اپنے لیے تو اس نے غصے میں آ کر ناشتا بنانا ہی ضروری نہیں جانا، اس آٹے کو سب نے ختم کر کے ہی دم لیا۔

''یہ عینی آپا کو دے آؤ۔''

''ہائے بھابھی! آج کچن کتنا پھیلا ہوا ہے، ضرور شرمین کا کمال ہوگا۔'' سکینہ پراٹھا کھا کر ترنگ میں آ گئی تھی۔

''شرمین نے تو یہاں جھانک کر بھی نہیں دیکھا۔''

وہ کہنے والی تھی مگر پھر چپ رہ کر نیچے سے بکھرے برتن سمیٹنے لگی۔ اب سکینہ کو سنا کر وہ کیا کرتی کہ ابھی کچھ دیر پہلے ناشتا ہوا ہے یا پہاڑی آفت سے نمٹ کر آئی ہے وہ، پھر اثرات تو باقی رہیں گے، خاموشی سے جتنا کچھ وہ سمیٹ سکتی تھی، سمیٹا اور پھر ہاتھ دھو کر کچن سے باہر نکل گئی۔

یونہی اسے وہم سا تھا کہ کوئی پروا کرے گا یا چلتے پھرتے پوچھ ہی لے گا کہ بھابھی آپ نے ناشتا کیا یا ابھی تک بھوکی بیٹھی ہوئی ہیں اور یہ ایک عجیب لطیفہ ہی ہے کہ اتنا کچھ دیکھ اور سن لینے کے باوجود اسے دبی دبی سی آرزو تھی کہ کوئی اس کا خیال کرے گا۔

کامن روم میں اچھلتے کودتے عینی آپا کے بچے اور سائیڈ پر پڑے صوفے پر سر پکڑے بیٹھی عینی آپا۔ ڈائننگ ٹیبل پر ابھی تک کسی رسالے میں کھویا روحیل اور اخبار بہت محویت سے پڑھتے انکل، اپنے کمرے میں ابھی جاتی اور ابھی نکلتی عالیہ آنٹی، لاؤنج میں سیٹی پر الٹی لیٹی پاؤں ہلاتے مووی چینل پر

مزے سے فلم دیکھتی شرمین جو ابھی کچھ دیر پہلے ایسے سر درد میں مبتلا تھی، جیسے بس جان سے ہی گزر جانے والی ہو اور ہمیشہ کی طرح منظر سے غائب شرجیل۔۔۔! کیا ان میں سے کوئی بھی لمحے بھر کے لیے اس کی فکر میں مبتلا ہونے والا تھا۔ یہ سب تو ایسے مگن تھے کہ وہ صرف جھنجھوڑ کر، چیخ کر، یا پکار کر ہی انہیں جگا سکتی تھی کہ دیکھو میں بھی ہوں۔۔۔

اور اس طرح جھنجھوڑ کر یا چیخ و پکار کر اپنا آپ جتانا یا اپنے ہونے کا احساس دلانا اسے پسند نہیں تھا اور اسے آتا بھی نہیں تھا۔

''حد ہے بی بی آصفہ! تم اب بھی اپنی پسند ناپسند کے زعم میں مبتلا ہو۔'' تہنیت ہوتی تو ضرور جھڑک کر کہتی۔

وہ اپنے کمرے میں بہت مایوس سی آئی تھی۔ بستر میں لیٹے شرجیل کو دیکھ کر، کچھ حیران سی ہوئی۔۔۔ وہ بے چینی سے ٹانگیں ہلاتے ہوئے چھت کو گھور رہا تھا۔

''آپ ہسپتال نہیں گئے؟'' دس بجے صبح وہ اتنے سکون سے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔

ویسے اس نے نوٹ کیا تھا کہ وقت کی پابندی تو وہ کبھی نہ کرتا تھا، کبھی نو بجے صبح جا رہا ہے تو کبھی آٹھ بجے ہی آندھی طوفان کی طرح شور مچا دیتا کہ جلدی جانا ہے۔ لیکن اس وقت بستر میں ہونے کا مطلب تھا کہ آج اسے جانا ہی نہیں۔

''میری طبیعت اتنی خراب ہے اور تمہیں ہسپتال کی فکر پڑی ہے۔ صاف کہہ دو، دفع ہو جاؤں گھر سے، دور ہو جاؤں تمہاری نظروں سے۔''

یہ سچ ہی ہے کہ دلدل میں پاؤں پڑے تو پتا چلتا ہے کہ گندگی کتنی گہری ہے ورنہ سطح دیکھو تو یونہی لگتا ہے کہ گیلی مٹی ہی تو ہے۔''

دراصل تو اسے خود سے شرجیل کو مخاطب کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اسے تو اس سے ناراض رہنا تھا جو سلوک رات کو سب کے ساتھ مل کر اس نے اس سے برتا تھا۔۔۔ اور وہ کچھ دنوں پہلے کا ہی کیا ہوا اس کا وعدہ کہ وقت پڑنے پر وہ بھی ضرور اس کا ساتھ دے گا۔

حد ہے میں اپنی ناراضی کیوں بھول گئی۔ اس نے خود کو لتاڑا۔

اور پوچھ کر اس نے گناہ ہی تو کیا، شرجیل الٹا اسے سنانے لگا تھا اور وہ سب باتیں جو اس کے دل کو ایسی گہری لگی تھیں کہ زخم ابھر آئے تھے۔

''چلو اگر وہ گھر میں ٹھہرا ہوا ہے تو اسے اس سے ابھی ہی بات کر لینی چاہیے، یہ سوچ کر وہ بستر کے دوسری طرف کنارے پر ٹک گئی اور اس کے ٹکتے ہی شرجیل پھرتی سے کھڑا ہوا اور دروازہ لاک کر دیا وہ بری طرح سہم گئی۔

''چلو، اب تھوڑی دیر سکون سے سو جاؤ، تھک گئی ہو گی۔'' اس کا لہجہ بھی یک دم بدل گیا اور انداز بھی۔

ساری رات وہ سوئی نہ سوئی اس نے پروانہ کی، ساری صبح وہ اس کی ماں بہنوں کی خدمت گزاری میں دوڑی بھاگی پھری، اسے اس کے تھکنے کا خیال نہ آیا اور اب وہ صرف اپنے مطلب کی خاطر اسے

آرام کرنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

اس کی بھوک، پیاس، دکھ، درد، گلے شکوے سب تیز ہوا میں ریت کی مانند ہو گئے۔ جانے بے درد ہوا اسے بکھیر کر کہاں لے جانے کے درپے ہے پھر باتھ روم کے بیسن پر تیز نلکا کھول کر اس نے منہ پر پانی ڈالا تو یہی پانی آنکھوں کے راستے تیزی سے بہنے لگا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''آپ بہت لاپروا ہیں بھابھی! جب کہ آپ کو خبر ہے کہ امی جان آپ سے خفا ہیں تو آپ کو ان کی خوشنودی کا زیادہ خیال کرنا چاہیے، لیکن آپ ہیں کہ سارے کام الٹے کر رہی ہیں۔''

''اب کیا ہوا؟'' اس کے منہ سے بے خیالی میں پھسل گیا۔ کچھ دیر رک کر اسے اپنے خیالات یکجا کرنے کا موقع بھی نہ مل رہا تھا، اس پر بھی اس کے لیے لاپروائی کے طعنے موجود تھے۔

''گھنٹہ بھر ہو گیا، آپ پلٹ کر کمرے سے نکل ہی نہیں رہیں، کتنی بری بات ہے کہ آپ کو پھر یاد دلایا جائے کہ دوپہر کے کھانے کی تیاری بھی کرنی ہے۔ ایک تو یہ بھی اچھی مصیبت ہے کہ ہر مشکل وقت پر ایک سرے سے دوسرے سرے پر آپ کو بلانے کے لیے آنا پڑے۔''

وہ بالکل چپ ہو گئی، اسے لگا، وہ یوں چپ رہتی ہی اچھی لگتی ہے۔ لیکن یوں خاموشی سے اندر ہی اندر گھٹنا بھی کوئی اچھا عمل نہیں ہے اور آصفہ کو ایسی باتیں کون سمجھا سکتا تھا۔ بس اس نے ایک گہری نظر ابھی تک بستر میں پڑے شرجیل پر ڈالی اس نے اسی لمحے انجان بن کر کروٹ بدل لی۔ وہ ایک شکوہ بھری نظر کی تیزی بھی نہ سہہ سکا۔

''یہ بڑے ماموں کے کمرے میں کیا خاص میٹنگ چل رہی ہے؟ کسی کو کچھ خبر ہے کہ نہیں۔'' تہنیت مسلسل بے چین سی پھر رہی تھی۔

آج بڑے ماموں کے ہاں آتے ہی سب نے محسوس کر لیا تھا کہ کوئی کھچڑی پک رہی ہے اور بڑی رازداری سے پک رہی تھی کہ دھواں بھی نہ نکل رہا تھا۔ وہ سب کزنز ٹوہ میں تھے مگر کوئی آنچ اٹھے تو کہیں سے مہک بھی نکلے۔

''انصار! تم بھی کچھ خبر نہیں لا رہے۔''

جتنی بے چین تہنیت تھی، اتنی طلعت نہ تھی۔ اس کا دھیان یوں بھی کہیں اور ہی الجھا رہتا تھا۔ مگر اب جب سب ہی تشویش میں مبتلا تھے تو اسے بھی فکر ہوئی۔

''بھئی کیا کروں۔ آج تو دادی جان نے کوئی کھڑکی دروازہ کھلا نہیں چھوڑنے دیا اور نہ کوئی چائے پانی کے لیے پھیرے لگا رہا ہے میں تو خود پریشان ہوں۔'' وہ منہ لٹکائے بولا۔

''تمہیں کیا پریشانی ہے، تمہاری شادی تو طے ہے، ٹھیک بائیس دن بعد ہو ہی رہی ہے۔'' تہنیت ہنسنے لگی۔

''خیریت تو ہے بھائی! تمہیں کیا خدشہ ہے، دیکھو تو پتا کرو۔ کہیں سنبل نے رشتے سے انکار تو نہیں کر دیا۔'' ثاقب بھی اس کی ہنسی اڑانے لگا۔

''ارے سنبل کی یہ جرات! رشتے سے انکار کیا کرے گی، روز بیٹھی دن گنا کرتی ہے، پچیس،

چوبیس، تیئیس، بائیس۔۔۔ ہائے اللہ یہ دن اتنے لمبے لمبے کیوں ہوتے جا رہے ہیں۔''

چہرے پر مسکینی سجا کر آواز باریک بناتے ہوئے انصار بولا تو تہنیت نے اس کے سر پر اپنے ہاتھ میں تھامی کتاب دے ماری۔

''ارے ارے، کس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے ہو، گنتی درست کر رہے ہو گے تم اور تمہارے دوست احباب۔ ہماری سنبل سے یہ توقع نہیں رکھنا، سمجھے، وہ کوئی تم پر مرمٹنے کے لیے فالتو نہیں بیٹھی ہے۔''

''توبہ ہے تم لڑکیاں ہو یا جلاد، سر پھوڑ کر رکھ دیا۔ تھوڑا لحاظ بھی نہیں کرتیں، دماغ کا کوئی اسکرو وغیرہ ڈھیلا ہو گیا تو تمہاری سنبل کو ہی ایک پاگل کے ساتھ گزارا کرنا پڑے گا۔'' وہ سر پکڑے بولا۔

''اور تم اس کونے میں بیٹھی صرف تماشا ہی دیکھ رہی ہو، یہ نہیں کہ ذرا اپنے ہونے والے شوہر کی مزاج پرسی ہی کر لو۔ اس کی پٹائی ہو رہی ہے اور کچھ نہیں تو اس کا سر ہی دبا دو۔'' ثاقب کو بڑی فکر ہوئی اپنے دوست کی۔

''ارے ہم سر پیر نہیں دباتے، ہاں گلا دبانا خوب آتا ہے۔'' سنبل کے جواب پر تہنیت اور طلعت خوب ہنسیں البتہ ثاقب آنکھیں نکال کر بولا۔

''انصار یار! اب بھی وقت ہے، اپنا قبلہ درست کر لو، اندر کمرے میں سب بڑے سر جوڑے بھی بیٹھے ہیں، انکار کر دو جا کر، ایسی خوں خوار لڑکی سے شادی کرو گے؟ دوبارہ لڑکی ڈھونڈنے میں تمہاری مدد میں کروں گا۔''

''نہیں دوست! مسئلہ یہ ہے کہ اپنی طبیعت میں وفاداری بہت ہے، اب اگر گلا بھی کٹنا ہے تو اسی آستاں پر کٹوائیں گے۔''

''بھئی، طلعت کی گردن پر تو چھری پھر گئی اور کون گلا کٹوانے پر تلا بیٹھا ہے؟''

سامنے سے آتی ثنا آپا نے ایسی سنسنی پھیلائی کہ لان میں گھاس پر بیٹھے وہ سب لرز کر یکبارگی کھڑے ہو گئے۔ البتہ طلعت نہ کھڑی ہو سکی، اس کے ہاتھ پاؤں سن ہو رہے تھے، اسے اپنی گردن پر سچ مچ کاٹ محسوس ہو رہی تھی۔

''آپ وہاں اندر تھیں؟ آپ اتنی بے ایمان ہیں ہمیں اشارا بھی نہ دیا۔ ہم آپ کے پیچھے ہی کان لگائے کھڑے ہو جاتے۔''

تہنیت کو اپنی آپا کے اندر ہونے اور اپنے نہ ہونے پر افسوس ہو رہا تھا۔

''کان لگانے کا بڑا شوق ہے۔ میں بتانے ہی تو آئی ہوں کہ کیا بات ہوئی ہے۔ یوں بھی ہم تو کچن میں تھے، ابھی تھوڑی دیر پہلے بلایا گیا تو اندر گئے نانی جان کے خصوصی اجلاس میں۔''

''ارے چھوڑیں۔ اس کا تو دماغ خراب ہے، الٹی باتوں میں الجھ رہی ہے۔ یہ بتائیں کون چھری لے کر آ رہا ہے اور طلعت ہی کی گردن پر کیوں؟'' انصار نے بے صبری سے پوچھا۔

''ہاں، دیکھو اس چھری ہولڈر کا نام ہے جواد امیر، اور طلعت ہی کی گردن اس لیے کہ اس کی ماں بہنیں اسی کو پسند کر کے گئی ہیں، اس لیے اگلے ہفتے، اسی دن، اسی جگہ اور شاید اسی وقت انگوٹھی پہنانے کی رسم ادا کی جائے گی۔''

''اوہ گاڈ! اتنا بڑا فیصلہ ہوگیا، ہمیں خبر ہوئی نہ کسی نے بتایا اور طلعت سے پوچھنا بھی گوارا نہ کیا گیا'' سب سے پہلے تہنیت چیخی۔

''پوچھا جائے گا، طلعت سے بھی پوچھا جائے گا، آج رات امی جان اس سے بات کریں گی اور پھر کل ہی ان لوگوں کو فائنل جواب دیا جائے گا۔''

''اونہہ! اب پوچھنے سے کیا حاصل۔ اب تو اس نے زبردستی ہاں کہنا ہی ہے۔ ورنہ ساری توپوں کا رخ اسی کی طرف ہوگا۔'' تہنیت بری طرح غصے میں تھی۔

''ایسی باتیں نہ کرو تہنیت! بزرگوں کا فیصلہ ہمیشہ سچا اور کھرا ہوتا ہے۔ دیکھو نا یہ سب صبح سے صرف طلعت کے اعزاز میں پریشان بیٹھے ہیں، ارے ایسے سب فیصلوں میں ان کی جان اٹکی ہوتی ہے، تم کیا سمجھتی ہو کہ یہ لوگ صرف معاملات نمٹاتے ہیں۔۔۔!'' سنبل نے بہت سنجیدگی سے تہنیت کو سمجھایا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے سنبل! یوں بغاوت کی باتیں نہ سکھاؤ اپنی بہن کو، بغاوت کی سوچ رکھنے والے اکثر اپنے پاؤں اپنی ہی زمین سے اکھاڑ بیٹھتے ہیں۔'' ثاقب نے سنبل کی تائید کرتے ہوئے تہنیت سے کہا۔

''ارے پاؤں زمین اسے اکھڑ کر ہی بندہ آسمان کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے کہ نہیں۔''

''چپ کرو تہنیت، تم کیسی فضول باتیں کر رہی ہو، جس کی اپنی زمین نہیں ہوتی اس کا کوئی آسمان بھی نہیں ہوتا سمجھیں۔''

ثنا آپا نے اسے ڈانٹا اور پھر طلعت کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''تم کس سوچ میں پڑ گئی ہو چندا؟''

''کچھ نہیں، کوئی خاص بات تو نہیں۔'' وہ بوکھلا کر بولی، ایک لمحے کے لیے رک کر ثنا آپا کو دیکھا اور پھر اٹھ کر تیز تیز چلتی ہوئی صحن پار کر کے اندر گھر میں چلی گئی۔

وہ سب عجیب ہونق بنے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''طلعت ہر معاملے میں اسی طرح بی ہیو کرنے لگی ہے۔'' انصار کہہ رہا تھا۔

''خیر، اب یہ ہر معاملے جیسا معاملہ بھی نہیں ہے۔'' سنبل نے فوری جواب دیا۔

''بات تو ٹھیک ہے مگر اب اسے کون سمجھائے گا۔'' ثنا باجی متردد تھیں۔

''میں سمجھاؤں گی۔'' تہنیت فوراً آگے آئی۔

''رہنے دو، تم کیا خاک سمجھاؤ گی۔ تم تو معاملہ چوپٹ کر کے رکھ دو گی۔'' ثاقب نے اسے جھڑکا۔

''کیا پاگل سمجھ لیا ہے!'' وہ اس کا منہ چڑا کر وہاں سے بھاگ لی۔

''یہ سمجھائے گی اسے؟'' ثاقب پھر کہہ رہا تھا۔

''طلعت کو تہنیت ہی سمجھا سکتی ہے۔'' انصار نے سر ہلا کر کہا۔

وہ کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی مگر نیند کا دور دور تک پتا نہ تھا، بارہ بجنے والے تھے۔ شرجیل بنا بتائے

اکثر آدھی آدھی رات تک گھر نہ آتا اور کبھی سارا دن گھر میں ہی بیٹھا رہتا وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کا روٹین ہی ایسا ہوگا، وہ ڈاکٹر جو تھا۔ خود اکثر وہ یہی بات جتایا بھی کرتا تھا۔

دکھ دینے والا وہ انتہائی جفاکش شخص اس کے سکھ کے دنوں کا خواب تھا۔ ایسا خواب جو اب اس کی آنکھوں میں اترتا تو وہ بے کل روح بنی اپنے اس گھر کے ماربل کے فرش پر ننگے پیر پھرتی تو یوں تکلیف اٹھاتی جیسے نوکیلے پتھروں کے میدان میں ننگے پاؤں چل رہی ہو۔

اب بھی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، تھوڑی دیر کمرے میں ٹہلتی رہی تھی، مگر آج وہ تھک بہت زیادہ گئی تھی۔ بلکہ اب وہ روزانہ ہی اسی طرح تھک کر نڈھال ہو جایا کرتی تھی۔ عالیہ آنٹی نے آہستہ آہستہ کر کے سارے کام اس کے ہی سر پر ڈال دیے تھے۔ شرمین مشکل ہی سے کبھی جی میں آتا تو کسی کام کو ہاتھ لگاتی ورنہ کبھی سر پکڑے بیٹھ جاتی، کبھی پیٹ کے درد سے مرنے لگتی، کبھی صبح اٹھتے کے ساتھ ہی بخار میں تپ رہی ہوتی، عالیہ آنٹی کہتیں۔

''ہائے میری بیٹی کو ایک سوتین اور ایک سو چار سے کم بخار تو ہوتا ہی نہیں۔''

کبھی غلطی سے اس کی پیشانی چھو لیتی تو وہ ٹھنڈی برف، وہ سوچتی یہ کیسا بخار ہے، مگر کہنے کی جرات کبھی نہ کرتی۔

''میرا بخار ایسا ہی ہے ہمیشہ سے بھابھی! جسم اندر سے آگ کی طرح تپے گا اور باہر سے ٹھنڈا برف۔''

اس نے قطعی کچھ نہ پوچھا مگر شرمین نے خود ہی وضاحت کر دی۔ اس کے پاس ہر بات کی دلیل، وضاحت، جواز۔۔۔ ہر دم تیار ہوتے، بندے کی آنکھ کا رنگ دیکھ کر اپنا حساب کتاب بے باک کرنا شروع کر دیتی۔

وہ بے زاری ہو کر ابھی پھر سے بستر میں بیٹھی ہی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بجا تھا۔ شرجیل اس طرح دستک دے کر تو کبھی کمرے میں نہ آیا تھا۔

وہ تو کھٹ سے لاک گھما کر کمرے میں چلا آتا اور کبھی دروازہ لاک ہوتا تو اس لاک کو اتنی بے زاری اور کوفت سے دھر دھر گھماتا کہ اسے خدشہ ہوتا ابھی ٹوٹ ہی نہ جائے۔ شرمین بھی یونہی کھٹ سے چلی آیا کرتی تھی بلکہ دستک دینے کی عادت تو شاید گھر میں کسی کو نہیں تھی، عالیہ آنٹی بھی شرجیل ہی کے انداز میں بند لاک کو یوں اِدھر اُدھر ہی گھمایا کرتی تھیں، اس انداز کا مطلب یہ تھا کہ اس تالے کو میرے لیے ہرگز بند نہ ہونا چاہیے حالانکہ وہ اکثر شرجیل کی موجودگی میں ہی اس کے کمرے تک آتی تھیں اور کمرے میں گھستے ہی کمرہ لاک کرنے کی عادت شرجیل کو ہی تھی، اس نے تو اب لاک لگانا چھوڑ ہی دیا تھا۔ ہاں اب رات کے اس پہر تو تالا لگانا لازمی تھا۔

وہ بے وجہ سوچ میں پڑی تھی، اتنی دیر میں دروازہ دو تین بار بج چکا اور پھر شاید آنے والا پلٹنے لگا تھا کہ اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے روحیل کھڑا تھا۔

''مجھے لگ رہا تھا کہ آپ سوئی نہیں ہوں گی پھر سوچا، شاید سو رہی ہوں اس لیے پلٹ گیا۔''

''نہیں، وہ تمہارے بھائی نہیں آئے مگر کوشش کر رہی تھی سونے کی۔'' وہ عجب کشمکش میں پڑ گئی۔ یہ

روحیل کیوں اس کے پاس اس وقت آیا ہے؟

''مجھے آپ سے یونہی سی چند باتیں کرنی تھیں اور نیند مجھے بھی نہیں آ رہی تھی۔''

وہ سوچ رہی تھی کہ روحیل کو اپنے کمرے کے اندر بلائے، یا نہیں، رات کا بہت ہی وحشت زدہ سا پہر تھا اور اس کے کمرے گھر کے باقی حصے سے اتنے الگ تھے کہ وہ اکثر سہم پیٹنا چاہتی مگر رہ جاتی۔

''اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ہم وہاں لان میں کرسیوں پر بیٹھ جائیں۔''

اس کے مائنڈ نہ کریں، کہنے پر اس کی سانس رک گئی تھیں لیکن پورا جملہ سن کر بحال ہو گئیں۔ اس گھر کے کسی فرد پر اسے بھروسا نہیں تھا نہ ہی اپنے نصیب پر بھروسا رہا تھا۔ کوئی دیکھ لے جو جی میں آئے کہہ جائے ''بھئی آدھی رات کو روحیل تمہارے کمرے میں کیا کر رہا تھا۔'' دکھ انسان کو احتیاط بھی سکھا دیتے ہیں۔۔۔ اس نے پروانہ کی کہ روحیل نے برا مانا ہوگا۔۔۔ اپنے کمرے کے آگے وہ تنی کھڑی ہی رہی تھی۔

''اس وقت لان میں؟''

اس نے کہا پھر سوچا، یہ کوئی ایسی اعتراض والی بات بھی نہیں۔ یوں بھی اس کی طبیعت آج کل عجیب قنوطی سی ہو رہی تھی، کسی سے بات نہ کرنا، کام ہی کام میں جتے رہنا، اپنے آپ سے دلچسپی کم تر ہوتی چلی جانا سسرال میں ہر لڑکی تنہا ہی ہوتی ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو اکیلا مان بھی لیا تھا۔

مگر یہ کیفیات انسان اپنے آپ پر طاری ہی کر سکتا ہے ان میں عمر بھر کے لیے سمٹ نہیں سکتا کیونکہ انسانی فطرت ہر وقت کسی نہ کسی تعلق کی ہوس میں مبتلا رہتی ہے۔ دوستی ہو، رشتہ داری ہو، محبت ہو، انسان کا نفس اپنے سے متعلق رشتے کا ہر وقت متلاشی رہتا ہے۔

''آصفہ بھابھی! دو تین باتیں تو میں آپ سے آپ کی اپنی ہی ذات کی متعلق کہنا چاہتا ہوں۔''

وہ اب تک سمجھ نہ پا رہی تھی کہ روحیل اپنے گھر کے ہر فرد سے الگ ہو کر اس سے کیوں اور کیا بات کرنا چاہ رہا تھا۔

''کہہ دیجیے! میں نہیں سمجھتی کہ آپ کے گھر میں کسی بھی بات کے کہنے سے پہلے اجازت لینے کا رواج ہو۔''

لان کے درمیان ایک چھوٹی گول میز کے ساتھ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں، وہ دن میں کئی بار یہاں سے گزرتی مگر یہاں لان میں بیٹھتی بہت کم تھی۔

''آپ یونہی ناراض اور اکیلی سی کب تک اس گھر میں رہ لیں گی۔'' اس نے حیرانی سے روحیل کا چہرہ دیکھا۔

''تو کیا آپ سب لوگ یہ بھی چاہتے ہیں کہ میں یہاں نہ رہوں۔''

''دیکھیں، آپ سے روا رکھے گئے، کسی سلوک میں کم سے کم میں انوالو نہیں ہوں۔''

اس نے روحیل سے شاید کبھی ''کیسے ہیں اور کیا حال ہے'' کے سوا بات نہ کی تھی۔

''یہ جملہ تو شاید ہر شخص کو اپنی صفائی میں کہنا چاہیے۔''

''بات صرف اتنی ہے کہ میں اپنی ماں سے بہت ڈرتا ہوں اور گھر کے سب لوگ ہی ڈرتے ہیں،

نہ جانے کیوں؟ ورنہ مجھے ان کی ہر دوسری بات سے اختلاف ہے۔"

"آہستہ بولیں۔ اگر انہوں نے سن لیا تو شاید آپ کو تو کچھ نہ کہا جائے، میری صرور شامت آجائے گی۔" وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"گھر میں ہے ہی کون جو ہماری باتیں سنے گا، صرف ابو ہیں جو اطمینان سے سو رہے ہیں۔"

"تو سب لوگ کہاں گئے ہیں؟" وہ پھر حیران ہوئی۔۔۔۔ گھر میں کون آیا کون گیا ہے، اسے بھی خبردار کیا جانا اس کا حق نہ تھا۔

"بس امی جان کا دل بہت گھبرا رہا تھا، شرجیل بھائی آئے تو امی جان نے ان سے کہا اور وہ انہیں باہر لے کر چلے گئے، انہوں نے کہا تھوڑا گھوم پھر لیں گی تو طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا۔"

"خیریت تو ہے، کیا طبیعت خراب ہوگئی تھی؟" اس کو پریشانی ظاہر کرنا لازمی تھی۔

"نہیں بھئی، ایسا کوئی مسئلہ نہیں، یہ تو ان کی بہت پرانی عادت ہے اکثر رات کے وقت ان کا گھر سے باہر نکلنے کو جی چاہا کرتا ہے، ہمارے ابو جی انہیں گھمایا پھرایا بہت کرتے تھے نا۔ اب ابو جی کی طبیعت میں وہ جولانی نہیں رہی، تو ہم دونوں بھائیوں میں سے کوئی ایک انہیں لے کر نکل جاتا ہے۔"

اس گھر کی تو ہر بات نرالی تھی۔ اس نے سوچا، وہ کس کس پر حیران ہو اور ہر نئی بات اس کی اپنی تو نہیں کہ وہ الجھے۔ مگر شرجیل تو اس کا اپنا تھا۔

"لیکن یہ سچ ہے کہ شرجیل اس کا اپنا ہے۔" وہ کچھ دیر یونہی سر جھکائے الجھی رہی۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے میں آپ سے یہی کہہ رہا تھا کہ اگر آپ یونہی ناراضی کے ساتھ سب سے الگ رہیں تو آپ کو یوں اکیلا چھوڑ دینے میں کسی کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔"

یہ کچھ اپنا اپنا سا لہجہ تھا تہنیت جیسا، اب وہ کچھ خوشی کے ساتھ حیران ہوئی۔

"جب آپ کے بھائی ہی مجھے نظر انداز کرتے ہیں تو کسی سے کیا شکوہ۔ میں بھلا کر ہی کیا سکتی ہوں۔"

"صابر و شاکر ہو کر بیٹھی رہ سکتی ہیں تو پھر آپ کے چہرے پر ابھی اداسی کی لکیر کیوں پھیلی، یہ بات سن کر کہ شرجیل امی اور شرمین کے ساتھ گھومنے نکلا ہے، آپ کے لیے بغیر بلکہ بتائے بھی بغیر۔" وہ یونہی اس سے ہمدردی جتا رہا تھا یا سچ مچ اسے کچھ سکھانا چاہ رہا تھا۔

"لیکن اگر شرجیل مجھے بتائے بغیر مجھ پر زیادتی کرتے ہیں تو ٹھیک ہی تو ہے میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"چاہیں تو بہت کچھ کر سکتی ہیں، حق مانگنے یا چھیننے میں کیسی مروت برتنا۔"

"آپ سچ مچ مجھے کچھ سکھانے آئے ہیں یا میرے نہ سیکھے ہوئے ہونے پر طنز کرنے آئے ہیں۔" بے یقینی کا تحفہ پہلے دن سے ہی اسے اس گھر کے در و دیوار نے دیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو انسانوں کے انداز اور رویوں کو پہچاننے کا ہنر اچھا خاصا آتا ہے۔" روحیل گھر میں کسی کے نہ ہونے کے باوجود اس سے آہستہ ہی بات کر رہا تھا۔

"اتنے تھوڑے دنوں میں اتنا کچھ دیکھ لیا ہے بھیا کہ اپنے صرف ہنر کے زعم میں کسی بھی بات پر

بھروسا نہیں کر سکتی اور اب تو شاید میں بے بسی کے دور میں داخل ہونے والی ہوں۔''

''اتنی جلدی! یہ تو سراسر شکست ہے، آپ کو بولڈ ہونا چاہیے۔ اس رات کو اتنی باتیں ہوئیں، آپ نے ڈٹ کر کسی بات کا جواب نہ دیا۔'' روحیل سچ مچ اسے اپنائیت سے سمجھا رہا تھا۔

''اونہہ! اس رات آپ بھی وہیں موجود تھے، سب میں مل کر بیٹھے ہوئے تھے، میں کیسے آپ کو الگ مان لوں۔'' وہ پھر الجھ گئی، یہ یونہی وقت گزاری کے لیے اس سے وقتی ہمدردی کر رہا ہے۔

''میں نے ابھی کہا کہ میں امی جان سے بہت ڈرتا ہوں اور یہ تو اچھا ہوا کہ بس چپ بیٹھا ہوا ہی تھا۔ کہیں مجبوراً بولنا بھی پڑ جاتا تو شاید میں بھی آپ کو عینی آپا اور ابو جی کی طرح مایوس ہی کرتا۔''

''مگر کیوں؟ یہ کس طرح کا ڈر اور احترام ہے۔ اور میں نے تو دراصل اس طرح کا ماحول کبھی دیکھا ہی نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے لیے سب کے دلوں میں یہ عداوت کیسی ہے۔'' کوئی اس کے دکھ کو جانتا اور اس کی سنتا اسے ملا تو وہ بھی دل کھول کر بیٹھ گئی۔

''آپ کو شاید میں بتا نہیں سکتا اور مجھے بتانا بھی نہیں چاہیے لیکن امی جان کی طبیعت بہت عجیب سی ہے۔ آپ ابھی اور یہاں رہیں گی تو خود ہی آہستہ آہستہ جان لیں گی اور ان سے ڈرنا بھی، بس سمجھیں ہماری عجیب سی مجبوری ہی ہے، ابو جی بھی ان سے ڈرتے ہیں اور عینی آپا بھی۔ گو وہ اتنی مخلص نہیں ہیں لیکن پھر بھی بہت سی غلط باتوں پر الجھتی ہیں اور کڑھتی ہیں بس بہت مشکل سے دائرے میں پھنسے ہوئے ہیں ہم، چاہیں تو نکل بھی سکتے ہیں لیکن کبھی نکلیں گے نہیں کیونکہ ہمارے ابو بہت کمزور ہیں۔''

اسے روحیل خود بہت پریشان سا لگا۔ جلدی جلدی میں بہت کچھ اس نے کہہ ڈالا تھا، مگر اسی وقت گیٹ پر گاڑی کے ہارن کی آواز آئی اور اس آواز کو سنتے ہی روحیل ایک جست لگا کر اٹھ کھڑا ہوا اور یوں بھاگا اپنے کمرے کی طرف جیسے پوری پولیس اور فوج اس کے پیچھے لگ گئی ہو۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ بالکل ہونق سی بنی وہاں بیٹھی رہ گئی پھر وہ خود بھی تقریباً دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اور پیچھے سے دروازہ لاک کر دیا۔

ہو سکتا ہے، شرجیل سیدھا کمرے میں ہی چلا آئے تو اسے اپنا آپ سمیٹنے میں کچھ دیر تو لگے گی حالانکہ اس نے کچھ ایسا غلط کام نہ کیا تھا مگر روحیل کا انداز ایسا ہی تھا جیسے چوری کے الزام سے بچنے کے لیے وہ دونوں بھاگ کھڑے ہوئے ہوں۔ ورنہ وہ لوگ باتیں ہی تو کر رہے تھے اور کتنی باتیں رہ گئیں۔

کیا شرجیل بھی اپنی ماں سے یونہی ڈرتا تھا۔

کیا عینی آپا اس سے یعنی آصفہ سے کم مخلص تھیں لیکن کچھ تھوڑی بہت مخلص ضرور تھیں۔

اور سہیل انکل کیوں کمزور تھے؟

مگر بہت کچھ رہ گیا۔

اور وہ بہت کچھ جو اس نے سنا اور سمجھا، اب سب کچھ رہنے دیا جائے۔ خود کو سمجھا کر وہ شرجیل کا انتظار کرنے لگی مگر وہ آیا ہی نہیں بستر پر لیٹ کر چھت کو تکتے ہوئے اس نے کتنی دیر آنکھیں کھلی رکھیں۔ پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں، نامہربان نیند اب آ گئی، شرجیل اب بھی نہ آیا۔ شاید رات کے ڈھائی یا تین بجے تھے جب وہ کمرے کے لاک کے گھومنے کی آواز پر چونک کر اٹھ گئی اور فوراً بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

''خدا معلوم یہ ہر وقت تالا لگائے، بند کمرے میں کیوں بیٹھی رہتی ہو۔''
شرجیل چڑ کر کہہ رہا تھا۔ نہ جانے اس پر کیا جادو کیا گیا تھا کہ اس کمرے کی چوکھٹ پر پہنچتے ہی اس کے اوپر چڑچڑاہٹ کا دورہ پڑ جایا کرتا تھا۔
''ہر وقت! یہ بھی خوب کہا آپ نے اگر آپ کے آنے کا کوئی وقت مقرر ہو تو اسے ایک وقت کہا جائے، آدھی رات کو میں دروازہ کھلا چھوڑ کر سو جاؤں۔''
گہری سنہری نیند کی انتہا پر پہنچی آصفہ اکثر یوں جگا دی جاتی تو اس کا بھی چڑ جانا لازمی تھا۔
یوں بھی نیند اب اس کے لیے سونے سے زیادہ قیمتی ہو گئی تھی۔ بہت ستاستا کر آتی تھی۔ لیکن پھر بھی شرجیل جتنا نہ ستاتی تھی۔
''ہزار دفعہ تمہیں سمجھایا ہے کہ میری جاب ہی ایسی ہے اور پھر میں اتنا تھکا ہوا ہوتا ہوں کہ اپنے ہی کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنا وحشت ناک عذاب لگتا ہے۔''
حالانکہ دروازے کی آواز پر وہ بڑی پھرتی سے لاک کھول دیا کرتی تھی، گہری سے گہری نیند بھی اس کے ہلکے سے کھٹکے سے ٹوٹ جایا کرتی تھی مگر شاید اس کی یہ پھرتی ہی اس کا قصور تھا۔
''ہسپتال سے ابھی آئے ہیں کیا؟'' اس نے سیدھا پوچھ ڈالا۔
''نہیں، سیر سپاٹے کر کے آرہا ہوں، تم شاید یہی سمجھتی ہو۔'' ایک جوتا کہیں پھینکا اس نے اور دوسرا کہیں، موزے بستر پر پھینکے تو شرٹ کرسی پر۔
''ٹھنڈا پانی پلانا اور کچھ کھانے کے لیے ہو تو وہ بھی لے آؤ۔''
''تین چار گھنٹے گزر گئے آپ کو گھر آئے۔ آپ نے ابھی تک کھانا ہی نہیں کھایا۔''
باتھ روم کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے پلٹ کر اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔
''تم نے کب دیکھا مجھے گھر آتے؟'' وہ پوچھ رہا تھا، وہ سمجھ نہ پائی۔ مگر اس کے صاف جھوٹ پر اس کا دماغ بھی تپ گیا تھا۔
''آپ آئے گئے، مجھے سب خبر ہے، میں نے خود دیکھا تھا۔''
''اچھا تو تم میری جاسوسی کرتی ہو، میرا گھر ہے یہاں میرے آنے جانے پر پابندی لگا سکتی ہو تم۔''
تولیہ بستر پر پھینک کر وہ اس کے آگے کھڑا ہوا، اس سے لڑنے لگا۔
''میں کیوں پابندی لگاؤں گی میں تو صرف اتنا کہہ رہی تھی کہ آپ مجھ سے جھوٹ نہ بولا کریں۔''
''تم مجھے جھوٹا کہہ رہی ہو؟ تم ہوش میں تو ہو اپنے۔''
''میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی، آپ نے جھوٹ کہا تو میں نے کہا۔''
غصہ اسے آنا چاہیے تھا مگر وہ ضبط کر رہی تھی اور ایک فیصد بھی برداشت کرنا شرجیل کو شاید سکھایا ہی نہ گیا تھا۔
''ہاں، میں جانتا ہوں کہ تم ہر بات ٹھیک کہتی ہو، تم بالکل معصوم ہو، غلط تو میں ہوں میں ہی جھوٹا ہوں اور تم جیسی فرشتہ صفت لڑکی کی زندگی برباد کر رہا ہوں۔'' اپنی عادت کے مطابق اب وہ چیخ بھی رہا تھا۔

''اب آپ اپنی ندامت چھپانے کے لیے چیخ چیخ کر مجھے دبانا چاہ رہے ہیں کہ میں چپ رہ جاؤں مگر مجھے پتا ہے کہ آپ گیارہ بجے گھر آئے تھے، پھر امی جان اور شرمین کو لے کر گھومنے نکلے ہیں۔ اس کے بعد بھی ایک بجے سے گھر آئے بیٹھے اب رات کے تین بجے کمرے میں آ کر مجھ پر یہ جتا رہے ہیں کہ ڈیوٹی سے تھکے ہارے آئے ہیں اور مجھے اب آپ کی خدمت کرنی چاہیے۔''

غصہ آج اس پر بھی بری طرح غالب آیا تھا، سو اس نے آگ کا گولا بنے شرجیل کو بری طرح چھیڑ دیا۔

''ہاں گیا تھا ماں کو لے کر، ان کا جی چاہ رہا تھا تو کیا انہیں منع کر دیتا۔ ارے ماں ہیں وہ میری، تمہارے کہنے پر اب اپنی جنت کو چھوڑنے سے تو رہا اور شکر کرو، آدھی رات کو آ گیا، ورنہ ساری رات بھی ان کے سرہانے بیٹھا رہوں تو ان کے کسی احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔''

جب اس نے سب کچھ جان ہی لیا تو نہ وہ شرمندہ ہوا نہ کوئی احساس کیا۔ نہ اتنا زیادہ آپے سے باہر ہوا جتنا اس نے اندازہ لگا لیا تھا۔ پھر چادر تان کر بستر میں پڑ گیا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

لیجیے قصہ ہی ختم۔۔۔ اب اپنا حق مانگنے یا چھیننے کا کون سا راستہ نکلتا ہے اس پتھر کے سامنے۔

اس نے ایک گلاس ٹھنڈے پانی کا بھر کر اس کے سرہانے رکھا۔ پھر چند لمحے سوچ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ باہر لان میں تنہا اندھیرا اور کڑا سناٹا تھا۔

''آپ وہیں ڈائننگ ٹیبل پر آ جائیں تو میں آپ کو کھانا دے دوں۔ اکیلے اس وقت لان میں نکلتے ہوئے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''ارے یہ گھر ہے، کوئی جنگل تھوڑی ہے جو تم یوں آتے جاتے ڈرتی ہو یہاں۔'' شرجیل کا جواب الٹا تھا۔

''اور اب چھوڑو، رہنے دو، تمہاری خدمتوں کی ضرورت نہیں ہے مجھے، نہیں کھانا مجھے کھانا۔'' اب بھی اکڑنا اسی کا نصیب تھا اور اسی کا حق تھا۔

''کوئی سچ بات آپ کو ٹھیک لگتی ہی نہیں، بھئی گیارہ بجے جب آپ گھر آئے تھے اسی وقت مجھے آواز دے لیتے تو اسی وقت میں آپ کو کھانا دے دیتی۔''

اس نے کہا اور پھر واپس باہر آ گئی۔ غصے نے جب دماغ میں جوش بھر دیا تو پھر خیال کو دل کے خوف کی طرف جھانکنے ہی نہ دیا۔

سناٹا کڑا تھا اور اس کا دل کڑوا ہو گیا تھا۔

اس نے اوپر سیاہ آسمان کو دیکھا، نیچے سخت زمین کو محسوس کیا۔

خوف اس کے اندر اتر گیا اور جھنجھلاہٹ اس کی طبیعت پر طاری ہو گئی۔

لان کا راستہ کٹ گیا۔

کھانا اس نے شرجیل کے لیے بچا کر رکھا ہی تھا۔

سب جلدی جلدی گرم کیا، ایک ٹرے میں ترتیب سے رکھا اور پلٹی تو کچن کے دروازے میں شرجیل کھڑا تھا۔

''سوری، مجھے آج بھوک زیادہ لگی تھی ورنہ میں تمہیں اس وقت کھانے کا نہ کہتا۔''
اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا مگر اس کے چہرے پر ہنسی کا رنگ پھیکا تھا۔
''چلو، یہیں کھا لیتا ہوں۔'' ڈش اس کے ہاتھ سے لے کر اس نے کچن میں ہی نیچے رکھ دیا اور خود بھی فرش پر بیٹھ گیا۔
''میز پر رکھ دوں کھانا، آرام سے کرسی پر بیٹھ جایئے گا۔''
''نہیں بس یہیں جلدی جلدی کھا لیتا ہوں۔ تمہارا اترا چہرہ دیکھ کر مجھے ترس آ رہا ہے، بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔''
''پیار نہیں آتا ہے آپ کو، اب بھی ترس ہی آیا۔'' وہ سوچتی رہی اور چپ رہی۔ یوں بھی نہ وہ اس کی زبان سمجھتا تھا نہ خیال، جیسے وہ کسی دوسرے سیارے کی رہنے والی ہو۔
''دراصل شرمین اپنے مزاج کے مطابق چلتی ہے۔ ہم کہیں تو کسی کام کا جواب نہیں دیتی، حالانکہ میں نے دو تین بار کہا تھا کہ مجھے بھوک لگی ہے۔''
وہ صفائی دے رہا تھا یا جانے اسے بہلا پھسلا رہا تھا، ایک نظر اس نے ٹک کر اپنے میاں کو دیکھا۔
''بچی ہے اور نادان بھی آہستہ آہستہ خود ہی سمجھ جائے گی۔'' وہ خود اپنے کہے کی وضاحتوں کے چکر میں بھی پڑا ہوا تھا۔ کیسے تیزی سے وہ تپ جاتا اور پھر یک دم ہی اپنے آپ کو دبا لیتا اور اس کی طبیعت کی یہ چال اب آصفہ کی سمجھ میں آنے لگی تھی اسی لیے اب بہت بری بھی لگنے لگی تھی۔
کھانا ختم کر کے وہ برتن سمیٹنے اور بچا ہوا کھانا فریج میں رکھنے میں اس کی مدد کرنے لگا۔ اگر ابھی دن چڑھا ہوا ہوتا اور سورج سر پر ہوتا تو وہ قطعی اس کی اتنی باتیں سن کر یوں نرمی نہ دکھاتا۔ بلکہ شاید وہ ہی تپتا سورج اس کی ہتھیلی پر رکھ کر خود رفو چکر ہو جاتا لیکن یہ تو رات تھی۔ اس کی بھوک اور پیاس مٹانے کا وقت۔۔۔!

دوسرے دن صبح روحیل اس سے یوں ہی پیش آیا جیسے اس سے ملنا اور بات کرنا اسے ہرگز پسند نہ ہو اور شام کو وہ راولپنڈی اپنے میس چلا گیا۔
وہ کڑھتی رہ گئی، ادھوری اور ان کہی باتوں کا ملال سخت تھا۔ کبھی کبھی اس کا اعتبار بھی کھونے لگتا، روحیل اسے یونہی بے وقوف بنا رہا تھا۔ وقتی ہمدردی نبھا کر چلا گیا۔
اور جو اگلی رات کو اس نے شرجیل کو اتنا سنایا تھا، اس کا اثر یہ ہوا کہ دو دن بعد پھر شرجیل رات گیارہ بجے گھر آیا تو وہ ابھی اپنے کمرے میں آئی ہی تھی۔ شرجیل سیدھا اس کے پاس ہی آیا۔
''مجھے کھانا دے دو۔ بھوک بہت لگ رہی ہے۔''
اس نے اپنے بال سلجھانے کے لیے کھولے ہی تھے۔ سیاہ چمکتے بال اس کے شانوں پر بکھرے اتنے حسین لگ رہے تھے کہ اس کا چہرہ معصوم خوب صورتی کے ساتھ جگمگانے لگا۔
''جی اچھا۔'' کہہ کر وہ انگلیوں سے ہی بالوں کو ترتیب دے کر سمیٹنے لگی۔
''ارے ان کو کھلا ہی چھوڑ دو نا، کس سے چھپا کر رکھتی ہو بھئی۔'' شرجیل نے کلپ اس کے ہاتھ

سے جھپٹ لیا اور اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

''پلیز شرجیل! کمرے سے باہر تو یوں بال بکھرائے نہیں جاؤں گی نا۔''

''تو کیا ہوا، شرمین کو دیکھو ہر وقت بال کھلے رکھے گھومتی رہتی ہے۔'' وہ ضد کرنے لگا۔

''مجھے عادت نہیں ہے، میں زیادہ تر وقت تو کچن میں ہی رہتی ہوں پھر کام کاج میں کتنی الجھن ہوگی آپ خود سوچیں۔'' وہ الجھنے لگی، اس کی عجیب سی ضدیں تھیں۔

''افوہ! ابھی کون سے کام کاج ہیں تمہارے، بس مجھے یوں اچھے لگ رہے ہیں تمہارے بال۔'' شرجیل نے چہرے پر آئی اس کی زلفوں کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''شرجیل! پتا نہیں سب کیا کہیں، دیکھیں مجھے اچھا نہیں لگے گا۔'' اف اسے وحشت سی ہونے لگی، عالیہ آنٹی کی نظروں اور شرمین کے طنز بھرے جملوں کو سوچ کر۔

''اونہہ، تمہیں تو کبھی اچھا ہی نہیں لگا میرے گھر والوں کا کچھ بھی کہنا سننا۔ مجال ہے جو میری کوئی بات مان لو۔'' وہ کلپ اس کے قدموں میں پھینک کر باتھ روم میں چلا گیا۔

اس نے جلدی سے بال سمیٹے اور کمرے سے باہر آ گئی۔ بھلا یوں بال بکھرائے وہ رات کے اس وقت گھر بھر میں پھرتی تو شرمین کیا کچھ نہ کہہ ڈالتی، شاید عالیہ آنٹی بھی چپ نہ رہتیں۔ کھانا جلدی جلدی میز پر رکھا ہی تھا اس نے کہ شرجیل آ گیا اور اسے دیکھ کر منہ پھلا لیا۔

اس نے سوچا کہ وہ شرجیل کو منانے لگی، کمرے میں جا کر وہ پلٹ کر فریج میں سے پانی نکالنے گئی تو پیچھے سے شرمین کی آواز آئی۔

''اف بھائی جان! کھانا بعد میں کھا لیتے نا۔ امی جان بہت ناراض ہو رہی ہیں۔'' اس نے دیکھا شرمین جوتے پہنے، کھلے بال سلجھاتی اپنے بھائی کو پکار رہی تھی۔

''بس تم لوگ گاڑی میں بیٹھو، میں پانچ منٹ میں آیا۔'' وہ جلدی جلدی نوالے لینے لگا۔

''لیجیے، گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرتے ہوئے تو امی جان کی گھبراہٹ اور بڑھ جائے گی۔''

''ارے بس جلدی تو کر رہا ہوں، کھانا پورا کرنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔'' وہ اتنی عجلت میں نوالے چبا رہا تھا کہ دیکھ کر اسے جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔

''کھانا تو آرام سے کھائیں، حلق میں پھنس جائے گا۔'' وہ بولے بنا رہ نہ سکی۔

''آپ کو کیا ہو گیا ہے بھابھی! میں کہہ رہی ہوں، امی جان کی طبیعت گھبرا رہی ہے، بھائی جان جلدی کریں اور آپ الٹا کہہ رہی ہیں۔ آہستہ کھائیں۔''

''مگر شرمین! وہ انسان ہی تو ہیں، تھکے ہارے بھی ہیں، اس طرح جلد بازی میں کھانا کھائیں گے تو ہاضمہ ہی خراب ہو جائے گا کہ نہیں۔''

''جائیں جائیں۔ بس آپ میرے منہ نہ لگیں، اپنا کام کریں۔'' منہ در منہ بدتمیزی کر کے وہ پلٹنے لگی۔

''بس چھوڑیں نا کھانا بھائی جان! راستے میں کچھ برگر وغیرہ کھا لیجیے گا۔'' وہ جاتے جاتے پھر بولی۔

''آپ آرہے ہیں یا میں امی جان سے کہہ دوں کہ نہیں آرہے۔''

جواب سنے بغیر وہ چل دی اور اس کے پیچھے ہی شرجیل کھانا چھوڑ کر تیزی سے چل پڑا۔ میز کے اس طرف کھڑی ہوئی آصفہ پر اس کی نظر ہی نہ پڑی یا اس نے نظر ڈالنی ہی نہ چاہی۔ اس نے دیکھا اگلے لمحے اپنی ماں کے کمرے سے نکل کر ہاتھ ٹشو سے صاف کرتا وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا گیٹ کی طرف چلا گیا۔

عالیہ آنٹی اور شرمین بھی ساتھ ہی نکلیں، تینوں میں سے کسی نے بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، میز پر ادھورا بکھرا کھانا اسے دہائی دیتا یا سچے کھرے اس کے جذبات شرجیل کو کوستے۔ وہی اپنے حق کا راستہ ڈھونڈتی اس کی سوچ۔ شرجیل کی اس پتھریلے میدان ایسی دنیا میں وہ اپنی جگہ کہاں کہاں تلاش کرے گی۔ کیسا بے مایہ جانا شرجیل نے اس کے وجود کو، پروا بھی نہ کی اور چلا گیا، اگر کہیں گھومنے پھرنے ہی وہ لوگ جا رہے تھے تو اس کو ساتھ لے جانے میں کیا حرج تھا۔

ناپسندیدگی کے احساس تلے مار دینا چاہتی تھیں عالیہ آنٹی اسے، وہی تو تھیں کہ۔ جب اس کا رشتہ لے کر آئی تھیں اور ایک سے دوسری دفعہ میں اس کے گھر والوں کی طرف سے انہیں یہ جواب ملا تھا کہ ابھی سوچ رہے ہیں تو کیسے لاڈ سے بولی تھیں۔

''بس جلال بھائی! اپنے آنگن کا یہ چاند آپ کو مجھے دینا ضرور ہے، بڑے سپنے سجا رکھے ہیں میں نے اس کے لیے۔''

یہ تھے ان کے سپنے! چاند کو کیا ماند کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا؟

کچن سے نکل کر لان میں جاتے ہوئے اس کا جی چاہا وہیں لان میں گھاس پر بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر روئے، کچھ نہیں تو آسمان کے تارے ہی اس کی تنہائی اور بے بسی کو دیکھیں۔

آخر اس کی طبیعت کی گھبراہٹ کا بھی کوئی علاج تھا یا نہیں لیکن اتنی کہاں ہمت والی تھی وہ کہ کھلے آسمان کے نیچے بیٹھ کر رو بھی لیتی۔ اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر کے روئی اور شرجیل کے واپس آنے تک روتی رہی، جانے شرجیل جلدی واپس آ گیا یا اسے وقت کے گزرنے کا احساس نہ ہوا کمرے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا، وہ یونہی لاک گھما کر اندر آ گیا۔

وہ سسکیاں بھر بھر کر روتے روتے تھم سی گئی، سر اٹھا کر اسے دیکھا، شرجیل کی نظر اسی پر تھی، اس کا پورا چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا۔

وہ عادت کے مطابق چڑ سا گیا، وہی جوتے موزے، شرٹ، تولیہ اِدھر اُدھر پھینک کر فریج میں سے خود ہی ٹھنڈا پانی نکالا اور پی لیا۔ اور پھر دوبارہ فریج کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ یقیناً اسے بھوک لگی ہوگی مگر اس نے پروانہ کی، منہ دوسری طرف کیے پڑی رہی، فریج میں اسے کچھ نہ ملا تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ کمرے میں فریج کے اندر تو کوئی چیز رکھی ہی نہ ہوتی تھی، کوئی پھل فروٹ، میٹھا یا کوئی اور چیز ساس نے کبھی دیا، نہ شرجیل ہی شروع کے چند دنوں میں دو تین بار کے علاوہ کبھی کوئی چیز سیدھا باہر سے کمرے کے اندر لایا۔

کچن میں البتہ بہت سا کھانا رکھا تھا، مگر اس نے سب سمیٹ کر فریج میں رکھ دیا تھا۔ ایک لمحے کو اس کے دل نے کہا اسے شرجیل کے پیچھے جانا چاہیے پھر فوراً ہی دماغ نے سرزنش کی۔

''اونہہ! وہ کون سی تمہاری پروا کیا کرتا ہے، اگر تم اس کی یونہی پروا کرتی رہیں تو وہ ساری عمر یونہی تم سے حقوق میرے اور فرائض تمہارے والا کھیل کھیلتا رہے گا۔''

لیکن اگلے لمحے وہ اٹھ کر کچن کی طرف جا رہی تھی۔ محبت اسے شرجیل سے جنونی تھی، مروت اس کے اندر بہت وافر مقدار میں تھی اور خلوص کے تو وہ خزانے لٹاتے لٹاتے خود لٹ جائے اتنی دلیر تھی۔

وہ سچ مچ فرائی پین چولہے پر رکھ کر برنر کا پورا بٹن گھمائے چار قدم دور سے تیلیاں جلا جلا کر اس میں پھینک رہا تھا، کوئی تیلی برنر کے اندر جا نہ رہی تھی اور گیس کی بدبو پورے کچن میں پھیلنے لگی تھی۔

وہ بڑھ کر بٹن آف کرنے ہی لگی تھی کہ یک دم ایک تیلی سیدھی گیس کے برنر پر پڑی اور چولہا بری طرح بھڑک کر جلا۔ تیز آنچ آصفہ کے چہرے اور آنکھوں تک آئی لیکن شرجیل نے فوراً کھینچ کر اسے پیچھے کر لیا۔ وہ خود بھی سہم گئی تھی۔ اس کا دل بے تحاشا دھڑک رہا تھا۔

''تم کیسے درمیان میں آ گئیں؟'' ایک لمحے کے لیے شرجیل بھی گھبرا گیا۔

''آپ کو بھوک لگی تھی اور کھانا سب فریج میں رکھا تھا، آپ کو ٹھنڈا کھانا بھی پسند نہیں ہے نا۔'' شرجیل کے ہاتھ ابھی تک اس کے کندھے پر تھے۔

''لیکن تم اتنی اچانک چولہے کے قریب آ گئیں، اگر کچھ ہو جاتا تو۔'' شرجیل کے لہجے کی بے تابی اسے اتنی بھلی لگی۔ اس نے سوچا کاش اسے کچھ ہو ہی جاتا۔

''تو بیٹھے بٹھائے اس مصیبت سے آپ کو چھٹکارا مل جاتا۔'' اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''آصفہ! ایسی بات آئندہ کبھی نہ کہنا۔'' وہ کہہ کر تیزی سے پلٹ گیا۔

اس کا جی چاہا، وہ ہر غم بھول جائے۔ جھوم جھوم کر گنگنائے اور گنگنا کر اعلان کرے کہ دیکھو وہ کسی پتھر سے عشق نہیں کرتی۔

اس شخص کے سینے میں دل دھڑکتا ہے۔

اس شخص کے بدن میں بھی چاہت کا ایک دیا لو دیتا ہے۔

اس کانچ میں بھی آنچ ہے۔۔۔

''آپ صرف کباب کھائیں گے۔'' اس نے کچن کے دروازے میں کھڑے شرجیل سے پوچھا اس نے صرف شامی کباب کی پلیٹ فریج میں سے نکال کر اوون کے پاس رکھی تھی۔ سکون سے تیلی جلا کر اس نے برنر کا بٹن تھوڑا سا گھماتے ہوئے چولہا جلایا۔

ارے تم ہاتھ برنر کے اتنا قریب کیسے لے جاتی ہو، تپش نہیں آتی۔'' اس کا طریقہ دیکھ کر اس نے پوچھا۔

''تو کیا آپ کی طرح اتنے فٹ دور رہ کر نشانے لگاتے ہیں۔ نشانہ لگانے میں زیادہ دیر لگ جائے تو گیس پورے کچن میں پھیل جائے اور آگ ہی لگ جائے۔''

''توبہ توبہ اتنا خطرناک کام ہے، اس سے بہتر ہے آدمی ٹھنڈا ہی کھانا کھا لے۔''

''سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ آدمی وقت پر کھانا کھائے۔''

''بس یہ دو کباب ڈبل روٹی میں رکھ کر دے دو۔'' اس نے سر ہلا کر ڈبل روٹی نکالی۔ ''زیادہ

بھوک نہیں ہے، اچھا خاصا تو میں نے کھا ہی لیا تھا۔ وہ شرمین جان کو آ گئی تھی نا۔''

''آپ جان دل ہتھیلی پر لیے ہر وقت حاضر جو رہتے۔'' اس کا جی چاہا کہ، کہے لیکن نہ کہا۔ شرجیل کا موڈ بگڑتے دیر نہ لگتی تھی اور ابھی وہ اس کے کہے ایک اچھے جملے کے سرور سے نکلنا نہیں چاہ رہی تھی۔

پلیٹ لے کر وہ کمرے میں ہی جانے لگا تو وہ بھی چند چیزیں سمیٹ کر کچن کی لائٹ آف کر کے جلدی سے اس کے پیچھے آئی، لاؤنج سے نکل کر کنارے پر کھڑے ہو کر اس نے اس کا انتظار کیا تھا۔

ابھی وہ کمرے میں پہنچے ہی تھے کہ شرجیل کے موبائل کی گھنٹی بجی۔

''ہیلو کون؟ ہاں کہو ابھی؟ نہیں پلیز ابھی میری طبیعت کچھ اچھی نہیں، تم ڈاکٹر ارشد کو کال کر لو، دیکھو اگر وہ نہ آ سکیں تو مجھے کال کرنا۔''

''بس ڈاکٹر بننے میں یہ بڑی خرابی ہے۔'' فون آف کر کے اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''مگر مجھے ڈاکٹرز بہت اچھے لگتے ہیں۔''

''ہیں کیا سارے ڈاکٹرز اچھے لگتے ہیں۔'' وہ ہنسا

اس کا مزاج آج جانے کیسے اتنا ہموار اور ہلکا پھلکا تھا۔ حالانکہ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے آصفہ کو سسک سسک کر روتے بھی دیکھا تھا۔ یعنی وہ اس کے رونے سے آج چڑا بھی نہیں تھا۔

''نہیں بھئی، مجھے تو آپ ہی سب سے زیادہ اچھے لگتے ہیں۔''

وہ اظہار کے معاملے میں نری کنجوس ہو گی تھی شاید حالات ایسے ہو رہے تھے، بہت مشکل سے ایسی کوئی اس بات اس کے منہ سے نکل پاتی۔

''مطلب ابھی بھی گنجائش ہے کہ آپ سب سے اچھے اور باقی سب بھی اچھے۔'' وہ یونہی ہنس رہا تھا۔

''اوہ کیا مشکل ہے، آپ کیوں زبان پکڑ رہے ہیں۔'' وہ الجھی تو اس نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔

''تم سے بات کرنے میں تو بڑا مزا آتا ہے، مجھے اندازہ ہی نہیں تھا۔''

''آپ کے پاس وقت کہاں ہے ایسے اندازوں کے لیے۔''

''یہ ٹھیک ہے مگر کیا کیا جائے، تمہیں ڈاکٹرز پسند ہیں۔''

''ہوں ڈاکٹری کی آڑ میں بہت کچھ کر جاتے ہیں۔'' وہ شکوہ کرنے لگی۔

''دیکھو آصفہ! جن باتوں کو تم اپنے اوپر سوار کر رہی ہو، وہ کبھی بدلیں گی نہیں، میں اپنی ماں کی کوئی بات کبھی ٹال ہی نہیں سکتا، نہ شرمین کو خفا کر سکتا ہوں۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''چاہے جائز ہو کہ ناجائز۔'' وہ کہہ گئی۔ سامنے والے کے مزاج میں لچک دیکھ کر ہی دوسرا ہمت باندھ سکتا ہے۔

''ہاں ہر جائز و ناجائز، تم اسے میری مجبوری کہو یا کمزوری، یہاں تک کہ اگر کوئی سڑک پر پڑا سسک کر مر رہا ہو اور مجھے میری ماں پکارے تو میں اس مرتے ہوئے بندے کو نہ دیکھوں، اپنی ماں کی آواز پر دوڑ جاؤں۔''

شرجیل کی آواز کی لرزش اسے بتا رہی تھی کہ وہ خود اتنا سفاک نہیں تھا، اس کی سوچ سفاک تھی اور یہ

سوچ اس کے اندر زہر کی طرح رگ رگ میں بھر دی گئی تھی۔
''شرجیل! وہ کوئی بھی میں بھی ہو سکتی ہوں۔''
''تم اتنی pessimist (قنوطی) کیوں ہو رہی ہو آصفہ؟''
''یہ آپ کی انتہا پسندی کا جواب ہے شرجیل۔''
''امی جان کی عجیب سی طبیعت ہے آصفہ! انہیں کوئی چیز کبھی یک دم اچھی لگ جاتی ہے، اور کوئی چیز پہلی نظر میں ہی ایک دم بری۔'' وہ بالکل چپ ہو گئی۔
''پتا نہیں تم کیوں انہیں پہلے دن سے بری لگ گئیں۔''
''حالانکہ انہوں نے خود مجھے بہت چاؤ سے پسند کیا تھا۔'' وہ کہتی مگر اب اس کو کچھ کہنا بھلا نہیں لگا۔
''شاید اس لیے کہ تم ان کے سب سے چہیتے بیٹے کی زندگی میں حصے دار بن کر آ گئی ہو۔''
وہ اتنا زیادہ اپنی ماں کی نفسیات کو سمجھتا تھا مگر پھر بھی یوں بے عمل تھا۔ سچ ہے وہ علم رائیگاں ہی ہے جو بندے کو آگاہ رکھے مگر آمادہ نہ کرا سکے عمل کے لیے۔
''آپ اکلوتے تو نہیں ہیں۔'' بہت کچھ کہنے کی ہوس کو اس نے ایک طرف رکھ چھوڑا۔
''نہیں مگر میں ان کا بہت لاڈلا ہوں۔ آصفہ! تم نہیں جانتیں امی جان مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں کہ شاید اتنی محبت کوئی ماں اپنی اولاد سے نہ کر سکے۔'' بس وہ کچھ ہی دیر کے لیے اپنی ماں کے سحر سے نکلا تھا اسی لیے اس کی طرف دیکھ کر اس سے اتنی باتیں کر ڈالیں۔
''محبت اسے کہتے ہیں۔'' نری خود غرضی۔۔۔ اس کی زبان سے پھسلا لیکن آگے جا کر اس نے اپنی زبان پکڑ لی، اگلی بات اس نے صرف سوچی۔
''ہاں تم نہیں سمجھ سکو گی نا۔ تم نے ان کی محبت دیکھی نہیں ہے، اگر میں انہیں چھوڑ دوں تو وہ دنیا چھوڑ دیں۔''
اب اسے سامنے بیٹھی آصفہ شاید نظر ہی نہ آ رہی تھی، وہ بری طرح اپنی ماں کی محبت کے آسیب میں جکڑا جا چکا تھا۔
تھوڑی دیر کے لیے کیسے نکلا تھا، یہ بھی سوچنے والی بات ہی تھی۔
یہ محبت آسیب ہی تو تھی مگر یہاں تک کہ تو وہ کبھی نہ مانے گا۔
حقوق انسانیت، مروت، ہمدردی، جس جذبے کے آگے اتنے سارے اچھے اعمال داؤ پر لگ جائیں، کیا اسے محبت کہتے ہیں۔۔۔ اور وہ بھی ماں کی محبت۔۔۔ ماں، عرش کا تحفہ۔
جنت کا دروازہ۔
زمین پر بھیجا جانے والا انسان کے لیے اللہ کا انمول ترین عطیہ۔
یہی ماں جب ساس بنے تو محبت کے معنی ہی بدل کر رکھ دے۔
ایثار، قربانی، خدمت، احسان۔۔۔ کچھ بھی باقی نہ رہے۔
ہر لفظ کا مطلب ہی الٹ جائے۔
ایک انسان اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں کتنے لوگوں کا نور نظر ٹھہرتا ہے، بچہ ہو تو ماں باپ کے

جگر کا ٹکڑا، جوان ہو تو بیوی کا دلبر اور دلدار۔۔۔اور بوڑھا ہو تو اولاد کے لیے ٹھنڈی چھاؤں، یہ سارے نظام اللہ نے بنائے ہیں۔

مگر بندہ کتنی بے باکی سے اس نظام میں خلل ڈال لیتا ہے۔

انسان کوئی مٹھی میں قید کر کے رکھنے والی چیز تو نہیں۔

مگر بے رحم لوگ ضد کرتے ہیں، اصولوں کو توڑتے ہیں اور دوسروں کو دکھ دے کر خود افسردہ نہیں ہوتے۔

آج شرجیل کروٹ بدل کر منہ پھیرے سو گیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آصفہ کا جی چاہا تھا کہ شرجیل آج جاگے۔

''اچھا آج تم میکے جا رہی ہو۔'' عالیہ آنٹی نے منہ بنایا۔

''جی آنٹی! میں نے کل صبح کہہ دیا تھا نا آپ سے۔'' اس نے آج جلدی جلدی ناشتا بنا کر ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔

جس دن اسے امی کے ہاں جانا ہوتا، شرجیل اتنی جلدی مچاتا کہ وہ خوامخواہ بوکھلا جاتی۔

''میں رکوں گا نہیں۔''

''میں دس بجے نکل جاؤں گا۔'' حتیٰ کہ کبھی آٹھ یا نو بجے نکلنا ہوتا تو بھی یونہی نعرے لگاتا۔

''میں پانچ منٹ بھی انتظار نہیں کروں گا۔'' آتے جاتے شرجیل اسے بولاتا رہتا۔ نتیجہ وہ آدھے راستے میں کام بھول جاتی، کچن میں ہوتی تو کمرے کے کام دہراتی۔ کمرے میں جاتی تو کچن کے کام بھول جاتی، مگر پھر بھی جلدی جلدی کرتی رہتی۔

''مجھے تو یاد بھی نہیں رہا کہ سکینہ کو جلدی آنے کا کہہ دوں، آج تو شرمین کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے، وہ کیسے کھانا وغیرہ بنائے گی۔''

''امی جان! ابھی آ ہی جائے گی سکینہ۔'' ساڑھے نو بج رہے تھے اور وہ تقریباً تیار ہو ہی چکی تھی۔ بس شرجیل کو ناشتا دینا باقی تھا۔

''تو سکینہ کھانا تو نہیں بنائے گی۔'' انہوں نے کہا تو وہ پریشان ہو گئی۔ انہیں کیا جواب دے۔

''چلو ناشتا کہاں ہے، میں تیار ہوں آصفہ۔'' اسی وقت شرجیل نے آواز دی۔ اس نے ناشتا فوراً لگا دیا لیکن اسے سوجھ نہیں رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

تھوڑی دیر اور گزر گئی، سکینہ بھی آ گئی لیکن پھر آنٹی نے کچھ اور کہا نہیں۔

وہ اپنا کمرا ٹھیک کر کے اور بیگ لے کے آ گئی اور بس اب عالیہ آنٹی کو کرنٹ لگ گیا۔

''ادھر شرمین بیمار پڑی ہے اور اسے جانے کی اتنی جلدی ہے، میں نے ابھی بتایا نہیں تھا تمہیں۔'' چائے پیتا شرجیل بدک گیا۔

''کیوں تم نے جواب نہیں دیا امی جان کو۔۔۔؟'' شرجیل نے آدھی پوری بات ماں کی سنی بھی نہیں اور اسے جھڑکنے لگا۔

''ٹھیک ہے، آپ رکیں تو میں جلدی جلدی آدھے گھنٹے میں سالن بنا لیتی ہوں۔''

''افوہ! انداز احسان مندی دیکھو اس لڑکی کا، جیسے یہ سالن نہ پکائے گی تو ہم بھوکے مر جائیں گے۔'' عالیہ آنٹی اس کے کسی انداز سے کبھی خوش ہی نہ ہوتی تھیں۔

''کھانا پکانے کا ہی مسئلہ ہے نا آنٹی۔''

''تو یوں آدھے گھنٹے میں کھانا پکتا ہے؟'' وہ ان کی شکل دیکھنے لگی اس طرح کہ پھر آپ ہی بتا دیں کہ کیا کروں۔

''ارے آج مت جاؤ نا، ضروری ہے کہ ہر ہفتے پندرہ دن میں میکے کی شکل دیکھی جائے۔'' شرجیل سے اسے اور کوئی توقع کیا ہو سکتی تھی۔

''شرجیل پلیز! پچھلے ہفتے بھی تو نہیں گئی، میں کھانا جلدی جلدی پکا لیتی ہوں نا۔''

''ارے پھر جلدی کا درد پڑھا جس بات سے مجھے چڑ ہے وہی دہرا رہی ہے۔''

''ٹھیک ہے آصفہ! بس آج مت جاؤ ویسے بھی اب تمہیں آنا جانا کم کر دینا چاہیے۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے کمرے کی طرف چلا گیا۔

''بھلا اب کیوں کم کر دینا چاہیے، اب ہی تو اس کے آنے جانے کے دن تھے لیکن وہ یہ باتیں کہاں شرجیل کو سمجھا سکتی تھی مگر پھر بھی وہ شرجیل کے پیچھے لپکی۔

''پلیز شرجیل! آپ کہیں نا امی جان سے، وہ میری مدد کریں گی تو میں سارا کام ابھی۔۔۔''

وہ رک گئی وہ پھر جلدی کا لفظ استعمال کرنے والی تھی، ماں الرجی تھی تو بیٹا بھی ابھی زچ ہو جائے گا مگر اب وہ جھنجلا رہی تھی اس کا بہت دل تھا کہ ضرور میکے جائے، بس ایک یہی خوشی تو اس کی اپنی اس کے پاس رہ گئی تھی، اب اس میں بھی خلل ڈالا جانے لگا تھا۔

''شرجیل! میں جب میکے جاتی ہوں تو اکثر امی ہی کھانا پکاتی ہیں، وہ خود بتا رہی تھیں۔''

وہ چپ رہا اور کمرے سے اپنا بریف کیس اور موبائل لے کر پلٹنے لگا تو وہ چڑ گئی۔

''افوہ! جب میں نہیں تھی، تب بھی تو سارے گھر والے کھانا کھاتے تھے یا نہیں۔''

''فضول بحث مت کرو، تم جانتی ہو، میں تمہاری بات نہیں سنوں گا۔'' وہ باہر نکل گیا۔ وہ پھر اس کے پیچھے گئی مگر وہ بہت تیزی میں تھا۔

''ٹھیک ہے امی! آج آصفہ نہیں جا رہی، اگلے ہفتے چلی جائے گی۔'' اونہہ آصفہ کبھی بھی نہ جائے تو بھی اسے کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔ شرجیل کے بے پروا لہجے پر وہ جل ہی گئی۔

''نہیں بھئی، یہ کیوں کہا کہ نہ جائے! اس سے کہو اپنے گھر فون کر کے کہہ دے کہ بارہ بجے تک اس کا بھائی آ کر اسے لے جائے گا، جب تک گھر کا کام بھی ہو جائے گا، بھلا میں اسے اپنی ماں کے گھر جانے سے کیوں روکنے لگی۔''

عالیہ آنٹی نے کہا تو شرجیل فوراً راضی ہو گیا۔

''یہ ٹھیک ہے، بلکہ آصفہ! میں خود ہی فون کر دیتا ہوں اور یہ کہہ دیتا ہوں کہ میں صبح ایمرجنسی کی وجہ سے ہسپتال جلدی چلا گیا اس لیے آپ آصفہ کو بارہ بجے تک بلا لیں۔''

اس نے سر ہلا دیا۔ اس سے کسی طرح پوچھا نہ گیا۔ بس اس کی مرضی کی سراسر توہین ہوتی اور وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔

''ارے بھابھی! میں آپ کو بتانا تو بھول ہی گئی۔'' بالآخر جب سب کام نمٹا کر وہ فارغ ہوئی تھی اور وقار اسے لینے کے لیے گیٹ پر آیا کھڑا ہوا تھا اور جاتے جاتے آنٹی کو اللہ حافظ کہہ کر وہ شرمین کو اللہ حافظ کہنے لگی تو اچانک وہ اپنے سر پر ہاتھ مار کر بولی تھی۔ وہ سمجھی اب پھر سے کوئی کام یاد آیا ہوگا۔

''وہ پرسوں تہنیت کا فون آیا تھا، وہ بتا رہی تھی کہ طلعت کی منگنی ہو رہی ہے۔''

وہ بے زاری سے سنتے سنتے یکا یک پورے حواس جمع کر کے بات سن کر سن رہ گئی، جیسے ایک جملہ سنتی ہی رہ گئی۔

''آپ کو پتا تو ہوگا کہ اس کی بات چل رہی ہے۔'' شرمین نے پھر کہا۔

''نہیں مجھے کیسے پتا چل سکتا ہے۔''

''ایسے ہی آپ ٹال رہی ہیں ورنہ آپ کو پتا ضرور ہوگا۔''

شرمین کی اپنی رٹ تھی اور اس کے دل کی اپنی رٹ کہ کیسے اس کے نصیب نے اس کو ایسا بے خبر و بے خیال کر دیا تھا۔

''طلعت کی منگنی۔۔۔!'' وہ سمجھی وہ شاید ابھی رو پڑے گی۔

''اچھا اللہ حافظ۔'' کچھ کہے سنے بنا اس نے اللہ حافظ کہہ دیا۔

''میں تو امینہ بھابھی کے ہاں فون کر کے مبارک باد دے چکی ہوں، تم بھی سب کو اپنی اور میری طرف سے پھر مبارک باد دے دینا۔'' وہ سر ہلا کر وہاں سے نکل گئی۔

''ارے بھائی جان آپ؟''

وہ سمجھی وقار اسے لینے آیا ہوگا۔ یہ بھی حقیقت تھی اسے کیسے پتا چل سکتا تھا کہ بھائی جان کب آئے اور کب گئے۔ یہ وہ دکھ ہیں جو نہ کسی کو دکھائے جا سکتے ہیں نہ سنائے جا سکتے ہیں۔ وہ میکہ یعنی وہ گھر جس کا پتا بھی اس کے کان میں سرسراہٹ کیے بغیر نہ ہلا کرتا تھا۔ وہاں اب صبح سے شام میں نقشہ بدل جاتا، اسے خبر نہ ہوتی۔ پرایا جو ہو گیا تھا وہ گھر اس کے لیے۔ سسرال پرایا ہے اور میکہ بھی پرایا اور وہ خود شاید کہیں کی نہیں ہے۔

''بیٹا! طلعت کی بات طے ہو رہی ہے نا آج، اس لیے بڑے ماموں نے مجھے خاص طور پر بلوایا ہے۔ صبح گیارہ بجے تو پہنچا ہوں کراچی۔''

اچانک ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، سر کو تھوڑا سا جھکا کر دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے وہ شدت سے رو رہی تھی۔

''آصفہ بیٹا! کیا بات ہے، کیا ہوا ہے؟'' بھائی جان نے لمبی سڑک کے سنسان پچھلے کنارے پر گاڑی روک دی۔ وہ یونہی روتی رہی اور تھوڑی دیر کے لیے بھائی جان نے بھی اسے پھر کچھ نہ کہا۔

''آصفہ گڑیا! ہم سڑک پر کھڑے ہیں، بس اب چپ ہو جاؤ۔'' اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اب بھائی جان نے کہا تو وہ چپ ہو گئی۔ اپنے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''سوری بھائی جان! طلعت کی منگنی ہورہی ہے اور مجھے پتا بھی نہ چلا، بس اسی لیے رونا آ گیا۔''

''آصفہ! ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر یوں نہیں روتے۔'' وہ جانتے تھے کہ صرف یہ اتنی چھوٹی بات نہ ہوگی، اس سے پچھلا بہت سارا غبار ہوگا ان کی بہن کے دل میں مگر وہ خود مجبور تھے۔۔۔ اور کاش وہ اتنے مجبور نہ ہوتے۔

پھر اسے پتا چلا عاصمہ باجی نے دوبارا سے فون کیا تھا۔ تہنیت بھی فون کر چکی تھی اور صبح امی جان نے بھی شرجیل کو فون کر کے کہا تھا کہ آصفہ کو طلعت کی منگنی کے بارے میں ضرور بتا دے اور اس دن اسے جلدی بھی بھیجے کہ امینہ خالہ کے ہاں ان لوگوں کو جانا تھا مگر اسے کچھ بھی نہ بتایا گیا تھا۔ شرجیل بھی اگر گھر سے نکل گیا تھا تو فون پر اسے اطلاع دے سکتا تھا۔ لیکن سارے شکوے اس کے اپنے رہ گئے، وہ سنتی رہی کہ اسے کم سے کم طلعت کو فون کر کے مبارک باد ضرور دینا چاہیے تھا۔

''میں تمہاری جگہ ہوتی تو دوڑی ہوئی اپنی چہیتی سہیلی کو مبارک باد دینے جاتی۔'' کسی نے یہ بھی کہا بس وہ اس دن سارا وقت خاموش رہی۔ طلعت ناراض تھی، اس لیے وہ بھی اس سے کچھ نہ بولی، تہنیت کے پاس شاید وقت نہیں تھا اور سب ہی مصروف تھے۔

آپ سے مل کر ہم کچھ بدل سے گئے شعر پڑھنے لگنے گنگنانے لگے
پہلے مشہور تھی اپنی سنجیدگی، اب تو جب دیکھیے مسکرانے لگے
ہم کو لوگوں سے ملنے کا کب شوق تھا، محفل آرائی کا کب ہمیں ذوق تھا
آپ کے واسطے ہم نے یہ بھی کیا ملنے جلنے لگے آنے جانے لگے
ہم نے جب آپ کی دیکھی دلچسپیاں، آ گئیں چند ہم میں بھی تبدیلیاں
اک مصور سے بھی ہوگئی دوستی اور غزلیں بھی سننے سنانے لگے
آپ سے مل کر ہم بھی کچھ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

طلعت سارا راستہ بے چین سی صورت حال میں مبتلا رہی اور جواد مسلسل اگلی سیٹ پر بیٹھا شیشے کو اپنے موڈ کے مطابق دائیں بائیں رخ موڑتا طلعت کے ہر زاویے پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ نصرت فتح علی خان کی آواز میں بجتا پورا گیت اس نے خود بھی گنگنایا تھا۔ جتنی بار بھی چہرہ اوپر کیا اس کی نظر بھی بیک ویو مرر پر ہی پڑی تھی۔ جواد کے ہلتے ہونٹ جب وہ دیکھتی، وہ جان بوجھ کر مسکرانے لگتا تھا۔

''اونہہ کیسا چھچھورا پن لگ رہا ہے۔''

وہ جی ہی جی میں بڑبڑاتی، جلتی کڑھتی چپ بیٹھی ہوئی تھی۔ جواد کی دونوں بہنیں، بھائی کی حرکت پر مزے سے لطف اندوز ہورہی تھیں اور اس کے بڑے بھائی کے دونوں بیٹے اٹھارہ سالہ عاطف اور بارہ سالہ واصف اپنی مستی اور مزاج میں مگن تھے۔ وہ آج اسے ہوٹل میں کھانا کھلانے لے جارہا تھا اور کھانا کیا کھلایا گیا بس وحید مراد کی رومینٹک فلم کا سین دہرایا جارہا تھا۔

''اونہہ مجنوں کہیں کا۔ کیسا عامیانہ پن لگ رہا تھا، میں نے امی کو پہلے ہی منع کیا تھا، مجھے اتنا تاؤ آرہا تھا ہر چیز پر، پورا وقت صاحبزادے پر ایسا سطحی چاکلیٹی ہیرو جیسا موڈ طاری رہا۔ مجھے نہیں پسند یہ

سب کچھ مگر امی اپنی سگی اولاد کو چھوڑ کر غیروں کی بات ماننے لگی ہیں۔''

گھر آ کر سارا چڑچڑا پن اس نے تہنیت پر انڈیلا۔

''آرام سے یار! تم نے ہوٹل میں چکن تکوں کی جگہ انگارے تو نہیں چبا لیے۔''

''انگارے تو میرا جی چاہ رہا تھا، اس کے سر پر رکھ دوں، کم بخت ایسے جھوم جھوم کر گیت گا رہا تھا جیسے اس کی شادی ہو رہی ہو۔'' وہ کسی طرح ٹھنڈی نہ ہو رہی تھی۔

''توبہ کرو طلعت! بندہ ابھی سے اتنا تمہاری محبت میں مبتلا ہو رہا ہے اور تم نخروں سے باز نہیں آ رہیں۔ ارے شادی ہی ہونے والی ہے اس کی، اور وہ خوش ہے اس کا مطلب ہے تمہارے نصیب اچھے ہیں، چاکلیٹی ہیرو پر تو لڑکیاں مرتی ہیں۔'' تہنیت ہنستے ہوئے اس کی کیفیت کو انجوائے کر رہی تھی۔

''مجھے نہیں ہے اس طرح کسی پر مرنے کا شوق سمجھیں، ہاں کہو تو اس جواد امیر کو ضرور قتل کر دوں۔''

اسے وہ وقت یاد کر کے تپ چڑھ رہی تھی۔ کیسے مزے سے وہ اسے دیکھے ہی چلا جا رہا تھا اور وہ ہوٹل کی میز پر بیٹھ کر بھی گنگناتا رہا۔

آپ سے مل کے ہم کچھ بدل سے گئے۔

بے وجہ کھلکھلانا، پھبتیاں کسنا اور گرم گرم چائے پیتے ہوئے جب اس نے کہا۔

''طلعت پلیز! کوئی اچھا سا گیت آپ بھی سنا دیں۔'' تو اس کا جی چاہا گرم گرم چائے کی پوری کیتلی ہی اس کے سر پر انڈیل دے۔

''ہاں بھابھی پلیز! آپ کی آواز تو بہت پیاری ہے۔''

''ہاں ہاں بھابھی! صرف ایک آدھ مصرعہ ہی سنا ڈالیں۔''

اس کی نندیں بھی یوں بھائی کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں کہ جیسے وہ ضرور چائنا ٹاؤن کے اس بھرے ڈائننگ ہال میں گانا گانے بیٹھ جائے گی، صرف جواد امیر کے کہنے پر۔

''سنا دیتیں نا، بے چارہ رات بھر اچھے اچھے خواب دیکھتا رہتا۔''

''تمہارا بہت دل مچل رہا ہے، نانی جان سے کہہ کر جلدی تمہاری شادی کرا دینی چاہیے۔''

وہ اپنی جھنجھلاہٹ تہنیت پر نکال رہی تھی اور وہ مسلسل ہنسی اڑانے میں لگی تھی پھر طلعت نے اسے بھی نہ بخشا۔

''نانی جان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے، میں تو اپنی شادی اپنی پسند اور مرضی سے کروں گی۔''

''لیجیے تم سب سے نرالی ہو کیا جو ایسے انوکھے خواب دیکھ رہی ہو۔۔۔!''

''ہر کسی کو اپنی پسند چننے کا حق ہونا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے، اب جب بڑے ماموں کے ہاں سب جمع ہوں تو اپنی رائے کا اظہار کر دینا۔''

''جب اپنا وقت آئے گا تو ضرور کر دوں گی۔''

جواد امیر کو چھوڑ کر طلعت بہن سے دوسرے موضوع پر بحث میں الجھ گئی۔

کسی کی آواز کے پیچھے چل کر

شام وسحر آوارہ ہو
چاک گریباں کس کے لیے ہو
زلف پریشان کب سے ہو
آبلہ پائی کس کے لیے
کون سا منظر درمیان میں ہے
خواب تمہارے دیدہ تر نے کیسے کیسے دیکھے ہیں
بچپن دور کھڑا ہنستا ہے
آئی شام جوانی کی

ناشتا بناتے بناتے وہ تیسری بار شرجیل کو اٹھانے کے لیے کمرے میں جا رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ اسے بے وجہ ہی تنگ کرنے لگتا تھا۔ تنگ تو مسلسل ہی کیا کرتا تھا۔ رکوئی بہانا ضرور ہر وقت تیار رکھتا اور جب بہانہ گھڑنے کی زحمت سے بھی جان بچاتا تو وہ بری طرح کڑھتی۔

''شرجیل پلیز! اب اٹھ جائیں۔ ساڑھے آٹھ بجنے والے ہیں۔''

حالانکہ وہ جانتا تھا کہ کچن سے چل کر یہاں تک آتے اس کا کتنا وقت برباد ہو رہا تھا۔ ناشتا بننے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

''بھئی، تم کیوں پیچھے پڑی ہوئی ہو۔ مجھے نہیں جانا آج اسپتال۔'' اس نے چڑ کر اسے ڈانٹا اور پھر تکیہ سر پر رکھ کر منہ چھپا لیا۔

''ہائیں! تو اتنی دیر سے بتایا کیوں نہیں، میں بے وجہ ایک کونے سے دوسرے کونے تک چکر کاٹ رہی ہوں۔''

وہ جل بھن کر رہ گئی۔ اسے ناشتا دینے کے لیے ہی تو وہ خود بھی کب سے اٹھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔

''نیند میں مدہوش پڑا ایک انسان تمہیں اپنا شیڈول بتاتا پھرے صرف اس لیے کہ تمہیں چند قدم ادھر اور چند قدم اُدھر چلنا بھاری لگ رہا ہے اور میری نیند جو ٹوٹ گئی۔''

تکیہ منہ پر سے ہٹا کر اٹھتے ہوئے اس نے وہی تکیہ اٹھا کر سامنے سیٹی پر اچھال دیا۔ مطلب یہ کہ اس کا غصہ دیکھ کر وہ اپنا غصہ بھول جائے۔

''قسم سے، کیسی ظالم عورت ہو، سونے نہیں دیتیں۔۔۔ اٹھا کے دم لیا۔۔۔'' وہ اسے گھور کر کہہ رہا تھا۔

''مگر شرجیل! اگر آپ کو اسپتال نہیں جانا تھا تو آپ مجھے بتا دیتے، آپ کی نیند بھی خراب نہ ہوتی اور میں بھی پریشانی سے بچ جاتی۔''

''اچھا اب ہر بات کے لیے مجھے تمہاری خوشنودی اور رضامندی کی ضرورت ہے۔'' اس کا وہی ستانے والا لہجہ تھا۔

''آپ ہر بات کا الٹا مطلب کیوں لیتے ہیں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''اس لیے بی بی آصفہ کہ ہم ٹھہرے الٹی کھوپڑی کے لوگ، تمہاری طرح سیدھی سچی راہ پر کہاں چل

سکیں گے۔اب مجھ پر مہربانی یہ کرو کہ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ ہر وقت ایسی میسنی سی صورت بنائے مجھے تکتی رہتی ہو جیسے میں ہاتھ میں چھری لیے تمہاری گردن پر پھیرنے کو تیار بیٹھا ہوا ہوں۔۔۔''

وہ ایسی باتوں پر کہاں تک اس سے الجھ سکتی تھی۔ یہ اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔

اگلی صبح وہ پھر نہ اٹھا۔ رات اس نے سوچ لیا اس سے پوچھ کر ہی سوئے گی، اسے کس وقت اٹھنا ہے لیکن رات دو بجے تک وہ کمرے میں ہی نہ آیا۔ وہ انتظار کرتے کرتے جانے کب سو گئی۔

ساڑھے دس بجے کے قریب اٹھ کر وہ اطمینان سے نہایا، ناشتا کیا، چائے پیتے ہوئے کتنی دیر تک اخبار پڑھتا رہا، اور کچن میں کام کے دوران وہ پلٹ کر چائے کی پیالی اٹھانے ڈائننگ ٹیبل تک آئی تو اس نے سنا۔ وہ اپنی ماں سے کہہ رہا تھا۔

''میں تو بس دس منٹ میں تیار ہو جاؤں گا، آپ کو جانا کب ہے؟'' اخبار بھی لپیٹ کر رکھ دیا تھا۔

''ابھی چلتے ہیں، تم اٹھو تو سہی۔''

عالیہ آنٹی نے ابھی کہا اور وہ ابھی ہی اٹھ گیا۔ اسے پتا نہ چل سکا کہ کہاں جانے کی بات ہو رہی تھی اور اس کے میاں کا تو بھروسا ہی نہیں تھا دن دھاڑے بھی سب گھر والوں کو لے کر اور اسے چھوڑ کر بنا بتائے کہیں بھی جا سکتا تھا۔ وہ کچن میں گئی، سالن کے چولہے کی آنچ دھیمی کی، سبزی تیار تھی اسے چولہے سے اتار کر ایک طرف رکھ دیا اور چاول ابالنے کے لیے پانی چولہے پر رکھتے ہوئے وہ کچن سے نکلی اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

''دیکھنا آصفہ! چولہے پر کوئی چیز جل نہ جائے۔''

عالیہ آنٹی کو اس کا یوں لمبے قدم بھرتے اپنے کمرے کی طرف جانا اچھا نہ لگا شاید اپنے بیٹے کی موجودگی کی وجہ سے اچھا نہ لگا اور وہ جانے کب تک شرجیل کو صرف اپنا بیٹا ہی سمجھتی رہیں گی۔

''نہیں امی! آنچ دھیمی کر کے ہی نکلی ہوں۔''

اس آواز پر وہ پلٹ جایا کرتی تھی۔ آگے جانے والے راستے کو چھوڑ دیا کرتی تھی مگر آج اس کے اندر جوش شاید زیادہ اٹھا تھا بس پل بھر کو رک کر اس نے بات کا جواب دیا اور پھر چلی گئی۔ اس نے سوچا، چلتے رہنا اور اپنی راہ نہ چھوڑنا اتنا مشکل بھی نہیں۔ بس ذرا سی ہمت کی ضرورت ہے۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' پیور کاٹن کا کلف لگا کرتا شلوار پہنے وہ تیار ہی کھڑا تھا، بالوں میں برش پھیر رہا تھا کہ آصفہ کی آواز پر چونک گیا۔

''بھئی جا رہا ہوں کسی کام سے۔''

اسے بھی آصفہ کی دخل اندازی پسند نہ آئی۔ یوں کپڑے، جوتے، موزے ایک ایک چیز کے لیے وہ آصفہ کو پکارا کرتا تھا اور آج آصفہ سے بچ کر نکلنا تھا تو ہر چیز اسے خود بخود مل گئی اور کتنی جلدی مل گئی۔

''کام پر آنٹی کو لے کر جائیں گے؟'' اسے غصہ آ گیا۔

''تم کیوں مداخلت کرتی ہو، میری مرضی میں جس کے ساتھ جاؤں اور جہاں جاؤں سینکڑوں بار منع کیا ہے کہ میرے معاملات میں دخل اندازی نہ کیا کرو۔''

''بیوی ہوں آپ کی اور اس گھر کی فرد ہوں، مجھے بھی خبر ہونی چاہیے کہ کون کہاں جا رہا ہے اور

کیوں جا رہا ہے۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''اونہہ! ابھی بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے بی بی آصفہ! تمہیں اس گھر کی حقیقی فرد بننے کے لیے۔۔۔''

وہ خالص عورتوں والے انداز میں اس سے کہہ کر باہر نکل گیا۔

وہ غصے سے کھول گئی، طیش میں آ کر اس نے پلنگ پر سے شرجیل کا پھینکا ہوا تولیہ اٹھایا اور گولہ بنا کر کمرے کے دروازے پر دے مارا، اگر دروازہ کھلا ہوتا تو ضرور یہی تولیہ باہر کی طرف جاتے شرجیل کے سر پر پڑتا۔

لمحے بھر ٹھہر کر وہ خود بھی باہر آ گئی۔

عالیہ آنٹی، شرمین حتیٰ کہ سہیل انکل بھی تیار کھڑے تھے۔ جب کہ وہ سمجھ رہی تھی کہ سہیل انکل تو آفس جا چکے ہوں گے، اسے اس گھر میں رہتے ہوئے یہاں کے معاملات کی خبر ذرا برابر نہ ہو پاتی تھی۔ کیا وہ اپنی دھن میں مگن رہتی تھی یا اس کے سسرال والے اس کی دھن سے دور رہتے تھے۔

کچن کی طرف ابھی وہ پہنچی نہ تھی کہ سالن جلنے کی شدید بو نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔

''سکینہ! ہم کھانا کھا کر آئیں گے۔ تم کام ختم کر کے چلی جانا۔'' عالیہ آنٹی اس کے پیچھے ہی تیزی سے کچن میں آئی تھیں۔

گوشت کا سالن بری طرح جل کر ہرگز کھانے کے قابل نہ رہا تھا۔

''میں نے اسی وقت تم سے کہا تھا کہ کچن میں کوئی چیز جل نہ جائے۔ مگر تم ہو ہی لاپروا۔'' عالیہ آنٹی بری طرح آنکھیں دکھاتے ہوئے اسے لتاڑ رہی تھیں۔

''لیکن آنٹی! میں نے سالن کے نیچے آنچ کم کر دی تھی۔''

''تو کیا میں نے بڑھا دی۔۔۔ حشر تمہارے سامنے ہے، مگر تم کیوں مانو گی، تم تو سدا کی معصوم ہو، کبھی کوئی غلطی کر ہی نہیں سکتیں۔''

وہ اس پر چیختے چلاتے کب گھر سے روانہ ہو گئیں اسے پتا بھی نہ چلا۔ باہر سے بھی بہت سی آوازیں اس کے کانوں میں پڑی تھیں۔

''کیا پورا سالن جل گیا؟''

''ارے خاک ہو گیا۔۔۔ تمہاری بیوی کی عقل پر خاک جو پڑی رہتی ہے۔''

''یہ پتا نہیں بھابھی کی کیا عادت ہے، کام کرتے کرتے گم ہو جاتی ہیں، بھول جاتی ہیں، چیزوں کو رکھ کر بے دھیان ہو جاتی ہیں مجھے تو لگتا ہے الٹے سیدھے خیالات میں کھوئی رہتی ہیں۔''

شرمین کو اس نے کبھی کوئی دکھ نہ دیا تھا مگر وہ جانے کیوں اس کے سکھ کے خواب تک چھین لینے کے درپے تھی۔

''سکینہ! تم نے دیکھا تھا نا، میں آنچ کم کر کے کچن سے نکلی تھی۔''

اس کا شوہر کہاں گیا، کس کے ساتھ گیا، اسے کیوں نہ پوچھا کیوں نہ بتایا، سارے غم بھول کر وہ اس دکھ میں الجھ گئی کہ سالن کے نیچے آنچ تیز کیسے ہوئی۔

''پتا نہیں بھابھی! میں نے تو دھیان نہیں دیا اور میں تو ویسے بھی گھر جا رہی ہوں بیگم صاحبہ کہہ کر گئی ہیں کہ تم فوراً نکلو۔ باقی کام آصفہ نمٹا لے گی۔''

''مگر کیوں سکینہ! ابھی کیوں جا رہی ہو، کام ہم مل کر کر لیں گے مگر رکو تو سہی ابھی تو تمہارے جانے کا وقت بھی نہیں ہوا۔''

''نہیں بھابھی! آپ نہیں جانتیں، صبح میری شامت آجائے گی، بیگم صاحبہ تو آتے ہی چوکیدار سے میرے جانے کا وقت معلوم کریں گی۔''

خالی کچن، خالی ڈائننگ ہال، خالی لاؤنج، اسے اس گھر کی دیواریں، چیزیں، چھت، درخت، پودے، آسمان ہر چیز سے وحشت ہونے لگی۔

گھر خالی ہو جائے تو آدمی اتنا تنہا نہیں ہوتا، لیکن دل خالی ہو جائے تو تنہائی آدمی کو دیوانہ سا کر دیتی ہے۔ یہ گھر اس کے لیے پرایا ہے، یہ تو اسے پہلے دن ہی خبر ہو گئی تھی لیکن یہاں تو فضا بھی پرائی تھی اور ہر شخص کا احساس بھی پرایا اور اب تو یہ دکھ مار دینے والا تھا کہ شرجیل سے شادی کر کے اس کے اپنے اندر چاہت کا وہ جذبہ، جنون، دیوانگی سب کچھ پرایا ہو گیا تھا۔ محبت بچھڑنے کا ایسا ملال کہ جسے پالیا اسی کے کھو جانے کا دکھ اسے دیواروں سے سر پھوڑنے پر اکسا رہا تھا۔

سسرال میں اپنی انا، اپنی خودی، اپنی ذات اور اپنے وجود تک کی نیلامی کا دکھ سہنے والی ایسی آصفہ جلالی جیسی کتنی لڑکیاں ہوں گی ہمارے معاشرے میں۔ شاید معاشرہ بھرا پڑا ہے اور چھپا ہوا ہے۔ یہ دکھ بھرم کی موٹی موٹی چاروں تلے جن کے سرک جانے پر اپنی ہی خودداری کا وجود ننگا ہونے کے خوف سے کیسی کیسی اچھی، پیاری صورت والی، موہنی اداؤں والی اور معصوم جذبوں والی لڑکیاں گھٹ رہی ہیں اور چپ ہیں اونچی سانس بھی نہیں لیتیں کہ کوئی سسکی نہ سمجھ لے۔

یہ دکھ کہ نہ کہا جائے نہ لکھا جائے، نہ بتایا جائے نہ جتایا جائے بس دبایا ہی دبایا جائے۔

پوری دوپہر گزر گئی۔ شام در آئی، اتنی دیر کے لیے وہ اکیلی پہلی بار رہی تھی۔ ادھر سب کمرے بند تھے۔ سوائے ڈائننگ روم اور کچن کے اور ادھر اپنے کمرے میں اسے بے چینی سی ہو رہی تھی۔ کھانا بھی اسے اچھا نہ لگا تھا، دو چار نوالے ہی اس نے کھائے تھے، سالن تو جلا دیا گیا تھا۔

(اسے پکا یقین تھا کہ سالن جان بوجھ کر جلایا گیا تھا۔ یوں بھی کھانے والا بھی گھر میں اس کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا۔)

ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے سوچا تھا، وہ کسی کو فون کرے لیکن فون لاکڈ تھا۔ اب اپنی بے بسی پر اسے ہنسی آنے لگی تھی۔

چائے پی کر وہ لان میں یونہی ٹہلنے لگی تھی۔ عجیب سی بات تھی اسے یہاں لان میں ٹہلنا بالکل اچھا نہ لگتا تھا۔ حالانکہ چہل قدمی کرنے کا اسے بہت زیادہ شوق تھا، یہ فضا اسے جانے کیوں نہیں بھاتی تھی۔ وہاں میکے میں کوئی لان نہیں تھا گھر کے ایک سرے سے دوسرے تک برآمدہ تھا، جہاں وہ چہل قدمی کا شوق پورا کیا کرتی تھی، چند گملے تھے اور وہ گلاب کا پودا۔۔۔ جب وہ سوچتی تھی کاش ان کے گھر میں لان ہوتا۔۔۔ اور اب۔۔۔ انسان کسی حال میں خوش کیوں نہیں رہتا۔۔۔

وہ پلٹ کر گیٹ تک پہنچی تھی جب اسے آواز آئی چوکیدار کسی سے کہہ رہا تھا۔
''گھر میں کوئی نہیں ہے۔''
وہ تیزی سے باڑھ پھلانگ کر کار پارکنگ کا راستہ طے کر کے گیٹ تک آئی۔
''کون تھا رشید؟''
''بی بی! کوئی بھی نہیں تھا۔'' وہ صاف مکر گیا۔
''ارے میں نے خود دیکھا ہے، صاف جھوٹ بول رہے ہو، سیدھی طرح بتاؤ کون تھا۔''
وہ شدید غصے میں آ گئی تو چوکیدار بھی سہم گیا۔
''وہ بیگم صاحبہ کہہ کر گئی ہیں جو بھی آئے اسے گیٹ سے ہی کہہ دینا گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔''
''کم سے کم پوچھنا تو چاہیے مجھ سے۔'' وہ بری طرح چڑ گئی تھی۔
''جی بیگم صاحبہ سختی سے منع کر گئی ہیں ہمیں کہ چاہے کوئی بھی آئے منع کر دینا، جی ہم تو نوکر آدمی ہیں۔۔۔آپ جانتی ہیں، وہ کتنی سخت ہیں۔''
''اچھا ابھی آیا کون تھا۔'' اس نے پھر پوچھا۔
''بی بی وہ بڑے صاحب کے والد اور والدہ تھیں۔'' وہ گھبرا کر بولا۔
''تایا اور تائی جان تھے اور تم نے انہیں لوٹا دیا واپس اور میں یہاں گھر میں اکیلی مر رہی ہوں۔ کتنے زیادہ تابع دار ہو تم بیگم صاحبہ کے۔''
''بس جی نوکری کا معاملہ ہے۔''
''اور سہیل انکل کچھ نہیں کہیں گے، اگر انہیں پتا چلا کہ تم نے ان کے والدین کو یوں لوٹا دیا۔''
''ساتھ ہی تو گئے ہیں سہیل صاحب بھی، ان کے سامنے ہی بیگم صاحبہ حکم دے کر گئی ہیں، وہ بولتا نہیں ہے کچھ، بول سکتا ہی نہیں ہے کچھ بیگم صاحبہ کے سامنے۔۔۔''
''اور تم بہت بول لیتے ہو، اب جو بھی آئے مجھے بتانا ورنہ میں تمہاری پٹائی لگاؤں گی۔''
وہ جوش میں تھی اس لیے اس ہٹے کٹے پٹھان چوکیدار کو یوں کہہ رہی تھی جیسے واقعی ابھی اسے چند ہاتھ جڑ دے گی۔
وہ پلٹنے لگی تھی کہ اسی وقت ہارن بجا، اب جانے کس کی گاڑی تھی۔ ''ہاں بھئی اب کیا کہنا ہے۔ اس آنے والے کو۔''
''آپ خود ہی دیکھ لیں بی بی کہ کون ہے؟'' وہ گیٹ چھوڑ کر ایک طرف ہٹنے لگا اور وہ جو گیٹ کے دائیں طرف اس طرح کھڑی تھی کہ باہر سے کسی آنے والے کی نظر اس پر نہ پڑے وہ اور کونے میں ہو گئی۔
''ارے آنے والے کو دیکھنا، تمہارا کام ہے یا میرا۔۔۔دیکھو تم خود اور اس طرح دیکھو جس طرح میں نے کہا ہے۔''
''واہ بھئی ہم ایسے کیسے دیکھیں۔''
وہ دونوں بحث میں لگے ہوئے تھے جب تک آنے والا اپنی گاڑی پارک کر کے اندر تک چلا آیا

تھا۔

''سوری میں آپ کا نام تو بھول گئی مگر آپ شرجیل کے دوست ہیں، لیکن شرجیل اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔''

یہ شرجیل کا وہی دوست تھا جو اس کی شادی والے دن اسے شرجیل کے بارے میں حتاصی باتیں بتا گیا تھا جو اچھی قطعی نہ تھیں۔

''انکل تو ہوں گے شاید گھر میں، میں صرف شرجیل کی خیریت پوچھنے آیا تھا۔ وہ اسپتال نہیں آرہا، اس کا موبائل بھی خراب ہے یا اس نے آف ہی کر رکھا ہے۔''

''گھر میں تو کوئی بھی نہیں ہے اور شرجیل بالکل خیریت سے ہیں۔'' اس نے بنا تلا جواب دیا۔

''اور آپ؟ آپ اس گھر کی فرد نہیں ہیں کیا یا ابھی تک گھر کے فرد کی حیثیت ملی نہیں ہے۔''

وہ حیرت سے اس شخص کو دیکھنے لگی، کس طرح وہ اس کا حال بیان کر سکتا تھا۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' جانے اس نے اسے جھڑکا یا ٹوکا۔ جھٹلایا کیوں نہیں؟

''سوری میں ذرا صاف گو ہوں اور آپ کا حلیہ دیکھ کر میں نے ایسا عجیب سا اندازہ لگایا۔ آپ کی شادی کو ابھی صرف چند ہی ماہ ہوئے ہیں۔''

وہ چپ سی رہ گئی اور اسی وقت اسے اندر لاؤنج سے فون کی گھنٹی بجتی سنائی دی۔

''اچھا اللہ حافظ! شرجیل سے کہہ دیجیے گا کہ ناصر علی آیا تھا۔'' وہ تیزی سے اندر بھاگی۔

''جی السلام علیکم تایا ابا! کیسے ہیں آپ؟'' ہیلو سن کر اس نے فوراً تایا جان کی آواز پہچان لی۔

''آ گئے تم لوگ بیٹا! کہیں گئے ہوئے تھے؟'' یہاں سے پلٹ کر گھر پہنچتے ہی شاید انہوں نے فون ملایا تھا۔

''جی میں تو گھر میں ہی ہوں تایا ابا۔'' اس نے فون پر آہستہ سے کہا حالانکہ گھر میں کوئی موجود نہ تھا مگر اسے خوف و وہم میں مبتلا ہونے کی عادت پڑنے لگی تھی۔

''تم گھر میں موجود ہو، چوکیدار نے تو کہا تھا گھر میں کوئی نہیں ہے ہم ابھی گھر ہی تو آئے تھے۔'' جانے وہ غصہ ہو رہے تھے یا چڑ رہے تھے۔

''میں تو صبح سے گھر میں ہی موجود ہوں۔'' اس نے اضافے کے ساتھ پھر اپنی بات دہرائی۔

''ٹھیک ہے بیٹا! پھر ہم گھر پر آرہے ہیں۔''

فون رکھ دیا گیا اور اسے ہول اٹھنے لگے کہ جانے اب جو کچھ ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے وہ ٹھیک ہے یا غلط۔ اس نے تو رات کے لیے کھانا بھی بنانا شروع نہیں کیا تھا اگر تایا جان اور تائی جان آئیں گے تو کھانا بھی اچھا بنانا پڑے گا۔ اسے شادی کر کے کام کاج کرنے کی فکر کرنے کی ہدایت کے سوا ملا ہی کیا تھا۔

ابھی وہ بے وجہ کی سوچوں میں ہی الجھی ہوئی تھی کہ گیٹ پر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

''تمہیں تنخواہ کون دیتا ہے؟'' تایا جان چوکیدار سے سوال کر رہے تھے، ان کی تیز آواز لاؤنج تک صاف سنائی دے رہی تھی۔

''جی بڑے صاحب!'' وہ اب سچ مچ گڑبڑا گیا تھا۔
''اور ہدایات کس کی سنتے ہو۔''
''جی بیگم صاحبہ کی!''
''اور میں تمہارے بڑے صاحب کا بھی باپ ہوں، تم نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔''

تایا جان کی آواز کی ایسی سختی اور گھن گرج اس نے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔
''جی وہ بیگم صاحبہ نے کہا تھا کہ۔۔۔''
''میں اگر تمہارے بڑے صاحب کو روک دوں تو بیگم صاحبہ تمہیں ایک دن کی تنخواہ نہ دے سکیں، پھر کس کی ہدایات سنو گے؟''

وہ بہت جلال میں تھے، تیزی سے چلتے ہوئے اندر آئے اور لاؤنج میں پڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے خاموشی سے خالی گھر کو دیکھنے لگے۔ وہ کنارے ہی کھڑی تھی اور اس نے ہلکی سی آواز میں انہیں سلام کیا تھا جس کا جواب بھی انہوں نے صرف سر ہلا کر دیا تھا۔

تائی جان بھی چپ چپ آ کر صوفے پر دوسری طرف بیٹھ گئی تھیں۔
''سہیل کو دو دن پہلے ہم نے کہا تھا کہ جمعے کی رات کو ہم تمہارے گھر پر رہنے آئیں گے، بلکہ خود ہی پیچھے پڑا ہوا تھا کئی دنوں سے کہ شرجیل کی شادی کو اتنے دن گزر گئے آپ آئے ہی نہیں۔ پھر یونہی تمہارے تایا کے جی میں آئی کہ شام سے ہی چلتے ہیں، یہاں آئے تو کہا گیا گھر میں کوئی نہیں ہے۔ میں ان سے کہہ ہی رہی تھی کہ عالیہ بیگم کمال کی ڈھیٹ عورت ہیں مگر یہ اپنے مزاج کے مطابق صبح سے منتظر تھے کہ سہیل بیٹا فون کرے گا۔ شام ہوتے ہی گاڑی بھیج دے گا کہ والدین بہت دنوں سے گھر آئے نہیں ہیں۔ دیکھ لیجیے یہاں کون ہماری راہ دیکھتا بیٹھا ہے۔''

زیادہ دیر تائی جان خاموش نہ رہ سکیں۔
''تم عورتیں چپ رہ جاؤ تو صبر و ضبط کے سب پہاڑ سر کر لو اور بول پڑو تو سارے پہاڑ ریت ہو جائیں۔''

تایا جان نے اپنی بیگم کو سرزنشی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ چپ ہو گئیں۔
''تم کھڑی کیوں ہو، بیٹھ جاؤ۔۔۔'' ان کا غصہ کچھ کم ہوا تو انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔
''وہ تایا جان! مجھے کھانا پکانا ہے۔'' آصفہ خود گھبرا رہی تھی۔
''کوئی کھانا نہیں پکانا، بس تم بیٹھ جاؤ۔''
''شرجیل کا موبائل کیوں بند ہے۔'' پہلا سوال کیا گیا اور اب اسے اچھی طرح بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ تایا جان اس سے ہر بات پوچھ کر رہیں گے۔ کسی بھی بات کے جواب میں جھوٹ بولنا بے کار ہے، یہ اس نے اچھی طرح سوچ کر طے کر لیا
''اس لیے کہ وہ اسپتال نہیں جا رہے۔''
''اچھا شرجیل بھی سب کے ساتھ ہی گیا ہے؟ کب گئے ہیں۔''

''جی بس یہی بارہ بجے کے قریب!'' وہ ہر بات کا یوں ٹھیک جواب دے رہی تھی جیسے اسے امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہونا ہے۔

''سہیل آفس نہیں گیا، شرجیل اسپتال نہیں جا رہا، کیا روحیل بھی آیا ہوا ہے؟''

''نہیں روحیل تو نہیں آیا۔۔۔''

''اور یہ سب لوگ کہاں گئے ہیں، اس کی تمہیں خبر نہیں۔۔۔'' تایا جان کا انداز اب بہت سیدھا اور کھرا تھا۔

''مجھے بتایا ہی نہیں۔'' اس نے اس بات کا بھی صاف جواب دیا۔

''تم نے پوچھا ہی نہیں ہوگا۔'' وہ ہر بات پر اس کی شکل ایسے پرکھ رہے تھے کہ اس کے ہیر پھیر کرنے کا کہیں امکان ہی نہ رہ جائے۔

''میں نے پوچھا تھا ان سے!'' شرجیل کا جواب دہرانے کی ہمت اسے نہ ہوئی۔

''ہوں۔۔۔!'' انہوں نے ایک لمبی ہوں کے بعد اپنی بیگم کی طرف دیکھا۔

''عینی کو فون ملاؤ ذرا۔ اسے پتا ہوگا کہ اس کے والدین کہاں گئے ہوں گے۔''

تائی جان فوراً اٹھیں۔ جلدی جلدی بٹن دبانے کی غرض سے ریسیور اٹھا کر ٹیلی فون سیٹ پر ان کی انگلیاں ٹھہریں تو ٹھہری ہی رہ گئیں۔ اپنی دھن میں ان کی نظر سیٹ پر پہلے نہ پڑی تھی۔

''فون بند ہے کمال صاحب! فون کو تالا لگا ہوا ہے۔'' اتنے شدید دھچکے سے وہ جیسے یک دم نکلی تھیں۔ وہ شاید سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ فون یوں بند ہوگا۔

تایا جان خود بہت حیران ہوئے تھے مگر ظاہر نہ کیا فوراً جیب سے اپنا موبائل نکال کر تائی جان کی طرف بڑھایا۔

''اس پر ملا لو۔'' نمبر ملا کر ہیلو کہتے ہوئے انہیں ٹھہرنے کے لیے کہا گیا۔

''عینی گھر پر نہیں ہے! اچھا ٹھیک ہے شکریہ بیٹا عینی آجائے تو اسے بہت پوچھنا اور بچوں کو پیار دینا۔ اللہ حافظ۔'' تایا جان انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

''عینی اپنے والدین کے ساتھ پیراڈائز پوائنٹ پکنک منانے گئی ہے اس کے میاں نے کہا کہ کل سے پروگرام طے تھا۔ رات نو دس بجے تک آجائے گی۔''

آصفہ کے دکھوں کے سارے راز کھل گئے تھے، وہ ایسی صورت حال میں گھر گئی کہ بچ بھی نہ سکی۔ سامنے صوفے کے ایک سرے پر ٹک کر اس نے سر جھکا لیا۔ جیسے اپنے ایسے حالات کی وہ خود ذمہ دار ہو۔۔۔

''ایسا کب سے ہو رہا ہے آصفہ؟''

''جی پہلے دن سے۔'' کمرۂ امتحان میں بیٹھی سارے درست جواب دیتی اس سوال پر تو وہ اسٹار پلس لینے والی تھی لیکن یہاں آکر قوت گویائی جیسے ساتھ چھوڑ گئی، ذہن بند ہو گیا اور دل دھڑکنے سے کترانے لگا۔

''میں پوچھ رہا ہوں آصفہ کہ ایسا کب سے ہو رہا ہے۔'' تایا جان کی آواز غم و غصے سے لرز رہی تھی

اور آصفہ اب بھی اپنے اندر بولنے کی سکت پیدا نہ کر سکی۔

''ارے اس سے کیا پوچھ رہے ہیں آپ کو خود اندازہ نہیں ہو رہا، عالیہ کے تیور اور شرجیل میاں کی فرماں برداری۔ بس شروع سے سب ایسا ہی چل رہا ہے۔''

''تم مت بولو درمیان میں، مجھے اس سے بات کرنے دو۔''

''کیا نہ بولوں درمیان میں، بچی پہلے ہی سہمی ہوئی ہے۔ اوپر سے آپ اس سے یوں سخت لہجے میں بات کر رہے ہیں۔ اس کے تو حلق سے آواز نہ نکلے گی۔''

تائی جان اٹھ کر اس کے پاس آئیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ آصفہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھیں پانیوں کے گہرے طلاطم کا شکار ہر ہر حد توڑنے کو بے تاب تھیں۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور بس اس محبت کے لمس کی دیر تھی، آنسوؤں نے کچھ نہ دیکھا اور پھوٹ پھوٹ کر بہہ نکلے۔ وہ بہت روئی مگر روتے روتے پھر یک دم چپ سی ہو گئی۔ سرگڑ رگڑ کر اپنی آنکھیں صاف کیں، سر اٹھایا، اب اسے سارا منظر صاف صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''تایا جان! میں بالکل ٹھیک ہوں آپ اتنے پریشان نہ ہوں۔''

اسے اب خیال آیا کہ پچھلا سارا سوال نامہ مٹا ڈالے اور سارے جواب نئے سرے سے تحریر کرے۔

''وہ بس عالیہ آنٹی کی وجہ سے کچھ مشکل ہو جاتی ہے ورنہ شرجیل تو بہت اچھے ہیں۔''

اب تایا جان بالکل خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔ اس کا نکھرا نکھرا چہرہ آنسوؤں کی بارش کے بعد اور ستھرا ہو گیا تھا، معصومیت کی چمک ہمیشہ اس کی پیشانی کو روشن رکھا کرتی تھی۔ اتنی پیاری صورت ایسے ناقدرے لوگوں میں ضائع ہو رہی تھی، تایا جان شدید ملال میں بیٹھے ہاتھ مل رہے تھے۔ یہ رشتہ زور دے کر انہوں نے ہی کرایا تھا، انہیں کبھی خیال بھی نہ گزرا تھا کہ اس کا انجام ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

''تایا جان پلیز! آپ کچھ نہ سوچیں، وہ تو بس میں صبح سے اکیلی بیٹھی ہوئی تھی اس لیے گھبرا گئی تھی۔''

اب وہ جتنی صفائی در صفائی دے لے، تایا جان کچھ بھی مان لینے والے نہیں تھے۔

''دیکھو بیٹا، تم مجھے کھل کر بتاؤ اپنے مسائل، میں آج ہی سہیل اور شرجیل سے بات کروں گا۔ یوں۔ زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔''

''میں گزار لوں گی پلیز! آپ کچھ نہ کہیں۔ کہیں عالیہ آنٹی اس کا کوئی الٹا مطلب نہ نکالیں۔''

''آصفہ! کوئی کچھ الٹا نہیں کر سکتا تمہارے ساتھ، ہم سب بیٹھے ہوئے ہیں نا۔ عالیہ کا دماغ بھی درست کر دیں گے، یوں اسے من مانی تھوڑی کرنے دیں گے۔''

''تایا جان! آپ امی ابو سے کچھ نہ کہیے گا وہ پہلے ہی مطمئن نہیں رہتے۔''

وہ کسی کو کچھ نہیں بتانا چاہ رہی تھی اور آج کیسے صاف ظاہر ہو گئی تھی۔ ٹھیک ہی تھا نا اچھا خاصا رشید سب کو بتا رہا تھا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے اور اس نے اپنے ہونے کا واویلا مچا دیا۔

''میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا اگر تم مجھے بتاؤ ایسا اور کیا سلوک ہو رہا ہے اس گھر میں تمہارے

ساتھ۔''

بہت بے چینی سی ان کے دل میں بھر گئی تھی، انہوں نے مشکل سے اپنے آپ پر قابو رکھا ہوا تھا۔

''دراصل عالیہ آنٹی اور شرمین مجھے پسند ہی نہیں کرتیں۔'' اس نے آہستہ آہستہ چند باتیں تایا جان اور تائی جان کو بتائیں۔

''دیکھو آصفہ بیٹا! اگر تم یہاں نہیں رہنا چاہتیں یا شرجیل سے نباہ نہیں کر سکتیں تو مجھے بتا دو، میں فوراً ان لوگوں سے تمہیں چھٹکارا دلوا دوں گا۔'' اسے جھرجھری سی آ گئی۔

''نہیں نہیں تایا جان! ایسا تو میں نے کبھی نہیں سوچا، ایسا تو میں چاہ ہی نہیں سکتی، نہیں پلیز نہیں۔''

''آرام سے بیٹا! اتنا جذباتی مت ہو، تمہارے تایا جان کا مطلب ہے کہ جو کچھ ابھی تمہارے ساتھ ہو رہا ہے عالیہ اس سے بہت آگے جا سکتی ہے اور اس کی کمینی فطرت کو اگر ڈھیل ملے تو وہ حد سے انتہائی نیچے تک جا کر دکھا سکتی ہے۔''

''نہیں تائی جان پلیز! ایسی باتیں نہ کریں۔ میں نے اس گھر کو چھوڑنے کا کبھی نہیں سوچا اور ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔'' وہ بری طرح تڑپ گئی تھی۔

''اسی لیے کہہ رہے ہیں کہ ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تو۔۔۔'' تائی جان بات پوری نہ کر سکیں۔

''بس اس موضوع کو چھوڑ دو بیگم۔'' اس کے چہرے کی اڑی رنگت دیکھ کر تایا جان بولے۔

''سب سے پہلی بات یہ ہے آصفہ بیٹا کہ ہر بندے کو اپنے حقوق کی جنگ خود لڑنی پڑتی ہے۔ تمہاری تائی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں اگر عالیہ کی ہر زیادتی تم یونہی چپ چاپ برداشت کرتی رہو گی تو وہ کچھ کسر نہ چھوڑے گی۔''

وہ سر ہلا رہی تھی، ٹھیک ہی تھا اپنی جنگ ہر بندہ آپ ہی لڑ سکتا ہے، جیسے ابھی وہ صرف اسے ہمت و جرأت کا درس دے سکتے تھے، ہمت و جرأت کو گھول کر اسے پلا نہیں سکتے تھے۔

''کیا کروں تایا جان! شور کروں گی تو دنیا سنے گی۔''

وہ اپنے دل کے ٹکڑے خود چن بھی نہیں سکتی تھی۔ مگر اسے خود ہی چننے تھے۔۔۔ وہ ''ہوں'' کہہ کر سر ہلانے لگے تو تائی جان نے سمجھایا۔

''جیسے مثال کے طور پر اگر ہم نہ آتے تو تم اب تک اکیلی بیٹھی ہوتیں، کیوں؟ تمہیں دوپہر ڈھلنے تک ہی اپنی امی کے ہاں چلا جانا چاہیے تھا، جب تمہیں کسی نے اپنے آنے جانے کا کچھ نہیں بتایا اور یہ پروا بھی نہ کی کہ تم اکیلی کب تک گھر میں بیٹھی رہو گی تو تمہیں بھی پابند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''وہی بات ہے نا تائی جان کہ شور مچ جاتا۔'' وہ مشکل میں تھی۔

''میرے پاس چلی آتیں، کمال صاحب! کتنی گھٹیا سی بات ہے۔ پکنک منانے گئے وہ لوگ تو میری معصوم بچی کو بھی لے جاتے، یہ ان کا کیا بگاڑ لیتی۔''

''یہ کیا بگاڑے گی، وہ بگاڑنے پر تلے ہوئے ہیں اور مجھے تو لگتا ہے کہ بنانے کا انہوں نے مزاج پایا ہی نہیں ہے۔''

پھر تھوڑی دیر کے لیے وہ تینوں چپ ہو گئے۔ تایا جان صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند

کر لینا چاہتے تھے مگر کھلی ہی رکھیں۔ کچھ دیر تو یونہی گزر گئی پھر وہ اٹھ گئی۔۔۔ پہلے کچن کی طرف جانے کا سوچا مگر دیکھا کہ تائی جان اٹھ کر اس کے پیچھے ہی آ رہی ہیں تو رک گئی۔

''رات کے کھانے کا کچھ انتظام نہیں ہے تائی جان۔'' ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑے ہو کر اس نے پاس آتی تائی جان سے کہا۔

''تم تردّد نہ کرو، ضروری نہیں ہے کہ تم کھانا بناؤ تب ہی سب لوگ کھائیں اور وہ سب لوگ تو یقیناً کھا پی کر ہی آئیں گے۔''

وہ تائی جان کے ساتھ پلٹ کر لاؤنج تک آ گئی۔

''تایا جان! کافی بنا دوں یا چائے، آپ لوگ کتنی دیر سے آئے ہیں میں نے کچھ پوچھا ہی نہیں۔''

''نہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، تم ایسے کرو فٹافٹ اچھی طرح تیار ہو جاؤ اس طرح کہ کمال احمد جلالی کی بیٹی لگو، پھر ہم کسی اچھے سے ہوٹل میں جا کر کھانا کھائیں گے۔''

تایا جان کو یک دم خیال آیا تو انہوں نے فوراً کہا۔

''ابھی تایا جان، اب تو سب لوگ آنے والے ہوں گے۔'' تقریباً نو بجنے والے تھے، اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

''تو کیا ہوا اگر آ گئے تو شرجیل میاں کو بھی ساتھ لیے چلیں گے اور اگر انہوں نے کھانا نہیں کھایا ہوگا تو سب مل کر چلیں گے۔'' وہ عجیب شش و پنج میں مبتلا ابھی تک کھڑی ہی تھی۔

''تم کس بات سے گھبرا رہی ہو بیٹا! اپنے حقوق کو کیوں اس طرح پس پشت ڈال رہی ہو۔'' تائی جان نے اسے یوں الجھے دیکھا تو سمجھایا۔

''کہیں شرجیل یا عالیہ آنٹی خفا نہ ہو جائیں۔''

وہ عجیب سے واہموں میں رہنے لگی تھی۔ جبکہ تائی جان شاید بالکل ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں کہ اسے خود کو اتنا دباؤ میں رکھنے کی قطعی ضرورت نہ تھی۔ وہ کسی لحاظ سے شرجیل سے کم تر نہ تھی اس کی ایک پکار پر سارا خاندان اکٹھا ہو سکتا تھا لیکن بس یہی ایک ''پکار'' تھی جو شاید اس کے حلق سے کبھی نکلنے والی نہ تھی۔

''چلو جلدی کرو بیٹا! تمہارے تایا جان مہربان ہوئے ہیں تو اس کا فائدہ اٹھاؤ۔''

تائی جان نے اسے ہلکا پھلکا احساس دینا چاہا۔۔۔

وہ اپنے کمرے تک گئی، اپنی الماری کھول کر کپڑوں کا انتخاب کیا، جہیز کے اور بری کے اس کے بے شمار کپڑے ایسے تھے جو یونہی الماری میں ٹنگے اپنی باری کے منتظر تھے۔ شرجیل اسے کہیں لے جاتا نہیں تھا، وہ خود کہیں آتی جاتی بھی نہ تھی۔ سوائے میکے جانے کے اور گھر میں نئی شادی شدہ لڑکی کی طرح تیار کیونکر ہوتی، دل میں ارمان نہ تھے اور آنکھوں سے خواب مسلسل چھینے جا رہے تھے۔ پیچ کلر کا ڈبل جارجٹ کا کڑھائی والا سوٹ اس نے نکالا اور باتھ روم میں گھس گئی۔ صبح سے اس نے کپڑے بھی نہ بدلے تھے نیلے پھولوں والا آف وائٹ سوٹ بہت میلا بھی ہو گیا تھا اور سلوٹ زدہ بھی، وہ شادی سے پہلے کتنی کانشس ہوا کرتی تھی اپنے کپڑوں کے رنگ، ڈیزائن اور ستری شدہ ہونے کے بارے میں اور اب اسے یہ سب کچھ یاد کرنے کا موقع بھی کتنا کم ملتا تھا۔

اس نے کمرے میں آتے ہوئے گھڑی دیکھی تھی، باتھ روم میں جاتے ہوئے گھڑی دیکھی اور اب بالوں میں برش پھیرتے ہوئے بھی گھڑی دیکھ رہی تھی اسے مسلسل دھڑکا سا لگا ہوا تھا، شرجیل آ گیا تو۔۔ اور عالیہ آنٹی؟ جانے کیا کہیں۔

سادگی سے تیار ہو کر وہ کمرے سے باہر آئی اچھی طرح لان کے اس طرف جھانکتے ہوئے کہ کوئی آیا یا نہ آیا۔۔۔

''یہ کیا نہ کانوں میں بندے اور نہ گلے میں ہار، آصفہ، تمہاری شادی کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں، بنا سنورا کرو، لڑکیاں تو حد کر دیتی ہیں اور تم ایسے کیوں پھرتی ہو، کس چیز کی کمی ہے تمہارے پاس۔''

''نہیں یونہی ٹھیک ہے مجھے ان سب چیزوں سے الجھن ہوتی ہے۔''

''نہ الجھا کرو بیٹا! اگر کوئی تمہاری پروا نہیں کرتا یہاں تو اس کا مطلب ہے تم خود بھی اپنی پروا کرنا چھوڑ دو؟ یعنی سب اگر سنگ دل ہیں تمہارے ساتھ تو تم خود بھی اپنے لیے تنگ دل ہو جاؤ۔''

وہ بالکل چپ رہی اس وقت اسے اپنی وحشت پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ پھر بغیر کچھ کہے تائی جان آگے بڑھ گئیں، تایا جان پہلے ہی باہر نکل گئے تھے شاید۔

''اگر تھوڑی دیر اور انتظار کر لیں، شرجیل ابھی آ ہی جائیں گے۔''

وہ کہنا چاہ رہی تھی مگر تایا جان اپنی گاڑی میں جا کر بیٹھ گئے تھے اور تائی جان نہ رکنے والے ارادے سے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

''سہیل میاں آئیں تو انہیں بتا دینا کہ ہم لوگ ہوٹل میں کھانا کھانے گئے ہیں بی بی کو لے کر، جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے۔'' گاڑی گیئر میں ڈال کر گیٹ سے باہر نکالنے سے پہلے تایا جان نے چوکیدار کو وضاحت سے سمجھایا اور پھر گاڑی باہر نکال لے گئے۔

سارا راستہ وہ عجیب وہم کے عالم سے نکلی ہی نہیں حالانکہ تایا جان اور تائی جان نے اسے بہت کچھ سمجھانے اور بہلانے کی کوشش کی۔

جب وہ لوگ واپس آئے تو عالیہ آنٹی اور شرمین بری طرح تھک کر سونے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں جا چکی تھیں۔ سہیل انکل اپنے ماں باپ کے انتظار میں جاگنے پر مجبور تھے اور شرجیل بھی اپنے دادا ہی کے انتظار میں تھا، اس کا انتظار کرنے سے تو رہا۔

وہ سمجھی تھی گھر آ کر اسے کسی قیامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ عالیہ آنٹی غصے میں بھری بیٹھی ہوں گی اور شرجیل اسے پیٹ ڈالنے کے لیے تیار، دھر اُدھر ٹہل رہا ہوگا، لیکن کچھ نہ ہوا۔

''بس آپ لوگ گئے اور ہم آئے ابا جان! آپ رات کو آنے والے تھے نا، میں نے تو شرجیل سے کہہ رکھا تھا کہ اپنی والدہ وغیرہ کو گھر چھوڑ کر سیدھا آپ کو لینے چلا جائے۔''

''بھئی رات اور شام سے کیا فرق پڑتا ہے، ہم شام کو آئے تو اپنی بیٹی سے بیٹھ کر اچھی اچھی باتیں کیں۔''

کوئی وضاحت، کوئی تفصیل، کوئی بات کسی نے نہ کی۔ شرجیل نے کمرے میں آ کر بھی اس سے کچھ نہ پوچھا بلکہ اس موضوع پر کسی نے اس کے سامنے کوئی بات ہی نہ کی جیسے یہ دن اس کی زندگی میں گزرا ہی

آج پھر ایسا ہوا کہ اس کے کام نمٹنے میں ہی نہ آ رہے تھے اور شرجیل اپنے وقت پر گھر سے نکل کر چلا گیا۔ ہفتہ تھا، آج اسے میکے جانا تھا مگر آج عالیہ آنٹی کے سینے میں شدید درد اٹھا تھا، ان کے خیال میں انہیں بخار بھی تھا اور سارا جسم بھی بہت درد کر رہا تھا۔

''شرجیل بھائی کو تو چین ہی نہیں آ رہا، کئی بار آ آ کے چیک کر چکے ہیں۔''

شرمین صبح سے ماں کی پٹی کے ساتھ ہی لگی بیٹھی تھی۔ کبھی پاؤں دبا رہی تھی، کبھی کندھے دبا رہی تھی اور کبھی سر میں تیل کی مالش کر رہی تھی اور وہ جتنی بار ادھر سے گزری، ناشتا دینے، چائے پہنچانے، برتن سمیٹنے، شرمین نے پلٹ پلٹ کر اسے سنایا۔

''میں نے تو ساری رات سوتے جاگتے میں کاٹی ہے، بس یہی دھڑکا کہ امی جان کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔''

مقصد یہ تھا کہ وہ ان کی خدمت نہیں کر رہی، باقی پورا گھر جان وآن لٹانے پر تیار تھا اور وہ جو صبح آٹھ بجے سے کچن میں تھی، گھر کے کاموں سے سر اٹھانے کی فرصت ہی نہ پا رہی تھی۔ شرمین تو جب جی میں آتا گھر کے ہر کام سے کنارہ کش ہو جاتی۔ وہ کام میں لگی یہ بھی سوچ رہی تھی کہ آج اسے جانا چاہیے یا نہیں۔ یہ نہ کہا جائے کہ ''ساس کی طبیعت اتنی ناساز ہے اور اسے اپنے میکے جانے کی پڑی ہے۔''

مگر اس کے نہ جانے پر بھی اسے کوئی ''ستارہ امتیاز'' نہیں مل جائے گا۔

اس نے کاندھے اچکا کر سوچا مگر کاش اس کی طبیعت میں تھوڑی سی لاپروائی شامل ہوتی۔ اگر وہ دل سے ہر کسی کا خیال نکال کر، اپنی دھن میں مگن رہنے والی ہوتی تو اب تک تیار ہو کر کھڑی شرجیل کے ساتھ ہی روانہ ہو جاتی مگر وہ انتظار میں تھی کہ کوئی اسے خود کہے کہ

''جاؤ بی بی! یہاں بیٹھی کیوں چولہا جھونک رہی ہو اپنے میکے میں جا کر عیش کرو۔''

اسپتال تو جانا نہیں تھا آج شرجیل جانے کیوں صبح ہی صبح تیار ہو کر چلا گیا۔

بہر حال دوپہر کا کھانا بھی اس نے پکانا شروع ہی کر دیا۔

''یہ شرجیل کہاں چلا گیا ہے آج اتنی جلدی۔۔۔'' وہ عالیہ آنٹی سے کیا پکایا جائے گا، پوچھنے کے لیے آئی تو انہوں نے پوچھا۔

''جی مجھے بتا کر تو وہ کبھی کہیں نہیں گئے۔'' اس نے اپنے تئیں طنز سے کہا۔

''خیر یہ بھی بیویوں کی اپنی اپنی کوالٹی ہوتی ہے، اگر بیوی دھیان رکھے تو مجال ہے کہ میاں اسے بتائے بغیر پانی بھی پی لے۔''

میاں پانی پیے نہ پیے اس نے صبر کا گھونٹ پی لیا۔ مجال ہے جو کبھی اس کی کوئی بات آگے جا کر ٹھہری ہو، جی بھر کر لپیٹ، جھوپ کر پلٹا کر اسی کے منہ پر ماری جاتی اور اس کے پاس تھا کیا یہی مشروب مشرق، پی پی کر وہ تھک جاتی ختم ہی نہ ہونے میں آتا تھا۔

''اپنی ماں کے ہاں نہیں جا رہیں؟'' اس سے خود ہی پوچھا گیا، جو وہ چاہتی تھی۔

''میں نے سوچا۔آپ کی طبیعت ناساز ہے اس لیے۔۔۔''

''ارے تو تم کون سا میری پٹی سے لگی میرے پیر دبا رہی ہو، جاؤ بھئی ورنہ وہ تمہارے سگے تایا جان میری جان کو آجائیں گے، ہاتھ بھی تو تم نے اونچی جگہ مارا ہے، بڑے بڑے حمایتی پیدا کیے ہیں۔''

ان کا لہجہ ناقابل برداشت تھا مگر اسے اپنے روایتی مشروب میں گھول کر پی جانا تھا اور یہی بہتر تھا کہ بجائے اس کے کہ بیٹھ کر ان سے بحث کرے، ان کے ''جاؤ بھئی'' کہنے کو ہی غنیمت جان کر چلی جائے۔

''شرجیل تو چلا گیا ہے، اپنے بھائی کو ہی فون کر کے بلالو۔''

اب یہ کھیل بھی بار بار کھیلا جانے لگا تھا، وہ کاموں میں لگی رہتی، شرجیل چلا جاتا اور پھر اس کے بھائی کو بلایا جاتا، ادھر کام بھی ان کے سارے نمٹ جاتے ادھر چھوڑنے بھی شرجیل کو نہ جانا پڑتا اور بات بھی ان ہی کی بنتی کہ ساس بیمار پڑی ہے مگر بہو کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

''شرجیل کو ہی فون کر کے پوچھ لیتی ہوں وہ اگر کھانے کے لیے آئے ہوں گے تو مجھے چھوڑ دیں گے۔''

پھر اپنی عقل اس نے ان ہی پر لٹائی، چپ چاپ جا کر استعمال کر لیتی تو شاید کوئی فائدہ ہو ہی جاتا۔عالیہ آنٹی کو پتا لگ گیا پھر وہ دم لیتیں۔۔۔

''ارے تم کیا فون کر کے بلاؤ گی اسے تو میں فون کر رہی ہوں، جانے کہاں چلا گیا، اسے خبر بھی ہے کہ مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔''

وہ جانتی تھی کہ عالیہ آنٹی کو یہ بھی برداشت نہ ہوتا تھا کہ شرجیل اسے لے کر اس کے میکے تک چھوڑنے ہی جائے۔ بے وجہ الجھنے کے بجائے اس نے سیدھے طور پر وقار بھائی کو فون کیا اور جلدی جلدی کام نمٹا کر اپنے بھائی کے آتے ہی میکے جانے کے لیے روانہ ہوگئی۔

''بھائی! مجھے آمنہ خالہ کے گھر چھوڑ دیں۔''

''کیوں خیریت تو ہے دوپہر کو کھانے کے بعد سب لوگ بڑے ماموں کے ہاں جائیں گے تو وہاں ملاقات نہیں ہوگی۔''

''نہیں پلیز وقار! تم امی سے کہہ دینا، مجھے طلعت سے کچھ ضروری کام ہے۔'' وقار نے کاندھے اچکاتے ہوئے سر ہلا دیا۔

آمنہ خالہ کے گھر وہ بہت دنوں کے بعد آئی تھی، گیٹ پر ہی سے اسے سامنے کھانے کے خالی برتن لیے ماسی کی طرف جاتی تہنیت نظر آئی۔ وہ برتن رکھ کر پلٹی جب تہنیت کی نظر اس پر پڑی اور اس کے منہ سے ایک چیخ نکلنے ہی والی تھی، آصفہ نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

''شور مت مچاؤ۔ یہ بتاؤ تمہاری بی بی طلعت کہاں ہے۔'' اس نے سوچا طلعت کو سرپرائز دے گی۔

''مگر تم کیسے ہمارے غریب خانے پر آگئیں اور پہلے تو یہ یقین کرنا پڑے گا کہ کیا تم سچ مچ آئی ہو۔''

''تم فضول بکواس نہ کرو ورنہ لگاؤں گی سر پر جوتے، تمہیں یقین بھی آجائے گا کہ میں آئی ہوں۔''

''اچھا میرے گھر میں کھڑی ہو کر مجھے ہی دھمکا رہی ہو۔'' اس نے آنکھیں نکالیں اور پھر اس کے گلے سے لپٹ گئی۔

''ہائے آصفہ! یہ تو سچ مچ تم ہو۔'' وہ بہت کھل کر خوش ہو رہی تھی۔

''کون ہے تہنیت!'' آمنہ خالہ کی آواز برآمدے سے آئی تو تہنیت نے چیخ کر کہا۔

''امی! دیکھیں تو آصفہ آئی ہے۔'' وہ اتنی جوش میں تھی کہ اس کی ہدایت بھول گئی اور جیسے ہی یاد آئی تو زبان دانتوں تلے دبالی۔

''سوری سوری۔ میں تو بھول گئی۔'' اور ابھی وہ اسے جواب میں کچھ کہہ بھی نہ پائی کہ اندر سے آمنہ خالہ، ثنا آپا اور ان کے پیچھے طلعت بھی نکلتی نظر آئی۔

''ارے بیٹا! تم کیسے رستہ بھول گئیں۔''

آمنہ خالہ نے اس کی پیشانی چوم لی اور ثنا آپا بھی اس سے گلے ملیں۔ پیچھے کھڑی طلعت آگے آئی تو اس نے دیکھا اس کا چہرہ بھی خوشی سے کھل رہا تھا۔

''آپ شاید گلی بھول گئی ہیں یا محلہ بھول گئی ہیں یا کسی نے پتا غلط بتا دیا ہے، نام سے دھوکا کھایا ہوگا یہ آمنہ بیگم کا گھر ہے، امینہ بیگم کا گھر گلشن اقبال میں ہے۔'' طلعت چوک نہ سکی۔ اس کے چہرے کی رونق سب نے دیکھی تھی لیکن لہجے کی خفگی سے وہ پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''نہیں جی۔ پتا تو یہی ہے، میری ایک دوست یہاں رہتی ہے، اس کی منگنی ہوگئی ہے میں نے سوچا کہ اسے دیدار کرا آؤں، کہیں بنا بتائے شادی بھی نہ کر لے۔ آپ تو جانتی ہیں بے مروتی کا زمانہ ہے کوئی کسی کو پوچھتا نہیں کوئی کسی کے حال دل سے آگاہ نہیں۔''

آصفہ نے بھی بڑا تاک کر جواب مارا۔

''امی! اس سے کہہ دیں اس نے زیادتی کی تو میں آپ کی بہن کا خیال نہیں کروں گی۔۔۔ بھلا میں بے مروت ہوں۔''

طلعت کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا تو آصفہ نے خود بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''ارے پاگل بے مروت تم کہاں، بے مروت تو میں خود ہوں، شرمندہ ہوں اس احساس سے کہ تم جیسی دوست کے معیار دوستی کے لائق نہیں۔ افسوس اتنے دن گزر گئے تمہیں پوچھ نہیں سکی۔''

وہ آپ اپنے ہی لہجے میں اپنے کو دبا کر اور مٹا کر بولی تھی۔۔۔ لیکن اپنی آنکھوں کے پانی کو اس نے بہت سختی سے کنٹرول میں رکھا تھا۔

''چھوڑو ان گلوں شکووں کو، تم اندر تو آؤ بیٹا۔۔۔ شادی کے بعد لڑکیوں کو فرصت نہیں ملتی، تھوڑے دنوں بعد اسے بھی پتا چل جائے گا۔'' آمنہ خالہ نے سب کو اندر بلایا۔

''تہنیت بیٹا! بہن کے لیے کھانے کا انتظام کرو۔'' اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ابھی کھانا کھا کر اٹھے ہی تھے، کچھ برتن کھانے کی میز پر بکھرے ہوئے تھے، کچھ سمیٹ لیے گئے تھے۔ ثنا آپا نے اسے لے جا کر ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

''آج ماموں کے ہاں جانے کا پروگرام ہے نا اس لیے جلدی جلدی کھانا کھالیا، تمہیں تو خبر ہے امی جان کی بے صبری کا عالم، یوں بھی اگلے ہفتے سے سنبل کی شادی کا سلسلہ ہے تو ان بھائی بہنوں کو زیادہ بے چینی ہے۔'' ثنا آپا ہنستے ہوئے اپنی ماں کا حال سنا رہی تھیں۔

''اف سنبل کی شادی میں اتنے تھوڑے دن رہ گئے۔''

''اور کیا، اگلے ہفتے والے دن مایوں ہے اور پھر مسلسل رسمیں شروع ہو جائیں گی۔''

''اور طلعت! تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' اس نے اسے دیکھا۔ آمنہ خالہ شاید تہنیت کو کچھ ہدایت دینے کچن میں چلی گئی تھیں۔

''خبردار یہ ذکر نہ چھیڑنا، امی کو تو اتنی جلدی ہے ان کا بس چلے تو سنبل کی شادی والے دن مجھے بھی رخصت کر دیں۔'' وہ فوراً بولی۔

''تو کیا برا ہے، جلد یا بدیر اس مسٹری لینڈ (Mystery land) میں کودنا تو ہے ہی، چھلانگ لگا ہی دو۔''

''بس تمہارا وہی حال ہے کہ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔'' وہ ہنسی۔

''اچھا تم دونوں بیٹھ کر باتیں کرو، میں ذرا تہنیت کا ہاتھ بٹا دوں۔''

''ارے ثنا آپا! خالہ کو منع کریں، میرے کھانے کے لیے ایسا تردد نہ کریں، ماموں جان کے ہاں جا تو رہے ہیں اور میں یوں بھی پہلے امی کے پاس جاؤں گی۔''

''کیوں سسرال میں بغیر کھائے زندہ رہنے کی پریکٹس کرتی رہی ہو۔''

طلعت نے کہا تو مذاق میں مگر وہ بالکل چپ سی ہو گئی۔ اس کی سسرال بھی بھلا یاد کرنے والی چیز تھی۔

''چلو بھئی کھانے کے لیے آجاؤ آصفہ۔'' اسی وقت تہنیت کی آواز آئی۔

''اس کے پاس کیا الہ دین کا چراغ تھا اتنی سی دیر میں کھانے کا انتظام کر لیا۔'' وہ بڑبڑائی۔

''یہ چراغ ہماری امی کے پاس ہے۔''

''آمنہ خالہ! آپ کے کسی بھی ٹیلنٹ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔''

ذرا سی دیر میں اس نے دیکھا خالہ نے کھانے کی میز پر لوازمات ڈھیر کر دیے تھے۔

''ابھی میں نے سوچا تھا کھانا ہی نہیں کھاؤں گی۔ اب جی چاہ رہا ہے دو دن کا اکٹھا کھالوں۔''

شامی کباب، بھنا ہوا قیمہ، تازہ ابلی ہوئی اسپیگٹی سبزیوں کے ساتھ، چکن قورمہ، شیر مال، مٹھائی، سلاد وہ باقاعدہ دعوت اڑانے والی تھی۔

''بھئی، اس میں آدھا کمال میرا ہے، کھڑے کھڑے ابھی یہ قیمہ اور اسپیگٹی تمہارے لیے تیار کی ہیں، تم چاہے تو چار دن کا کھالو، تمہاری ساس اس بہانے ہمیں دعا تو دیں گی۔''

''واہ امی سگی بیٹی کو مرغی کے قورمے اور مٹھائی پر ٹرخا دیا، میں بھی تو پندرہ دن کے بعد میکے آئی ہوں۔'' ثنا آپا کو بھی اپنی امی کو تنگ کرنے کی سوجھی۔

دراصل وہ تینوں بہنیں اسے یوں اچانک اپنے گھر دیکھ کر بہت زیادہ خوش ہوئی تھیں اور آمنہ خالہ

بھی بیٹیوں کو خوش دیکھ کر خاص کر طلعت کے کھلتے چہرے کو دیکھ کر بہت سکون سے ہنس رہی تھیں۔

''اے طلعت! تمہارے چہرے کا ایسا رنگ تو تمہاری منگنی والے دن بھی نہ تھا۔''

تہنیت نے اسے چھیڑا۔۔۔ وہ کھانا کھا کر طلعت کے کمرے میں آ گئی تھی، تہنیت بھی پیچھے چلی آئی۔ ''چہرے پر رنگ دل کی خوشی سے آتا ہے۔'' طلعت بولی۔

''اب اسے سمجھاؤ بیٹھ کر کہ یہ اپنی منگنی سے خوش ہو جائے ورنہ پٹ جائے گی کسی دن میرے ہاتھ سے۔''

''کیوں طلعت! جواد تو بہت اچھا بندہ لگا مجھے۔''

اف کتنے دن ہوئے وہ ترس گئی تھی کہ اپنی سب سے رازدار سکھی سے اپنے دل کا یہ معاملہ شیئر کرے۔ طلعت آج کل ہر معاملے میں جذباتی ہو رہی تھی۔

''چلو ہٹو۔ تمہیں کہاں بندوں کی پہچان ہے۔'' وہ یک دم کہہ گئی مگر آصفہ کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ طلعت کو خود اپنی جلد بازی پر ملال سا ہوا مگر بات جیسے ٹہنی سے ٹوٹا ہوا پھول، لاکھ چاہو دوبارہ جڑ نہیں سکتا، جیسے بادل سے برسا ہوا پانی، برسا تو پھر پلٹ نہیں سکتا۔

''نہیں طلعت! جواد ضرور اچھا آدمی ثابت ہوگا۔ تم خود اتنی اچھی ہو اور وہ تو تمہیں پسند بھی کرتا ہے نا۔۔۔''

اس نے اپنے چہرے کا رنگ اپنے بس میں کیا، آنکھوں کی زبان قابو میں کی اور بات طلعت کی طرف ہی لے آئی۔

''پسند کیا، وہ تو جیسے بس دیوانہ ہی ہونے والا ہے، یہ دیکھو۔۔۔''

آپ آئے تو چمن میں بہار آ گئی
پھول کھلنے کھلانے کے دن آ گئے
اپنی طبیعت میں ایسی سرمستی چھا گئی
بیٹھے بیٹھے کھو جانے کے دن آ گئے

اس کارڈ میں ہر جگہ دل، تیر کمان اور پھول پتے بنے ہوئے تھے، صرف میری طلعت کے نام سے اوپر اسے مخاطب کیا گیا تھا اور نیچے اشعار کے بعد ''سدا آپ کا رہنے کی خواہش میں جان بھی لٹا دینے کو تیار۔۔۔ جواد۔''

''ہائے طلعت اتنا چاہتا ہے تمہیں اور تم ناشکری کر رہی ہو۔''

''صرف چاہتا نہیں ہر ہر لفظ میں، ہر ہر قدم پر اور ہر ہر عمل میں چاہت بس ٹپکا تا پھرتا ہے۔ ارے یہ کوئی طریقہ ہے چاہنے کا، اپنے اٹھارہ سالہ بھانجے کے ہاتھ یہ کارڈ انہوں نے بھیجا ہے مجھے۔''

''افوہ محسوس تو کرو طلعت! مرد کے اس طرح چاہنے میں کتنا سرور ہوتا ہوگا نا۔''

آصفہ عجیب سے لہجے میں کچھ بدلی سی کیفیت کے ساتھ کہہ رہی تھی اور طلعت لمحے بھر کے لیے اس کی شکل دیکھتی رہ گئی۔

گہرے سبز رنگ کے سوٹ پر آف وائٹ چوڑی سی لیس لگی ہوئی تھی اور کانوں میں اس نے ویسے

ہی سینڈ اور آف وائٹ نگوں والے بندے پہن رکھے تھے۔ سادگی سے تیار ہوئی آصفہ بھی اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ کوئی کافر ہی ہوگا جو اسے نہ چاہے گا، نہ سراہے گا۔۔۔

''تم جانتی ہو مجھے یوں چلتے پھرتے اظہار کرنے والے مرد پسند نہیں۔''

''پگلی ہو تم، لڑکیاں تو فخر کرتی ہیں کہ دیکھو ایسا ہینڈسم سا بندہ مجھ پر مرتا ہے۔''

''یہ ہر وقت جان ہتھیلی پر لیے گھومنے کی ادائیں مجھے اپیل نہیں کرتیں۔''

اس کی اپنی رٹ تھی اور آصفہ کی اپنی سوچ۔۔۔ ہر انسان جتنا الگ اپنی راہ پر چلتا ہے اتنی اس کی سوچ اپنے ساتھیوں سے بدلتی جاتی ہے اور حالات انسان کو بدل دیتے ہیں یہ انسان کے لیے اپنے اختیار کی بات نہیں۔

''دیکھو مجھے یقین ہے کہ تم خوش رہو گی۔''

''جیسا کہ تم لوگوں کو میرے بارے میں یقین تھا کہ میں خوش نہیں رہوں گی۔'' ایک جملہ اس نے کہا اور باقی آدھی بات صرف خود سوچی۔

''اچھا چھوڑو اس موضوع کو۔ تم اپنی بتاؤ کیسی ہو، اتنے دنوں بعد تم نے میرے لیے وقت نکالا۔''

کتنے دنوں سے وہ جلی بھنی بیٹھی تھی کہ اب آصفہ سے ملاقات ہوئی تو اس سے بات ہی نہ کرے گی۔ چاہے وہ خود چل کر اسے منانے آئے، اس کی طرف دیکھے گی بھی نہیں اور آج وہ اس کے پاس آئی تو سارے شکوے شکایات وہ بھول سی گئی، اس کا جی چاہا اپنے اندر بسنے والے سارے جذبے اس کی راہ میں بچھا دے۔ تہنیت اس کا خیال سنتی تو ضرور لتاڑتی کہ ''بے چارے جواد کا کیا قصور ہے وہ جان تک لٹا دینے کو تلا بیٹھا ہے اور تم سے چند جذبے اس پر نہیں لٹائے جاتے۔''

''آج بھی وقت میں نے نہیں نکالا، بس گھر سے نکل کر اچانک خیال آیا اور میں سیدھی یہیں چلی آئی۔''

''ہمیں اپنے دل کے کونے میں پھینک ڈالا ہے نا، اس لیے ہمارے لیے وقت نہیں نکلتا تمہارے پاس۔''

''نہیں طلعت! تم سب لوگوں کو تو اپنے دل کے محفوظ ترین کونے میں قیمتی خزانے کی طرح چھپا رکھا ہے۔ شاید میں ایک وقت میں سب کے حقوق ادا نہیں کر سکتی اس لیے۔ تمہاری دوستی کا حق تو ساری زندگی میرے ساتھ رہے گا۔''

''جہاں موقع ملا ضرور حق نبھایا کروں گی۔'' آصفہ سنجیدگی سے طلعت کے اس جذباتی پن کو سمجھ رہی تھی جو شاید ابھی نادانی میں تھی۔ دنیا سے آنکھ نہیں ملائی تھی نا ابھی تک اس نے۔

''پھر بھی آصفہ! اگر تم سمجھتی ہو کہ شادی انسان کو پابند کرتی ہے تو اس کے اعمال و افعال کو پابند کر سکتی ہے، اس کے جذبوں اور سوچ پر تو کوئی جال نہیں ڈال سکتی۔''

''جب اعمال افعال کے چکر میں پڑ جاتا ہے نا آدمی تو جذبوں اور خیالوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کے لائق بھی نہیں رہتا۔ بندے کی اپنی کوئی خطا ہوتی نہیں مگر قدم قدم پر خطائیں ستاتی ہیں۔ طلعت! تم نہیں سمجھو گی اور میں سچے دل سے دعا کرتی ہوں کہ تم کبھی اس بے حس چکر کو نہ سمجھو اور پلیز مجھ

سے ضد بھی نہ کرو کہ میں تمہیں کچھ سمجھاؤں۔''

اس کا چہرہ شدّتِ ضبط سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں سمندر بھرا پڑا تھا اس نے مضبوطی سے طلعت کے ہاتھوں کو تھام رکھا تھا اسے یونہی خود پر وہم سا ہوا کہ آج وہ طلعت کے پاس اس لیے آئی ہے کہ وہ سارے قرض اتار دے جو اس نے اس سے وابستہ کر لیے ہیں اور جو قرض نہ اتار سکے وہ معاف کروالے۔ اس کی شکوہ کرتی آنکھوں نے آدھی آدھی رات تک سائے کی طرح آصفہ کا تعاقب کیا ہے اور اپنی آہوں کے سمندر میں ہاتھ پاؤں مارتی آصفہ اکثر اس سائے سے الجھ جاتی تو اور دھکے کھانے لگتی۔

''آصفہ! میں نے خود ہر دن کے نکلتے پلٹتے تمہارے لیے اتنی دعائیں کی ہیں، یہ دعائیں جانے کیوں عرشِ معلّٰی کا رستہ نہیں پاتیں۔''

وہ بہت پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہنسی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سامنے آئینہ نظر آیا تو اس کے آگے سے منہ پھیر کر وہ باتھ روم کے اندر چلی گئی۔ تیز نلکا کھولا اور ڈھیر سارا ٹھنڈا پانی بھر بھر کر اپنے چہرے پر ڈالنے لگی پھر اسے خیال نہ رہا اسی پانی میں اس کے اپنے ڈھیروں آنسو مل گئے اور ان آنسوؤں میں اتنی گرمی تھی کہ ٹھنڈے پانی میں کتنی دیر تک اس نے حرارت محسوس کی۔

''آصفہ! امینہ خالہ کا فون آیا ہے تمہارے لیے۔'' باتھ روم کے دروازے کے باہر جب تہنیت نے اسے پکارا تو وہ سنبھلی۔

''اچھا ابھی آتی ہوں۔'' تولیے سے چہرہ رگڑ کر صاف کرتے ہوئے وہ نکلی۔

''اف چار بجنے والے ہیں، مجھے انہیں فون کر دینا چاہیے تھا۔''

''امی جان یہی پوچھ رہی تھیں کہ میں اگر گھر جاؤں تو وہ انتظار کریں ورنہ ماموں کے ہاں چلی جائیں، میں نے کہا میں نہیں سے ماموں کے ہاں چلی جاتی ہوں، خالہ آپ بھی تیار ہی ہیں نا جانے کے لیے۔'' فون رکھ کر اس نے آمنہ خالہ سے کہا۔

''ہم تو صبح سے تیار بیٹھے ہیں جانے کے لیے، تم درمیان میں آ گئیں ورنہ ہم اب تک بڑے ماموں کے ہاں بیٹھے ہوتے۔'' تہنیت نے ہنس کر اپنی ماں کو دیکھا۔

''تم نہ باز آنا تہنیت! بھلا میری بچی اتنے زمانے کے بعد یہاں آئی ہے، آصفہ بیٹا! تمہارا جب تک جی چاہے یہاں بیٹھو۔ ہم دیر سے چلے جائیں گے بھائی جان کے ہاں۔''

''افوہ اتنی لاڈلی بچی، سنا آپا! دیکھیں ذرا امی کو اور ہم تو تیار ہونے میں ذرا پانچ دس منٹ اِدھر اُدھر کر دیں تو امی جان کا پارہ ہائی ہو جاتا ہے۔ آج اپنی ساری بے تابی و بے قراری بھولے بیٹھی ہیں۔''

''تہنیت جوش میں آئے تو یونہی بولا کرتی تھی، آصفہ خود ہنسنے لگی اور تہنیت کی باتوں سے ہی اس کا ذہن بھی کچھ ہلکا پھلکا ہوا۔ ذرا ماحول بدلنے سے انسان کے دل و دماغ پر کیسا اثر پڑتا ہے۔

''نہیں خالہ! بس اب چلتے ہیں، وہاں بھی سب منتظر ہی بیٹھے ہوں گے اور پھر رات میں تھوڑی دیر کے لیے ابو کے پاس بھی ضرور جاؤں گی۔''

''یار! کیا مصیبت ہے رکنے کے لیے کیوں نہیں آ جاتیں، سچ تمہارے بغیر ماموں جان کے ہاں

بھی کچھ مزا نہیں آتا۔''

طلعت اس کے یوں پھر اپنی رفتار پر لوٹ جانے پر بری طرح اکتائی۔

جواب میں وہ صرف ہنسی، اب اس کی کوئی بحث طلعت کو مطمئن نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی طبیعت کی بے چینی عجیب روپ دھارے بیٹھی تھی۔ کتنی ٹھہری ہوئی اور پرسکون لڑکی ہوا کرتی تھی وہ۔۔۔ کیا ایک صرف آصفہ جلالی کے دوستانہ روپ کے بچھڑ جانے نے اسے اتنا مضطرب کر دیا ہے۔ اس کا یوں ظاہر ہوتا جذباتی پن اچھا نہ تھا، لیکن شاید یونہی پھر ظاہر کی حد سے بے زار ہو کر پلٹتے ہوئے سمٹ جائے۔

بڑے ماموں جان کے ہاں بڑی گہما گہمی کا سماں تھا۔ ہر زبان پر سنبل اور انصار کی شادی کا چرچا تھا اور اسے خیال ہوا کہ ایک شرجیل سے شادی کیا ہوئی وہ اپنی زندگی کی ہر رونق اور دل کی خوشی سے دور ہو کر رہ گئی ہے۔

''اف بے چاری سنبل اکیلی گھر میں بیٹھی ایسی رونق کا صرف خواب دیکھ رہی ہوگی۔''

وقار نے سب لڑکیوں کو سر جوڑے بیٹھے دیکھ کر سنبل کو یاد کیا۔ وہ سب اپنے پسندیدہ موضوع کپڑے، زیور، ہار سنگھار میں الجھی ہوئی تھیں۔۔۔ اور ان ہی سب کے درمیان گھری بیٹھی آصفہ کو اچانک خیال آیا کہ اسے سنبل کے پاس بھی جانا چاہیے تھا۔ صفیہ خالہ کے گھر تو وہ پلٹ کر گئی ہی نہیں، سنبل کیا سوچتی ہوگی۔ آخر وہ ان سب پیاروں کی محبتوں کا قرض کس طرح اتار پائے گی۔ اف کیسی الجھنوں کے جنگل ایسی دنیا میں پھنس کر رہ گئی ہے وہ، ان محبتوں اور محبت کرنے والوں کو یونہی نظر انداز کر دے۔۔۔

''اے! تم کیسے محفل میں بیٹھ کر تنہائی کے مزے اُڑا رہی ہو۔'' سب سے پہلے وقار نے ہی اسے ٹوکا اور وہ چونک سی گئی۔

''میں سنبل کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی، وقار میں کئی دنوں سے صفیہ خالہ کے گھر بھی نہیں جا سکی۔ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا کہ وہ یہاں نہیں ملے گی۔'' دھیرے دھیرے اس نے کہتے ہوئے اپنے بھائی سے ہی اپنی مشکل شیئر کی۔

''اب یہاں کیسے آئے گی، ہماری نانی ماں اس کی چٹنی بنا کر رکھ دیں گی، تمہیں خبر نہیں طلعت کی منگنی کے لیے بھی خاص اجازت لے کر آئی تھی، نانی ماں نے تو پہلے منع ہی کر دیا تھا۔ پھر بڑی بڑی سفارشیں ان کے پاس گئیں تب کہیں جا کر وہ مانی تھیں۔''

''مجھے اس بات کا اندازہ نہیں رہا۔''

''میں یہی تو کہہ رہا ہوں کہ اکیلی اپنے گھر میں بیٹھی ہمیں ہی یاد کر رہی ہوگی۔''

''پھر چلیں صفیہ خالہ کے گھر۔۔۔'' اس نے کہا تو وقار نے سر ہلا کر کاندھے اچکاتے ہوئے ابھی تک کپڑوں زیور پر الجھتی بحث کرتی لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''سنو صفیہ خالہ کے گھر چلیں ابھی۔'' اسے خبر تھی کہ اسے خود جتنے کام نظر آ رہے تھے آج ہی نمٹا لینے چاہئیں، اپنے گھر جا کر نہ اسے ان سب باتوں کا دھیان رہے گا نہ وہ کوئی موقع نکال سکے گی۔

''نہیں پیر کو جانے کا پروگرام بنایا تو ہے، تمہیں پتا نہیں۔'' تہنیت نے جواب دیا تو وہ الجھ گئی۔۔۔

''پیر کس نے دیکھی ہے۔''

''آج چلتے ہیں نا، پیر کو شاید میں تو نہ آسکوں۔'' وہ دبے لہجے میں بولی۔

''تم نے قسم باندھ لی ہے کہ ہفتے کے سوا میکے نہ جایا جائے۔ دیکھو ہم سب نے پروگرام بنایا ہے ثنا آپا، عاصمہ باجی سب آئیں گی، تم بھی کہہ دینا سنبل کی شادی ہو رہی ہے، آنا جانا تو لگا رہے گا کہ نہیں بلکہ صاف گھر جا کر اعلان کر دینا نا کہ اس ہفتے پندرہ دن میں تم بہت مصروف رہو گی۔''

''یہ سب کہنے کے لیے تم اس کے ساتھ چلی جاؤ، اس کے منہ میں اتنی زبان ہوتی تو یہ اب تک صفیہ خالہ کے گھر کے دس چکر لگا چکی ہوتی۔''

ثنا آپا نے اپنی بہن تہنیت کو سمجھایا۔

''بس آج میرے ساتھ کون چل رہا ہے، میں جا رہی ہوں صفیہ خالہ کے گھر۔'' اس نے مزید بحث کے بجائے صاف فیصلہ کر لیا۔

''ارے اگر تم جاؤ گی تو ہم بھی جائیں گے۔'' طلعت فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں امی جان اور بڑے ماموں سے پوچھ کر تم تینوں لڑکیاں تھوڑی دیر کے لیے ہو آؤ۔'' عاصمہ باجی کی بات پر وہ تینوں تیزی سے اندر کی طرف چلی گئیں۔

''تمہاری ساس نے تو کہا کہ تمہاری طبیعت کچھ ناساز ہے تم نے ان کے ساتھ ادھر آنے سے منع کر دیا، تم نے کہا تم امی کے گھر جا کر آرام کرو گی۔''

صفیہ کے گھر گئے تو اس کی صورت دیکھتے ہی خالہ بولی تھیں۔ وہ سوچ کر آگے چپ رہی، ان کا ہر انداز نہ سمجھ میں آنے والا ہے۔

''ابھی ابھی تو ہو کر گئی ہیں، دونوں ماں بیٹی سنبل سے ملنے اور کچھ کام وغیرہ ہو یہ پوچھنے کے لیے۔۔۔''

نیند پلکوں پہ کبھی رات گئے
رند آوارہ سی چاہنے والے کی طرح
لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلی آتی ہے
جھانک کر دیدۂ غم ناک میں آہستہ سے
چشم بے خواب سے کہتی ہے ذرا سو جاؤ
نیند پلکوں پہ کبھی رات گئے
سرمئی رنگ بھرے ہاتھوں سے
ادھ کھلے پھول کھلاتی ہے تمناؤں کے
ان گنت خواب بنا کرتی ہے جو دیکھے تھے
ہلکے سایوں سے کبھی، نرم اجالوں میں کبھی
نیند پلکوں پہ۔۔۔

بہت دلکش آواز میں میزبان یہ نظم سنا رہا تھا مگر ادھوری رہ گئی اسے ریڈیو بند کرنا پڑا۔

وہ ریڈیو پروگرام بہت ہلکی آواز کے ساتھ سننے میں مگن تھی، شرجیل کھانے کے وقت آنے کا کہہ کر ابھی تک آیا نہ تھا اور شرمین اور عینی آپا بازار گئی ہوئی تھیں، سارے کام نمٹا کر آج وہ بالکل فارغ بیٹھی ہوئی تھی۔ دن دھاڑے یوں فراغت اس کے لیے اب خواب سی ہوگئی تھی۔ شاید اس لیے کہ عالیہ آنٹی کھانا کھا کر گہری نیند سو گئی تھیں ان کے سونے جاگنے کا کوئی وقت تھا نہ سماں اور کسی کی مجال بھی نہ تھی کہ کوئی ان کے لیے وقت اور سماں باندھ سکے۔

عینی آپا کے بچے ٹی وی لاؤنج میں کارٹون فلم دیکھنے میں مگن تھے، سو وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور گھڑی میں ٹھیک دو بجے کے وقت پر اسے اپنا پسندیدہ ترین ریڈیو پروگرام یاد آیا تھا۔

اور ابھی پروگرام آدھا ہی ختم ہوا تھا کہ شرجیل دھڑ سے دروازہ کھول کر کمرے میں آ گیا۔

''اف آپ کا اسٹائل! بندہ موت کی نیند سے جاگ جائے۔'' گرمی میں الجھتے سلگتے آئے شرجیل سے اس نے کچھ کہا نہیں، بس اپنے جی میں سوچ کر رہ گئی۔

''اس کونے میں چھپی بیٹھی رہتی ہو تم، بندہ گرمی میں تپتا ہوا آئے تو گھر میں کوئی پانی کا گلاس دینے والا بھی نہ ہو۔''

''اس کونے میں سر چھپانے کی جگہ آپ نے ہی دی ہے، میں نے خود تو یہ کمرا اپنے لیے نہیں چنا۔''

اس کا موڈ ویسے ہی غارت ہو گیا تھا۔۔۔ شرجیل کا ہر انداز ستانے والا اور بے زار کرنے والا ہی ہوتا تھا۔

''چلو بھئی، یہاں تو بیگم صاحبہ لڑنے کے لیے تیار بیٹھی ہیں۔'' وہ سر پکڑ کر اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔

آصفہ پانی کا گلاس بھر کر اس کے آگے کھڑی ہوگئی تھی۔ بولی کچھ نہیں۔۔۔

''جب گھر میں کوئی نہیں ہے تو تمہیں وہاں موجود رہنا چاہیے، کوئی آیا گیا، بچے ٹی وی دیکھ رہے ہیں، کوئی الٹی سیدھی حرکت کر بیٹھیں۔ تمہیں تو خبر بھی نہ ہو۔'' پانی پی کر بھی وہ ٹھنڈا نہ ہوا، وہ چپ ہوگئی تھی مگر اس نے پھر بات بڑھائی۔

''شرجیل! کام ختم ہونے کے بعد میں اپنے کمرے میں ہی آؤں گی نا، اب کمرا دور ہے تو اس میں میری کیا خطا اور اس گھر میں کوئی آنے جانے والا مجھے خبردار نہیں کرتا کہ جا رہے ہیں یا آ رہے ہیں۔ رہے بچے تو سکینہ وہاں کچن میں ہی موجود تھی۔''

''تم ہر وقت شکوے شکایات اور لڑنے کے بہانے نکالے بیٹھی رہتی ہو، ارے گرمی اور دھوپ سے میرا مزاج ویسے ہی تپ رہا ہے مزید تم بے زار کر رہی ہو۔''

''اب بھلا سورج سے بھی میں نے کہا ہے کیا کہ آپ ہی کے سر پر برسے۔'' وہ سچ مچ آج اسے زچ کر رہی تھی۔ اتنا خوب صورت پروگرام وہ اتنے شوق سے سن رہی تھی اور جو وہ خود زچ ہوئی اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

بے زاری کا یہ زمانہ اتنی جلدی آ گیا کہ وہ اپنے شوہر کے گھر آنے پر بدمزا اور چڑچڑی ہو رہی تھی۔۔ خواب، محبت، جنون اور الفت، سب کچھ ریت ہی ہو گیا کہ نہیں۔۔۔

''اف کس گناہ کے طور پر مسلط کی گئی ہے یہ لڑکی میرے سر پر۔۔۔'' وہ بری طرح چڑ کر کہہ رہا تھا مگر اسے لگا کہ تھکا ہوا بہت زیادہ ہے ورنہ اس کے ایسے لہجے اور بات پر یوں اسے بخش نہ دیتا۔۔۔ سر پر ہاتھ رکھے لیٹتے ہوئے اس کو اس کا انداز کچھ مایوس سا بھی لگا۔

تھوڑی دیر چپ ہو کر وہ بھی صوفے کے کنارے پر بیٹھ گئی، پھر خود ہی کھڑی ہوئی۔

''کھانا لگاؤں۔۔۔؟''

''نہیں کھانا۔۔۔'' وہ غصہ دکھاتے ہوئے اٹھ گیا۔

''کیا بات ہے کیوں اتنے پریشان اور ناراض ہیں۔''

''اتنی اچھی جاب تھی، میں پوری طرح کوالیفائی کرتا تھا مگر آخر۔۔۔ آخر انہوں نے کسی اور کو سیٹ دے دی۔''

''جاب! آپ جاب کیوں ڈھونڈ رہے ہیں۔''

''تو کیا کروں ساری عمر یوں اسپتالوں کے دھکے کھاتا رہوں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''نہیں کرنی مجھے اب یہ ڈاکٹری واکٹری بس میں چھوڑ رہا ہوں۔'' اف اس کے لہجے کی چڑ اور بے زاری۔۔۔ اس کا دل بیٹھ سا گیا۔

''آپ کو تو آگے پڑھنا تھا۔۔ سرجن بننا تھا، آپ ڈاکٹری کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔''

''میں بھلا آگے پڑھ سکتا ہوں، میں اسپتال کی ڈیوٹی ڈھنگ سے نہیں دے سکتا، سرجن بنوں گا؟ ارے وہ اور لوگ ہوتے ہیں جو اتنا پڑھتے ہیں، بڑے لوگ بنتے ہیں، ان کے گھر کا ماحول ایسا نہیں ہوتا جنگل جیسا۔۔۔''

وہ بری طرح پتا ہوا تھا، جانے اپنے حالات پر، اپنے کچھ نہ بن سکنے پر یا نوکری نہ ملنے پر۔۔۔

''شرجیل پلیز! میں آپ کی مدد کروں گی، ہم دونوں مل کر گھر کا ماحول سنوار لیں گے۔ آپ کی پڑھائی کے لیے میں آپ کی ہر طرح آسانی کا خیال رکھوں گی۔''

''آصفہ بیگم! تم احمقوں کی جنت میں رہتی ہو۔۔۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''تم نہیں جانتیں یہ سب میری ماں کو پسند نہیں ہے، رات رات بھر میرا ڈیوٹی دینا، لائبریری میں بیٹھ کر پڑھنا، ڈاکٹروں کے پاس یا کولیگز کے ساتھ دھکے کھانا اور جو کام انہیں نہیں پسند، وہ میں کبھی کر ہی نہیں سکتا۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ، آپ تو مرد ہیں۔ یوں اپنی ہمت و جرات کو نیچا دکھا رہے ہیں۔ مرد دنیا میں کیا نہیں کرتے۔ یوں بھی جب پڑھنے کے لیے باہر جائیں گے اور اس گھر کے ماحول سے نکلیں گے تو مجھے یقین ہے آپ بہت کچھ کر لیں گے۔''

''مت بناؤ اتنے خیالی پلاؤ، تم میری مجبوریوں کو نہیں سمجھتیں، کوئی نہیں سمجھ سکتا۔''

''تو سمجھائیے نا، میں کوشش کروں گی سمجھنے کی۔۔۔''

وہ ہر طرح شرجیل کو قائل کرنے پر تلی تھی اور شرجیل ہر تنکا شاید بہا کر خالی ہاتھ کنارے پر بیٹھ گیا تھا۔

''ارے تم اس گھر میں رہ کر اپنی زندگی نہیں سنوار سکتیں، میری کیا بناؤ گی۔ میری ماں مجھے پڑھنے کے لیے باہر بھیجیں گی، وہ مجھے چار دن تمہارے ساتھ ہنی مون منانے پیٹریا ٹا (مری) بھیجنے پر راضی نہیں ہیں۔''

''پلیز شرجیل! آپ کو لمبی ڈگریوں کے ساتھ بڑا ڈاکٹر بنے دیکھنا تو میری برسوں کی خواہش ہے آپ یوں میرا خواب نہیں توڑ سکتے۔''

وہ سچ مچ پاگل تھی، اپنی زندگی داؤ پر لگ جانے کی پروا بھلائے بیٹھی شرجیل سے وابستہ خوابوں کو سچ کرنے کے چکر میں پڑی تھی۔

''میری مانو آصفہ! تم بھی مجھ سے چھٹکارا حاصل کرلو، میری ماں تمہیں اس گھر میں جینے نہیں دے گی، ابھی تمہارے آگے لمبی زندگی پڑی ہے، اچھے سے اچھا رشتہ مل جائے گا۔''

وہ انتہائی ڈپریشن کا شکار آدھا پاگل لگ رہا تھا، لہجے میں جنون اور آنکھوں میں وحشت ناک سرخی تھی۔

''شرجیل! کیا ہوگیا ہے آپ کو۔۔۔'' وہ بری طرح چیخ پڑی۔۔۔ وہ پھر بالکل بے حال سا ہو کر اپنے بستر پر گر گیا۔۔۔ پھر چند ہی منٹوں میں کھڑا ہوا۔

''سوری آصفہ! پلیز سوری، تم مجھے چھوڑ کر مت جانا، تم گئیں تو شاید میں جتنا زندہ ہوں اتنا بھی نہ رہوں۔'' وہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اب سر جھکا کر بیٹھ گیا تھا۔

آج شرجیل کے ساتھ اسے تایا جان کے ہاں کھانے پر جانا تھا۔ عالیہ آنٹی کو قطعی اچھا نہ لگ رہا تھا۔ مگر ایک اس واحد معاملے میں وہ کچھ کر نہ سکتی تھیں۔ کہتی بہت کچھ رہتی تھیں مگر بس اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی حد تک، باقی کمال احمد کے سامنے کبھی اپنی ایسی عزت نہیں بنائی تھی کہ ان کے حضور ان کی کوئی بات مقدم ٹھہر سکتی۔ اور مقدم ٹھہر بھی سکے اگر کبھی وہ جائز یا اپنے مفاد سے ہٹ کر کوئی بات کہنے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ ان کی زندگی کا چکر بس ''میں اور میری'' کے گرد ہی گھومتا تھا، ان کا گھر، ان کی اولاد ان کا شوہر سب صرف اسی محور میں پھنسے ہوئے تھے۔

''اونہہ! آپ کی ماں ہیں مگر کبھی آپ کی اولاد کو پسند کیا ہے؟ ارے کھانے پر بلایا ہے تو ایک شرین کو ساتھ کہہ دیتیں تو وہ ان کا کتنا کھانا کھا جاتی۔

یہ صرف اس ایک دن کے ان کے مل بیٹھنے کا کمال ہے، آصفہ نے رو رو کر آپ کی ماں کو یہ یقین دلا دیا ہوگا کہ ہم کتنے ظالم ہیں اور بے چاری وہ خود کتنی مظلوم۔''

انہیں رہ رہ کر تاؤ آ رہا تھا۔

''یہ ساری مصیبت صرف آپ کی وجہ سے ہے ورنہ اپنے شرجیل کو تو میں ابھی ایک اشارہ کروں تو ہرگز اس دعوت میں نہ جائے۔''

''بس اب تم ختم کرو اس قصے کو عالیہ! اگر تمہاری یہ باتیں شرجیل نے سن لی تو وہ واقعی نہ جائے گا

اور پھر تم جانتی ہو، ساری مشکل ہمیں ہی اٹھانی پڑے گی۔''

''لیجیے چپ ہو جاتی ہوں، جانے دیجیے انہیں، میرا دل جلتا رہے یا میں خود جل مروں، آپ کو اس کی کیا پروا ہے۔''

عالیہ بیگم کا بس نہ چل رہا تھا کہ کسی طرح آصفہ کو گردن سے پکڑ کر گھر میں بٹھا دیں اور کہیں ''جا کر دکھاؤ۔'' یہ ساری کیفیت صبح سے آصفہ اچھی طرح محسوس کر رہی تھی مگر اسے بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ اپنا اتنا غصہ اور جلن کیونکر برداشت کر رہی ہیں۔ اگر چاہیں تو واقعی ابھی کھڑے کھڑے منع کر دیں اور وہ ایک قدم گھر سے باہر نہ نکال سکے۔ تایا جان کے گھر دعوت پر جانا تو دور کی بات رہی لیکن خدا کسی کو بے بس کرتا ہے تو وہ بھی ایک حد تک، کسی کی رسی دراز کرتا ہے تو وہ بھی بس اپنی رضا تک۔

''آج بہت خوش ہو، تمہاری تو لگتا ہے لاٹری نکل آئی ہے۔''

گرے رنگ کی بلیک پھولوں سے بھرے بارڈر والی ساڑھی پہنے اس کے چہرے پر نکھار ہی ایسا آیا تھا اور شاید وہ خوش بھی یقیناً زیادہ تھی مگر یونہی سی اس کے دل میں بات آئی کہ شرجیل کو اس وقت ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں مگر شرجیل کو جلی کٹی سنانے کے لیے وقت کا پابند نہیں ہونا پڑتا تھا۔

خیر اس نے سوچ لیا تھا کہ اس وقت وہ شرجیل کی کسی بری یا بدترین بات کا بھی جواب نہیں دے گی۔ اسے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ یہ چھوٹی سی خوشی کہیں اس سے چھن نہ جائے۔

''چلیں شرجیل! میں بالکل تیار ہوں۔'' اس نے چوٹی میں خوب صورت سا گرے موتیوں والا ہیئر بینڈ ڈالا، کانوں میں سیاہ موتیوں والے بندے، بالوں کے سمٹ جانے کے بعد واضح جھلک دکھا رہے تھے۔ اس نے ہلکا سا میک اپ کیا تھا لیکن خدا کی عطا کردہ نعمت اس کی صورت پر بہت پھیلی ہوئی تھی۔ اسے حسین لگنے کے لیے ایسے مصنوعی سہاروں کی زیادہ ضرورت نہ تھی۔

''افوہ جانے کی جلدی بھی بہت ہے۔'' شرجیل جانے کیوں اس کے لشکارے مارتے حسن و دلکشی پر بھی راضی نہ ہو رہا تھا۔

اس کے دل میں جب چڑ اور بے زاری اور دماغ میں خناس بھر رہا تھا تو اس کی انصاف اور محبت کی آنکھ بند سی ہو جاتی تھی۔

''شرجیل پلیز! دیکھیں میں اچھی لگ رہی ہوں نا۔'' اس نے خود کو اس کے سامنے ظاہر کرنا چاہا یوں شاید وہ اپنے بے زار خیالوں اور برے خوابوں سے جاگے۔ اور شاید وہ کچھ چونک ہی گیا۔ اتنی دیر میں اس کے پکارنے پر ہی اس نے اسے غور سے دیکھا تھا۔

''آصفہ! تم اگر اتنی خوب صورت نہ ہوتیں تو شاید میں تمہیں۔۔۔''

وہ یک دم چپ سا ہو گیا، شاید وہ کوئی بہت بُری بات کہنے جا رہا تھا اور وہ رک گیا تو اس نے شکر کیا کہ چلو اسے اتنا احساس تو ہوا کہ کوئی ایسی بات نہ کہنی چاہیے۔

''تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' پچھلی بات چھوڑ کر اس نے ہنس کر کہا۔ وہ بھی ہنس پڑی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ چھوٹی سی بات پر بھی خوش ہو جائے گی۔

''اب چلیں!'' اس نے پرس اٹھا لیا۔

''ہاں چلو۔'' وہ گاڑی کی چابی لے کر اس سے پہلے کمرے سے نکل گیا۔ وہ بھی پیچھے ہی آ گئی۔

عالیہ آنٹی لاؤنج میں ہی بیٹھی ہوئی تھیں اور شرمین بہت تیز آواز میں ٹی وی کھولے حسب معمول کوئی فلم دیکھ رہی تھی۔ وہ شرجیل کے پیچھے پیچھے چلتی جا رہی تھی کہ اس کی آڑ میں، ان دونوں ماں بیٹی کی نظر میں نہ پڑے۔ وہ دونوں خود جب جی چاہتا منہ اٹھائے اس کے سامنے ہی شرجیل کے ساتھ جانے کہاں کہاں نکل جاتیں، لیکن آج وہ اپنے میاں کے ساتھ سج سنور کر جا رہی تھی تو ان کی نگاہوں میں شعلے لپک رہے تھے۔ سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے اور آج یہ کیفیات وہ بیان بھی نہ کر پا رہی تھیں پھر آصفہ کو کیا پڑی تھی کہ یوں ان بدترین احساسات کو محسوس کرے۔

آخر لاؤنج سے گزرتے ہوئے اس کا دل کیوں بہت تیز دھڑک رہا تھا۔ کیوں اپنی ساس کو وہ اللہ حافظ کہنے کے لیے کھڑی ہوئی تو اس کی ٹانگیں کپکپائیں۔

اور جیسا کہ اس نے چاہا تھا تیزی سے گزر جائے اسی کشمکش میں ہلکی سی آواز میں اللہ حافظ کہہ کر واقعی وہ چلتی بنی۔

''افوہ بھابھی جان! پانچ منٹ رک کر ہمیں اللہ حافظ کہہ دیں گی تو ہم آپ کو نظر تو نہ لگا دیں گے۔''

بظاہر فلم دیکھتی شرمین کا دھیان اسی کے قدموں کی آہٹ میں الجھا ہوا تھا۔

''تم فلم دیکھنے میں اتنی محو تھیں، میں نے سوچا کیا ڈسٹرب کروں۔'' اس کو ہزار نہ چاہنے کے باوجود رکنا پڑا۔

''ارے بھاڑ میں گئی فلم میں تو گھنٹے بھر سے یہاں اسی لیے بیٹھی ہوئی ہوں کہ آپ نکلیں تو آپ کی تیاری دیکھوں۔ آپ کے کپڑے، میچنگ، جوتے، کم بخت ہر چیز آپ پر سجتی بہت ہے نا، مجھے تو ہر وقت اشتیاق ہی رہتا ہے۔ آپ کو سجا سنورا دیکھنے کا۔''

جانے وہ اس کی تعریف کر رہی تھی یا طنز کر رہی تھی، اس نے ایک لمبی سی سانس لے کر اپنی ناسمجھی پر افسوس کیا۔

''اچھا اب چلوں، تمہارے بھائی باہر نکل گئے ہیں۔'' وہ ٹھیک طرح ہنس بھی نہ سکی۔ یہ اضطراب، خوف، گھبراہٹ جانے کیوں اس کی ذات سے چمٹ کر رہ گئے تھے۔

''باہر کہاں نکلے ہیں، وہ تو امی کے ساتھ ان کے کمرے میں گئے ہیں۔ شاید ابو جی کو اللہ حافظ کہنے۔''

اف اس کا جی چاہا اپنا سر پیٹ ڈالے۔ اس گھر میں ہر شخص کی دو آنکھیں آگے اور دو پیچھے لگی ہوئی تھیں اور اس کی اپنی تو سامنے کی دو آنکھیں بھی پورا کام نہ کرتی تھیں۔ حد ہو گئی شرمین کی باتوں پر بوکھلاتی آصفہ کو خبر ہی نہ ہوئی کہ کب شرجیل اور امی کی ماں وہاں لاؤنج سے کمرے میں چلے گئے۔

چند قدم کے فاصلے پر دائیں طرف ہی تو بیٹھی ہوئی تھیں عالیہ آنٹی، اور شرمین نے کوئی ایسی دھیان و گیان چھین لینے والی باتیں بھی نہ کی تھیں مگر وہ ہر بری بات کو پہلے سے اپنے اوپر طاری کر لیتی تھی۔ قیامت برپا نہیں ہوتی اور اس کا شور پہلے ہی اسے اپنے وجود کے ہر حصے سے اٹھتا محسوس ہونے لگتا تھا۔

اب شرمین اسے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اپنی کم عقلی سے، اپنی ہر کمزوری کو جیسے وہ تھالی میں سجا کر

ان لوگوں کے سامنے پیش کرتی چلی جارہی تھی۔

''تھوڑی دیر میرے پاس ہی بیٹھ جائیں نا بھابھی! آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' اسے لگا جیسے اس پر ہنستی شرمین بھی اپنے بھائی کی طرح ہی بات دہرا رہی ہو کہ اگر آپ اتنی خوب صورت نہ ہوتیں تو۔۔۔ اسے بیٹھنا ہی پڑا، جب سارا وجود ہی کمزور پڑا جارہا ہو تو آدمی کہاں کھڑا رہ سکتا ہے۔

''آپ کی یہ ساڑھی میں بھی ایک دفعہ پہنوں گی۔ بہت اچھی لگ رہی ہے۔'' اسے امید نہیں تھی کہ شرمین اتنے اچھے موڈ میں اس وقت اس سے بات کرے گی۔

''ہوں! ہاں ضرور۔۔''

''دیکھیں اس ساڑھی کو اسی طرح باندھیں جس طرح اس فلم میں کرشمہ کپور نے باندھی ہے تو اور اچھی لگے، لیکن آپ کا بلاؤز بہت لمبا ہے۔ دکھائیں، کھڑی ہوں ذرا۔'' وہ عمل کر کے دکھانا چاہ رہی تھی۔

''نہیں مجھے چھوٹے بلاؤز نہیں پسند۔'' وہ کھڑی نہ ہوئی۔

''افوہ بھابھی! اب آپ شادی شدہ ہیں۔ اب کیا شرمانا۔''

اس کا لہجہ بے باک تھا اور یوں بھی اس کی فطرت کا اب تک اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔ یہی رونا تھا کہ اپنی ایسی تیز انداز لگانی والی، سب کو منٹوں میں پرکھ لینے والی طبیعت رکھنے کے باوجود وہ مسلسل مار کھائے جارہی تھی۔

''میں دیکھتی ہوں شرجیل کو۔۔۔'' وہ یہاں رکنا نہیں چاہ رہی تھی مگر کیسے روک لی گئی۔

وہ عالیہ آنٹی کے کمرے تک پہنچی تو اس نے دیکھا شرجیل ماں کے سرہانے بیٹھا چپ چاپ ان کا سر دبا رہا تھا۔ کیسی کشش تھی ان کی شخصیت میں کہ ان کے سامنے آکر شرجیل ساری دنیا یہاں تک کہ اپنا آپ بھی بھول جاتا تھا وہ کچھ کہتی نہ کہتی، شرجیل کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔

''شش! امی جان کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔''

ابھی اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ کچھ کہے کہ شرجیل نے اپنے منہ پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ کڑھ گئی۔ اپنی قوت برداشت کو آزماتے آزماتے تھک گئی۔ عالیہ آنٹی کی مکروفریب کی چالوں کو سہتے سہتے بے جان ہو گئی۔

''شاید ایسے ہر موقعے پر یہ یونہی بیمار ہو جایا کریں گی۔'' وہ چڑ کر سوچ سکتی تھی کہہ نہ سکتی تھی۔

''اف امی جان کو کیا ہوا، کتنی دیر سے کہہ رہی تھیں کہ طبیعت کچھ بوجھل سی ہو رہی ہے۔''

شرمین نے کمرے میں آتے ہی واویلا مچا دیا تھا۔

''کچھ نہیں میں نے انجکشن لگا دیا ہے، ابھی ان کے جسم کا درد اور گھبراہٹ کم ہو جائے گی۔''

''ارے بھائی جان! مجھے آواز دے لیتے، کم سے کم اتنی دیر امی جان کے پاؤں ہی دبا لیتی۔''

وہ ماں کے قدموں میں بیٹھ کر خدمت میں لگ گئی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ سدھرتے حالات کو مزید بے حال کر دے۔

''بھابھی جان! آپ کو ایسا خیال کبھی نہ آیا، ٹھیک ہی تو ہے آپ کی ماں تھوڑی ہیں۔''

اس نے پلٹ کر پیچھے صوفے پر ٹکی بیٹھی آصفہ کو ٹوکا۔

''اونہہ! یہ تو عجیب بے حس عورت ہے، کب سے میرے سر پر کھڑی میری ماں کی ایسی حالت دیکھ رہی ہے، مگر خدمت تو دور کی بات مجال ہے کہ جو دو لفظ خیریت کے ہی پوچھ لیے ہوں۔''

شرجیل تو اس وقت دہکتا ہوا انگارہ بنا ہوا تھا، بس ذرا آگ دکھانے کی دیر تھی اور شرجیل کے لہجے اور شرمین کے انداز پر وہ اس قدر حواس باختہ ہوئی کہ فوراً کھڑی ہوگئی اور شرمین کے دوسری طرف بیٹھ کر عالیہ آنٹی کے پیر دبانے لگی۔ خوب صورت ساڑھی، چمکتے بندے، نکھرتا روپ سب پر اوس سی پڑ گئی۔

''بس بیٹا! اب تم لوگ جاؤ، انجکشن لگا دیا ہے نا اس سے تمہاری ماں کو بہت آرام آجاتا ہے۔ اور پھر میں اور شرمین یہیں موجود ہیں نا۔''

بالآخر کھڑکی کی طرف رکھی ایزی چیئر پر بیٹھے سہیل انکل کو خیال آیا کہ وہ تو سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہی تھے۔

''نہیں ابو! ہم دیر سے چلے جائیں گے یا نہیں جائیں گے۔ فون کر کے دادا جان کو منع کر دیں گے۔ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو مجھے چین نہیں پڑے گا۔''

شرجیل نہ جانے کا موڈ بنائے ہی بیٹھا تھا۔

''ارے نہیں! نہیں جاؤ گے تو تمہارے دادا جان بری طرح خفا ہو جائیں گے۔''

انہوں نے دیکھا سر جھکائے بیٹھی آصفہ ابھی تک پیر دبانے میں لگی ہوئی تھی۔ انہیں اچھا نہ لگا مگر اس بات کے خلاف وہ کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔

اور باپ بیٹے کی بحث کی آواز پر عالیہ آنٹی نے آنکھیں کھولیں اور پھر اپنے قدموں میں بیٹھی آصفہ کو دیکھ کر انہوں نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے۔ ان کا انداز حقارت آمیز سا تھا۔

''جاؤ نا شرجیل! ابھی تک گئے نہیں، ویسے ہی کون مجھے اچھا کہتا ہے پھر خاندان بھر میں شہرت ہو جائے گی۔''

وہ ابھی تک آصفہ کو ویسی ہی کڑوی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ان نظروں سے بچنے کے لیے ہی اس نے کیا کیا نہ سوچا تھا لیکن یہ نظریں تو اس گھر کی ہر دیوار اور کھڑکی میں فٹ تھیں۔

''پھر ہم چلے جاتے ہیں۔'' شرجیل نے انتہائی بے دلی سے کہا اور اسے چلنے کے لیے کہا۔

''اچھا آنٹی! اللہ حافظ، شرمین اللہ حافظ، انکل ہم جا رہے ہیں۔ اللہ حافظ۔''

اس نے تینوں افراد کو الگ الگ پکار کر اللہ حافظ کہا اور سوائے انکل کے کسی نے جواب نہ دیا۔ شرمین نے منہ پھیر لیا اور آنٹی نے آنکھیں یوں بند کر لیں جیسے بہت درد میں مبتلا ہوں۔ باہر نکلی تو شرجیل وہیں کھڑا تھا۔

''ٹھنڈا پانی لے آؤ میرے لیے۔'' اتنی دیر سے کھڑا پانی وہ خود بھی پی سکتا تھا لیکن بیوی اس نے کس لیے رکھی تھی۔ اس کی تربیت میں یہ شامل ہی نہ تھا۔

پانی کا گلاس لے کر آئی تو شرجیل وہاں سے ہٹ کر گیراج کی طرف جا چکا تھا۔

''بے کار کے ڈرامے رچاتی ہیں آپ عالیہ بیگم! زیادتی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔'' اسے اندر کمرے سے آواز آئی۔ اس کے قدم اٹھتے اٹھتے رک گئے۔

''آپ تو بس رہنے دیں۔ابھی حد آپ نے دیکھی ہی کہاں ہے۔'' عالیہ آنٹی کی آواز بالکل فریش اور جوشیلی تھی۔

''بھلا بیماری میں ثواب کمانے کا موقع اولاد کو نہ دوں تو کیا پڑوسیوں کو خدمت کے لیے بلاؤں۔''

''جاشرمین! ہمارے لیے کھانا لگا بیٹا اور کچھ اچھا نہ پکا ہو تو چوکیدار کے ہاتھ کچھ منگا لینا۔آج دل بہت خراب ہے۔کھانا اچھا ہوگا تو بہل جائے گا۔''

''آہائے، آپ ابھی تک یہیں کھڑی ہیں، چھپ کر ہماری باتیں سن رہی تھیں توبہ توبہ کیسی کمینی فطرت ہے، ماں باپ نے یہی سکھایا ہے۔''

شرمین نے اسے دیکھ لیا تھا سو اونچی آواز میں چلّا کر اسے سنانے لگی اور وہ اسی رفتار سے پانی کا گلاس ہاتھ میں تھامے رکے بغیر گاڑی کی طرف بھاگی۔

''خبیث، بدروح، چڑیل، تجھے چھوڑوں گی نہیں۔'' شرمین پیچھے سے گالیاں دیتی رہ گئی۔اس کی تو سانسیں اکھڑنے لگی تھیں۔وہ سمجھ رہی تھی شرمین اس کے پیچھے دوڑ لگائے چلی آرہی ہوگی۔اسی لیے گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے شیشے سے باہر دیکھا بھی نہیں، کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرتے اس نے سوچ لیا اب بچ گئی۔

''کیا ہوا۔۔۔؟'' شرجیل اس کی ہونق شکل دیکھ کر مزید چڑ گیا۔

''پانی کا گلاس فریج سے یا کنواں کھود کر بھرا ہے۔'' شرمین کی آواز آنا بند ہوگئی تھی۔وہ سچ مچ بچ گئی تھی۔

شرمین نے اس کا پیچھا نہ کیا تھا۔

تہنیت اور طلعت دونوں تھیں تو آمنہ خالہ کی بیٹیاں لیکن دونوں کی طبیعت میں بڑا فرق تھا۔وہ بہت تیز، بے صبری، چھا جانے والی اور اچھی خاصی ضدی اور ہوشیار ضرور تھی۔لیکن ایسی بے باک نہ تھی۔بہت کچھ برداشت کر لیتی لیکن بڑوں کے آگے ضد نہ کرتی۔اپنا آپ منوانا جانتی تھی۔لیکن چیخ چیخ کر اپنے ہونے کا اعلان کرنے والوں میں سے نہ تھی۔ان دونوں بہنوں سے بڑی ثنا آپا کا مزاج بڑا میانہ رو تھا۔بالکل اپنی ماں کی طرح سلجھی ہوئی صابر، اصول پسند اور دوسروں کا بہت خیال رکھنے والی۔

''ضد نہ کرو، میں آج لائبریری نہیں جاؤں گی۔میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔'' طلعت بے زار تھی۔

''پلیز، مجھے کام کرنا ہے، تم چپ چاپ بیٹھ جانا تھوڑی دیر۔'' تہنیت پر جوش تھی، یوں بھی وہ بے زار کم ہوتی تھی اور چڑتی بھی زیادہ نہ تھی۔

''تمہیں پتا ہے تہنیت! میں نہیں بیٹھوں گی۔گھر چلو بس۔۔۔''

طلعت اپنے مزاج کو دن بہ دن برا بناتی جا رہی تھی۔جب انسان اپنے اوپر گزرنے والے حالات واقعات کو قبول کرنے سے مسلسل انکاری ہوتا ہے تو یونہی بے چین سا رہتا ہے۔

''اچھا تم چلی جاؤ گھر، میں بعد میں آجاؤں گی۔'' تہنیت بگڑ گئی۔

''بے وقوف بنا کر رکھ دیا ہے تم نے مجھے، جب دیکھو ٹیڑھے راستے پر چلتی پھرتی نظر آتی ہو۔ بھئی اپنے اس سڑے ہوئے مزاج کو سنوارنے کے کتنے پیسے لوگی۔ اور ابھی میری زندگی کے مزید کتنے دن برباد کروگی؟''

وہ واقعی کتنے دنوں سے اپنی طبیعت کے خلاف چپ چاپ اس کی بے شمار الٹی سیدھی باتیں مانتی چلی آرہی تھی۔ آج وہ باقاعدہ اس سے جھگڑنے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔'' طلعت پروا کیے بغیر بس اسٹینڈ کی طرف جانے لگی تو اسے بہت غصہ آیا۔ وہ کئی لمحے کالج کے گیٹ کے پاس تیزی سے آگے بڑھی۔ سیدھی سیدھی چلتی اپنی بہن کو دیکھتی رہی۔

''امی جان دونوں کی پٹائی لگائیں گی۔'' یہ خیال آتے ہی وہ اس کے پیچھے خود بھی تیز قدم اٹھانے لگی۔ ''یہ بات طلعت کو بھی سوچنی چاہیے مگر وہ نہ سوچے گی کیونکہ اس کا دماغ خراب ہے۔'' اس نے خود ہی کو سمجھایا۔ انڈر اسٹینڈنگ کا یہ احساس بھی ان کی تربیت میں شامل تھا۔

گلی سے مڑتی طلعت سڑک کی طرف چلی گئی تھی اور تہنیت بھی ابھی گلی کے نکڑ تک پہنچی تھی کہ اس نے دیکھا کہ ایک گاڑی بالکل طلعت کے پاس آکر رکی تھی۔ وہ اچھی خاصی حیران اور پریشان ہوئی تھی، طلعت بھی ضرور پریشان ہوئی مگر پھر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ تہنیت نے اپنی رفتار مزید تیز کر دی اور تقریباً دوڑتی ہوئی طلعت کے برابر میں جا کر کھڑی ہوگئی۔

جھکتے ہوئے گاڑی میں جواد میر کی صورت دیکھ کر اس کی سانسیں بحال ہوئیں۔

''آپ کو ہرگز یہاں نہیں آنا چاہیے تھا، مجھے ایسی حرکتوں سے نفرت ہے۔'' طلعت بدترین لہجے میں جواد میر کی کسی پیش کش کو ٹھکرا رہی تھی۔

''پلیز طلعت! آپ کی بہن آپ کے ساتھ ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے چلیں، مجھے آپ سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔ کیا آپ کو خود پر بھروسا نہیں ہے۔''

تہنیت کا اندازہ ٹھیک تھا، وہ طلعت کو کہیں ساتھ چلنے کے لیے ہی کہہ رہا تھا۔

''مائی فٹ۔۔۔'' وہ بری طرح اکڑ گئی۔ ''میں یوں کہیں بھی کسی کے ساتھ نہیں جاتی۔'' اب جواد میر اپنی گاڑی سے نکل کر باہر آگیا تھا۔ اور آگے جانے کا ارادہ رکھتی طلعت کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔

''آپ نے اپنی ڈائری میں ابھی تک میرا کوئی مقام ہی مقرر نہیں کیا۔ مجھ میں اور ''کسی'' میں بہت زیادہ فرق ہے مس طلعت۔'' وہ اونہہ کہہ کر پھر پلٹنے لگی۔

''آپ نہ مجھ سے فون پر بات کرتی ہیں نہ کسی کے سامنے کچھ بات کرتی ہیں اور میں ہوں کہ آپ سے بات کرنے کے لیے مر رہا ہوں۔''

تہنیت نے سوچا کہ سچ مچ وہی تھا جو طلعت کے اتنے ہتک آمیز رویہ کے بعد بھی بات کے لیے ترستا پھر رہا تھا اور اس بات پر ہی اسے جوش آیا۔

''کیا بدتمیزی ہے طلعت! سیدھی طرح بات تو کرو، میرا خیال ہے بات کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔'' اس نے آہستہ سے بہن کو سمجھایا۔

''میں نے تم سے کوئی مشورہ مانگا ہے کیا؟'' وہ یونہی خشک سے انداز میں کھڑی رہی۔

''دیکھیں، میرا خیال ہے آپ کے کالج کی ہی کئی لڑکیاں آتے جاتے ہم لوگوں کو کچھ مشکوک سے انداز میں دیکھ رہی ہیں۔ بہتر ہے ہم گاڑی میں بیٹھ کر یہاں سے چلے جائیں۔''

''ارے آپ کیوں اتنے ڈھیٹ بن رہے ہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں اور ہمیں اپنے رستے پر جانے دیں۔''

''آپ نے مجھے ڈھیٹ کہا ہے لیکن سمجھا نہیں ہے۔ اگر آپ اپنے رستے پر گئیں تو میں آپ کے پیچھے ہی آؤں گا۔ اور آتے جاتے آپ کو مجھ سے الجھتے دیکھتے لوگ اور زیادہ شک میں پڑ جائیں گے۔''

اس نے بھی آج طلعت کو نہ چھوڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

''اور ہو سکتا ہے کہ ہم شور مچا دیں تو یہی لوگ آپ کی بری طرح پٹائی کر ڈالیں۔'' طلعت سچ مچ پتھر کی بن گئی تھی۔

''نہیں، اتنی جرات نہیں ہے تمہارے اندر۔'' وہ بہت اعتماد سے کہتا آگے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

''آیئے۔'' اس نے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والا دروازہ پہلے طلعت کے لیے کھولا۔ تہنیت نے دیکھا کہ طلعت اب بھی زمین پر سختی سے پاؤں جمائے کھڑی تھی اور اس کی اگلی کسی بھی بے تکی حرکت سے بوکھلا کر تہنیت اس سے پہلے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گئی۔

''تم پاگل ہو گئی ہو تہنیت۔'' وہ نیچی آواز میں اسے جھڑکتی خود بھی بالآخر بے بس ہو کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''جواد بھائی! ہمیں جلدی گھر ڈراپ کر دیں۔''

گاڑی میں بیٹھ کر پھر تہنیت کچھ گھبرائی بھی کہ اگر بڑی بہن نے غصے میں گھر جا کر اس کی خبر لی تو وہ کچھ کہہ نہ سکے گی۔ یہ خالصتاً طلعت کے دل کا معاملہ تھا اور اس سارے قصے میں اس کی مثال ایسی تھی کہ بیگانے کی شادی میں عبداللہ دیوانہ۔ لیکن جانے کیوں اسے جواد میر کا یوں محبت لٹاتا انداز نرم دلی پر اکسا رہا تھا اور اس کی بہن سخت دلی کی انتہا دکھانے پر تلی بیٹھی تھی۔

اس کے خدشے کے عین مطابق جواد میر نے پزا ہٹ کے سامنے جا کر گاڑی روکی۔

''لنچ ٹائم ہے، اس لیے میں نے سوچا ایک بہترین سا پزا آپ لوگوں کو کھلاؤں، مجھے کہیں سے پتا چلا ہے کہ طلعت کہ یو لو پزا!'' وہ طلعت کے لیے نہریں کھودنے کو تیار بیٹھا تھا۔

''آپ آج کل یہی کام کرتے ہیں، میرا مطلب ہے طلعت کے بارے میں معلومات جمع کرنے کا کام۔''

طلعت جواد کی بات کے جواب میں کچھ نہ بولی تو وہ پیچھے سے بولی۔

''آپ کو کیا پتا تہنیت بی بی! میرا تو جی چاہتا ہے آپ کی بہن کے نام کی تسبیح اپنے گلے میں ڈال لوں اور دن رات طلعت طلعت، نام کی مالا جپوں۔''

وہ چھ فٹ کا ہینڈسم سا شخص اس کی بہن پر فدا ہوتا کتنا اچھا لگ رہا تھا، مگر طلعت کم بخت کے دل پر تو

لگتا تھا آسیب کا سایہ پڑ گیا ہو وہ کوئی در کھولتی ہی نہ تھی۔

''ہاؤ کریزی! یہ آپ کا جنون صرف شادی سے پہلے تک ہے یا شادی کے بعد بھی رہے گا۔''

تہنیت نے سوچا وہی کچھ باتیں کر کے جواد کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع دے ڈالے۔

''ارے ساری عمر ایسا ہی جنون قائم رہے گا، تمہاری بہن جیسی قسم چاہے لے لے۔''

''اور فرض کریں میری بہن کی سنگ دلی بھی یونہی قائم رہی، شادی کے بعد بھی تو آپ کیا کریں گے؟'' وہ مزا لینے لگی۔

''تو کھانے میں زہر ملا کر تمہاری بہن کو کھلا دوں گا اور پھر خود بھی وہی کھانا کھا کر مر جاؤں گا۔'' وہ مسکرا ضرور رہا تھا لیکن اس کا لہجہ بہت سخت تھا۔

''فار گاڈ سیک تہنیت! تمہیں تو بس موقع ملنا چاہیے۔ جو دل میں آتا ہے بولے چلی جاتی ہو۔''

طلعت نے ابھی سے ہی اس کی دھلائی شروع کر دی تھی۔ اب اس کا ضبط بھی جواب دینے لگا تھا۔

''دیکھیں مسٹر! آپ ہمیں گھر ڈراپ کر رہے ہیں یا اگلے چوراہے سے بس پکڑ کر ہم دونوں بہنیں روانہ ہو جائیں۔''

''طلعت پلیز! میری اتنی بے حساب محبت کی خاطر اپنا لہجہ تھوڑا سا نرم کر لو۔'' اب وہ اس سے التجا کر رہا تھا۔

''یہ کیسی بے وقوفوں والی محبت ہے، آپ کی منگنی چونکہ مجھ سے ہو گئی ہے اس لیے آپ مجھ سے محبت کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ آپ کی منگنی کسی بھی لڑکی سے ہو جاتی اس سے یہی باتیں کہتے۔ مسٹر جواد! میں کوئی پندرہ سولہ سال کی خوابوں کی دنیا میں رہنے والی نادان سی لڑکی نہیں ہوں، محبت میرے نزدیک جو معنی رکھتی ہے، شاید آپ کی رسائی ان جذبوں تک کبھی نہیں ہو سکتی۔'' وہ دانتوں تلے لفظ چبا چبا کر بول رہی تھی۔

''دس از ویری انسلٹنگ حد سے بڑھ کر زیادتی کر رہی ہو تم۔ اگر میں کوئی انا کا مارا ہوا شخص ہوتا تو تمہیں تمہاری زندگی کے اس آدھے موڑ پر چھوڑ کر چلا جاتا اور پلٹ کر نہ دیکھتا۔ کیا تم نادان نہیں ہو؟ ارے تم تو حد سے زیادہ نادان ہو ورنہ لڑکیاں تو ایسے نازک رشتوں کی پروا میں زندگی مٹا ڈالنے کو تیار رہتی ہیں۔''

اس کی محبت اب غصے میں بدلی تھی مگر محبت پھر بھی آگے تھی۔

''جواد! آپ صرف اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔'' وہ یونہی اکھڑ اور بے حس بنی کہہ رہی تھی۔ اب تہنیت بھی جھنجھلا گئی۔

''جواد بھائی! طلعت دراصل آج کل بہت ٹینشن میں رہتی ہے نا اس لیے اس کا مزاج خراب رہتا ہے۔ اگر صرف چند مہینوں پہلے اس کی منگنی آپ سے ہوئی ہوتی تو ابھی یہ بہت خوش گوار موڈ میں پزا ہٹ کے خوب صورت ریستوران میں بیٹھی آپ کے ساتھ اپنا فیورٹ پزا کھا رہی ہوتی اور بہت ممکن تھا کہ مجھے کباب میں ہڈی سمجھ کر وہیں کالج کی سڑک پر ویٹ پلیز (Wait Please) کا آرڈر دے کر اکیلی

آپ کے ساتھ چلی آئی ہوتی۔''

''تم میرے ہاتھ سے پٹ جاؤ گی تہنیت! تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم میرے کسی بھی جذباتی معاملے میں یوں مداخلت کرو، سمجھیں!'' پھر اس نے لاک اونچا کر کے دروازہ کھول دیا۔

''میں بس میں بیٹھ کر گھر جا رہی ہوں، تم چل رہی ہو میرے ساتھ؟'

وہ اترنے لگی تھی کہ جواد نے اس کا بازو تھام کر اسے روک لیا۔ اور پھر وہی ہاتھ بڑھا کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور لاک دبا دیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا مضبوط ہاتھ اسے اپنے وجود کے گرد کسی آہنی حصار جیسا لگا۔

بغیر کچھ کہے اب اس نے ہینڈ بریک نیچے کیا، کلچ دبایا، گاڑی گیئر میں ڈالی اور پھر پوری قوت سے ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھ دیا۔ بہت رفتار سے اس نے گاڑی موڑی اور اسی اسپیڈ سے سڑک پر دوڑانے لگا۔ اتنی رفتار پر طلعت کا دل گھبرانے لگا تھا البتہ پیچھے بیٹھی ہوئی تہنیت انجوائے کر رہی تھی۔

''گاڑی آہستہ چلائیں جواد۔'' وہ رہ نہ سکی بول ہی پڑی۔

''ول یو پلیز شٹ اپ۔'' بہت غصیلی نظر طلعت پر ڈال کر وہ پھر گاڑی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''اب نکاح نامے پر دستخط ہو جانے سے پہلے تم میری صورت نہ دیکھو گی۔''

ان کے گھر کے دروازے سے تھوڑا آگے گاڑی یک دم روک کر جواد میر نے بہت پتھریلے لہجے میں کہا اور ان دونوں کے اترتے ہی پھر اسی تیزی میں گاڑی پلٹا کر غائب ہو گیا۔

❀❀❀

''دیکھو مجھے روز روز ٹوکنا پسند نہیں ہے نہ ہی میرے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ تمہارے سر پر کھڑی ہو کر ایک ایک کام چن چن کر تمہیں بتاتی رہوں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کچھ دیکھتی نہیں اور تم جب جی چاہے کام چلتا کر کے خود غائب ہو جاؤ۔''

امی جان آج بہت غصے میں تھیں اور شامت نوکرانی کی آئی ہوئی تھی۔

''باجی جی! کام تو میں ایمانداری سے کرتی ہوں۔''

''ارے دس کپڑے استری کے تم نے دس منٹ میں ہینگر میں لٹکا دیے اور چلی بھی گئیں۔ اس سے پہلے کئی دفعہ بتا چکی ہوں کہ پہلے کریز بنایا کرو پھر پینٹ استری کیا کرو، لیکن تم ہو کہ الٹے سیدھے ہاتھ مار کر رکھ دیتی ہو۔ یہ دیکھو اسے استری کہتے ہیں؟ کیا مفت کے پیسے اپنی جان کا صدقہ لٹا رہی ہوں میں تمہارے اوپر۔''

استری وہ واقعی بالکل اچھی نہ کر رہی تھی۔ ہفتہ بھر امی جان نے سوچ کر چھوڑا کہ خود ہی ٹھیک کام کرنے لگے گی بار بار کیا کہنا، لیکن آج انہیں جلال آ ہی گیا۔ وہی دس پندرہ منٹ میں استری نمٹا کر وہ چپ چاپ دروازہ کھول کر نکل جانے کے چکر میں تھی۔

''اتنا غصہ کیوں کرتی ہیں باجی! لائیں میں دوبارہ استری کر دیتی ہوں۔''

''ہاں کل کے اور آج کے سارے کپڑے دوبارہ استری کرو، میں کچھ کہتی نہیں ہوں لیکن جب میرا دماغ گھومتا ہے تو پھر کہنے کے لیے کچھ بھی چھوڑتی نہیں ہوں سمجھیں۔''

وہ سچ مچ ڈر کر پھرتی سے زور لگا کر استری کرنے لگی۔

''کیا بات ہے امی جان! اتنا ہائی پاور غصہ کیوں دکھا رہی ہیں۔ خیریت تو ہے۔

وقار ناشتے کے لیے میز پر بیٹھا اپنی ماں کو نوکرانی کی دھلائی کرتے دیکھ رہا تھا۔

''نہیں بیٹا! بس یونہی اس نئی نوکرانی نے دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ کام جتنا اپنے ہاتھ سے ہو جائے وہی اچھا رہتا ہے بیٹا لیکن اب آصفہ بھی چلی گئی ہے تو میں تو بالکل ناکارہ سی ہو کر رہ گئی ہوں زیادہ کام کر ہی نہیں پاتی ہوں۔'' اس نے اپنی ماں کو پریشان اور افسردہ سا دیکھا۔

''کام کاج کی اتنی پروا کیوں کرتی ہیں امی جان! آپ یوں کریں ایک کل وقتی ملازمہ رکھ لیں۔ گھر میں تو ہر وقت چھوٹے چھوٹے ہزار کام نکلتے رہتے ہیں۔'' وقار نے ماں کو سمجھایا۔

''ارے تمہاری ماں تو ملازمہ بھی یوں ڈھونڈ رہی ہے جیسے لوگ بہو ڈھونڈتے ہیں۔ کسی کا کام پسند نہیں آتا، کسی کا لہجہ نہیں بھاتا، کوئی وقت کی پابند نہیں ہے، اور کسی کی ایمانداری پر شک ہے ورنہ میں بھی کئی دنوں سے انہیں یہی سمجھا رہا ہوں کہ سارے دن کے کام کاج کے لیے کوئی لڑکی ملازم رکھ لیں۔''

جلال احمد بھی تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آ چکے تھے۔

''تو کیا یہ سارے اوصاف ایک اچھے ملازم میں نہیں ہونے چاہئیں؟ اب تم ہی بتاؤ بیٹا! راہ چلتے کسی کو بھی پکڑ لوں گی تو پھر خود ہی پریشانی اٹھاؤں گی کہ نہیں۔'' اپنے میاں کی طرف ناشتا بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ بیگم کہ اتنی محنت اگر کر ہی رہی ہو تو ایک بہو ہی ڈھونڈ ڈالو۔ ہمارا بیٹا اب ماشاءاللہ ہر لحاظ سے لائق ہو گیا ہے۔''

''نہیں، نہیں پاپا! ابھی میری فکر میں نہ الجھیں، کچھ تو آزادی سے جی لینے دیں، ابھی تو میں نے دنیا دیکھنی شروع ہی کی ہے۔''

وقار تیزی سے بوکھلا کر بولا تو وہ دونوں میاں بیوی ہنس پڑے۔

''دنیا دیکھ رہے ہو بیٹا یا لڑکیاں۔''

''اوہ پاپا!'' وہ کھسیا کر ہنسا۔ ''ویسے آپ اجازت دیں تو دیکھ لوں۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسے تو وقار بھی ہنسنے لگا۔

''ایک کام یہ کرتے ہیں کہ اس بار آصفہ آئے تو اس کے سپرد امی کا مسئلہ کر دیتے ہیں، وہ ضرور جلد ہی امی کے لیے ڈھونڈ نکالے گی اچھی سی۔۔۔'' وقار کا جملہ پاپا نے پھرا چک لیا۔

''بہو۔۔۔!''

''نہیں بھئی نوکرانی۔''

''اسے کہاں فرصت ہوتی ہے، یوں آتی ہے کہ نہ آنے کے برابر، آج آمنہ باجی کو فون کرتی ہوں۔''

''امی جان خود واقعی تھک گئی تھیں، ان سے اب سارے چھوٹے چھوٹے کام بھی نہیں ہوتے تھے۔

''حیرت ہے بیگم! میں تو سوچ رہا تھا شاید تم وقار کے لیے لڑکیاں ڈھونڈنے کی بات پر خوش ہو کر سچ مچ اسی مشن پر نکل پڑو گی۔'' پاپا چائے پیتے ہوئے اسی موضوع پر اٹک گئے۔

''نہیں جلال صاحب! ابھی نہیں کرنی وقار کی شادی۔'' وہ بہت سنجیدہ ہو گئیں۔

''کیوں بھئی! شہریار کی باری میں تو تم اس کی پڑھائی بھی پوری نہ ہونے دے رہی تھیں۔''

''بس وہ تو پہلا بیٹا تھا نا اس لیے شوق عروج پر تھا۔ اب لگتا ہے شادی کر لینے کے بعد اولاد پرائی ہو جاتی ہے۔''

وہ اپنی ممتا بھری گود میں تنہائی سمیٹنے کے خوف سے ابھی سے لرزاں تھیں شاید۔

''یہ تو قدرت کا اصول ہے بیگم! اولاد جوان ہو جائے تو اسے پنجرہ کھول کر آزادی دینی ہی پڑتی ہے۔''

''میں قدرت کے کسی اصول سے اختلاف نہیں کر رہی ہوں جلال صاحب! بس تھوڑی سی مہلت مانگ رہی ہوں کہ آصفہ کی جدائی کے دکھ سے سنبھل جاؤں۔''

''ارے امی آپ کیوں اتنی دکھی ہو رہی ہیں۔ میں ابھی کیا آپ کہیں تو کبھی شادی نہ کروں گا، نہ ہی آپ کو چھوڑ کر کہیں جاؤں گا۔'' وقار نے اٹھ کر ماں کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں۔

''شش! ایسی بات نہیں کرتے، شادی کیوں نہیں کرے گا، ارے تیری شادی میں تو ہم سب سے زیادہ دھوم مچائیں گے، ہم سب کا لاڈلا جو ہے۔ پہلے نوکرانی ڈھونڈ لوں پھر تیرے لیے لڑکی ڈھونڈوں گی، ٹھیک ہے۔''

انہوں نے مسکرا کر اپنے گلے میں پڑے بیٹے کے ہاتھ تھپتھپائے۔

اسی وقت باہر دروازے کی گھنٹی بجی تو وقار سیدھا ہو گیا۔

''میں دیکھتا ہوں امی جان۔''

اس وقت کون ہو گا، چائے کی پیالی ختم کرتے ہوئے انہوں نے سوچا۔

''آداب خالہ جان۔'' اور بہت تیزی سے اندر آتی تہنیت کو دیکھ کر ان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ بہن کی آمد کا احساس ایسا ہی خوش کن تھا۔ پیچھے وقار کے سامنے طلعت اور آمنہ باجی کی آواز انہیں آئی تھی۔

''جیتی رہو بیٹی! آج تم لوگوں کو خالہ کیسے یاد آ گئیں۔''

''بس خالہ کالج میں فیسٹیول ہوا تھا، جس کی وجہ سے آج چھٹی تھی تو ہم نے سوچا تھوڑا گھوم پھر لیں۔''

''آداب انکل!'' اس نے فوراً جلال انکل کو بھی سلام کیا۔

''خوش رہو، چلو بیگم اب آپ کے رشتہ دار آ گئے، آپ کی تنہائی بھی دور ہو گئی سو ہمیں اپنی چھٹی سمجھ لینی چاہیے۔''

وہ اٹھ کر اپنے کمرے کے دروازے کے اس طرف سے اپنا بریف کیس اٹھانے کی غرض سے بڑھے۔

چلتے چلتے سب کو سلام اور آداب بھی کیا اور پھر بیٹے کی طرف دیکھا جو اپنی خالہ سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ دوسری طرف تہنیت الگ اپنی خالہ کے پاس کھڑی تھی اور ان دونوں کو دیکھ کر جلال صاحب کے دل میں انوکھا خیال آیا۔

اسی خیال کو سوچتے ہوئے وہ باہر نکل گئے اور گاڑی میں بیٹھ کر بیٹے کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

''کیوں میاں! یہ تہنیت کیسی لڑکی ہے؟'' وقار جونہی گاڑی میں آکر بیٹھا انہوں نے سوال کر ڈالا۔

''ایک دم فرسٹ کلاس کام کاج میں بھی ماہر ہے اور پڑھی لکھی ہے اور سب سے بڑی بات امی کا دل بھی لگا رہے گا، لیکن ایک بات ہے ابو، تنخواہ زیادہ لے گی۔''

وہ یوں سنجیدگی سے کہہ رہا تھا کہ پہلے تو پاپا بھی حیران اور خوش ہی ہوئے کہ بیٹا یک دم راضی ہے مگر اس کی پوری بات سن کر جھنجھلا گئے۔

''بدتمیز لڑکے میں تمہاری ماں کو بہو ڈھونڈنے کی مصیبت سے بچانے کے چکر میں ہوں۔'' انہوں نے اس کے سر پر ایک ہاتھ بھی مارا۔

''یہ تو غلط بات ہے پاپا! پہلے نوکرانی ڈھونڈنے کی بات ہوئی ہے۔'' وقار نے منہ بنایا۔

''تمہاری آمنہ خالہ سنیں گی تو تمہیں خاندان بھر کے سامنے الٹا لٹکا دیں گی۔'' پاپا نے ہنس کر اسے مزید مذاق سے باز رکھا۔

''آمنہ خالہ تو شاید محبت میں کچھ مروت برت لیں، لیکن تہنیت تو میری تکہ بوٹی بنا کر خود اکیلی ہی مجھے چبا ڈالے گی۔ آپ اسے اتنا زیادہ جانتے نہیں ہیں۔''

''جب ہی تو تم سے پوچھ رہا ہوں کہ وہ کیسی لڑکی ہے۔''

''بس ایسی ہی ہے، ذرا کسی بات پر مزاج بگڑا تو کھڑے کھڑے مجھے بھون ڈالے گی۔'' گفتگو کے دوران وقار نہایت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

''بیٹا! میں نے سنجیدگی سے ایک بات تم سے پوچھی تھی، بس اب مذاق بہت ہو گیا۔'' اب جلال صاحب خفا سے ہو گئے۔

''اوہ پاپا! میں بھی سنجیدہ ہی ہوں، میرا مزاج تہنیت سے کسی طرح مل ہی نہیں سکتا۔'' اس نے صاف جواب دیا تو وہ کچھ مایوس سے ہو گئے۔

''کوئی گنجائش نہیں ہے؟'' تھوڑے توقف کے بعد انہوں نے پھر بیٹے کی طرف دیکھا۔

''نہیں پاپا! یہ بالکل ناممکن سی بات ہے۔''

''ارے بیٹا! لڑکیاں شادی کے بعد ایسی تھوڑی رہتی ہیں، مجھے تو تمہاری یہ کزن بہت پیاری اور بھلی سی لگتی ہے۔ اگر تھوڑی بولڈ اور بے باک سی ہے تو یہ تو اچھی بات ہے، آج کل کے زمانے میں لڑکیوں کو ضرور ایسا ہی ہونا چاہیے۔'' وقار نے بہت غور سے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھا تھا پاپا یونہی اپنا خیال ظاہر کر رہے ہیں لیکن اب اسے اندازہ ہوا کہ پاپا کے ذہن میں کچھ اور بات بھی تھی۔

''اوہ تو اب میں سمجھا کہ امی جان کا موڈ آج کل کیوں خراب ہے۔ یہ ان ہی کی خواہش ہے جو

آپ بیان کررہے ہیں۔'' وہ لوگ آفس تک پہنچ گئے تھے۔

''تمہاری ماں نے تو تم سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا پھر بغیر کچھ کہے سنے کیسے پریشان یا ناراض ہوسکتی ہیں۔''

''اس لیے کہ وہ اچھی طرح جانتی ہیں میں ان کی یہ خواہش پوری نہ کرسکوں گا۔'' گاڑی پارکنگ میں کھڑی کرکے اس نے انجن بند کردیا۔

''اور اگر وہ زبردستی کہیں گی پھر؟'' وہ گاڑی سے اترنے سے پہلے بات ختم کرنا چاہتے تھے۔

''نہیں وہ زبردستی بھی نہ کہیں گی۔'' وہ کچھ زعم سے مسکرایا۔

''اتنی سختی سے منع کررہے ہو، کیا کسی اور کے خیال میں ہو۔''

''نہیں پاپا! آپ مجھے جانتے اور سمجھتے ہیں پھر بھی اتنی بحث اور حجت کررہے ہیں۔ مجھے آپ سے ایسی امید نہ تھی۔''

''بس بیوی کی محبت میں زیادہ مبتلا ہوگیا ہوں ورنہ تم ٹھیک کہتے ہو تمہاری ماں تم سے زبردستی تو کیا کبھی اظہار بھی نہ کرے گی کہ وہ ایسی کوئی خواہش رکھتی ہے، لیکن تم بھلے برا مناؤ مگر میں تمہاری ماں ہی کی خاطر پھر کہوں گا کہ تھوڑے دن اگر اور اس بات پر غور کرلو۔''

''پلیز پاپا! کیا آپ چاہتے ہیں ابھی صرف وقتی خوشی کے لیے میں اپنی آئندہ کی پوری زندگی ایک اَن چاہے سمجھوتے کی نذر کردوں، اور اگر میں نے ایک پریشان کن زندگی گزاری تو شاید آپ لوگ بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔''

''تم نے اس بارے میں اتنی انتہا پسندی سے سوچ رکھا ہے پھر واقعی کسی گنجائش کی امید رکھنا بے کار ہے۔''

''اور پلیز پاپا! مجھے امید ہے کہ آپ مجھ سے بہتر طور پر امی جان کو سمجھالیں گے۔''

''ہوں۔۔۔'' انہوں نے سر ہلا کر گاڑی کے دروازے کے لاک پر ہاتھ رکھا۔

''حقیقت یہ ہے کہ تہنیت بہت اچھی لڑکی ہے لیکن میں اس کے خیالات سے کمپرومائز نہیں کرسکتا۔ زبردستی کرنے کی کوشش کی تو ایک اچھی لڑکی کے خواب اور آرزوئیں ضائع ہوجائیں گی۔''

اس نے گاڑی سے نکلتے نکلتے پھر اپنے باپ کو مطمئن کرنا چاہا۔ اور دراصل وہ اپنی ماں کو تسلی دینا چاہ رہا تھا، لیکن اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس موضوع پر کبھی اس کی ان سے روبرو بات چیت نہ ہوسکے گی۔ کیونکہ وہ اپنی شدید خواہش کا دباؤ اپنے بیٹے پر کبھی ظاہر کرنے والی نہ تھیں، محبت مجبور کرے تو محبت نہیں رہتی۔ غرض بن جاتی ہے اور اس کی ماں ان ماؤں میں سے نہ تھیں کہ اولاد کو عمر کے کسی بھی غرض مند موڑ پر اپنی محبتوں اور خدمتوں کا واسطہ دینے کی کوشش کریں۔

اسی لیے وہ اپنی اس انتہائی آرزو سے اکیلی بڑے دنوں سے لڑتی چلی آرہی تھیں۔ اکثر دل کو کوسا کہ ایسی تمنا کیوں پال لی، بہت مشکل میں پڑیں تو شوہر سے اپنا خیال شیئر کیا، مگر صرف اس حد تک کہ کچھ دکھ بٹ جائے اور اس طرح ان کا دکھ بہت ہلکا ہوا اور وہ آہستہ آہستہ تسلی دے کر اپنے آپ کو سمجھاتی بھی رہیں۔ اور جلال صاحب نے جس طرح اپنی اور وقار کی بات چیت ان کو بتائی، اس سے بھی ان کے جی کو

چین پڑ گیا۔

وقار کا جواب ہو بہو وہی تھا جو انہوں نے سوچا تھا۔ بھلا کیا وہ اپنے چہیتے اور لاڈلے بیٹے کو سمجھتی اور جانتی نہ تھیں۔

پھر یونہی اپنی خواہش سے کنارہ کش ہوگئیں۔ اپنے خیالات کو اپنے چاہنے والوں کی طرز پر چلانے سے زندگی کے راستے سہل ہو جاتے ہیں۔

چلتے چلتے جواد میر اس دن اس کی راہ میں آ گیا تھا اور اسے اتنا سنا ڈالا کہ اب وہ بیٹھی اس کے خیالوں میں کھو جانے پر مجبور تھی۔ وہ غصہ کرتی خود سے الجھتی یا نرمی سے سوچتی مگر بہر حال اس شخص کو سوچ رہی تھی۔ اسی شخص کو جسے پچھلے کئی دنوں سے اس نے قطعی کوئی اہمیت نہ دی تھی۔

اس کا نام آتا تو وہ لاپروائی سے کاندھے اچکا کر اونہہ کہتی یوں جیسے اپنے خیال کو ٹوکتی کہ ''ہٹو پرے کس کے نام پر اٹک گئے ہو۔''

منگنی ہوئی، اس نے انگوٹھی پہنائی، مگر مجال ہے جو اس نے اپنے احساس یا کسی جذبے کو جگانے کی زحمت کی ہو۔

پھر دوستوں نے، کزنز نے، گھر والوں نے اسے اس کے نام پر چھیڑا مگر وہ ذرا نہ شرمائی نہ ہچکچائی نہ بوکھلائی۔ کیوں شرماتی یا کھلکھلاتی اس نے اپنے دل کی طرف جانے والا راستہ جواد میر کے لیے کھولا ہی نہ تھا۔

بس وہ اپنے اس جذبے کو ایک فضول سی جھنجھلاہٹ کی نذر کر رہی تھی۔

اپنے اس رشتے کو بے وجہ غیر اہم قرار دے رہی تھی۔

اور جواد میر کے نام پر خوامخواہ اپنے خوابوں خیالوں کی کھڑکیاں بند کرنے لگی تھی۔ حالانکہ وہ ایک انتہائی خوش شکل، خوش لباس اور خوش مزاج شخص تھا، اچھی اچھی لڑکیوں کا خواب ہو سکتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ طلعت کو دیکھ کر طلعت ہی کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ اسے طلعت اچھی لگتی تھی بہت اچھی لگتی تھی۔ اپنی قسمت کی مہربانی اور اپنے گھر والوں کی محنت کا شکر گزار تھا اس کے لیے اتنی اچھی لڑکی ڈھونڈی گئی جو واقعی اس کا معیار تھی۔

لیکن پھر اپنی بے قراری پر الجھنے لگا۔ طلعت کا کترانا، شرم اور جھجک سے بڑھ کر بہت آگے تھا، خواب میں دوپٹے کا کونا دبائے رخ موڑ کر شرما شرما کر ہنستی طلعت کو دیکھتا اور حقیقت میں سامنے بیٹھی طلعت کی آنکھوں کی بے زاری سے الجھتا۔

اور یونہی الجھتے الجھتے وہ چڑ گیا۔

اس کا دماغ خراب ہو گیا۔

''اب اس کی شکل نہ دیکھوں گا شادی کے دن تک اور شادی والے دن اس کا بازو پکڑ کر سختی سے پوچھوں گا'' اگر جواد میر اسے قبول نہیں تو ابھی بھی اسے چھوڑ دے۔''

اس نے سوچ سوچ کر خود کو الجھا لیا۔ اور جب جواد میر الجھ گیا، منہ موڑ لیا تو طلعت کے سوئے

ہوئے خیالات وجذبات جاگے تھے۔
اس کے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا۔
ہاں شاید طلعت کی بے زاری اور بے حسی کے ساتھ مہربان قسمت کو ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے تھا۔
''یہ کیسے ہوسکتا ہے آپ نے اس سے کہا نہیں کہ اگلے ہفتے تو ہمارے گھر میں شادی ہے، اسے شادی کی دعوت اٹینڈ کر کے جانا چاہیے تھا۔''
وہ جب رات کے کھانے کے لیے میز تک پہنچی تو امی جان ابا سے بحث میں الجھی ہوئی تھیں۔
''افوہ تم کیا سمجھتی ہو بیگم میں نے اس سے کہہ دیا کہ ہاں ضرور جاؤ دبئی ہمیں تمہارے آنے اور جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ارے بھئی بہت کہا یہاں تک کہا کہ ہم سب تم سے ناراض ہو جائیں گے لیکن کہنے لگا جانا بہت ضروری ہے، کام ایسا آن پڑا ہے ورنہ آپ جانتے ہیں میں رشتہ داری نبھانے کے معاملے میں بہت پنکچوئل اور مخلص ہوں۔''
طلعت بیٹھتے بیٹھتے چونک گئی۔
''یہ کس کی بات ہو رہی ہے۔'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔
''تمہارے اکلوتے منگیتر جواد میر کی۔'' برابر میں بیٹھی تہنیت نے فوری کہا۔
''وعدہ جو کیا ہے کہ اب نکاح سے پہلے صورت نہ دکھاؤں گا۔ بات کا پکا نکلا۔'' چپکے سے تہنیت نے اس کے کان میں یہ بات کہی۔
''چپ کرو۔'' اس نے فوراً آنکھیں نکال کر چھوٹی بہن کو گھورا۔ اس کا بھروسا نہ تھا کہیں اونچی آواز میں سب کے سامنے نہ بول پڑے۔
''پھر اب کیا کریں، آج رات کھانے پر ہی بلا لیتے۔ دعوت ہو جاتی ہماری طرف سے۔'' آمنہ بیگم کو چین ہی نہ پڑ رہا تھا، دراصل انہیں یہ بات ہضم ہی نہ ہو رہی تھی۔ ان کی بہن کے گھر شادی تھی اور ان کا داماد شرکت نہ کر رہا تھا۔
''آمنہ! میں نے اپنی طرف سے ہر بات کر لی ہے، ابھی میں جب دکان سے اٹھ رہا تھا اسی وقت تو اس کا فون آیا ہے۔ میں نے اس سے یہی کہا کہ ابھی چلے آؤ ہم مل کر کسی اچھے سے ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔ ملاقات بھی ہو جائے گی۔ لیکن کہنے لگا میرے جانے کا اتنا اچانک پروگرام بنا ہے۔ مجھے ڈھیر سارے کام نمٹانے ہیں اور میرے پاس پورا ایک دن بھی نہیں ہے، ورنہ میں آپ کو یوں فون پر اپنے جانے کی اطلاع تھوڑی دیتا۔ خود ہی چل کر آپ کو بتانے آتا۔ آپ کے ساتھ کھانا کھاتا۔''
اپنی بیوی کی بے چینی اور بے صبری پر وہ ہر بات تفصیل اور وضاحت سے ان کے سامنے بیان کر رہے تھے کہ کسی طرح وہ مطمئن ہو جائیں لیکن آمنہ بیگم اب بھی سوالیہ نظروں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ کیسے اصول بندھے ہیں ہمارے مشرق میں بیٹیوں کے تعلق کے ساتھ۔ جس گھر میں اپنی بیٹی کا رشتہ جوڑتے ہیں، اس گھر پر ساری عمر والدین کی اندیشوں اور وسوسوں سے گھری نظریں ٹھہری رہتی ہیں۔
''بس اب تم یہ کرو کہ کھانے کے بعد طلعت کی ساس کو فون کرو، اپنے انداز سے یہ بات کہو کہ جواد

کو لے کر کل دوپہر کو کھانے پر آجائیں یا آج رات کو ہی دیر سے سہی چائے پینے کے بہانے ملنے آجائیں وغیرہ۔'' ابا جان بھی کچھ متفکر تھے۔

''آپ بے کار تردّد کر رہے ہیں ابا جان! انہیں ملنے کے لیے ہی تو نہیں آنا۔''

اتنی زیادہ دیر تہنیت کے لیے خاموش رہنا محال تھا۔ لیکن بولتے ہی نیچے سے طلعت نے بری طرح اس کا پاؤں دبایا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔

''کیا ہوا؟'' ابا جان اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''ارے تمہیں کیسے پتا انہیں ملنے کے لیے نہیں آنا۔'' اس وقت امی جان اس کی کسی چیخ و پکار کی پروا کرنے والی نہ تھیں۔

''بھئی، ساری باتوں سے صاف یہی ظاہر ہو رہا ہے۔''

امی ابا کی نظریں بچا کر اس نے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے طلعت کو آنکھوں آنکھوں میں دھمکایا اور جواب میں طلعت نے اسے مکا دکھایا جو کہ ابا جان نے دیکھ لیا۔

''نہ چھیڑو اسے! تم کسی بھی وقت باز نہیں رہتیں۔''

ابا جان نے تہنیت ہی کو ٹوکا کہ ان کے خیال میں اسی نے طلعت کو کوئی ستانے والا اشارہ کیا ہوگا اور تہنیت اور بری طرح جل گئی۔

''بس مجھے ہی کہتے ہیں، اس کی حرکتیں آپ کو نظر نہیں آتیں نا اس لیے ایسا کہہ رہے ہیں۔''

''افوہ! چپ چاپ تم دونوں بہنیں اپنا کھانا ختم کرو اور جاؤ اپنے کمرے میں، ہر بات میں ٹانگ اڑاتی ہو۔'' امی جان نے اسے جھڑک دیا تو وہ کرسی گھسیٹ کر کھڑی ہوگئی۔

''میں نے کھالیا کھانا۔'' حالانکہ اس کی پلیٹ میں بہت سے چاول یونہی پڑے تھے کوئی اور وقت ہوتا تو ایسی حرکت پر تہنیت کو سزا تک مل جاتی۔ آمنہ بیگم ایسی حرکتیں برداشت نہیں کرتی تھیں، لیکن اس وقت خود بہت الجھی ہوئی تھیں۔ تہنیت کو جانے دیا۔ طلعت نے ماں کے ڈر سے اپنا کھانا جلدی ختم کیا۔ اس نے یوں بھی اپنی پلیٹ میں زیادہ کچھ نکالا ہی نہیں تھا، الجھ جو گئی تھی۔

''طلعت!'' وہ اٹھتے ہوئے اپنی طرف کے برتن سمیٹ رہی تھی لیکن اس کے ہاتھ بہن کی ادھوری چھوڑی پلیٹ پر آکر رک گئے۔ ادھورے کھانے کے ساتھ کیا سلوک کیا جاسکتا ہے اس گھر میں، وہ اسی سوچ میں پڑ گئی۔ اس لیے کہ یوں کھانا چھوڑنا گھر میں کسی کی عادت نہیں تھی۔ کہ یہ ان کی ماں کی دی ہوئی تربیت تھی۔

''جی امی!'' اس نے پلیٹ چھوڑ دی۔

''اٹھالو یہ پلیٹ اور تہنیت کو دے آؤ، اس سے کہو اپنا کھانا ابھی ختم کرلے ورنہ صبح کے ناشتے میں اسے یہی کھانا پڑے گا۔'' امی جان کا دھیان اس طرف ہو گیا تھا۔

''اچھا امی جان!'' ابا جان نے بھی کھانا ختم کرلیا وہ آہستہ آہستہ اور برتن سمیٹنے لگی۔ دراصل اس کا دھیان ماں باپ کی باتوں کی طرف ہی لگا ہوا تھا، اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی ذرا سی بات پر جواد اتنا بڑا اقدام اٹھا سکتا ہے۔

وہ تہنیت کی پلیٹ امی کے حکم نامے کے ساتھ اسے دے آئی۔ اس نے غصے میں طلعت کو جواب نہ دیا اور طلعت پلٹ کر میز صاف کرنے کے بہانے وہاں لاؤنج میں آرہی تھی۔ اسے خبر تھی کہ امی ابا اسے نہ ٹوکیں گے۔

''آپ بھی یہی سوچ رہے ہیں نا کہ وہ تو ملنے نہیں آئے گا پھر ہمیں داماد سے ملنے جانا پڑے گا۔''

''ظاہر ہے ہمیں تو جانا پڑے گا، تم اماں جان سے پوچھ لو یا اپنے بھائی سے بھی مشورہ کرلو۔ ایک دو لوگوں سے پوچھ لیں تو ہمیں اندازہ ہو جائے کہ کیا کرنا چاہیے۔'' اف ایک بیٹی کے سسرال سے نمٹنا بھی کیا دشوار ترین مرحلہ ہے کہ اسے سر کر لینا تو پھر تمغہ حاصل کرنا برابر ہے۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تو ابا جان نے امی سے اٹھانے کے لیے کہا۔

''شاید طلعت کی ساس ہی نے فون کیا ہو۔''

فون ان ہی کا تھا اور وہ کچھ بھی کہنے سے پہلے خود ہی معذرت کر رہی تھیں کہ جواد ایسے موقعے پر جا رہا ہے جب آپ کی بہن کے ہاں شادی ہے، لیکن مجبوری ہے مردوں کو تو کام کاج کے لیے دھکے کھانے ہی پڑتے ہیں۔ آپ برا نہ منائے گا وغیرہ۔ طلعت آتے جاتے سب کچھ سن رہی تھی اور پھر آخر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے سوچا اسے مان لینا چاہیے کہ اس نے ایک اچھے آدمی کو بلاوجہ ستایا۔ اور اس کی ساس بھی کتنی اچھی ہیں کہ فون کر کے خود ہی معذرت کر رہی تھیں ورنہ کون خیال کرتا ہے۔ بھئی بندہ کاروبارہ کے لیے باہر آتا جاتا رہتا ہے تو کیا آپ کی خاطر نہ جائے۔ سوچنے والے یوں بھی سوچ سکتے ہیں۔ وہ اپنے بستر پر لیٹ کر چھت کو تکنے لگی۔

تہنیت یونہی اوندھی لیٹی ابھی تک خفگی جتا رہی تھی۔

''ارے کھانا تو کھالو تہنیت! ورنہ امی تمہاری پٹائی کر ڈالیں گی۔ ویسے ہی آج کل ان کا موڈ بہت خراب ہے۔''

''ہاں، تمہاری سسرال کا غصہ مجھ پر نکالیں گی، اور اگر میں انہیں یہ بتادوں کہ یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔'' وہ لیٹے سے اٹھ بیٹھی۔

''ارے کیسی بہن ہو، بہن کا ایک ذرا سا راز اپنے سینے میں چھپا کر نہیں رکھ سکتیں۔''

''اور تم کیسی بہن ہو بلاوجہ مجھے ڈانٹ پلوائی اور کتنی زور سے میرا پاؤں دبایا تم نے، تمہارے خیال میں کیا میں کچھ بتانے جا رہی تھی، ارے اگر مجھے کچھ بتانا ہی ہوتا تو اسی دن سب کو سب کچھ بتا دیتی۔''

وہ تہنیت تھی جب تک اپنی بھڑاس نہ نکال لیتی اطمینان سے بیٹھنے والی نہ تھی۔

''اچھا بابا معاف کر دو مجھے، تمہارے جوش سے ڈر لگتا ہے نا اس لیے۔'' طلعت نے کان پکڑے تو اس نے سر ہلا کر اشارہ دیا کہ ''جاؤ معاف کیا۔''

دیکھا تم نے! وہ جتنا سیدھا دکھتا تھا اتنا ہی ٹیڑھا نکلا۔'' کچھ دیر بعد طلعت خود ہی بولی۔

''خیر اب تمہارے سامنے تو میں کہہ سکتی ہوں کہ یہ سارا کیا دھرا تمہارا ہے۔ اچھے خاصے سیدھے چلتے انسان کو تم نے الٹی راہ پر لگایا۔''

''مگر وہ کیوں میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ پھر میرے مزاج کا تو تمہیں پتا ہے۔'' اب مسلسل الجھنے کی

باری طلعت کی تھی۔

''سنو تمہارے مزاج کا مجھے پتا ہے، اسے تھوڑی پتا ہے اور شاید تمہیں اپنا سمجھ کر ہی وہ تمہارے پیچھے پڑا تھا۔'' تہنیت نے سمجھایا۔

''چلو چھوڑو، جارہا ہے تو جانے دو میں کون سا دوڑ کر اسے روکنے لگی ہوں۔'' وہ اپنے بے زاری مزاج کی طرف پلٹ کر آئی۔

''چاہو تو روک بھی سکتی ہو۔''

''اونہہ مائی فٹ۔''

''ارے پھر وہی اکڑ! اتنی مغرور نہ بنو کہ ایک اچھے شخص سے ہاتھ ہی دھو بیٹھو۔''

''اچھا سوری!'' اس نے سر جھکا لیا۔

''دیٹس لائیک اے گڈ گرل۔'' تہنیت ہنسی۔

''چلو اب تم اس سے اپنے نکاح والے دن نمٹ لینا۔'' اسی وقت دراز ے پر کھٹ کھٹ ہوئی۔

''امی جان!'' تہنیت اچھلی۔

''کھانا۔۔۔'' طلعت بھی گھبرا کر بولی۔

''اب کیا کریں۔'' اور اسے کچھ نہ سوجھا تو اس نے جلدی سے دراز کھول کر چاولوں سے بھری پلیٹ اس میں گھسیڑ دی اور تہنیت نے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

طلعت دراز کے پاس ہی کھڑی تھی۔

''ہم سونے کا ارادہ کر رہے تھے۔ امی جان اس لیے دروازہ بند کر دیا تھا۔''

''اچھا! کھانا کھالیا؟ کھالیا ہو تو پلیٹ دے دو ورنہ یہیں کمرے میں جھوٹے برتن تم ساری رات سڑاؤ گی۔'' امی جان غصے میں نہ تھیں لیکن اس کی حرکت دیکھ لیتیں تو ہو سکتی تھیں۔

''جی پلیٹ تو میں نے شاید کچن میں ہی رکھ دی ہے واپس۔''

''شاید! تہنیت تم کب سدھرو گی بیٹا۔'' دھیمے لہجے میں انہوں نے بیٹی کو ٹوکا۔

''سدھری ہوئی تو ہوں امی!'' اس نے منہ بنایا۔

''اچھا اب سو جاؤ صبح کالج نہیں جانا۔''

''امی وہ جواد بھائی کا کیا ہوا، کیا گھر آئیں گے کل۔'' تہنیت نے ماں کو نرم مزاج دیکھ کر ہمت سے پوچھ لیا۔

''نہیں، ہم جائیں گے ملنے کچھ مٹھائی یا تحفہ وغیرہ تو دینے جانا پڑے گا نا۔'' امی جان نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہم کون امی!'' وہ پوچھنے پر آئی تھی سب ہی کچھ پوچھنے پر تل گئی تھی۔ ''بھائی جان آئیں گے صبح اور وقار یا انصار کو بلوالوں گی۔ تم چاہو تو تم بھی چلی چلنا۔''

''ہیں سچ امی! میں تو ضرور جاؤں گی۔'' اس نے خوشی سے بانہیں ماں کے گلے میں ڈال دیں۔

''اوں لیکن بے چاری طلعت رہ جائے گی۔ آپ زور لگاتیں نا جواد بھائی یہیں آجاتے پھر ہم

سب مل لیتے۔'' اس نے انگلی گھما کر طلعت سمیت سب کی طرف اشارہ کیا۔

''تو نری پاگل ہی ہے۔'' اس کی حرکت پر امی جان کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

''کہا تو بہت تھا مگر اس کے پاس وقت ہی نہیں ہے نا بے چارہ ایک دن میں کیا کیا کرے گا۔ پھر بھی کہا ہے تمہارے ابا جان کے پاس دکان ضرور جائے گا۔'' اس نے منہ لٹکا کر بڑی بہن کو دیکھا۔

''دیکھو تمہاری باتوں میں الجھ کر میں اصل کام ہی بھول گئی، وہ مجھے انصار کا موبائل نمبر تو دینا، وہ صبح جلدی نکل جاتا ہے نا، اس لیے تمہارے ابا نے کہا ہے فون پر ہی اس کو کہہ دیں گے۔''

''جی امی سب کے موبائل نمبر میری ڈائری میں لکھے ہوئے ہیں۔'' اس نے بنا سوچے سمجھے جوش میں آ کر جھٹکے سے وہی دراز کھول دی اور چاولوں کی پلیٹ اچھل کر سامنے اسی کا منہ چڑانے لگی۔ حالانکہ طلعت نے پیچھے سے اسے پکار کر اشارہ بھی کرنا چاہا لیکن وہ بے صبری لڑکی ٹھہرا کہاں کرتی تھی۔

''تہنیت میں نے تمہاری پٹائی نہیں لگائی، اس لیے تم فری ہو گئی ہو نا۔''

''اوہ امی سوری امی! پلیز معاف کر دیں اچھی امی! آپ کو پتا ہے میرا موڈ خراب ہو جائے تو مجھے کھانا اچھا نہیں لگتا۔''

''لیکن دیکھو بندہ جب جھوٹ بولے تو اس جھوٹ کو اسے کہاں کونوں کھدروں میں چھپانا پڑتا ہے ایسی جگہ جو اگر ظاہر ہو جائے تو بندہ شرمندگی سے سر نہ اٹھا سکے۔ اور کھانا ضائع ہونے کا گناہ الگ۔''

''امی میں ضائع نہیں کروں گی، صبح کھا لوں گی۔''

''کھانے لائق چھوڑا ہے تم نے اسے، اب تمہاری سزا یہ ہے کہ صبح فجر پڑھ کر سونا نہیں۔ یہ سارے چاول کے دانے چڑیا اور کبوتروں کو کھلانا۔''

''اچھا امی۔۔۔!'' سر جھکا کر ہاتھ باندھے کھڑے ''جی'' کہتے رہنا ہی بہتر تھا۔

ہفتے کو سنبل کی مہندی آئی تھی۔ ساری کزنز اگلے دن سے صفیہ خالہ کے گھر رہنے گئی ہوئی تھیں، اس نے شرجیل سے ابھی کچھ آنے جانے کے بارے میں پوچھا بھی نہیں تھا کہ اس نے پہلے ہی جتا دیا تھا۔

''خبردار سب کے پیچھے چل مت پڑنا کہ میں صبح آ جاؤں گی یا رات کو آؤں گی یا دو دن پہلے آ جاؤں گی یا چار دن رکوں گی وغیرہ۔ ہر دعوت میں تیار ہو کر میرے ساتھ چلنا اور میرے ساتھ ہی چپ چاپ واپس چلی آنا اور اگر گھنٹہ دو گھنٹہ بھی کہیں زیادہ رکنے کے لیے کہا تو پھر سوچ لینا میں ہرگز کسی دعوت میں نہ آؤں گا۔''

''جی اچھا! مجھے تو بس آپ کے ساتھ ہی جانا ہے۔'' اس نے بھی اپنی پابندی پر سر جھکا لیا۔ ہفتے والے دن صبح ہی سے اس نے اپنے کام نمٹانا شروع کر دیے تھے، حالانکہ دعوت میں رات کو جانا تھا۔ شرجیل نے کہہ دیا تھا دس بجے جائیں گے لیکن اس کا دل تو وہیں لگا ہوا تھا۔

''آج پھر میں ایک جاب کے انٹرویو کے لیے جاؤں گا۔ دعا کرنا کامیاب ہو جاؤں۔''

وہ صبح جلد اٹھ گیا اور جلدی ناشتا کر کے تیار بھی ہو گیا تھا۔ وہ سوچتی رہی مگر ہمت نہ پڑی کہ پوچھے کہاں جا رہے ہیں۔ یوں بھی آج کل وہ کسی سے کچھ کہنے سننے کے موڈ میں نہ تھی مگر شرجیل نے خود ہی بتایا

تو وہ خوش ہوئی کہ چلو اس نے کسی قابل تو سمجھا۔

''شرجیل! آپ نے اپنی ہمت کو اتنا تھوڑا کیوں کر لیا ہے، ابھی نہیں تو اچھے وقت کا انتظار ہی کر لیں مگر ڈاکٹری تو نہ چھوڑیں۔ لوگ پانچ پانچ دس دس سال بعد بھی اسپشلائز کرتے ہیں۔ آپ تھوڑے عرصے بعد مزید پڑھ لیجیے گا مجھے امید ہے حالات ضرور اچھے ہو جائیں گے۔'' اس نے آہستہ آہستہ شوہر کو سمجھایا۔

''تم واقعی اتنی خوش فہم ہو جب ہی اس گھر میں بھی جی رہی ہو۔ لیکن میں نے کب کی اپنی زندگی کے ساتھ اچھی امیدیں وابستہ رکھنی چھوڑ دی ہیں۔''

''توبہ توبہ ناامیدی تو کفر ہے نا۔''

''دراصل تمہارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے، تمہیں وہ نظر نہیں آتا نا، لاعلمی بھی ایک نعمت ہے، اسی لیے تم بکھرتی ہو پھر سنبھل جاتی ہو مگر مجھے تو بہت دور آگے تک جنگل کے اس پار بھی گہرا اندھیرا جنگل نظر آ رہا ہے۔ پھر کیسی امید اور روشنی کی خواہش۔''

اتنا سمجھ دار اور سب سوچ و آگہی رکھنے والا شرجیل سہیل احمد اتنا مایوس خود کو اندھے غار کی قید میں ڈالے کھڑا تھا، اسے تو صرف ایک لمبی چھلانگ کی ضرورت تھی وہ ایک جست میں اس غار سے باہر آ سکتا تھا۔

''آپ نہیں جانتے شرجیل! ڈاکٹر شرجیل سہیل احمد میرا آئیڈیل ہے۔'' وہ جانے کیسے کہہ گئی۔

''جانتا ہوں اسی لیے آج ایک پرائیویٹ کلینک میں جاب کے لیے انٹرویو دینے جا رہا ہوں، آج کامیاب ہو گیا تو تمہاری امیدوں اور تمناؤں پر یقین کر لینے والی کہانی کو مان لوں گا۔''

وہ مسکرا کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا اور اسی وقت دروازہ دھڑ دھڑ کر کے بجا۔

''افوہ! آپ کیا کر رہے ہیں اس وقت کمرے میں گھسے، چلیں نا آپ کو مجھے چھوڑنے بھی جانا ہے۔''

''تم کو اس وقت کہاں جانا ہے؟'' شرمین کی آمد سے اس وقت اتنی بری لگی کہ اگر تھوڑا سا اجرات مند ہوتا تو ڈانٹ کر اسے دروازے سے ہی بھگا دیتا لیکن اف یہ بزدلی۔

''اسے صفیہ کے گھر چھوڑ دو، سنبل نے بہت کہا ہے۔ آج تو وہاں رونق ہو گی۔ ڈھولک اور مہندی رچی پڑی ہو گی نا، یہ تو بچی ہے اس کے یہی تو بننے کھیلنے کے دن ہیں۔''

عالیہ آنٹی بھی شرمین کے پیچھے ہی آئی تھیں اور مسکراتے ہوئے آصفہ کو دیکھ کر اپنی بات کہہ رہی تھیں۔

''بڑی تیار ہو کر اکیلی تائی کے گھر چلی گئی تھیں۔'' مغرورسی مسکراہٹ کے ساتھ شرمین اسے یوں دیکھتی جیسے کہہ رہی ہو۔

زندگی ایمان داری سے گزاری جائے تو تکلیفیں ضرور اٹھانی پڑتی ہیں لیکن انسان کے کاندھے بہت ہلکے پھلکے رہتے ہیں۔ گناہوں کے بوجھ سے خالی، پاک نیتوں کے قصیدے لکھتے ہوئے، دائیں

ہاتھ کی طویل ترین فہرست اور بائیں ہاتھ کا فارغ بیٹھا ہوا فرشتہ۔۔۔

جلال احمد نیک نیتی سے زندگی گزارتے گزرتے آج لمحے بھر کو مایوس سے ہو گئے۔

''کیا میں نے کبھی کسی کو دکھ دیا ہے کہ اس کا بدلہ قسمت میری اولاد کو آزما کر لے رہی ہے۔ آج سنبل کی مہندی میں غیروں کی طرح وقت پر آتی اور دعوت ختم ہوتے ہی سب سے پہلے گھبراتی آصفہ کو دیکھ کر انہیں اس کے نصیبوں سے عجیب سی شکایت ہوئی۔

''اے قسمت کی پری! ایسی بھولی اور معصوم سی میری بچی کو ستانے سے تجھے کیا مزا مل رہا ہے کوئی شاطر اور بدفطرت بندہ ہوتو اسے ستا کر مزا بھی ملے۔''

''السلام علیکم پاپا! کیسے ہیں؟''

وہ لمحے بھر کے لیے چھب دکھلانے کے لیے آئی تھی جیسے۔ جب محفل عروج پر پہنچ گئی تھی جب ''آصفہ شرجیل'' کے چاہنے والے اس کی راہ دیکھتے دیکھتے اپنے ہی دلوں کو اپنی مٹھیوں میں دبائے بیٹھے تھے کہ وہ نظر آئی تھی۔ کیسا سہما سہما اجالے والا چہرہ تھا اس کا۔۔۔ صاف ستھری روشنی جیسے اس کے وجود سے پھیلتی پوری محفل میں رونقیں بکھیر دینے والی تھی۔ آصفہ اتنی خوب صورت اور پیاری تھی کہ اس کے وجود کو پیکر میں ڈھال کر رب تعالیٰ نے اپنی اس تخلیق پر فرشتوں کو جھومتے اور حوروں کو مسکراتے دیکھا ہوگا۔

''ہائے آصفہ! تو نے تو ثابت کر دکھایا ہے کہ والدین بیٹیوں کو پرایا دھن کیوں کہتے ہیں۔''

سب سے پہلے عاصمہ باجی نے اسے یوں وقت۔ کے وقت آتے دیکھ کر ٹوکا۔ وہ جواب میں کچھ نہ بولی، سب جانتی تھی کہ شرجیل با اس کی ماں اور بہن ٹوہ لگائے اسی کی کھوج میں کہیں آس پاس ہوں گے۔۔۔ کہ وہ کچھ کہہ دے اور وہ سنے بنا رہا جائیں۔

''خیریت تو ہے نا بیٹا! شرمین نے بتایا کہ تمہاری کچھ طبیعت ناساز ہے۔ اس لیے تم صبح سے اس کے ساتھ نہ آئیں۔''

صفیہ خالہ کی اپنی بیٹی پرائی ہونے والی تھی مگر پھر بھی وہ آصفہ کو دیکھتے ہی اس کے لیے متردد ہوئیں۔ اس نے سوچا کہہ ڈالے۔

''صاف جھوٹ بولا ہے شرمین نے، میں تو بالکل ٹھیک ہوں اور صبح سے دل میں آس لیے پورے گھر میں بے آس اور بے چین پھر رہی ہوں کہ کاش کسی طرح میں بھی اس رنگ، خوشی اور رونق کا حصہ بن سکوں، اپنی راہ دیکھتی ہر نظر کی تھکن مٹا سکوں، میرا دل یہیں تھا صبح سے صفیہ خالہ! آپ کے گھر میں۔ میرا خیال بیسیوں بار بھٹکا جب ہی میں نے سالن میں نمک ڈبل کر دیا، شرجیل کا ایک تھپڑ بھی کھایا پھر بھی خیال کا ایسا جنون کہ دوبارہ بھٹک گئی۔ نئے فروٹ سیٹ کا کانچ کا گلاس ہاتھ سے چھوٹ کر کرچی ہو گیا اور کانچ تو گیا بھاڑ میں۔ اس کانچ کے بدلے میں میری ماں کی تربیت اور حرمت پر آنچ آئی۔ عالیہ آنٹی نے ذرہ بھر لحاظ نہ برتا، جو منہ میں آیا بولے گئیں اور اس لمحے میرا جی چاہا کہ کاش میں بہری ہوتی تو یہ ساری باتیں اور ایسی کتنی باتیں جو روزانہ سنتی چلی آرہی ہوں، سننے سے بچ جاتی۔ شوق پھر بھی نہ گیا تھا صفیہ خالہ! شرجیل نے کہا تھا ساڑھے دس سے پہلے نہ جائیں گے۔ میں ساڑھے آٹھ بجے سے تیار ہو کر

بیٹھ گئی تھی۔ جی چاہا مؤذن سے کہوں۔ عشا کی اذان جلدی دے ڈالے، ایک بار من میں آئی سارے گھر کی گھڑیاں دو گھنٹے آگے بڑھادوں، جذبے کیسے بندے کو پاگل پن میں مبتلا کرتے ہیں اور یہی جذبے عقل کو بھی خبط کر دیتے ہیں، ورنہ میری سہمی، لرزتی عقل، ہر موڑ پر احتیاط کی انتہائی حد سے خود کو بچانے کی فکر میں گرفتار رہتی، عقل۔ بھلا میری عقل جنون کی بھینٹ چڑھ سکتی ہے! مگر مجھے ان سب گھڑیوں سے، ان سب لوگوں سے، ان سب لمحوں اور لمحوں میں ہر پل سانس لیتے رشتوں سے بہت محبت ہے اور شاید آج ہی آج مجھ پر ادراک ہوا ہے کہ ایک اکیلے شرجیل کی محبت میں اتنی طاقت نہیں کہ رشتے کے کسی بھی احساس کو مٹا سکے۔ مگر وہ مجھے دبا ضرور سکتا ہے۔ اس لیے میں آج اور آج کے بعد ہر روز دل کی دوری کے ہر لمحے سے گزر جاؤں گی اور چپ رہوں گی۔

خالہ کی بات کا جواب ایک جملے میں دے کر وہ مسکرا کر کہاں تک سوچتی چلی گئی۔

''ہاں خالہ! رات سے پیٹ میں شدید درد تھا شاید ہاضمہ خراب ہو گیا تھا، سارا دن شرجیل نے دوائی پلائی تو شام کو کچھ بہتر حال ہوا ورنہ بستر پر ہی پڑی ہوئی تھی۔''

اس نے یوں کہا تھا جیسے سچ مچ دن بھر شرجیل نے اس کی پٹی سے لگ کر اس کی تیمارداری کی ہو۔

''رات اتنی دیر سے سوئے ہیں، میں نے سوچا، ذرا آرام کر لیتے، یہ آج صبح ہی صبح کیا ضروری کام یاد آیا ہے۔''

فجر پڑھ کر امینہ بیگم نے محسوس کیا تھا کہ جلال صاحب سوئے ہی نہ تھے۔ کروٹیں تو وہ بھی مسلسل بدل رہی تھیں۔ مگر اپنے شوہر کو وہ بہت بے چینی اور پریشانی میں گرفتار دیکھ رہی تھیں۔

''بھائی صاحب کے ہاں جا رہا ہوں، چلنا چاہو تو تم بھی ساتھ چلو۔۔۔''

سفید کرتا شلوار بے داغ تھا لیکن ان کے دل کے داغ بڑھتے جا رہے تھے۔

''آپ نے تو میرے جی کی بات چھینی ہے، میں خود رات سے سوچ رہی تھی کہ آپ سے کہوں، ایک بار اپنے بھائی سے مل آئیں۔''

جلال صاحب نے ناشتا بھی ڈھنگ سے نہ کیا۔ امینہ بیگم نے ٹوکا بھی تو ٹال دیا کہ رات دعوت میں زیادہ کھا لیا ہے حالانکہ دعوت میں وہ کھانے کی طرف متوجہ ہی نہ ہو سکے تھے۔

''پھر میں جاؤں یا آپ ساتھ چل رہی ہیں؟''

''نہیں۔ میرا خیال ہے، صرف آپ جائیں تاکہ آپ کے بھائی صاحب سے کھل کر کچھ بات ہو۔ بلکہ میں چاہتی ہوں لہجہ نرم نہ رہے گرم بھی ہو جائے لیکن آپ ان سے کہیے گا ضرور کہ ہم صرف ان ہی کے مان اور بھروسے پر شاید دھوکے میں آ گئے ہیں۔''

امینہ بیگم کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ ''عالبہ اور شرجیل دونوں کا برتاؤ اس کے ساتھ اچھا نہیں۔''

''میں تو بہت دنوں سے محسوس کر رہی ہوں جلیل صاحب! بھلا میری بیٹی کی آنکھوں میں ایسی ویرانی تھی کبھی۔ کیسی کھیلتی بولتی نگاہیں تھیں اس کی۔''

وہ آنسوؤں کو اپنے حلق میں اتار رہی تھیں۔ ان کے میکے میں کسی گھر میں شادی ہو تو بھائی بہنوں

کے سب بچے مہینوں پہلے سے خوشیاں منایا کرتے تھے۔ تیاریاں کرتے، گیت گاتے، مہندی مایوں میں رات رات بھر جاگا کرتے تھے اور کل وہاں سارا دن صفیہ کے گھر پر ایک آصفہ نہ تھی تو لگتا تھا روشنیاں، بے رونقی پھیلا رہی ہیں۔ اس خاندان میں آپس کی یکجائی ایسی تھی کہ ایک فرد کی کمی سب کے دلوں میں خالی پن پھیلا رہی تھی۔ حتیٰ کہ صفیہ خالہ خود ایک آصفہ کے آجانے میں جی لگائے بیٹھی تھیں۔ ایسا کبھی ہوا نہیں تھا نا۔ کیا کنوارے کیا بیاہے، ایسے موقعوں پر ان کے خاندان کے سب فرد ہمیشہ محفل جمانے جمع ہوا کرتے تھے۔

چائے ختم کر کے وہ اٹھے، اپنے کمرے سے بریف کیس میں چیزیں ترتیب سے رکھ کر فوراً ہی واپس پلٹنے اور باہر چل دیے۔

''وقار کو کچھ نہ کہنا۔ وہ بے وجہ پریشان ہوگا، کہہ دینا مجھے آفس میں ضروری کام تھا۔ جلدی جانا پڑ گیا۔''

سر ہلا کر وہ گیٹ پر کھڑی کتنی دیر تک اپنے شوہر کو جاتا دیکھتی رہیں۔

رات کو بری طرح تھکن کے باوجود نیند نہ آئی اور اب طبیعت میں ایسی پھرتی بھی نہ تھی کہ وہ جلدی جلدی گھر کے کام نمٹالیں۔۔۔ آج پھر انہیں اپنی بہن کے گھر جانا تھا اور دوپہر کے بعد اپنے بھائی کے ہاں بھی جانا تھا۔ آج وہاں مہندی تھی ان کے دونوں بھائی بہنوں کے گھر شادی رچی ہوئی تھی اور پہلا موقع تھا کہ اپنے میکے کی کسی تقریب میں ان کا دل بجھا بجھا سا تھا۔

''اوہ گاڈ جواد بھائی آپ! آپ تو دبئی گئے ہوئے تھے۔''

تہنیت پہلے تو ہچکچائی کہ یہ ضرور اس کی نظر کا دھوکا ہوگا، بھلا جواد بھائی یہاں کیسے ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ ایسی سیدھی تو نہ تھی کہ یوں خود کو ٹال کر اور کاندھے اچکا کر ادھر سے روانہ ہو جاتی، پہلے تو اس نے اپنی آنکھیں ملیں اور پھر بہت قریب جا کر دیکھا، ویڈیو، آڈیو، سی ڈی ریکارڈرز کی دکان پر وہی تھا، جواد امیر، جو اپنی پسند کی کوئی سی ڈی نکال کر دیکھتا ہوا بہت مگن تھا جب اچانک تہنیت اس کے سر پر جا کر کھڑی ہوگئی۔

وہ خود ایک لمحے کے لیے بوکھلا گیا، مگر پھر سنبھلنے میں قطعی دیر نہ لگائی۔

''بھئی، دبئی میں کس کے پاس جاؤں گا۔ وہاں میرا کون ہے؟'' وہ سیدھا ہوتے ہوئے اس سے بات کرتا کاؤنٹر سے ذرا دور ہٹ گیا۔

''ارے کاروبار کے سلسلے میں دبئی گئے ہوئے جواد امیر کا ہمارے پورے خاندان میں چرچا ہو رہا ہے اور آپ کمال کی بات کر رہے ہیں، دبئی کس کے پاس جائیں گے۔'' تہنیت کھڑے کھڑے فساد برپا کر دینے کے موڈ میں لگ رہی تھی۔

''جی قصہ یہ ہے تہنیت بی بی! کہ آپ کے خاندان سے بچنے کے لیے ہی میں کراچی سے باہر گیا تھا۔ لیکن دبئی تک تو رسائی نہ ہوئی، صرف اسلام آباد ہو کر آ گیا۔ مگر ایک ستم یہ ہو گیا کہ شادی کے کارڈ پر تاریخ تو لکھی ہوئی تھی، میں نے چھ پڑھ لی، لہٰذا آج یعنی سات کو کراچی واپس آ گیا۔''

وہ اتنے مزے سے قصہ سنا رہا تھا جیسے اس دھوکا دہی پر بہت خوش ہو اور فخر بھی محسوس کر رہا ہو۔

''آپ کا دماغ درست ہے۔ آپ نے سب سے جھوٹ بولا، آپ ایسے دھوکے باز انسان نکلے۔ میری بہن طلعت تو اب تک آپ کو اپنا آئیڈیل مان لینے والی تھی، لیکن اچھا ہوا آپ کے جھوٹ کا پول کھل گیا۔ وہ آپ پر مرمٹنے سے تو بچ گئی۔''

تہنیت کیونکر اسے بخش دیتی۔۔۔

''ٹھیک ہے آپ کی بہن ہے اسی لیے آپ اس کی طرف داری کر رہی ہیں اور جو سلوک اس نے میرے ساتھ کیا، اسے بھول گئیں۔''

وہ بھی بحث پر اتر آیا۔ اب وہ دونوں اپنی اپنی پسند کی کیسٹ لے کر دکان سے باہر نکل آئے تھے۔ تہنیت اپنا فزکس کا جرنل خریدنے بک اسٹال تک آئی تھی اور ساتھ ہی سنبل اور طلعت وغیرہ نے جو دو چار کیسٹیں منگوائی تھیں۔ وہ لینے اس دکان پر کھڑی رہ گئی تھی۔ جہاں وہ نہ جاتے جاتے رک گئی تھی۔ امی کو پتا چل گیا کہ وہ اکیلی فلموں گانوں کی کیسٹ کی دوکان پر گئی تھی تو ضرور شامت آنی تھی، بک اسٹال اور لائبریری کی حد تک تو ٹھیک تھا لیکن یہاں۔ ویسے تو امی کو ان بہنوں کا اکیلے کہیں بھی آنا جانا ہی پسند نہیں تھا، لیکن طلعت کے وہی مزاج کی خرابی کے باعث انکار کر دینے کے بعد اس کے پاس اکیلے جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

جرنل آج ہی اس لیے خریدنا ضروری تھا کیونکہ گیارہ تاریخ کو جرنل جمع کروانے کی آخری تاریخ تھی اور مس رضوی انتہائی سخت اور اصول پسند خاتون تھیں۔ رعایت برتنا ان کی عادت ہی نہ تھی اسی لیے اسے جرنل کا سارا کام آج ہی مکمل کر لینا تھا۔ شام سے تو وہ دونوں بہنیں صفیہ خالہ کے ہاں رہنے جا رہی تھیں اور اگر آج بھی نہ جاتیں تو سنبل ضرور ان سے عمر بھر کے لیے ناراض ہو جاتی، وہ روز کہتی تھی کہ آج رہ جاؤ لیکن وہ دونوں اپنے کالج کی وجہ سے مجبور تھیں۔ امتحان بالکل سر پر تھے۔ زیادہ چھٹیاں ممکن ہی نہ تھیں۔

بہر حال وہ اکیلی مارکیٹ تک آئی تھی اور اب اکیلی اس معروف ترین روڈ پر جواد امیر کے سامنے کھڑی تھی یعنی بار بار امی جان کی طرف سے اپنی شامت کو آواز دے رہی تھی۔

''ایسا کوئی غلط سلوک بھی نہیں کیا، ابھی آپ دونوں کے درمیان ایسا کوئی معتبر رشتہ قائم نہیں ہوا جس کے باعث آپ میری بہن کو اپنی ملکیت تصور کرنے لگیں۔''

''ارے میں تو سمجھا تھا کہ آپ میری سب سے بڑی حمایتی ہیں اور اب جو مشکل مجھے درپیش ہے۔ اس کے حل کے لیے میں فون کر کے آپ سے ہی مشورہ مانگنے والا تھا۔'' وہ بے اعتباری سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی، جانے سچ کہہ رہا تھا یا جھوٹ، جب آدمی جھوٹ بہت دلیری اور صفائی سے بول جائے تو پھر اس کی پرکھ مشکل ہو جاتی ہے۔

جواد کی گاڑی آگے ہی کھڑی تھی اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اشارہ کیا۔ گاڑی میں کچھ دیر بیٹھ جائیں۔ یوں راستے میں کھڑے بحث کرنا اچھا نہیں لگ رہا۔

''دیکھیں۔ محبت میں ملکیت کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ طلعت نے میرے اچھے اور سچے جذبے کی

توہین کی ہے جس پر میرا چراغ پا ہونا بجا ہے۔'' اس نے پھر اپنی بات کہی۔

''مسٹر جواد امیر! جو شخص اپنی صفائیاں آپ دیتا پھرے، وہ با اعتبار نہیں ہوتا۔'' تہنیت اس کے عمل پر بہر حال اس سے متفق نہ ہو سکتی تھی۔ وہ سامنے بیٹھی اس کے عمل کو جھٹلا رہی تھی۔

''ارے جائیں جی، وہ بندہ ہی کیا جو اپنے اعمال کا آپ جواب دہ نہ ہو۔'' وہ کسی طرح شرمندہ ہو کر ہتھیار ڈال دینے والا نہ لگ رہا تھا۔

''خیر، اب آپ پیسے دے کر بڑے سے بڑا وکیل بھی ہمارے سامنے کھڑا کر دیں۔ آپ کی دھوکے بازی کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ دھوکا تو محبت کا قتل ہے اور آپ تو محبت کے دعوے دار ہیں۔''

''جب کوئی محبت کو کھیل سمجھے تو محبت کرنے والا بھی کھیل، کھیل سکتا ہے۔''

''جواد صاحب! آپ کو اپنی اتنی شدید محبت کا اظہار کرنے کے لیے شادی کا انتظار کر لینا چاہیے۔ ابھی طلعت آپ کی کچھ نہیں لگتی کہ آپ کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر محبت کی قسمیں کھاتی پھرے۔''

''آپ بے ایمانی کر رہی ہیں، میں نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا، لیکن آدمی نرمی سے بات کر سکتا ہے۔ دھیمے لہجے میں روک سکتا ہے، پیار سے ٹوک بھی سکتا ہے۔ مگر آپ کی بہن بہت روڈ ہیں۔'' وہ پھر بگڑنے لگا۔

''ہاں تو روڈ ہونا چاہیے، کسی اجنبی سے نرم بات اور دھیمے لہجے کے کیا معنی ہیں بھلا۔''

''دیکھیں۔ اب آپ روڈ ہو رہی ہیں۔'' اس نے سختی سے انگلی اٹھا کر اسے ٹوکا۔ ''آپ بہنیں اتنی مغرور کیوں ہو جاتی ہیں، جذبے کسی رشتے کے محتاج نہیں ہوتے۔'' وہ پھر اکھڑ کر بات کرنے لگا۔

''بنا رشتے کے ہر ایسا جذبہ جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔ جھوٹ ہی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے آپ اس جذبے یعنی ''محبت'' سے ہی انکاری ہیں۔ یہ انسانیت، دوستی، خلوص، ہمدردی، رشتہ نہ ہو تو سب بے کار ہیں اور اس کا یہ بھی مطلب ہے جس بات پر آپ مجھ سے خفا ہو رہی ہیں۔ وہ بھی بے معنی ہے، میرا آپ سے تعلق ہی کیا ہے جو میں آپ کی کزن کی شادی میں شریک ہونے کی زحمت گوارا کروں اور کیوں آپ کے والدین ہر مہینے مجھے اپنے گھر دعوت پر بلاتے ہیں، وہ بے وجہ کا مان، خلوص، پیار۔۔۔ یہ سب فضول ہی ہیں نا۔''

وہ کچھ دیر کے لیے رکا۔

''مجھ سے اتنی لمبی بحث کر رہی ہیں بی بی! کس ناتے سے آپ میرے پاس بیٹھی ہوئی ہیں۔''

وہ بری طرح بوکھلا گئی۔ جواد امیر نے وہاں لا کر اس پر انگلی اٹھائی تھی جہاں اسے خود اپنی موجودگی پر شرمندگی ہونی چاہیے تھی۔ وہ جوش میں آ کر اس کے صرف ایک اشارے پر اس کے برابر اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ آخر کس حیثیت سے۔۔۔ اپنی ماں کے سکھائے گئے اصول اور تربیت وہ اکثر لاپروائی سے شانے جھٹک کر بھلا دیا کرتی تھی نا۔۔۔ پہلی بار زندگی میں اسے اپنے کسی عمل پر یوں پچھتانا پڑا تھا، ورنہ اپنی بے باکی اور بہادری پر ناز بہت تھا اسے۔۔۔ اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھولنا چاہا۔

''نہیں آپ اتنی بزدل بھی نہیں ہیں کہ یوں دُم دبا کر بھاگ جائیں۔''

وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ وہ رک گئی۔

''آپ رسم ورواج پر اعتراض کر رہے ہیں اور ناحق مجھے کہہ رہے ہیں جبکہ نہ یہ رواج میں نے بنائے ہیں۔نہ میں بگاڑ سکتی ہوں۔'' گھبرا کر بھاگتی کیونکر وہ۔۔۔

''میں یہی کہہ رہا ہوں کہ اگر رسم ورواج کے تحت ہم اتنا کچھ کر سکتے ہیں تو جذبوں کی خاطر کچھ بھی کیوں نہیں۔۔۔'' اس نے پھر لہجہ درست اور نرم کر لیا۔

''کیونکہ جذبے جنون کی حد تک چلے جائیں تو بہکا سکتے ہیں۔''

''دیکھیں، نادانی میں اور جذبے میں بڑا فرق ہے۔''

''اب آپ مجھے دوبارہ الجھانے کی کوشش نہ کریں میں جا رہی ہوں۔''

اب وہ اتنی نادان بھی نہیں تھی کہ پھر اسی سوراخ میں منہ دے جس سے ابھی ابھی ڈس گئی تھی۔

''بہر حال مجھے یہ سب کچھ اور خاص کر آپ کا رویہ اچھا نہیں لگا۔'' وہ پلٹ کر کہنے لگی۔

''لیکن یہ سب کچھ طلعت کو ضرور بتائیے گا۔ اس اضافے کے ساتھ کہ بعض دفعہ ہم اپنے ہی رویّوں سے دوسروں کی شناخت کھو دیتے ہیں۔ مجھے خود یہ سب کچھ پسند نہیں آ رہا کیونکہ یہ جواد امیر کا انداز نہیں ہے۔ میری سیدھی سادی محبت کو آپ دونوں بہنوں نے اتنا الجھا دیا کہ میں خود منفی سوچوں میں گھر کر رہ گیا ہوں۔''

وہ پھر الجھ کر پھنس سکتی تھی سو اب کچھ بھی کہے بنا وہ گاڑی سے اتر کر مارکیٹ کے رش میں گم ہو گئی۔

گلابی رنگ کا سلور کام والا کرتا دوپٹا چنری کے پاجامے کے ساتھ پہن کر جب وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو کچھ دیر کے لیے اپنا روپ دیکھ کر خود اس کی آنکھوں میں انوکھی خوشی کی چمک بھر گئی۔ اس کی صورت اتنی حسین تھی اور سیرت اس سے زیادہ دلکش، لیکن قسمت۔ آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی اور خوشی میں تیز تیز دھڑکتا دل بیٹھ سا گیا۔

آج سنبل کی شادی تھی۔ اس کا کتنا جی مچلا تھا کہ کم سے کم آج تو وہ صفیہ خالہ کے گھر صبح سے چلی جائے، امی نے، طلعت نے، خود سنبل اور صفیہ خالہ نے کتنی منتوں سے کہا تھا کہ صبح سنبل کا نکاح ہوگا وہ ضرور جلدی آئے اور اس نے سب کو ہاں بھی کہہ دیا تھا۔ جانے کس زعم میں آ کر، یونہی خود ہی اس نے اپنے خیالوں کا تانا بانا بن لیا تھا کہ کسی کمزور محبت بھرے لمحے میں شرجیل سے بہت التجا سے کہے گی کہ آج اسے صبح سے جانے کی اجازت دے دے اور اس نے ایسا کیا بھی، رات گئے جب وہ بہکے ہوئے لہجے میں اس کے حسن کے قصیدے پڑھ رہا تھا۔ اس نے بہت سنبھل کر، بہت دبے دبے لہجے میں بڑے مان سے اس سے پوچھا تھا اور اس نے اتنی سختی سے ''نہ'' کہہ دیا کہ بس وہ کروٹ بدل کر چپکے چپکے رونے کے سوا کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ اس کا بہکتا لہجہ، اس کا دہکتا حسن کسی بات کی اہمیت نہ رہی۔ صرف اس کی بات سن کر شرجیل اتنا بھڑک گیا بلکہ جیسے تیار ہو گیا تھا کہ اس کی ''نہ'' سن کر وہ ذرا بھی چوں چرا کرے تو وہ بے دھڑک اسے سناڈالے کہ منع کیا تھا اس موضوع پر بات نہ کرنا پھر۔۔۔ اور پھر سے آگے جانے کیا کیا۔ لیکن کروٹ بدل کر تکیے میں منہ دبا کر آصفہ نے آنکھیں زبردستی سختی سے بند کر لیں۔

یہ کیسا سودا ہے لڑکیوں کی زندگی کا، سب کچھ داؤ پر لگا کر بھی وہ اتنی نامعتبر رہے کہ ایک ذرا سی اپنی

خوشی خریدنے کی اہل بھی نہ رہے۔ مرد کی دنیا کا یہ کیسا خودغرض بازار ہے کہ جہاں نہ اس کے سچے پیار کی قیمت چلے نہ اس کی بے حساب خدمتوں کا کوئی بھاؤ ملے۔ وہ حسین ہے تو بھی شرجیل کی خوش قسمتی۔ وہ محبت کرنے والی ہے تو بھی شرجیل کی نیک بختی اور وہ ایمان دار ہے تو بھی شرجیل کی زندگی میں روشنی۔

بھلا اس نے کتنا نفع کمالیا اس گھر میں آکر۔۔۔ آئینے کے سامنے کھڑی وہ اپنے دھلے دھلائے نکھرے چہرے کو اب آنسوؤں سے دھو رہی تھی۔

گلابی جوڑا، گلابی چہرہ اور اب اس کی آنکھیں بھی گلابی ہو رہی تھیں۔ معصومیت اس کی ہر ادا سے یوں بکھرتی کہ فرشتوں کو بھی پیار آئے، جانے شرجیل ہی بے اثر کیوں رہتا تھا۔ وہ تیار ہوتے ہوتے صوفے کے کنارے پر ٹک کر بیٹھ گئی۔ ابھی آٹھ ہی تو بجے تھے، بے کار جلدی مچانے کا کیا فائدہ، ساڑھے دس سے پہلے شرجیل اسے لے کر نہ جائے گا، وہ بے مقصد سی سوچ کے ساتھ گھڑی کی ٹک ٹک کو گننے لگی۔

عالیہ آنٹی تو عینی آپا کے ساتھ بازار چلی گئی تھیں، اس کو کوفت بھی ہوئی کہ آج یوں شام ڈھلے انہیں بازار میں کیا کام رہ گیا تھا لیکن اس کی سوچیں اسے کوفت میں مبتلا کریں یا جان ہی سے مار ڈالیں، کون پروا کرنے والا تھا۔ بے وجہ وہ بے کار بیٹھی بے پَر کی سوچتی قنوطی سی ہو رہی تھی۔ شرمین آج بھی صبح سے صفیہ خالہ کے گھر گئی ہوئی تھی۔

وہ کیوں اس گھر میں خاموشی سے ہر کسی کے آگے بے وقوف بنتی چلی جاتی ہے۔ شرجیل خود بھی اپنے باپ کو لے کر اس کے ماموں کے ہاں انصار کے نکاح میں شامل ہونے چلا گیا تھا اور اس کے اکیلے، اس وقت گھر میں بیٹھ جانے کا مطلب۔

اگر ایک دن وہ خاندان بھر کو جمع کر کے چیخ چیخ کر روئے تو دوسرے دن شرجیل سمیت یہ سب لوگ سیدھے ہو کر اس کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔

لیکن وہ بزدلوں کی طرح چپ رہ کر جیسے بڑا کارنامہ سرانجام دے رہی تھی۔ اسے خود اپنے آپ پر تاؤ آنے لگا اور اپنی مٹھی صوفے کے بازو پر پٹخی، ابھی کھڑی ہونے ہی لگی تھی کہ دھڑ سے کمرے کا دروازہ کھلا۔

''تم سمجھتی ہو، دادا جان کو درمیان میں لا کر تم مجھے سیدھا کر لو گی۔''

شرجیل نے کمرے میں گھستے ہی اس کا بازو پکڑ کر اسے کھڑا کیا اور غرّا کر پوچھا۔۔۔ وہ صرف اشارے سے نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''اور تمہارے خیال میں اگر تم دادا جان سے یوں میری شکایتیں لگاتی پھرو گی تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔''

اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا اور اپنی آواز کو وہ غصے کی انتہا تک لے جانا چاہ رہا تھا۔ اور اس کی وہی بزدلی جسے وہ ابھی کچھ دیر پہلے جوش میں آکر بھگا دینے کے خیال میں تھی۔

''بولو، جواب دو، ویسے تو بہت زبان چلتی ہے۔ میں نے تمہیں تمہارے ماموں اور خالہ کے گھر آنے جانے سے روکا ہوا ہے، بے چاری آصفہ ڈھنگ سے شادی میں شریک بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ ایک

ظالم آدمی کے ہتھے جو چڑھ گئی ہے۔''

اس نے گھما کر ایک تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔

''میں ظالم ہوں۔'' پھر اس نے پے در پے کئی تھپڑیں اس کے نازک گالوں پر جڑ دیے۔

''تمہارے کمینے باپ نے مجھے ''ظالم'' کا خطاب دیا ہے بی بی۔''

شرجیل کا ہاتھ نہ رک رہا تھا اور اس کی چیخیں بلند ہونے لگی تھیں۔۔۔ اسی وقت عالیہ آنٹی اور ان کے پیچھے عینی آپا بھی کمرے میں چلی آئیں۔

''دیکھیں آنٹی پلیز، شرجیل کو سمجھائیں، میں نے تو کسی سے کچھ نہیں کہا۔'' وہ دوڑ کر عالیہ آنٹی کے پاس گئی مگر انہوں نے اسے بری طرح دھکا دے کر نیچے گرا دیا۔

''ارے تو کسی سے کچھ نہیں کہتی میسنی! تیری تو آنکھیں سب کو بتاتی ہیں۔ محفلوں میں رو رو کر ہماری ناک کٹواتی ہے، ماں باپ کو یقین دلاتی ہے کہ ہم ظالم ہیں تو پھر میرا بیٹا تو تجھے صرف ظالم کا مطلب سمجھا رہا ہے۔''

وہ مشکلوں سے کھڑی ہوئی تھی کہ عالیہ آنٹی نے پھر بڑھ کر بہت زور سے ہاتھ اس کی کمر پر مارا، اور اب وہ غصے سے بے قابو ہو گئی۔ دوبارہ بڑھتی آنٹی کو اس نے اپنے ہاتھوں سے روکا۔

''ہٹیں، دور ہوں، آپ کو کوئی حق نہیں ہے مجھے مارنے کا۔'' وہ بری طرح چلانے لگی۔

''تو تم بھی ہاتھ اٹھا لو، مار کر دیکھ لو، ابھی کھڑے کھڑے تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔'' اس کے خوب صورت بال شرجیل نے مٹھی میں جکڑ کر بری طرح جھٹکا دے کر پھر چھوڑ دیے۔

''ہٹیں جنگلی انسان! عورت پر ہاتھ اٹھا کر خود کو بڑا بہادر سمجھ رہے ہیں۔''

اس نے تیزی سے بڑھ کر شرجیل کا ہاتھ بھی جھٹک دیا اور دوڑ کر باتھ روم میں جا کر اندر سے لاک دبا دیا اور اوپر کنڈی بھی لگا دی۔

''اونہہ بچ کر کہاں جائے گی۔'' شرجیل نے منہ پر ہاتھ پھیر کر بند دروازے کو گھورا۔

''چھوڑیں شرجیل بھائی! دعوت میں بھی جانا ہے، بہت دیر ہو جائے گی۔''

عینی آپا کو سب برا بہت لگ رہا تھا مگر وہ خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ مطلب انہوں نے سب، اچھے خیالات کو چلتا ہی کر دیا تھا۔

''دیر کیا ہو گی، دیکھا نہیں اس کو۔ یہ تو سج دھج کر کب سے تیار بیٹھی ہے، ہم ہی اس کے چکر میں پڑ کر لیٹ ہو جائیں گے۔'' عالیہ آنٹی ہر حد کو بھولے بیٹھی تھیں۔

''اب دفع کرو، دعوت میں ہو آئیں پھر حساب کتاب کریں گے۔'' شرجیل کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی ماں نے اسے حوصلہ دیا تو اس نے سر اٹھایا۔ وہ دونوں ماں بیٹی کمرے سے باہر نکل گئیں تو اسے خیال آیا کہ آصفہ کو آواز دے۔

''آصفہ! باہر آؤ، مجھے نہانا ہے۔'' باتھ روم کا دروازہ کھٹکھٹا کر وہ کچھ دیر رکا کہ شاید وہ ابھی لاک اونچا کر کے باہر آ جائے مگر تھکی ہاری باتھ روم کے کنارے کی دیوار سے لگی کھڑی آصفہ کچھ اور سوچے بیٹھی تھی۔

''افوہ باہر آؤ آصفہ! کیا باتھ روم میں ہی رات گزاروگی۔'' اندر سے پھر کوئی جواب نہ آیا تو شرجیل غصے سے دیوانہ ہی ہوگیا۔ دھڑ دھڑ کر کے بجاتے بری طرح دروازہ پیٹ ڈالا۔۔۔ شرجیل کو آپے سے باہر ہونے میں دو منٹ بھی نہ لگا کرتے تھے۔

''ارے زندہ ہو یا اندر ہی مرگئی ہو۔'' اب وہ یک دم بوکھلا گیا تھا، اندر بالکل ہی خاموشی تھی۔

''آصفہ پلیز! باہر آؤ دیکھو۔ ہمیں سنبل کی شادی میں جانا ہے، کیا تمہیں نہیں جانا۔'' اچانک اس نے لہجہ نرم کرلیا اور بالکل اچانک ہی آصفہ نے اندر سے تیز آواز میں ''نہیں'' کہا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے آصفہ! دیکھو وہ سب لوگ تمہاری ہی راہ دیکھ رہے ہیں، اور اگر تم نہ گئیں تو تمہارے گھر والے تو مر ہی جائیں گے۔''

شرجیل اس کے ارادے اور اپنے اندازے سے گھبرا ہی گیا۔ فوری طور پر اس کی بات اس کا انداز حتیٰ کہ اس کا دل تک نرم ہوگیا۔ خوب صورت گلابی سوٹ میں روتی سسکتی آصفہ کا خیال جب اس کے سامنے آیا تو وہ پھر دروازہ بجانے لگا۔

''آصفہ! کیا ہوگیا ہے تمہیں، باہر آؤ۔ اندر بہت گھٹن اور گرمی ہوگی۔''

وہ اب اسے بہلانے اور پھسلانے لگا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ بند دروازہ اس سے کس طرح کھلوائے۔ اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ آصفہ اتنی سختی دکھائے گی۔۔۔ اس نے پلٹ کر اپنے پیچھے کمرے کے کھلے دروازے کو دیکھا اور پھر بڑھ کر اسے بند کردیا۔ باتھ روم کی طرف آیا۔

''دیکھو، مجھے نہانا ہے تیار ہونا ہے، آخر ہم کب جائیں گے دعوت میں، ساڑھے نو بجنے والے ہیں، تم چاہتی کیا ہو، کم سے کم مجھ سے بات تو کرو۔''

وہ اتنی برداشت سے شرجیل کے ضبط کا امتحان لے رہی تھی ورنہ باتھ روم میں سچ مچ بہت گھٹن اور حبس تھا، کھڑے کھڑے وہ تھک بھی گئی تھی۔ سنبل کی شادی میں جانے کا لالچ بھی اب تک دل میں مچل رہا تھا۔ مگر اس کی عقل نے اسے سختی سے روک رکھا تھا۔

اونہہ! وہ اس شخص سے ہرگز بات نہ کرے گی، اس نے اسے جنگلیوں کی طرح پیٹا تھا اور اب چاہتا تھا وہ سچ سنور کر سب کچھ بھول کر اس کے ساتھ دعوت میں چلی جائے۔

''آصفہ! دروازہ کھولو ورنہ میں سب گھر والوں کو بلانے جارہا ہوں۔'' وہ دھمکی میں بھی نہ آئی۔

''مجھ سے ناراض ہونا۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا ہے۔ لیکن میں شرمندہ ہوں، باہر تو آؤ، دیکھو میں ہاتھ جوڑے دروازے میں کھڑا ہوں۔''

''پلیز آصفہ! مجھے اس طرح نہ ستاؤ، دیکھو، سب لوگ مجھے ستاتے ہیں، لیکن کم سے کم تم تو ایسی نہ بنو، میں مانتا ہوں ظالم ہوں، خود غرض ہوں، لیکن تم تو بہت نرم دل ہو بہت معصوم، پلیز مجھے معاف کر دو۔''

دروازے میں کھڑا شرجیل گڑگڑا رہا تھا اور اب آصفہ عقل کی ہر سختی کو بھول بھال کر کنڈی نیچے کرتی لاکھ گھماتی دروازہ کھول چکی تھی۔ شرجیل واقعی ہاتھ جوڑے سامنے کھڑا تھا۔ درمیان میں دیوار بنا تنا کھڑا دروازہ ہٹ گیا تو نادم سا شرجیل آصفہ کے لیے بے تاب ملا تھا۔ اور وہ اتنی سیدھی تھی کہ اس کی ندامت پر

اس کے ظلم کو قربان کر دیا حالانکہ اسے اتنا سیدھا ہرگز نہ ہونا چاہیے تھا۔

''بھلا اس طرح بدلہ لیتے ہیں، میں تو پریشان ہو کر رہ گیا۔''

''بس اتنی سی پریشانی سے جھنجھلا گئے اور وہ جو ستم میں نے سہے، ان کا حساب کیا ہوا۔'' اس کے دماغ میں تہنیت کی زبان کلبلانے لگی لیکن وہ اس زبان کا استعمال آخر کیوں نہ کر سکتی تھی۔

ایک نظر اس پر ڈال کر وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتی بستر کی طرف بڑھی اور تکیے پر اوندھی لیٹ گئی۔

شرجیل اس کے پاس آیا، بستر کے کنارے کے قریب بیٹھے ہوئے اس نے اس کے چہرے پر آئے اس کے بالوں کو پیچھے کیا تو اس کی انگلیاں کانپ سی گئیں۔ اس کے گالوں پر مضبوط انگلیوں کے سرخ سرخ نشان بری طرح واضح ہو رہے تھے۔ سارا چہرہ چغلی کھا رہا تھا کہ اس پر واقعی کسی جنگلی نے اپنے پنجے گاڑے تھے۔

آج شادی میں جانا انتہائی لازمی تھا اور اس نے آصفہ کو جانے لائق نہ چھوڑا تھا، حد ہوتی ہے غصے کی بھی، نہ وقت دیکھتا ہے نہ موقع، ایک تو امی جان اتنا بہکاتی ہیں کہ شیطان بھی پناہ مانگے۔ وہ خود سوچ کر آپ پشیمان اور پریشان ہوا۔

شام کو دادا جان نے امی، ابا اور شرجیل کو گھر پر بلایا تھا اور انہیں آصفہ کے بارے میں صرف چند اچھی ہدایتیں ہی دی تھیں کہ وہ بھی کسی کی بیٹی ہے، اس کے والدین یونہی تو نہ چھوڑ دیں گے اور بے وجہ زیادتی کرنے سے کیا حاصل اور بیوی پر ظلم نہیں کرنا چاہیے وغیرہ۔ مگر واپسی میں راستے بھر امی جان نے جو جو چنگاریاں بھڑکائیں، وہ کسی بھی اچھے خاصے گھر کو جلا کر راکھ کر دینے کے لیے کافی تھیں۔

''آصفہ! چلو اٹھو، ہمیں ویسے ہی دیر ہو گئی ہے۔''

''میں کہیں نہیں جاؤں گی، پلیز آپ لوگ چلے جائیں۔''

''میری خاطر چلو آصفہ۔ اگر تم نہ گئیں تو سب خفا ہو جائیں گے، تم سے بھی اور مجھ سے بھی۔''

''آپ کوئی بہانا کر دیجیے گا، کہہ دیجیے گا۔ بہت بیمار ہے یا یہ بھی کہہ دیں کہ مر ہی گئی تو کوئی فرق نہ پڑے گا۔'' اس کا دل مایوسیوں کے اندھیروں میں کھو گیا تھا۔

''شٹ اپ! ایسی باتیں نہ کرو، اب بخش بھی دو مجھے خدا کے لیے۔'' وہ پھر ہاتھ جوڑنے لگا۔

''میں نہیں جا سکتی! نہ میرا دل مان رہا ہے نہ ذہن اور میرے زخم بھی اذیت دے رہے ہیں۔''

اس کی آنکھوں میں اب آنسو نہ تھے ویرانی تھی۔ کاش اسے خبر ہوتی کہ اس کی قسمت اس کی اتنی تذلیل کرنے والی ہے۔

شرجیل کی مار وہ سہہ گئی لیکن عالیہ آنٹی کا ہاتھ اٹھانا وہ کیونکر گوارا کر لے۔ اسی وقت اس کے موبائل کی گھنٹی بجی تھی اور روشن ہوتے نمبر دیکھ کر شرجیل نے فون اسے پکڑا دیا۔

''بات کرو۔'' آن کر کے موبائل اسے تھماتا شرجیل باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ''ہیلو'' کہا تو دوسری طرف تایا جان تھے۔

''کیا تم لوگ ابھی گھر سے نکلے نہیں ہو بیٹا۔'' اس کی آواز پہچان کر تایا جان نے سیدھا سوال کیا۔

وہ چپ ہی رہ گئی۔

''آصفہ! یہ تم ہی ہو نا بیٹا!'' تایا جان نے کوئی جواب نہ پا کر تسلی کے لیے پوچھا۔

فون اسے تھما تو دیا لیکن اب شرجیل کچھ غیر مطمئن سا ہوا اسی لیے باتھ روم کے اندر جا کر دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ اس کی باتیں سن رہا تھا۔

''جی تایا جان! ہم لوگ بس آ ہی رہے ہیں۔'' اپنا لہجہ ہموار کرنے میں اسے بڑی دشواری ہوئی۔

''شرجیل کو اگر دیر ہو تو ہم تمہیں پک کر لیں، میں اور تمہاری تائی بس راستے میں تمہارے گھر کی طرف سے ہی جا رہے ہیں۔''

اسے جھرجھری سی آ گئی، تایا جان اسے اس کے اس انجام تک دیکھنے آ سکتے تھے۔

''نہیں نہیں تایا جان! شرجیل تیار ہونے ہی والے ہیں، ہم بھی جلد ہی پہنچ رہے ہیں۔'' اس نے اتنی گھبراہٹ میں ''نہیں'' کہا کہ تایا جان کچھ چونک سے گئے۔

''یہ تمہاری تائی کہہ رہی ہیں کہ تم ہمارے ساتھ ہی چلو ہم پانچ منٹ میں گھر کے گیٹ پر کھڑے ہوں گے۔'' تایا جان جانے کیا جانچنا چاہ رہے تھے۔

''پلیز تایا جان! میں ابھی تیار نہیں ہوئی ہوں۔'' اس نے کہنا چاہا مگر اس طرف سے فون بند ہو گیا۔ وہ گھبرا کر آئینے کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

اس کا پورا چہرہ سوج رہا تھا۔ نیا قیمتی سوٹ اپنی رونق کھو چکا تھا اور ابھی پانچ منٹ میں۔ باتھ روم کا دروازہ بند ہوا تھا مگر دو چار منٹ میں ہی شرجیل باہر آ گیا تھا۔ آصفہ کی آواز اس نے ضرور سنی تھی لیکن پوری بات سمجھنے کی بے تابی اسے بھی تھی۔

رونا تڑپنا سب کچھ بھول کر آصفہ ایک نئی الجھن میں گرفتار ہو گئی۔ اپنی بے بسی کس طرح زمانے سے چھپائے۔۔۔ شرجیل کی صورت دیکھ کر بھی چپ ہی رہی۔

''کیا دادا جان آ رہے ہیں۔'' اس نے فوراً پوچھا اور آصفہ نے سر ہلایا ہی تھا کہ گیٹ پر بجی گھنٹی کی آواز صاف ان دونوں کے کانوں میں پڑی۔

''تم کسی طرح، اچھی طرح جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ کچھ کرو۔'' اس کو دیکھتے دیکھتے شرجیل نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں آنکھوں پر رکھ لیے۔

وہ اپنی مرضی کے خلاف پیدا ہوتی ہوئی اس صورت حال پر بری طرح کوفت زدہ تھی۔ لیکن گزرتی گھڑیاں اسے کچھ کہنے یا کرنے نہ دے رہی تھیں۔ پانچ منٹ تو بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ آج اس انتہائی حال کو پہنچی آصفہ کو سنبھلنے کے لیے تو پانچ دن بھی بہت تھوڑے تھے۔ لیکن کیا یہ انتہا تھی اور سوچ شروع ہوئی بھی نہ تھی کہ رک گئی۔ گیٹ سے ہوتی ہوئی دستک ان کے دروازے تک پہنچ گئی تھی۔

وہ دہل گئی۔۔۔ اور شرجیل اس سے زیادہ حواس باختہ ہو گیا۔

گھبرا کر باتھ روم کی طرف بڑھتی آصفہ کی اعلا ظرفی پر اس کا جی چاہا خود زمین میں گڑ کر رہ جائے۔ اگر اس کی جگہ کوئی بھی دوسری لڑکی ہوتی تو ابھی دوڑ کر دروازہ کھولتی اور اپنی تائی اور تایا کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روتی ضرور شرجیل کی جی کھول کر شکایتیں کرتی۔ اپنے گھر کے دروازے پر آئے کھڑے

ہمدردوں سے منہ موڑنا ایسے نازک لمحوں میں جب خود آپ کا ایک ایک زخم کراہ رہا ہو، بڑے ظرف کی بات ہے۔

لیکن یہ آصفہ تھی، تیزی سے باتھ روم کے دروازے کے پیچھے ہوگئی۔ کہنا کہ ہم تجھ پر مرمٹے ہیں اور مرمٹ کر دکھانا دو الگ چیزیں ہیں۔

''داداجان! آپ نے ناحق زحمت کی۔''

''برخوردار! تم کیوں بوکھلا رہے ہو۔ ہماری زحمت ہمارا عمل ہے، تم اپنی تیاری پر دھیان دو۔''

''آصفہ نہا رہی ہے داداجان۔''

''کوئی بات نہیں، ہم انتظار کیے لیتے ہیں۔''

''آپ جائیں داداجان! آپ کو دیر ہوجائے گی۔''

''کمال بے نیازی ہے! میاں صاحبزادے پہلی بار تمہارے دادا تمہارے کمرے میں آئے ہیں، نہ آیئے، نہ بیٹھیے۔ ساری اخلاقیات کی کتابیں کیا جلا کر مٹا ڈالی ہیں۔''

وہ خود ہی کنارے پر لگے صوفے پر بیٹھ گئے اور بے خیالی میں شرجیل خود بھی بستر پر ٹک کر بیٹھ گیا۔

''ارے تم آرام سے بیٹھ رہے ہو۔ جانے کی تیاری نہ کروگے۔''

''میں تو پانچ منٹ میں چینج کرلوں گا، مگر آصفہ کو دیر لگے گی، پھر ہم باہر چل کر بیٹھتے ہیں دادا جان۔۔۔!'' وہ اب بھی کسی طرح انہیں وہاں سے اٹھانا چاہ رہا تھا۔

''اچھا چلو، تم ہماری کوئی خاطر داری بھی نہیں کرنا چاہتے تو نہ سہی۔'' اس کی بوکھلاہٹ اور پریشانی کو انہوں نے مزید نہ آزمایا، کمرے سے باہر چل پڑے۔

''دراصل آصفہ یہاں تیار ہوگی نا۔'' اس نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں آپ کے لیے چائے بناتا ہوں۔''

''رہنے دو، بہت پی ہے ہم نے چائے۔'' وہ خفا سے لہجے میں بولے۔

خدا کی اتنی بڑی کائنات میں، میں نے
بس ایک شخص کو مانگا مجھے وہی نہ ملا
بہت عجیب ہے یہ قربتوں کی دوری بھی
وہ میرے ساتھ رہا اور مجھے کبھی نہ ملا

شرجیل نے اپنے فرسٹ ایڈ باکس میں سے کوئی کریم نکال کر اسے دی، لیکن وہ کریم آزمانے کے لیے اس کے پاس چند ہی منٹ تھے، خیر اس نے مہارت سے میک اپ بھی کیا اور اچھی سی جیولری پہن کر نئے سرے سے تیار بھی ہوگئی۔۔۔ وہ سب کچھ بھول کر جو ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس کے ساتھ پیش آیا تھا۔

جانے محبت غالب تھی یا تربیت یا فطرت۔

وہ کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف آئی تو اسے دیکھ کر سب سے پہلے شرجیل نے شکر گزار نظر اس پر ڈالی، تھوڑی دیر کے لیے عالیہ کی آنکھوں میں بھی چمک آگئی اور سہیل انکل بھی خود کو والدین سے نظر ملانے کے قابل سمجھ کر مسکرانے لگے، وہ گزرے ہوئے سارے قصے میں نظر کہیں نہ آئے تھے لیکن یقیناً

بے خبر بالکل نہ تھے۔

''بہت دیر لگادی آصفہ بیٹا! جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں یا خود کو تیار کر رہی تھیں۔''

تایا جان نے بہت گہری نظر اس پر ڈالی تھی۔ ان کی نظر کی تیزی کسی نے دیکھی نہ تھی لیکن آصفہ نے ضرور محسوس کر لی تھی۔

''سوری تایا جان! میں نے آپ کو پریشان کیا۔'' اس نے نظر بچا کر رخ موڑ لیا۔

اور عالیہ آنٹی خوامخواہ مسکرانے لگیں۔ وہ شاید اس زعم میں تھیں کہ ایک بار پھر آصفہ کو چت کر کے رکھ دیا اور کسی نے اس کی آہ تک نہ سنی۔

کبھی کبھی بندہ غرور کی انتہا تک چلا جاتا ہے۔ اپنے کان اور آنکھیں بند کر کے سمجھتا ہے کہ اس کے اعمال کس نے بھی دیکھے اور سنے نہیں۔ خدا کو بھولا بیٹھا ہوا نادان انسان۔

''تو تم امی کو بتائے بغیر وہاں جاؤ گی؟'' طلعت سختی سے کہہ رہی تھی۔

''بتایا تو وہ کبھی نہ جانے دیں گی۔'' تہنیت ضد پہ اڑی ہوئی تھی۔

''تو مت جانا! جانا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا ان سے اجازت لینا ضروری ہے۔ سوری تہنیت! اس طرح کے الٹے سیدھے کاموں کی میں حمایت نہیں کروں گی۔'' طلعت اس کے مزاج سے کوفت میں مبتلا ہو رہی تھی۔

''تم کو میں نے اس لیے نہیں بتایا کہ تم مجھے لیکچر دینے بیٹھ جاؤ۔''

''کیا مطلب؟''

کالج سے واپس آتے ہوئے راستے میں وہ دونوں بحث میں پڑ گئی تھیں۔ کیونکہ کالج سے چلتے وقت طلعت نے تہنیت کو اپنی کلاس فیلو سے دوسرے دن وقت پر پہنچ جانے کا وعدہ کرتے سنا تھا۔

دو تین دن پہلے تہنیت نے جانے کا ذکر تو کیا تھا، دراصل اس کی کسی بہترین دوست کے والد کا اپنا فارم ہاؤس تھا اور اس بار اس کی دوست جس کا نام ماریہ تھا اس کے والدین نے اس کی سالگرہ وہیں فارم ہاؤس میں سیلیبریٹ کرنے کا پروگرام بنایا تھا، سو ماریہ نے اپنی بہترین دوستوں کو وہاں انوائٹ کیا تھا جن میں سرفہرست تہنیت کا نام تھا۔ طلعت سمجھی تھی وہ یونہی ذکر کر رہی ہے۔ جانے کا اسے خیال نہیں آسکتا تھا کیونکہ اسے کبھی اجازت نہ مل سکتی تھی۔ امی جان اسکول کالج کی دوستوں سے اس حد تک میل ملاپ کی قائل نہ تھیں اور اتنا دور جانے کی بات تو ان سے کہنا حماقت ہی تھی لیکن تہنیت جانے کا ارادہ مضبوط کیے بیٹھی تھی۔

''مطلب یہ کہ تم میرے ساتھ چلو گی۔ ویسے اگر تم نے منع بھی کر دیا تو میں تو ضرور جاؤں گی۔'' وہ جذباتی بھی ہو رہی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں تہنیت! امی کو بتائے بغیر ہم دونوں اتنی دور کیسے جائیں گے اور کیوں جائیں گے بھلا۔'' وہ پریشان تھی کہ اسے کیسے سمجھائے۔

''تم خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ امی جان جانے نہیں دیں گی اور مجھے تو ہر حال میں جانا ہے پھر۔۔۔!

ارے میری سب سے اچھی اور چہیتی دوست کی سالگرہ ہے تو کیا میں نہ جاؤں اور تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے ہم اکیلے ہی چل پڑنے والے ہیں، اتنی ساری سہیلیاں جا رہی ہیں اور سب کے ماں باپ اجازت دے ہی رہے ہیں نا۔'' وہ بچوں کی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ضد کرنے والی تھی بس۔۔۔

''تو ٹھیک ہے۔ ان کے ماں باپ اجازت دے رہے ہیں تو وہ جائیں مگر ہمیں نہیں جانا چاہیے۔''

''اُف! امی جان نے تو ہمیں بے وقوف بنا کر رکھ دیا ہے اگر میں آج اپنی سہیلیوں سے یہ کہہ دوں نا کہ مجھے جانے کی اجازت نہیں ملی تو پتا ہے پورے گروپ میں میرا کتنا مذاق بنے گا۔''

طلعت حیران تھی کہ تہنیت اتنی زیادہ آزاد خیال کب سے ہوئی ہے، ضد اور خودسری چلو بخشی جا سکتی ہے لیکن بغاوت کی تو وہ خود بھی قائل نہیں تھی۔

''تمہارے گروپ میں ساری لڑکیاں فضول سی ہی ہیں، اور اسی لیے تمہارا دماغ بھی خراب ہو رہا ہے۔ آدمی کو دوست بھی اپنے معیار کے مطابق چن کر ہوشیاری سے ڈھونڈنے چاہیے، وہ دوستی ہی کیا جو اپنے رسم و رواج اور اصولوں کو متاثر کرے۔''

''فضول سے اصول اور رسمیں ہیں ہماری ان کا کوئی فائدہ بھی ہے۔'' وہ مسلسل بگڑی رہی۔

''آف کورس، یہ سارے اصول ہماری بہتری کے لیے ہی ہیں، والدین اپنی اولاد کا یونہی خیال رکھ سکتے ہیں نا۔''

''میں بھی کس مصیبت میں پڑ گئی، تمہیں بھی نہ ہی بتاتی تو اچھا تھا۔''

وہ منہ پھیر کر باقی سارا راستہ اس سے بغیر کوئی بات کیے بس میں بیٹھی رہی۔

''دیکھو، ایسے کرتے ہیں کہ ہم پہلے ابو جی سے بات کرتے ہیں، میرا خیال ہے وہ ہماری سفارش کر دیں گے تو امی جان مان جائیں گی۔''

گھر پہنچ کر کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آتے ہی طلعت نے پھر بات چھیڑی اور چھوٹی بہن کو مشورہ دیا۔

''نہیں۔ مجھے کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، صبح کالج کے وقت پر جاؤں گی اور امی کو ماریہ کی سالگرہ کے بارے میں بتا دوں گی کہ اس کے گھر پر دعوت ہے۔ اس لیے میں ذرا دیر سے گھر آؤں گی۔'' وہ آہستہ سے اپنا پروگرام بتانے لگی۔

''دیکھو، یوں جھوٹ بول کر میں تمہیں قطعی نہیں جانے دوں گی۔'' اس نے کہا تو جواب میں وہ بڑی طنزیہ ہنسی ہنسی۔

''بھلا میں تم سے اجازت لینے کے لیے مر رہی ہوں کیا۔۔۔''

''دیکھو تم زیادہ بہادر بننے کی کوشش نہ کرو میں ابھی جا کر امی جان کو سب کچھ بتا دوں گی۔''

''ایسا تو خیر تم کبھی نہیں کر سکتیں، تمہارے اپنے کئی راز میری مٹھی میں بند ہیں۔'' اس کا لہجہ انتہائی برا تھا۔

''اچھا! جاؤ ابھی جا کر ہر کسی کو سب کچھ بتا دو، میرا کوئی راز ایسا نہیں ہے۔ جس کے کھل جانے پر مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے۔'' وہ بری طرح تپ گئی تو تہنیت کچھ پشیمان سی ہوئی۔

''سوری طلعت! میرا یہ مطلب نہیں تھا، میں جانتی ہوں تم تو بہت صابر و شاکر لڑکی ہو، مگر میرے اندر اتنا ضبط نہیں ہے، پلیز مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔''

وہ جانتی تھی اچھے برے کسی حال میں اگر طلعت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو وہ خود لمحوں میں اپنی ناؤ ڈبو کر رکھ دے گی۔

''مجھ سے مشورہ مانگتی ہو اور میری بات نہیں مانتیں پھر میں تمہارے معاملے میں کیا بولوں۔''

اس نے اب بھی اپنا لہجہ سخت رکھا، زیادہ نرمی سے اس کو شہہ مل رہی تھی۔

''پلیز، مجھے کل ضرور ماریہ کی سالگرہ میں جانا ہے۔ میں نے اس سے پکا وعدہ کر لیا ہے اور تم نہیں جانتیں۔ میرے گروپ کی لڑکیاں مجھے سچ مچ بے وقوف سمجھتی ہیں۔ ان کے خیال میں، میں کچھ نہیں کر سکتی۔''

''افوہ! تو وہ تم سے کیا کرڈالنے کی توقع کر رہی ہیں۔''

''اونہہ طلعت! تم نہیں جانتیں۔ زمانہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اب تو لڑکیاں بھی جانے کیا کیا کرنے لگی ہیں۔''

''اس ''کیا کیا'' میں کچھ نہیں رکھا میری پیاری بہن۔''

''چھوڑو۔'' اس نے سر ہلا کر جیسے خود کو بے بس سمجھا۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ ہماری ماں نے تو ہمیں ٹوک ٹوک کر اور پابند بنا کر ہم سے ہماری بہت سی صلاحیتیں چھین لی ہیں۔''

''دیکھو وطن، محبت اور گھر سے بغاوت کرنے والے ہر شخص کا آخری شکار خود اس کی اپنی ذات ہوتی ہے۔ انسان کو اپنے آپ کو آزمانا ضرور چاہیے۔ لیکن عورت وہ شے نہیں ہے جو بازار میں اپنا ہی اشتہار لگا کر اپنی قیمت خود معلوم کرے۔ ہم لڑکیاں پابند رہتی ہوئی ہی اچھی لگتی ہیں۔''

سیکنڈ ایئر میں آ کر تہنیت کی ماریہ کے گروپ سے دوستی بہت زیادہ ہو گئی تھی، طلعت کو پہلے ہی اندازہ تھا لیکن اتنا خیال نہیں تھا کہ آدھا سال گزرنے تک وہ ان کے زیر اثر ہی آ جائے گی۔

''سنو، یہ سارے سبق ہمیں امی جان نے بہت اچھی طرح پڑھا دیے ہیں، تمہیں ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''جب تم اچھی باتیں بھولنے لگو گی تو میں ان کو ضرور دہراؤں گی۔''

''بس اب تم دادی اماں نہ بنو، میں ایسا کوئی کارنامہ سرانجام دینے نہیں جا رہی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ پابندیاں صلاحیتوں کو زنگ لگا دیتی ہیں۔''

''ہرگز نہیں۔ جائز پابندیاں ہوں تو صلاحیتوں کو نکھارتی ہیں، اب بندہ مادر پدر آزاد ہو کر کوئی کارنامہ سرانجام دے تو کیا تم اسے صلاحیت کہو گی۔''

''اچھا بابا! چھوڑ دو مجھے۔ تم سے بحث نہیں کرنی، آخری بار پوچھ رہی ہوں کل میرے ساتھ چلو گی یا نہیں۔''

وہ زچ ہو گئی۔ دراصل وہ مانتی سب تھی لیکن نہ ماننے ہوؤں کی طرح ضد کرتی تھی۔ ہم بے دیکھے

خدا کو مانتے ہیں لیکن پھر کچھ بندے ایسے نکلتے ہیں کہ خدا کو دیکھنے کی ضد کرتے ہیں۔ تو بیان ہوتا ہے کہ گہرے اندھیرے میں سے روشنی کی کرن کو پھوٹتے دیکھو، ساری کائنات کو روشن کرتے سورج کو اسی اندھیرے میں ڈوبتے دیکھو۔ گردن اکڑائے سخت زمین پر پاؤں مار مار کر چلتے انسان کو دیکھو اور لمحے بھر میں اسی انسان کو بے جان ہوتے دیکھو کہ ابھی ابھی سینکڑوں انسانوں کو مار گرانے کے قابل تھا اور ابھی خود اپنے جسم کو ہلانے پر قادر نہ رہا ہے۔ پھر خدا دیکھ رہا ہے کہ نہیں۔

طلعت نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ امی جان کو بتائے بغیر اس کے ساتھ کہیں نہ جائے گی اور تہنیت ناراض ہو کر لاپروا بن گئی۔

وہ واقعی ضد میں آ گئی تھی، اور طلعت کو اچھا نہ لگ رہا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر تھک گئی، اکیلے اس کو اتنی دور جانے دے یہ اسے گوارا نہ ہو رہا تھا اور والدین کی اجازت کے بغیر اس کے ساتھ چل پڑے اس پر بھی دل قطعی راضی نہ ہو رہا تھا۔

رات کھانے کے بعد اس نے دیکھا، تہنیت اپنا بیگ وغیرہ تیار کر کے عشاء کی نماز پڑھ کر بستر میں لیٹ بھی گئی۔

اس نے سوچا تھا کہ آخر سب لڑکیاں جا رہی ہیں، میں بھی چلی جاؤں گی اور دوپہر تک واپس بھی آ جائیں گے، آخر اس میں کیا بڑی بات ہے اور لاپروا ہو کر جلدی سو بھی گئی کہ فریش ہو جائے تو اگلے دن اچھی طرح گھوم پھر سکے۔

اور یہ ابھی تک بیٹھی سوچ رہی تھی کہ آخر امی یا ابو کو بتائے بغیر اتنی دور دونوں بہنیں کیسے چلی جائیں۔۔۔ اور اسی سوچ نے اس کی نیند، چین آرام سب چھین لیا تھا۔ بستر میں پڑے سوچتے سوچتے اس کا سر دکھ گیا اور پھر آخر وہ کھڑی ہو گئی اور چپ چاپ کمرے سے باہر نکل آئی۔

''ارے طلعت بیٹا! کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

وہ اپنی امی کے کے پاس آئی تھی۔ آمنہ بیگم ابھی عشاء کی نماز پڑھ کر اٹھی ہی تھی۔ طلعت اور تہنیت کافی دیر پہلے سونے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں پھر اب، بیٹی کو دیکھ کر وہ کچھ پریشان ہوئیں۔

''بس یونہی نیند نہیں آ رہی تھی امی جان!''

وہ پلنگ کے سامنے دیوار سے لگے صوفے پر ٹک گئی۔ پلنگ پر تکیہ لگائے بیٹھے اخبار پڑھتے ابو نے بھی لمحے بھر کے لیے عینک ہٹا کر اسے دیکھا۔ عینک وہ صرف پڑھنے کے وقت لگایا کرتے تھے اور گھر پہ اخبار وہ پورا ایک ایک حرف پڑھا کرتے تھے۔

''بھئی، پیسے بھی تو وصول ہونے چاہئیں۔'' وہ ہمیشہ ان کی اخبار بینی سے تنگ آئے ہوئے لوگوں کو مسکرا کر بتایا کرتے تھے، صبح کا چھوڑا اخبار وہ رات کو پورا کرتے اور ان کی اس عادت سے سب سے زیادہ آمنہ بیگم ہی متاثر ہوتی تھی۔ اب بتی جل رہی ہو، سر پر اخبار کی ''چڑ چڑ'' ہو رہی ہو تو نیند کہاں سے آئے۔ اس پر بڑی نرمی سے شوہر صاحب کا فرمانا۔

''بھئی، تم آرام سے سو جاؤ۔ میں تمہیں ڈسٹرب نہ کروں گا۔'' اور ایسے میں اگر کبھی نیند آ بھی جائے تو صبح اٹھ کر ناشتا کرتے وہ ایک نئی شکایت کرتے ملتے۔

''رات کو اخبار پڑھتے فلاں بات یاد آئی لیکن تم سو رہی تھیں۔'' اب ان سے اگر کہا جائے کہ بات صبح بھی ہو سکتی ہے تو جواب ملتا۔

''مگر صبح کوئی بات اطمینان سے نہیں ہو سکتی یا صبح کسی بھی بات کا وہ مزا نہیں رہتا۔''

اور ہمارے ہاں عورتیں مردوں کی صرف بات کے مزے کے لیے اپنے سکھ، چین اور نیند تک قربان کر لینے کے لیے راضی ہو جاتی ہیں۔ اپنی پوری دنیا چھوڑ دینے کے بدلے میں انہیں صرف ایک چیز کی تمنا ہوتی ہے، اعتبار۔۔۔ آمنہ بیگم نے بھی اسی اعتبار کے لیے اپنی زندگی کی بہت ساری چھوٹی بڑی خواہشیں، رعایتیں، پرسکون ساعتیں قربان کر دی تھیں۔

''امی جان!'' کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے اپنی ماں کو پکارا۔ وہ اپنی چادر اور تکیہ رکھ کر بستر درست کرتی پلٹ کر اس کی طرف آئیں۔

''کیا تہنیت سے جھگڑا ہو گیا ہے؟'' وہ یوں اس کو چپ اور پریشان دیکھ کر پھر پوچھنے لگیں۔

''افوہ! تم خوامخواہ اتنے اندازے کیوں لگا رہی ہو، خود اسی سے پوچھ لو، کیا بات ہے۔''

''پوچھ ہی تو رہی ہوں، یہ اتنا سوچ میں پڑی ہوئی ہے۔'' وہ واقعی اب تک اسی خیال میں الجھی ہوئی تھی کہ بات کہے یا نہ کہے یا کہے تو کس طرح کہے۔

''طلعت بیٹا! کچھ عجیب سے موڈ میں مبتلا ہو تم، ہمت کر کے بتا دو کہ کیا بات ہے۔''

اور بالآخر اس نے ہمت کر ہی لی۔ پوری بات سن کر ابو اپنی پیشانی پر انگلی پھیرنے لگے جبکہ امی جان نے فوراً کہا۔

''تہنیت کا دماغ خراب ہے، میں اسے اتنی دور ہرگز نہیں جانے دوں گی۔''

''پلیز آمنہ بیگم! یہ دھیان میں رہے کہ آپ کی صاحبزادی نے آپ سے اجازت طلب نہیں کی ہے۔'' ابو نے فوراً انہیں ٹوکا۔

''ارے وہ تو نادان ہے تو کیا میں اس کی حوصلہ افزائی کروں۔''

عموماً وہ اتنا جلدی اپنا ردِعمل ظاہر نہیں کیا کرتی تھیں۔ لیکن آج سچ مچ ان کے ساتھ بڑی عجیب بات ہوئی تھی۔ اولاد کی اتنی سچائی سے ایسی بہترین تربیت کرنے والی آمنہ بیگم کو کبھی گمان بھی نہ گزرا تھا کہ ان کی اپنی کوئی بیٹی اس حد تک خودسر بھی ہو سکتی ہے۔ ان کا اپنی اولاد پر فخر، خاندان بھر میں ان کی تربیت کی دی جانے والی مثالیں اور سب سے بڑھ کر اکثر خود پر ناز کرتا ان کا پرسکون سا احساس۔۔۔ جانے ان میں سے کون سی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی کہ یک لخت ہر چیز جیسے درہم برہم ہو کر رہ گئی تھی۔

''کہاں ہے تہنیت؟ ذرا اس کو یہاں بلاؤ تو سہی۔'' ان کا بلڈ پریشر بڑھنے لگا۔

''نہیں امی پلیز! میں نے آپ کو بتایا نا کہ میں اس سے چھپ کر آپ کو اس کے پروگرام کے بارے میں بتا رہی ہوں۔ آپ اس وقت اسے کچھ بھی نہیں کہہ سکتیں۔'' طلعت نے گھبرا کر ان کو روکا۔

''یعنی اس کے ساتھ تمہارا بھی دماغ چل گیا ہے۔'' حقیقت یہی تھی کہ وہ اس وقت بے بس تھیں لیکن خود کو بے بس سمجھنا نہیں چاہ رہی تھیں۔

''افوہ امی! سوچیں ذرا، اگر میں بھی آپ کو کچھ نہ بتاتی پھر۔''

''شاباش ہے بیٹا! تمہیں بھی یہ تمغۂ جرأت اپنے کاندھے پر سجا لینا چاہیے تھا، تم نے کیوں جلد بازی دکھائی۔'' وہ اپنے دونوں ہاتھ مل رہی تھیں۔

''اب تم کیا چاہتی ہو کہ میں تمہارے اس سے کیے ہوئے وعدے کا بھرم رکھتے ہوئے اسے نہ دیکھے نہ سنے ہوئے کی طرح انجان بن کر صبح اپنی سہیلیوں کے ساتھ میلوں دور اکیلا چلے جانے دوں۔'' وہ گھڑی بھر ہی رک کر پھر بول رہی تھیں۔

''کرنا تو آپ کو یہی پڑے گا آمنہ بیگم۔'' ابو جی خاموشی سے سب کچھ سنتے سنتے اب بولے۔

''حد ہو گئی! بجائے اس کے کہ آپ صورت حال کو سنبھالیں، مجھے اور دہلا رہے ہیں۔''

''صورت حال کو سنبھالنے کا بس یہی ایک طریقہ ہے بیگم۔'' وہ بہت سوچ کر کہہ رہے تھے۔

''دیکھو بیگم! سچائی یہ ہے کہ آج ہمیں بہت بڑی شکست کا سامنا ہوا ہے جب بیٹا باپ سے چھپ کر سگریٹ پینے لگتا ہے یا بیٹیاں ماں سے چھپ کر فون کا لڑائینڈ کرنے لگتی ہیں تو اس میں کہیں نہ کہیں تو والدین کی تربیت کا کھوٹ نکلتا ہے کہ نہیں۔ آج ہماری بیٹی نے ہم پر بھروسا نہیں کیا صرف اس ڈر سے کہ ہم اسے اجازت نہ دیں گے۔ دیکھو، ہر بچے کو یہ سمجھا دینا کافی نہیں ہے کہ یہ آگ ہے جلاتی ہے اس کے قریب نہ جانا۔ کچھ بچے آگ کو چھو کر خود کو جلا کر سبق سیکھتے ہیں۔ تمہیں اپنی شکست سے مایوس ہونے کے بجائے ایسا عمل اختیار کرنا چاہیے کہ ہماری تہنیت اپنی اس پہلی اور بڑی غلطی پر نادم ہو اور آئندہ ہمارے اعتبار کو ٹھیس پہنچانے کا سوچے ہی نہیں۔''

''مگر ذرا سوچیں تو جانے کیسے لوگ ہوں گے، کہاں جا رہی ہوں گی یہ لڑکیاں، زمانہ کتنا خراب ہے، ہم اسے سختی سے روک بھی سکتے ہیں۔''

''لیکن اگر آج تم نے اس پر سختی کی تو ہو سکتا ہے کل کوئی اس سے بھی بڑا قدم وہ طلعت کو بھی بتائے بغیر اٹھا لے، بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر اسے پتا چل گیا کہ طلعت نے ہمیں اس کے بارے میں یہ بات بتائی ہے تو دوبارہ کبھی وہ اپنا کوئی راز طلعت کو بھی نہ بتائے گی۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ابو جی! وہ اچھی خاصی ضدی ہو چلی ہے اب۔''

''بڑائی ہے آپ کی کہ آپ ایسی آپے سے باہر کر دینے والی بات پر ٹھنڈے دماغ سے غور کر کے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں، میرا ذہن تو کچھ بھی سوچنے کے قابل ہی نہیں رہا ہے۔'' انہوں نے مان ہی لیا کہ ان کے شوہر سب کچھ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔

اور یہ بھی سچ تھا کہ تہنیت اب اچھی خاصی ضدی ہو گئی تھی، بدتمیزی کی حد تک بھی جا سکتی تھی۔ تہنیت نے کبھی بنا چوں چرا کیے کوئی بات نہیں مانی تھی، بحث، حجت ایسا کیوں اور ایسا کیوں نہیں اس کی فطرت تھی۔

لیکن پھر وہ مان لیتی تھی اور شاید آمنہ بیگم کو یہیں سے اس کے بارے میں غلط فہمی ہوئی تھی کہ وہ مان لیتی تھی۔۔۔ وہ مانتی کبھی نہ تھی بس مجبور ہو جاتی تھی اور اب جب وہ باشعور ہونے لگی تھی تو خود کو بااختیار بھی ماننے لگی تھی۔

پہلی سیڑھی پر ہی اس کی سمت درست کرنا لازمی تھا۔۔۔ آدمی ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے لیکن لڑکیوں کو

یوں چلتے پھرتے ٹھوکریں ملیں تو کبھی راس آسکتی ہیں بھلا۔۔۔!

''میں تمہارے ساتھ چلوں گی تہنیت!'' صبح کالج کے لیے تیار ہوتے ہوئے طلعت نے اپنا فیصلہ اسے سنایا تو وہ سچ مچ خوش ہوگئی۔

''تم بہت اچھی ہو طلعت۔'' اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے اس نے کہا۔

''دیکھنا۔ ہم پانچ ساڑھے پانچ بجے تک گھر واپس آ بھی جائیں گے اور کسی کو پتا بھی نہ چلے گا۔'' اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

سہیلیاں جمع ہوگئی تھیں، ایک بھی کلاس اٹینڈ کیے بغیر وہ ساری لڑکیاں دو گاڑیوں میں لد کر پہلے ماریہ کے گھر تک گئیں وہاں ماریہ کے بہت سے کزنز اور شاید دوست پہلے ہی جمع تھے اور ایک اسپیشل ایئر کنڈیشنڈ کوچ بھی تیار کھڑی تھی، فوراً ہی اس میں سوار ہو کر اب لوگ جلد از جلد فارم ہاؤس روانہ ہونے کے چکر میں تھے۔ پہلے مرحلے پر ہی تہنیت نے عجیب ہچکچاہٹ سی محسوس کی۔ ماریہ کے دوستوں میں لڑکیوں کے علاوہ بہت سے لڑکے بھی شامل تھے، ہنستے کھیلتے، مزے اڑاتے وہ سب آپس میں بہت فری بھی تھے، ان دونوں بہنوں نے ایسا ماحول پہلے نہ دیکھا تھا اور طلعت تو پھر بھی اپنے آپ کو کمپوز رکھے ہوئے تھی لیکن تہنیت کے سامنے ٹی وی پر چلنے والی فلم کو دیکھ کر پسینے چھوٹنے لگے تھے، کسی نے ماریہ سے پوچھا بھی کہ تمہارے والدین ساتھ نہیں چل رہے تو اس نے ہنس کر شانے اچکائے۔

''ارے ہم نوجوانوں کی ٹولی میں ان کا کیا کام۔۔۔ اور ان کے پاس اتنا وقت بھی کہاں۔''

دو گھنٹے کے راستے میں تہنیت دو سو مرتبہ اپنے اس فیصلے پر شرمندہ ہوئی لیکن سچ تھا وہ آگ جلاتی ہے، کے تجربے سے گزرے بغیر اس کی تپش پر یقین رکھنے والی لڑکی نہ تھی۔

دراصل اس نے اپنے گھر اور خاندان میں ایسا ماحول دیکھا نہ تھا، لیکن اچھا برا پرکھنے کا ادراک تو رکھتی ہی تھی۔

اس ساری پارٹی میں ہلا گلا اور فضول ہنسی مذاق کے سوا کچھ نہ تھا، فارم ہاؤس کی خوب صورتی، اس کے دل کی خوشی، اس کا بے قرار شوق سب ضائع ہوگیا، کبھی کبھی انسان حد سے زیادہ شوق میں حد سے زیادہ مایوسی اٹھاتا ہے، طلعت ٹھیک کہتی تھی کیا کیا کر ڈالنے کا جنون ان جیسی لڑکیوں کو سوٹ نہیں کرتا تھا۔

پھر کیک کاٹا گیا، تحفے دیے گئے، کھانا پینا ہوا، کچھ اچھا ماحول بنا کچھ برا بھی، لیکن پھر اس کے دل سے خوشی مٹ گئی سو مٹی ہی رہی۔

تہنیت کو برداشت کرنے کی عادت نہ تھی۔

اسے اپنے مزاج کو سنبھالنے کی عادت بھی نہ تھی۔

نہ اسے خوش نہ ہوتے ہوئے خوش دکھائی دینے کی عادت تھی۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسے سمجھوتا کرنے کی عادت نہ تھی۔

''طلعت! کیا ہم لوگ خود یہاں سے واپس نہیں جاسکتے۔''

''کیا پاگل ہوئی ہو!'' ابھی صرف دن کے تین بجے تھے اور وہاں فارم ہاؤس پر سوائے تہنیت کے کوئی بھی ایسا بے زار نہ تھا بلکہ سارے لڑکے لڑکیاں دل کھول کر انجوائے کر رہے تھے۔

طلعت بھی خوش مزاجی نباہ رہی تھی، خوش نہ تھی کیونکہ اسے برداشت کر لینے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔

وہ بہت بڑا فارم تھا، کافی لمبے رقبے تک کھیت تھے، اونچے اونچے درخت، درمیان سے ایک نہر نکل رہی تھی جسے خوب صورت طریقے سے سوئمنگ پول میں ڈھالا گیا تھا۔

''طلعت! اگر ہم یہاں اپنی فیملی کے ساتھ آئیں تو کتنا مزا آئے نا۔''

''کیوں ابھی مزا نہیں آ رہا۔'' دونوں بہنیں سب سے الگ ہی درختوں کی قطار کے ساتھ ساتھ ٹہلتی دور تک نکل گئی تھیں۔

''نہیں۔۔۔'' اس نے سیدھا سچا جواب دیا۔

''میں گھر جا کر امی جان کو بتا دوں گی اور کان پکڑ کر ان سے سوری بھی کر لوں گی۔'' طلعت اسے ہنس کر دیکھنے لگی۔

''امی جان! مجھے معاف کر دیں گی نا۔''

''کیا خبر، تھیں تو وہ بہت غصے میں۔''

''ہیں وہ غصے میں کب تھیں، کیا انہیں خبر ہے کہ۔۔۔۔'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''اوہ بھئی، میرا مطلب ہے کہ وہ آج کل غصے میں ہی رہتی ہیں نا۔ جواد میر کے قصے کی وجہ سے اب تک ان کا موڈ ٹھیک نہیں ہوا۔''

''اس شخص نے بھی ذرا سی بات کو اتنا بڑھا ڈالا۔ ایک شادی میں نہ آنے کے لیے کتنے ڈرامے رچائے آخری دن اتنا بیمار پڑ گیا کہ ڈرپ لگا کر بستر میں سج گیا۔''

''پلیز تہنیت! اس قصے کو نہ دہراؤ۔''

''سنو، تم نے خود ہی تو اسے یاد کیا ہے، ابھی یاد آ رہا ہے، اگر اس وقت وہ تمہارے ساتھ ہوتا۔''

''میں جوتا ماروں گی تہنیت!'' طلعت بگڑی۔

''تہنیت او تہنیت! تمہاری امی کا فون ہے۔'' پیچھے سے ماریہ کی آواز آئی۔

''او گاڈ! امی جان کا فون یہاں!'' اس کے منہ سے تیزی میں نکلا۔

''انہوں نے پہلے گھر پر فون کیا تھا، وہیں امی جان یا آنٹی سے نمبر لے کر یہاں ملایا ہوگا۔'' اپنا موبائل فون پکڑاتے ہوئے ماریہ نے تفصیل بتائی۔

''اور اس کی امی نے ضرور بتایا ہوگا کہ ہم یہاں فارم ہاؤس میں۔۔۔۔''

''ہیلو تہنیت! ہاں کیسی ہو بیٹا؟'' فون کان سے لگائے اسے لگتا تھا اس کی آواز نہ نکلے گی سو ''ٹھیک ہوں امی۔'' کہہ کر فون اس نے طلعت کو پکڑا دیا۔

''ہیلو ہیلو!'' وہ کہتی ہی رہ گئی مگر شاید لائن کٹ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' تہنیت نے فوراً پوچھا۔

''بات ہی نہیں ہوئی، شاید امی جان نے خود فون بند کر دیا یا واقعی لائن کٹ گئی ہے۔''
موبائل فون ہاتھ میں پکڑے طلعت بھی کچھ حیران اور پریشان سی کھڑی رہ گئی تھی۔ بلاوجہ امی جان فون تو نہ کر سکتی تھیں۔
''پانچ منٹ انتظار کرتے ہیں، لائن کٹ گئی ہوگی اور امی جان کو کوئی بات کرنی ہوگی تو وہ ضرور دوبارہ فون ملائیں گی۔'' تہنیت کی بات پر سر ہلا کر وہ وہیں گھاس پر بیٹھ گئیں۔
''ہم خود ہی فون ملالیں۔'' پاس بیٹھی بہن کو دیکھ کر اس نے کہا۔
''نہیں نہیں۔ فون ملا کر ہم انہیں کیا وضاحت دیں گے کہ ہم کہاں خوار ہوتے پھر رہے ہیں۔ پلیز طلعت! گھر جا کر ہی ان سے بات کر لیں گے نا۔'' اس نے سر ہلا دیا لیکن اب اس کا مزاج بھی بگڑ گیا تھا۔
پھر باقی وقت بے چینی اور بے قراری کی وجہ سے اور برا کٹا۔
تھوڑی دیر بعد ہی تہنیت ماریہ کے سر ہوگئی کہ واپس کب چلیں گے۔ پہلے تو وہ جھنجھلائی۔
''ارے اصل مزا تو اب شروع ہوگا، یہاں شام اتنی سہانی ہوتی ہے، ابھی تو سب نے جی بھر کر انجوائے بھی نہیں کیا۔ کم آن تہنیت! تم بھی کبھی اتنا بور کیوں کرتی ہو۔''
ماریہ اپنی بات کہہ کر رکی بھی نہیں، اپنے کزنز کے پیچھے چل پڑی۔ وہ سب لوگ اب سوئمنگ کے لیے سوئمنگ پول کی طرف جا رہے تھے۔
''اونہہ! جی بھر کر انجوائے کرنے کا جنون ہو تو جی کبھی بھرتا ہی نہیں ہے۔''
اس نے چڑ کر سوچا، ان دونوں بہنوں کے علاوہ دو تین لڑکیوں کو چھوڑ کر سب ہی سوئمنگ پول کی طرف گئے ہوئے تھے اور دور سے ہی سوئمنگ پول کا منظر دیکھ کر اسے وحشت سی ہو رہی تھی۔ یوں ایک ساتھ لڑکے لڑکیاں پانی میں اچھل کود کرتے قطعی اچھے نہ لگ رہے تھے۔ اس نے واقعی بڑی غلطی کی تھی۔ اس قدر آزادی اور بے باکی اس کی تربیت میں شامل نہ تھی اور جس چیز پر مزاج نہ ٹھہرتا ہو، وہ برداشت کرنے کی تہنیت کی عادت بھی نہ تھی۔ وہ جلتے کڑھتے زیادہ دیر برداشت نہ کر سکی اور سوئمنگ پول کے قریب جا کر چلا کر بولی۔
''ماریہ! گھر چل رہی ہو یا ہم لوگ خود ہی واپس چلے جائیں۔'' وہ بدمزاجی کی انتہا پر تھی۔
''پاگل ہے، اس کو گھر جانے کی پڑی ہوئی ہے، کیا ہو گیا ہے تمہیں تہنیت۔'' ماریہ اس پر ہنسی تو وہ اور خفا ہو گئی۔
''آج سے میری اور اپنی دوستی تم ختم سمجھو۔''
وہ کنارے پر کھڑی بے پناہ غصہ ہو رہی تھی کہ کسی لڑکی نے پیچھے سے آ کر اسے سوئمنگ پول میں دھکا دے دیا، حملہ اتنا اچانک تھا کہ چند منٹ کے لیے وہ بری طرح بوکھلا کر رہ گئی، پانی میں اس کا دم ہی گھٹ کر رہ گیا۔ وہ پوری بھیگ گئی تھی، پانی میں غوطہ لگا کر اس نے منہ اوپر کی طرف اٹھایا تو آگے پیچھے اچھلتی ساری لڑکیاں اور لڑکے بھی اس پر ہنس رہے تھے۔
''کم آن، انجوائے کرو یار۔''

چھپ چھپ کرتی قریب آتی ماریہ نے چپو کی طرح اپنی ہتھیلی تیزی سے پانی میں ہلاتے بہت سارے پانی کے چھینٹے مسلسل اس کے منہ پر ڈالے کہ وہ پھر ہڑبڑا گئی۔

''چھوڑو، ہٹو پیچھے۔'' اب وہ غصے سے آگ بگولا ہو چکی تھی۔ تیزی سے ہاتھ پاؤں مارتی پانی میں لٹکتی سیڑھی کی طرف گئی اور باہر آ گئی۔ سامنے کی طرف صدف کھڑی تھی اور اس کے خیال میں اسی نے اسے پانی میں پھینکا تھا۔

''تم نے مجھے دھکا دیا تھا؟'' اس نے سیدھی انگلی اٹھا کر پوری آنکھیں نکالتے ہوئے صدف سے پوچھا۔

''مزا آیا نا!'' اس نے قہقہہ لگایا اور اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، گھما کر ایک تھپڑ سیدھا اس کے منہ پر رسید کر دیا۔۔ایک لمحے کے لیے سب ساکت سے رہ گئے، خود صدف پہلے بالکل حیران ہوئی اور پھر یک دم جنونی سی ہو گئی۔

''اوہ یو ڈیم چیپ گرل! تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔''

تہنیت کا ہاتھ پکڑ کر اس نے ایک جھٹکے سے موڑ دیا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔

''ارے چیپ ہو گی تم، تمہارا پورا خاندان! تم نے مجھے پانی میں دھکا کیسے دیا، میں تمہارا حشر کر دوں گی۔''

بھلا تہنیت کہاں برداشت کر لینے والوں میں سے تھی، ابھی اس پر جھپٹتی کہ پیچھے سے طلعت نے اسے پکڑ لیا۔ وہ ایک لمحے کے لیے پانی پینے گئی تھی اور تہنیت سوئمنگ پول تک چلی آئی تھی اور سب کچھ اتنی جلدی اور اچانک ہو گیا، وہ ہاتھ ملتی بہن کو برا بھلا کہتی رہ گئی۔

''پاگل ہو گئی ہو دونوں کیا، بچوں سے بھی بدتر حرکتیں کر رہی ہو۔'' اسی طرح کسی لڑکی نے صدف کو بھی جکڑ رکھا تھا۔

''یار دیٹس ویری بیڈ (That's very bad) بہت فضول حرکت کی ہے تم نے تہنیت۔''

ماریہ سوئمنگ پول سے باہر آئی اور افسوس میں سر ہلاتی شکایتی لہجے میں تہنیت سے کہہ رہی تھی۔

''تمہیں میری حرکت فضول لگی اور اس نے مجھے دھکا دیا۔ یہ بات غلط نہیں لگی۔''

''میں نے تو صرف مذاق کیا تھا۔''

''مذاق صرف اسی کے ساتھ کرنا چاہیے جو اسے برداشت کر سکے۔'' کسی لڑکی نے کہا۔

''یا پھر اس کے ساتھ جس سے تمہاری مذاق کی رشتہ داری ہو۔'' وہ چلا کر بولی۔

''ٹھیک ہی ہے، ایسا مذاق ہر کسی کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے۔'' ماریہ نے اس کی بات کی بھی تائید کی۔

اب معاملہ سلجھانے کے لیے دونوں فریقوں کی طرف داری اس کے لیے لازم تھی کیونکہ دونوں لڑکیاں اس کی دوست تھیں اور سچ یہ تھا کہ اپنی برتھ ڈے پارٹی میں ایسی بدمزگی اسے پسند نہ آئی تھی۔

''چلو بھئی، اب سب مل کر اپنا اپنا سامان سمیٹتے ہیں، واپس چلنا چاہیے۔''

ماریہ کے کسی کزن نے فیصلہ سنایا اور سب نے اتفاق کر لیا۔ یوں بھی اب سب کا موڈ اپ سیٹ سا

ہو گیا تھا۔

''سوری ماریہ! تہنیت کی وجہ سے تمہارا پروگرام اپ سیٹ ہوا۔ دراصل وہ بڑی بے صبری سی لڑکی ہے نا۔''

ساری لڑکیاں بس میں سوار ہو گئیں اور ماریہ پیچھے کھڑی جائزہ لے رہی تھی۔ اس وقت اس کے قریب آ کر طلعت نے اپنی بہن کے رویے کی معافی مانگی۔

''میں اس کے رویے کو سمجھتی ہوں، وہ ایسی ہی ہے لیکن وہ یک دم آپے سے باہر ہی ہو گئی۔ اب اسی کی طرح صدف بھی میری مہمان ہے لیکن خیر اصل غلطی صدف کی ہی ہے۔''

ماریہ پھر دونوں کی طرف داری کے انداز پر قائم رہی۔

سارے راستے بے چین اور مضطرب رہنے کے باوجود گھر پہنچی تو تہنیت کے دل میں ڈر اور خوف ضرور رہا لیکن بے قراری ختم ہو گئی۔

''اب کانوں کو ہاتھ لگاؤ کہ آئندہ اس طرح کبھی کہیں نہیں جاؤ گی۔'' طلعت نے چپکے سے کہا تو اس نے سچ مچ کانوں کو ہاتھ لگا لیے۔

''اتنی دیر بیٹا! میرا تو دل ہولنے لگا تھا۔'' امی جان برآمدے میں ہی ٹہل رہی تھیں۔

''وہ امی جان! بس واپس آتے آتے اتنی دیر لگی سوری۔'' طلعت نے جلدی میں جواب دیا۔

''امی راستہ اتنا لمبا تھا نا!'' تہنیت بات بتانے لگی۔ والدین سے غلط بیانی میں نرا نقصان ہی نقصان ہے۔

''راستہ کہاں لمبا ہے، ماریہ کا گھر تو آٹھ دس منٹ کے فاصلے پر ہی ہے کہ نہیں۔'' آمنہ بیگم تہنیت کو جانچ رہی تھیں۔

''نہیں امی! ہم دراصل فارم ہاؤس پر گئے تھے۔ ماریہ نے اپنی سالگرہ وہیں منائی تھی۔ ساری دوستیں گئی تھیں امی! آئی ایم سوری امی۔۔۔ معاف کر دیں آئندہ ایسی غلطی کبھی نہیں کروں گی۔''

وہ ہاتھ جوڑے ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ خود آمنہ بیگم سارا دن کوفت اور وحشت میں مبتلا رہی تھیں۔ تہنیت کی اس جرأت پر کہ جاتے وقت تک اسے خیال نہ آیا کہ اپنی ماں کو بتا دے، وہ تو بس اپنی تربیت میں کھوٹ اور کوتاہی کو ہی سارا دن کھوجتی رہ گئی تھیں۔ بہر حال اب کچھ حیران ضرور تھیں کہ آتے ہی تہنیت اتنی شرمندہ اور پریشان کیسے ہو گئی تھی۔ کیا ان کے فون کرنے پر نادم ہوئی تھی۔

''آپ نے فون کیا تھا امی؟'' طلعت اپنی ماں کو خاموش دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''ہاں، رات کو تمہاری ساس، سسر اور جواد کھانے پر آ رہے ہیں، صبح تمہاری ساس نے خود فون کر کے کہا تو منع کرنا ناممکن تھا۔''

''اوہ گاڈ! آپ تو پریشان ہو گئی ہوں گی! ساری تیاری کیسے ہو گی۔'' طلعت الجھ گئی۔

امی جان کا موڈ عجیب نامہربان سا تھا حتیٰ کہ طلعت کے ساتھ بھی۔۔۔۔ وہ ناراض بھی تھیں اور مایوس بھی۔

''امی پلیز! معاف کردیں، آپ بہت زیادہ ناراض ہوگئی ہیں نا۔'' تہنیت ماں کو یوں چپ دیکھ کر خود سے بھی خفا ہوگئی۔

''نہیں بیٹا! اب تم بڑی ہوگئی ہو نا، ماں کی انگلی چھوڑ کر بھیڑ میں گم ہونے کا مزا بھی دیکھ لو۔ بندہ باشعور ہو جائے تو دور دور تک اکیلا جا ہی سکتا ہے۔''

بہت زیادہ ناراض ہونے کے بعد اتنا کہنے کا تو ان کا حق تھا حالانکہ ان کے میاں نے کچھ بھی نہ کہنے کی ہدایت کی تھی اور خصوصاً اس صورت میں جب اسے اتنی جلدی بغیر کچھ کہے سنے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا لیکن آخر ان کی برداشت کی بھی کوئی حد تھی۔

مگر تہنیت بالکل چپ ہوگئی بلکہ کوئی بھی بحث کیے بغیر اندر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ ان کی بات اسے بہت بری لگی لیکن اس سے زیادہ وہ خود اپنے رویے اور اپنی حرکت سے ناراض تھی اور شاید اسے ٹوک کر انہوں نے اچھا نہیں کیا تھا۔ کہتے ہیں لوہا گرم ہو تو اس پر چوٹ لگتی ہے، ہم یہ محاورہ انسانوں کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن انسان لوہا نہیں ہے کہ اس پر ایک تجربے کا رٹا رٹایا ہی نتیجہ نکلے۔۔۔ بعض دفعہ انسان خود اپنے کسی عمل سے اتنا زیادہ شرمندہ ہو جاتا ہے کہ مزید ٹوکنا اسے Self pity (خود ترسی) کی کیفیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

''اونہہ! میں نے ہاتھ جوڑ دیے پھر بھی امی جان ناراض ہی رہیں۔''

وہ چڑتی کڑھتی باتھ روم میں گھس گئی۔ وہ سارا دن اس کے لیے ایک انتہائی برا تجربہ ثابت ہوا تھا۔

بہت اچانک طلعت کے ساس، سسر شادی کی تاریخ لینے آرہے تھے، اتنی زیادہ تھکی ہوئی طلعت کے ذہن پر ایک نئی مصیبت سوار ہوگئی۔

امی جان نے صبح ہی ثنا آپا کو بلوالیا تھا، سنبل اور انصار بھی شام پانچ بجے سے آگئے تھے۔ رات کے کھانے کی تیاری، گھر کی صفائی دونوں اہم کام تقریباً نمٹ گئے تھے۔

تہنیت اور طلعت دونوں بہنیں خود جلدی جلدی نہا دھو کر فوراً کچن میں آئی تھیں۔

''ارے تم تو مہمان ہو، کیا تم نے اپنے لیے خود کھانا بنایا ہے۔'' طلعت نے دیکھا، سنبل سلاد کی پلیٹیں سجانے میں مصروف تھی تو مسکرا کر کہا۔

''جی خود سیر سپاٹے پر نکل گئیں اور ہماری جان پر مصیبت ڈال گئیں۔''

دونوں کزنز خوش ہو کر ایک دوسرے سے گلے ملیں۔ شادی کے بعد سنبل پہلی بار ان کے گھر آئی تھی اور کیسا عجیب واقعہ ہوا کہ اسے مہمان بننے کے بجائے میزبانی نبھانی پڑ رہی تھی۔

''ایک تو نرالی قوم بنائی ہے اللہ نے سسرال والوں کی بھی، انہیں بھی آج ہی آنا تھا۔'' طلعت چڑ کر کچن کا سارا انتظام دیکھنے لگی۔

''بھئی کوئی مبارک گھڑی آج ہی کی تاریخ میں تمہارے ہونے والوں کو نظر آئی ہوگی۔'' سنبل نے ہنس کر جواب دیا۔

''ثنا آپا کہاں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''اپنے بچوں کو دیکھ رہی ہیں وہ اب۔ بے چاری کب سے مسلسل خانہ کے ساتھ کچن میں ہی لگی

ہوئی تھیں۔'' تہنیت بھی سنبل سے مل کر اب چپ چاپ ہر چیز کا جائزہ لے رہی تھی۔

''امی ان سے کہہ سکتی تھیں نا کہ کل آجائیں۔'' طلعت کو سخت کوفت ہو رہی تھی۔

''پاگل ہوئی ہو، وہ کہہ رہے تھے کہ ہم آج آرہے ہیں تو انہیں خود ہی کہہ دیتیں کہ آپ آج نہ آئیں۔ بھئی ''سسرائیلی قوم'' ہے کوئی مذاق تھوڑی ہے۔'' سلاد کی پلیٹیں میز پر رکھ کر سنبل نے این پر ململ کا صاف کپڑا ڈھانپ دیا۔ بارہ پندرہ افراد کا کھانا بنایا گیا تھا لیکن کچن میں اب ہر چیز سلیقے سے لگی تھی۔

آمنہ بیگم کا گھٹیا پن بھی دور دور تک مشہور تھا لیکن وہ خود آج اپنی ہر خوبی سے ناخوش تھیں۔

''آپا کیسی ہیں آپ؟ سوری میری وجہ سے آپ اتنی پریشان ہوئیں۔''

وہ اندر کمرے میں ثنا آپا کے پاس آئی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کو تیار کر رہی تھیں۔

''ارے پریشانی کیسی۔۔۔! سسرال میں سارا دن لگے رہتے ہیں، ایک دن میکے میں پسینہ بہا دیا تو کیا ہو گیا۔ یہاں کم سے کم والدین کی خدمت کے احساس سے دل کو راحت تو ملتی ہے۔'' وہ ہنسیں۔

''آپا کیا سچ مچ تاریخ لینے آرہے ہیں؟''

''ہاں شام کو پھر فون کیا تو یہی کہا تمہاری ساس نے۔'' وہ اب اپنے چہرے پر وینشنگ کریم لگا رہی تھیں۔ بڑی بہنوں کی یہ بڑی ذمہ داری ہوتی ہے خود اپنے کام جلدی نمٹا کر دوسروں کے بھی سب کام دیکھنے پڑتے ہیں۔

''آپا پلیز! امی سے کہہ دیں، میں اپنا گریجویشن ضرور مکمل کروں گی۔'' اسے اپنی فکر پڑ گئی تھی۔ پڑھائی ادھوری چھوڑنے کا خیال ہی وحشت ناک تھا اور پھر اس کی چھٹی حس مسلسل الارم دے رہی تھی کہ تاریخ لینے کے لیے اتنی جلد بازی دکھانے والی اس کی ساس ضرور تاریخ رکھنے کے معاملے میں بھی جلدی ہی مچائیں گی۔

''اب تو کچھ کہنے سننے کا وقت نہیں ہے طلعت! اور امی کا موڈ تو آج سارا دن عجیب سا رہا ہے۔ بتایا بھی نہیں اور پتا نہیں کس الجھن میں مبتلا ہیں۔'' ثنا آپا کا جواب قطعی مایوس کن تھا۔

''آپا پلیز! شادی کے بعد کیا زندگی رہ جاتی ہے، آپ بات تو کر کے دیکھیں امی سے۔''

''دیکھو طلعت! بے کار آس میں مت رہو، صرف امی جان سے کہہ دینے سے کیا حاصل۔ نانی جان ہیں، بڑے ماموں، چھوٹے ماموں آئیں گے، ابو جی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی دی جانے والی تاریخ کو ٹالنے کے موڈ میں نہیں لگ رہا۔ نانی جان نے تو کتنے جوڑے اور کتنے گہنے کا حساب کتاب کرنا شروع کر دیا ہے۔''

اپنا سر پیٹ کر اس نے پاؤں زمین پر پٹخا، لیکن حقیقت یہی تھی کہ کوئی امید رکھنا سوائے بے وقوفی کے کچھ نہ تھا۔

پھر وہ بالکل چپ ہو گئی، ذہن پر اس ایک دن میں ہی اتنا بوجھ پڑ گیا تھا یوں بھی وقت ایسا تھا کہ تہنیت کا مزاج بگڑا ہوا تھا، آصفہ کو نصیبوں نے دور کر دیا تھا اور تنہا لڑنے کا حوصلہ اس کے پاس بھی نہ تھا ورنہ کوئی اچھا دن ہوتا تو وہ دوڑی ہوئی تہنیت کے پاس جاتی وہ بڑی بہن کی ایسی الجھی رونی صورت دیکھ کر فوراً اپنی عقل کی انگوٹھی رگڑتی، اس کے ذہن دماغ سے ''کیا حکم ہے میرے آقا'' کا جن فوری حاضر

ہوتا اور وہ منٹوں میں کوئی نہ کوئی ایسا حل ضرور نکال لیتی کہ بہن کی الجھن بھلے دور نہ ہوتی لیکن اس کے دل کی تسلی ضرور ہو جاتی۔

آصفہ کا تو اتنا آسرا بھی نہ تھا کہ وہ اسے فون کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتی۔ ویسے ہی آٹھ دن تک رہ لینے کے بعد کل ہی تو وہ اپنے سسرال واپس گئی تھی۔ مہمان آئے گئے، اسے یہ بھی پتا چلا کہ جواد امیر نہ آیا تھا۔

اونہہ اس نے تو آنا ہی نہیں تھا۔ بے وجہ سنسنی پھیلانے کے لیے اپنا نام آنے والوں کی فہرست میں گنوا دیا تھا۔ اس نے لاپروا ہو کر سوچنا چاہا لیکن دراصل اسے بہت غصہ آیا تھا۔

کسی نے وضاحت دی تھی کہ ''اس نے منع کر دیا، کہنے لگا بھلا اپنی شادی کی تاریخ طے کرنے خود اپنے سسرال جاتا اچھا لگوں گا کیا۔۔۔''

''ہاں آپ صرف دولہا بن کر سہرا پہنے ہی سسرال آتے اچھے لگیں گے، اس سے پہلے بالکل نہ جچیں گے۔'' تہنیت اگر موڈ میں ہوتی تو ضرور جملہ فٹ کرتی اور جواب میں وہ کہتی۔

''یا اگر خدانا خواستہ میں مر جاؤں تو ضرور دوڑے ہوئے آئیں گے۔''

''ارے مریں تمہارے دشمن، کل تک تو بے پروا بنی بیٹھی تھیں، آج اس بے مروت پر جان دینے کے درپے ہو گئی ہو۔'' عقل نے فوراً ٹوکا اور وہ پھر اپنا ذہن بٹانے کے لیے اِدھر اُدھر توجہ دینے لگی۔

''سنو بھئی طلعت! دو مہینے بعد تیسرے مہینے کی بارہ تاریخ طے ہو گئی ہے۔'' بدمزاجی کی انتہا کو پہنچی ہوئی تہنیت کے مزاج کو بھی دھچکا لگا تو وہ دوڑی ہوئی طلعت کے پاس آئی۔

''اتنی جلدی!'' چائے کا مگ بہت گرم ہونے کے باوجود اس نے سختی سے جکڑ لیا کہ کہیں ہاتھ سے چھوٹ ہی نہ جائے۔ سنبل، انصار، ثنا آپا، وقار سب اس کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔

''نہیں وہ تو ایک مہینے کے بعد کا ہی سوچے بیٹھے تھے لیکن ابو جی نے سختی سے کہہ دیا کہ اگلے مہینے امتحان تو ضرور دے گی طلعت۔'' اس نے مگ کنارے پر رکھا اور خود اٹھ گئی۔ سب اپنے درمیان سے اٹھ کر جاتی طلعت کو دیکھتے رہے، کہہ کچھ بھی نہ سکے۔

اور یونہی کسی سے کچھ بھی کہے سنے بغیر رات گئے، وہ اپنے بستر میں بھی گھس گئی۔ ایک تو دیر بھی بہت ہو گئی تھی پھر وہ تھکی ہوئی بھی بہت تھی اور کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے اس نے خود ہی اپنے آپ کو باز رکھا کہ نیند جلدی آ جائے یوں وہ سو ہی گئی۔

لیکن صبح اٹھی تو اس کا پورا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ وہ اپنے جذبوں کو، اپنی تھکن کو، اپنے احساس کو سہہ سہہ کر بیمار ہی ہو گئی۔ گزرے ہوئے کل سے پہلے بہت دنوں تک اضطراب کو اس نے اپنے دل میں بسا لیا تھا اور اب اس نے خود کو ظاہر بھی کرنا چھوڑ دیا تھا اور اس گہری چپ کے پیچھے اب ایک اور دل دکھاتا، جذبہ بھی پل رہا تھا۔ جواد امیر کی بے رخی اور بے اعتباری کا احساس اسے سکون نہ لینے دیتا تھا۔ ابھی سے وہ ایک ذرا سی بات پر ایسی خودسری اور ضد دکھا سکتا ہے تو شادی کے بعد جانے کیا کر ڈالے، جب ہر چیز، سارے حالات حتیٰ کہ طلعت خود اس کے اختیار میں ہو گی۔ کہیں وہ بھی شرجیل جیسا ظالم نکلا تو۔۔۔! یہی ایک بات سوچ سوچ کر اس نے اپنے دل میں خوف بٹھا لیا تھا۔۔۔ وہ تو نہ آصفہ جتنی

حوصلے والی لڑکی تھی نہ اس جیسا صبر تھا اس میں۔۔۔

وہ بستر میں پڑی سوچتے سوچتے جھنجھلا گئی تو رونے لگی کتنی دیر تک وہ بے آواز روئی کہ ساتھ لیٹی تہنیت نہ جاگ جائے، پھر کوئی خیال آیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔ جسم سارا دکھ رہا تھا۔ لیکن ہمت کر کے وہ اپنی الماری کی طرف گئی۔ اپنا یونیفارم، چادر وغیرہ نکالی، اسٹڈی ٹیبل تک آ کر اپنا بیگ اور فائل وغیرہ سمیٹی۔ کالج کی کوئی چیز تیار نہ تھی نہ یونیفارم استری کیا ہوا تھا نہ جوتوں پر پالش تھی، ایک دن کے الجھے روٹین نے سارا حساب کتاب خراب کر کے رکھ دیا تھا۔

اس نے پلٹ کر پہلے تہنیت کو جگایا کہ کالج کا وقت ہو رہا ہے اور پھر خود اپنی تیاری میں مصروف ہو گئی۔

اسے خیال نہ رہا تھا کہ ثنا آپا ٹھہری ہوئی ہیں، جب ہی تہنیت اس کے ساتھ بستر میں لیٹی تھی اور تہنیت کے بستر پر ثنا آپا سو رہی تھیں۔ رات تو اس کا دھیان اور گیان سب چھن ہی گیا تھا، وہ تو ابھی اپنے جوتے اس بستر کے کنارے سے نکالنے کے لیے جھکی تو اس کی نظر پڑی تو پھر خیال رکھنا شروع کر دیا کہ کوئی کھٹکا یا آواز نہ ہو۔ کہیں آپا جاگ نہ جائیں، یوں بھی کل سارا دن انہوں نے بہت محنت کی تھی۔

''تمہاری آنکھیں کیوں اتنی سوج رہی ہیں۔ رات سوئیں نہیں ہو کیا؟'' اپنی کتابیں رکھتے تہنیت اس سے پوچھنے لگی۔

''شش۔۔۔ آپا سو رہی ہیں۔'' اس نے ہلکی آواز میں اشارہ کر کے تہنیت کو چپ کرایا۔

وہ فوراً چپ ہو گئی۔ شاید اسے بھی خیال نہ رہا تھا پھر اپنی اپنی چیزیں سمیٹ کر اور تیار ہو کر وہ دونوں بہنیں چپکے سے کمرے سے باہر آ گئیں۔

''آؤ طلعت! ناشتا تو کر لو۔'' کچن میں جاتے ہوئے تہنیت نے آواز دی۔

''نہیں۔ میرا جی نہیں چاہ رہا، تم جلدی کرو، ہم پہلے ہی لیٹ ہو گئے ہیں۔''

''آج چھٹی نہ کر لی تم دونوں بہنوں نے۔'' ثنا آپا کمرے سے باہر آ گئیں۔

''ارے آپا! آپ کیوں اٹھ گئیں، آرام کر لیں۔'' طلعت نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

''بس میری آنکھ کھل گئی، میں نے کہا، تم لوگ بھی تھکی ہوئی ہو آرام کر لیتیں۔'' آپا نے پھر کہا۔

''نہیں آپا! کچھ ہی دن تو رہ گئے ہیں، پھر امتحان ہوں گے۔ پڑھائی کا بہت حرج ہو جاتا ہے۔'' تہنیت نے جواب دیا پھر طلعت کی طرف دیکھا۔

''ناشتا کر لو طلعت! ورنہ امی جان خفا ہو جائیں گی۔''

''افوہ! مجھے کچھ نہیں کھانا، تم امی جان کو کچھ نہ بتانا۔'' وہ چڑ گئی۔

''ایسی باتیں امی جان کو خود پتا چل جاتی ہیں۔'' تہنیت کہہ کر کچن میں چلی گئی۔

''کیا ہوا گڑیا! مزاج خراب ہے یا طبیعت؟'' آپا اس کے قریب آ کر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولیں اور پھر فوراً ہی انہوں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

''پاگل ہو، کالج جا رہی ہو، تمہیں تو اتنا تیز بخار ہے۔'' آپا پریشان ہو گئیں۔

''بخار اتنا تیز نہیں آپا! میرا جسم زیادہ گرم ہو جاتا ہے۔'' اس نے وضاحت کی۔

''ابھی میری شادی کو اتنے سال نہیں ہوئے ہیں کہ میں تم لوگوں کی طبیعت اور کیفیات بھول جاؤں۔ یوں بھی اگلے سو سال تک اس گھر کی کسی بات کو نہ بھولوں گی، بھلا تمہیں بخار آتا ہی کب ہے پانچ سال میں ایک بار یا دس سال میں۔۔۔۔ تہنیت! ذرا تھرما میٹر دینا۔'' وہ کچن سے باہر آ گئیں۔

''اور تم رکو نا، پانچ منٹ میں تمہیں ناشتا بنا دیتی ہوں۔'' انہوں نے تہنیت کو بھی ٹوکا۔

''ارے آپا! ہم کوئی بچے تھوڑی ہیں، آپ اپنے بچوں کے لیے ناشتا بنائیے گا۔''

طلعت بھی مسکرائی، یہ سوچ کر بھی کہ چلو چھوٹی بہن کا مزاج کچھ درست تو ہوا۔

''یہ تم دونوں یکا یک ہی بڑی ہو گئی ہو اور میں اچانک ہی پرائی ہو گئی ہوں اس گھر کے لیے۔''

''ہائیں آپا! آپ تو برا مان گئیں۔''

''اور کیا اتنے دنوں بعد یہاں رہنے کے لیے آئی ہوں تو مجھ سے اجنبیوں اور مہمانوں کا سا برتاؤ کر رہی ہو کہ دوبارہ پلٹ کر جلدی نہ آؤں۔'' وہ سچ مچ روٹھ گئیں۔

''ارے آپا! آپ روز آئیں بلکہ آج آپ کے ٹھہرنے سے ہمارے بڑے بڑے مقاصد حل ہو جائیں گے۔ مجھے امی جان کو منانا ہے، طلعت کو اپنے پرائے ہو جانے کا دکھ آپ سے بانٹنا ہے۔'' تہنیت اپنے کام گنوانے لگی۔

''یہ اچھا ہوا کہ آرام کرنے اور نیند لینے کے بعد تم اپنی عقل سے کام لینے کے قابل تو ہوئیں۔'' پُرسکون سی تہنیت کو دیکھ کر طلعت ہنسی۔

''تمہارا بخار اتر گیا۔'' تہنیت نے آنکھیں چڑھائیں۔

''اب تمہارے اوپر اترے گا نا۔'' وہ تھرما میٹر لینے کے لیے چلی گئی۔

''بس آج تم دونوں کالج نہیں جاؤ گی، ہم مل کر بہت سی باتیں کریں گے۔'' ثنا آپا نے فیصلہ سنا دیا۔

''بس کیا بتاؤں باجی! میرے لڑکے کی زندگی تو جہنم بن کر رہ گئی ہے، مگر مجال ہے جو ہم نے کبھی کسی سے کچھ کہا ہو یا کوئی حرفِ شکایت زبان پر لائے ہوں۔''

عموماً سسرال کے رشتہ داروں میں عالیہ بیگم ہرگز نہ جایا کرتی تھیں، ان کو خود پتا تھا کہ یہاں ان کی شہرت خاص اچھی نہ تھی لیکن اس بار وہ سہیل احمد کے سر ہو گئی تھیں۔ ان کی خالہ کا کوئی بیٹا پانچ سال بعد امریکہ سے آیا تھا، اس سے ملنے اور میاں کی خالہ کو مبارک باد دینے کے بہانے وہ خاص اہتمام سے ان کے گھر گئی تھیں۔ ان کے پیشِ نظر دو مقاصد تھے، خالہ کے لڑکے کو دیکھنا چاہتی تھیں، شاید وہ ان کی شرمین کے قابل ہو سکتا تھا اور دوسری اپنی بہو آصفہ کا چرچا بھی وہ چاہتی تھیں اور چائے پیتے ہوئے گھوم پھر کر وہ اصل موضوع پر آئی ہی تھیں کیونکہ خالہ نے خود کریدا تھا کہ

''آخر کیا ماجرا ہے۔ سنا ہے تمہاری بہو آٹھ دن سے میکے بیٹھی ہوئی ہے۔''

ان کو تو بات بڑھانے کا موقع ہی چاہیے تھا۔ خالہ خود تجسس میں مبتلا تھیں کیونکہ اپنی بہن کے گھر سے بھی انہیں کوئی خاطر خواہ خبر مل نہ پا رہی تھی۔

''بس یونہی۔اس کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔'' خود تائی جان نے اپنے ہر ملنے جلنے والے کو ایک چھوٹے سے جملے کے بعد کوئی بات بھی کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو عالیہ! تمہاری بہو تو سنا ہے، ہیرا ہے ہیرا۔''

''ہاں ایسا ہیرا کہ ہم نے نگلا ہے تو اب ہماری جان لے کر چھوڑے گا۔'' وہ بھری بیٹھی تھیں۔

''نہیں عالیہ! وہ اصغر میاں کی نواسی ہے، میں تو جانتی ہوں نا بڑی سیدھی بچی ہے۔اس کی بہن عاصمہ ہی کو دیکھ لو، کیسا سسرال میں باپ دادا کا نام چمکایا ہے۔سچ پوچھو، ہم تو مثالیں دیتے ہیں کہ اپنے بیٹوں کے لیے بھی ایسی ہی لڑکیاں ڈھونڈیں۔''

''بس خالہ ! آپ خود اتنی سیدھی اور اچھی ہیں، سو آپ کو سارا زمانہ ہی بھلا دکھتا ہے ورنہ میں اور میرا بیٹا تو چھ مہینے میں ہی کانوں کو ہاتھ لگائے بیٹھے ہیں کہ کیسی بلا گلے پڑ گئی ہے۔سیدھی تو سچ مچ ایسی ہے کہ اللہ دیکھے تو دیکھے بندے کو تو اس کے گن ہرگز نظر نہ آئیں۔''

عالیہ بیگم نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ آصفہ کو یوں میکے بیٹھ جانے پر ایسا سبق سکھائیں گی کہ دوبارہ میکے کی گلی دیکھنے کا نام نہ لے گی۔

اب خالہ کا تجسس بھی بڑھ گیا تھا۔

اور یہ تجسس، عیب جوئی اور غیبت ہی کی وجہ سے زیادہ عورتیں جہنم کا ایندھن بنیں گی۔

''آپ یقین کریں یا نہ کریں خالہ ! لیکن اسی کے کرتوتوں کی وجہ سے میرے بیٹے نے اچھی بھلی اسپتال کی نوکری چھوڑ دی۔اپنے دوستوں سے نظر ملانے کے قابل جو نہ رہا تھا۔ارے اس کے جیتے دوست کو ایک بار گھر بلا لیا تھا جب ہم سب کہیں باہر گئے ہوئے تھے، بھلا کہیں جائیں تو دنیا کی عورتیں پیچھے بہوؤں کو ہی گھر سونپ کر جاتی ہیں نا۔''

''توبہ توبہ۔'' عالیہ بیگم نے اتنی بار کانوں کو ہاتھ لگائے کہ خالہ کو بھی ایسا کرنا پڑا۔لیکن پھر وہ چونک گئیں۔

''عالیہ! تم زیادتی کر رہی ہو۔ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اور تم کم سے کم میرے گھر میں بیٹھ کر ایسی باتیں نہ کرو، مجھے اپنی بہن کو بھی منہ دکھانا ہے۔''

ساری بات نئے سرے سے سوچ کر وہ کانپ بھی گئیں۔

''تم تو حد کر دیتی ہو عالیہ! ایسا جھوٹ نہ بولو کہ کاندھے کہ فرشتے بھی کانپ جائیں، تمہارے آگے بھی بیٹیاں ہیں۔'' غصہ آیا تو خالہ نے ان کو سنا ہی ڈالیں۔

''ارے منہ سنبھال کر بات کریں خالہ! سو بار آپ کی بہن کی بھتیجی ہوگی مگر اس منحوس سے میری بیٹیوں کو نہ ملائیں۔میں تو جو بیت رہی ہے سو سنا رہی ہوں، سوچا کہ میری بپتا آپ نہ سنیں گی تو کون سنے گا۔۔۔ارے دیکھا نہیں، سنبل کی پوری شادی میں میاں اس کو ساتھ لے گیا اور ساتھ لے کر آیا۔ورنہ میں خود اپنی بیٹی کو روز بھیجتی تھی تو بہو کو کیوں پکڑ کر بٹھاؤں گی لیکن کیا کروں، میاں بیوی کا معاملہ ہے۔سنبل کے نکاح کی رات سے ہی میکے میں رہ گئی ہے نا سوشر جیل تو کہتا ہے کہ بھلے رہ گئی، میں تو ہرگز بلانے نہیں جاؤں گا۔وہ تو میں ہی روز اس کے ہاتھ جوڑتی ہوں کہ بیٹا بہو کو گھر لے آ، آخر خاندان بھر میں

منہ تو مجھے ہی دکھانا ہے۔'' عالیہ بیگم کے دل سے بنانے اور مٹانے والے خدا کا خوف بھی نکل گیا تھا، وہ کسی کی بات سے کیا سبق لیتیں۔

''بس عالیہ! ختم کرو اس قصے کو، یوں بھی میری نماز کا وقت ہو گیا ہے، میرا خیال ہے اب تم بھی اپنے گھر ہی جاؤ گی۔''

خالہ نے سیدھی سیدھی بے مروتی برت ڈالی مگر عالیہ بیگم کا مقصد پورا ہو گیا تھا، وہ مانیں یا نہ مانیں، لیکن بدنامی کا ایک حرف بھی کسی عورت کے دامن میں پڑ گیا تو سمجھو، اس کی چھٹی کا دودھ تک ناپاک ہو کر رہ گیا۔

عالیہ آنٹی کے جانے کے بعد خالہ کتنی دیر تک خود توبہ توبہ کرتی رہیں۔ انہیں اعتبار ایک لفظ پر بھی نہیں تھا مگر سوچ میں دراڑ سی ضرور پڑ گئی تھی۔

سنبل کی شادی کا دن اس کے لیے بربادی کا دن ثابت ہوا تھا۔ دعوت تو خیریت سے نمٹ گئی اور کھانا ہو گیا پھر اس نے اپنے خیال سے شرجیل کے ساتھ گھر واپس جانے کا ارادہ بھی کر لیا جب تائی جان نے اس سے آ کر کہا۔

''تمہارے تایا جان نے شرجیل اور عالیہ سے کہہ دیا ہے کہ آصفہ آج اپنی خالہ کے ہاں رہے گی اور انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی ہے۔'' اسے یقین نہ آیا تو وہ خود چل کر شرجیل کو ڈھونڈتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

''کیا میں خالہ کے ہاں رہ جاؤں؟'' اس نے دھیرے سے پوچھا تھا۔

''جی تو نہیں چاہ رہا لیکن مجبوری ہے، دادا جان کا کہا نہ ٹالا جا سکتا ہے نہ پلٹایا جا سکتا ہے۔''

''نہیں، اگر آپ کی مرضی نہیں ہے تو میں گھر چلتی ہوں۔''

آصفہ اپنی اس زندگی کو اپنی قسمت جان کر اسی میں لوٹ جانا پسند کرتی تھی۔

''آصفہ! تم اس وقت اتنی نروس لگ رہی ہو کہ کوئی کافر ہی ہو کہ تمہیں چھوڑ دے لیکن کہاں نا، دادا جان کھال ادھیڑ دیں گے۔ بس تم عیش کرو، کل گھر چلی آنا۔۔۔ میں دل پر پتھر رکھ کر سو جاؤں گا۔''

وہ اتنی محبت اور آنکھوں میں پیار سمیٹ کر کہہ رہا تھا کہ وہ سمجھی وہ ضرور بدل گیا ہے۔ اس کا بدلا ہوا لہجہ اور برستا ہوا پیار دیکھ کر وہ کتنی بار سیدھا سچا دھوکا کھا جایا کرتی تھی۔

لیکن صبح اپنی امی کے ہاں جا کر اس کے ساتھ سارا قصہ الٹا ہو گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اسی دن اسے ہوش آیا تھا کہ وہ عقل و شعور رکھتے ہوئے کیونکر اس گھر میں اپنے آپ کو مٹائے چلی جا رہی ہے۔

''تو تم اس سے پٹ بھی گئیں۔''

دوپہر کے کھانے پر میز کے گرد گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ پاپا، بھائی جان، وقار، امی جان، عاصمہ باجی حتیٰ کہ اس کے بھائی بہن کے بچے بھی اپنی فولڈنگ چیئرز کناروں پر لگائے کھانے میں مصروف تھے۔ جب اچانک مہر النساء بھابھی نے اس پر سیدھا وار کیا۔ وہ یونہی بے دردی سے اس کی خود داری کے چہرے سے نقاب نوچ لیا کرتی تھیں پورے گھر کے سامنے، وہ نقاب جو وہ راتوں کو جاگ کر

اور دنوں کو بھاگ کر بڑی مشقت سے اپنی ذات کے آگے تانے رہا کرتی تھی۔

''پلیز بھابھی! ایسا تو کچھ نہیں ہے، آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' وہ بوکھلا ہی گئی۔

''تم سمجھتی ہو، تم بڑا کمال کر رہی ہو یوں گھٹ گھٹ کر جیتے ہوئے یا یوں چھپ چھپ کر ظلم سہتے ہوئے۔ لیکن کہاں تک چھپا لوگی، اپنے اس چہرے کو تو بدلنے سے رہیں۔ ذرا ہاتھ لگا کر دیکھو تو اس مردود کی انگلیوں کے نشان ابھی تک تمہارے گالوں پر ابھرے ہوئے ہیں۔ کہو تو آئینہ لے آؤں، آئینہ دیکھنا پسند کرو گی؟''

بھابھی کا لہجہ بہت تیکھا تھا اور اتنی ترشی وہ سہ نہ سکی، کرسی کھسکا کر اٹھی اور اندر کمرے کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

''تم حد سے زیادہ اسٹریٹ فارورڈ ہو جاتی ہو مہر!''

بھائی جان نے فوراً بیوی کو ٹوکا۔ انہوں نے سوچ سمجھ کر اس وقت بات شروع کی تھی جب سب کا کھانا تقریباً ختم ہونے لگا تھا۔

''آپ سب لوگ کیوں چپ بیٹھے ہوئے ہیں، پاپا! میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کچھ ابھی کیوں نہیں کر رہے۔ کیا وہ آپ کی بیٹی نہیں ہے یا اس کے دکھ آپ کو نظر نہیں آتے۔۔۔'' بھابھی سچ مچ خود پیچ و تاب کھا رہی تھیں بلکہ ان کا لہجہ سارے گھر کے افراد کو بھی طیش دلا رہا تھا۔

''اس کے دکھ تو مجھے سونے نہیں دیتے بیٹا! لیکن کیا کروں بس اپنی برداشت کو آزما رہا ہوں۔''

''لیکن کیوں پاپا! بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں، ہماری آصفہ کیوں ان ظالموں کے ہاتھوں پستی رہے۔ انہوں نے اسے لاوارث سمجھ لیا ہے یا ہمیں کمزور۔''

وقار کا خون بھی جوش مار رہا تھا اور اس کا خون تو رات اسی وقت سے کھول رہا تھا، جب شادی سے واپسی کے وقت تایا جان دھیرے دھیرے اس کے پاپا کو بتا رہے تھے کہ وہ کس طرح اپنے بیٹے کے گھر اچانک گئے تھے اور شرجیل، سہیل اور عالیہ سب کے چہروں کا رنگ اڑ گیا تھا۔ آصفہ کو ان لوگوں نے کس طرح چھپا دیا تھا وہ اسی وقت جان گئے تھے کہ ضرور آصفہ پر زیادتی کی گئی ہے۔

''بیٹا! سب سے پہلے تو آصفہ نے بہت دنوں تک ہمیں کچھ بتایا ہی نہیں اور آفرین ہے میری بچی پر کہ اس نے تو اب تک اپنی زبان نہیں کھولی بس قدرت نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔''

''بس پاپا! دیکھیں، یہیں سے سوچ کی ٹیڑھ شروع ہوتی ہے، آپ اسے آفرین اور شاباش کیوں کہہ رہے ہیں، ظلم سہنا کوئی کارنامے والی بات نہیں ہے نہ ہی اس کی کوئی اجازت ہمارے مذہب نے دی ہے کہ ہم برداشت کی حد سے گزر کر فخر کے جھنڈے گاڑتے پھریں۔''

''یہ ہمارے مشرق کی روایت ہے بیٹا۔'' جلال احمد گو اب اس روایت سے نالاں تھے۔

''ہم جیسے لوگوں نے ہی یہ روایت ڈالی ہے نا پاپا! مگر اس کی کوئی حقیقت تو نہیں، کسی کے شوقِ جفا کے لیے خود اپنے آپ کو مار کر جینا تو کوئی زندگی نہیں نا پاپا! یہ تو نری بزدلی ہے۔'' مہر النساء بھابھی کبھی بھی ایسے فلسفوں کی قائل نہیں ہو سکتی تھیں۔

''تمہاری ہر بات درست ہے بیٹا لیکن لڑکیوں کو صبر و برداشت سے کام لینا چاہیے۔'' امی جان

پہلی بار بولیں۔

''امی جان! آپ پھر ہم لڑکیوں کو تعلیم اور آگہی کیوں دیتی ہیں، اس لیے کہ سب کچھ جان کر چپ رہیں۔'' اب عاصمہ باجی نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

''سب کچھ جان کر اور پھر سب کچھ سہ کر ہر کوئی لڑکی چپ رہ بھی نہیں سکتی، یہ تو ہماری آصفہ ہی ایسی صابر و شاکر بچی ہے۔''

پاپا نے پھر کہا تو بھابھی کو مزید جوش آ گیا۔

''نہیں کریں آپ اس کی یوں تعریف، اسے صابر و شاکر نہ کہیں، بزدل کہیں تاکہ اسے جوش آئے اور وہ اپنے لیے کچھ کرے۔ ہم اسے چار دن اپنے گھر میں رکھ سکتے ہیں، آپ اسے چند دن اچھا کھانا، آرام، ہمدردی، پیار محبت سب کچھ دے سکتے ہیں لیکن بہر حال اسے اپنی جنگ خود لڑنی ہے۔ اس کا حق اپنے گھر اور اپنے شوہر پر ہے۔ اس لیے پاپا ہم مل کر اسے اتنا سبق تو سکھائیں کہ وہ وہاں اپنے لیے ایک اچھی جگہ بنا سکے۔

زندگی اسے وہیں گزارنی ہے اور میرے خیال سے اچھی گزارنی چاہیے، بس ہمت چاہیے، وہ جو اس کے اندر رہی موجود یہ۔ بس بے دار کرنے کی ضرورت ہے۔''

اندر کمرے میں آصفہ ان سب باتوں سے بے نیاز پلنگ پر اوندھی لیٹی پھوٹ پھوٹ کر رونے میں مصروف تھی۔ وہ اپنی بیس سالہ زندگی میں اتنا نہ روئی تھی جتنا شرجیل سے شادی کے بعد ان چند مہینوں میں رو چکی تھی۔

وہ رو کر اپنی بے بسی کے نشان مٹانا چاہے یا اپنے بھرم کے لٹ جانے کا ماتم کرے، اس کا جو نقصان ہو چکا تھا (اس کی وہ انا جو قیمتی موتی کی طرح اس کی اپنی ذات کے سب سے اونچے ایوان میں سجی رکھی رہتی تھی کیسے اُس گھر میں اور اب اِس گھر میں بھی رائیگاں ہو کر، رل کر رہ گئی تھی) وہ ہرگز پورا ہونے والا نہیں تھا۔

پھر اس کے ذات کے گرد حصار کھینچتی خودی کی دیواریں اتنی کمزور پڑیں کہ رات تک اس نے بھابھی اور عاصمہ باجی کو سسرال میں اپنے اوپر گزرنے والی ہر ہر بات بتا ڈالی۔

اپنا بھرم بھی گیا، اعتبار بھی چھوٹا اور نصیب بھی بگڑا۔

''پھر کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، ہم سب بیٹھے ہیں نا۔'' اس قسم کی ہزار تسلیوں کے باوجود اس کا پاگل دل خدشوں کے جال میں ایسا پھنسا ہوا تھا کہ ٹھنڈی ٹھلی فضا میں سانس لینا چاہتا تھا لیکن پر نہ مار سکتا تھا۔

پھر لوٹ کر اسی گھر میں جانے کی دہشت اور عالیہ آنٹی اور شرجیل کا سلوک، وہ سوچ سوچ کر دہلتی رہتی اور چھپ چھپ کر روتی رہتی۔ سچ تو یہ تھا کہ مہر النساء بھابھی اور عاصمہ باجی کے ہمت و جرات کے اسباق، اپنے سر پر جوان بھائیوں کے ہاتھ، امی ابا کی سایہ دیتی حوصلہ بندھاتی چھاؤں اور سب سے بڑھ کر تایا جان اور تائی جان کا بھرپور اعتماد کہ دیکھنا اب شرجیل اور عالیہ دوبارہ کبھی ایسی جرأت نہ کریں گے اور ان ہی کے بھروسے پر وہ آٹھ دن میکے میں رہ لی۔ کچھ بھی ہوا سے ''عالیہ آنٹی بخشیں گی نہیں۔'' کے

وہم کے دائرے سے باہر نہ نکال سکا۔

''تایا جان! وہ شرجیل سے بات ہوئی آپ کی۔'' اس نے شام کو بڑا حوصلہ جمع کر کے تایا جان کے گھر فون ملایا تھا۔

''ارے بات کیوں نہ ہوگی، میں نے بتایا تھا نا کہ وہ تو روز مجھ سے بات کرتا ہے اور اس وقت تو میں جلال کو اس کے آفس فون ملانے والا ہی تھا، رات نو بجے میں اور شرجیل تمہیں لینے آئیں گے۔ تیار رہنا بیٹا۔''

تایا جان نے اطلاع دے کر اللہ حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

اسے یقین نہ آیا۔۔۔ سچ مچ شرجیل آئے گا۔۔۔؟

اس نے کسی سے کچھ نہ کہا۔ یوں بھی اس وقت گھر میں سوائے امی کے کوئی نہ تھا، مہر النساء بھابھی بچوں سمیت اسلام آباد روانہ ہو چکی تھی، سنبل کی شادی نمٹ جانے کے چار پانچ دن بعد بھی وہ یہاں کراچی میں رہ چکی تھیں اور اب بچوں کے اسکولوں کی وجہ سے انہیں واپس جانا پڑا۔ عاصمہ باجی بھی اپنے گھر پر ہی تھیں۔

اس نے اپنی ایک ایک چیز سمیٹ لی، تھوڑی ہی دیر میں اپنا سامان بیگ میں ڈال کر تیار کر لیا۔ چیزیں سمیٹنا کیا مشکل ہے، خود کو سمیٹنا کٹھن مرحلہ ہے۔

وہ خود پر ہنسی۔۔۔ کیا اس کا دل مچل رہا تھا شرجیل سے ملنے کو۔۔۔ یا جدائی کے دن رات بھاری پڑ گئے تھے؟ نہیں، دل تو شرجیل کی جفائیں سہہ سہہ کر پتھر ہو گیا تھا، کیسا مچلنا، کیسا تڑپنا، کیسا دھڑکنا۔۔۔ دراصل اسے تو اپنا گھر چھوڑے بیٹھی عورت کے کرب و اذیت کو سہنا مشکل پڑ گیا تھا۔

ایک بیاہی عورت اپنا گھر چھوڑ کے میکے میں پڑ رہے تو باتیں بنانے والوں کی نظروں میں آجاتی ہے۔ ''اس کی ضرور کوئی نہ کوئی داستان ہے۔'' اٹھنے والی ہر نگاہ اسے ایسی ہی ملامت بھری لگتی تھی وہ جانتی تھی کہ یہ صرف اس کا احساس کمتری ہے ورنہ شروع سے اب تک اس کی اپنی کوئی غلطی نہ تھی۔

مگر اسے اپنے آپ کو کم تر جاننے کی بیماری لگی ہوئی تھی۔ اور اسی احساس نے اسے بے یقینی سے نکلنے نہ دیا۔ پاپا آفس سے جلدی آ گئے۔ آتے ہی فوراً اسے ہدایت بھی کی وہ جلدی تیار رہے، نو بجے شرجیل کو لے کر تایا جان آئیں گے لیکن وہ تیار پھر بھی نہ ہوئی۔ پہلے وہ یہاں تک آ تو جائے۔

امی جان نے اطلاع ملتے ہی باقاعدہ رات کے لیے اچھے کھانے کا انتظام کرنا شروع کر دیا تھا۔

''افوہ امی! آپ کس الجھن میں پڑ گئی ہیں، میں سارا کھانا باہر سے لے آتا ہوں۔''

''ارے باہر سے کیوں، میں تو ابھی سارے خاندان کو دعوت کھلا دوں، خوشی میں ایسی پھرتیلی ہو گئی ہوں۔'' امینہ بیگم سچ مچ بہت جوش میں تھیں۔

''امی! وہ پچھلے ہفتے جو لڑکی آئی تھی، اسے بھی آپ نے بھگا ہی دیا نا۔''

''ہائے بیٹا! وہ تو تمہاری بھاوج سے سیدھی چلتی، ایسی ہی لڑکی تھی۔ یہ کرو، وہ کرو، یہ اٹھاؤ، یہاں رکھو، وہاں نہ رکھو، اتنی ہدایتیں دیتا ایسا تیز دوڑتا میرا دماغ ہوتا تو اپنے سارے کام میں آپ ہی نہ نمٹا لیتی۔''

''امی! آپ بھی بس حد ہی کرتی ہیں۔۔۔اچھا یہ بتادیں باہر سے کیا کیا چیزیں منگوانی ہیں۔''
وقار اپنی گھڑی دیکھنے لگا تھا۔۔تھوڑی دیر میں امینہ بیگم نے گھر میں دعوت کا سماں پیدا کر دیا تھا۔ اولاد کی خوشی ماں کو ہر عمر میں حوصلہ مند بنا دیتی ہے اور عورت تو یوں بھی جب دل میں لگن رکھتی ہو تو دنیا سر پر اٹھالے ایسی باہمت بن جاتی ہے۔
''دیکھو بیٹا! مرغی کی بریانی اور کھیر تو میں ابھی بنالوں گی، کباب بھی جلد ہی بن جائیں گے۔فروٹ اور اچھی سی آئس کریم تم لے آؤ اور ایک نمکین چیز کا اضافہ بھی ہونا چاہیے، تم بتاؤ کیا کریں۔''
امی جان اس سے یوں پوچھ رہی تھیں جیسے وہ ان کی بیٹی یا بہو ہو۔۔۔اور آصفہ کی شادی کے بعد وقار اس طرح کے بے شمار مسائل میں امی جان کا بیٹیوں کی طرح ہی ساتھ دیتا بھی تھا۔
''اچھے مزے دار سے چکن تکے لے آتا ہوں۔شرجیل بھائی بھی کیا یاد کریں گے کہ بس وہ سدھر جائیں تو ہم ان پر ساری زندگی واری صدقے ہو سکتے ہیں۔''
وقار بھی خوش تھا اس بات پر کہ شرجیل خود آصفہ کو لینے آرہا ہے۔
''شرجیل خود اتنا برا نہیں، اس کی ماں بڑی فسادی ہے۔'' چوپر میں تیز تیز پیاز کاٹتے ہوئے امینہ بیگم اپنی آنکھیں بھی مل رہی تھیں، مشین سے پیاز تیزی سے ضرور کٹ رہی تھی لیکن اس کا آنکھوں کو جلانے کا اثر کم نہ ہو سکتا تھا۔
''رہنے دیں امی! جو شخص عورت پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے، اسے میں کسی فہرست میں اچھا نہیں لکھ سکتا۔ یہ تو آصفہ کا خیال آجاتا ہے ورنہ خون تو میرا ایسا کھولتا ہے کہ بس چلے تو اس شخص کی گردن کاٹ کر اس کی ماں کے ہاتھوں میں دے دوں۔''
اس کی رگوں میں خون کے ساتھ دوڑتا غصہ ابلنے لگا۔
''توبہ کرو بیٹا! ایسی باتیں نہیں سوچتے۔بس دعا کرو، اللہ سب کو نیک ہدایت دے کہ ہماری بچی کے نصیب سنوریں۔'' وہ کام سے ہاتھ کسی طرح نہ روک رہی تھیں۔
''ایسے چھوٹے لوگوں کے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا نصیب دے کر دعا ہم اللہ سے کرتے ہیں کہ وہ کچھ کرے، ہم خود کچھ نہ کریں۔'' وہ بحث میں الجھ گیا۔
''کر تو رہے ہیں بیٹا! جتنی اللہ ہمیں توفیق دیتا ہے کرتے ہیں، باقی ساری برائی بھلائی تو اسی کے ہاتھ میں ہے نا۔''
''بے شک سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے لیکن ہم مسلمان اب اتنے کم ہمت اور سست ہوتے چلے جارہے ہیں کہ ہر مشکل کو اسی کے ذمے ڈال کر خود ہاتھ باندھ کر بیٹھ جانا پسند کرتے ہیں۔'' دراصل مہر النساء بھابھی نے اسے بھی اچھے خاصے سبق پڑھا ڈالے تھے۔
''کیسی اوندھی باتیں کر رہے ہو، مشکلیں، آسانیاں سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں کہ نہیں۔''
''امی جان! پہاڑوں کی چوٹیاں خدا نے بنائی ہیں اور انہیں سر کرنے کا کام انسان کے اوپر چھوڑا ہے، ہم نے آصفہ کو ہمت اور جرات کے اتنے سبق پڑھائے ہیں لیکن کردار تو اسے ہی ادا کرنا ہے۔وہ اللہ سے مانگے گی تو اسے ہمت بھی ملے گی اور راحت بھی۔''

''مجھے پتا تھا کہ تم امی جان کے پاس گھسے میری ہی برائیاں کر رہے ہو گے۔''
اسی وقت آصفہ کچن میں آئی تھی، اسے خیال آیا تھا کہ امی جان ضرور لمبی مصروفیت میں الجھ گئی ہوں گی۔
''برائیاں نہیں کر رہا، بریانی بنانے میں امی جان کی مدد کر رہا ہوں۔ میں نے سوچا، تم اپنے میاں کے نام کی تسبیح پڑھ رہی ہو گی۔ تمہیں کہاں اتنی فرصت کہ آ کر ماں کو پوچھ لو۔''
اس نے آصفہ کو تنگ کرتے ہوئے سچ مچ دیگچی میں چمچ گھمانا شروع کر دیا۔
''ارے ہٹو، بریانی کے سالن پر تمہارا سایہ بھی پڑا تو مرغیاں بے چاری تڑپ کر دیگچی کے پیندے سے جا لگیں گی، دروازے تک آئے میرے میاں کھانے کی بو سونگھ کر ہی بھاگ جائیں گے۔''
آصفہ نے بھی اس کی بات کا مزا لے کر اسے سیدھا جواب دیا۔
''ایسا نہ کہو آصفہ! میرے بچے کو، تم بیٹیاں چھوڑ کر چلی گئی ہو تو یہ وقار ہی ہے جو بیٹا اور بیٹی دونوں کی کمی پوری کرتا ہے۔''
امی جان نے اس کی تعریف کی تو اس نے اپنے کالر جھاڑے اور گردن اکڑائی۔
''لیجیے امی! آپ مائیں خود ہی پہلے بیٹیوں کو گھر سے نکالتی ہیں اور پھر انہیں چھوڑ جانے کے طعنے دیتی ہیں۔''
اس نے بڑھ کر قیمہ امی کے ہاتھ سے لے کر چھلنی میں ڈال کر دھونا شروع کر دیا تھا۔
''نہیں میری بچی! طعنہ کیوں دیں گے، یہ تو اللہ کے بنائے ہوئے قانون ہیں بیٹی ہو یا بیٹا، شادی کے بعد انہیں پہلے اپنا ہی گھر بنانا ہوتا ہے، ہم بندے بس نا سمجھی میں اللہ سے شکوہ کر بیٹھتے ہیں۔''
کس قدر قناعت تھی اس کی ماں کے مزاج میں۔ جب اولاد کو اڑنا سکھا دیا تو اسے اپنی گود کی قید سے آزاد کر دیا، اپنی محبت کے واسطے سے رہائی دے دی، اسے خدا کی بنائی ہوئی زمین پر پھلنے اور پھیلنے کے لیے راستہ دے دیا۔ مامتا کی کشش اولاد کی ماں کی طرف کھینچتی ضرور رہتی ہے لیکن اس نے بیٹا اور بیٹی دونوں کے سلسلے میں جذبۂ محبت کو اسیری کبھی نہ سکھائی اڑان ہی سکھائی۔ یہی فطرت ہے اور عالیہ آنٹی نے فطرت کے کس قدر برخلاف اپنی اولاد کو پالا تھا خاص کر شرجیل اور شرمین کو۔۔۔
وہ سوچتے ہوئے امی کے ساتھ جلدی جلدی سارے کام نمٹانے لگی بلکہ تھوڑی دیر میں ہی اس نے امی کو زبردستی بٹھا دیا کہ باقی کام آسان ہیں وہ خود ہی ختم کر لے گی۔
''دیکھو ذرا کتنی پھرتی میں ہیں آصفہ جی، جیسے ان کے بے چارے میاں نے کبھی دعوت کھائی ہی نہیں۔ ابھی گیا تو سب کام بکھرا پڑا تھا، ابھی آیا ہوں تو سمٹ بھی گیا۔''
''تم کیسے بے ایمان بھائی ہو، یہ نہیں کہ بہن کی ذرا تعریف کر دو۔ یہ نہ کہا کہ میں نے کتنی مہارت سے سارا کام سمیٹ لیا۔''
آصفہ نے اس کی لائی ہوئی چیزوں کو ٹھکانے لگانا شروع کر دیا تھا۔ وہ ہاٹ کیس کی ڈش میں چکن تکے رکھ رہی تھی۔
''ہاں یہ تو ہے، مگر مجھے تعریف کرنا کہاں آتی ہے۔''

''یہ تو جب بیوی آئے گی تو پوچھیں گے۔'' ایک تکہ اس نے تھیلی میں سے نکالا اور ڈش میں رکھتی کہ وقار نے درمیان سے اچک لیا۔

''ارے مہمانوں سے پہلے ہی تم شروع ہو جاؤ گے۔''

''یہ کہو کہ تمہارا میاں بے چارہ رہ گیا اور میں نے مزے اڑانا شروع کر دیے۔'' اس نے باقاعدہ پلیٹ میں سلاد اور کیچپ بھی نکالی اور اسٹول پر بیٹھ گیا۔

''چلو ٹھیک ہے کچھ کھا لو تا کہ بعد میں مہمانوں کی اچھی طرح خاطر داری کر سکو۔'' آصفہ نے مسکرا کر کہا۔

''میری مانو تو تم بھی کچھ کھا لو، تا کہ گھر جا کر اپنی ساس کی اچھی طرح خاطر داری کر سکو، آٹھ دن بعد میاں کی صورت دیکھ کر تو ایک نوالہ تمہارے حلق سے نہ اترے گا۔''

وقار نے اسے بھی مشورہ دیا لیکن اس کا دھیان اب اپنی ماں کی طرف تھا۔

''کیا بات ہے امی جان! آپ کیوں خاموش ہیں۔''

وہ ایک طرف اسٹول پر بیٹھی کافی دیر سے چپ تھیں، اس نے کچھ دیر پہلے ان سے کہا بھی تھا کہ وہ اندر کمرے میں جا کر کچھ دیر آرام کر لیں لیکن انہوں نے ٹال دیا یہ کہہ کر کہ ''میں تمہارے پاس بیٹھی ہوں۔''

''میں بتاؤں، امی جان کیا سوچ رہی ہیں۔ امی جان سوچ رہی ہیں کہ اس وقت اگر وقار کی بیوی ہوتی تو وہ سارے کچن کا کام سنبھالے رکھتی اور ان کی آصفہ بیٹھے بٹھائے آرام کرتی اپنے گھر رخصت ہوتی۔ دراصل تم یوں کام کرتی دوڑتی بھاگتی انہیں اچھی نہیں لگ رہی ہو۔''

اس نے اتنی ہوشیاری سے اپنی ماں کا چہرہ پڑھا کہ کچھ دیر تو امینہ بیگم بھی حیران سی ہو گئیں۔

''ارے واہ! میں کام کرتی کیوں اچھی نہیں لگتی۔۔۔ لڑکیاں تو گھر کے کام کرتی ہی ہیں۔''

''سچ کہہ رہا ہے یہ۔ میں بالکل یہی سوچ رہی تھی کہ تم یہاں سے اتنا تھک کر جاؤ گی، اپنے سسرال میں تمہیں ویسے ہی آرام نہیں ملتا۔''

''او ہو امی! یہاں آپ کی صورت دیکھتے دیکھتے میں ساری رات بھی کام کر لوں نا تو مجھے تھکن نہیں ہو سکتی۔''

اس نے ماں کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا اور پھر جانے کہاں سے ڈھیر سارے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کر ماں کی گود کو بھگونے لگے۔

''آصفہ! اگر تم نہیں چاہتیں تو ہم تمہیں کبھی شرجیل کے ساتھ نہیں بھیجیں گے۔ بس ایک بار اشارہ کر دو۔''

وقار نے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''اس کا گھر تو میری قسمت ہے وقار! قسمت کو کون لوٹا سکتا ہے۔''

''قسمت بدل بھی سکتی ہے۔''

''نہیں! قسمت سنوار لینا ہنر ہے، آپ میرے لیے دعا کیا کیجیے امی جان۔''

''آصفہ! تیرے لیے تو میری ہر سانس دعا ہے بیٹا۔''

''وقار بھائی! میں اپنے لیے ہمت اور رحمت دونوں کی دعا کرتی ہوں مگر جب گہرے سمندر میں پانی ناک اور منہ کے اندر چلا جاتا ہے تو سانس بچانے کے سوا کوئی چیز یاد نہیں رہتی۔ میں بھی اپنی ساس کے حسد اور ناروا رویے کے جس سمندر میں ڈوب رہی ہوں، وہاں مجھے اپنا گھر بچانے کے سوا کوئی بات یاد نہیں رہتی۔''

اس نے کچن کے دروازے میں کچھ دیر پہلے وقار کی جو بات سنی تھی اور اتنے دنوں سے جو گھر کے سب افراد کی نصیحتیں اور ہدایتیں سن رہی تھی، ان کا جواب دیا تھا۔

''ٹھیک کہتی ہو تم، جس کھائی میں ہم لوگوں نے تمہیں پھینکا ہے۔ وہ کتنی گہری اور تنگ ہے، اس کی خبر تم ہی کو ہوگی۔ ہم تو دور کھڑے تماشا دیکھنے اور باتیں بنانے والے ہیں۔'' وقار شرمندہ ہو کر کہنے لگا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا وقار! تم لوگ تو ہمدردی اور محبت میں ہر بات کہتے ہو اور یہ بھی سچ ہے کہ مجھ میں ہمت حد سے زیادہ کم ہے۔''

''نہیں۔ یہ تو سچ ہے کہ ان آٹھ دنوں میں ہم سب نے تم سے اتنا کچھ کہا ہے کہ تم سوچتی ہوگی۔ ذرا یہ تھوڑی زندگی میری جگہ آ کر گزاریں تو انہیں پتا لگے۔''

''ارے بھئی، تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو یوں انجان کیوں سمجھ رہے ہو۔ ہم سب کا آصفہ سے کچھ بھی کہنا یا اس کے لیے کچھ کرنا ہمارا خلوص اور محبت ہے، جسے آصفہ سمجھ رہی ہے اور یہی بہت ہے کہ سب کا خلوص اسے حوصلہ دے باقی اس کے حالات کی بہتری کے لیے ہم دعا کرتے رہیں گے تو ضرور اللہ تعالیٰ سنے گا۔ آزمائشیں بندے کے ظرف کا پیمانہ ناپنے کے لیے ہوتی ہیں۔''

امی جان نے دونوں کی الجھتی بحث کو ختم کیا۔

امی جان کی محبت و نصیحت دل میں سمیٹ کر پاپا کی دعاؤں کے سائے میں اور وقار کی امیدوں کے ساتھ، وہ اسی دن رات کو شرجیل کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی۔

واپسی کے راستے پر تایا جان نے شرجیل سے پوچھا۔

''اگر کہو تو میں گھر تک تمہارے ساتھ چلوں بیٹا!'' وہ احتیاط سے گاڑی چلاتے ہوئے بیک ویو مرر پر بہت چھپتے چھپاتے آصفہ پر نظر ڈال رہا تھا۔ کہیں دادا جان اس کی چوری نہ پکڑ لیں، پکڑ لیتے تو خوش ہی ہوتے، وہ جانتا تھا مگر بس گھبرا رہا تھا۔

''نہیں دادا جان! میں نمٹ لوں گا۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔

''اچھا تو تم نمٹنا سیکھ گئے ہو برخوردار!'' وہ مسکرائے۔

''اسی طرح سیکھوں گا نا دادا جان۔'' وہ بھی ہنسا۔ وہ خوش تھا اتنا اندازہ آصفہ نے لگا لیا تھا لیکن اپنے گھر پر پہنچ کر اترتے اترتے جو دو باتیں تایا جان نے اس سے کہیں وہ اس کی ہمت، حوصلہ، خوشی سب مٹی میں ملانے کے لیے کافی تھیں۔

''آج پلٹ کر گھر جاتے ہوئے بہت اچھی امیدیں ساتھ لے کر نہ جانا۔ تمہاری ساس نے ان

آٹھ دنوں میں تمہارے پیچھے تم پر بہت الزام تراشیاں کی ہیں اور ان ہی باتوں پر جوش میں آکر شرجیل آج میرے ساتھ تمہیں لینے چلا آیا ہے۔ یہ اپنی ماں کا ہم خیال نہیں ہے لیکن میں اس کے منہ پر کہتا ہوں کہ یہ ایک کمزور مرد ہے۔''

پھر وہ شرجیل کی طرف دیکھ کر بولے۔

''دیکھو بیٹا! شادی کے بعد عورت مرد کی ذمہ داری ہے۔ جنت صرف ماں کے قدموں تلے ہی نہیں ہے بیویوں سے نا انصافی کرنے والے مردوں کو فرشتے جنت کے راستے میں ہی پل صراط پر لٹکا دیں گے۔'' وہ دونوں چپ ہی رہ گئے تھے۔

''اچھا بچو! اللہ تمہاری حفاظت کرے، اپنے گھر پر نہیں بلاؤں گا۔ یہ کہوں گا کہ اللہ تمہیں تمہارے گھر میں آباد رکھے۔''

دروازہ کھول کر اترتے ہوئے دادا جان نے ان دونوں کو دعا دی، شرجیل نے فوراً اتر کر آگے بڑھ کر ان کے لیے گیٹ کی گھنٹی بجائی اور ان کے اندر جانے تک ان کے ساتھ کھڑا رہا۔

''آگے آجاؤ!'' پلٹ کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے آصفہ سے کہا۔۔۔ وہ آگے چلی آئی۔

شرجیل کے برابر میں بیٹھتے ہوئے اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ اسے لگا جیسے بے حساب دنوں بعد وہ اس کی صورت دیکھ رہی ہے۔ وہ کس بات پر اپنے آپ سے لڑے، یہ کہ کاش اس نے شرجیل سے محبت نہ کی ہوتی یا یہ کہ کاش وہ اتنی بامروت اور کم ہمت نہ ہوتی۔

''تمہیں یوں اپنے والدین کے گھر بیٹھ نہیں جانا چاہیے تھا۔'' (اوہ خدا شرجیل کے دل میں محبت کی کوئی آگ لگی ہی نہیں تو وہ کیونکر تپے، وہ کیسے جلے وہ تو جلا ہی سکتا تھا)۔

''آپ ہمیشہ بیٹھے میری غلطیوں کا شمار کرتے ہی رہ جائیں گے۔'' وہ چڑ گئی تھی۔

کیا کیا اس نے نہ سوچا تھا، ''تمہیں دیکھے بنا۔۔۔ تم سے ملے بنا۔۔۔!'' شرجیل اس سے یہ باتیں کہے گا اور وہ میٹھی مسکراتی کھلکھلاتی سب کچھ سنے گی۔۔۔

''چل ری شہزادی! اٹھ تیرے خوابوں کی منزل گزر گئی تو کیا سمجھی تھی کہ ہم تجھے کسی الحمرا کے محل میں چھوڑنے جا رہے ہیں۔'' اس کی بگڑی اس سے خار کھاتی قسمت نے اسے راستے میں ہی جگا مارا۔

''آصفہ ہماری زندگی بہت مشکل ہے، تم مجھے چھوڑ دو، تم حسین ہو جوان ہو، تمہیں بہت اچھا جیون ساتھی مل جائے گا۔ میرے گھر میں تمہارے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے، تم اس کی مستحق نہیں ہو۔''

وہ سمجھی تھی تایا جان کی نصیحتیں سن کر اور اتنے دنوں کی اس کی دوری پر وہ کچھ بدل گیا ہوگا۔ لیکن عورتیں جانے اتنی جلدی جلدی اتنے بڑے بڑے خواب کیوں دیکھ لیتی ہیں۔

''شرجیل! اگر مجھے چھوڑنا ہی ہوتا تو میں بہت پہلے چلی گئی ہوتی۔''

جب نصیب کے لکھے کے آگے گھٹنے ٹیک ہی دیے تھے تو ان باتوں کا حاصل۔۔۔ اس نے تو ان آٹھ دنوں میں یہ بھی سوچا کہ آٹھ دن کے لیے بھی چھوڑ دینا ٹھیک نہیں تھا۔

''میں اپنی مرضی سے نہیں بیٹھی تھی۔ تایا جان نے بس تمہیں حکم ہی دیا تھا کہ جب تک وہ لینے نہ آئیں اپنے باپ کے گھر ہی پڑی رہوں۔۔۔''

آدمی جب کبھی بیٹھ کر اپنے برے رویوں پر غور کرتا ہے تو تہیہ کر لیتا ہے کہ اب انہیں دہرائے گا نہیں لیکن آنے والی گھڑیوں میں وہی رویے، الفاظ، احساس اس کا منہ چڑا رہے ہوتے ہیں اور آدمی بے بس اس لیے ہو جاتا ہے کہ کمزور ہے۔ اس نے بہت غور سے آصفہ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ وہ مضبوط ارادے کا مالک انسان ہوتا تو دنیا سر پر اٹھا سکتا تھا، اپنا جو انداز خود اسے پسند نہیں تھا اسی کو بار بار اپنا کیوں لیتا تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ ان آٹھ دنوں میں اس نے بھی آصفہ کی جدائی کو بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔ اس جدائی نے ہی اس پر جتایا کہ وہ اپنی بیوی سے انتہائی محبت کرتا ہے۔ اس کے بغیر اگر اسے زندگی گزارنی پڑی تو وہ پاگل ہی ہو جائے گا۔ وہ عجیب بے حال سا شخص تھا۔ اس کے جذبے دیوانے تھے اور دیوانگی بے اختیار تھی مگر وہ نااہل تھا۔

''بہت کڑے گزارے ہیں آصفہ یہ آٹھ دن میں نے، مجھے تو خبر ہی نہ تھی کہ میں تمہارے بغیر اتنا ادھورا ہوں، آدھی آدھی رات تک کمرے میں بے وجہ ٹہلتا رہتا تھا، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر خود کو کوسا کرتا تھا کہ میں نے تم پر ایسا ظلم کیوں کیا، حتیٰ کہ رویا بھی ہوں۔ ہاں بہت رویا ہوں آصفہ۔ تمہارے لیے، بہت بار سوچتا تھا کہ اپنی ماں سے اپنا یہ حال بیان کروں لیکن تمہارے نام پر ان کا رواں رواں کھولتا دیکھا ہے میں نے، ایسا کیوں ہوا ہے آصفہ! تم دونوں عورتیں، دریا کے دو کنارے بن کر کیوں رہ گئی ہو میرے لیے۔۔۔''

اس نے گاڑی سڑک کے ایک کنارے پر کھڑی کر دی تھی اور ''تمہارے بنا'' والا اس کا خواب سچ مچ دہرا رہا تھا لیکن خواب حقیقت کے روپ میں ایسا بدلا بدلا کیوں ہو جاتا ہے۔

اتنا ضرور ہوا کہ شرجیل کی ان باتوں سے اس کے وہ جذبے جنہیں خود اس نے اپنے دل میں ایک گڑھا کھود کر مٹی تلے دفن کر دیا تھا، ان میں جان سی پڑنے لگی، حرارت بڑھ گئی۔ گلا گھونٹ کر زبردستی دبائی گئی محبت کو بے دار ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ یوں مارنے سے مر تو جاتی ہے محبت اور اس کی محبت تو محرم بھی تھی اور حاصل بھی۔۔۔ محبت مل جائے پھر مٹانی پڑے تو بڑا کرب دیتی ہے۔ بس وہ جسے چاہتی تھی وہ قدر کرنے والا نہ تھا۔ لیکن آج جو کچھ اس نے سنا، وہ آواز دل تک پہلے پہنچ گئی۔ ہلکا سا اشارا کیا ملا محبت تو آزاد ہو کر دل کے ایوانوں میں ناچنے لگی۔

''شرجیل! مجھے آپ کا ساتھ اور اعتبار ملے تو میں کبھی کہیں نہ جاؤں۔'' اسٹیئرنگ پر دھرے اس کے ہاتھ کو آصفہ نے چھوا۔

''میں اتنا کمزور انسان ہوں کہ خود سے وعدے کر کے بھول جاتا ہوں تم سے کیا عہد و پیمان باندھوں۔۔۔'' اس نے اس کا ہاتھ تھاما نہیں۔

''آپ ایک بار عہد تو کریں! آپ خود کو بہت مضبوط پائیں گے۔''

''دیکھو میں کم ظرف ہوں، ظالم ہوں، بے انصاف ہوں پھر عہد شکن بھی بن جاؤں گا۔'' وہ ہنسا۔

''تھوڑا سا حوصلہ، تھوڑا سا اعتبار آپ مجھے دے دیں گے تو آپ کی ذات کا کوئی حصہ خالی نہیں ہو جائے گا۔'' وہ کڑھ کر کہنے لگی۔

''تم سمجھتی کیوں نہیں ہو، جو چیز خود میرے پاس نہیں ہے۔ وہ میں تمہیں کہاں سے دوں۔''
اس نے اسٹیئرنگ پر جھکے اپنے ہاتھ پر اپنا سر جھکا دیا۔ اور کتنی دیر وہ یونہی منہ چھپائے بیٹھا رہا۔
رات بڑھ رہی تھی، سڑک پر اب رونق بھی کم ہونے لگی۔
''آپ گھر کیوں نہیں چل رہے؟'' اس نے اپنے شوہر کو ٹوکا۔
''اس لیے کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' اس نے صاف کہہ دیا۔
''کس بات کا ڈر؟'' وہ حیران اور پریشان ہوگئی، شرجیل کا ہر انداز نرالا تھا۔
''امی جان آج بخشیں گی نہیں، میں ان سے پوچھے بغیر تمہیں لینے چلا آیا ہوں۔''
''اوہ میرے خدا! آپ اس طرح تو مجھے بھی مار دیں گے اور خود بھی مر جائیں گے۔'' اس کا دماغ تپ گیا۔
''ہاں، یہ اچھا آئیڈیا ہے، گاڑی کسی ٹرک یا بس سے ٹکرا دیتے ہیں، قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔''
''چپ کریں شرجیل! مجھے ایسی باتیں ہرگز پسند نہیں۔ ارے ایسی بھی کیا بزدلی، اب لے ہی آئے ہیں تو ڈٹ کر بات کر لیجیے گا۔ ہم دونوں مل کر کھڑے ہو جائیں گے تو امی جان خود ہی ٹھنڈی ہو جائیں گی۔'' وہ اسے حوصلہ دے رہی تھی، جسے خود اس کے حوصلے کی طلب تھی۔
''کیوں بھئی سوہنیا! یہ لڑکی کو کدھر لیے جانے کا پلان بنا رہے ہو۔'' آخر کسی پولیس آفیسر کی نظر میں بہت دیر سے کھڑی ان کی گاڑی آ گئی تھی۔
''اپنے گھر لے کر جا رہا ہوں صاحب! آپ کیا سمجھنے لگے ہیں۔'' اس نے چابی گھما کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
''ایسی بھی کیا جلدی ہے سوہنیا، گھر کا پتا تو بتاتے جاؤ، گھر ہے بھی یا۔۔۔''
اس نے اپنی جیب سے اپنے تمام کاغذات نکال کر اس کے سامنے کر دیے۔ لائسنس، شناختی کارڈ، اسپتال کا کارڈ وغیرہ۔
''او ہو جی ڈاکٹر صاحب! آپ تو بڑے آدمی ہو، یہ چھوٹے کم عقل لڑکوں کی طرح سڑک پر ایسے کیوں کھڑے ہو۔'' کاغذات دیکھ کر اس نے فوراً شرجیل کو سلام کیا۔
''کیوں ڈاکٹروں کی بیویاں نہیں ہوتیں اور وہ اپنی بیویوں سے لڑتے نہیں ہیں، ہم روزانہ گھر پر لڑتے ہیں، آج سوچا سڑک پر جا کر لڑیں۔ ذرا موڈ چینج ہو جائے گا۔'' کاغذات جیب میں رکھتے ہوئے ہاتھ ہلا کر اس نے ایکسیلیٹر دبا دیا۔
''گاڑی آپ کی، گھر آپ کا تو جی سڑک بھی آپ کی۔۔۔'' آگے سے ہٹ کر پھر سلام کرتے ہوئے پولیس والے نے انہیں جانے کا اشارہ دیا۔
پھر باقی راستہ دونوں خاموش رہے۔ جگمگاتے اورنج رنگ کا سوٹ آصفہ نے آج شرجیل کی پسند کو مدِنظر رکھتے ہوئے پہنا تھا۔ اس سوٹ کی قمیص اور دوپٹے پر اورنج کے ساتھ براؤن اور سفید رنگ کے دھاگوں سے بڑا نفیس کام کیا ہوا تھا اور یہ سوٹ ایک بار پہلے بھی اس نے امی کے گھر جاتے ہوئے پہنا تھا تو شرجیل کو بہت پسند آیا تھا اور اس نے اسے بہت سراہا تھا۔ کیسی دل جلی روایات ہیں مشرق کی سب کی

سب، عورت کو اسیر رکھیں اور مرد کو حاکم، عورت کپڑے شوہر کی پسند کے پہنے، ہیئر اسٹائل اس کی پسند سے بنائے، لپ اسٹک اس رنگ کی استعمال کرے جو شوہر کے مزاج کو جچے، کانوں کی بالی، پیروں کی جوتی ہر چیز میں بس ایک اسی کی خوشنودی کا خیال کرتی رہے۔ کتنے مرد ہیں جو اپنی بیویوں کی پسند کے کپڑے پہنتے ہیں۔ ان کے مزاج کو بھاتے ہیئر اسٹائل بناتے ہیں بلکہ ہمارے ہاں تو اکثر ایسے ہیں جو پروا بھی نہیں کرتے کہ اپنی بیویوں کو پسند آ بھی رہے ہیں یا نہیں۔ چاہے ان کے گرد سگریٹ کے دھوئیں سے عورت نفرت کرے یا ان کے پان چھالیہ سے رنگے سرخ پیلے دانتوں سے کراہیت محسوس کرے، ان کے موٹاپے سے بے زار ہو یا ان کی بدذوقی سے ناخوش، وہ بس بے فکرو بے حس ہی رہتے ہیں۔

گھر کے باہر دروازے تک پہنچ کر شرجیل نے اسے دیکھا اور پھر کہا۔

''آج تم اچھی بہت لگ رہی ہو۔'' وہ شاید اس کے چہرے پر چھائی اس وحشت کو کم کرنا چاہ رہا تھا جس میں وہ وقت سے پہلے ہی مبتلا ہو گئی تھی۔ وہ مگر مسکرا بھی نہ سکی۔

''حد ہو گئی یا اللہ! آپ نے بھی دو کمزور اور بے ہمت لوگوں کو پکڑ کر ملا دیا ہے۔'' دل ہی دل میں اس نے اپنے اللہ سے خاموش سی شکایت کر ڈالی۔

''آصفہ پلیز، کسی بات پر بحث مت کرنا، امی شاید بہت کچھ کہیں گی مگر سن لینا۔ میری خاطر۔۔۔''

آخر اس نے مطلب کی بات کہہ کر ہارن بجا دیا۔ گیٹ فوراً ہی کھل گیا۔ گاڑی گیٹ میں لے جاتے ہوئے سامنے ہی انہیں روحیل اور سہیل انکل گیٹ پر ٹہلتے ہوئے مل گئے۔

''روحیل آیا ہوا ہے۔'' اس نے کچھ آس سے سوچ کر دل ہی دل میں کہا۔

''بتائے بغیر چلے گئے بیٹا! تمہاری ماں پریشانی میں گھر سر پر اٹھائے بیٹھی ہے۔'' سہیل انکل نے بیوی کے ساتھ آتے بیٹے کو دیکھا۔

''آپ کو تو خبر ہو گئی ہو گی کہ میں کہاں چلا گیا تھا۔'' ماں کے خفا مزاج سے بوکھلاتے شرجیل نے باپ کا آسرا چاہا۔

''نہیں بیٹا! میں تو تمہیں اب دیکھ کر اندازہ لگا رہا ہوں کہ کہاں گئے ہو گے ورنہ مجھے کیا خبر کسی بات کی۔''

ان کے انداز سے ہی وہ جان گئی کہ وہ انجان بن رہے شرجیل اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ اندر چلا گیا۔ وہ جان بوجھ کر پیچھے رہی کہ عالیہ آنٹی کی نظر اس پر دیر سے ہی پڑے۔۔۔

عالیہ آنٹی اپنے کمرے میں ہی تھیں، وہ لاؤنج تک چلی آئی۔

''بس وہیں کھڑے رہ جاؤ بیٹا! میرے کمرے کے اندر پاؤں نہ رکھنا۔۔۔'' وہ بے خبر تھی کہ عالیہ آنٹی اپنے کمرے کی کھڑکی سے پہلے ہی ان دونوں میاں بیوی کو ساتھ آتا دیکھ چکی تھیں۔

ان کی پیشانی کی رگیں تن گئی تھیں، جسم کا سارا خون جمع ہو کر آنکھوں میں اُتر آیا تھا اور وہ انتہائی اضطراب کی حالت میں بیٹھے اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے قالین کے روئیں کو روندر ہے تھے۔

''میری توقع سے بڑھ کر اس کی فطرت کمینی نکلی۔'' وہ اپنے بڑے بھائی اور بھاوج کے پاس سر جھکا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

ان کی بھاوج نے ان کے سامنے کئی بار اپنی بہو کو کوسا تھا لیکن ان کے کوسنے عالیہ بیگم کی طبیعت پر کوئی برا اثر نہ ڈالنے والے نہ تھے۔ نہ ان کا کچھ بگاڑنے والے تھے کیونکہ بنانے اور مٹانے والی ذات کا خوف عالیہ بیگم کے دل سے اٹھ گیا تھا۔

''اب تو سوچتا ہوں بھائی جان! کاش تھوڑا سا کمینہ تو میں بھی ہوتا پھر اس عورت کو اس بات کا ایسا ہی جواب دے سکتا۔'' جلال احمد اپنی مٹھیاں بھینچتے خود کو وہ ضبط کر لینے کی مسلسل تلقین کر رہے تھے جو ان کی برداشت سے بہت بڑھ کر تھا۔

''اوہ خدا ایک دن پہلے ہمیں یہ بات نہ پتا چلی، منہ اٹھائے کیسے چلا آیا تھا وہ بے غیرت شخص ہمارے گھر دعوت کھانے، ہم بھلا اپنی بہن کو اس کے ساتھ بھیج دیتے۔'' وقار نے تو جب سے یہ بات سنی تھی مرنے مارنے پر تلا بیٹھا تھا۔

یہ وہ بات تھی جو عالیہ بیگم نے سہیل احمد کی خالہ کے گھر بیٹھ کر کہی تھی۔ بات ان کی خالہ کے منہ سے نہ نکلی تھی مگر خالہ کا گھر بھرا پُرا تھا۔ تین بہوئیں، پانچ بیٹیاں، چار بیٹے اور ان کے شادی شدہ بچوں کی کم سے کم پندرہ اولادیں تھیں جن کی عمریں سال بھر سے شروع ہو کر پندرہ سولہ سال تک پہنچتی تھیں۔ عالیہ بیگم نے اپنے شیطانی ذوق کی تسکین کی خاطر اسی لیے اس گھر کو چُنا تھا کہ خالہ کے گھر کی ہر دیوار کے سو کان تھے اور اتنی ہی زبانیں۔ بات اتنی آسانی سے گھر سے نکل گئی کہ پتا بھی نہیں چلا پھر تائی اماں نے اپنی بہن کو بلا کر اس بات کی تصدیق کی تو سارا قصہ سامنے آ گیا۔

''بھیج دیا ہے تو ہم آصفہ کو واپس بھی لا سکتے ہیں۔''

انصار بھی وہاں موجود تھا۔ وہ امینہ خالہ کے بلانے پر بڑے، ماموں کو لے کر کمال احمد کے گھر آیا تھا۔ اس نے آتے ہی ٹھیک طرح سے ہر بات معلوم کی تھی۔

''امینہ! مجھے لگتا ہے شرجیل اتنا قصوروار نہیں ہے۔ سارا فتور تو عالیہ بیگم کے دماغ میں بھرا ہوا ہے۔'' بڑے ماموں شاید ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔

''نہیں اگر وہ چپ چاپ تماشا دیکھ رہا ہے تو وہ بھی قصوروار ہے اور اس کا باپ اس سے بڑا گناہ گار ہے، اگر میری بیوی ایسی حرکتیں کرے تو میں اسے اپنے گھر میں ہی نہ رکھوں، ارے میں نے تو اس نیک بخت کو عالیہ بیگم کی برائیوں پر بھی ہمیشہ صبر کر جانے کی تلقین کی ہے لیکن لگتا ہے کہ ہمارے اسی صبر نے اس کے حوصلے بہت بلند کر دیے ہیں۔'' تایا جان افسردہ سے یوں ہی سر جھکائے بیٹھے تھے جیسے یہ جانتے اور مانتے ہوں کہ پہلی غلطی ان ہی کی ہے۔

''عالیہ جب رشتہ لے کر آئی تھی اسی وقت میں نے کہا تھا کہ عالیہ کو بیٹی دینا کہیں غلطی نہ ٹھہرے تو انہوں نے لمحے بھر رک کر غور بھی نہ کیا اور مجھے فوراً ٹوک دیا کہ نہیں، شرجیل بہت اچھا لڑکا ہے اور سہیل تو ہمارا ہی بیٹا ہے کچھ بھی کرے گا پہلے ہم سے ہی پوچھے گا، دیکھ لیں اب وہ کچھ کرتا ہی کہاں ہے جو ہم سے پوچھے گا اس کے تو خود دانے پانی کا حساب اس کی بیوی کے ہاتھوں میں چلتا ہے۔''

تائی اماں بہت دکھی تھیں، ان کی اپنی جنم دی ہوئی اولاد کے گھر میں یوں شیطان کا راج چل رہا تھا اور ان کا بیٹا جانے بزدل تھا یا بدفطرت۔۔۔ وہ جانتی تھیں کہ دونوں ہی تھا، اولاد اگر نیک نہ نکلے تو ماں کا

دل مٹھیوں میں جکڑا بس بھینچتا اور مرتا ہی چلا جاتا ہے۔

''حقیقت یہ ہے بھابھی کہ جوڑ تو مقدر میں لکھے ہوئے ہی ہوتے ہیں۔ پھر ہر صاف سجھائی دینے والی بات پر گہرا پردہ پڑ جاتا ہے، بس انسان سمجھیں اندھا ہی ہو جاتا ہے۔'' بڑے ماموں نے کہا سب خاموش ہو گئے۔

''میرا خیال ہے اس بات کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ اب ہم جا کر آصفہ کو لے آئیں۔'' آخر تایا جان نے اپنا فیصلہ سنایا۔

''بالکل ٹھیک ہے، اب بھی ہم چپ رہے تو ہمارے صبر کا وہ اور امتحان لے گی۔'' جلال احمد نے فوراً جواب دیا۔

''آصفہ کو لے کر آ گئے تو عالیہ پیچھے سے کچھ بھی کر سکتی ہے۔'' بڑے ماموں نے سوچ کا در کھولا۔ ان کی طبیعت میں تحمل بہت تھا اور وہ کسی بھی کام کو کرنے سے قبل سوچ سمجھ چھوڑا نہیں کرتے تھے۔

''اب عالیہ کے یا اس کے بیٹے کے کچھ بھی کر ڈالنے کی پروا میں نہیں کروں گا۔'' تھوڑی دیر کے لیے تایا جان کے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے وہ سب لوگ خاموش سے ہو گئے۔

''ہماری آصفہ میں صبر زیادہ ہے اور ہمت کم اور آصفہ ہی کی طرح ہم نے بھی یہی رویہ اپنایا تو عالیہ تو ہماری بچی کے جینے کی ہر راہ بند کر کے ہی چھوڑے گی۔'' امینہ بیگم نے اپنے بڑے بھائی کو دیکھ کر ان کی کہی ہوئی بات کا جواب دیا۔ انہوں نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

''چچا جان! کیا آپ نہیں سمجھتے کہ ہماری طرف سے بھی تھوڑا بہت دباؤ ڈالے جانا لازمی ہے، آخر ظلم کے جواب میں چپ رہنا بھی ظالم کی حمایت ہی ہوتی ہے نا۔'' انصار نے اپنے انداز کے مطابق جوش میں آ کر بات کی۔

''ماموں جان! اگر آپ کے ذہن میں کوئی اور حل ہو تو ضرور بتائیں۔'' وقار جو کتنی دیر سے خاموش بیٹھا ہوا تھا، کہنے لگا۔

''نہیں اور کیا حل ہو سکتا ہے، آصفہ کے سسرال والوں سے بحث تو بے کار ہے اور شرجیل کو بلانا یا کچھ سمجھانا بجھانا بھی لاحاصل ہی ہے کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ سودا طے کر لینے کے بعد وہ کرے گا وہی، جو اس کی ماں چاہے گی اور کہے گی۔''

''ٹھیک ہے پھر ہم صبح ہی جا کر اپنی بچی کو لے آتے ہیں، آخر بی بی عالیہ کے ہوش بھی ٹھکانے لانے کے لیے کچھ کرنا ضروری ہے۔'' جلال احمد نے کہا۔

''عالیہ کا دماغ اتنی آسانی سے ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ اس کی شیطانی سوچ کی پہنچ تک ہماری عقل جا ہی نہیں سکتی۔'' تائی اماں نے کہا۔

''ارے وہ شیطان کے کہنے پر چل رہی ہے، ہمارے ساتھ اللہ ہے، ہمیں ضرور سرخروئی ملے گی۔'' ماموں جان کی بات پر سب نے اتفاق کیا۔

آج پھر ایک دھوکا کھایا ہے، لوگ اتنی سفاکی سے چال چل جاتے ہیں کہ میں آپ اپنا ہی منہ

دیکھتی رہ جاتی ہوں۔

عکس نے میرے رلایا ہے مجھے
کوئی اپنا نظر آیا ہے مجھے

کبھی کبھی جی چاہتا ہے جا کر اپنی ماں کے پیر پکڑ لوں، ان کے کاندھے سے لگ کر پھر سب کچھ کہہ ڈالوں کہ اے ماں! اس ہیرا پھیری کی دنیا میں مجھ سیدھی مٹی کی بنی لڑکی کو کہاں رُلنے کے لیے ڈال دیا۔ جب تجھے پتا تھا کہ یہاں ہر سکہ کھوٹا چلتا ہے یہاں ہر جذبہ دھوکا چلتا ہے اور یہاں ہر سچ اندھا چلتا ہے تو مجھے چار حرف بے ایمانی کے نہ پڑھائے۔ کیوں مجھے ہیرا پھیری کے چند نسخے نہ سکھائے۔ کیوں صرف دھوکا کھانا سکھایا، دھوکا دینے کا اہل نہ بنایا۔

اس لیے کہ پھر ایک اندھیرے کمرے میں بیٹھ کر روؤں اور تجھے یاد کروں اور ان سب بے وقوف لوگوں کو یاد کروں جو محبت کرتے ہیں۔ ہاں نا۔۔۔ میں جس نگری میں رہتی ہوں وہاں محبت بے وقوفی ہے اور خلوص مذاق۔

انہوں نے مجھے کیچڑ میں لا کر پھینک دیا اور میں چپ رہ گئی ہوں، میں کیوں چپ رہ گئی ہوں۔ یہ رہی میرے منہ میں اتنی بڑی زبان پر کسی کام کی نہیں تو اس کے ہونے کا کیا فائدہ۔

''طلاق دے کر چلتا کر اس ڈائن کو پھر مجھے اپنی صورت دکھانا۔۔۔'' کیسے آسانی سے انہوں نے کہہ دیا، نہ ان کا دل کانپا نہ زبان اٹکی۔

اوہ امی! مجھے تو ایک گالی دیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے اور یہ لوگ تو آدمی کو انسانیت کے جامے سے کھینچ کر باہر کھلے آسمان کے نیچے کھڑا کر دیتے ہیں۔ آپ کو پتا ہے اب میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہوں امی! اور میرے آنسو اس بے وفا، بے حس زمین پر گر رہے ہیں۔ آپ کی گود میں نہیں گر رہے۔ کسی سے پوچھ کر بتائیں پلیز امی کہ سسرال کس پتھر نگری کا نام ہے جہاں عورت کو انسان ہونا بھی نصیب نہیں۔ جہاں پوری قوم ظالم ہے اور بس ایک مظلوم سے لڑے چلی جا رہی ہے۔ کسی قانون داں سے مشورہ کریں، کسی وکیل سے بات کریں آخر یہ کیسا دیس ہے جہاں نہ کوئی دفعہ لگتی ہے نہ کوئی جرمانہ ہے نہ کوئی سزا۔۔۔ ارے زندگی کے اصولوں تک کی بات کوئی نہیں کر سکتا۔

اور معیار کی یہ انتہا کہ لڑکے اور اس کے گھر والے ہر لمحہ اور ہر آن جی جان سے طلاق دینے کے لیے تیار بیٹھے ہوئے ہیں اور لڑکی بے چاری اسی ایک لفظ پر لرزتی کانپتی، پل صراط پر چلتی، ساری زندگی گزار دیتی ہے۔

طلاق، نہیں نہیں میرے باپ کی عزت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ میرے بھائیوں کے سر ساری زندگی کے لیے جھک جائیں گے، میری بہنوں کے اچھے رشتے نہیں آئیں گے، میرے خاندان کی لڑکیوں کو میرے نام کی داستان سنا سنا کر ذلیل اور شرمندہ کیا جائے گا۔۔۔ آپ بھلے میری زندگی جہنم بنا دیں، طلاق نہ دیں۔

بس اتنی ہی قدر ہے، ایسی ہی اہمیت ہے جو میں نے خود اپنے لیے مقرر کرنی ہے اور مجھ جیسی جانے کتنی لڑکیاں ہوتی ہیں جو یونہی اپنی خودی کو زمین بوس کر لیتی ہیں، اپنے آپ کو ختم کر لیتی ہیں۔ گم کر لیتی

ہیں، کوئی انہیں ڈھونڈنے آئے تو اپنا نام غلط بتاتی ہیں، کوئی پتا معلوم کرنے آئے تو پردے میں چھپ جاتی ہیں۔ اب تو ہر قانون سے بھی ڈرتی ہیں اور وکیل سے منہ چھپاتی ہیں اس لیے کہ کوئی ان کے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔ تین کڑے لفظوں کا اختیار ان میں سے کسی کے پاس نہیں۔

بس یہ اختیار ہی ہے نا! کسی اعلا ظرف کو مل جائے تو زمین پر روشنی اور ٹھنڈک پھیلا دیتا ہے اور کسی کم ظرف، ظالم کو مل جائے تو تاریکی کے پنجوں سے ہر روشن کرن کو دبوچ کر ختم کر دیتا ہے۔ بس ماں! تو پھر طے یہ ہوا کہ تم میرے لیے کچھ نہیں کرسکتیں، میرے لیے کوئی کچھ نہیں کرسکتا مگر یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ مجھ جیسی ڈرپوک، بے ہمت اور صابر لڑکیاں جن کی قطار میرے پیچھے چلی آرہی ہے ان کو روک دیں۔

ان کو پھر سے تعلیم دیں۔ نئے سرے سے پڑھائیں، لکھائیں، کسی ایسے اسکول، کالج میں داخلہ دلوائیں جہاں لڑکیوں کو ہمت اور حوصلے کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ جہاں ان کو بہادری اور جرأت کے سرٹیفکیٹ دیے جائیں تاکہ ان میں سے کوئی مجھ جیسی بزدل اور کم ہمت نہ رہے۔

آصفہ آج ساری رات اپنے خیالات اور احساسات کو سوچ کے قلم سے ایک خیالی کاغذ پر لکھتی رہی، روتی رہی، نیند آنکھوں تک آتی اور چھن جاتی، چین پاس آکر اسے چھو کر تر سا کر چلا جاتا۔ اور چین آئے، نیند آئے یا ہزار خیال آئیں اور چلے جائیں آج شرجیل کو اس کے کمرے میں نہیں آنا تھا۔

ساری رات اپنی ماں کے سرہانے بیٹھا وہ ان کے پیر دباتے گزار دیتا مگر اس گناہ کو نہ دھو سکتا تھا جو اس سے سرزد ہو گیا تھا۔ وہ ان سے پوچھے بغیر آصفہ کو لینے گیا تھا۔۔۔! ارے وہ طوفان کھڑا کیا تھا کہ الامان۔۔ رات وہ گھر آئے تو انہوں نے شرجیل کی صورت ہی دیکھنا گوارا نہ کی تھی۔

ماحول کی اتنی سختی پھر شرجیل کی طبیعت کی بے چینی۔

''مجھے خبر تھی امی جان چھوڑیں گی نہیں۔'' وہ کسی کل چین ہی نہ پا رہا تھا۔

وہ اس سناٹے میں اپنی آواز کی گونج سننا نہ چاہ رہی تھی۔ بس خاموش ہی رہی۔ پچھلی ساری رات بھی ایسی ہی گزری تھی۔ دن بھر بھی اس نے خوف کی سولی پر ہانپتے کانپتے گزارا۔۔۔ اجنبی سے چپ لہجوں اور اجنبی لمحوں سے لڑلڑ کر وہ نڈھال ہو گئی۔

یہ ہی ہوتا کہ وہ سب اسے دیکھ کر نظریں پھیر لیتے۔۔۔ مگر نہیں وہ گھر کے سب لوگ اس طرف دیکھتے ہی نہیں تھے۔ جس طرف سے گزرتی تھی اور عالیہ آنٹی نے تو حد کر دی۔

''دیکھنا، اس منحوس کو کہیں کچن میں ہو تو اس کو کہو وہاں سے دفع ہو جائے میں کچن میں جا رہی ہوں۔''

''او بی بی سکینہ! لاؤنج میں کون کون ہے وہ منحوس صورت بیٹھی ہو تو بتا دو، میں اپنے کمرے میں ہی بھلی ہوں۔''

''دیکھو ذرا، روحیل نے گاڑی نکالی یا نہیں اور یہ بھی دیکھنا کہیں راستے میں وہ منحوس نہ پڑے۔''

ان کی تیز کاٹ دار آواز ہر طرف یوں گونجتی کہ جہاں کہیں وہ ہوتی خود ہی وہاں سے کھسک جاتی۔

''اے میرے مولا! تو دیکھ رہا ہے نا، تو نے کس لیے انسان کو دنیا میں بھیجا ہے اور انسان کیسے قیامت کو للکارتے زعم میں مبتلا ہو گیا ہے۔''

شرمین، روحیل، سہیل انکل اور عینی آپا جو خود صبح ہی یہاں آئی تھیں، وہ بھی بالکل ہر کسی کی طرح اس سے برتاؤ کر رہی تھیں۔ بھلا وہ ہر کسی سے الگ بات کرتیں بھی کیوں، آخر وہ اس گھر کے لوگوں سے الگ تو نہیں تھیں۔

شرجیل نے جانے صبح کے کون سے حصے میں جا کر اپنی ماں کو منا لیا ان کی گود میں سر رکھا یا ان کے پیروں میں رکھ دیا۔ کیسا بے وفا نکلا، خود اکیلے اپنی ہی راہ بنالی، اس کی پروا بھی نہ کی اور اب ایسا چھپا بیٹھا تھا کہ آصفہ پر تو اس کی نظر پڑے نہ پڑے کہیں آصفہ ہی اسے دیکھ نہ لے اور اس کی بے پردگی ہو جائے (ہاں اس کے مکر و فریب کی بے پردگی نہ ہو جائے)۔

''دیکھو، تم اس سے بات بھی نہ کرنا، اس کی صورت بھی نہ دیکھنا۔ لیکن پڑا رہنے دو اسے یہاں گھر میں، کچھ الٹی سیدھی بات ہو گئی تو اماں ابا ساری عمر ہماری صورت نہ دیکھیں گے۔''

انہوں نے آج کھانا بھی اپنے کمرے میں منگوایا تھا اور اپنے بستر کے ساتھ ہی چھوٹی میز لگا کر وہ کھانا کھا رہی تھیں اور باقی سارے افراد کمرے میں ہی ان کے گرد بیٹھے تھے۔ اطمینان سے کھانا کھاتے کھاتے جب سہیل انکل کو یہ لگا کہ اب ان کی بیگم کا مزاج کچھ ٹھنڈا ہوا ہو گا تو انہوں نے بات چھیڑ دی۔

''ارے یہ تمہارے ابا اور اماں نے ہی جینا حرام کر رکھا ہے ورنہ میں تو ابھی اسے گردن سے پکڑ کر ننگے پیر ہی باہر سڑک پر کھڑا کر دوں۔ جو اس نے مجھے ستایا اور جلایا ہے، جو آگ میرے دل میں اس نے لگائی ہے وہ تو نہ معلوم ایسا کچھ کر کے بھی ٹھنڈی ہو کہ نہ ہو۔''

''ارے امی اگر آپ اس سے اتنی ہی نفرت کرتی ہیں تو اس کے ہاتھ کا بنا کھانا کیوں کھا رہی ہیں، کھانا تو آصفہ نے ہی بنایا ہے۔'' روحیل کو اپنی برداشت سے بہت بڑھ کر ہر چیز نظر آ رہی تھی۔

''اف کچھ غلط کہتی ہوں میں اس منحوس کی وجہ سے میری اولاد نے مجھ سے نظریں پھیر لی ہیں، کل ایک بیٹے نے بغاوت کر لی آج دوسرا بیٹا مجھ پر طنز کر رہا ہے۔'' انہوں نے کھانے سے ہاتھ روک لیا تھا، کھانا وہ اب تک ٹھیک ٹھاک کھا ہی چکی تھیں۔

''پلیز امی! بار بار یہ لفظ نہ دہرائیں منحوس۔۔۔ آپ کے منہ سے اچھا نہیں لگتا۔''

اب جو عالیہ آنٹی کو طیش آیا تو انہوں نے سلاد کی پلیٹ اٹھا کر سیدھی روحیل کی ٹانگوں میں پھینکی، وہ کراہ کر رہ گیا۔ کانچ کی پلیٹ بہت اچانک اور تیزی میں اس کے دائیں پیر سے ٹکرائی تھی، اس نے جینز کی موٹی پینٹ پہن رکھی تھی سو زخم سے تو بچ گیا ورنہ پلیٹ تو ٹوٹی ہی تھی اس کے کرچی بھی چبھ سکتی تھی۔ لیکن ہڈی پر چوٹ ضرور لگی تھی اسی لیے وہ اب اپنا پیر پکڑے بیٹھا تھا۔

''حد کرتی ہو عالیہ بیگم اپنے بچوں پر غصہ کیوں اتار رہی ہو۔'' سہیل انکل کا لہجہ بھی غیر معمولی تھا یعنی کسی کی بیٹی کے لیے اپنے بیٹے کو کیوں تکلیف دی۔

''تو تم بڑا ترس کھا رہے ہو نا اپنے چچا کی لاڈلی بیٹی پر کہ اسے یہیں رکھ لوں، اپنے سر پر بٹھائے رکھوں چاہے میرے دماغ کی کوئی نس ضرور ایک دن پھٹ جائے اور میں بھلے مر جاؤں۔'' عالیہ آنٹی اپنے غصے کے آگے کسی کو ٹھہرنے دینا ہی نہیں چاہ رہی تھیں۔

''افوہ امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو، کیسی باتیں کر رہی ہیں، چھوڑیں ختم کریں اس قصے کو، واقعی وہ

منحوس ہی ہے کہ جس کی وجہ سے ہمارے ہنستے کھیلتے گھر کا سکون برباد ہو کر رہ گیا ہے۔'' عینی آپا اپنی ماں کو دلاسا دے رہی تھیں۔ اور دلاسا کیا بس آگ کو مزید ہوا دے رہی تھیں۔

''تم مجھے دکھاؤ تو سہی چوٹ زیادہ گہری نہ لگی ہو۔'' دوسری طرف شرجیل اپنے بھائی سے زبردستی کہہ رہا تھا۔

''رہنے دیں بھائی! چوٹ کی گہرائی جانچنے کی صلاحیت خدا نے آپ کو دی ہی نہیں، آپ نے صرف کتابیں پڑھ کر ڈگری لے لی ہے، مسیحائی کے ہنر سے قطعی ناواقف ہیں۔'' روحیل آنکھیں بند کر کے ہر برائی کو برداشت کر لینے کے موڈ میں اس بار نہیں تھا۔۔۔ شرجیل نے زبردستی اس کی پینٹ کو فولڈ کر کے ٹانگ کا معائنہ شروع کر دیا۔

''دیکھو کتنا گہرا نیل پڑ گیا ہے۔''

''امی بے وجہ ہی لحاظ کر گئیں، سیدھا سر پر ہی دے مارنا تھا پلیٹ کو۔'' روحیل نے رکھائی سے کہا۔ شرجیل نے سکینہ کو آواز دے کر اپنا فرسٹ ایڈ باکس منگوایا اور روحیل سوچ رہا تھا کہ آخر اپنی ماں کی غلط باتوں کی مخالفت کرنے سے وہ اب تک کیوں گھبراتا تھا۔ جبکہ مخالفت کا نتیجہ بھگتنے کی ہمت اپنے اندر پیدا کرنے کی اسے زیادہ ضرورت ہے۔

''کیا ہوا؟'' بڑی ہمت کر کے سکینہ کے بجائے فرسٹ ایڈ باکس آصفہ نے لے لیا تھا اور اب عالیہ آنٹی کے کمرے میں ان سب لوگوں کے درمیان کھڑی تھی۔

''ہائیں یہ کیوں آئی ہے میرے کمرے میں، خدا کی مار، کم بخت میں دو ٹکے کی غیرت نہیں ہے کوئی اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہ رہا اور یہ اپنی چڑیل جیسی صورت لیے ہمارے سامنے ہی پھر رہی ہے۔''

وہ فوراً ان کے کمرے سے باہر نکل گئی۔ بس اتنی سی ہی ہمت تھی۔

''بس چھوڑ دیں آپ بھائی! مجھے کسی مرہم یا دوائی کی ضرورت نہیں ہے۔'' کوئی مرہم نکال کر شرجیل اس کی ٹانگ پر لگانا چاہ رہا تھا کہ روحیل نے اپنا پاؤں کھینچ لیا۔ وہ بری طرح غصے سے کھول کر رہ گیا تھا۔

اس گھر میں آصفہ کے ساتھ ہر برا سلوک شرجیل کے سامنے اور یقیناً اس کی رضا سے ہی ہوتا ہے اور وہ کیسا ڈھیٹ بندہ ہے، اس کا جی چاہا بڑے بھائی کو فضول سی گالی دے ڈالے۔

''ارے تم تھوڑی دیر یہاں بستر پر لیٹ جاؤ چوٹ بڑھ گئی تو۔۔۔''

''کیا چوٹ، چوٹ لگا رکھی ہے، بچہ سمجھ رکھا ہے مجھے، کہہ جو دیا مجھے آپ کی دوائی کی ضرورت نہیں۔ جائیں جس کو آپ کی مسیحائی کی ضرورت ہے اس کا حال پوچھیں۔'' اس نے چیخ کر کہا اور شرجیل کوئی بھی جواب دیے بغیر کنارے پر پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیسے نا اہل کو اللہ تعالیٰ نے حور بخش دی ہے، سندر، سمجھ دار اور وفا شعار۔ شرجیل تو کسی نعمت کے قابل نہیں۔'' بہت مایوس ہو کر روحیل نے سوچا اور چپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔

شرجیل نے شاید قسم کھا رکھی تھی اپنی ماں کے کمرے سے نہ نکلنے کی اور اس کی صورت نہ دیکھنے اور اپنی نہ دکھانے کی۔۔۔ دن ڈھل گیا اور اب رات بھی اندھیرا اور سناٹا بڑھاتے بڑھاتے گزر رہی تھی

یہ رات بہت ظالم سہی لیکن اس کے نصیبوں جیسی ظالم نہ تھی۔

صبح فجر کے وقت سے ہی وہ بستر سے نکل گئی۔ فجر پڑھ کر دونوں ہاتھ پھیلائے وہ اس رب کائنات کے آگے جھک گئی۔

''بس اے میرے پیارے رب تُو سب کچھ جانتا ہے۔'' وہ جھکی رہی اپنے خدا سے کہتی رہی ہونٹ ہلائے بغیر، کیسا رابطہ ہے نا بندہ چپ بھی رہے تو مالک دل کی بولی سن لیتا ہے۔

لیکن صبح کے اجلے چہرے اور نکھرے روپ کے ساتھ، بند آنکھوں اور جھکے سر کے ساتھ، مصلّے پر بیٹھی آصفہ نے محسوس کیا کہ اس کے کندھے سہلانے والی ایک مہربان ''صبر کی پری'' ہے اور یہ صبر کی پری جانے کب تک اس کے ساتھ چلے گی۔

وہی اپنے معمول کے مطابق اس نے گھر بھر کے کام نمٹانے شروع کر دیے۔ پہلے ناشتے کی طرف آئی۔

''آپ کیوں خود کو اس گھر میں ضائع کر رہی ہیں۔'' اسے خبر نہ ہوئی کب روحیل کچن میں آیا تھا۔ آٹا چھانتے چھانتے وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''کوئی ہار پھول پہنانے نہیں آئے گا آپ کو، نہ کسی اخبار میں آپ کی تصویر چھپنے والی ہے کہ ایک سگھڑ لڑکی سسرال والوں کی روٹیاں پکاتے پکاتے بوڑھی ہو گئی۔'' روحیل نے اتنی اچانک کہا کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''آپ کو ناشتا دے دوں۔'' اس نے جواب میں کوئی اچھی بری بات کہنے کے بجائے سیدھا سوال کیا۔

''نہیں، ناشتا مجھے خود بہت اچھا بنانا آتا ہے۔ وہاں میس میں ہمارا ہر کام بیٹ مین کرتا ہے اور ہفتے میں ایک دن اس کی چھٹی ہوتی ہے اس دن اپنا ہر کام ہم خود کرتے ہیں، حتیٰ کہ اپنے کمرے اور باتھ روم کی صفائی بھی اور کھانا بنانا بھی۔۔۔ یہ ہماری ٹریننگ (Training) کا حصہ ہے۔''

وہ اس سے ہمدردی میں باتیں کر رہا تھا یا خود اپنی دل لگی کے لیے یا۔۔۔ اس نے سوچنا چھوڑ دیا۔

''آپ مجھ سے اتنی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔'' اس نے کہہ ہی دیا۔

''باتیں انسانوں سے ہی کی جاتی ہیں۔ دیکھیں آپ بھی تنہائی کا شکار ہیں اور میں بھی اکیلا بور ہو رہا ہوں۔ فجر پڑھ کر جاگنگ کرنے کی عادت ہے اور جاگنگ کے بعد لیٹنا حماقت ہے۔''

اس نے پھرتی سے کام کرتی آصفہ کو دیکھا۔ کچھ لوگوں کے وجود سے کیسی روشنی نکلتی ہے، صاف ستھری، پاکیزہ، نور جیسی، آپ انہیں ٹک کر تھوڑی دیر دیکھ نہیں سکتے، بے وجہ پسینے چھوٹ جائیں۔

''گھر کے سب لوگ دو ڈھائی گھنٹے کے بعد ہی اٹھیں گے، آپ ابھی سے کیوں ناشتا تیار کرنے لگی ہیں۔'' وہ خاموش تھی مگر وہ اسی سے باتیں کرنے کے درپے تھا۔

''شرجیل آئیں گے ناشتا کرنے، وہ آٹھ بجے تک چلے جاتے ہیں بلکہ نئی جاب ہے تو زیادہ جلدی مچاتے ہیں۔'' تیزی سے پراٹھے کے لیے آٹے کے پیڑے بناتی اور ساتھ ساتھ چائے کا پانی چڑھاتی، آصفہ کی لگن اور آس پل میں ٹوٹ جانے والی تھی۔

''مگر شرجیل کو گئے ہوئے تو آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا ہے۔'' اس کے ہاتھ رک گئے۔
لمحے بھر کے لیے روحیل کو لگا جیسے ساتھ اس کی دھڑکن بھی رک گئی ہو۔ پراٹھا بنانے کے لیے اٹھایا پیڑا اس نے الجھ کر پھر تسلے میں پھینکا اور کچن میں نیچے فرش پر ہی الماری سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ پھر اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا۔
مایوسیاں، بے چینیاں، تنہائیاں وہ اپنے نصیب کے کس کس بھوت سے لڑے۔
''آصفہ میں تمہیں یہی سمجھا رہا تھا کہ۔۔۔''
''آپ یہیں کھڑے ہیں ابھی تک، گئے نہیں یہاں سے۔'' اپنے نصیب کی تھوڑی تلخی وہ کہیں تو بہائے۔
کچھ دیر بعد وہ خود ہی اٹھ گئی اور کچن میں ہر چیز یوں ہی چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اسے اندازہ تھا کہ روحیل اس کے پیچھے ہی آ رہا تھا۔
اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھ کر وہ کچھ دیر تک عجیب عجیب سی باتیں سوچتی رہی۔ روحیل کا خیال تھا وہ ابھی پھوٹ پھوٹ کر روئے گی۔ رو پڑے گی لیکن وہ کھڑی ہو گئی تھی، پھر اپنی الماری کھول کر چند چیزیں سمیٹتے ہوئے اس نے اپنا ایک بیگ نکالا اور اس میں کپڑے ڈالنے لگی۔
''آپ مجھے میری امی کے گھر تک چھوڑ دیں گے۔'' دروازے میں کھڑے روحیل سے اس نے پوچھا۔ وہ طنز سے ہنسا، اس کی ہنسی عجیب سی تھی۔
''نہیں۔۔۔'' اگلے پل اس نے صاف انکار کر دیا وہ حیران رہ گئی۔
''میں خود ہی چلی جاؤں گی۔'' اس نے نخوت سے کہا۔
آئینے میں ایک نظر اس نے اپنے کپڑوں پر ڈالی، حد سے زیادہ بدحال حلیہ تھا اس کا۔۔۔ لیکن اس حلیے کو بدلنے کی اس نے کوشش نہ کی۔ الماری کے کسی کونے سے ایک چادر نکالی اور اپنے وجود پر پھیلا لی۔
''تم اس وقت ہر کام بالکل ٹھیک اسی طرح کر رہی ہو جس طرح میری امی جان کی پلاننگ ہے اور اگر آج نہیں تو چند دن یا چند مہینے کے بعد ایک نہ ایک دن تنگ آ کر تم اسی طرح یہ گھر چھوڑ کر جانے والی ہو، بہت آسانی سے راستہ صاف کر کے جانے والی ہو اور یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہو گی۔'' کنارے والے صوفے پر روحیل ٹک کر بیٹھ گیا اور نرمی سے اسے سمجھانے لگا۔
وہ بالکل ڈھیلی پڑ گئی، بیگ کو واپس وہیں بستر پر رکھ دیا اور خود بھی بستر پر جیسے گر سی گئی۔
کبھی کبھی ہوا کا ہر جھونکا ہماری مخالف سمت میں چلتا ہے، ہماری ہر تدبیر الٹی پڑ جاتی ہے۔ ہر قدم ٹیڑھا پڑتا ہے جیسے ہر ڈگر ناہموار ہو۔
''امی جان تمہیں اس گھر سے نکالنا چاہتی ہیں لیکن خود ہاتھ پکڑ کر وہ تمہیں گھر سے باہر کبھی کھڑا نہیں کر سکتیں نہ شرجیل بھائی ایسا کر سکتے ہیں۔ بس ان کی ایک بہت بڑی مجبوری تمہاری فیور میں جاتی ہے لیکن انہوں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ وہ خود تمہیں اتنا تنگ کریں گی، یا بھائی کے ہاتھوں اتنا ذلیل کروائیں گی کہ ایک دن تم خود ہی یہ گھر چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔'' وہ دونوں مٹھیاں آپس میں سختی سے جکڑے روحیل کی ہر بات بہت غور سے سن رہی تھی۔

''میں کیا کروں؟'' ایک تو وہ کسی بھی فیصلے کی ہمت نہیں کرتی تھی اور آج ہمت کر ہی ڈالی تو اسے نظر آ رہا تھا کہ وہ فیصلہ قطعی غلط ہے۔

اور ابھی روحیل کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسے جانے کیا خیال آیا وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

''روحیل بھائی! آپ پلیز اس طرح میرے کمرے میں نہ بیٹھیں، کسی نے دیکھا تو سو فسانے بن جائیں گے۔''

''دیکھو میں نے تو اپنی ماں اور اپنے گھر والوں سے ڈرنا چھوڑ دیا ہے، ڈرنا تو غلط کام کرنے والے کو چاہیے یا پھر تمہیں ڈرنا چاہیے کیونکہ تمہاری یہاں کوئی پوزیشن نہیں ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے کمرے کے باہر چھوٹے سے صحن نما برآمدے میں بیٹھ گیا۔

''یہاں بیٹھ جانے میں تو کوئی حرج نہیں، سامنے ہی اوپر کھلا آسمان ہے۔'' وہ کچھ نہ بولی۔

''دیکھو آصفہ! ایک بار جی بھر کر سوچ لو اور فیصلہ کر لو کہ تمہیں اس گھر میں رہنا ہے یا یہاں سے نکلنے کی ترکیب کرنی ہے۔'' اپنے کمرے کے ہی دروازے میں کھڑی آصفہ سے اس نے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔

''رہنا تو مجھے اسی گھر میں ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''لیکن اس طرح رہنا تو اپنے ساتھ ہی بڑی زیادتی ہے۔ انسان کا اپنی جان پر سب سے پہلا حق ہوتا ہے نا۔۔۔'' اس نے بہت سوچ کر بات آگے بڑھائی، وہ سر اٹھا کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

اب یہ اسے خبر نہ ہوئی کہ وہ سچ مچ حیران ہوا تھا یا حیرانی کو پوز کر رہا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا، تم اپنے بارے میں سوچ لیتی ہو آصفہ۔۔۔'' اپنے انداز پر قائم رہتے ہوئے اس نے کہا۔

''آپ سب لوگوں نے مجھے کیا سمجھ لیا ہے۔ کولہو کا بیل یا اللہ تعالیٰ کی گائے۔''

''دوسری والی مثال زیادہ فٹ آتی ہے لیکن پہلی بھی بری نہیں۔'' روحیل ہنسا۔

''ہنس لیں آپ کا بھی قصور نہیں، آپ کو اپنے گھر میں ماحول ہی ایسا ملا ہے۔ یہاں اچھے اخلاق کو بے وقوفی خلوص و محبت کو مجبوری اور مروت کو کمزوری سمجھا جاتا ہے۔ آپ کو ضرور ہنسنا چاہیے لیکن اتنا ضرور جان لیں کہ میں بے وقوف نہیں ہوں، کم ہمت ہوں اس لیے پس ضرور رہی ہوں لیکن ابھی زندہ ہوں مر تو نہیں گئی اور زندہ آدمی سب کچھ کر سکتا ہے۔'' اسے غصہ بھی آیا تھا اور جوش بھی۔

''دیٹ ساؤنڈز لائیک اے گڈ گرل۔۔۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم نے میری بات کا برا مانا۔ اچھا کیا اسی طرح اپنے ساتھ کی جانے والی ہر زیادتی اور ہر غلط بات کا برا ماننا سیکھ لو۔۔ بہت کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''برا ماننے کی پروا کرنے والا یہاں کون ہے۔''

''نہیں، یہیں سے سوچ کر ٹیڑھ شروع ہوتی ہے۔ ارے بھئی! کوئی کرے نہ کرے تم خود تو پروا کیا کرو۔'' ٹھیک رستے پر چلتی اس کی سوچ پھر بھٹکنے لگی تو روحیل نے اسے بری طرح ٹوکا اور جواب میں اس نے سر ہلا دیا۔

''دراصل سچ بات یہ ہے آصفہ!'' روحیل لمحے بھر کے لیے رک گیا اور پلٹ کر اِدھر اُدھر آس پاس دیکھنے لگا۔

''امی جان کو دنیا میں کسی کی پروا نہیں لیکن وہ دادا جان سے ڈرتی ہیں اور اس ڈرنے میں بھی ان کا بہت بڑا مطلب پوشیدہ ہے، وہ کسی معاملے میں ان کو اتنا مشتعل نہیں کر سکتیں کہ غصے میں آ کر دادا جان اپنی جائیداد سے ''سہیل احمد'' کو الگ کر دیں۔'' روحیل نے اپنے باپ کا نام لیا۔

اوہ یہ بات وہ خود اکثر سوچا کرتی تھی لیکن سمجھ نہ پاتی تھی کہ اپنی تمام تر خودسری کے باوجود عالیہ بیگم اپنے ساس سسر کے آگے اتنی بے بس کیوں ہو جاتی ہیں۔

''لیکن وہ آپ کی ماں ہیں، آپ ان کے بارے میں ایسی باتیں نہ کریں۔''

''تمہارے اندر کی ''نیک پروین'' کہیں چُوکتی نہیں ہے۔'' روحیل مسکرایا۔ ''یہ سب باتیں غلط ہیں اس کا احساس مجھے اور تمہیں ہے لیکن میری ماں کو نہیں ہے۔'' پھر وہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''اور اسی احساس کو سمجھنے میں اتنے دن لگ گئے کہ وہ ماں ہیں مگر غلط ہیں اور شرجیل بھی اسی احساس میں مبتلا ہے لیکن اس کے لیے ہر بات سمجھ کر بھی قبول کرنا مشکل ہوگا۔'' وہ کتنی دیر سے مسلسل اس سے باتیں کر رہا تھا اب خاموش ہو گیا اور پھر پلٹ کر لاؤنج کی طرف چلا گیا۔

وہ پھر کچن میں گئی تو وہاں ہر چیز ویسے ہی بکھری پڑی تھی جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی وہ روزانہ صبح ناشتا میں پراٹھے ہی بنایا کرتی تھی جس دن نہ بنانے کا ارادہ کرتی اس دن کہیں نہ کہیں سے آواز آ جاتی ''آج پراٹھے بنانا۔''

پھر سب کے اٹھنے، ناشتے کی میز تک آنے اور ناشتا کر لینے تک خوار ہی رہتی۔ ہر کسی کو گرم گرم تلا تلایا پراٹھا چاہیے ہوتا اور وہ تیار رہتی۔۔۔ پراٹھے پہنچانے کے لیے۔۔۔

آج اس نے کسی کا انتظار نہ کیا۔ روٹیاں پکائیں، ہاٹ پاٹ میں رکھیں، چائے تیار کر کے کیتلی میں ڈال دی۔ اور کچن سے چلی گئی۔ اس نے خود ناشتا بھی کر لیا تھا۔ اسے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا اور روحیل نے بتایا بھی تھا کہ سب دیر سے ہی اٹھیں گے۔ سو اس نے سوچا کہ جب کوئی اس سے بات نہیں کرتا، نظر نہیں ملاتا۔ تو وہ کیوں ان کے آگے پیچھے پھرتی ان کے کام نمٹاتی پھرے۔

اس نے اپنے کمرے کی صفائی کی، شرجیل کے کپڑے استری کیے، صرف آٹھ دن میں شرجیل نے ہر الماری کا ستیاناس کیا ہوا تھا، ایک کپڑا نکالتی تو سارے کپڑے لڑھکتے اس کے اوپر گرتے چلے آتے۔ الماریوں کے کونے سے شرجیل کے گندے رومال اور موزے برآمد ہو رہے تھے۔ نہ کوئی کپڑا ٹھکانے پر تھا نہ کوئی سوٹ ڈھنگ سے رکھا ہوا تھا۔

کالی پینٹ سفید کرتے کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی، نیلی ٹی شرٹ دھاریوں والے نائٹ سوٹ کے ساتھ جڑی پڑی تھی اور نیا اسلک کا کرتا شلوار تولیوں کے ساتھ زبردستی گھسایا گیا الماری کے خانے سے آدھا باہر لٹکتا اپنی ناقدری پر رو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے فریاد کر رہا ہو کہ دیکھو میرے مالک نے ہی مجھے یہ پوزیشن دی ہے۔ بالکل آصفہ کی طرح۔۔۔

وہ اپنے خیالوں میں الجھی اپنے کام میں مگن رہنا چاہتی تھی۔ لیکن اسے لگ رہا تھا کہ بے مروتی اور

لاپروائی برت لینا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔اس کے دل کو کسی کام میں چین ہی نہ پڑ رہا تھا۔ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا تھا شاید اسے اپنے کام میں مصروف ہوئے لیکن باہر سے کسی نے نہ اسے پکارا نہ اسے ڈھونڈا۔ پہلے کم سے کم اپنی غرض کے لیے اسے بلایا تو جاتا تھا، اسے یاد تو کیا جاتا تھا۔

عالیہ آنٹی جانے کیا کرنے والی تھیں، وہ بھی کہاں روحیل کی باتوں میں آ گئی تھی۔ بھلا وہ کہاں مجبور ہو سکتی تھیں، جو چاہیں وہ کر ڈالنے والی ہی تھیں۔

بے سکون سی سوچ کی لہریں اس کے دماغ میں کوند رہی تھیں، کبھی آپ نے خود کو ایسا بے بس محسوس کیا ہے کہ بندہ وہ کچھ سوچے جو اس کا دل سوچنا نہ چاہتا ہو۔

گھبرا کر وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔

''سکینہ! ایک پلاسٹک کی تھیلی لے کر جلدی آؤ۔''

''جی بیگم صاحبہ۔''

''ہاٹ پاٹ میں پڑی ساری روٹیاں اس میں ڈالو اور چوکیدار کو دے دو۔اسے سے کہو چوک پر جا کر کسی غریب کو دے آئے۔'' عالیہ آنٹی اس کے انتظار میں شاید یہ ڈرامہ رچانے کے لیے تیار بیٹھی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی کچن میں آ گئی۔میز پر ناشتے کے برتن ابھی تک بکھرے پڑے تھے۔حلوہ پوری اور پراٹھوں کی باقیات خاص طور پر نظر آ رہی تھیں۔

''شرمین! اس سے کہہ دو خبردار کھانے پینے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے۔نہیں بلکہ ٹھہرو، تمہیں بھی کیا ضرورت ہے اسے منہ لگانے کی۔چھوڑو ہمیں اس سے بات کرنی ہی نہیں، سکینہ کہہ دے گی۔بھئی یہ اگر اس گھر میں بے غیرت بنی پڑی ہی ہے تو یونہی پڑی رہے جیسے یہاں رہتی نہیں۔مجھے اپنی صورت نہ دکھایا کرے۔'' کچن میں اس نے قدم رکھا تھا اور ساری بات خود ہی سن لی تھی۔

وہاں رکنا مشکل، وہاں سے بھاگ کھڑے ہونا مشکل، وہ اپنے نصیب کے ایسے گرداب میں پھنسی تھی کہ نکلتے بن ہی نہیں پڑ رہا تھا۔

اسی وقت گیٹ پر گھنٹی بجی تھی اور تھوڑی دیر میں چوکیدار تیزی سے اندر آیا۔

''صاحب! آپ کے والد صاحب اور چچا آئے ہیں۔'' یک دم اپنے سامنے پھیلایا اخبار سہیل انکل نے لپیٹا۔

''ان کو بٹھاؤ ڈرائنگ روم میں، ساتھ کوئی اور نہیں۔'' وہ کچھ گھبرا سے گئے تھے۔

''جی ایک اور صاحب بھی ہیں، غالباً آصفہ بی بی کے ماموں جان ہیں۔''

''اچھا اچھا تم جاؤ جلدی بٹھاؤ ان کو۔۔۔'' انہوں نے اسے دوڑایا۔

''اب بتاؤ کیا جواب دوں میں ان کو۔یہ جو تم نے سارا سچا جھوٹا قصہ پھیلایا ہے۔اس کا کوئی جواز ہے تمہارے پاس۔'' وہ اپنی بیگم کے پاس آ کر بہت نیچی آواز میں بولے تھے۔

''کون سا قصہ، میں نے تو کسی سے کچھ نہیں کہا۔'' عالیہ بیگم نے ہر بات سے مکرنا چاہا۔

''بس اب اتنی دھاندلی نہیں چلے گی بیگم! تم نے جن خاتون کے پاس جا کر اپنے دل کا زہر اگلا ہے انہیں ہمارے خاندان میں بڑا معتبر مقام حاصل ہے اور خالہ بی کا اتنا بڑا گھر ہے جس کی ہر دیوار کے

سوکان ہیں۔'' سہیل انکل بالکل دھیمی آواز میں اپنی بیگم پر برس رہے تھے۔

ایک سچ یہ بھی تھا کہ اگر وہ اپنی آواز کو اپنی بیگم کے سامنے اتنا نیچا نہ رکھتے ایسے موقعوں پر تو ان کی کبھی جرات نہ ہوسکتی تھی کسی کو اس طرح نیچے دکھانے کی۔۔۔

''ارے تو کیا مسئلہ ہے میں نے کون سی غلط بات پھیلائی ہے، سچ نہیں ہے کیا کہ جس دن ہم پکنک پر گئے تھے شرجیل کا دوست آصفہ کے پاس آیا تھا اور جبکہ ہم نے چوکیدار سے کہا تھا ہر کسی سے کہے گھر میں کوئی نہیں پھر بھی تمہاری چہیتی بہو نے اسے گھر میں بلایا تھا۔'' عالیہ آنٹی نے سارا قصہ صرف خود کو اور سہیل انکل کو پکا کرنے کے لیے دہرایا تھا کہ آنے والے مہمانوں کے سامنے اپنی بات پر ڈٹی رہ سکیں۔

''چلو پھر آؤ تم میرے ساتھ اندر ڈرائنگ روم میں۔'' وہ سچ بولنے میں ناکام تھے اور جھوٹ بولنے میں پریشان۔۔۔

''میں ہی جارہی ہوں اندر اور آپ کو اپنے کمرے میں جا کر سر منہ لپیٹ کر سو جانا چاہیے۔'' عالیہ بیگم نے طنزیہ کہا۔ سہیل انکل خاموشی سے بیگم کے پیچھے چلنے لگے۔

''جم کر بات نہ کی تو میں قیامت برپا کردوں گی۔'' رک کر تقریباً میاں کے کان میں عالیہ بیگم نے یہ بات کہی۔

''ہم آصفہ کو لینے آئے ہیں۔'' سلام دعا کے فوراً بعد تایا جان نے کہا۔ ایک لمحے کے لیے دونوں میاں بیوی چپ سے رہ گئے۔

''خیر سے آصفہ کل ہی تو گھر واپس آئی ہے ابا جان۔'' سہیل انکل بولے۔

''بس غلطی ہوگئی میاں! کہ بھیج دیا ہم نے اپنی فرشتہ صفت بیٹی کو شرجیل کے ساتھ۔ ستم یہ ہوا کہ تمہارے دلوں کا زہر ہمارے کانوں تک ذرا دیر سے پہنچا۔''

تایا جان نے اٹل فیصلہ کرلیا تھا کہ بس بات دوٹوک ہوجائے، ان کی بہو نے تو انہیں ستایا تھا لیکن بیٹے نے تو رلا ڈالا تھا۔ بس وہ تو پچھتاتے رہ گئے تھے کہ رشتہ طے کرتے وقت انہوں نے عالیہ کی کم ظرفی اور کمینی فطرت کو زیادہ اہمیت کیوں نہ دی۔

''میں چائے بنواتی ہوں۔۔۔ آصفہ کے ماموں پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں۔'' عالیہ بیگم نے یک دم لہجہ بدل کر اپنے سسر کے مزاج کو دوسرے رخ لے جانا چاہا۔

''جس گھر میں میری معصوم بھتیجی کو عزت کی روٹی نصیب نہیں یہاں کا پانی بھی ہم پر حرام ہے۔ بس عالیہ تم کسی تردد میں نہ پڑو۔۔۔ آصفہ کو بلا دو۔''

تایا جان اس وقت کسی بھی طرح مصلحت کے موڈ میں نہ تھے۔

''پلیز ابا جان! یہ تو گھر کی باتیں ہیں ہم آرام سے بیٹھ کر آپس میں طے کرلیں گے۔ ابھی مہمانوں کی خاطر مدارات تو کر لینے دیجیے۔'' یہ بھی طے تھا کہ اسی وقت عالیہ بیگم اپنا لہجہ بدلنے والی نہ تھیں۔ زبان میں مٹھاس اور لہجے میں جوش بڑھتا ہی جارہا تھا۔

''نہیں بھابھی! بس آپ آصفہ کو بلا دیں۔ مہربانی ہوگی۔'' اب جلال احمد نے بھی کہا۔

''دیکھیں ابا جان! بات بگاڑنے میں آپ جلدی کر رہے ہیں، ہم اس وقت کچھ نہیں کہہ رہے۔'' بیگم کے اشارے پر اب سہیل انکل نے بات کی۔

''ارے سہیل میاں باپ ہوں تمہارا اور تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ آصفہ کو بلاؤ کیوں بلاوجہ اتنا تردد کر رہے ہو۔ کہیں رسی سے باندھ کر کسی کونے میں تو نہیں ڈال دیا میری بچی کو۔'' تایا جان غصے میں آ گئے۔

''کمال صاحب تحمل سے بات کریں۔ سہیل میاں نے آپ کو منع تو نہیں کیا۔ یہ بھی آصفہ کا اپنا گھر ہے۔ وہ بھی اپنا گھر ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر آصفہ چند دن اپنے ماں باپ کے گھر رہ لے اس کا دل بھی کھل جائے گا اور آپ سب لوگوں کی طبیعت میں ذرا ٹھہراؤ آ جائے گا۔''

ماموں جان نے پہلی بار بات میں حصہ لیا۔ بڑی نرمی سے انہوں نے ہر بات کی۔ لیکن ان کی نرمی بھی عالیہ بیگم کو کاٹ گئی۔ کیسی صفائی سے ان لوگوں کو طبیعت کا طعنہ دے ڈالا تھا۔ (اونہہ آخر ہے تو امہ خالہ کا بیٹا!) عالیہ بیگم نے چڑ کر سوچا۔

''ابا جان! آپ آصفہ کے بارے میں کیسی باتیں سوچنے لگے ہیں۔'' سہیل انکل نے اپنے باپ سے کہا۔

''سوچ نہیں رہا برخوردار اب تو ہمیں آصفہ کے بارے میں ایسے ہی خواب آنے لگے ہیں۔ اور جتنے دن وہ تمہارے گھر میں رہے گی۔ سمجھو ہماری نیندیں حرام ہی رہیں گی۔''

''بس ابا جان آپ اتنا نہ بگڑیں میں ابھی آصفہ کو بلا دیتی ہوں۔ آپ خود ہی اس سے بات کر لیجیے۔''

''نہیں عالیہ تم یہاں بیٹھو، سہیل آواز دے لے گا۔'' اٹھتی ہوئی عالیہ بیگم کو کمال صاحب نے روک دیا۔ وہ کچھ بوکھلائیں تو شوہر کو کوئی اشارہ بھی نہ کر سکیں، ورنہ وہ سوچ رہی تھیں۔

''آصفہ کے کمرے میں جا کر اسے چند ایک کراری، سلگاتی دھمکیاں ضرور دے ڈالیں گی، کم سے کم اتنا ہی جتا دیں گی کہ اب گئی تو واپس نہ آ سکو گی۔'' لیکن تایا جان شاید ان کی شیطانی سوچ کو بھانپ گئے۔

''سہیل میاں گھر میں کوئی نوکر نہیں ہے کیا، اسی کو آواز دے لو، تمہیں بھی باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔'' ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے سہیل انکل کو رکنا پڑا۔

''سکینہ! سنو ذرا آصفہ بیٹی کو ادھر بھیجنا۔'' سکینہ سامنے ہی کھڑی تھی۔

''السلام علیکم دادا جان۔'' روحیل آیا پھر شرمین بھی آئی۔۔۔۔ ڈرائنگ روم میں اپنے دادا کو، مہمانوں کو سلام کرنے۔

''تم کب آئے کراچی؟'' کمال صاحب نے اپنے پوتے سے پوچھا۔

''جی پرسوں رات ہی آیا ہوں دادا جان۔''

''اب آتے ہو تو اپنے دادا اور دادی کو مطلع بھی نہیں کرتے۔'' انہوں نے ٹوکا۔

''بس سوچ ہی رہا تھا دادا جان! آج ضرور آؤں گا۔ دادی جان کیسی ہیں۔''

''آؤ گے تو خود ہی خیریت پوچھ لینا۔''

''جی بہتر!'' سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے عجیب وحشت سی ہوئی۔ کس طرح گھر کا معاملہ چلا رہی ہیں امی جان! انسان کو اچھے اچھے لوگوں کے سامنے شرمندہ رہنا پڑتا ہے، جلال انکل اور آصفہ کے ماموں جان کا مزاج کتنا اکھڑا ہوا تھا۔ جیسے ان لوگوں کے لیے وہاں کچھ دیر بیٹھے رہنا بھی وبال ہو۔

''شرمین دیکھنا بیٹا! آصفہ آئی نہیں۔'' عالیہ آنٹی نے بے صبری سے پھر بیٹی سے کہا۔

''میں خود دیکھتا ہوں۔'' تایا جان اپنی نشست سے کھڑے ہو گئے۔

''ارے دروازے میں کیوں کھڑی ہو۔ اندر آ کر بیٹھو۔'' آصفہ تو بلانے پر فوراً ہی وہاں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ لیکن دروازے کی اوٹ میں سانسیں بحال کرنے رک گئی تھی اور اس کی گھبراتی گڑبڑاتی طبیعت اتنی جلدی بحال تو ہوا نہیں کرتی تھی۔

''اسے کیوں بلایا گیا ہے اور یہ سب لوگ اس طرح کیوں آئے ہیں۔'' اتنے تھوڑے وقت میں وہ جتنی بار اس بات کو سوچ سکتی تھی سوچتی رہی۔

''السلام علیکم۔'' اپنے باپ اور ماموں کا تو چہرہ بھی دیکھنے کا اس کا حوصلہ نہ پڑا۔۔۔ بس ان کی نظروں کی تپش ہی بتا رہی تھی کہ کوئی اچھی آس لے کر وہ اس کے گھر نہیں آئے۔ روحیل نے اٹھ کر شرمین کے برابر میں اسے بیٹھنے کے لیے جگہ دی اور اس کے بیٹھتے ہی شرمین اتنی تیزی میں اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھی کہ ہر کسی نے اس کی پھرتی کو محسوس کیا۔

''بیٹھو شرمین! کیوں کھڑی ہو گئیں۔'' عالیہ بیگم کو اسے ٹوکنا پڑا۔

''بس امی میں باہر بیٹھتی ہوں۔'' شرمین نے اپنی عادت کے مطابق اپنے بگڑے گستاخ لہجے میں جواب دیا اور باہر چلی گئی۔

اب ڈرائنگ روم میں مکمل خاموشی تھی اور آصفہ کو یہ خاموشی کاٹ کاٹ کر ختم کر رہی تھی۔ اس گھر میں ایسی کتنی خاموشیوں سے وہ لڑ لڑ کر بے حال ہوئی تھی۔

''ہش! اپنے دکھوں کو ایسے وقت میں نہ یاد کرو کہیں آنکھوں کا پانی اور چہرے کی تاریکی اپنا بھرم نہ کھول دیں۔'' اس نے خود کو کوس کر سوچا۔۔۔ لیکن بھلا بھرم اور سکھ اس کے حصے میں آئے ہی کہاں ہیں سکھ ہوتے تو وہ انہیں ہی یاد کرتی۔۔۔

''آصفہ بیٹا! گھر چلو ہم تمہیں لینے آئے ہیں، چند دن میکے میں آرام کر لو یہ تمہارے والدین کی خواہش ہے۔'' تایا جان نے سیدھی بات کی۔ ان کے بیٹے اور بہو کی سانسیں بہت بری طرح بے ترتیب تھیں، یہ ان کو خبر تھی۔۔۔ ''لیکن تایا جان میں یہاں آرام سے ہی ہوں۔'' آصفہ کے جواب پر تایا جان نے سیدھا عالیہ بیگم اور سہیل میاں کو گھورا۔ (یہ اس حال کو بھی آرام کہہ رہی ہے۔)

''لیکن بیٹا! ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ چلو۔'' ابو جی کی آنکھوں میں روشنی کی ہر لکیر ماند تھی۔ وہ کچھ دیر کے لیے ان کے آگے بول نہ سکی لیکن پھر اپنی ہمت کو باندھا۔

''یوں بھی ابو جی! اس وقت شرجیل گھر پر نہیں ہیں، میں ان سے پوچھے بغیر آپ کے ساتھ کیسے جا سکتی ہوں۔'' بس ابھی ابھی آصفہ نے ایک فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ نہیں جائے گی۔

''شرجیل سے تم ابھی پوچھ لو۔'' تایا جان نے فوراً اپنا موبائل نکال کر شرجیل کا نمبر ملایا اور ہیلو کی آواز پر فون آصفہ کی طرف بڑھایا۔ وہ دل ہی دل میں ہنسی، شرجیل نے تو اس سے بات کرنا ترک کر رکھی ہے۔

''تایا جان میں کیا کہوں؟ فون پر کیا کہہ سکتی ہوں۔'' اس نے موبائل ہاتھ میں نہ لیا۔

''بیٹا! اپنی بات کہنے کے لیے جھجکنا کیسا، جہاں موقع ملے وہیں بات کر لینی چاہیے۔''

موبائل ہاتھ میں لے کر اس نے ''آف'' کا بٹن دبا دیا۔

''اپنی بات کہوں گی تو آپ بہت ناراض ہو جائیں گے تایا جان۔'' حیران و پریشان عالیہ آنٹی کا چہرہ وہ دیکھ رہی تھی اپنا دھیان اس لیے یہاں لگایا کہ اپنے باپ اور ماموں کی صورت دیکھتی تو شاید بات پر ڈٹی نہ رہ سکتی۔

''اپنی بات اگر جائز لگے تو کسی کی ناراضی کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔'' تایا جان اٹھ کر اس کے پاس آ گئے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''پلیز تایا جان! میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی، میں اس طرح یہ گھر چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔'' عالیہ آنٹی کے چہرے کی رونق بہت بڑھ گئی اور سہیل انکل کے ماتھے کی لکیریں بھی مٹ گئی تھیں۔

''ارے اس طرح نہیں تو کیا جب دھکے دے کر نکالی جاؤ گی پھر آؤ گی۔'' جلال احمد کا کئی دنوں کا دکھ اور غصہ اس ایک جملے میں سمٹ کر نکلا۔

وہ ان کی مایوس صورت اور سرخ آنکھوں کا صدمہ بھی سہہ گئی۔ لیکن کیا وہ اپنی جنگ اتنی آسانی سے ہار جائے؟

''خدا نہ کرے جلال بھائی! آپ مزاج کو ٹھنڈا رکھیے، آصفہ اپنے حالات اور اپنی قوت برداشت کو ہم سے زیادہ جانتی ہے۔ اور بہر حال اس کا فیصلہ ہمیں ماننا پڑے گا۔'' ماموں جان کا لہجہ بھی دب گیا تھا مگر وہ اتنی آسانی سے خود کو ظاہر نہ کرتے تھے، لیکن ابو جی بری طرح ناراض ہو گئے تھے یوں ماننے والے نہ تھے، اس کا فیصلہ تایا جان کو بھی برا لگا تھا اور خوش ماموں جان بھی نہ ہوئے تھے۔

بس ان لوگوں کی ٹھیک ٹھاک توہین ہو گئی تھی لیکن بیٹیوں کے والدین اور رشتہ دار ایسی بڑی اور بری باتوں کو سہہ ہی لیا کرتے ہیں۔ ہاں مگر ضبط سے سرخ ہوتا ہوا اپنے پیارے باپ کا چہرہ آصفہ مزید دیکھ نہ سکی۔ اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

''سوری آئی ایم ویری سوری ابو جی! آپ نہ چاہیں گے مگر آپ کو مجھے معاف کرنا پڑے گا۔'' وہ اپنے کمرے میں جا کر دروازہ سختی سے بند کر کے اپنے بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فریش کریم کو مشین میں بیٹ کرتے ہوئے وہ مسلسل کسی سوچ میں الجھی ہوئی تھی۔ ثنا آپا اپنے میاں کے ساتھ آج رات کو کھانے پر آ رہی تھیں اور آپا نے صبح ہی فون پر اس سے فرمائش کر ڈالی تھی کہ وہ آئس کریم بنائے۔۔۔ ''بس ایک بار بنا کر کیا کھلا دی آپا پیچھے ہی پڑ گئیں۔'' وہ کڑھ کر کتنی بار سوچ چکی تھی۔

دراصل آج اس کا موڈ اچھا نہیں تھا اسی لیے کوئی بھی کام کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مزاج تو اس کا اسی دن سے بگڑ گیا تھا جب سے اس کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی۔ پھر اگلے دن اس نے آصفہ کے بارے میں کہی گئی الٹی سیدھی باتیں سنی تھیں، وہ اور بد دل سی ہوگئی تھی۔

گھر میں سب ہی الجھے ہوئے سے تھے، ثنا آپا کے میاں کو دعوت دی جا چکی تھی اس لیے تیاری لازمی تھی ورنہ حقیقت یہ تھی کہ آج گھر میں دعوت کا اہتمام کرنے کا جی امی جان کا بھی نہ چاہ رہا تھا۔ اسی لیے وہ آج ٹھیک طرح سے کچن کی سرگرمیوں میں حصہ بھی نہ لے رہی تھیں، ان کا جی ادھر ہی لگا ہوا تھا اپنی بہن اور اس کی بیٹی کی طرف۔

آج صبح بھائی جان وغیرہ آصفہ کے گھر اسے لینے کے لیے جانے والے تھے۔ بس ان کی توجہ فون کی گھنٹی کی طرف تھی یا گیٹ پر انصار کے آنے کی توقع میں خیال اٹکا ہوا تھا۔

''یہ بڑی بہنیں بھی ذرا سا اپنے میاں پر امپریشن ڈالنے کے لیے چھوٹی بہنوں کو خوار کرتی رہتی ہیں۔'' تہنیت کچن میں اس کا ہاتھ بٹانے کے لیے آئی تو طلعت بڑبڑا رہی تھی۔

اس نے سموسے بنا لینے کا مشورہ دیا تو امی جان نے ٹوک دیا کہ نہیں ثنا برا مانے گی کہ کوئی ڈھنگ کی نمکین چیز نہ بنائی کون سا اس کا میاں روز روز کھانے پر آتا ہے۔

''اب چائنیز رول بنائے جا رہے ہیں، ساتھ اسٹیم چکن بھی بنا ڈالیں گے، امی بھی بس حد ہی کرتی ہیں، ارے گھر کا سارا راشن ان ہی کو کھلا ڈالیں گی کیا۔''

''حد ہوگئی طلعت! تم اتنا جلی بھنی ہوئی ہو اس وقت کو سوچو جب تم اپنے میاں کے ساتھ اپنے میکے دعوت کھانے آؤ گی اور میں ایسے کرارے خیالات کے بگھار کے ساتھ تم لوگوں کے لیے کھانا پکاؤں گی۔''

''ارے رہنے دو میں اس طرح سر پر پڑ کر دعوت کھانے آؤں گی ہی نہیں۔''

''توبہ کرو طلعت! ثنا آپا نے کبھی زبردستی کچھ نہیں مانگا، وہ تو ہماری سوئٹ سی آپی ہیں، ہم آج ایک بار ان کو اچھا کھانا پکا کر کھلائیں گے اگلا پورا مہینہ اس خوشی کے احساس میں وہ ہمارا ہر بات میں خیال رکھیں گی۔۔۔ شادی کر کے اپنے گھر چلی گئی ہیں اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ ان کے میکے پر سے سارے حقوق ہی ختم ہوگئے ہیں۔'' تہنیت نے اس کو فوراً اتنی باتیں سنا ڈالیں۔

''ہاں ثنا آپی تو بہت اچھی ہیں میرا ہی دماغ خراب ہے، میں ہی بُری ہوں۔'' چائنیز رول کے لیے سبزیاں کاٹتے ہوئے اس نے چھری ایک طرف پھینکی اور خود ایک اسٹول کھینچ کر کنارے ہو کر بیٹھ گئی۔ بس اس کے رونے کی کسر رہ گئی تھی۔

''کیا مشکل ہے تمہارے ساتھ۔'' اور تہنیت کا یہ جملہ بولنے کی دیر تھی وہ سچ مچ رو پڑی۔

''طلعت ارے کیا ہوا؟ کیوں اس طرح رو رہی ہو۔'' تہنیت نے بہن کے کندھوں کو سہلانا شروع کر دیا۔

''پلیز تہنیت! امی سے کہو، مجھے شادی نہیں کرنی، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' اس کی سچ مچ ہچکی بندھ گئی تھی۔

''ارے پاگل ہوئی ہو کیا؟ شادی نہ ہوئی کوئی آسیب ہو گیا، دنیا بھر کی لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں، نہ کوئی یوں روتی ہے نہ ڈرتی ہے۔''

''تم نہیں سمجھو گی، تم کبھی نہیں سمجھو گی تہنیت! مجھے تو جواد امیر کا خیال بھی خوف میں مبتلا کر دیتا ہے اور سسرال کا خیال تو نیند میں چونکا دیتا ہے اپنی آصفہ کی صورت صبح شام آنکھوں کے سامنے گھومتی ہے۔'' وہ دل کھول کر اپنے خیالات چھوٹی بہن سے شیئر کرنے لگی۔

''اف طلعت! تم تو بالکل ہی بے وقوف نکلیں۔ بھلا ایک مثال پر دنیا ختم ہو جاتی ہے اور اتنی لڑکیاں ہیں سب خدا کے فضل سے اپنے گھر میں خوش اور سیٹ ہیں، تھوڑی بہت مشکلیں تو ہر کسی کے حصے میں آتی ہیں، اپنی ثنا آپی ہیں۔ مہر النساء بھابھی کو دیکھو اور دور کیوں جائیں، ابھی سنبل ہی پر نظر کرو، کتنی خوش ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ اسے سمجھا رہی تھی۔

''جب میرا دماغ گھومتا ہے تو میں بھی یہی سب کچھ سوچتی ان ہی سب کی طرف خیال لے جاتی ہوں لیکن دل ہے کہ مبتلائے وہم ہی رہتا ہے۔''

''دیکھنا، جب تم جواد امیر کے گھر جاؤ گی نا تو تمہارے دل سے ہر وہم جھڑ جائے گا۔'' اس نے کسی آس کو پاس لا کر اچھے خیالات کی طرف دماغ کو لانا شروع کر دیا۔

''آصفہ نہیں آئی!'' یہ بات ہر کسی کے لیے گہرا صدمہ ثابت ہوئی۔

''اس کے باپ کی توہین ہوئی یا ماموں کی بے عزتی یا تایا کی بات گئی، اس نے پروا نہ کرتے ہوئے خود ہی ساتھ آنے سے منع کر دیا۔'' نانی جان اس بات کو سن کر دہراتے ہوئے بڑھا گئیں۔

''چلو آصفہ کے لیے ہم سے اچھے اس کے ظالم سسرال والے ہی بھلے ٹھہرے۔'' جواد ماموں بھی تپے ہوئے تھے۔

''یہاں اس کے دکھوں پر ہم اپنی نیند چین کھوئے بیٹھے ہیں اور اس نے ہمیں کچھ ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ عجیب لڑکی ہے، میاں کے آگے دو باتیں کہنے کی جرأت نہیں ہے اور میکے والوں کو کیسے دھڑلے سے ساس سسر کے سامنے بے زبان کر کے رکھ دیا۔ اب کیا خاک اس کی وکالت کریں یا اس کے لیے دل جلائیں۔''

وقار تو اتنا کڑھا ہوا تھا کہ اس نے اپنے باپ سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ میں آپ کے ساتھ نہیں گیا تھا اور نہ ہاتھ کھینچ کر اسے ساتھ گھسیٹ کر لے آتا۔

''برا کیا آصفہ نے، اب غالیہ کو اور شیر ہونے کا موقع ملے گا، اس نے دیکھ لیا نا کہ آصفہ اپنے میکے سے کسی آئے گئے کی پروا کرنے والی نہیں ہے۔'' صفیہ خالہ بھی افسوس کر رہی تھیں۔

''آپ سب لوگوں کا غصہ ایک طرف، لیکن یہ آصفہ کے ضبط کی انتہا ہی ہے کہ ان حالات کے باوجود وہ اب بھی اپنا گھر بچانے کے لیے جنگ لڑ رہی ہے کوئی اور لڑکی اس کی جگہ ہوتی تو چار دن بھی اس گھر میں نہ بیٹھتی۔'' آمنہ خالہ نے ہر کسی کے خلاف توقع اپنے خیال کو ظاہر کیا۔

''بالکل ٹھیک بات ہے ہم سمجھتے ہیں کہ آصفہ کم ہمت یا بے وقوف ہے تو یہ قطعی غلط ہے میں تو

سمجھتا ہوں کہ امینہ نے اس بچی کو اتنا صبر اور حوصلہ کہاں سے گھونٹ کر پلایا ہے، تھوڑا ہمیں بھی مل جائے تو ہم اپنی ہر بچی کو گھول کر پلا دیں کہ بس آج کل کے لڑکے لڑکیوں میں ایک اسی چیز یعنی برداشت کی ہی کمی ہے۔ دیکھو بھلا اس کی ہمت کہ نہ شوہر اس کے ساتھ ہے نہ ساس گھر میں رکھنے کو تیار ہے مگر پھر بھی پر امید ہے کہ وہ ضرور اس گھر میں اپنے لیے جگہ بنا لے گی۔ یہ سچ ہے کہ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ اس کے منع کرنے سے عالیہ اور سہیل کے سامنے ہماری توہین ہوئی ہے لیکن یہ اس بے عزتی سے کئی گنا کم ہے کہ جو تب ہوتی کہ آصفہ کے پیچھے سے شرجیل کاغذ کا ٹکڑا اس کے نام بھیج دیتا۔

مجھے خیال آ رہا ہے کہ شرجیل اتنا ہی مشتعل ہوگا اور عالیہ کے تیور بھی ایسے ہی تھے کہ ادھر آصفہ گھر چھوڑے اور ادھر شرجیل اسے چھوڑ دے۔'' ماموں جان نے تفصیل سے بات کی تو سب خاموشی سے سوچ میں پڑ گئے۔

''گستاخی معاف تایا ابو! لیکن شرجیل کو اگر آصفہ کے ساتھ نہیں رہنا تو وہ اسے ہر حال میں چھوڑے گا۔'' انصار اس وقت بولا جب سب چپ تھے۔

''دیکھو خدا وہ وقت نہ لائے لیکن اگر آصفہ اس گھر سے نکالی جائے گی تو سراسر بے قصور ٹھہرائی جائے گی اور ایسے حالات میں کمال صاحب بھی اپنے بیٹے اور بہو سے پورا حساب لیں گے لیکن ہم اسے لے آئے یا وہ خود چلی آئی تو ضرور حالات ہمارے اور آصفہ کے حق میں نہ رہیں گے۔'' بات اور بحث بڑھی پھر سمٹ بھی گئی لیکن جلال احمد کی راتوں کی نیند اور امینہ بیگم کے دنوں کا قرار لٹ گیا۔

آدھی رات کو جب اس کے کمرے کا دروازہ بجا تو کچی نیند سے چونک کر وہ جاگ گئی۔ آج بھی سارا دن شرجیل نے اپنی صورت اسے نہیں دکھائی تھی۔ رات دیر تک کمرے میں بھی وہ ہر آہٹ پر چونکتی رہی تھی۔ صبح ابو جی وغیرہ کے چلے جانے کے بعد سارا دن کسی نے اس سے کوئی بات نہ کی۔ وہی چوہے بلی والا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔

وہ جہاں نکلتی گھر کا کوئی فرد وہاں نہ ٹکتا، کھانے ناشتے پر اسے یاد کرنے کی زحمت تو سب نے ختم کر ہی ڈالی تھی، کس کام، کسی ضرورت پر بھی اسے پکارنے کے لیے نااہل قرار دے دیا تھا۔

وہ بھوک لگتی تو بے دلی سے کچن میں بیٹھ کر کھانا کھا لیتی اور پیاس لگتی تو پانی پی لیتی۔ اس نے بھی اپنی ضرورت سے مطلب رکھنا شروع کر دیا تھا۔ مگر اس بے کاری میں اس کا دن نہ کٹتا تھا اور رات تو کسی ظالم بھوت کی طرح اس سے ہر لمحہ حساب لیتی۔ دروازہ دو تین بار بجا تو وہ ایک جست لگا کر اٹھی اور لاک کھولا۔ سامنے شرجیل کھڑا تھا۔

کمرے میں آتے ہی اس نے جلدی سے دروازہ بند کر کے لاک دبا دیا۔

''اف سرتاج، مرشد سائیں، دل پر راج کرنے والے، دلوں کو مٹھی میں بند کر لینے والے ہمارے دلدار آئے ہیں، ظالم دنیا دن میں ملنے نہیں دیتی سو رات کے اندھیرے میں چھپ کر سیاہ بادلوں کی چادر اوڑھ کر ہم کم نصیبوں سے ملنے آئے ہیں، کوئی چاند سے کہے کہ گنگنائے لیکن بہت دھیمے سُروں میں، ستاروں سے کہے کہ رقص کریں لیکن یوں کہ دنیا نہ دیکھے۔

اس نے مجھے پایا بھی نہیں اور میری تلاش میں بھی نہیں رہتا
اور وہی میرا دعوے دار ہے میرا سلسلہ بھی عجیب ہے
جو میرا مسیحا ٹھہرا ہے وہ میرے درد سے آشنا نہیں
اس کے سوا میرا کوئی محرم نہیں میرا سلسلہ بھی عجیب ہے

وہ لمحے بھر میں کیا کچھ سوچے گئی لیکن بول کچھ نہ سکی۔

شرجیل بھی خاموشی سے اپنے بستر پر دراز ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ اتنا تھکا ہوا اور آنکھیں اتنی سرخ مایوس اور ویران تھیں کہ وہ اپنے دکھ اپنی تنہائی کے غضب ناک عذاب کو بھولنے لگی۔ لیکن اسے کچھ بھی بھولنا نہیں چاہیے تھا یہ سوچ کر کہ شاید شرجیل روز روز اس سے یوں ملنے نہ آئے۔

''آپ کیسے ہیں، یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' خاموشی سے گزرتے لمحوں میں وہ کوئی ڈھنگ کا جملہ نہ سوچ سکی۔

''شش! پلیز کچھ نہ کہو، کوئی بات نہ کرو میں اتنا زیادہ بکھرا اور پریشان ہوں کہ تم اگر چند گھنٹے مجھے اپنے پہلو میں چپ چاپ پڑا رہنے دو تو میں تمہارا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔''

وہ اس کے ساتھ جذباتی بلیک میلنگ کرتا تھا یا پھر اپنی مجبوریوں کا آئینہ سامنے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔۔۔ آصفہ جلال احمد کو ٹھکرا کر آصفہ شرجیل احمد بن جانے والی اس لڑکی کو خاموش کرا دینا تو بہت آسان تھا۔ سو اپنے مقصد کے لیے اس نے چپ چاپ اس کے ساتھ رات گزاری اور سورج نے ابھی اپنی کرنیں صرف جگائی تھیں، پھیلائی بھی نہ تھیں کہ وہ اس کے پہلو سے سرک گیا۔

''اوہ گاڈ آصفہ You should shoot yourself (تمہیں اپنے آپ کو گولی مار دینی چاہیے)۔

''دیکھو یہ منحوس، کچن میں کیا کر رہی ہے۔'' وہ بھوک سے بے زار ہو کر اپنے لیے ناشتا لینے کچن کی طرف گئی تھی اور آج ماجرا یہ ہوا تھا کہ کچن پورا صاف ستھرا تھا۔ ناشتے کے نام پر کوئی بھی چیز بچی ہوئی نہ تھی۔ نہ روٹی نہ ڈبل روٹی، نہ دودھ نہ چائے۔ فریج کی طرف گئی تو حیران ہوئی کہ کھلتا کیوں نہیں پھر سمجھی کہ لاک کیا ہوا ہے۔ بسکٹ پاپے وغیرہ کی الماری خالی پڑی تھی کہ اور شہد اور جام کی بوتلیں تک غائب تھیں۔ آج ویسے ہی اس نے خود کو بہت مشکل سے ناشتے کے لیے راضی کیا تھا اس وقت جب واقعی چکر آنے لگے تھے اور بری طرح نقاہت محسوس ہونے لگی تھی۔

''آپ نفرت میں کس حد تک گر سکتی ہیں عالیہ آنٹی۔۔۔!'' وہ سوچ کر خود ہی ہنسی۔ مایوس ہو کر پلٹتے ہوئے اسے یہ خیال آیا کہ جب وہ گھر بھر کے لیے ناشتا تیار کر سکتی ہے تو خود اپنے لیے کیوں نہیں۔

سو اس نے ایک برتن میں تھوڑا سا آٹا لیا اور آٹا گوندھتے ہوئے اسے یہ خیال آیا کہ کل یہ آٹا بھی اپنی جگہ سے غائب ہو سکتا ہے۔

چائے بناتے ہوئے بھی اس نے یہی سوچا اور گرم گرم روٹی کی خوشبو پر ہی چونک کر شاید عالیہ آنٹی نے بہت برے لہجے میں آواز لگائی تھی۔

''حد ہے کیسی چکنی چمڑی ہے، کم بخت کو غیرت ہی نہیں آتی۔'' اس نے سوچا کان بند کر لے اور چپ چاپ سر جھکا کر روٹی کھاتی رہے کہ اسی روٹی کے لیے بڑے بڑے لوگ بڑی بڑی ذلت اٹھا لیتے ہیں کہ یہ روٹی ہی ہے کہ مل جائے تو نصیب۔۔۔اور نہ ملے تو انسان کو پاگل کر دیتی ہے۔

''دیکھ سکینہ! اس نے جس چیز کو ہاتھ لگایا ہے وہی چیز اٹھا کر باہر سڑک پر پھینک دے۔۔۔اوہ میرا بس چلے تو میں اپنی زمین پر اسے پاؤں نہ دھرنے دوں لیکن اے میرے مولا تو میری بے بسی دیکھ رہا ہے نا۔۔۔'' اب وہ باقاعدہ چلّانے لگی تھیں

آصفہ نے بھی ڈھٹائی سے جلدی جلدی ناشتا پورا کیا اور تقریباً دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی۔ دوپہر کے لیے اس نے ایک روٹی بچالی تھی جو کمرے میں ہی اس نے چپکے سے کھالی لیکن شام تک اس کا حال برا ہونے لگا۔ اس کو عجیب سا احساس ہوا، آخر اتنی بے صبری بھوک کیوں سوار ہونے لگی ہے اس پر۔۔۔! ورنہ وہ اور۔۔۔ایک پورا دن بھی بھوک سے نہ نمٹ سکے۔ اپنے کمرے سے لان اور لان سے لاؤنج کے کنارے تک کے اس نے کتنے چکر کاٹ لیے تھے۔ رات کا کھانا لگنے والا تھا اور اسے بھوک کا احساس شدید تر ہونے لگا۔

اچھے دنوں میں کبھی اس نے سوچا ہوگا کہ لوگ ایسے برے کام کیوں کرتے ہیں۔ کہیں آتے جاتے راستے سے ٹکراتے صدا لگاتے فقیروں کو دیکھ کر کبھی اس نے بھی جھنجھلا کر گاڑی کے شیشے چڑھائے تھے اس خیال کے ساتھ کہ آخر یہ مانگنے والے ختم کیوں نہیں ہو جاتے، بھلا مانگ کر کھانا بھی کوئی زندگی ہے۔ اور لان کے سرے تک جا کر پلٹتے ہوئے اس نے دیکھا تھا ڈائننگ ٹیبل پر سب کھانے کے لیے بیٹھ چکے تھے۔

مگر ابھی دو تین کرسیاں خالی پڑی تھیں اور اس نے بس کچھ نہ سوچا اور سر جھکا کر بیٹھ گئی، جس کے ہاتھ میں سالن کا ڈونگا تھا اس کے ہاتھ میں ہی رہ گیا، جو روٹی توڑ رہا تھا، روٹی توڑتا رہ گیا اور جس نے نوالہ منہ میں ڈال لیا تھا وہ چبانا بھول گیا۔

اسے لگا جیسے اس کے ساتھ اسی بھکارن جیسا سلوک ہونے والا ہے جسے دیکھ کر لوگ نخوت سے اپنی گاڑیوں کے شیشے چڑھا لیتے ہیں۔ لیکن اس نے میز سے آگے کسی شے کی طرف نظر نہیں کی۔ کسی فرد کی طرف نگاہ نہیں اٹھائی اس کی کرسی کے آگے کوئی خالی پلیٹ نہ تھی۔ اس نے تھوڑی دور رکھی روٹیوں کی پلیٹ اپنی طرف کھینچی، سالن کا ڈونگا پاس کیا۔ اس کے ڈھکن پر اضافی روٹیاں رکھیں اور پلیٹ میں سالن نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ کچھ بھی دیکھے سوچے بغیر۔۔۔اور کچھ کھانا پیٹ میں گیا تو اسے خیال آیا کہ اس نے اپنے آپ کو اس انتہائی سطح پر کیوں پہنچا دیا ہے۔ یہاں کھانا، یہاں رہنا اور یہاں سونا اس کا حق ہی تھا وہ کیوں خود کو اپنے حقوق سے محروم سمجھ رہی ہے۔۔۔کھاتے ہوئے اور سوچتے ہوئے اس کا پیٹ بھر گیا، سالن روٹی سے آگے اس نے ہاتھ نہ بڑھایا، نظر جو نہ بڑھائی تھی اور یوں بھی اسے تو پیٹ ہی بھرنا تھا۔

کرس کھسکا کر اٹھتے ہوئے بس اس کی آنکھ بھی اٹھ ہی گئی۔

اُف! ساری ڈائننگ ٹیبل خالی ہو چکی تھی۔ سب لوگ کب اٹھ کر گئے اس نے دھیان ہی نہ دیا۔۔۔اس لیے کہ اسے دھیان لگانا ہی نہ تھا۔

اس نے سوچا کہ اسے یونہی رہنا پڑے گا یا اس سے بڑھ کر برے حالات میں رہنا پڑے۔ اگر یہیں رہنا ہے تو واقعی اپنے دھیان کو ہر طرف سے ہٹا دینا چاہیے۔

''آخر یہ تم کیا ڈرامہ کھیل رہے ہو شرجیل بھائی۔'' آج روحیل نے صبح ہسپتال جاتے ہوئے شرجیل کو پکڑ لیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ وہ غصے یا جذبات میں بڑے بھائی سے اسی لہجے میں بات کیا کرتا تھا۔

''مجھے صدر میں سائبر کیفے (Cyber Cafe) تک ڈراپ کر دیں۔'' شرجیل نے گاڑی گیٹ سے نکالتے ہوئے روحیل کو دیکھا اور پھر اس کی اگلی بات سن کر دوبارہ اسے پلٹ کر دیکھنے لگا۔ یہ اس کا انتہائی غصے یا بے رخی کا لہجہ تھا۔ وہ خود اپنی بے زاری اور بے قراری کو۔ لے کر کہاں جائے۔

''شرجیل بھائی! میں آپ سے بات کر رہا ہوں بلکہ یہ بات کرنے کے لیے ہی میں آپ کے ساتھ آیا ہوں ورنہ میں صدر گھنٹے دو گھنٹے کے بعد بھی جا سکتا تھا۔''

''پلیز روحیل! یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔'' شرجیل اس بارے میں کچھ کہنا ہی نہ چاہ رہا تھا۔

''گاڑی روکیے! پلیز گاڑی روکیے۔'' اس نے شاہراہ فیصل کی لمبی سڑک پر زبردستی گاڑی رکوائی اور سڑک کے کنارے شرجیل کے گاڑی روکتے ہی وہ نیچے اتر گیا۔

''ارے اس طرح کہاں جا رہے ہو۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''پلیز بھائی! یہ آپ کا معاملہ نہیں ہے۔'' اس نے بڑی جلدی میں ادھار چکا دیا۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سیدھا فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ شرجیل نے سوچا اسے یونہی جانے دے اگر اس کے پیچھے جا کر اس نے دوبارہ اسے گاڑی میں بٹھایا تو ضرور بحث ہوگی، وہ پھر اپنی بات کا جواب طلب کرے گا وہی بات جس کا جواب وہ خود کو نہ دے پایا تھا۔

لیکن وہ بھلا چھوٹے بھائی کو یوں ناراض اکیلا سڑک پر کیسے جانے دے سکتا تھا۔ وہ تو مسافر آدمی تھا۔ چند دن چھٹیاں گزار کر پھر اپنے سفر پر نکل جانے والا تھا۔ شرجیل نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پیدل چلتے ہوئے بھائی کے پیچھے گیا۔

''یہ سڑک کتنی سیدھی اور لمبی ہے، آدمی سیدھا چلتا رہے تو دیر تک دکھائی دیتا رہے۔''

''بھائی! اے میرے متے بھائی! مجھے امید ہے کہ تم ستانے والوں میں سے نہ ہو گے۔'' اس نے بالکل قریب گاڑی روک کر اسے بلایا۔

شرجیل اس کا پھولا منہ دیکھ کر مسکرایا۔

''تم تو روٹھی محبوبہ والے اسٹائل مار رہے ہو۔'' جواب میں روحیل نے بڑے بھائی کو آنکھیں دکھائیں لیکن اس کے چہرے پر اپنے لیے محبت دیکھ کر نرم پڑ گیا۔

''آپ تو خود ستانے والوں میں سے ہیں، آپ کو ستائے جانے کی بھلا کیا فکر۔'' اپنی بات اس نے چھوڑنی نہیں تھی۔

''دیکھو روحیل! تم چند دنوں کے لیے کراچی آتے ہو، ان فضول گھریلو جھگڑوں میں الجھ کر کیوں اپنا

وقت خراب کر رہے ہو، انجوائے یور سیلف یار۔''

''حد ہوگئی۔ کسی کی جان پر بنی ہوئی ہے اور آپ اسے فضول جھگڑے کہہ کر ٹال رہے ہیں۔ بھئی، اتنا تو انسان کوئی کتا، بلی بازار سے خرید کر لائے تو اس کا خیال بھی رکھ لیتا ہے کہ صبح شام اسے دیکھ لے اور تین وقت روٹی دے دے۔ آپ کیسے انسان ہیں کہ نکاح کر کے ایک لڑکی کو لے کر آئے ہیں اور اب وہ گھر کے کسی کونے میں پڑی ہے۔ اس کی آپ کو پروا ہی نہیں۔''

''پلیز روحیل! تم جانتے ہو، امی جان نے مجھے کس طرح جکڑ کر رکھا ہوا ہے۔ ان کی باتیں اور انداز تم دیکھ رہے ہو نا۔'' وہ آہستہ آہستہ گاڑی چلا رہا تھا۔

''سب کچھ بے معنی ہو سکتا ہے اگر آپ دھیان نہ دیں اور انصاف سے کام لیں۔ دیکھیں، رشتوں کے حقوق کی حفاظت کرنا مرد کی بڑی کڑی آزمائش ہے۔ آپ کون سی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ بھائی! کیا ماں کے قدموں تلے رہنے والی جنت کسی کا گلا گھونٹ کر مل سکتی ہے جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ ماں کے ہاتھوں میں نہیں ہے کہ وہ آپ کو آصفہ بھابھی کے گھٹ گھٹ کر مر جانے پر تحفے میں دے دیں گی۔ ہر عمل کی ایک حد ہوتی ہے لیکن آپ تو حد سے گزر رہے ہیں۔''

روحیل کو ابھی بہت کچھ سنانا تھا لیکن اتنے پر ہی شرجیل نے گاڑی سڑک کے کنارے روکی اور اسٹیئرنگ پر سر ٹکا دیا۔

''آپ نہیں سمجھتے بھائی! کل اپنے والد کو اس نے صرف آپ کی آس پر مایوس لوٹا دیا۔'' شرجیل یک دم چونکا۔

''جلال انکل آئے تھے، کب؟ کیوں؟ مجھے تو کسی نے نہیں بتایا۔'' شرجیل کو شاک سا لگا۔

''آپ کیوں نہیں سمجھ رہے شرجیل بھائی! کہ اس گھر میں بہت کچھ آپ کے ساتھ غلط ہو رہا ہے۔''

''دیکھو ہماری ماں ہمارے ساتھ دشمنی کیسے کر سکتی ہیں۔ آخر وہ ماں ہیں نا ہماری۔''

''یہی بات جب میری سمجھ میں آئی تو مجھے بھی سوچ کر بہت تکلیف ہوئی تھی۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ آپ کا سکھ، چین، آپ کا گھر تباہ کرنے والی آپ کی ماں ہی ہیں۔''

یہ ساری باتیں شرجیل جانتا تھا مگر نہ انہیں مانتا تھا نہ انہیں سوچتا تھا لیکن اس وقت سیدھے لہجے میں بات کرتے روحیل کو وہ ٹوک بھی نہ سکا۔ بلکہ اس وقت وہ اس طرح سٹپٹایا ہوا تھا جیسے ابھی ہی اس کے عمر بھر کے سارے گناہ اس کی پیشانی پر رقم ہوئے ہوں اور ابھی آئینہ اس کے سامنے آیا ہو۔

''آپ مانتے نہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ جانتے بھی نہیں۔ امی جان چاہتی ہی نہیں کہ آپ اپنی بیوی کے ساتھ اپنے گھر میں سکون سے رہیں۔''

''نہیں ایسا نہیں، دیکھتے نہیں ہو، وہ تو مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ وہ صرف آصفہ کو ناپسند کرتی ہیں۔''

''کیوں آصفہ کو آپ کہیں سے بھگا کر لائے ہیں کیا؟ آخر کیوں ناپسند کرتی ہیں وہ اسے؟ آپ نے کبھی ان سے پوچھا نہیں، وہ خود ہی تو اپنی پسند سے بہو بنا کر لائی ہیں اسے۔''

''پتا نہیں روحیل! عجیب سی وجہ بتاتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں بس آصفہ میری آنکھوں کو بھاتی ہی نہیں۔

اس کی گھر میں موجودگی سے مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔ جس دن سے وہ دلہن بن کر اس گھر میں آئی ہے، مجھے اچھی نہیں لگی، لگتا ہے کسی پیر مرشد کی بندش ہے میرے دل پر، بس وہ مجھے منحوس ہی لگتی ہے۔''

روحیل نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اپنی ماں کی ایسی باتیں وہ خود بھی اچھی طرح جانتا تھا لیکن شرجیل ان کو سن کر دہرا سکتا ہے۔ یہ صدمے کی بات تھی، وہ تو ان باتوں کو سوچ کر بھی شرمندہ ہو جایا کرتا تھا۔

''اوہ شرجیل بھائی! آئی سمپلی ڈونٹ بیلیو دس بھائی! آپ ڈاکٹر ہیں۔ ایک پڑھے لکھے باشعور انسان۔ آپ کی سوچ اس محدود دائرے میں کیسے داخل ہو سکتی ہے۔''

چلو، ہم نہیں مانتے اس بات کو، لیکن امی جان تو اپنی سوچ سے مجبور ہیں، اور یہ انسانی نفسیات کا بہت بڑا حصہ ہے۔ پیری مریدی پر یقین کرنے والے لوگ اپنے اعتقاد میں بہت پکے اور مضبوط ہوتے ہیں اور یہ صرف جاہلوں کا ایمان نہیں ہے۔ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ اسی حلقہ اثر میں آتے ہیں۔''

''اب یہ نہ کہیے گا کہ آپ بھی اس حلقے میں شامل ہیں۔ پھر آپ یہ کہیں گے کہ سائنس بھی اس چیز کو مانتی ہے۔'' روحیل بری طرح تپ رہا تھا۔

''یہ سچ ہی تو ہے۔ سائنس میں بھی اس اعتقاد کی بڑی بڑی وضاحتیں ہیں۔''

''سائنس تو یہ بھی کہتی ہے، انسان پہلے بندر تھا۔ تو کیا آپ اس پر یقین کرتے ہیں اور بھائی! ہم سائنس کو سجدہ نہیں کرتے، ہم تو اس خدائے وحدہ لاشریک کو سجدہ کرتے ہیں جو اکیلا ہے جس کا شریک ٹھہرانا کفر ہے۔ اور جس نے تمام انسانوں کو برابر سمجھا اور ہمیں بھی برابر سمجھنے کی لازمی تلقین کی ہے۔ کوئی انسان دوسرے سے برتر نہیں نہ دوسرے سے افضل ہے ہاں مگر صرف تقویٰ کی بنیاد پر، پھر یہ پیری مریدی کا چکر۔۔۔ یہ کیسی باتیں سوچنے لگے ہیں آپ۔ آپ کو امی جان کو اس چکر سے نکالنا چاہیے نا کہ آپ خود۔''

روحیل کی باتیں اسے ٹھیک ٹھاک جھنجھوڑ گئیں۔ وہ واقعی امی جان کی رات دن ہزاروں باتیں سنتے سنتے ان کے اثر میں ہی رہنے لگا تھا۔ ایسے عجیب طریقے سے وہ اسے ورغلاتیں کہ وہ اٹھائیس سال کا نوجوان بے بس و بے اختیار ہو کر وہی کچھ سوچنے لگتا جو اس کی ماں کہتیں۔

''اوہ گاڈ! آج پھر میں بہت لیٹ ہو گیا ہوں! اف ہسپتال بھی اکثر لیٹ ہی پہنچتا ہوں۔ یار! میری تو نوکری بھی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔'' اس نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی۔ لمبی بحث میں الجھ کر وہ اچھا خاصا لیٹ ہو چکا تھا۔

''نوکری، مستقبل، پڑھائی، آپ تو جانے کیا کیا داؤ پر لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ تو وہی مثال ہے کہ اڑنا سکھا کر ماں اولاد کے پر کاٹ دے۔'' روحیل بہت زیادہ جلا بھنا ہوا تھا۔

''نہیں روحیل! اس حد تک نافرمانی کی باتیں نہ سوچو۔ میں تو اسی بات پر اٹک جاتا ہوں کہ ماں اولاد کا برا سوچ ہی نہیں سکتی۔''

صدر میں اپنے مطلوبہ پوائنٹ پر اترتے ہوئے روحیل سوچ رہا تھا کہ شرجیل جو کچھ جانتا ہے وہی کچھ اس سے منوانا بہت مشکل ہے۔

سارا دن اس کا دھیان روحیل کی باتوں میں الجھا رہا۔

''وہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔''

ہسپتال میں ہر ہر کام کے دوران اس کا ذہن مسلسل سرزنش کرتا اور تائید کرتا جا رہا تھا۔

''آصفہ کو آخر کس بنیاد پر ناپسند کیا جا سکتا ہے، یا اسے کیوں کر ٹھکرا دیا جائے۔ اوگاڈ!''

وہ اپنی الجھنوں میں مسلسل پھنسا رہنے والا کیسا بے بس اور بدنصیب شخص تھا۔ اس کے دماغ سے اٹھتے دھوئیں کی شدت کم نہ ہو رہی تھی۔ اس نے روحیل کو یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آج امی جان نے اسے آخری وارننگ دی ہے۔

''بس۔۔۔ آصفہ یا ماں دونوں میں سے ایک کو چن لو۔'' کاش بتا دیتا اپنے بھائی کو، وہ ضرور کوئی اچھا مشورہ دے دیتا۔ اپنی کنپٹیاں سہلاتے سہلاتے وہ تھک گیا تھا۔

''ارے تین لفظ لکھ کر اس کے منہ پر دے مارنا، اتنا کیا سوچ میں پڑا ہے بیٹا۔'' ماں کی آواز اس کے کانوں میں گونج گونج کر اس کے کانوں کے پردے پھاڑنے پر تلی تھی۔

''کیوں نہ سوچوں ماں! کیسے نہ سوچوں۔ تین لفظ لکھ دیے تو آصفہ میرے لیے شجر ممنوعہ ہو کر رہ جائے گی۔ ماں! تو پانچ منٹ بیٹھ کر کبھی اپنے بیٹے کی بات بھی سن لے۔ ماں! وہ اتنی اچھی ہے کہ دنیا میں اچھی کے لیے جو سب سے بہتر لفظ ہو، وہ میں اس کی پیشانی پر سجا دوں اور ماں! یوں بھی نہیں تو ایسے سمجھ لو کہ میں اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ مجھے عشق ہو گیا ہے آصفہ سے، ہاں جنون سوار ہو گیا ہے مجھ پر۔ اور ماں تو مان لے کہ تو میرے جنون کا علاج کبھی نہ کر سکے گی۔ کسی شہزادی کو مجھ سے بیاہ دے گی یا کوئی حور پری ڈھونڈ لائے گی۔ آصفہ کو میں نے اپنے اوپر حرام کر لیا تو میں تیرے لیے بھی نہ رہوں گا۔ بس مر ہی جاؤں گا اور مر نہ سکا تو کھو ضرور جاؤں گا۔''

اس نے کرسی کی پشت پر ہارتے ہوئے سر ٹکا دیا۔

ہسپتال کی کینٹین میں کونے والی میز پر وہ اکیلا بیٹھ گیا تھا۔ یہ ساری باتیں اپنی ماں سے کہنے کی اس میں جرأت نہ تھی اور فیصلہ کرنے کی قوت اس کے اندر پیدا نہ ہو رہی تھی۔ اس لیے گھر جانے سے بھی اسے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ خوف زدہ سا ہو رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا آج ضرور کوئی طوفان آئے گا۔ وہ کینٹین کی گہما گہمی، اپنے اندر کے شور اور آنے والی قیامت! کسی سے بھی نمٹ نہ سکتا تھا بس ہر شے کو برداشت کر رہا تھا۔

''ڈاکٹر شرجیل! آپ گھر جانے کے موڈ میں نہیں لگ رہے۔'' وہ اس کی کولیگ تھی۔ ڈاکٹر غزالہ! بہت ہمدرد اور دوستانہ سا مزاج تھا اس کا۔ نہ کسی کو تنگ کرتی نہ خود تنگ ہوتی تھی۔ چڑ اور غصہ اس کی طبیعت میں شامل ہی نہ تھا۔

پہلے دن سے وہ شرجیل پر بہت مہربان تھی، شروع میں وہ سمجھا تھا، وہ صرف اسی پر مہربان ہے لیکن پھر اس نے دیکھا، وہ ہر کسی کے ساتھ ایسی ہی مہربان اور مخلص ہے۔ شاید وہ نیا آیا تھا، اسی لیے شروع میں اس سے زیادہ اچھا برتاؤ کر گئی۔

''گھر تو جانا ہی پڑے گا ڈاکٹر غزالہ!'' اس کے اندر مایوسی ہی مایوسی تھی لیکن وہ خود کو نارمل ثابت

کرنے کے چکر میں لگا ہوا تھا۔

''اصل میں، میں نے اس لیے پوچھ لیا کہ میں گھنٹہ بھر پہلے چائے پینے آئی تو بھی آپ یہاں اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے اور اب جب میں اپنے ہزبینڈ کو دیکھنے یہاں آئی تو تبھی آپ یونہی بیٹھے ہوئے ہیں۔'' وہ کرسی کھسکا کر شرجیل کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

''آپ کے شوہر نہ آسکتے ہوں تو چلیں، میں آپ کو ڈراپ کردوں۔'' اس کی بات کا قطعی جواب نہ دیتے ہوئے اس نے اٹھتے ہوئے اسے پیش کش کردی یعنی وہ اس کے ساتھ بیٹھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اور ساتھ چلنے والی وہ نہیں تھی۔

''نہیں۔ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے موبائل کیا تو ہے کہ آرہا ہوں، بس آتے ہی ہوں گے۔ میں کینٹین اس لیے آئی کہ وہ چائے تو ضرور پئیں گے۔ میں اکثر ان سے اس بات پر جھگڑتی ہوں کہ وہ مجھے لینے آتے ہیں یا چائے پینے۔'' وہ اس کی بے زاری کا برا نہ مانتے ہوئے ہنسی۔

اور اس کو وہاں سے اٹھانے کے لیے اللہ نے کسی کو تو بھیجنا ہی تھا سو ڈاکٹر غزالہ کو بھیج دیا ورنہ لگ تو ایسے رہا تھا وہاں سے اٹھنے والا وہ کبھی نہ تھا۔

روحیل، شرجیل کے جانے کے بعد صدر کے بے پناہ رش میں کتنی دیر تک بے مقصد دائیں سے بائیں اور آگے سے پیچھے لمبے راستوں پر پیدل چلتا رہا۔ اس کے دل میں اتنی بے چینی اور ذہن میں اتنے ستانے والے خیالات آرہے تھے کہ وہ بہت کوشش کے باوجود خود کو اس بھیڑ میں گم نہ کر سکا۔ کبھی کبھی انسان دنیا کے اس بھرے بازار میں خود کو گم کرنے کے لیے نکلتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ ہر موڑ پر وہ اپنے آپ سے ہی ٹکراتا ہے۔

جانے کیا بات ہے جو خفا بیٹھا ہے
مجھ میں ایک شخص بغاوت پر تلا بیٹھا ہے
وہ پرندہ جسے پرواز سے فرصت نہ تھی
آج تنہا ہے تو دیوار پر آبیٹھا ہے
بولتا ہوں تو مجھے اذن خموشی دے کر
کون ہے جو پسِ اظہار چھپا بیٹھا ہے
تم بھی منجملہ ارباب جفا نکلے ہو
تم تو کہتے تھے کہ ہر دل میں خدا بیٹھا ہے

روحیل دراصل بہت ہی سخت مزاج لیکن بہت ہی اصول پسند شخص بن جانے والا تھا، اس کے مزاج کی تمام کڑیاں ایسے ہی سروں پر ٹھہرتی تھیں۔

رویّے، جذبے، پیار، احساس کسی میں بھی انسان کی خود غرضی اسے پسند نہ تھی اور اس نے سوچا نہ تھا کہ ایسی بنتی اس کی شخصیت پر پہلی ضرب اس کے اپنے گھر سے ہی پڑے گی۔

آج سے دو سال پہلے اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی اس کے ساتھ یوں مذاق کرے گی۔ وہ

اپنے آپ سے یا اپنی شناخت سے شرمندہ ہوا پھرے گا۔ اسے اپنے گھر میں سکھ نہ ملے گا اور ماں کی گود ٹھنڈی چھاؤں نہ لگے گی۔

لیکن یہی حقیقت تھی، اس کی خوابوں کی دنیا سے بالکل الگ۔ وہ خواب جس میں ایک جنت جیسے گھر میں وہ خود کو خوش، مکمل اور توانا دیکھا کرتا تھا۔ وہ گھر جہاں اس کی ماں اسے ہر پل دعائیں دیا کرتی تھی۔ وہ گھر جہاں سمیعہ اس کی شریکِ سفر تھی اور جہاں پھول ہی پھول تھے۔ جنت کے باغات سے چُرائے گئے پھول۔

لیکن انسان زندگی کو جتنا دل فریب سوچتا ہے، اتنا خوب اسے پاتا کیوں نہیں ہے۔

سمیعہ ظفر علی کے ساتھ اس نے زندگی کو ہمیشہ بہت حسین سمجھا تھا۔ محبت اور جوانی میں ویسے ہی انسان کو ساری کائنات پیاری لگنے لگتی ہے۔ یہی جوانی محبت کے احساس کے ساتھ انسان کی عمر کا بہترین دور ہے۔ اور یہی وہ دور ہے جب بندہ ماں کی آغوش سے نکل کر محبت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ یہ عمر کا نازک ترین دور جو انسان کی زندگی میں سب سے بڑی تبدیلی لاتا ہے اور یہ تبدیلی ناگزیر ہے۔ یہ فطرت کا تقاضا اور زمین پر انسان کے پھلنے پھولنے کا خدائی قانون۔

اس دور میں کوئی انسان اگر کبھی ٹھوکر کھالے تو بہت مشکل سے سنبھلتا ہے۔ اور ٹھوکر بھی اگر محبت لگائے تو بندہ صبر کر لیتا ہے۔ ماں کی گود میں سر رکھ کر رو لیتا ہے لیکن ٹھوکر اگر پہلی آغوش کی طرف سے لگے تو بندہ لڑھکتا ہوا ایسے صحرا میں جا پڑتا ہے جہاں سورج سر کو جلاتا ہے اور ریت پیروں کو جھلسا دیتی ہے۔ ایسے میں محبت کی آغوش پناہ دے دے تو آدمی پیدا کرنے والی ماں کو بھول جاتا ہے۔ اس لیے کہ جوانی میں محبت کی کشش بڑی ظالم چیز ہے۔

آپ نے اس ماں کو دیکھا ہے جو سال ڈیڑھ سال کے اپنے روتے مچلتے بچے کو بہلاتی پھسلاتی عاجز آجاتی ہے تو سر پر ہاتھ مارتی ہے کہ ''ہائے منّے تجھے سنبھالنا کتنا مشکل ہے۔'' لیکن اس مشکل سے بھی مشکل ترین دور یہی جوانی کا ہے۔

اسی دور میں بچے کو آدمی بنا کر ماں سمجھتی ہے کہ اب تو یہ میرا ہی ہے۔ لیکن یہی تو گود سے پھسل جانے کا وقت ہے۔ جوان اولاد جب ماں کے قد سے بھی اونچی ہو کر اس کے سامنے کھڑی ہوتی ہے تو وہ سمجھتی ہے یہ میرا ہی تو ہے اور پھر عالیہ بیگم کی طرح مغرور ہو جائے تو ہر بچہ شرجیل نہیں بنتا۔ کوئی روحیل بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ تپتے صحرا میں کھڑا ہوا دل جلی سوچوں کے ساتھ۔

وہ چلتے چلتے تھک گیا تو ایک ریستوران میں بیٹھ کر چائے پی اور پھر اپنے موبائل فون میں اسٹار ٹرپل فور دبا کر اپنا کھاتا چیک کیا۔ اس کے کارڈ میں اتنے پیسے نہ تھے کہ وہ دوسرے شہر فون ملا سکتا، سو وہ ایک پی سی او آفس میں جا کر بیٹھ گیا۔ اپنا مطلوبہ نمبر پاس کر کے اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔

''ہیلو سمیعہ۔''

''ہیلو روحیل۔'' اس کی آواز سن کر پر دل پر آبشاریں گرنے لگیں۔ اس کی آواز میں ہی اتنی کشش تھی۔ اس کے وجود میں کتنی ہوگی۔ اور سچ یہ ہے کہ یہ سب احساس کی باتیں ہیں، محبت کو آپ جتنا زیادہ محسوس کریں زندگی اتنی ہی سہانی لگتی ہے اور نہ محسوس کریں تو آصفہ جلال احمد جیسی لڑکیوں کے وجود کی

کوشش بھی بے کار جاتی ہے۔

''ہائے روحیل! تم کراچی گئے ہو تو پلٹ کر فون ہی نہیں کیا۔'' وہ شکایت کر رہی تھی۔

''بس یہاں کچھ الجھ گیا تھا۔ فرصت ہی نہیں ملی۔''

''ارے یہ الجھن مذکر ہے یا مؤنث۔'' وہ چیخی تو وہ ہنس پڑا، وہاں فون کے آس پاس اس نے دیکھا کوئی تھا نہیں۔

''ہے تو مؤنث۔'' ہلکا سا قہقہہ لگا کر اس نے کہا تو سمیعہ اور مچلی۔

''سنو روحیل احمد! میں کرنل ظفر علی خان کی بیٹی ہوں۔ کراچی آ کر پورے شہر کی ناکہ بندی کرا دوں گی۔''

''ارے۔ میں جس مؤنث سے الجھا ہوں اس کے آگے بڑے بڑے کرنل پانی بھرتے ہیں۔''

''افوہ کون ہے وہ، نام بتانا ذرا۔''

''میری ماں! بیگم عالیہ سہیل احمد۔'' اس سے بات کر کے اسے صحرا میں ٹھنڈی چھاؤں جیسی خوشی ملی تھی۔

''اونہوں۔۔۔ روحیل تم بھی بس، مجھے بلاوجہ ستاتے ہو۔''

وہ گھر پہنچا تو عالیہ بیگم لاؤنج میں ٹہلتی ہوئی ہی ملیں۔ آج اٹھائیس سالہ زندگی میں پہلی بار اسے خیال آیا کہ کاش اس کی ماں گھر پر نہ ہوتی۔ اس سے آگے اسے اور بھی کچھ خیال آتا لیکن عالیہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی پاس بلایا۔

''میرے کمرے میں آؤ۔''

اور پھر جانے کیا ہوا، اس کا دماغ الٹ گیا یا دل۔ وہ سیدھا لان پار کر کے اپنے کمرے کی طرف گیا اور دھڑا دھڑ بے صبری سے اپنے کمرے کا دروازہ بجانے لگا۔

بھوک کی شدت سے بے صبری کے ساتھ کھانا کھاتی ہوئی آصفہ کے حلق میں نوالہ اٹک گیا۔ آج پھر وہی قصہ دہرایا گیا تھا نہ اس کے لیے کھانا بچایا گیا نہ اسے کھانے پر بلایا گیا۔

صبح ناشتے پر رات کی طرح دھڑلے سے میز پر جا بیٹھنے کی اسے ہمت نہ ہوئی تھی اور کچن میں بھی صبح سے عالیہ بیگم اسٹول پر ٹانگ جمائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ سارا ناشتا سکینہ کے ہاتھوں میز پر پہنچوا کر پھر خود وہ بھی ڈائننگ ٹیبل کی طرف آئیں۔ اور وہ ناشتے میں مصروف ہوئیں تو وہ دھیمے سے کچن کی طرف بڑھی اور یہ انوکھی سی اس کی سوچ تھی۔ کچن تک جانے والے راستے میں ہی تو ڈائننگ ٹیبل پڑتی تھی بھلا وہ اس راستے سے چپکے سے کیسے نکل سکتی تھی۔

''بھابھی! آئیں ناشتا کر لیں۔'' صرف روحیل نے ہمت کر کے اسے ناشتے کے لیے آواز دی تھی۔ لیکن اس کو وہ جواب دیتی کہ عالیہ آنٹی کی گرج دار آواز آئی۔

''اگر یہ یہاں میرے سامنے بیٹھی کھائے گی تو میں عمر بھر کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔'' انہوں نے ہاتھ کا نوالہ پلیٹ میں پٹخ دیا۔ وہ کچھ بھی کہے بنا کچن میں تیزی سے گھس گئی تھی۔

صبح بھی اسے بھوک بہت زیادہ لگی تھی۔ خالی کچن اس کا منہ چڑا رہا تھا اس گھر کا روٹین اور مزاج بھی موسموں کی طرح بدلتا تھا۔ آج صبح ہی صبح سب ناشتا کرنے لگ گئے تھے ورنہ اس وقت یوں تو سوئے پڑے ہوتے تھے۔

وہ تو سمجھی تھی، وہ چپکے سے جا کر ناشتا کر لے گی۔ لیکن آج تو سکینہ بھی جانے کب سے آئی بیٹھی تھی۔ اور خود بھی آرام سے اسٹول پر بیٹھی ناشتا کر رہی تھی۔ اور آج سچ مچ چینی اور چائے کی پتی کی الماری پر بھی تالا لگا تھا اور آٹے کا کنستر بھی خالی تھا۔

سکینہ اسے دیکھ رہی تھی اور لاکھ عالیہ آنٹی کی نوکری کرنے کے باوجود اس کا دل خدا کے خوف سے لرز گیا۔ ایک بہت کھاتے پیتے گھرانے کی بہو اور اتنے اچھے خاندان کی بیٹی آج اپنے ہی گھر میں بھوک سے مجبور ایک روٹی ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔

''بھابھی! آپ ناشتا کر لیں۔'' جانے آصفہ کو اپنی بھوک پر کیوں قابو نہ رہا تھا۔ وہ انکار نہ کر سکی اور چپ چاپ ایک روٹی کا نوالہ لے کر اپنے منہ میں ڈال لیا۔

''یہ ناشتا آپ پورا کر لیں، میں تو چلتے پھرتے کچھ کھا لوں گی۔'' سکینہ نے روٹی اور آملیٹ دونوں اس کے آگے رکھ دیے۔

''نہیں نہیں۔ تھوڑا ہی ٹھیک ہے۔ میں پھر کھا لوں گی۔'' احساسِ خودی اور بھوک کی جنگ میں کبھی آپ نے خودداری کو ہارتے دیکھا ہے۔

''اف بھابھی! بس جلدی سے کھا لیں۔ اس گھر کے کسی فتنے نے دیکھ لیا تو آپ کا جینا حرام کر دیں گی۔'' بات اسے بھی ٹھیک لگی تو اس نے جلدی جلدی چند بڑے بڑے نوالے کھائے اور کچن سے باہر نکل گئی۔ وہ دیکھنا نہ چاہ رہی تھی کہ کون اسے کس طرح دیکھ رہا ہے لیکن شرجیل کی صورت پر ایک کمند ڈالتی نگاہ پل بھر کے لیے ٹھہرانے کی ہوس تھی۔ مگر بھلا اس کی کمند بھری نگاہ میں بھی کون سا سحر ہو سکتا تھا۔ عالیہ بیگم کے جادوئی آسیب کا توڑ وہ کہاں کر سکتی تھی۔

ایک بے اثر سے نظر اپنے شوہر پر ڈالی۔ جو شاید اس کی آہٹ ہی بھانپ کر نظریں جھکا گیا تھا لیکن عالیہ بیگم کی تیکھی نظریں اس سے ضرور ٹکرائیں۔

''چل ندیدی! بھوکی مرتی ہے۔ کھانے کی ہوس، دیکھنے کی ہوس، تیری ہر ہوس کو انتہا تک ستا کر چھوڑوں گی۔'' ایک پل میں ہی انہوں نے نظروں سے اسے مار گرایا۔ اور اب تو وہ اپنی بہتری کے حل سوچنے کی اہلیت بھی گنواتی جا رہی تھی۔

اب ایک چائے کی پیالی کی طلب اسے مار ڈالنے کی حد تک دیوانہ کر رہی تھی۔

اپنے کمرے میں جا کر لاک دباتے ہوئے وہ بستر پر بے سدھ و بے ہوش سی گر گئی۔ وہ سارا دن بہت ہی برا تھا۔ کمرے کی گھٹن، پیروں کی تھکن اور دل کی جلن وہ کس کس سے الجھ سکتی تھی۔ کتنا لڑ سکتی تھی دوپہر کو وہ کمرے سے نکلی ہی نہیں، بس اپنے آپ کو مارتی رہی اور سمجھاتی رہی۔ مگر شام کو جب اسے لگا کہ وہ بھوک کی شدت سے مر ہی جائے گی تو اس نے دروازہ کھولا۔ مگر اس سے چلا بھی نہ جا رہا تھا۔ دو قدم چل کر وہ کمرے کی چوکھٹ پر ہی بیٹھ گئی۔ اور جب وہ سمجھی کہ بس اب جان جا رہی ہے اسی وقت روحیل

اسے اپنی طرف آتا نظر آیا۔

''یہ لیں بھابھی! آپ نے کھانا نہیں کھایا نا۔'' تھیلی ہاتھ میں پکڑتے ہوئے اس نے بڑی تشکر بھری لیکن بے بس سی نظر اپنے دیور پر ڈالی۔

''کمرے میں چلی جائیں۔ امی جان آج کل بہت ایکٹو ہوگئی ہیں۔'' وہ سر ہلا کر اٹھ گئی۔

پلاسٹک کی تھیلی خوشبوؤں اور لذتوں سے بھری ہوئی تھی۔ کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ پھر ایک روٹی کے ٹکڑے کے لیے وہ سارے گھر میں ماری ماری پھرے گی۔ پھر دل ہی میں اس نے کہا ''یا اللہ رحم کرنا۔'' اور بس اس کی رحمت جوش میں آئی تو کیا دیر اور کیا اندھیر۔۔۔ فرشتہ بھیج کر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی چوکھٹ پر ہی من وسلویٰ عطا کر دیا۔

اور ابھی سیر ہو کر کھایا بھی نہیں تھا کہ دروازہ دھڑا دھڑ بجنے لگا تھا۔ چکن برگر، کلب سینڈوچ، کباب پراٹھا اور کیک، روحیل نے اگلے دن کا سامان بھی کر دیا تھا۔ اور کباب پراٹھا کھا کر اس نے سوچا تھا باقی چیزیں فریج میں رکھ دے گی۔ لیکن اب بوکھلاہٹ میں اس نے سب کچھ ساتھ ہی تھیلی میں سمیٹا اور جلدی سے فریج میں ڈال دیا۔ دروازے پر ضرور شرجیل ہی تھا۔ بے صبرا پن اور جارحانہ انداز۔ لیکن کوئی اور بھی ہوسکتا ہے۔ اس نے ہاتھ اور منہ بھی اچھی طرح صاف کر لیے۔

کیا مر گئی تھیں؟''

''جس طرح اس کمرے میں ڈال کر آپ مجھے بھول گئے ہیں۔ ایک دن مر ہی جاؤں گی۔''

وہ روز سوچتی تھی کہ وہ ایک دن اچانک ہی بدل جائے گا۔ اس کے خوابوں کا وہی شہزادہ بنا اس کے سامنے کھڑا ہوگا جسے اس نے بچی عمر میں چاہا تھا۔ لیکن دنیا کی بے شمار ناممکن باتوں میں ایک یہ بھی شامل ہے کہ شوہر کبھی خوابوں کا شہزادہ نہیں بن سکتا۔

وہ اس سے اس لہجے میں بات کرنا نہیں چاہ رہا تھا لیکن اس کے ٹینشن کی انتہا کی زد میں بالآخر وہی آجاتی تھی۔ زندگی اسے وہ کچھ بنانے پر تلی ہوئی تھی جو وہ نہیں تھا۔ چڑچڑا، مایوس اور غصیلا انسان اور ستم ظریفی یہ تھی کہ بہت کم اسے رک کر اس طرح ضائع ہوتے شرجیل احمد پر نظر کرنے کی فرصت ملتی تھی۔

''چلو آؤ تم میرے ساتھ!'' اس نے کوئی زیادہ بات نہ کی۔

''لیکن کہاں!'' وہ اس کے انداز پر گڑبڑا سی گئی۔

''بھئی، یہاں سے نکلو۔ اس گھر سے، اس گھر سے باہر بھی دنیا بہت بڑی ہے لیکن تمہیں اس گھر میں مر کر دفن ہو جانے کا شوق ہے۔'' اب شرجیل نے اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر کھینچا۔

''نہیں پلیز شرجیل! اس طرح میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ آپ مجھے زبردستی گھر سے نہیں نکال سکتے۔''

''ارے اس کو دیکھو ذرا، پاگل ہوئی ہے۔ تم تمہیں گھر سے نہیں نکال سکتا۔ جہیز میں لائی ہو کیا یہ گھر؟ ابھی تین لفظ تمہارے منہ پر دے ماروں تو آگے بجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ خود ہی منہ چھپا کر چل پڑو گی اس گھر سے۔'' شرجیل بہت اونچی اور تیز آواز میں بول رہا تھا۔ اور جو کچھ وہ بول رہا تھا وہ سن کر آصفہ کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔

اس کا ذہن سن ہونے لگا۔ ''کیا شرجیل ایسا کر سکتا تھا۔'' اس سے آگے کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ

آ رہی تھی، اور سمجھ میں تو آنی چاہیے تھی، اتنے دنوں سے اسے دکھ نہ رہا تھا؟ اس سارے احوال کا انجام کیا اس سے بھی کچھ ہٹ کر ہو سکتا تھا۔

''پلیز شرجیل! خدا کے لیے۔'' اس نے دونوں ہاتھ اپنے مجازی خدا کے آگے جوڑ دیے۔ بس مٹ کر مر جانے کی یہ آخری حد تھی۔ آنسو روانی سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور اس پتھر کے دل پر ہرگز نہ پڑ رہے تھے، جو خدا بن کر قہر نازل کرنے کے درپے تھا۔

بیچ لان میں کھڑے وہ دونوں میاں بیوی اونچی آواز میں آپس میں الجھ رہے تھے اور تماشا دیکھنے کے لیے گھر کا کوئی فرد کہیں سے نہیں جھانک رہا تھا، شاید اس لیے کہ کسی کے لیے اس تماشے میں کوئی کشش نہ تھی کیونکہ تماشائین ان کے اندازوں کے مطابق ان کی خواہشوں پر پورا اتر رہا تھا۔

وہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔ لیکن شرجیل بالکل پتھر کی طرح چہرے پر سختی سجائے اجنبی سا اسے تڑپا رہا تھا۔

ابھی ایک دن پہلے ہی روجیل نے کہا تھا کہ عالیہ آنٹی یا شرجیل اسے ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر نہیں نکال سکتے اور وہ اس کی باتوں میں آ گئی اور آج جانے کہاں چھپا بیٹھا ہے۔ اسے کتنی بے دردی سے بے وقوف بنا ڈالا تھا۔ عالیہ آنٹی کا ہی بیٹا تھا اور یقیناً ان کے ساتھ سازش میں شریک تھا اور اگر وہ اس کے ذہن کو نہ پلٹتا تو وہ کل اپنے والد اور تایا کے مضبوط ہاتھوں کے نیچے سر رکھ کر تو اس گھر سے جاتی۔ آج اس کا سر ننگا تھا تو بھلا وہ روجیل کو آواز دے سکتی تھی۔

''کیوں تم نے تو یقین دلایا تھا کہ میرے ساتھ یہ سلوک کبھی نہ ہوگا۔'' مگر وہ ضرور اس پر ہنسے گا کہ پہلی غلطی تو تمہاری تھی کہ تم نے کیوں یقین کیا۔

شرجیل نے کھینچتے ہوئے زبردستی اسے گاڑی میں ڈالا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر پلٹ کر جا بیٹھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر کے گھر کے گیٹ سے باہر نکال لے گیا۔

وہ بھول گیا تھا شاید، اسے تو سڑک پر کھڑا کر کے اسے پیچھے سے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لینا تھا۔ گاڑی میں اپنے ساتھ بٹھائے وہ اسے کہاں لیے جا رہا تھا۔

''خدا کے لیے تم رونا تو بند کرو آصفہ!'' لمبی سڑک پر گاڑی ڈالتے ہوئے وہ چڑ رہا تھا۔

''اب بھی نہ روؤں تو کیا قبر میں جا کر رو سکوں گی۔'' وہ چیخ پڑی۔ حد ہو گئی۔ اس ایک قیامت سے بچنے کے لیے اس نے اپنی کھیلنے کھلکھلانے کی عمر کو عذابوں سے بھر لیا۔ لیکن بھلا ریت کے گھر کو بھی کوئی بارش کی زد سے بچا سکا ہے۔ شیشے کی دیواروں کو بھی کوئی پتھروں سے محفوظ رکھ سکا ہے۔

''آصفہ دیکھو پلیز، خدا کے لیے تم کہیں چلی جاؤ کچھ دنوں کے لیے۔ میری ماں کا غصہ اسی طرح ٹھنڈا ہوگا۔ کچھ نہیں ہوگا۔ یہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں خود لینے آؤں گا۔'' اس نے گاڑی کنارے پر روکی تھی۔

''شرجیل! آپ خود پاگل ہیں یا مجھے پاگل کر رہے ہیں۔'' وہ اونچی آواز سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''آصفہ! سمجھنے کی کوشش کرو، میں بہت مجبور ہوں۔ بے حد پریشان۔ دیکھو ابھی اگر تم اس گھر میں

رہی رہیں تو ہمارے ساتھ ضرور کچھ بُرا ہو جائے گا۔''

وہ پھر اس کے آگے ہاتھ جوڑ رہا تھا اور آصفہ خود اتنی غائب دماغ اور شکی سی ہو رہی تھی کہ اس کی سمجھ میں نہ صورت حال آ رہی تھی نہ شرجیل کی بات۔

تھوڑی دیر یونہی گزر گئی، شرجیل شاید اسے جی بھر کر رونے دینا چاہ رہا تھا، اسے یہ خیال نہ آیا کہ رونے سے تو وہ ہرگز تھکنے والی نہ تھی۔ رات کا وقت، گھر سے بے گھر، شوہر مجبور اور بے وفا اور وہ خود جس کا دل بھی موم اور ہمت بھی موم، وہ صرف رو ہی سکتی تھی۔

''آصفہ پلیز! اب تم میری ایک دو باتیں سن لو تو مہربانی ہوگی۔'' بالآخر وہ چپ ہوئی۔

''تم جانتی ہو کہ امی جان کیا چاہتی ہیں۔ لیکن میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا۔ میں نے بہت سوچا، بہت دباؤ میں بھی آیا ہوں۔ امی جان کی رٹ سے تنگ بھی آیا ہوں، لیکن میں کیا کروں۔ تم اگر میرا ساتھ دو، یہ میری انتہائی خود غرضی ہے کہ میں نے تمہیں ایک پل بھر کا اعتبار بھی نہیں دیا اور خود جب مشکل میں پھنستا ہوں تو تمہارے ہی تعاون کا امیدوار بنا کھڑا ہو جاتا ہوں۔ دیکھو، مجھے امید ہے کہ میں چند دنوں میں امی جان کو منا لوں گا۔''

''آپ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتے لیکن کسی بھی وقت مجبور ہو سکتے ہیں۔ یہ کیسی سولی پر چڑھا رہے ہیں شرجیل! کہ منہ پر کالا کپڑا لپیٹے میں کانٹا کھینچنے کا انتظار کروں۔''

شرجیل کو یک دم شاک سا لگا۔ امیدوں اور امنگوں سے بھرپور عمر میں وہ معصوم سی بھولی بھالی آصفہ کیسی خطرناک باتیں کرنے لگی ہے۔

''اف روحیل ٹھیک کہتا ہے۔ میں تمہارے قابل نہ تھا آصفہ۔''

وہ اس کی شکل تکنے لگی۔ اس نے تو سنا تھا، شادی کے بعد مرد کے چہرے پر رونق اور آسودگی پھیل جاتی ہے لیکن شرجیل کے چہرے پر کبھی روشنی کی کوئی کرن نہ سجی، وہ خود لڑ لڑ کر بے حال ہوا، تھکا ہوا درماندہ سا شخص بن گیا تھا جس کا گھر، مستقبل، اختیار سب تیز ہوا کے جھونکوں کی زد میں تھا۔

''آصفہ! تمہیں تمہاری امی کے گھر چھوڑ دوں یا تایا جان کے گھر لے جاؤں۔ اگر تایا جان کے گھر جاؤ گی تو زیادہ بہتر ہے۔ وہ مجھے ڈنڈوں سے ماریں گے لیکن ہم دونوں کی بات ضرور سنیں گے مگر تمہارے گھر والے تو یقیناً میری صورت بھی دیکھنا گوارا نہ کریں گے۔ پھر میرا اور تمہارا کوئی رابطہ بھی نہ بن سکے گا۔''

وہ ہر صورت میں اپنی غرض اور آسانی سوچ رہا تھا یا ان کی آپس کی غلط فہمیوں نے آصفہ کو اس کے بارے میں ایسا سوچنے پر مجبور کیا تھا۔

''بولو آصفہ! کہاں جاؤ گی پھر پلٹ کر گھر بھی جانا ہے مجھے۔ امی جان ہاتھ میں تلوار لیے کھڑی ہوں گی۔''

''افوہ شرجیل! کیا یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے، وہ میری مرضی سے ہو رہا ہے جو میری مرضی پوچھ رہے ہیں۔''

''مرضی تو اس میں میری بھی شامل نہیں ہے، بس مجبوری کا دخل ہے۔'' گاڑی کا رخ اس نے پھر تایا

جان کے گھر کی طرف ہی کر دیا۔ وہ چپ ہو کر راستہ تکنے لگی اور تائی جان کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر گاڑی روک کر اسے اترنے کو کہا۔

''اچھا آصفہ! میں صبح آؤں گا۔'' وہ نیچے اتر گئی تو جلدی سے کہتے ہوئے اس نے گاڑی بھی بڑی تیزی میں گھمائی۔

''لیکن آپ میرے ساتھ کیوں نہیں چلیں گے؟''

''اندر جاؤں گا تو دادا جان مجھے پلٹ کر زندہ سلامت گھر واپس تھوڑی جانے دیں گے۔''

وہ یونہی عجلت میں تھا۔

''دیکھو آصفہ! میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ کسی بھی دباؤ میں آ کر کوئی بھی غلط فیصلہ کر سکتا ہوں جبکہ میں چاہتا ہوں، اپنی مرضی سے سوچ سمجھ کر ٹھیک فیصلہ کروں۔'' وہ پھر سے تسلی، دلاسا یا اسے سوچنا چاہیے کا جھانسہ دے کر چلا گیا۔

اور تایا جان کے گیٹ پر اکیلی کھڑی وہ سوچ رہی تھی کہ اندر جا کر وہ انہیں کیا جواب دے گی۔ رات کے وقت وہ اپنے اس طرح آنے کا کیا جواز بیان کرے گی اور وہ کچھ بیان نہ بھی کرے گی تو وہ خود ہی اس کی صورت دیکھ کر ہر بات بھانپ لیں گے۔ اللہ کا نام لے کر اس نے گھنٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔

گیٹ کھلنے پر وہ سیدھی گھر کے اندر چلی گئی، لاؤنج میں کوئی نہیں تھا، وہ کچھ دیر کونے میں رکھی ایزی چیئر پر نیم دراز سی ناتواں سوچ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''کون آیا ہے؟'' تائی جان اندر کمرے سے آواز دیتی لاؤنج میں آئیں اور آصفہ پر نظر پڑتے ہی رک سی گئیں۔

''یا اللہ یہ تم ہو آصفہ! خیریت سے تو ہو بیٹی۔''

ان کی آواز میں بری طرح کپکپی شامل ہو گئی تھی اور اس نے محسوس کیا کہ ان کی ٹانگیں بھی لرزنے لگی تھیں۔ آنکھوں کی وحشت صاف بتا رہی تھی کہ کسی ناگہانی کو سہنے کی ہمت پیدا نہ کر سکیں گی۔

''السلام علیکم تائی جان! مجھے شرجیل یہاں چھوڑ گئے۔ صبح پھر آئیں گے۔''

''تم ٹھیک تو ہو نا بیٹا؟'' جس بات کی انہیں الجھن پڑی ہوئی تھی اس کو سلجھانا ضروری تھا۔

''ٹھیک ہوں تائی جان!'' اس نے مختصر سا جواب دیا اور ایزی چیئر سے اٹھ گئی۔

''کیا شرجیل خود تمہیں یہاں چھوڑ گیا ہے۔'' وہ بہت ہراساں اور پریشان تھیں۔

''جی۔ وہ خود مجھے اپنی مرضی سے چھوڑ گئے ہیں تائی جان! کیونکہ عالیہ آنٹی مجھے اپنے گھر میں رکھنے کو تیار نہیں ہیں۔ کل اپنے باپ اور تایا کے ساتھ عزت سے نہ گئی تو آج سمجھیں دھکے دے کر ہی نکالی گئی ہوں۔ یہی کہہ کر گئے تھے نا ابا جی۔''

تایا جان بھی آوازیں سن کر اور اپنی چھٹی حس کے پکارنے پر باہر لاؤنج میں آ گئے تھے۔ وہ نہ روئی تھی نہ سسکی تھی۔

'میں ابھی جاتا ہوں سہیل کے گھر، آج فیصلہ کرنا ہی ہے۔'' تایا جان یک دم جوش میں آ گئے۔

''رہنے دیں، سہیل اور شرجیل دونوں کو یہاں بلائیں۔ اور بات کریں۔'' وہ چپ چاپ بیٹھی ہوئی

تھی۔تائی جان کے کہنے پر کچھ بولنا چاہا لیکن تایا جان تیزی میں کہنے لگے تھے۔

''کل بات صاف کرنے ہی گئے تھے نا تو آصفہ بیٹی نے ہماری خوب عزت افزائی کرائی، اپنے انکار سے ہمارے فیصلے کو غلط ثابت کر دیا اور سچ یہ ہے کہ اس میں اس کا کیا قصور، ہم خود ہی تو بیٹیوں کو یہی پڑھاتے ہیں کہ شادی کے بعد سسرال ہی تمہارا اصلی گھر ہے۔ میکے یا میکے والوں کی ہرگز پروا نہ کرنا۔ سسرال کے نام کی تسبیح پڑھتی رہنا۔''

اس کا سر بالکل ہی جھک گیا۔لیکن تایا جان کا جوش ابھی ٹھنڈا نہ پڑا تھا۔

''عالیہ کا تکبر اور ظلم بھی بے جا تھوڑی ہے۔بھئی جب مار کھانے والا آہ بھی نہ کرے تو مارنے والا کیوں پروا کرے۔''

''کیا ہو گیا ہے آپ کو، کیسے نوجوان لابالی لڑکوں جیسی باتیں کر رہے ہیں، ایک تو بچی پہلے ہی نڈھال پریشان ہمارے گھر آئی ہے، اوپر سے آپ اسے اتنا سنا رہے ہیں۔''

''میں اسی لائق ہوں تائی جان! تایا ابا ٹھیک کہتے ہیں۔'' وہ بول ہی پڑی۔

''تم ہمیں بہت ستا رہی ہو آصفہ!'' تایا جان اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ان کی بوڑھی آنکھوں میں دکھ اور شکست کی لہریں سب کو نظر آ سکتی تھیں۔

''تہنیت! آج تم اکیلی کالج نہ جاؤ۔طلعت تو جائے گی نہیں۔'' صبح اٹھ کر حسب معمول تیار ہوتی تہنیت سے آمنہ بیگم نے کہا۔

''اوہو امی! ایک مہینے بعد طلعت تو روز نہیں جائے گی تو کیا میں بھی نہیں جاؤں گی۔'' وہ چڑی۔

''سوچتی تو میں ایسا ہی ہوں، بس اب تم بھی کالج چھوڑ ہی دو۔اتنا پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اردو اور انگریزی لکھنا پڑھنا آ جائے بس یہی آج کے زمانے کی ضروریات ہیں۔باقی لڑکیوں نے کیا کر لینا ہے۔''

تہنیت ناشتے کی میز تک آتے آتے امی جان کی باتیں سن کر حیران سے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اندر کمرے میں بستر پر کروٹ بدلتی طلعت بھی امی جان کا لہجہ اور بات سن کر حیرت زدہ رہ گئی۔

ہاتھ میں تھامی فائل میز پر رکھتے ہوئے تہنیت اپنے لیے ناشتا لینے کچن کی طرف گئی۔

''میں نے کہا نا تہنیت! تم اکیلی کالج نہیں جاؤ گی۔'' وہ ڈبل روٹی کے سلائس پر جام لگانے لگی تھی کہ امی جان بھی پیچھے کچن میں آ گئیں۔

''امی! میں نے حنا سے کہہ رکھا ہے، وہ بس اسٹاپ پر میرا انتظار کرے گی۔ہم دونوں ساتھ ہی کالج جائیں گی۔'' اس نے پچھلی گلی میں رہنے والی اپنی کسی کلاس فیلو کا ذکر کیا۔

''مجھے کیا خبر کہ حنا تمہیں کہاں ملے گی۔گھر سے تو تم اکیلی ہی جاؤ گی۔'' وہ بہت سخت ہو رہی تھیں۔

''امی پلیز، کیا ہو گیا ہے آپ کو، اس سے پہلے بھی میں اکیلی کالج جاتی رہی ہوں اور یوں بھی اب مجھے اکیلے جانے کی عادت ڈالنی ہی ہو گی۔''

''ارے تم کس طرح اپنی ہی کہے جا رہی ہو اور میری سُن ہی نہیں رہیں۔ میں نے کہہ دیا کہ تم اکیلی کالج نہیں جاؤ گی۔ اور امتحانوں کے بعد تم بھی کالج چھوڑ رہی ہو۔ سمجھیں۔''

سختی لہجے میں کہہ کر امی جان پلٹ گئیں اور غصے میں تہنیت نے ہاتھ میں تھاما سلائس اور چھری دونوں پلیٹ میں پٹخیں اور باہر آ کر ڈائننگ ٹیبل پر سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا تہنیت! امی جان کیوں خفا ہیں؟''

''اب امی جان بس میری ایک غلطی کی سزا مجھے ساری عمر دیتی رہیں گی۔''

''نہیں تہنیت! یہ بات نہیں۔ وہ تو بہت پہلے سے اس سوچ میں پڑی ہوئی تھیں کہ میری شادی کے بعد تمہاری پڑھائی بھی ختم کروا دیں گی۔''

حالانکہ یہ بات نہیں تھی یا اگر تھی بھی تو اس نے کبھی امی کے منہ سے سنی نہ تھی مگر اس وقت صرف تہنیت کے ذہن کو غلط خیالوں سے بچانے کے لیے طلعت نے یہ بات کہہ دی۔ مگر تہنیت کے ذہن میں بہت سی الجھنیں تھیں اور یہی الجھنیں ذہن سے راستہ بناتے بناتے دل میں اتر رہی تھیں۔

وہ خفا ہو رہی تھی اپنے حالات سے، اپنی ماں سے اور اپنے خیالات سے اور طلعت کو لگ رہا تھا، یہ الجھتی ہوئی باتیں یونہی بگڑتی چلی جائیں گی اور وہ اس گھر سے رخصت ہو کر چلی جائے گی، وہ سلجھانے کی تگ و دو میں لگی رہتی لیکن امی جان آج کل مصروف بہت رہتی تھیں اور کبھی فارغ ہو بھی جاتیں تو اتنی تھکی ہوئی ہوتیں کہ طلعت کوئی بات نہ کر پاتی اور کبھی لگتا جیسے انہیں بہت غصہ آ رہا ہو۔ جانے کیوں اس بار وہ اپنے مزاج کو سطح پر نہ لا پا رہی تھیں۔

تہنیت نے کمرے میں جا کر ہی فائل، کتابیں سب اسٹڈی ٹیبل پر پٹخی تھیں اور خود اپنے بستر پر اوندھی گر گئی تھی۔ اس کو بہت شدید غصہ آ رہا تھا لیکن وہ کچھ کر نہ سکتی تھی۔ امی جان سے لڑنا یا الجھنا بے سود تھا۔ وہ ابو جی سے بات کرے گی، لیکن آج تو کالج مس ہو گیا تھا۔

''میں شور مچاؤں گی تو امی جان کو برا لگے گا مگر پھر امی جان مجھ پر اس طرح جبر کیوں کر رہی ہیں۔'' طلعت کو سامنے دیکھ کر وہ اسی کو سنانے لگی۔

''کچھ نہیں کر رہی ہیں وہ تمہارے ساتھ، تم بے وجہ اپ سیٹ ہو رہی ہو۔ بھئی، ان کی اتنی لاڈلی، ہونہار بیٹی کی شادی ہو رہی ہے۔ اسی لیے اداس رہتی ہیں۔''

''اچھا تو اس لاڈلی ہونہار بیٹی کے چلے جانے کا غصہ مجھ پر اتاریں گی کیا، اور یہ لاڈلی جب چلی جائے گی تو میرے ساتھ کیا سلوک کریں گی بھلا؟''

''افوہ! تم ہر بات کو منفی انداز میں سوچ رہی ہو۔ اچھا چلو، آج مل کر امی جان سے بات کرتے ہیں کہ آخر ان کے ایسے روٹھے مزاج کا سبب کیا ہے۔ مزید یہ کہ میری شادی کے بعد بھی تمہاری پڑھائی جاری رہے گی۔ لیکن اس دوسرے والے کام پر رشوت ذرا تگڑی لوں گی۔''

''رہنے دو، یہ دوسرا کام ہمیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس کے لیے تو ابو جی ہی ٹھیک رہیں گے۔''

امی کے چہرے پر بالآخر مسکراہٹ آئی تھی۔

لیکن وہ سارا دن یوں نکل گیا کہ وہ بات جو بحث طلب تھی یونہی دلوں میں رہ گئی اور بیسیوں باتیں سامنے آ گئیں، سب سے بڑی وجہ تو یہ ہوئی کہ اس دن طلعت کی شادی کے سلسلے میں اہم باتوں پر مشورے کے لیے نانی جان ان کے گھر آنے والی تھیں، پھر نانی جان نے آ کر آصفہ کی بات چھیڑی تو ان بہنوں کا دل اسی کے قصے میں اٹک کر رہ گیا۔

''وہ اگر اپنے تایا کے گھر ہے تو ہمیں اس سے فون پر بات کرنی چاہیے۔'' طلعت کہہ رہی تھی۔

''مگر کیا خبر وہ بات ہی نہ کرے۔'' تہنیت نے جواب دیا۔

''نہ کرے گی تو ہم صبر کر کے بیٹھ رہیں گے۔ کوشش تو کر کے دیکھ لیں۔ دل کو تسلی ہو جائے گی۔'' طلعت بھلا موقع ملے تو آصفہ یا اس کی آس کو کیسے چھوڑ سکتی تھی۔

''امی جان سے ضرور پوچھ لو۔'' تہنیت نے پھر اسے روکا۔

''افوہ! ایک فون کرنے میں اتنی قباحتیں، امی جان بھلا فون کرنے سے کیوں منع کریں گی۔'' وہ بری طرح چڑ گئی۔

''کوئی بھروسا نہیں ہے آج کل ان کا مزاج ایسا ہی ہو رہا ہے کہ کسی بھی بات پر کبھی بھی ناراض ہو سکتی ہیں۔''

اور اتفاق سے لاؤنج میں فون کے پاس نانی جان ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ کسی کو فون کرنے والی تھیں یا کر چکی تھیں۔ دونوں بہنوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر آگے بڑھیں۔ امی جان سامنے ہی صوفے پر بیٹھی تھیں۔

''امی! میں آصفہ سے فون پر بات کر لوں۔''

''ارے نہیں بیٹا! کیسی باتیں کر رہی ہو، آصفہ یا اس کے تایا نے ہمیں خود تھوڑی بتایا ہے کہ وہ اپنے گھر میں نہیں ہے۔ بہت بُری بات ہو جائے گی۔ وہ سمجھیں گے۔ ہم ان کے گھریلو معاملات کی ٹوہ میں لگے بیٹھے رہتے ہیں۔'' امی جان کچھ کہتیں، اس سے پہلے ہی نانی جان نے منع کر دیا۔

''مگر نانی جان! بیٹیوں کی ٹوہ میں تو میکے والوں کو ہر وقت لگے رہنا چاہیے، آخر ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے اور خاص کر ایسے حالات میں جب معاملہ آصفہ جیسا ہو۔'' تہنیت فوراً بول پڑی۔

''یہی تو بتا رہی ہوں خاص کر آصفہ جیسے معاملے میں ٹوہ لگانی ضرور چاہیے لیکن اس کا اعلان نہ کرنا چاہیے، نہ معلوم کیا بات ہوئی ہوگی، یہ تو رات کو روحیل نے جلال احمد کو فون کر کے پوچھا کہ کیا آصفہ گھر آئی ہے۔ تو ساری بات ان کے علم میں آئی۔ امینہ کہہ رہی تھی کہ رات گیارہ بجے روحیل کے اس طرح آصفہ کا پوچھنے پر پہلے تو ہم میاں بیوی کے اوسان ہی خطا ہو گئے۔

امینہ کا دل بچی کی فکر میں ویسے بھی سہما رہتا ہے۔ اس نے تو یہی سوچا ہوگا کہ عالیہ جب جی میں آئے، آصفہ کو گھر سے نکال سکتی ہے۔ اور اس شرجیل کم بخت میں نہ غیرت ہے، نہ ہمت اور ہوا بھی یہی تھا عالیہ نے اسے گھر سے ہی نکال دیا تھا۔ وہ بے وقوف بھی باپ، تایا لینے گئے تو بھرم کی چادر لپیٹ کر ساتھ چلی نہ آئی۔ اب خوار ہوئی ہے نا، سیانے سچ ہی کہتے ہیں نا، اولاد پر بری بھلی ماں باپ کو پہلے ہی سوجھ جاتی ہے اور کیسے نہ سوجھے۔ ماں باپ کی ہر حس اولاد کے دل کی دھڑکن کے ساتھ ہی بندھی ہوتی ہے کہ

نہیں۔''

نانی جان قصہ کم سنا رہی تھیں اور تبصرہ زیادہ کر رہی تھیں، سانس لینے کے لیے رکیں تو طلعت سے صبر نہ ہوا۔

''مگر نانی جان! وہ اپنے تایا کے گھر کیوں گئی اور کیسے گئی؟''

''بھئی، شرجیل اسے خود چھوڑ آیا۔ روحیل نے جب یہ بتایا کہ وہ شرجیل کے ساتھ گھر سے گئی ہے پھر ہی تو جلال احمد کو ذرا چین آیا پھر بھی انہوں نے اسے تاکید کی کہ جیسے ہی پتا چلے کہ دونوں میاں بیوی کہاں گئے ہیں، انہیں ضرور بتائے رات بارہ بجے پھر روحیل نے فون کر کے انہیں بتایا کہ شرجیل سے اپنے دادا جان کے پاس چھوڑ کر آیا ہے۔''

''تو اب ہم پلٹ کر اس کی خیریت بھی نہ پوچھیں گے۔ کمال ہے نانی جان! ہم نے ان لوگوں کو بیٹی دی ہے یا بلی کا بچہ۔'' تہنیت کڑھ کر رہ گئی۔

''بس بیٹی! ہماری قسمت ہے، عالیہ تو اسے یونہی روندرہی ہے جیسے خدانا خواستہ بلی کا بچہ ہو، توبہ ہے میرے رب سے کیسا کافرانہ غرور سمایا ہے اس کے دل و دماغ میں۔''

''بس رہنے دیں نانی جان! ہم نے بھی اسے یونہی رُلنے کے لیے چھوڑ دیا ہے، ارے چار باتیں جا کر آپ عالیہ آنٹی کو سنا آئیں نا تو ان کا دماغ ٹھیک ہو جائے۔ کر وہ کچھ نہیں سکتیں، بس ہماری کمزوریوں سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔'' اب طلعت بولی۔

''تم نہیں سمجھو گی بچیو! ابھی نادان ہو۔ بیٹیوں کے معاملات بڑے نازک ہوتے ہیں۔''

''کیوں نازک ہیں! نازک بنانے والے ہم ہی ہیں نا۔'' تہنیت سمجھ نہ رہی تھی۔

''بس کرو اب تہنیت! تمہارا بس چلے تو ایک توپ گاڑی پر بیٹھ جاؤ اور جس پر جی چاہے گولے برسانے شروع کر دو۔'' امی جان نے جھڑکا۔

وہ ساری رات بہت دنوں بعد شاید بے سدھ ہو کر سوئی۔ یوں بھی اسے اپنے اندر بری طرح تھکا دینے والی کمزوری محسوس ہو رہی تھی اور رات آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ ان ساری مشکلات کے علاوہ ضرور اس کی طبیعت بھی خراب ہے۔ مگر تایا جان کے گھر سکون تھا یا اس کا جسم ہی راحت اور آرام کا متلاشی تھا۔ وہ صبح بھی بہت دیر تک سوئی رہی، فجر کی نماز کے بعد سے کئی بار تائی جان نے چکر کاٹ کر اسے جھانک جھانک کر دیکھا۔

''کیسی نڈھال ہو کر سو رہی ہے، سسرال میں اسے نیند اور آرام بھی کہاں ملتا ہوگا۔'' انہوں نے خود ہی سوچا تھا اور ناشتا ہو جانے کے بعد انہوں نے اب اپنی ملازمہ سے کہا کہ جا کر آصفہ کو دیکھ آئے وہ جاگ گئی ہو تو اسے ناشتے کے لیے بلا لائے۔ لیکن سعیدہ نے آ کر اطلاع دی۔

''بیگم صاحبہ! انہیں تو بہت تیز بخار ہے۔ نیند میں بری طرح سردی سے کانپ رہی تھیں اور جانے کیا کیا بڑبڑا رہی تھیں، میں نے انہیں جلدی سے کمبل اڑھایا اور اب آپ کو بلانے کے لیے بھاگی ہوں۔''

سعیدہ کی بات پوری نہ ہوئی تھی، اس سے پہلے ہی تائی جان کرسی سے اٹھ کر آصفہ کی طرف دوڑی تھیں۔ان کے پیچھے دوڑتے ہوئے سعیدہ نے اپنی بات مکمل کی تھی اور تایا جان بھی ساتھ بھاگے تھے۔

''اسے فوراً ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔'' تائی جان نے کہا اور تایا جان گاڑی نکالنے کے لیے باہر گئے۔تائی جان نے آصفہ کو بمشکل جگا کر سعیدہ کے سہارے گاڑی تک پہنچایا۔آصفہ اور تائی جان کے بیٹھتے ہی تایا جان نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

بس انہیں ضد ہوگئی تھی، ان کے دل میں سچ مچ ایک کافرانہ سا غرور سما گیا تھا۔''آصفہ کو برباد کر کے چھوڑوں گی'' وہ اسی نکتے پر اٹک گئی تھیں۔

''ساس، سسر کی ناراضی، خاندان میں رسوائی، رد جیل کی سختی اور شوہر کی نہ نہ کی رٹ، انہوں نے ہر بات سے آنکھیں پھیر لی تھیں۔

''آخر تم نے قصہ ختم کیوں نہیں کیا؟'' رات شرجیل کے گھر آتے کے ساتھ ہی انہوں نے اس کا خون پی لیا تھا۔اس کا جینا حرام کر دینا چاہتی تھیں آصفہ کے ساتھ۔

''دیکھ لو پھر میں خود کو ختم کر لوں گی۔''

وہ انتہائی دھمکی پر اتر آئیں۔شرجیل بے زار ہو کر اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلا آیا۔وہ اپنے آپ سے، اپنے حالات سے، ہر چیز سے بے زار ہو گیا تھا۔

جب آصفہ تھی تو وہ اس کمرے میں پاؤں بھی نہ رکھتا تھا، کئی دن یونہی گزر گئے تھے، آصفہ کی صورت بھی دیکھتے ڈرتا تھا۔ماں ناراض ہو جائے گی۔رات کے اندھیرے میں چھپ کر جب ماں کے ساتھ ساری دنیا سو جاتی تو کبھی کبھی اپنی بیوی سے گناہ کی طرح ملنے آتا تھا اور اب اسے اس کا قصہ ختم کرنا تھا۔اپنے لیے جائز اس عورت کو ناجائز بنا دینا تھا تاکہ ماں کے دل میں کوئی کھٹکا نہ رہے، آدھی رات کو اسے خدشہ نہ ہو کہ اس کا جوان، باشعور، بالغ بیٹا جو کسی طرح بااختیار نہ تھا اپنی بیوی سے ملنے نہ چلا جائے۔

وہ بستر پر لیٹا تو نیند نہ آئی۔صوفے پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کیں تو خیالوں نے چین نہ لینے دیا اور ننگے پاؤں باہر لان میں ٹہلنے لگا تو تنہائی نے ستانا شروع کر دیا۔

وہ وہیں گھاس پر سر جھکا کر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا اس نے محسوس کیا کہ آنسو اس کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔وہ رو رہا تھا، اور پھر اس نے پاؤں سمیٹ کر گھٹنوں پر سر ٹکا کر کھل کر رونا شروع کر دیا۔

''شرجیل بیٹا! اس طرح یہاں کیوں بیٹھے ہو، آدھی رات کا وقت ہے۔''

اسے اپنے باپ کو اس وقت اپنے پاس دیکھ کر حیرت سی ہوئی۔ورنہ سہیل احمد ان دنوں اتنے بے حس اور خاموش تماشائی بن گئے تھے کہ شرجیل نے تو کسی بھی طرح کی مدد ان سے لینے کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے باپ کی صورت دیکھنے لگا اور سہیل احمد کا دل کٹ سا گیا جب انہوں نے دیکھا، یوں اندھیری رات میں ان کا جوان بیٹا بے بسی سے رو رہا تھا اور اسے بے بس کرنے والے اس

کے اپنے ماں باپ تھے۔

''آؤ اٹھو، اندر کمرے میں چلو۔'' بازو سے پکڑ کر انہوں نے اسے وہاں سے کھڑا کیا۔ اور کمرے میں لے گئے۔

''شرجیل بیٹا! بات کو جتنا بڑھاؤ گے۔ اتنی مشکل ہو جائے گی۔''

''ابو جی! آپ خاموش رہتے ہوئے ہی اچھے لگ رہے تھے، اس معاملے میں میری ماں کا ساتھ دیتے ہوئے اچھے نہیں لگ رہے۔'' وہ یک دم غصے سے کھول اٹھا۔

اسے اس وقت کسی ہمدرد کی ضرورت تھی نہ کہ کسی مہربان ناصح کی۔

''بیٹا! تمہاری ماں نہ صرف ضدی ہے بلکہ دھن کی پکی بھی ہے۔''

''پلیز ابو جی! آپ جا کر سو جائیں۔'' وہ پھر چڑ کر بولا۔

''مجھے بالکل بے حس نہ سمجھو بیٹا! بس تمہاری ماں کی بدمزاجی اور سنگ دلی سے ڈرتا ہوں ورنہ نیند مجھے بھی نہیں آ رہی اور چین کے لیے میں بھی ترس رہا ہوں۔'' وہ بہت مجبور لہجے میں بولے۔

''پاپا! آپ کی مجبوریوں نے آپ کی جوان اولاد کو بے بس کر دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ بھائی کتنی اذیت میں مبتلا ہیں۔'' نیند شاید روحیل کو بھی نہ آ رہی تھی، اسی لیے وہ بھی گھر بھر کا چکر کاٹتا ادھر نکل آیا تھا۔

''بس مجھے اپنی ہی غلطیوں اور کوتاہیوں کی سزا مل رہی ہے۔ آصفہ کو گھر سے نکالنے کے بعد میں تو ساری عمر اب اپنے خاندان سے کٹ کر رہ جاؤں گا، میرے ماں باپ میری صورت کبھی نہ دیکھیں گے۔''

سہیل احمد نے جانے بہت دیر سے یہ باتیں سوچی تھیں یا ان باتوں کو زبان تک آتے اتنی ہی دیر لگ گئی تھی۔

''لیکن آپ سب کچھ کر سکتے تھے۔ آپ اب بھی سب کچھ کر سکتے ہیں۔ بلکہ آپ کو امی جان کو روکنا چاہیے تھا۔ کم سے کم ان کی حوصلہ افزائی تو نہ کرتے۔'' روحیل کو غصہ آ رہا تھا کہ ساری غلطی کی ابتدا ان کے باپ کی طرف سے ہوئی۔

''تم اس طرح کہہ رہے ہو بیٹا! جیسے اپنی ماں کو جانتے نہیں ہو۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر قیامت برپا کر دینے والی عورت ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ تمہیں کیا معلوم ہو سکتا ہے پہلے دن سے ہی میں نے تمہاری ماں کے ساتھ کیسے نباہ کیا ہے۔ جتنے مظالم اس عورت نے اپنی بہو پر ڈھائے ہیں اس سے کئی زیادہ ظلم مجھ پر کیے ہیں اور میں نے سب برداشت کر لیے ہیں اس کے باوجود کہ میں مرد ہوں۔''

سہیل احمد آج جوان بیٹے کو روتے ہوئے دیکھ کر تڑپ گئے تھے جب ہی یہ ساری بپتا ان کی زبان پر آئی تھی۔ ورنہ عالیہ بیگم کی نادانیوں پر، چالاکیوں پر اور لاپروائیوں پر ساری عمر انہوں نے اسی طرح پردہ ڈالا تھا کہ اکثر اوروں کے سامنے خود ان کی اپنی شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔

''مگر کیوں پاپا؟'' روحیل نے فوری کہا۔

''صرف اس لیے کہ جس طرح آصفہ بس ایک اس بات پر کہ اس کا گھر نہ ٹوٹے جان تک دینے کو

تیار ہے اسی طرح تمہاری ماں کسی کی جان لے لے لیکن اپنا گھر بنانے یا بچانے کی پروا کبھی نہ کرنے والی ہے۔''

''وہ ہر وقت تماشا برپا کر دینے کے لیے تیار رہتی ہیں، اس لیے کہ ہم سب تماشے سے ڈرتے ہیں۔ آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ وہ کچھ نہیں کریں گی۔'' روحیل کہہ اپنے باپ سے رہا تھا لیکن دیکھ شرجیل کی طرف رہا تھا۔

''اپنے سرہانے نیند کی درجن بھر گولیاں اس نے رکھی ہوئی ہیں اور مجھ سے کہہ رکھا ہے کہ اگر ذرا بھی شرجیل کی حوصلہ افزائی کی یا اس کی بات سنی تو وہ یہ گھر چھوڑ کر اس عمر میں اپنے باپ کے گھر جا کر بیٹھ جائے گی۔'' سہیل احمد نے کہا۔

''اور آپ نے یقین کر لیا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہیں، کر گزریں گی۔'' روحیل نے کہا۔

''وہ اپنی بے جا ضد میں کچھ بھی کر سکتی ہے۔ اب یہی دیکھ لو، ہم یہ سمجھے بیٹھے تھے نا کہ کچھ بھی کر لے۔ وہ آصفہ کو گھر سے نہ نکال سکے گی۔ اپنے ساس سسر سے ڈرے گی۔ اپنے مفاد کے لیے ڈرے گی لیکن ضد میں آئی تو پروانہ کی نا اس نے۔''

''بس پاپا! آپ جب تک اپنی بیگم کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہیں گے۔ کوئی چیز ٹھیک نہیں ہو سکتی اس گھر میں۔'' وہ چڑ کر بولا اور شرجیل کے بستر پر تکیہ منہ پر رکھ کر لیٹ گیا۔

''تم ٹھیک ہی کہتے ہو بیٹا! میں خود اپنے قصور پر خوار ہوں۔'' وہ بھی بحث کو لاحاصل جان کر کمرے سے باہر نکلنے لگے۔ پھر یک دم پلٹ آئے۔

''ویسے آصفہ ہے کہاں؟'' وہ شاید یہی بات پوچھنے پوچھتے دوسری باتوں کی طرف نکل گئے تھے۔ اور حقیقت میں یہ بات پتا لگانے کا کام عالیہ بیگم نے انہیں سونپا تھا۔

''آپ خود ہی اندازہ لگائیں، میں اسے کہاں چھوڑ سکتا ہوں۔'' اس نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ روحیل پیچھے سے لیٹے لیٹے یک دم اٹھ گیا اور بستر پر گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے شرجیل کے پاس آ کر بولا۔

''نہ بتانا! یہ فوراً جا کر اپنی بیگم کو مطلع کریں گے۔''

''اتنے گستاخ ہو گئے ہو روحیل!'' بیٹے کے لہجے پر سہیل احمد تپ گئے۔

''کیا کریں۔ آپ ہی لوگوں کے رویے نے ہم سے انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کی تمیز چھین لی ہے۔''

روحیل اس بار جتنے دن گھر پر ٹھہرا تھا، اس کا منفی انداز فکر بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اسی لیے اس کا لہجہ ادب سے خالی اور اس کا دل بے زاری سے بھرتا چلا جا رہا تھا۔

''امی! اس بار لگتا ہے۔ آپ کے غصے نے کام کر دکھایا ہے۔ اب پلٹ کر اسے لانے والے نہیں ہیں بھائی جان اس گھر میں!''

شرمین اپنی ماں کے ساتھ کمرے میں ہی ناشتا کرنے میں مصروف تھی۔ عالیہ بیگم اپنے غصے اور

نفرت کے ہاتھوں خود بھی کئی دنوں سے خوار تھیں۔ زیادہ تر کمرے میں مقید رہتی تھیں۔ دل گھبرانا لیکن کہیں آنا جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ بیٹے پر اپنی ناراضی ظاہر جو کرنی تھی۔

''نہیں۔ مجھے شرجیل کے تیور اچھے نہیں لگتے۔'' وہ جلدی جلدی توس کھاتے ہوئے گہری سوچ میں ڈوب کر بولیں۔

''نہیں امی! شرجیل بھائی میں تیور دکھانے جیسی ہمت اور ہوشیاری ہے ہی کہاں۔''

''ارے یہ کم بخت بیویاں بھولے بھالے مردوں کو ہوشیار بنا ڈالتی ہیں۔'' ناشتا جلدی اس لیے انہوں نے کرنا تھا کہ شوہر یا بیٹوں کے آنے سے پہلے فارغ ہو جائیں، آخر انہیں یہ ظاہر کرنا تھا کہ ناراضی اور غصے میں اب تو انہوں نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا ہے۔

''تُو بھی بڑی سست ہے شرمین! رات کی ڈبل روٹی کم سے کم ٹوسٹر میں سینک ہی لیتی، ناشتا ایسا بے مزا ہے کہ حلق سے نیچے نہیں اتر رہا۔ پراٹھے یا روٹی پکانے کی تو صلاحیت ہی نہیں ہے تجھ میں۔'' وہ بدمزگی میں بیٹی پر ناراض ہونے لگیں۔

''ہائے امی! پراٹھے بنانے والی کو تو آپ نے گھر سے نکال باہر کیا ہے۔ ایک بات تو سچ ہے امی! کام کاج اس نے پورے گھر کا سنبھال لیا تھا۔ اونہہ! میں تو صبح اٹھ کر کسی کے لیے پراٹھے پکانے والی نہیں ہوں۔''

''ہاں، تو تو اپنی ماں کے لیے بھی ذرا ہاتھ پیر ہلانے کو راضی نہیں ہے۔''

''افوہ امی! یہ کھانا وانا پکانا میرے بس کی بات نہیں ہے، اور یوں بھی کھانا تو پہلے بھی آپ ہی پکایا کرتی تھیں۔ اب بھی آپ ہی پکایئے گا۔''

''دیکھو تو جوان بیٹی، ذرا سا ماں کا لحاظ بھی نہیں کرتی۔''

''امی! کسی کا لحاظ نہ کرنے کی تربیت تو آپ نے ہی ہمیں دی ہے۔''

''ارے کم بخت! تُو ماں کو بھی ''کسی'' کی فہرست میں ڈال رہی ہے ماں کا بھی لحاظ نہیں تجھے۔''

بدمزا ناشتا، بدمزا کھانا، بدمزا دن رات، عالیہ بیگم کا مزاج بھی بدمزا ہو کر رہ گیا تھا۔

''چھوڑیں امی! کسی کا غصہ آپ مجھ پر کیوں نکال رہی ہیں۔ اچھا خاصا گھر کا کام کاج چلانے کے لیے مفت اللہ تعالیٰ کی گائے ہاتھ آئی تھی۔ آپ نے اسے رہنے نہ دیا۔ آپ نے تو کہا تھا اسے دبا کر رکھنا ہے۔ دباتے دباتے اسے گھر سے ہی نکال باہر کیا ہے۔ پھر آپ کی غلطی ہے، آپ ہی بھگتیں۔''

یہ شرمین ہی تھی جسے انہوں نے اتنا سر چڑھا رکھا تھا کہ وہ یوں جو منہ میں آئے بولتی چلی جا رہی تھی۔ انہیں اس وقت اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اس کی گردن مروڑ کر رکھ دیتیں۔ مگر غصہ اس پر بھی بڑا آیا۔

''تو کیوں اتنا بڑھ چڑھ کر بول رہی ہے۔ جا اتنی یاد آ رہی ہے تو جا کر اسے منا کر لے آ۔''

''دیکھا، ہوا نا آپ کو اپنی غلطی کا احساس، جب ہی اسے منانے کی بات کر رہی ہیں، ارے میں کیوں جاؤں۔ میری تو جائے جوتی، اتنا ہی کھانا پسند نہیں آ رہا تو آپ چلی جائیں۔ گھر لے آئیں اپنی بہورانی کو، بے چارے شرجیل بھائی کا بھی اتنا سا منہ نکل آیا ہے۔''

''اف میرے اللہ دیکھو ذرا اتنی سی لڑکی کو، میری بیٹی ہے کہ دشمن، مجھ پر نکتہ چینی کر رہی ہے، کم بخت تیری زبان نہیں جلی۔''

''ارے امی! اب گالیاں اور بددعائیں دینے پر بھی اُتر آئی ہیں۔ مگر میں آصفہ نہیں ہوں جو چپ کر کے سب کچھ سن لوں گی ابھی شور کر کے پورے گھر کو جمع کر لوں گی۔''

شرمین بھلا سہ سکتی تھی ایسی باتیں۔ کہنے والا کوئی بھی ہو۔ صبر، برداشت، حوصلہ اس کی تربیت میں شامل ہی نہ تھا۔ اور یہ تو آصفہ ہی کے خار میں دونوں ماں بیٹیاں اتنے عرصے ایک ہوئی تھیں ورنہ درحقیقت شرمین کی منہ زوری اور عالیہ بیگم کے غصے کی وجہ سے ان کی اس طرح کی آپس کی تو تو میں میں، ایسے ہی چلتی تھی جیسے دو سوتیلی بہنیں ایک دوسرے سے لڑا کرتی ہوں۔

''چل اٹھا یہ ناشتے کے برتن اور دفع ہو جا یہاں سے، ایک تو دل ٹھکانے پر نہیں ہے۔ اوپر سے یہ تنگ کرنے چلی آئی ہے۔''

''رہنے دیں امی! آپ کو کون تنگ کر سکتا ہے بھلا، آپ سب کو تنگ کر رہی ہیں اور رلا رہی ہیں۔'' وہ ایک پٹختی دوسرا رکھتی، برتن سمیٹ کر دھم دھم کرتی کمرے سے چلی گئی۔

آپ نے اندھیری سیاہ رات میں کوئی ستارہ چمکتے دیکھا ہے۔ صبح کی پہلی کرن پھوٹتے دیکھی ہے یا رستے کو روشن کرتا جگنو اڑتے دیکھا ہے۔ بس آصفہ کو ایسے ہی کسی اجالے کی آمد کا احساس ہوا تھا وہ بہت خوش اور ہلکی پھلکی ہو رہی تھی۔ تایا جان کے گھر واپس آ کر اس نے جی بھر کر ناشتا کرنا چاہا لیکن سوائے جوس کے کچھ نہ لے سکی۔ بخار کی وجہ سے طبیعت بہت بے زار ہو رہی تھی۔ لیکن اس نے اپنے دل کی خوشی کے باعث طبیعت کو مائل کرنا چاہا۔ اور یہی خوشی دل کے اندر بہت زیادہ دیر تک نہ ٹھہری کیسے ٹھہرتی وہ جو کشمکش اس کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی اس سے کون نمٹتا۔

''شرجیل آئے تو اسے ابھی کچھ نہ بتانا۔ پہلے اس کا فیصلہ سن لینا۔'' تایا جان نے چائے پیتے ہوئے تائی اماں سے کہا۔

''ارے خدا نہ کرے، وہ کوئی ایسا ویسا فیصلہ کرنے والا ہوگا تو ہم اسے یہ بات بتائیں گے پھر ہی دوبارہ سوچے گا نا اپنے فیصلے پر۔'' وہ بری طرح جھنجھلا گئیں۔

''آپ کو کیا ہو گیا ہے بیگم! یہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں جس میں واپسی کی گنجائش نکلتی ہو۔ اور آصفہ کے صبر، استقلال، محبت ہر چیز کو داؤ پر لگا کر وہ ایک نعمت کے لیے پلٹ کر کیوں آئے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اگر آصفہ کی قدر نہ کرے تو کسی بھی نعمت کے لائق نہیں۔''

''مگر سوچیں کمال صاحب! شرجیل کو باز رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے وقت میں اس اچھی خبر کا ہمارے لیے نزول کیا ہے نا، میں تو کہتی ہوں، آپ اسے فون کر کے بتا دیں تا کہ۔۔۔'' تائی جان سے صبر نہ ہو رہا تھا اور تایا جان اسی کی تلقین کر رہے تھے۔

''آپ اتنی جذباتی نہ ہوں بیگم! سارے راستے صاف کرنے والا اور سمجھانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ خبر سن کر مجھے تو یہی ایمان آ گیا ہے کہ اب ہمیں کچھ نہیں کرنا، وہ اوپر بیٹھا اپنی رحمت کی چھتری خود

ہی ہلائے گا۔'' چائے ختم کر کے انہوں نے اخبار اٹھایا۔ آج ناشتا، اخبار دونوں کام ان کے روٹین سے بہت لیٹ ہو گئے تھے۔

''آپ آصفہ سے تو پوچھ لیں۔''

''بھلا آصفہ کیا کہے گی۔ وہ خود اسی بات کو ٹھیک سمجھے گی، کیوں بیٹی!'' وہ ساتھ ہی بیٹھی تھی۔ سب کچھ سن کر واقعی تایا جان کی بات کو ٹھیک ہی مان رہی تھی۔

''جی تایا جان! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' جواب دے کر وہ کرسی پیچھے کر کے کھڑی ہونے لگی۔ لیکن نقاہت کی وجہ سے وہ میز پکڑ کر کچھ دیر کھڑی رہ گئی۔ سعیدہ جلدی سے پاس آ کر آصفہ کو سہارا دینے لگی۔

''آصفہ! اب تم جی بھر کر آرام کرو، ہرگز بستر سے نہ اٹھنا۔'' تائی اماں بھی اس کے ساتھ اٹھ گئیں۔ اور ابھی وہ پلٹ کر اندر کمرے کی طرف ہی جا رہی تھیں کہ باہر گیٹ پر گھنٹی بجی۔

''یہ ضرور شرجیل ہوگا۔'' ان کے منہ سے فوراً نکلا اور آصفہ کے قدموں سے رہی سہی جان بھی نکل گئی۔

''تم جاؤ، اندر جاؤ بیٹا! تمہارے تایا جان بات کریں گے۔'' لیکن اس کا دل ادھر ہی اٹکا ہوا تھا۔ وہ بہت سستی سے چلنے لگی۔ اور چلتے چلتے دو دفعہ پلٹ کر دیکھا۔ اور دوسری دفعہ ڈائننگ ٹیبل سے اس طرف ڈرائنگ ہال کی طرف آتے شرجیل پر اس کی نظر پڑ گئی اور شرجیل سے ہوتی اس کی نظر اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑے لفافے پر بھی ٹھہری۔ اس کا دل بہت بُری طرح دھڑکا تھا۔ وہ آگے جا کر دیوار کے سہارے کھڑی ہو گئی۔

''میرا خیال تھا کہ تم جلدی آ جاؤ گے۔'' اس نے سلام کیا تو تایا جان نے اسے بیٹھنے کے لیے کہتے ہوئے جتایا۔

''بس دادا جان! کچھ کاغذات کی تیاری میں اتنا وقت نکل گیا۔ مگر میرا کام مکمل نہیں ہوا۔''

اس سے آگے اس نے کوئی بات نہ سنی اور سعیدہ کے سہارے کے بغیر خود ہی اپنی ساری ہمت جمع کر کے اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

یہ اس کی شادی کا پہلا ہی سال تو تھا۔ کیا آخری بن جانے والا تھا؟ وہ دونوں ہاتھ کنپٹیوں پر رکھ کر مسلسل دبائے جا رہی تھی۔

کبھی ہم سوچتے ہیں کہ کچھ نہ سوچیں لیکن خیالات اندھا دھند جیسے ہم پر گولیاں برساتے ہیں۔ ایسے میں دل بے چارہ اپنی معصوم آواز میں چلاتا رہ جاتا ہے۔ ''اوہ گاڈ ریلیکس! پلیز چپ ہو جاؤ!'' لیکن کوئی آواز خاموش نہیں ہوتی۔ ذہن میں شور بڑھتا جاتا ہے اور دل سرزنش کرتے کرتے تھک جاتا ہے۔

''آصفہ بی بی! آپ کو بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔'' کمزوری، نقاہت کسی چیز کا احساس باقی نہ رہا۔ وہ خود ہی چل کر ڈرائنگ روم تک آ گئی۔

اسے اپنی زندگی کا فیصلہ سننے کی جلدی تھی یا بے وفا اور ہارے ہوئے شرجیل کو دیکھنے کی لگن! اپنے

ہی دھیان و انداز کا اسے پتا نہ تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے بیٹی؟''

''میں ٹھیک ہوں تایا جان۔''

''یہ شرجیل تم سے ملنے آیا ہے، تم سے کچھ کہنا چاہ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم آپس میں بیٹھ کر بات کرلو۔ میں ایک دو ضروری فون کر کے آتا ہوں۔'' تایا جان اٹھ گئے۔

''نہیں دادا جان پلیز، آپ بیٹھیے میں خود آصفہ سے کوئی بات نہ کرسکوں گا۔'' شرجیل کی آواز ٹھیک تھی، وہ سمجھی شاید شرمندہ ہوگی یا پریشان۔

''شرجیل بیٹا! زندگی میں سیکھنے کے لیے پہلا اصول یہ ہونا چاہیے کہ بندہ خود پر بھروسہ کرے اور میرے خیال سے میاں بیوی کی آپس کی زندگی میں کسی بھی تیسرے کی گنجائش نہ رکھنی چاہیے۔''

تایا جان بات کہہ کر تائی جان کو اشارہ کر کے اٹھ گئے۔

کچھ دیر شرجیل یونہی سر جھکائے بیٹھا رہا، بات کرنے سے پہلے وہ پھر سوچنے لگا تھا۔

کیا کہے اور کس طرح کہے۔۔۔!

''آصفہ! میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ۔۔۔''

وہ جلدی سے اپنا فیصلہ سنا دینا چاہتا تھا کیونکہ اسے خبر تھی آصفہ کے دل پر بھی کڑی بیت رہی ہوگی۔ لیکن اس نے جیسے ہی فیصلے کا لفظ بولا آصفہ یک دم کھڑی ہوگئی۔ اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

''پلیز شرجیل! تم چلے جاؤ یہاں سے، مجھے تمہارا کوئی فیصلہ نہیں سننا۔''

وہ خود یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اس گھر سے شرجیل سے ہی دور کہیں ایسی جگہ جہاں اسے شرجیل کی آواز، اس کا قیامت خیز فیصلہ سنائی نہ دے لیکن اس کی ٹانگوں کی سکت چھن گئی تھی۔ اس کے جسم کی طاقت ختم ہوگئی تھی۔

''آصفہ! سنو تو سہی، میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ یہی میرا فیصلہ ہے۔'' اس نے بہت تیزی میں بات کہی اور دانستہ فیصلے کا لفظ بعد میں استعمال کیا۔ وہ صوفے پر گر سی گئی۔

''لیکن میرے ساتھ تمہاری زندگی بہت مشکل ہوجائے گی۔'' اس بہت مشکل، میں وہ ان آنسوؤں، عذابوں اور اذیتوں کو کبھی نہیں سمیٹ سکتا تھا جو اتنے تھوڑے عرصے میں آصفہ نے سہے تھے اور ابھی بہت سہنے باقی تھے۔

''کیا کہوں میں۔۔۔! میں تو سوچتی ہوں یا تو زندگی نہ ہو یا صرف آپ کے ساتھ ہو۔ اس سے آگے میرا تصور جاتا ہی نہیں۔ میں خود اپنے آپ پر حیران ہوں۔''

وہ ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ اسے پتا تھا کہ شرجیل کا اعتبار پالینے کے باوجود کوئی خوشیاں اس کی منتظر نہ تھیں۔

''یہ عورت کے مزاج کی کیسی خوبی ہے کہ ایک نام جس سے قسمت بندھ جائے، اس پر مر مٹنے کے لیے راضی رہتی ہے، چاہے وہی نام خود اسے کیوں نہ مٹا ڈالے۔''

''لیکن آصفہ! میں بہت مایوس ہوں، بہت بکھر گیا ہوں۔ میں اپنی ماں کی حکم عدولی کر کے چین

نہیں پاسکوں گا۔"

اس کی وہی رٹ تھی اور آصفہ کی اپنی بے بسی کہ اسے اس رٹ سے ہٹا نہ سکی تھی۔

عورتیں کیسے اپنے میاں کو اپنا دیوانہ بنا لیتی ہیں۔ انہیں اپنے اشاروں پر چلاتی ہیں، عالیہ آنٹی اور سہیل انکل کی مثال اس کے سامنے تو موجود تھی۔

"آپ اس طرح کیوں سوچتے ہیں، آپ مجھے موقع تو دیں، میرا ساتھ دیں۔ مجھے یقین ہے، میں انہیں ضرور منالوں گی۔ ہم دونوں مل کر انہیں خوش رکھیں گے۔"

"وہ تمہیں رکھنے پر تیار نہیں ہیں۔ تم انہیں خوش رکھنے کی بات کرتی ہو آصفہ۔ تم احمقوں کی جنت میں رہتی ہو۔"

اور وہ واقعی اتنی ہی بھولی تھی، انہیں اس کو اپنے بیٹے کے ساتھ دیکھنا ہی تو منظور نہ تھا۔ لیکن جب آپ اچھی سوچ اور فطرت ہی رکھتے ہیں تو برائی کو کیسے خیال میں لائیں۔

"پھر۔۔۔؟" اس کے منہ سے نکلا جیسے وہ مان رہی ہو کہ وہ واقعی بے وقوف ہے۔

"انہوں نے مجھے قسم دی ہے کہ اگر میں نے تمہیں نہ چھوڑا تو وہ مجھے اپنی شکل نہ دکھائیں گی۔"

"پھر۔۔۔" وہ پھر اسی لفظ پر آئی۔

"پھر کیا! اب میں نے قسم کھائی ہے کہ میں انہیں اپنی شکل نہ دکھاؤں گا، یہاں تک کہ وہ ترس جائیں گی۔"

وہ حیران ہوگئی، پھر پریشان بھی ہوگئی۔ شرجیل نے یہ کیسا فیصلہ کیا تھا۔ یہ بالکل اس کی تربیت، طبیعت اور محبت کے خلاف تھا۔ وہ محبت جو اسے اپنی ماں سے ہر حال میں بہت زیادہ تھی۔

کیا وہ آصفہ کے لیے ایک الگ گھر بنائے گا؟ کیا وہ آصفہ کے لیے اپنے ماں باپ اور بہن کو چھوڑ دے گا؟ یا وہ آصفہ کو لے کر بہت دور چلا جائے گا۔ اس نے یہی تو کہا ہے نا کہ وہ آصفہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔! وہ چند لمحوں میں اتنی ساری اچھی باتیں سوچ گئی لیکن شرجیل کچھ کہہ رہا تھا۔ اسے اس کی باتوں پر دھیان دینا چاہیے۔

"میں نے تھوڑے دنوں پہلے ہی اسپشلائزیشن کے لیے امریکا میں اپلائی کیا تھا اور میری درخواست بہت جلدی منظور ہوگئی ہے۔ اس لیے میں کل ہی روحیل کے ساتھ اسلام آباد جارہا ہوں۔ کچھ ضروری کام ہیں۔ سیٹ ملتے ہی میں امریکا روانہ ہوجاؤں گا۔ میں نے دادا جان کو سارے کاغذات دکھا دیے ہیں۔"

وہ چپ ہوا تو آصفہ گنگ سی ہوگئی۔ اس سارے قصے میں آصفہ کہیں نہ تھی۔ آصفہ جسے وہ چھوڑنے والا بھی نہیں تھا۔

"آصفہ! تمہاری بہت بڑی خواہش تھی نا کہ میں اپنی پڑھائی جاری رکھوں، بڑا ڈاکٹر بنوں اور لمبی لمبی ڈگریاں میرے نام کے آگے لگی ہوں۔"

اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ اس کی آواز اس کے اپنے گلے میں ہی کہیں کھو گئی۔۔۔! شرجیل کے لیے ہی وہ سب کچھ چھوڑ دینے پر تلی بیٹھی تھی اور شرجیل خود میدان چھوڑ کر بھاگ رہا تھا۔

تیز بارش میں سر چھپانے کے لیے آپ بار بار جس چھت کے نیچے پاؤں دھرتے ہوں کہ شاید آسرا مل جائے۔ چاہے اس چھت کے نیچے زمین پتھریلی ہو، اس زمین میں گڑھے ہوں لیکن احساس تو رہے کہ چھت ہے اور وہ چھت ہی ہوا میں اڑ جائے تو۔

''تو آپ مجھے کون سے راستے پر چھوڑ کر جائیں گے؟'' یعنی ان سارے فیصلوں میں اس کی اپنی قسمت کا فیصلہ کہیں نہیں تھا۔

''جہاں تم رہنا چاہو اور رہنا تو تمہیں اپنے ہی گھر میں چاہیے۔''

اس نے اتنی خالی نظروں سے شرجیل کو دیکھا کہ تھوڑی دیر کے لیے شرجیل کا اپنا ضمیر بری طرح کانپ گیا۔

''آصفہ پلیز، مجھے معاف کر دینا۔ میں تمہیں ایک اچھی زندگی جانے کب دے سکوں گا۔''

وہ کچھ نہ بولی، وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

''میں شام کو پھر آؤں گا۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا، آصفہ نے زبان سے تو کچھ نہ کہا تھا، وہ اس کی آنکھوں کی ملامت بھی نہ سہہ سکا۔ اوہ خدایہ شخص اتنا بزدل کیوں ہے۔ جو شخص رشتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ رشتے جوڑتا کیوں ہے۔

''ابھی میں نے اپنے اس فیصلے کا ذکر دادا جان کے سوا کسی سے نہیں کیا۔''

وہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے باہر نکل گیا، اور شاید اب وہ گھر کے گیٹ سے باہر نکل جانے والا تھا۔ وہ اسے دوڑ کر پکڑ سکتی تھی۔ اسے روک سکتی تھی، اسے وہ خوش خبری سنا کر ہی روک سکتی تھی جو ان دونوں کے درمیان رشتے کی بنیاد بننے والی تھی لیکن وہ بس اسے جاتا دیکھتی رہی، وہ شرجیل سے بڑھ کر بزدل تھی۔

''ارے کہاں چلا گیا شرجیل، مجھے بتایا بھی نہیں، تم سے بات کر کے وہ مجھ سے بات کرنے والا تھا۔''

تایا جان وہاں آئے اور اسے خاموش اکیلے بیٹھے دیکھا تو فوراً بولے اور ابھی آصفہ کچھ کہتی کہ تائی جان پیچھے سے بولتی ہوئی آئیں۔

''جب اس نے فیصلہ کیا تو آپ سے بات نہ کی۔ اب کیا بات کرے گا اور آپ نے کیا کہہ دیا اس سے، کچھ بھی نہیں، ارے اس سے تو بہتر ہے، وہ آصفہ کو چھوڑ ہی دے، اسے عالیہ کو سونپ کر خود سات سمندر پار جا رہا ہے کہ پیچھے سے بھلے عالیہ بچی کے ٹکڑے کر ڈالے۔ کم بخت کو خبر ہی نہ ہو۔ مجھے تو حیرت یہ ہے کمال صاحب کہ آپ کی اولاد ایسی نکمی اور بزدل نکلی۔ بیٹا تو چھوڑیے، پوتے میں تو دادا کا پرتو رکھنا چاہیے۔''

''آصفہ بیٹا! تم سے کیا بات ہوئی۔'' تایا جان خود اب پریشان ہوئے تھے۔

''یہی بس کہ وہ پڑھنے کے لیے باہر جا رہے ہیں۔'' وہ بمشکل بولی۔

''تو تم نے کہا نہیں کہ تم یہاں اکیلی کس کے پاس رہو گی۔'' تائی جان نے کہا۔

''کہا تھا تو کہنے لگے، جہاں جی چاہے رہنا لیکن رہنا تو اپنے گھر میں چاہیے۔''

''سن لیجیے کمال صاحب! اپنا گھر! کون سا گھر دیا ہے شرجیل میاں نے اس کو جس میں یہ رہ لے گی۔ ہم نے سوچا وہ ظلم کا مداوا کرے گا اور وہ شہر چھوڑ کر ہی بھاگ رہا ہے۔''

تایا جان بالکل خاموش ہو کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ حقیقت یہ تھی کہ فیصلے کی دہشت ان پر بھی سوار ہوئی تھی، شرجیل کی بات اور انداز سے وہ بھی یوں ڈرے جیسے سب ختم ہو گیا ہو، لیکن پھر جب اس نے یہ کہا کہ ہر دباؤ کے باوجود آصفہ کو وہ نہ چھوڑے گا تو انہوں نے شکر کیا اور اسی شکر کے اثر میں رہے۔ ان کے ذہن کو شرجیل کی اگلی بات کی سنگینی فوری طور پر محسوس نہ ہو سکی۔

پھر انہوں نے سوچا، تائی جان نے احساس دلایا تو ان کا ذہن گھوم سا گیا۔ سچ مچ وہ چلا گیا تو پھر وہ کس کو پکڑنے جائیں گے۔

''اب یہ سوچنا تو بیکار ہے کہ وہ نہ جائے، وہ جائے گا تو ضرور، پھر یہ سوچو کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

جب ان کا اپنا ذہن شدید ٹینشن میں مبتلا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھونے لگتا تھا تو وہ تائی جان سے مشورہ مانگا کرتے تھے۔

''سچ تو یہ ہے کمال صاحب! کہ میں بہت مایوس ہوں۔ مجھے اس سارے سلسلے میں بھلائی کہیں نظر نہیں آ رہی۔'' وہ بھی ایک طرف صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''پلیز تایا جان! آپ میرے لیے یوں پریشان نہ ہوں، مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔'' آصفہ کو اچھا نہ لگا، یوں تایا جان کا جھکا ہوا سر اور تائی جان کی مایوسی۔

''چلو چھوڑ دیا تمہیں تمہارے حال پر، پھر کہاں جاؤ گی۔ بتاؤ۔'' وہ چڑ گئے تو آصفہ کو جھڑک کر رکھ دیا۔

''بس تایا جان! شام کو شرجیل کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' وہ بری طرح ہرٹ ہوئی۔

''آپ بھی حد کرتے ہیں۔ ہمیشہ اپنا غصہ الٹی جگہ پر نکالتے ہیں، بھلا وہ آپ کی جھڑکیاں سننے کی پوزیشن میں ہے۔''

تائی جان اٹھ کر آصفہ کے برابر میں آئیں اور پیار سے اس کا سر سہلانے لگیں۔

''بیٹا آصفہ! تم ہمیں اپنے لیے سوچنے دو، ہم خود کو بھول کر تمہاری پروا کرتے ہیں، بھلا کیسے تمہاری فکر نہ کریں۔'' تایا جان نے اپنے لہجے کی سختی کو فوری دور کیا۔

پھر بہت کچھ کہنا سننا چھوڑ کر وہ بالکل چپ ہو گئی۔

شام کو شرجیل آیا تو اس کے ساتھ روحیل بھی تھا۔

''تمہارا فیصلہ ہمیں قطعی پسند نہ آیا، تمہیں آصفہ کو بھی ہر حال میں ساتھ لے جانا پڑے گا۔''

انہوں نے فوراً ہی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔ آدھا دن تو انہوں نے مشکل سے برداشت کر کے کاٹا تھا۔

''ٹھیک کہتے ہیں دادا جان مجھے بھی اس کی بات ہرگز پسند نہیں آئی۔'' روحیل نے کہا۔

وہیں ڈرائنگ روم میں وہ سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اس وقت تایا جان نے آصفہ کو بھی بلا لیا تھا کہ جو بات ہو، سب کے سامنے ہی ہو۔

''تم زیادہ چالاک مت بنو برخوردار! اس سارے سلسلے میں تم شروع سے اس کے ساتھ ہو۔''

''اس کے امریکا جانے کی بات کر رہے ہیں تو ضرور اس سلسلے میں، میں نے اس کا ساتھ دیا ہے کیونکہ بھائی ہونے کی حیثیت سے اس کی مدد کرنا میری مجبوری ہے لیکن اس فیصلے کی مخالفت شروع سے کر رہا ہوں۔۔۔ لیکن دادا جان! آپ شاید سمجھ نہیں پائیں گے، اسے امی جان نے اتنا زیادہ پریشرائز (Pressurize) کیا ہے کہ یہ یہاں رہ کر کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہا ہے۔'' روحیل نے سمجھا کر بات کی۔

''تو آصفہ کی زندگی داؤ پر لگا کر یہ اپنی زندگی بنانے چلا ہے۔ واہ میاں! خود غرضی میں ساتھ دینے کی تم نے بھی اچھی ٹھانی۔'' تائی جان تو بگڑی ہوئی ہی تھیں، سیدھا کہہ ڈالا۔

''پلیز دادی جان! میں حالات بہتر ہوتے ہی آصفہ کو وہاں بلا لوں گا۔''

''کون سے حالات! یہاں حالات تو تمہارے ہوتے ہوئے نہ سدھرے تو تمہارے پیچھے خاک سنور جائیں گے اور وہاں حالات کو ہم کون سا دیکھ رہے ہوں گے کہ تمہیں سمجھا دیں کہ اب بہتر ہو گئے۔'' تایا جان نے شرجیل کو فوراً ٹوک دیا۔

''دادا جان پلیز! آپ کیوں نہیں سمجھ رہے۔ میں یہاں رہا تو امی آصفہ کو میری زندگی میں رہنے نہ دیں گی۔ وہ ایک دن مجھے اتنا ستائیں گی اور جلائیں گی کہ میں کوئی بڑا فیصلہ کر کے ہی چھوڑوں گا۔''

''واہ بیٹا! تم آدمی ہو کہ کٹھ پتلی! بھئی جب فیصلہ کر لیا ہے تو کسی کا ستانا جلانا کیا، عورتوں جیسی کمزوری دکھا رہے ہو بیٹا۔۔۔!'' تائی جان نے اسے چھیڑا۔

''آپ جو بھی کہیں دادا جان! لیکن میں شاید اتنا ہی کمزور ہوں۔'' اس نے سر جھکا لیا۔

''اگر اتنے ہی کمزور تھے تو تمہیں شادی نہ کرنی چاہیے تھی بیٹا! رشتوں میں توازن برتنا مرد کا امتحان ہے۔'' وہ مزید شرمندہ ہو گیا اور تایا جان نے بھی آج اس کو نہ بخشنے کا عہد کر لیا تھا۔

''پلیز دادا جان! آپ میرے فیصلے کو رد نہ کریں، مجھے کچھ کرنے دیں۔ یہاں رہ کر نہ میں ڈھنگ سے نوکری کر سکتا ہوں اور نہ ہی کچھ بن سکتا ہوں۔ خدا کے لیے میری مجبوری کو سمجھیں، مجھے کچھ عرصے کے لیے چھوڑ دیں۔۔۔'' اس نے باقاعدہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

اور کمال احمد اپنا سر ہی پیٹ کر رہ گئے۔ اس لڑکے کے اندر اس کی ماں نے مردانگی اور مضبوطی کو پلنے بڑھنے ہی نہیں دیا۔ بھلا ایک جوان آدمی یوں کسی کے بھی سامنے گڑگڑاتا اور منمناتا بھلا لگتا ہے کیا؟

''میری سمجھ میں تمہارا انداز نہیں آ رہا۔ آخر آصفہ کے بارے میں تمہارے اندر کچھ سوچنے یا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اسے فارغ کیوں نہ کر دیا۔'' اپنے دادا جان کو یوں غصے سے کھولتا دیکھ کر شرجیل کچھ گڑبڑا سا گیا۔

''کیا آپ کو اس فیصلے میں بھلائی نظر آ رہی ہے دادا جان؟ بولو آصفہ کیا چھوڑ دوں تمہیں؟''

''نہیں نہیں پلیز، میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔'' آصفہ کے تو دین و ایمان کی انتہا بس یہیں تک

تھی۔

''سوچ لو پھر آج کے بعد کبھی یہ مطالبہ نہ کرنا، چاہے کچھ ہو جائے۔'' وہ خود بھی بے حد جذباتی ہو گیا۔

''بلیک میلنگ نہ کرو، بلیک میلنگ نہ کرو! سمجھے۔ آخر تم لوگوں نے اس بچی کو کیا سمجھ لیا ہے۔ ارے ایسی عورتیں تو گھروں کو جنت بنا دیا کرتی ہیں اور تم ہو کہ اس کے صبر کو آزماتے ہی چلے جا رہے ہو۔'' تایا جان مشتعل ہوئے تو اپنی آواز کو دبا نہ سکے۔

''پلیز دادا جان! ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر بات کریں اور اسے بھی سمجھائیں، ہم آپ کے پاس اسی لیے تو آئے ہیں کہ آپ ہماری رہنمائی کریں گے۔ یہ بہت پریشان ہے دادا جان۔ آپ جانتے ہیں۔ امی جان بہت ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔ آپ کے خیال میں کیا انہیں ناراض کر کے ہمیں ان سے کنارہ کش ہو جانا چاہیے؟''

''دیکھو بیٹا! میں ایسا کچھ نہیں کہہ رہا، سیدھی سی بات ہے جو تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی۔ بھئی اگر تمہاری ماں اسے عزت اور محبت نہیں دے رہی تو نہ سہی تم تو دو، اور یہ کوئی بہت مشکل کام بھی نہیں ہے۔ مرد کر سکتا ہے۔ اسی لیے تو رشتے بنانے اور بگاڑنے کا اختیار مرد کو سونپا گیا ہے۔''

''دادا جان! آپ نے میری ماں جیسی، ماں دیکھی نہیں شاید اور میں دعا کرتا ہوں کہ کوئی ماں کو اس روپ میں نہ دیکھے۔'' اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی، وہ رو ہی دیتا اگر دادا جان سامنے نہ ہوتے۔

کچھ دیر کے لیے سب چپ ہو گئے۔

''تم جانتے ہو کہ تم باپ بننے والے ہو۔'' تھوڑی دیر بعد تائی جان شرجیل کے پاس آ کر بیٹھیں اور بہت آہستہ سے اس کے کان میں یہ بات پھونکی۔

وہ حیرت سے منہ کھولے انہیں دیکھنے لگا۔

''نہیں! سچ۔۔۔؟'' وہ عجیب دکھ بھری کیفیت میں خوشی پا کر ایسے ہنسا جیسے تپتی آگ پر بارش پڑی ہو جیسے اندھیری سیاہ رات میں جگنو چمکا ہو، جیسے پیشانی پہ پخ پخ کر خون آلود ہو گئی تو خدا نے اچانک دعا سن لی ہو۔

اس نے بہت محبت اور آس سے آصفہ کی طرف دیکھا۔ آصفہ جان گئی تھی کہ تائی جان نے اس کے کان میں کیا کہا تھا۔

''چلو آصفہ! گھر چلیں۔'' وہ یک دم اٹھ گیا۔ ''اپنا سامان سمیٹ لو جلدی کرو۔''

تایا جان بھی سمجھ گئے کہ کیا بات ہوئی ہے۔ وہ آہستہ سے اٹھ کر شرجیل کی طرف آئے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''سوچ سمجھ کر ہر کام کرو، جذباتی نہ بنو، اب تمہارے رویے میں کوتاہی میں نہیں برداشت کروں گا۔''

شرجیل نے دیکھا۔ دادا جان بہت ٹوٹے ہوئے اور افسردہ لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''دادا جان! جب حالات بالکل قابو میں نہ آتے ہوں تو تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے، ہو سکتا ہے

شرجیل بھائی کے دور چلے جانے سے امی جان کے دل میں آصفہ کے لیے جگہ پیدا ہو جائے جب ان کو پتا چل ہی جائے گا کہ آصفہ کو بھائی ہرگز نہ چھوڑیں گے تو بالآخر آہستہ آہستہ وہ راضی ہو ہی جائیں گی۔''

''بیٹا! تمہاری ماں کے دل میں جگہ شاید کبھی کسی کے لیے نہ نکلے گی لیکن خیر تم اپنا مان قائم رکھو، اب تو ہر آس اور امید خدا سے ہی باندھ لینی چاہیے۔'' تایا جان نے آصفہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور کمرے سے نکل گئے۔

پہلے شرجیل نے سوچا۔ اپنے ناراض ہوئے دادا جان کو لپک کر منائے لیکن وہ اس کے فیصلے سے یوں راضی ہونے والے نہیں تھے۔ اس لیے وہ چپ ہی رہ گیا تھوڑی دیر وہ بیٹھے تو آصفہ نے اپنا سامان وغیرہ بیگ میں ڈال لیا اور پھر اپنی دادی جان سے اجازت لے کر وہ دونوں بھائی جانے لگے تو آصفہ نے کہا۔

''میں تایا جان سے جانے کی اجازت لے لوں۔'' شرجیل کچھ دیر تو چپ رہ گیا اور پھر سر ہلا کر کہا۔

''ہاں، مجھے بھی انہیں اللہ حافظ کہنا چاہیے۔'' اسے خیال آیا تھا لیکن ہمت نہ کر پایا تھا۔ اب آصفہ کے کہنے پر اس کے ساتھ ان کے کمرے کی طرف بڑھا۔

تایا جان نے چپ چاپ اسے جانے کی اجازت دے دی۔ شرجیل کے کندے پر ہاتھ رکھ کر فی امان اللہ کہا۔

''میری بچی کا خیال ہمیشہ رکھنا، اپنے چھوٹے بھائی کے آگے میں اب تک شرمندہ ہی کھڑا ہوں۔''

آصفہ کو اپنے ساتھ اگلی سیٹ پر بٹھا کر شرجیل نے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

''تم نے اتنی بڑی بات صبح مجھے نہ بتائی! تم جانتی ہو، میں کتنا الجھا ہوا ہوں۔ کوئی الٹا سیدھا فیصلہ کر ڈالتا تو۔۔۔!''

''صرف اس خبر سے آپ اپنا فیصلہ بدل لیتے اور میں۔۔۔!'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی، پچھلی سیٹ پر بیٹھے روحیل کی موجودگی کے احساس سے کترا گئی، شاید شرجیل نے بھی اسے دیکھا۔ اس کی بات سمجھتے ہوئے اور ایک نظر میں اس کا جواب دیتے ہوئے بھی جانے اس نے کیا سمجھا، کیا جانا مگر وہ تینوں کچھ بھی بولے نہیں۔

گھر کی گلی کے سرے تک پہنچ کر شرجیل نے گاڑی روک دی۔

''روحیل! گاڑی تم اندر لے جاؤ۔ میں آصفہ کو لے کر تھوڑی دیر کے بعد آتا ہوں ورنہ ہم پر نازل ہونے والی قیامت کی زد میں تم بھی آ جاؤ گے۔'' شرجیل نے مڑ کر چھوٹے بھائی سے کہا۔

''ارے چھوڑیں بھائی! رہنے دیں۔ میں ان سب چیزوں سے نہیں ڈرتا۔''

''نہیں۔ پھر بھی بھلائی اسی میں ہے کہ امی جان کو ہماری تمہاری ایک رائے ہونے کا اندازہ نہ ہونے دیا جائے۔'' وہ گاڑی سے اترنے لگا۔

''ٹھیک ہے تو پھر آپ لوگ گاڑی میں جائیں نا، میں پیدل چلا جاتا ہوں۔''

''میں گاڑی میں جانا نہیں چاہتا اور دوسرے پہلے تم گھر میں جا کر ذرا امی جان کے مزاج کی تیزی

اور تند ہی کو تھوڑا ہموار کرو، جاتے ہی پہلے تو کسی طرح یہ جتا دو کہ شرجیل آصفہ کو لینے ہی گیا ہوگا۔"

آصفہ نے دیکھا، وہ یونہی ڈرنے والا بے ہمت سا شخص لگ رہا تھا، بالکل نہ بدلا تھا اور بھلا چند دنوں میں آدمی بدل بھی کیسے سکتا ہے۔

"پلیز شرجیل بھائی! امی جان کے مزاج کو اتنا اپنے اوپر سوار نہ کریں۔" وہ سر ہلا کر گاڑی سے اتر گیا۔۔۔ ساتھ آصفہ بھی اتر گئی۔

"دادی جان نے بتایا تھا، تمہاری طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔ تھوڑا پیدل چلنے میں تکلیف تو نہ ہوگی نا۔" اس نے ساتھ اٹھاتے پہلے قدم پر ہی پوچھا۔

"آپ میرا خیال میری وجہ سے رکھ رہے ہیں یا۔۔۔" اس نے نظر اٹھا کر اپنے شوہر کو دیکھا۔ اس بات کا ٹھیک اندازہ تو شرجیل کو بھی نہ ہو رہا تھا۔ بس سچ یہ تھا کہ آصفہ اب اسے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اچانک ہی اسے محسوس ہوا تھا کہ یہ عورت اس کے لیے دنیا کا قیمتی ترین وجود ہو۔

"آپ نے جواب نہیں دیا۔"

"آصفہ! پہلے ہی سے الجھی اپنی زندگی میں ان نئی الجھنوں کی ایسی گنجائش کہاں۔ سچ پوچھو تو میں تو اب اس قابل بھی نہیں رہا کہ اپنے ہی رویوں کی تشریح کر سکوں۔ میرے فیصلے نے کیا تمہیں اپنے وجود کی اہمیت کا احساس نہیں دلایا۔"

وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اسے گھر پہنچنے کی جلدی بھی نہ تھی اور آصفہ کا بھی خیال تھا۔

"آپ کا فیصلہ تو اب تک میری سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ آخر یہ آپ نے کس کے حق میں کیا ہے۔"

"پلیز آصفہ! ابھی تم اس ٹینشن میں نہ پڑو، ابھی تو میرے جانے میں بہت دن پڑے ہیں۔" اس کی زندگی کو ایک مسلسل ٹینشن بنا کر اب وہ کہہ رہا تھا کہ آصفہ کسی ٹینشن میں نہ پڑے۔

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ پرسوں اسلام آباد چلا جاؤں گا اور۔۔۔"

"نہیں جاؤں گا، ابھی کہیں نہیں جاؤں گا بس۔۔۔" آصفہ کے دل کو کچھ تسلی ہوئی لیکن اسے عجیب سا وہم بھی ہوا کہ یہ تسلی عارضی ہے۔

گھر کا دروازہ سامنے آ گیا تھا۔ شرجیل لمحے بھر کو رک گیا۔ اس نے درز میں سے جھانکا، چوکیدار سامنے ہی ٹہل رہا تھا اس نے کال بیل نہیں بجائی، دروازے کو ہلکے سے کھٹکھٹایا۔۔ چوکیدار نے فوراً جھانک کر گیٹ کھول دیا۔

"پچھلا گیٹ کھول دو حبیب خان! ہم وہیں سے آ رہے ہیں۔" اس نے آصفہ کا ہاتھ تھاما اور گھر کی پچھلی طرف چل پڑا۔ گیٹ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی کھل گیا تھا۔

شرجیل اس کو لے کر سیدھا اپنے کمرے کی طرف چلا، شاید وہ پہلی بار اس گھر میں اپنے کمرے تک اس سیدھے راستے سے گئی تھی۔ درمیان میں پڑنے والا لان کا سلسلہ جو اکثر اذیت ناک خیالات میں مبتلا کرتا تھا، آج اسے اس راہ کا سامنا نہ ہوا۔ کمرے میں جا کر اپنے بستر پر بیٹھتے ہوئے اسے عجیب سکون کا سا احساس ہوا۔ اس کے کمرے کا راستہ اتنا آسان تھا۔ وہ بے وجہ مشکلوں سے الجھ کر یہاں تک آیا کرتی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ سوچ رہی تھی، عالیہ آنٹی کا سامنا کیسے کرے گی۔۔۔! یہ پہلا قدم تھا اس

کے شوہر کا جو اس نے خالص اس کے لیے اٹھایا تھا، چاہے پچھلے دروازے سے ہی سہی، کوئی یہ بھی کہہ لے کہ چور دروازے سے لیکن وہ اپنے گھر میں تو پہنچ گئی تھی۔

''میرے کپڑے نکال دو، لیکن نہیں تم رہنے دو۔ میں خود ہی نکال لوں گا، نہا کر فریش ہو جاؤں، بہت تھک گیا ہوں۔''

''اب میں اتنی بھی بیمار نہیں کہ الماری سے کپڑے نکال کر آپ کو نہ دے سکوں۔''

وہ مسکرائی تو شرجیل کے دو دنوں کی تھکن دور ہو گئی۔ اچھی عورت مرد کے لیے زمین پر اللہ کا خاص تحفہ ہے، بس مرد ہی ناشکرا بن کر قدر نہیں کرتا اور ابھی وہ نہا کر باتھ روم سے نکلنے ہی والا تھا کہ کمرے کا دروازہ دھڑ ادھڑ بجنے کی آواز اسے باتھ روم کے اندر صاف سنائی دی، جلدی جلدی بال خشک کر کے تولیہ لپیٹتے ہوئے اس نے آصفہ کو پکارا جو شاید اطمینان سے بیٹھی یک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''آصفہ! تم دروازہ نہ کھولنا، میں آ رہا ہوں۔۔۔''

''بھئی، کون ہے، تھوڑی دیر رک جاؤ۔''

دستک دینے والا صبر کرنے کے موڈ میں نہ لگ رہا تھا اور اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ شرمین ہو گی۔ جلدی جلدی کرتا گلے میں ڈال کر اس کے بٹن بند کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھا اور لاک گھما دیا۔

''آپ کیا دیوار پھلانگ کر گھر میں آئے ہیں شرجیل بھائی۔۔۔!''

''تم میں ذرا سی بھی تہذیب نہیں ہے شرمین! بھئی ایک دو دفعہ دستک دے کر رکنا چاہیے۔ آدمی مصروف بھی ہو سکتا ہے۔'' شرجیل کو غصہ آ گیا تھا اس کی بات سراسر نظر انداز کر کے اس نے اسے ڈانٹ دیا۔

''بس رہنے دیں، آپ کے کمرے کا ایک ہی دستور ہے۔ گھنٹہ گھنٹہ بھر دروازہ نہیں کھولا جاتا اور یوں بھی میں آپ سے تہذیب اور تمیز کا سبق پڑھنے نہیں آئی ہوں، یہ بتانے آئی ہوں کہ امی جان آپ کو بلا رہی ہیں۔''

ہمیشہ کی طرح منہ پھٹ شرمین نے فوری جواب دیا۔

''امی جان سے کہہ دو۔ میری طبیعت بہت خراب ہے۔ ابھی دوائی کھائی ہے۔ اور اب سونے لگا ہوں، صبح جواب دے دوں گا۔''

اپنے کمرے کے دروازے میں ہی وہ جم کر کھڑا تھا، بالکل گنجائش نہ چھوڑی تھی کہ شرمین کمرے میں گھس کر آ سکتی، یوں بھی امی کے ساتھ اس کی بھی بھائی سے ناراضی چل رہی تھی۔ اس لیے منہ سے کہہ نہ سکتی تھی کہ کمرے کے اندر چلی جائے۔

''آپ کو کیا ہو گیا ہے شرجیل بھائی۔'' اس کے صاف جواب پر وہ حیران بھی بہت ہوئی۔ ان ماں بیٹیوں نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ اگلا انسان بے زار بھی ہو سکتا ہے یا کبھی بدل بھی سکتا ہے۔

''کیوں مجھے کچھ نہیں ہو سکتا کیا؟'' حالانکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ شرمین کو اس کی طبیعت پر نہیں لہجے پر تشویش ہو رہی تھی۔

''افوہ! میرا مطلب ہے، آپ اس طرح بات کیوں کر رہے ہیں، آپ کو امی جان کی ناراضی کی تو خبر ہے نا، رات کے بلوائے گئے آپ صبح انہیں صورت دکھائیں گے تو شاید وہ آپ کی صورت ہی نہ دیکھیں گی۔''

''اب میری صورت تو یہی رہے گی شرمین! دیکھنا نہ دیکھنا ان کی مرضی ہے۔ میں صبح ہی آؤں گا۔'' اس نے بنا مروت برتے آگے سے دروازہ بھی بند کر دیا۔ شرمین شاید حیران و پریشان بہت دیر دروازے میں ہی کھڑی رہ گئی تھی۔

''آپ کو اپنی امی جان کو جواب دے دینا چاہیے تھا۔'' آصفہ کو یہ ساری بات اچھی لگنی چاہیے تھی لیکن بری لگی۔ اس کی وجہ سے اس کا شوہر اپنی ماں کا نافرمان ہو جائے، یہ تو اس کا مقصد نہ تھا۔

''اگر ان کے بلانے پر جاؤں گا تو پھر پلٹ کر یہاں نہ آسکوں گا۔ چلا جاؤں؟'

اس کا جی چاہا، پوچھے کیوں نہ آسکیں گے! ایک انسان کو سب کو مطمئن کرنا چاہیے۔ لیکن وہ ڈھیر ساری باتیں جو وہ صرف سوچ کر رہ جاتی تھی اگر کہہ دیا کرتی تو شاید کچھ نہ کچھ تو بدل ہی جاتا۔

مگر شرجیل سہیل احمد آج بدل گیا تھا۔ ہمیشہ کے لیے بدلا تھا یا صرف آج کے لیے۔ یہ تو صرف اس کے نصیب کے زور پر منحصر تھا۔ اس کا نصیب کتنا جوش میں آیا تھا اس کی تو کسی کو خبر نہ تھی اور یہ بھی بہت تھا کہ یوں سویا ہوا نصیب ہوش میں تو آیا۔

سو آج کی رات اس کی امنگوں اور مرادوں کی رات تھی۔ شوہر مہربان ہی نہ ہوا تھا محبوب بھی بن گیا تھا اور آصفہ تو تھی ہی ایک دیوانی لڑکی، سارے گلے شکوے بھول کر اس کی محبت میں ڈوب گئی۔ اتنی بھی سیانی نہ بنی کہ ابھی صرف اس کے بنے، اپنے شوہر سے پھر نہ بدل جانے کا وعدہ ہی لے لیتی۔ نئے سرے سے پھر تجزیہ بھی نہ کیا کہ یہ محبت اس کے لیے ہی ہے یا اس کے وجود میں پلتے اپنے حصے کے لیے ہے۔

بس پھر وہ تو ایک رات تھی گزر گئی، یہاں زندگی تو تمام نہ ہو سکتی تھی۔ صبح آنکھ کھلی اور اس نے اجالا دیکھا تو اسے خیال آیا کہ اب ضرور ایک قیامت اس کمرے سے باہر ان دونوں میاں بیوی کی منتظر ہوگی۔ وہ باہر جانے کے لیے تیار کھڑی تھی لیکن یقیناً جا نہیں سکتی تھی۔ ابھی کسی سوچ میں ہی پڑی تھی کہ شرجیل جاگ گیا۔

''تم رکو۔ ہم دونوں ساتھ باہر ناشتا کے لیے چلتے ہیں۔'' باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے اس نے کہا تو وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

صرف ایک شوہر کا ساتھ ہو تو عورت کتنی مضبوط ہو جاتی ہے، کل تک اس گھر میں چلنے پھرنے سے اسے ڈر لگتا تھا۔ اپنے کمرے میں بیٹھی بیٹھی وہ بے وجہ سہمی رہتی، اپنی آہٹ پر چونکتی اور اپنی ہی آواز سے خوف کھاتی اور آج کیسی بے پروا ہو گئی تھی، ضرور اس کی قسمت بدل گئی تھی۔۔۔!

تھوڑی دیر میں شرجیل نہا دھو کر فریش ہو گیا۔ تیار ہو کر آئینے کے سامنے کھڑا ہوا تو آصفہ کی نظر اسی پر ٹھہر گئی، بلیک پینٹ پر بلیک اینڈ وہائٹ دھاریوں والی شرٹ اس کے اونچے قد پر بہت جچ رہی تھی۔ وہ خود بہت دنوں کے بعد اتنے سکون سے تیار ہو رہا تھا شاید صرف اس لیے کہ آج وہ اپنی ماں کے رویوں کی

پروانہ کررہا تھا یا کم سے کم ظاہر تو یہی کررہا تھا۔

''آج مجھے ضرور وقت پر اسپتال پہنچنا ہے، ہر دوسرے دن لیٹ ہو جاتا ہوں۔''

حالانکہ اس کے ڈیوٹی ٹائم میں ابھی کافی ٹائم تھا اور شاید اس نے خود اضافی ٹائم رکھا ہی تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ کہیں نہ کہیں اٹک کر اسے رکنا ضرور پڑے گا۔ وہ دونوں ساتھ کمرے سے نکلے، ساتھ لان کا راستہ پار کیا اور لاؤنج تک آئے اور لاؤنج میں ہی صوفے پر شرجیل کی نظر پڑی تو وہ چونک گئے۔

''ارے امی جان یہاں کیوں سو رہی ہیں؟'' پاس ہی کرسی پر بیٹھی شرمین سے اس نے پوچھا۔

''شش!'' منہ پر انگلی رکھ کر شرمین وہاں سے اٹھ گئی اور تھوڑی دور آگے چلی گئی اور اشارے سے اپنے بھائی کو بھی اپنے پاس بلایا۔

''ابھی فجر کے بعد ہی مشکل سے تھوڑی دیر ہوئی سوئی ہیں، رات سے یہیں بیٹھی ہیں آپ کے انتظار میں، ان کا خیال تھا، آپ نے یونہی ناراضی میں کچھ کہہ دیا ہوگا، تھوڑی دیر میں ضرور امی جان کے پاس آئیں گے، آپ کو خبر تو ہے کہ آپ کی صورت دیکھے بغیر انہیں سو جانے کی عادت نہیں ہے۔''

شرمین دھیرے دھیرے اپنے بھائی کے کان میں وہی صور پھونک رہی تھی جس کے سحر سے وہ نکل جانے کے درپے تھا۔

''کمال ہے، میں نے تم سے کہا تو تھا کہ میں صبح آؤں گا تم نے سمجھایا نہیں امی جان کو، یہاں ٹھنڈ بھی کتنی ہے، تمہیں پتا بھی ہے ان کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔'' وہ بری طرح جھنجھلا کر شرمین پر ہی برس پڑا۔

''اور آپ کو بھی تو پتا ہے امی جان کے مزاج کا، انہوں نے اپنی مرضی کے آگے کبھی کسی کی سنی ہے بھلا۔۔۔! آپ کو رات کو ہی یہ سب باتیں سوچنی چاہیے تھیں۔'' شرمین نے بھائی کی جھنجلاہٹ کی ہرگز پروانہ کی۔

''اور روحیل اور ابو وغیرہ کہاں ہیں؟'' وہ زچ ہوا۔

''ابو تو رات کو جلدی سو جاتے ہیں، اور روحیل بھی آتے ہی رات کو اندر کمرے میں چلا گیا تھا۔''

''اچھا ایک موٹا کمبل لے کر ان کے اوپر ڈالو، اور انہیں ہرگز نہ جگانا، تم ذرا خیال رکھ لو۔'' وہ شرمین سے کہہ کر ناشتے کی میز کی طرف آیا۔

''آصفہ! تم دیکھو ذرا کچن میں ناشتے کا کیا انتظام ہے۔''

''اسے کچن میں نہ بھیجیں بھائی جان! امی ناراض ہو جائیں گی۔'' شرمین بھائی کی ہدایت کے باوجود ان میاں بیوی کے پیچھے ڈائننگ ٹیبل تک آئی تھی۔

''افوہ! تو تم جا کر دیکھ لو میں ناشتا تو کروں گا یا نہیں، مجھے ہسپتال جانا ہے۔'' اس کے لہجے میں چڑ شامل ہی رہی۔

''ابھی تو آپ مجھ سے کہہ رہے تھے امی جان کا خیال رکھوں، ابھی ناشتا بنانے کا کہہ رہے ہیں، بھئی تھوڑی دیر صبر کر جائیں نا ابھی سکینہ آجائے گی تو ناشتا بن جائے گا۔''

''اچھا۔ اب میں سکینہ کے آجانے اور پھر اس کے ناشتا بنا لینے کا انتظار کروں، جبکہ میری بیوی

میرے سامنے موجود ہے اور مجھے اس کے ہاتھ کا کھانا کھانے میں کوئی اعتراض نہیں جاؤ آصفہ! تم جلدی سے ناشتا بناؤ، صرف ہم دونوں کے لیے بنانا، امی جان کو پسند نہیں لہٰذا باقی کسی کے لیے نہ بنانا۔'' آصفہ حکم سننے کے انتظار میں تھی فوراً کچن میں چلی گئی۔

''ہونہہ! یہ ایک دن میں کسی نے کیا پڑھ کر آپ پر پھونک دیا ہے۔'' شرمین نے طنز کیا۔

''تم امی جان کے پاس جا کر بیٹھو۔'' شرجیل نے بہن کو ٹوکا۔

''بڑا خیال ہے آپ کو امی جان کا اور میں جو کہہ رہی ہوں کہ اس کا گھر کی چیزوں کو ہاتھ لگانا انہیں پسند نہیں تو آپ پر واہ بھی نہیں کر رہے۔'' شرمین کا لہجہ ویسا ہی مغرور تھا۔ اس نے کچن میں گئی آصفہ کی طرف بڑی نخوت سے اشارہ کیا تھا۔

''دیکھو شرمین! اگر امی جان کچھ الٹا سیدھا بولتی ہیں تو تمہیں تو ان کی باتوں میں نہ آنا چاہیے بلکہ تم تو انہیں بہت کچھ سمجھا سکتی ہو۔''

''وہ جو آپ کو روزانہ اتنا کچھ سمجھاتی ہیں، ان کی باتوں کا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آپ کو تو ان کی زندگی کی بھی کوئی پروا نہیں، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ اس کے مسئلے کو انہوں نہ صرف اپنی انا نہیں زندگی کا مسئلہ بنالیا ہے۔''

''یہ میری اپنی بھی زندگی کا مسئلہ ہے اور اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آصفہ کو میں نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ بات تم اطمینان سے بیٹھ کر آج امی جان کو سمجھا دینا۔''

''توبہ کریں جی۔ مجھے کوئی شوق نہیں بھڑ کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کا، یہ آپ کا معاملہ ہے۔ آپ ہی نمٹیے گا، میں کسی سے کچھ نہ کہوں گی۔''

شرمین کبھی اپنے لہجے یا بات میں ادب لحاظ تو رکھا ہی نہ کرتی تھی اور جواب بھی اس نے صاف دے دیا، اس کی صورت دیکھ کر شرجیل نے مایوسی سے گردن ہلائی۔

آصفہ نے بہت تیزی سے کام شروع کیا تھا، پراٹھے، آملیٹ اور چائے سمیت دو آدمیوں کا ناشتا اس نے بہت جلدی بنالیا اور پھر ٹرالی میں رکھ کر وہ ڈائننگ ٹیبل تک لے آئی۔ شوہر کی توجہ اور احساس میں اس نے اپنی طبیعت کی ناتوانی کی بھی پروا نہ کی۔

''ارے اتنی جلدی تم نے پراٹھے بھی بنالیے۔'' اس گھر میں پراٹھے کھانے کا شوق سب کو تھا، بنانے کا اہل کوئی نہ تھا۔

''آپ کو دیر ہو رہی ہے نا اور میں نے سوچا۔ آپ کو بھوک بھی بہت لگی ہوگی۔'' آصفہ مسکرائی اور دور بیٹھی شرمین ایسے پرسکون اور محبت بھرے منظر کی تاب نہ لا رہی تھی۔

''آؤ تم بھی جلدی سے ناشتا کرلو۔'' اپنا ناشتا شروع کرنے سے قبل شرجیل نے اسے بھی یوں کہا جیسے اس نے بھی شرجیل کے ساتھ ہی گھر سے روانہ ہونا ہو۔

''کیوں؟'' وہ الجھی۔

''پھر امی جان پسند نہ کریں تو تم اپنے کمرے میں ہی چلی جانا نا، بے وجہ الجھنے سے کیا حاصل۔''

اس نے بات سمجھتے اور مانتے ہوئے جلدی جلدی ناشتا کرنا شروع کر دیا۔

اس کی کرسی کا رخ لاؤنج کی طرف تھا۔ سو جلدی جلدی منہ میں نوالے ڈالتے ہوئے یک دم اس کی نظر اسے بہت ہی بری طرح گھورتی ہوئی عالیہ بیگم پر پڑ گئی۔ جاگ گئی تھی یا جگائی گئی تھیں یا ایک وہم اسے یہ بھی تھا کہ وہ نیند میں تھیں ہی نہیں، بس آنکھیں بند کیے صوفے پر لیٹی نیند کو صرف چہرے پر سجائے ہوئے تھیں۔

لاؤنج کا صوفہ ڈائننگ ٹیبل سے کافی دور تھا لیکن اتنے فاصلے سے بھی عالیہ بیگم کی آنکھوں میں نفرت اور عذاب اسے صاف نظر آ رہے تھے، ہاں عذاب! عالیہ بیگم کی آنکھوں میں، سوچ میں اور دل میں شاید آصفہ کے لیے صرف عذاب ہی تھا اور سچ یہ ہے کہ بندہ کسی کو عذاب دینے پر قادر نہیں۔ صرف نادانی اور غرور میں اپنے آپ کو اتنا قابل سمجھ لیتا ہے کہ دوسرے کے لیے اس حد تک سوچ لے کہ اسے چھوڑوں گا نہیں، مگر اللہ اگر نہ چاہے تو بندہ کسی کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ حقیقت یہی تھی نا عالیہ بیگم کی لاکھ کوششوں اور نفرت کے باوجود آصفہ کا گھر ابھی تک محفوظ تھا۔ نوالہ بنا کر منہ میں ڈالنے والی آصفہ کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا اٹک گیا۔

''اللہ! آخر نفرت کا ایسا کریہہ روپ مجھے کیوں دیکھنے اور سہنے کو ملا ہے؟'' نوالہ اس نے واپس پلیٹ میں رکھ دیا اور آنکھیں نیچی کر لیں۔

''کیا ہوا؟'' شرجیل سامنے ہی تو بیٹھا تھا اس نے فوراً اس کے انداز کو نوٹ کیا اور یہ تو بندے کی مرضی پر منحصر ہے، چاہے تو آنکھوں کے پردے میں چھپے آنسو کو محسوس کر لے اور نہ چاہے تو سامنے برپا قیامت کو نوٹ نہ کرے۔

اور ابھی وہ کچھ سوچتی، کچھ جواب دیتی کہ عالیہ بیگم کی سخت آواز نے ان دونوں کو سچ مچ سہما دیا۔

''اٹھ کھڑی ہو جا! تجھے منع کیا ہے کہ میرے گھر کی چیزوں کو مت برتا کر پھر بھی تُو باز نہیں آتی۔۔۔ حد ہے، کیسی ڈھیٹ اور بے شرم لڑکی ہمارے پلے پڑ گئی ہے، کم بخت پر کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا۔''

وہ نیند سے لڑی ہوئی اور بیٹے کے لیے فکر مند اور بدحال کہیں سے نہ دکھ رہی تھیں۔

''امی پلیز، یہ میری مرضی سے یہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ اس طرح بات نہ کریں۔'' شرجیل نے نرمی سے ماں کو سمجھایا۔

''ارے ہٹو! تم نے تو اگر مجھ سے بات کی تو میں ابھی ابھی کچھ کھا کر مر جاؤں گی۔'' انہوں نے بری طرح بیٹے کو جھڑک دیا۔ ان کی آواز سن کر روحیل اور سہیل احمد بھی لاؤنج میں آ گئے تھے۔

''ہاں تو شرجیل کا دل بڑا نرم اور کمزور ہے، وہ اس کام کو کرنے پر آمادہ نہ ہوا تو آج میں خود تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھے باہر سڑک پر کھڑا کر رہی ہوں۔ دیکھتی ہوں۔ مجھے کون روک لیتا ہے۔''

ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ انہوں نے پہلے آصفہ کو بازو سے گھسیٹا اور پھر پیچھے سے بری طرح دھکا دیا۔ وہ بری طرح لڑکھڑا گئی اور ابھی سنبھلی بھی نہ تھی کہ انہوں نے پھر دھکا دیا۔

''اسی طرح دھکے مار مار کر تجھے اس گھر سے باہر کروں گی۔ یہ میرا بہت دنوں کا ارمان ہے۔''

وہ بری طرح جوش میں آئی ہوئی تھیں اور شرجیل تو سکتے میں اپنی جگہ پر کھڑا ہی رہ گیا تھا۔ البتہ روحیل فوراً آگے بڑھ کر بھائی کی طرف آیا اور اسے کاندھے سے جھنجھوڑ کر آگے بڑھنے کا اشارہ دیا، لیکن

وہ ماں کے جلال کے سامنے کچھ ہمت نہ کر سکا۔

''اوہ یو کاورڈ مین (Oh you coward man!)۔''

روحیل بری طرح دانت پیس کر بڑبڑایا اور آگے بڑھ کر اپنی ماں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہو گیا ہے امی آپ کو۔۔۔ آخر یہ گھر ہے یا کوئی اکھاڑہ! اتنی حد تک نہ گریں کہ چار لوگوں میں ہم عزت سے بیٹھ نہ سکیں۔'' اس کا لہجہ تیز اور انداز جارحانہ تھا لیکن عالیہ بیگم نے کچھ سنا نہ مانا اور گھما کر ایک تھپڑ جوان بیٹے کے منہ پر رسید کر دیا۔

''ارے اتنا ہی حمایتی بنتا ہے تو جا شرجیل اسے چھوڑ رہا ہے۔ تو اس سے بیاہ رچا لے۔'' روحیل کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے نزدیک پڑی سائیڈ ٹیبل سے کرسٹل کی ایش ٹرے اٹھا کر سامنے دیوار پر دے ماری۔

''اگر یہ بات کہنے والا کوئی اور ہوتا تو زمین پر اگلی سانس نہ لے سکتا۔'' اس نے پاؤں پٹخ کر وہاں سے جاتے ہوئے کہا۔

''آپ یہیں کھڑے ہیں، کسی سمندر میں ڈوب کر مرنے کی ہمت بھی نہیں رکھتے۔''

شرجیل کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے بھائی کو انتہائی گالی دی اور اندر کمرے میں چلا گیا۔

''آج اس گھر میں تُو رہے گی یا میں۔'' عالیہ بیگم اپنے محاذ پر ڈٹی کھڑی تھیں۔

''اسے چھوڑ دو عالیہ بیگم! اس کے بعد تمہارا بھی انجام اچھا نہیں ہوگا اور میرے خاندان سے نہیں ڈرتیں تو اپنے خدا سے ہی خوف کھا لو۔'' سہیل احمد بھی چیخ پڑے۔

''ارے خدا کا واسطہ اس ذلیل کو نہیں دیتے جو میرے بیٹے کو مجھ سے چھین کر مجھے یوں ستا رہی ہے، میری فریاد بھی وہی خدا سنے گا کہ نہیں۔ ارے کم بخت جیے گی نہ مرے گی۔ ایک ایک بوند کو ترسے گی، چڑیل پھر چلی آئی میرے گھر میں۔'' عالیہ بیگم فریاد سے لے کر بد عا پر اتر آئیں۔

اور اس بار اس کی کلائی پکڑ کر انہوں نے اتنی سختی سے موڑی کہ اس کی چیخ ہی نکل گئی اور اتنا کچھ سہتی اور دیکھتی آصفہ کو یک دم جوش آ گیا۔

''چھوڑیں! میری کلائی چھوڑ دیں آنٹی!'' اس نے جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ ان سے چھڑانا چاہا لیکن ان کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اسے بہت زیادہ زور لگانا پڑا اور اسی زیادتی میں عالیہ بیگم پر اتنا وزن پڑا کہ وہ تقریباً لڑکھڑا گئیں اور پھر اس نے صاف دیکھا اور دیکھنے والوں نے بھی محسوس کیا کہ وہ جان بوجھ کر زمین پر گر گئیں۔

شرجیل اس وقت بھی آگے نہ بڑھا، ویسے ہی کھڑا تماشا دیکھتا رہا البتہ اب شرمین ضرور دوڑی اور ماں کو جلدی سے کاندھوں سے تھام لیا اور کھڑا کرنے لگی۔

''ہائے اللہ! امی کہیں چوٹ تو نہیں لگی؟''

''ارے چوٹ! میرا تو پورا وجود زخمی ہو گیا ہے۔ دیکھو اب ان حالوں کو پہنچ گئی ہوں کہ اس کمینی نے مجھے زمین پر پٹخ دیا اور میرا شوہر اور جوان بیٹا کھڑے میرا تماشا دیکھ رہے ہیں۔'' وہ باقاعدہ آہ و زاری کرنے لگیں۔

''ہوش کرو عالیہ! گلی محلے تک تمہاری آوازیں جا رہی ہیں، گھر کے نوکر تک بیٹھ کر قہقہہ لگائیں گے۔''

سہیل احمد کو بھی اب بہت غصہ چڑھنے لگا تھا لیکن غصے کے ساتھ ان کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ ہاتھ پکڑ کر اپنی بیوی کو کھینچ کر اندر کمرے میں لے جائیں۔

''ہائے میں گر گئی، مر گئی۔ آپ کو پروا نہیں، نوکروں اور پڑوسیوں کے حمایتی بن گئے ہیں۔''

''شرجیل! تم ختم کرو اس ڈرامے کو، کیا چاہتے ہو آخر؟'' سہیل احمد نے ابھی تک چپ ہی کھڑے شرجیل کو لتاڑا۔

''میں کون سا ڈرامہ کر رہا ہوں جو ختم کروں، چلو آصفہ! تم اپنے کمرے میں جاؤ اور میری اجازت کے بغیر گھر کے اس حصے میں نظر نہ آنا۔'' باپ نے مخاطب کیا تو شرجیل نے ہمت کر لی اور آخر سختی سے جواب دے ہی دیا۔

''خبردار، خبردار! اگر اس کو اس گھر میں بٹھایا تو میں ابھی یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی، دیکھ لو سہیل احمد! اس عمر میں تماشا بنے گا اور میں پروا نہ کروں گی، میں بہت ضدی عورت ہوں۔'' اب انہوں نے آخری دھمکی دے ڈالی۔

''امی! آپ اس چیز کو جس طرح بھی ہینڈل کریں، لیکن میرا آخری فیصلہ یہی ہے کہ میں آصفہ کو چھوڑوں گا نہیں۔''

آخر اس کے غصے کا ردِعمل اس کے انداز سے بھی ظاہر ہوتا تھا، اس کے اندر ہمت کی کمی تھی ورنہ وہ کیا کیا کر ڈالتا اتنی سختی سے اپنی بات کہتے، اپنے کبھی نہ بولنے والے بیٹے کی جرات پر انہیں تھوڑی دیر کے لیے دھچکا ضرور لگا اور اتنی دیر میں شرجیل آصفہ پر پھر چیخا۔

''سنا نہیں تم نے، اپنے کمرے میں جاؤ۔'' آصفہ خود بھی بزدل اور کمزور تھی، عالیہ بیگم کے لہجے اور انداز پر کانپ سی گئی تھی لیکن اسے ہمت ملی تو دوڑ پڑی اور جب اس نے قدم اٹھا لیے تو رکی نہیں، شرجیل کو ''جی اچھا'' کہہ کر بھاگی تو اپنے کمرے میں ہی جا کر دم لیا۔

''ابو جی! وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے، اب تو میں اسے چھوڑ ہی نہیں سکتا۔''

اس نے یہ خبر باپ کو مخاطب کر کے ہی سنائی، لیکن اس خبر کا اثر عالیہ بیگم پر بہت برا ہوا۔ وہ اندر سے ڈھے سی گئی، ان کی ضد ریت ہو گئی، جو وہ ہرگز نہ چاہتی تھیں وہ ہو گیا انہوں نے ظاہر نہ کیا لیکن ان کے سارے بدن میں آگ سی لگ گئی تھی۔

''ارے تو بچہ تو پیدا ہوتے ہی ہم اس سے چھین لیں گے، بس تو اسے چھوڑ دے۔'' اپنے صدمے کی کیفیت میں وہ بھول گئیں کہ انہوں نے شرجیل سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔

''میں نے کہا نا! اب اسے چھوڑنے کی بات آپ چھوڑ دیں، باقی آپ جو کہیں گی میں مان لوں گا، آپ کہیں تو ہم دونوں ابھی اس گھر کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ آپ چاہیں تو وہ گھر کے دوسرے حصے میں پڑی رہے، آپ کو صورت بھی نہ دکھائے گی اور آپ چاہیں تو۔۔۔'' شرجیل بولنے لگا تھا۔

''چپ ہو جاؤ۔۔۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ بس تم اس کی صورت نہ دیکھو۔'' ان کی اپنی ہی ناجائز

رٹ تھی۔

''امی پلیز، اس بات کو چھوڑ دیں۔'' وہ پلٹ کر لان کی طرف جانے لگا۔

''بس تو پھر میری صورت نہ دیکھنا۔'' وہ رکا نہیں، مڑ کر دیکھا بھی نہیں۔

''وہ عجیب کمزور سا آدمی ہے بھابھی! وہ تم سے جتنے وعدے کرے گا، سمجھ لو شاید ان میں سے ننانوے فیصد توڑ ہی دے، لیکن وہ دل کا بہت اچھا ہے، اور تم سے پیار بھی بہت کرتا ہے، شاید اتنا کہ اس کی زندگی کی واحد خوشی اور مرضی تم ہی ہو۔''

روحیل اپنا سفری بیگ ہاتھ میں تھامے جاتے جاتے اس سے ملنے اس کے کمرے تک آیا تھا۔ وہ تو ابھی جو کچھ ہوا تھا۔ اس کی اذیت میں ہی گھری بیٹھی تھی، روحیل کی آدھی باتیں اس نے خالی ذہن کے ساتھ سنیں اور خالی آنکھوں سے سامنے دیوار کو تکتی رہی اسے تو بس ایک بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ شرجیل اسے نہ چھوڑے گا تو اس کی ماں اس کا بھی پیچھا چھوڑنے والی نہیں ہے۔ کیا روحیل ٹھیک کہہ رہا ہے، روحیل کی ہر بات لگتا ہے ٹھیک ہی ہوگی لیکن اکثر ٹھیک نہیں بھی ہوتی اور شاید اس میں اس بے چارے کا بھی اتنا قصور نہیں تھا۔ عالیہ بیگم یا اس گھر کے لوگوں کو سمجھ لینا یا ان کے بارے میں اندازے لگا لینا شاید دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔

''آصفہ! محبت، پیار اور توجہ سے تم اپنے شوہر کی ذات کا محور بدل سکتی ہو۔''

وہ اپنے اوپر گزری زیادتی کو بھولا اس کے دکھ میں کھویا نرمی سے بڑی بہنوں کی طرح شوہر کا دل جیتنے کے گُر اسے سمجھا رہا تھا۔

''روحیل پلیز، میں اتنی مضطرب اور بے چین ہوں کہ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی، آپ سے تو شاید مجھے سوری بھی کہنا چاہیے۔ لیکن۔۔۔'' وہ چپ ہوگئی۔

''بہرحال سوری! میری ہمدردی میں آپ کو اتنی فضول باتیں سننی پڑیں۔'' وہ رونے پیٹنے کی خواہش دل میں دبائے بڑی صابر بنی روحیل کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

''ارے سوری تو مجھے کہنا چاہیے، معافی تو ہم سب لوگوں کو تم سے مانگنی چاہیے کہ ہمارے گھر میں تمہارے ساتھ اتنا انتہائی سلوک ہوتا ہے اور ہم کچھ بھی نہیں کرتے۔''

روحیل دراصل خود بہت دکھی تھا رونے پیٹنے کی خواہش اس کے دل میں بھی ابھر رہی تھی، بہت ممکن تھا کہ وہ آصفہ کی طرح عورت ہوتا تو اب تک قیامت کی آہ وزاری مچا چکا ہوتا لیکن وہ مرد تھا اور اصول پسند بن جانے والا مرد۔

''معاف تم مجھے کر دینا کہ میں بزدلوں کی طرح یہاں سے بھاگ نکلنے کے چکر میں ہوں، اس لیے کہ تمہارے لیے کچھ کر نہیں سکتا اور جب کچھ کر نہیں سکتا تو ایسا تماشا چپ چاپ دیکھتے رہنے کی سکت مجھ میں نہیں ہے اور تمہارے لیے کوئی بھی وہ کچھ نہیں کر سکتا جو شرجیل بھائی کر سکتے ہیں، بس اللہ انہیں ہدایت دے اور ہمت بہت زیادہ دے۔''

وہ ہاتھ ہلا کر کمرے سے باہر نکل آیا اور سامنے سے آتے شرجیل کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

شرجیل لمحے بھر کو رک گیا، لیکن انتہائی احساسِ ندامت کے ساتھ چھوٹے بھائی کے سامنے کھڑے ہونے کی جرات بھی اپنے اندر نہ پیدا کر سکا اس لیے راستہ کاٹ کر سر جھکائے وہاں سے گزر گیا۔

اور ابھی وہ شرمندہ اتنا تھا کہ آصفہ سے بھی معافی مانگنا اسے بے سود سا لگا۔ ابھی پچھلی رات ہی کی تو بات تھی اس نے اپنے رویے سے آصفہ کے دل میں کیسے کیسے امیدوں کے محل کھڑے کر دیے تھے اور صبح ہوتے ہی وہ سب کے سب ڈھیر ہو گئے۔ وہ جھنجلا گیا، اسے اپنے آپ پر شدید تاؤ آنے لگا۔۔۔ یہ مرد ہی ہیں نا جو دنیا میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں مگر میں شاید کچھ نہ کر سکوں گا، وہ بستر کے کنارے بیٹھا عجب فضول سی باتیں سوچتا رہا، اچانک سامنے گھڑی پر نظر پڑی تو گود میں رکھا تکیہ اس نے دیوار پر دے مارا، بالآخر وہ لیٹ ہو ہی گیا تھا۔

کھڑے ہو کر باہر جاتے ہوئے وہ پلٹا۔

''میرے آنے تک کمرے سے باہر نہ نکلنا، کھانا حبیب خان تمہیں دے جائے گا۔ کوئی کچھ بھی کہے، یہاں سے ہلنا نہیں۔'' وہ ہدایت دے کر پیچھے سے کمرا بند کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

''آپا پلیز، امی کو سمجھائیں نا! میں کالج جانا نہیں چھوڑوں گی۔''

تہنیت مچل رہی تھی۔ اس کا اپنی ماں سے رابطہ وہم آہنگی کا ناتا ایسا بکھرا تھا کہ وہ خود بکھرنے لگی تھی۔ پیار اور دوستی سے ہر بات سمجھانے والی ان کی ماں جانے کیوں ایسی روٹھی ہوئی تھیں کہ پھر ناراضی چھوڑ دینے پر آمادہ ہی نہ لگ رہی تھی۔

''ارے تہنیت گڑیا! طلعت کی شادی ہو جانے دو پھر ہم اطمینان سے انہیں منائیں گے، ابھی وہ خود اتنی الجھی ہوئی اور مصروف ہیں، ٹھنڈے مزاج سے کسی بات کو سوچ نہیں پا رہی ہیں، تم کیوں پروا کر رہی ہو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''حد ہے، نا کسی کو میری بات سننے کی فرصت ہے نا ہی میری پروا، گھر میں ایک شادی کیا ہو رہی ہے ہمیں آپس میں بات کرنے کا بھی وقت نہیں۔''

کبھی کبھی آپ کا رواں رواں پکار رہا ہو کہ کچھ کرنا ہے اور ستم یہ کہ آپ کچھ بھی نہ کر سکتے ہوں تو کوفت کی کسی انتہائی کیفیت میں آپ مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔

''دیکھو تہنیت! امی جان اس وقت شدید الجھن میں ہیں۔ ہم ابھی کچھ کہیں گے تو ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی انتہائی فیصلہ سنا دیں اور تم کچھ بھی نہ کر سکو۔ راستے بند کر دینے سے بہتر ہے کہ تھوڑی دیر ٹھہر جایا جائے۔''

ثنا آپا تہنیت کو سکون کے ساتھ سمجھا رہی تھیں۔

''کیوں اس قدر الجھی ہوئی ہیں وہ؟'' اس کا لہجہ بگڑا ہوا ہی رہا۔

''تم ہی تو ہو ان کی الجھن کی وجہ، بار بار کیوں پوچھتی ہو۔'' ثنا آپا کو بھی غصہ آ گیا۔

''اچھا ایک چھوٹی سی بات کو وہ کیا عمر بھر معاف نہ کریں گی۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''پہلی بات یہ کہ یہ چھوٹی سی بات نہیں تھی، ایسی باتیں ہی آدمی کا اعتبار بنتی یا ختم کرتی ہیں اور

دوسری بات یہ کہ تم نے ایک بار بھی تو بیٹھ کر ڈھنگ سے امی سے سوری نہیں کہا کہ ان کا رویہ کچھ نرم پڑ سکتا۔'' اب انہوں نے اسے اچھی خاصی نصیحت کر ڈالی۔

''میں نے تو فوراً ہی ان سے اسی دن معافی مانگ لی تھی، جسے انہوں نے قبول ہی نہیں کیا۔''

''اس وقت جب وہ سوری سننے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ تہنیت! جب ہم اپنے کسی پیارے کو دکھ دیں تو پھر اسے ہمیں منانا بھی چاہیے۔''

''اتنا تو میں شرمندہ ہوگئی کہ ان دوستوں کے گروپ سے ہی الگ ہوگئی، اس سے زیادہ کیا کر ڈالوں۔''

''تہنیت! امی جان کو کیا پتا کہ تم کس سے کب الگ ہوئی ہو، بہت سی باتوں کی وضاحت ضروری ہوتی ہے، تمہیں اپنے رویے اور پھر اس کی تبدیلی کو ان سے ڈسکس کرنا چاہیے۔''

''ڈسکس! کیسے ڈسکس کروں، وہ تو آج کل میری عام باتوں کا ڈھنگ سے جواب نہیں دیتیں۔''

''افوہ! تو وہ تم سے ناراض ہیں بھئی، سیدھی سی بات ہے، انہیں جا کر منالو، چھوٹی سی بات کو اتنا لمبا کر رہی ہو۔'' ثنا آپا اس سے سر پھوڑتے پھوڑتے خود تنگ آ گئیں۔

دراصل تہنیت کا مزاج تھوڑا متکبرانہ سا تھا۔ اس کے خیال میں وہ شرمندہ ہوئی تھی، یہی اس کا بڑا احسان تھا، اس سے زیادہ کی امید کوئی اس سے کیوں کرے۔

اور حقیقت میں آمنہ بیگم کے الجھے رویے کی وجہ صرف یہی ایک واقعہ نہیں تھا، ان دنوں دو تین باتیں ایک ساتھ انہیں ستا رہی تھیں۔ سب سے بڑی وجہ فی الحال یہ تھی کہ امینہ بیگم وقار کے لیے لڑکیاں ڈھونڈنے کا خیال ظاہر کر چکی تھیں۔ گو اپنی بہن سے اس معاملے میں ان کی روبرو بات نہ ہوئی تھی لیکن ان کی ماں نے دو بار یہ بات خاص طور پر انہیں بتائی تھی۔ پہلی بار تو صرف اشارا کیا تھا اور دوسری بار کھل کر سمجھا دیا تھا۔

امینہ کسی اچھی لڑکی کی تلاش میں ہے آج کل۔ بے چاری آصفہ کے مسئلے سے نکل ہی نہیں پاتی کہ اسی طرف دھیان رہے لیکن مجھے واضح طور پر بتا چکی ہے کہ وقار کے لیے خاندان سے باہر لڑکیاں تلاش کرے گی، میں نے اشارہ بھی دیا تھا کہ خاندان میں بھی لڑکیاں موجود ہیں، لیکن اس نے صاف بتایا کہ وقار خاندان کی کسی لڑکی کے لیے راضی نہیں ہے، امینہ جوان اولاد کے آگے مجبور ہے ورنہ مجھے پتا ہے اس کا دھیان بھی اپنی تہنیت کی طرف تھا۔'' اس بار جب اماں جان آئی تھیں تو انہوں نے صاف طور پر ساری بات امینہ بیگم کو بتا دی تھی۔

وہ خود تو اب تک مکمل طور پر اسی آس میں تھیں کہ ضرور چھوٹی بہن اپنے لائق اور ہونہار بیٹے کے لیے تہنیت ہی کا رشتہ چاہے گی۔

اور یہ بات انہوں نے یونہی نہ سوچ لی تھی، امینہ بیگم کے رویے نے ہی اکثر انہیں اشارے دیے، تہنیت کو خصوصی طور پر چاہنا، اسے سراہتے رہنا یا خاص طور پر اس کی پروا کرنا۔

اور اب آمنہ بیگم ایک ہی سوچ میں پڑی ہوئی تھیں۔ بہن کا خیال کب اور کیوں بدلا؟

''آپ سوئیں گے نہیں؟''

رات کے بارہ بجے کسی کتاب کو کھولے بیٹھے شوہر کو انہوں نے ٹوکا۔ اخبار انہوں نے پورا چھان لیا اور شاید انہیں کوئی زیادہ دلچسپی محسوس نہ ہوئی کہ انہوں نے کنارے رکھی چھوٹی میز کی دراز سے کتاب نکالی اور تکیے سے ٹیک لگائے اسے پڑھنے لگے تو آمنہ بیگم رنج ہوگئیں۔ ایک تو ان دنوں ویسے ہی ان کی نیند اڑی ہوئی تھی اور رات کے اس پہر جب آنے لگتی تو یہ زیادتی تھی کہ اسے ستا کر بھگا دیا جائے۔

''بس سوتا ہوں، تھوڑی دیر میں۔ تم سو جاؤ۔'' ان کے میاں نے کتاب سے نظر نہ ہٹائی۔

''میں لائٹ بند کر کے سوؤں گی۔ اس لیے آپ یوں کریں کہ اندھیرے میں کتاب پڑھ لیں۔'' انہوں نے اٹھ کر سچ مچ لائٹ بند کر دی۔

''افوہ! اب تم مجھے زبردستی سلاؤ گی۔'' انہیں کتاب بند کر کے رکھنی ہی پڑی۔

''تو یہ سونے ہی کا وقت ہے۔ آخر ساری دنیا پڑی سو رہی ہے۔''

''ساری دنیا کو کیا دیکھ رہی ہو تم اس وقت۔'' ان کو ہنسی آئی۔

''اندازہ تو کر سکتی ہوں۔''

''اندازے نہ کرو تو بہتر ہے۔ آج کل تمہارا دماغ ٹھیک طرح کام نہیں کر رہا ہے۔''

''کیوں؟ آپ نے ایسا کیوں کہا۔'' وہ لیٹتے لیٹتے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''سچ ہی تو ہے نا، آپ اپنی اولاد کے بارے میں ٹھیک اندازے نہیں لگا سکتیں، بھلا دنیا کا کیا اندازہ کریں گی۔'' بالآخر وہ ان کی نیند اڑا کر ہی دم لینے والے تھے۔

''اوہ اچھا تو تہنیت نے آپ سے شکایت کی ہوگی۔''

''شکایت تو اسی کو ہے لیکن اس نے خود کچھ نہیں کہا۔ ثنا اس کے متعلق بات کر رہی تھی۔''

''اچھا تو اب آپ کی یہ لاڈلی صاحبزادی پورے گھر کو اس بات پر اکسا رہی ہیں کہ ان کی ماں ان کے ساتھ زیادتی کر رہی ہے۔'' ان کا لہجہ عجیب طرز کا تھا۔ وہ بھی حیران رہ گئے۔

''آمنہ! کیا ہو گیا ہے تم کو، اگر کسی مشکل میں پھنسی ہوئی ہو تو مجھے بتاؤ، میں تمہارے ساتھ تمہارے سارے معاملے شیئر کروں گا، لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ اپنی الجھنوں کا بوجھ اپنی اولاد پر ڈالا جائے۔''

''دیکھیں، میں کسی پر کوئی بوجھ نہیں ڈال رہی، تہنیت کے مزاج اور رویے کو دیکھ کر ہی میں اس کے بارے میں کچھ سوچ رہی ہوں اور مجھے اس کے بارے میں سوچنے کا حق ہے۔''

''اور یہ حق تم سے کوئی نہیں چھین رہا لیکن یاد رکھو کہ انسان کی صلاحیتوں کا اندازہ ہمیشہ مشکل وقت میں ہی لگایا جا سکتا ہے۔ تم وہی آمنہ ہو نا جو ہر چھوٹی بڑی الجھن کو بہت صبر اور ٹھنڈے مزاج کے ساتھ سلجھایا کرتی ہو۔'' وہ اپنی بیوی کی سوچ کے مطابق اسے سمجھا رہے تھے۔

''آپ مجھ سے اتفاق کیوں نہیں کرتے، ہمیں تہنیت کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے مزاج میں خودسری شامل ہے۔''

''اور جو سلوک تم اس کے ساتھ اس وقت کر رہی ہو گویا اس کی خودسری کو ہوا ہی دے رہی ہو۔''

''آپ بلاوجہ اس کی طرف داری کر رہے ہیں۔''

''دیکھو، جس انداز میں تم نے ثنا اور طلعت کی پرورش کی ہے۔ اسی طرز پر تہنیت کو بھی چلاؤ، یہ الگ اور خصوصی رویہ کیوں اپنا لیا ہے تم نے۔ وہ ہماری ہی بیٹی ہے آخر اور تم بھول رہی ہو کہ وہ خود سر نہیں ہے، لاڈلی ہے اور شاید تم نے بھی ہمیشہ اسے اپنی چہیتی بیٹی جیسا مان دیا ہے اب اگر اس کا مان توڑو گی تو وہ ضرور خود سر ہو جائے گی۔''

''میں بہت دنوں سے محسوس کر رہی ہوں کہ آج کل سارا گھر میرے بارے میں کچھ عجیب طریقے سے سوچ رہا ہے بھلا میں نے کبھی اولاد کے ساتھ برتاؤ میں امتیاز برتا ہے، میں نے تو ہمیشہ تینوں بیٹیوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا ہے۔ یہ تو تہنیت کا ہی مزاج الگ نکلا ہے کہ اس کے ساتھ رویے میں مجبوراً لچک کرنی پڑتی ہے۔''

''مجبوراً کہو یا فطرتاً کہو، وہ ہماری سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی ہے، اور چھوٹے بچے تو قدرتی طور پر گھر بھر کو پیارے ہوتے ہیں۔''

''لیکن اب اس پیار میں کمی کرنی پڑے گی، اس سے پہلے کہ وہ اس پیار کا ناجائز فائدہ اٹھائے۔''

''آمنہ بیگم! آپ کو کیا ہوا ہے؟ یہ کون سے راستے پر آپ نے اپنی سوچ کو ڈال دیا ہے، بھلا کوئی اولاد سے پیار میں بھی کمی کی گنجائش کرتا ہے۔ کچھ نہیں ہوتا، مجھے اپنی تینوں بیٹیوں پر ہمیشہ بھروسا رہا ہے نہ تم اب اسے کالج جانے سے روکو گی نہ اس کے لیے ایسے لہجے میں بات کرو گی۔ ارے بھئی بچی ہے ہماری، تم اس کے پیچھے اس طرح پڑ رہی ہو جیسے خدانا خواستہ سوتیلی اولاد ہو بلکہ میں تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ تم اس کے بارے میں کوئی غلط سوچ یا وہم بھی دل میں نہ پالو گی۔''

''دیکھ لیں۔ یہ حمایت آپ کو مہنگی نہ پڑے۔'' وہ چادر تان کر لیٹتے ہوئے بڑبڑائیں۔

''ارے۔ میں منع کر رہا ہوں۔ الٹی سیدھی باتیں مت سوچو اس کے لیے۔''

''آپ احساسِ برتری میں مبتلا ہو رہے ہیں۔''

''اور تم کیا احساسِ کمتری کی مار سے بچی کو ختم کرنا چاہتی ہو۔'' وہ بری طرح تپ گئے۔

انہوں نے منہ لپیٹ کر کروٹ بدل لی۔

سنبل اور انصار جس طرح شادی سے پہلے ایک دوسرے کو چاہتے تھے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اب ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تھے اور دراصل محبت کا اصل روپ تو شادی جیسے مقدس بندھن میں بندھ کر ہی بنتا اور نکھرتا ہے، شادی اگر جذبے اور سچی نیت سے کی جائے تو زمین پر عورت اور مرد کے لیے ملاپ کا قدرت کی طرف سے حسین ترین عطیہ ہے اور جو جوڑے اس تحفے کی قدر کرتے ہیں وہ سچ مچ دنیا میں ہی جنت جیسی زندگی گزارتے ہیں۔ محبت کی شادی میں اگر توقعات کم اور عطا زیادہ ہو تو رشتہ خود بخود مضبوط اور گہرا ہو جاتا ہے اور حاصل پھر امیدوں سے بہت بڑھ کر ملتا ہے۔

تھوڑے ہی دنوں میں یوں ہوا تھا کہ صرف جواد ماموں کے گھر میں نہیں، خاندان بھر میں سنبل اور انصار کے خلوص نیت اور سچی محبت کے چرچے ہونے لگے تھے۔

سنبل اپنی امی کے گھر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ اتنی دیر میں انصار نے بھی ناشتا کر لیا تھا۔ وہ اپنی

ممانی سے اجازت لے کر اور جواد ماموں کو اللہ حافظ کہہ کر جلدی ہی گیٹ کے پاس آ کھڑی ہوگئی تھی کیونکہ کام پر جاتے ہوئے دو چار منٹوں کی دیر بھی انصار کو پسند نہ تھی اور وہ ایسی ہر چھوٹی بڑی بات میں شوہر کی پسند ناپسند کے لیے جی جان سے مشقت کرلیا کرتی تھی کیونکہ اس مشقت کا صلہ شوہر کی بھرپور محبت کی صورت میں اسے ہر آن ملتا رہتا تھا اور ابھی وہ گاڑی میں بیٹھے ہی تھے کہ انصار کا موبائل فون بجا۔

اسے فون کرنے والا روحیل تھا، اس کی آواز وہ پہلے پہچانا ہی نہیں، کیسے پہچانتا شاید روحیل نے کبھی اسے یوں فون کیا ہی نہیں تھا۔

''مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں اگر تم آفس پہنچ چکے ہو تو میں تمہارے آفس آجاؤں۔'' سلام کر کے روحیل نے سیدھی مطلب کی بات کی۔

''بس پندرہ بیس منٹ تک آفس پہنچ جاؤں گا، ابھی گھر سے نکل رہا ہوں، تم ایسے کرو، آدھے گھنٹے تک آفس پہنچ جاؤ۔''

''ٹھیک ہے!'' روحیل نے فون بند کر دیا اور اپنا موبائل آف کرتے ہوئے ایک منٹ کے لیے انصار ٹھہر گیا، بہت سے خیال ایک ساتھ اس کے ذہن میں ابھرے، لیکن قطعی بات وہ ابھی نہ سوچ سکتا تھا۔ ایک نظر برابر میں بیٹھی سنبل پر ڈال کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ سنبل اسی کو دیکھ رہی تھی کچھ دیر یونہی ضبط کیے بیٹھی رہی کہ انصار اپنی الجھی سوچوں سے نکل آئے پھر پوچھا۔

''روحیل نے آپ کو کیسے فون کیا؟'' نام اور کچھ بات تو وہ سن ہی چکی تھی۔

''مجھے خود نہیں خبر!'' وہ یونہی الجھا رہا۔ وہ بھی چپ رہی۔

''مجھ سے ملنا چاہتا ہے، ابھی آفس آئے گا۔'' پھر اس نے خود ہی بتایا۔

''کیوں؟'' پوچھتے پوچھتے اپنی زبان کو سنبل نے روک لیا۔ وہ یہی کہے گا کہ مجھے نہیں خبر اور اب وہ دونوں چپ ہو کر اسی کیوں کا جواب سوچنے لگے۔

اپنی منزل پر اترتے ہوئے اللہ حافظ کہہ کر سنبل نے لمحے بھر کے لیے اسے دیکھا۔

''ابھی کسی سے ذکر نہ کرنا۔ رات کو گھر آؤ گی تو بات کریں گے۔'' انصار نے کہا۔

''میں شام کو ہی گھر آجاؤں گی۔'' وہ مسکرایا۔

''اتنا تجسس ہو رہا ہے۔''

''نہیں۔ میرا ارادہ شام کو ہی لوٹ آنے کا تھا۔ میں نے پہلے ہی ممانی جان سے کہہ دیا تھا، آج رات کو نانی جان اپنے گھر پر آرہی ہیں نا اس لیے۔''

''اچھا۔'' اس نے ہاتھ ہلا دیا۔ وہ اترتے اترتے پھر رک گئی۔

''ویسے آصفہ کے مسئلے میں جان اٹکی رہتی ہے۔ اس لیے تجسس بھی بہت ہے، بلکہ اب مجھے امی کے ہاں بھی مزا نہ آئے گا۔''

''کیا خبر آصفہ کا مسئلہ ہو یا کوئی اور بات!''

''بھلا روحیل کو آپ سے اور کیا کام ہو سکتا ہے۔''

''بات تو درست ہے مگر صبر کرنا پڑے گا۔'' وہ سر ہلا کر گاڑی سے اتر گئی۔

اور فوراً انجن اسٹارٹ کر کے اس نے ٹھیک ٹھاک اسپیڈ میں گاڑی سڑک پر رواں کر دی، آفس پہنچنے اور روحیل سے ملنے کی اسے بھی جلدی تھی اور اس سے زیادہ عجلت اور الجھن میں شاید روحیل تھا کہ پہلے آفس پہنچا ہوا تھا۔

''کیسے ہو روحیل! بڑی بات ہے کہ تم نے اپنی شکل ہمیں دکھائی۔'' ہاتھ ملا کر سلام دعا کے بعد انصار نے کہا اور پھر اسے بیٹھنے کے لیے بھی کہا۔

''میرا خیال ہے انصار! کہ ہم اچھے دوست ہوا کرتے تھے۔'' روحیل نے اسے وہ پچھلا زمانہ یاد دلایا۔ وہ دونوں تقریباً ہم عمر تھے اور دونوں نے انٹر ایک ہی کالج سے کیا تھا، دونوں کا شعبہ بھی انجینئرنگ ہی تھا۔ اس لیے دو سال کی رفاقت میں رشتہ داری اور جان پہچان کی وجہ سے دونوں کی اچھی خاصی بنتی تھی۔ پھر روحیل تو فوج میں جانے کے شوق میں اسلام آباد پڑھنے چلا گیا اور شرجیل اور آصفہ کی منگنی کے بعد ویسے بھی ان کی دوستی میں جھجک سی شامل ہو گئی۔

اور آج شاید اس زمانے کے بعد پہلی بار ہی روحیل اس کے پاس اسی دوستی کے ناتے اس سے ملنے آیا تھا جس کا ابھی ابھی حوالہ دیا تھا۔

''حقیقت تو یہی ہے کہ دوستی وقت، فاصلوں اور رشتوں کی محتاج نہیں، لیکن معاف کرنا روحیل! مجھے صاف لگ رہا ہے کہ تم اس وقت مجھے صرف ہماری دوستی کا اچھا وقت یاد دلانے نہیں آئے ہو، یقیناً کسی غرض سے آئے ہو۔''

''کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو، میں ابھی کسی مطلب سے ہی آیا ہوں لیکن اسی مطلب میں ضرور تمہاری اپنی غرض بھی شامل ہے۔''

''کیا اس ''غرض'' کا نام آصفہ ہے؟'' اب صبر نہ ہوا تو انصار نے سیدھا پوچھ ڈالا۔

اسے کمرے میں خالی بیٹھے صبح سے دوپہر ہو گئی۔ شرجیل اپنی نوکری کا وقت پورا کرنے گیا تھا یا امریکا کا ویزا لگوانے۔ جس حال میں آصفہ وقت گزار رہی تھی اس حال میں کبھی کسی انسان کے دل میں کوئی اچھی سوچ یا خیال نہ آ سکتا تھا۔ کیا شرجیل اسے اس گھر کے ایک کمرے میں یوں قید کر کے سات سمندر پار چلا جائے گا، اور کیا یہ وہی قید ہے جس میں عمر گزار دینے کے لیے وہ تن من دھن کی بازی لگائے بیٹھی ہے۔

اسے شرجیل کو امریکا نہ جانے دینا چاہیے اور اگر اس میں ذرا سی بھی عقل ہو تو اسے شرجیل سے صاف کہہ دینا چاہیے کہ اگر اس کا امریکا جانا اتنا ہی ضروری ہے تو اسے بھی ساتھ لے جائے یا پھر اس کا فیصلہ کر دے، آخر وہ صرف ایک اس کے نام کے آسرے پر اس کمرے میں اکیلی خالی بیٹھی کتنے سال گزار سکتی تھی۔۔۔ کتابیں پڑھنا، گانے سننا یا الماری صاف کرنا، حتیٰ کہ اللہ کی عبادت کرنا، نماز قرآن۔۔۔ اسے وقت گزاری کا کوئی سلسلہ نہ سوجھ رہا تھا کمرے کی تھوڑی بہت صفائی کر کے وہ سارا وقت بے سکون سی بستر پر ہی پڑی رہی تھی۔ حبیب خان ایک پیکٹ میں کھانا دے کر کب کا جا چکا تھا، مگر آج تو

اس کا کھانے سے بھی جی اکتایا ہوا تھا۔

''یا اللہ تُو نے آصفہ جلال احمد کو یوں ضائع ہوجانے کے لیے دنیا میں بھیجا ہے۔'' اس کے کیسے شوق تھے جو جنون بنتے بنتے رہ گئے، کتنے خواب تھے کیسی خواہشیں، محبتیں خلوص کے رشتے۔۔۔ وہ کسی کو نہ ڈھونڈ سکتی تھی۔ کسی گزرے اچھے ہنستے کھیلتے پل کو چھو نہ سکتی تھی، اس کی مٹھی خالی رہ گئی تھی اور دل ویران۔ اف کبھی انسان اتنا بھی بے بس ہوسکتا ہے کہ اپنے دل میں چھپی میٹھی خوشیوں کی یادوں کو چھیڑتے ہوئے بھی ڈرے، وہ الجھتی الجھتی اتنی زیادہ گھبرائی کہ کمرے کا دروازہ کھول دیا اور باہر نکل آئی۔ اور ان آوازوں سے ہی اسے اندازہ ہوا کہ عینی آپا آئی ہوئی ہیں۔۔۔ وہ کچھ دیر کے لیے لان کی گھاس پر بیٹھ گئی۔

''نکل آئیں اپنے بل سے۔'' وہ بری طرح سہم کر کھڑی ہوگئی، عالیہ آنٹی کا لہجہ ہی ایسا تھا۔

''اچھا ہوا امی خود ہی نکل آئیں ورنہ۔۔۔'' ابھی شرمین نے اتنا کہا تھا کہ اس کے ذہن میں جانے کیا خیال آیا، اس نے ایک جست لگائی اور تیزی سے دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی اور فوراً پیچھے سے دروازہ بند کر کے لاک بھی دبا دیا اور اوپر چٹخنی بھی چڑھا دی اس کی سانس پھول گئی تھی۔ لیکن ایک انجانی سی پھرتی اس کے جسم میں آئی تھی کہ اس کی رفتار کو عالیہ آنٹی تو دیکھتی رہ گئیں۔ البتہ شرمین فوراً پیچھے دوڑی تھی، لیکن اس کے کمرے میں پہنچ جانے کے بعد وہ دروازے تک پہنچی تھی اور اتنی دیر میں تالا لگا کر وہ خود کو محفوظ کر چکی تھی۔ اب دروازہ باہر سے دھڑا دھڑ بج رہا تھا۔

''ارے تو سمجھتی ہے میں تجھے یوں اپنے گھر میں پڑا رہنے دوں گی، ہرگز نہیں، میں بہت ضدی عورت ہوں ابھی تُو نے مجھے پہچانا ہی نہیں، دروازہ کھول ورنہ تیرا بہت برا حشر کروں گی۔'' اتنے زور سے دروازے پر لاتیں اور مکے برس رہے تھے کہ ایک لمحے کے لیے اسے لگا کہیں دروازہ ٹوٹ ہی نہ جائے۔ حالانکہ لکڑی کا مضبوط دروازہ ایسا کمزور بھی نہ تھا کہ تھوڑی مار نہ سہہ سکتا۔ عالیہ بیگم اس کی حرکت پر غصے سے پاگل سی ہو رہی تھیں اور وہ خود کمرے کے اندر ''اب کیا ہوگا'' کی دہشت سے مری جا رہی تھی۔

اس وقت گھر میں نہ شرجیل تھا نہ روحیل، نہ ہی سہیل انکل تھے اور ان تینوں کی موجودگی میں عالیہ آنٹی کا سلوک کیسا وحشیانہ تھا اس کے ساتھ، اب کوئی نہ تھا تو وہ کچھ بھی کر سکتی تھیں بس ان کے جنون کو انتہا کی دیر تھی۔ عینی آپا بھی تو ہیں لیکن ان کا بھلا کیا آسرا؟ شاید تھوڑی سی ہمدردی یا ان کی طبیعت کا تھوڑا سا لحاظ۔۔۔ اپنے خیال کو اِدھر اُدھر لگائے وہ اس ذہن کو جکڑتی اور مسلسل بڑھتی دہشت کے احساس کو کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''امی ادھر کمروں کی چابیاں آپ کے پاس موجود تو ہیں۔'' یک دم شرمین کو خیال آیا۔

''ہاں جادو ڑ کر لے آمیری الماری کی نچلی دراز میں رکھی ہیں۔'' عالیہ آنٹی رک گئیں۔

''خود دروازہ کھول دے گی تو بچ جائے گی، لیکن اگر میں نے کھولا تو تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' بس خوف زدہ ہو کر وہ ابھی دروازہ کھول ہی دیتی، بلکہ لاک تو اس نے بوکھلاہٹ میں گھما بھی دیا تھا۔ لیکن اوپر کی چٹخنی کی وجہ سے دروازہ اٹک گیا اور اس نے تیزی سے پھر لاک دبا دیا۔ اف یہ چٹخنی بھی تو ہے۔ کیسے وہ باتوں میں آجاتی، اس کی چھٹی حس کو بے دار رہنا چاہیے اپنے آپ کو کوستے ہوئے پھر وہ دل

میں خود ہی ہنسی۔۔۔ چھٹی حس! ارے ایسے موقعوں پر اس کے باقی پانچ حواس بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

شرمین شاید چابی لے کر آ گئی تھی، اسے اندازہ ہوا کہ باہر سے تالے میں چابی لگائی گئی تھی۔

''اوہ میرے اللہ تو رحم کرنا۔'' اس وقت بس اللہ کا ہی آسرا تھا باقی کسی کی امید وہ نہ کر سکتی تھی۔ اسے مزید یہ بات سمجھ میں آئی کہ ایک چابی نہ تھی چابیوں کا گچھا جن میں سے ایک ایک چابی یکے بعد دیگرے ماں بیٹی ٹرائی کر رہی تھیں۔۔۔ اور اسے اسی وقت خیال آیا کہ لاک کا بٹن اگر وہ دوسری طرف گھما ڈالے تو باہر سے تالا کوئی نہیں کھول سکتا۔ ''اوہ کاش انہیں مطلوبہ چابی ہرگز نہ ملے۔'' اس نے ایک چابی نکلنے اور اگلی چابی ڈالنے کے وقفے میں دوبارہ بٹن کو دبانے کی کوشش کی، بڑا نازک سا سسٹم تھا بٹن کو پورا دبا کر گھمانا پڑتا تھا ذرا بھی ہل جائے تو کام نہ کرتا تھا۔

آخر اس بار اس نے اللہ کا نام لیا اور چابی پیچھے سے نکلنے پر جلدی سے بٹن پر انگوٹھا رکھا اور پورے دھیان سے گھما ڈالا، کٹ کی آواز کے ساتھ لاک محفوظ ہو گیا۔

''یہ کون سی چابیاں اٹھا لائی ہے تُو؟'' عالیہ آنٹی نے غصے میں پورا گچھا پھینک دیا۔

''میں خود ہی دیکھتی ہوں۔'' وہ پلٹ رہی تھیں کہ باہر گیٹ پر گاڑی کا ہارن بجا۔

''یہ تو اپنی گاڑی کا ہارن ہے۔ شرجیل بھائی آئے ہوں گے۔'' شرمین نے حیرانی سے کہا اور عالیہ بیگم کو جانے کیا سوجھی کہ انہوں نے لمحے بھر میں اپنے بال بکھیر لیے، اپنا دوپٹہ پلو کی طرف سے پورا پھاڑ ڈالا۔۔۔ اور تیزی سے سامنے شرجیل کے کمرے ہی کی کھڑکی میں ایک طرف ابھری ہوئی کیل سے اپنے دائیں ہاتھ کو کہنی کے نیچے رگڑ ڈالا، بڑا سا کٹ کا نشان پڑ گیا، جس سے بہت روانی سے خون بہنے لگا تھا۔

''اف امی یہ آپ نے کیا کیا۔'' شرمین دوڑ کر ماں کے بہت قریب آئی اور ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''شش! بس تو تماشا دیکھتی جا اور میری ہاں میں ہاں ملاتی جانا۔'' بہت آہستہ سے کہہ کر، وہ کچھ دیر کے لیے خود بھی چپ ہو گئیں۔ شاید اندازہ کر رہی تھیں کہ شرجیل اس طرف آ رہا ہے کہ نہیں اور کچھ ہی دیر میں انہیں بیٹے کے اسی طرف آتے قدموں کی چاپ سنائی دی تو وہ اپنا ہاتھ پکڑ کر چیخنے لگیں۔

''ہائے کیا حال کر دیا میرا! ہاتھ پر کیسی گہری چوٹ آئی ہے، اے بیٹی کسی کو بُلا تو سہی۔'' وہیں کھڑکی کے نیچے وہ زمین پر بیٹھ بھی گئی تھیں۔

شرجیل اسی وقت لان کی طرف سے آتا اپنی ماں کو یوں بیٹھے دیکھ کر تیزی سے ان تک پہنچا اور اس کی پہلی نظر ماں کے ہاتھ سے بہتے خون پر ہی پڑی۔

''اف امی یہ کیا ہوا آپ کو اور آپ اس طرح یہاں کیوں بیٹھی ہیں۔'' وہ بری طرح گھبرا گیا۔

''بس بیٹا قسمت نے جہاں بٹھا دیا وہاں بیٹھ گئی ہوں اور میرا یہ حال کیسے ہوا، یہ اپنی چہیتی بیوی سے جا کر پوچھو۔'' وہ جھوٹ موٹ اپنی آنکھوں میں آنسو بھی لے آئیں اور شدید تکلیف کو چہرے پر یوں سجا لیا کہ لاڈلا بیٹا بس دیوانہ ہی ہونے لگا۔

''افوہ کچھ تو بتائیں یہ چوٹ کیسے لگی؟ شرمین تم بتاؤ۔'' وہ بہن کو دیکھنے لگا۔

''یہ کیا بتائے گی۔ یہ تو ابھی تک حیرت اور صدمے میں پڑی ہوئی ہے۔ کم بخت نے ایسا دھکا دیا

کہ میں سیدھی اس کھڑکی سے ٹکرا کر گری ہوں اور کیل ہاتھ میں ایسی کھب گئی کہ۔۔۔ ہائے۔۔۔''

''اللہ میری توبہ!'' اندر کمرے میں سب کچھ سنتی آصفہ نے کان پکڑ لیے، منٹوں میں جانے ماں بیٹی نے کیا ڈرامہ بنالیا۔ شرجیل کی گاڑی کا ہارن سن کر وہ تو سمجھی تھی کہ دونوں وہاں سے چلی گئی ہیں لیکن اب آوازیں صاف آرہی تھیں اور ساری باتیں سن کر اس کا دماغ چکرانے لگا تھا۔

عالیہ بیگم نے قصہ سناتے سناتے اشارہ بھی کیا تھا پھر بھی شرجیل نے پوچھا۔

''کہاں ہے آصفہ۔۔۔؟''

''ارے خود اندر کمرے میں گھس کر تالا لگا کر آرام سے بیٹھ گئی ہے۔ پلٹ کر دیکھا بھی نہیں کہ امی کو کیسا گہرا زخم آیا ہے یا۔۔۔'' شرمین بولنے لگی تھی لیکن شرجیل نے پوری بات نہ سنی اور پلٹ کر کمرے کے دروازے پر ہاتھ مارا۔ آصفہ نے چٹخنی گرا کر فوراً ہی لاک کھول دیا۔

''اسٹوپڈ، جنگلی، بدتمیز! تمہیں امی جان پر ہاتھ اٹھانے کی جرات کیسے ہوئی، میں نے تمہیں ذرا سا آسرا کیا دلایا، تم سر پر ہی چڑھ گئیں۔'' شرجیل نے چلاتے ہوئے جنونیوں کی طرح ایک ساتھ اس کے چہرے پر چار پانچ بھرپور تھپڑ جڑ دیے۔ وہ خود اتنی گھبرائی کہ اس کی آواز ہی رندھ گئی زبان سے کچھ بول ہی نہ سکی۔

''تم سے تو میں بعد میں نمٹتا ہوں۔'' شرمین کے پیچھے سے بلانے پر وہ پلٹا اور اس کے جی میں کیا آئی کہ اس نے کمرے کا دروازہ جاتے ہوئے بند کر دیا اور باہر سے کنڈی لگا دی۔

''پہلے امی کا زخم تو دیکھ لیں، کیل لگی ہے، کہیں کوئی انفیکشن وغیرہ نہ ہو جائے۔''

اپنی قسمت کے اس انداز پر آصفہ دکھ سے زیادہ حیرت میں پڑ گئی۔ آخر کون سے ستارے کی گردش میں پڑی ہے، اس کی قسمت کہ چکر پر چکر میں پھنستی ہی چلی جا رہی ہے۔

ابھی وہ شرجیل پر بھروسہ کرنے کا عمل شروع کرتی کہ وہ اس کے اعتماد کا خون کر کے بے دردی سے منہ پھیر کر اسے نہ جانتا نہ پہچانتا، چلا جاتا۔۔۔ اس کے اندر شدید غصہ جنم لینے لگا۔ کیا وہ کوئی کھلونا ہے یا کوئی بے زبان جانور۔ جس کی نہ بات سنی جائے نہ اشارہ دیکھا جائے۔ جہاں صوفے پر وہ بیٹھ گئی تھی، وہاں سے کھڑکی ہوئی اور الماری کی طرف آئی تو سامنے شیشے پر اس کی نظر پڑی۔

اس کے دونوں گال بری طرح سوج رہے تھے اور اسی طرح آنکھیں بھی لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس نے کھینچ کر الماری میں سے چادر نکالی۔ اپنا پرس لیا دروازے کی طرف آئی۔

''اب یہاں ہرگز نہ رہوں گی۔'' بپتے ہوئے لاک اس نے گھما ڈالا لیکن دروازہ نہ کھلا۔ اسے کیا خبر تھی کہ باہر سے کنڈی لگائی گئی ہے۔ چڑ کر اس نے سیدھی لات دروازے پر ماری اور پرس اور چادر بستر پر پھینکتے ہوئے وہیں قالین پر بیٹھ گئی۔ عالیہ آنٹی نے جتنا بیٹے کو بدظن کرنا تھا کر دیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا پہلے میں نے ہی اس کو برا بھلا کہا، میں نے ہی اس کو گھر سے نکل جانے کو کہا، میں ہی غصے میں بہت کچھ بکتی رہی لیکن وہ تو ایسی زور آور نکلی، میں اپنا یہ قصور بھی مانتی ہوں کہ صبح کی طرح میں نے اسے ہاتھ پکڑ کر باہر نکالنے کی کوشش کی، لیکن ابھی تو میں نے اسے ہاتھ لگایا ہی تھا کہ ایسی غصے میں آئی، ایسا اس کو جنون چڑھا کہ مجھے دھکا دے ڈالا، وہ تو شکر ہے شرمین وہاں موجود تھی، اس کے ہاتھ

صرف میرا دوپٹا ہی آیا۔'' انہوں نے اپنا پھٹا ہوا دوپٹا بیٹے کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''پھر تم جانتے ہو میرا غصہ بھی خراب ہے۔ میں نے اس سے چیخ کر کہا کہ میں تجھے چھوڑوں گی نہیں اور جواب میں ایسا دھکا اس نے مجھے دیا کہ میں اس کھڑکی سے جا ٹکرائی۔ شرمین بھی پکڑ نہ سکی اور بیٹا اس نے دیکھا بھی کہ میرا ہاتھ بری طرح زخمی ہوا ہے دوڑ کر اپنے کمرے میں گھس گئی اور پیچھے سے دروازہ بند کر لیا۔''

ماں کے زخم کی مرہم پٹی کرتے کرتے شرجیل کے ذہن و دل میں ایسی خرابی پیدا ہوئی کہ اس کے جی میں آصفہ کا خون پی جانے کی حد تک غصہ سما گیا۔ ایک لمحے کے لیے بھی اس نے نہ سوچا کہ کیا آصفہ یہ سب کچھ کر سکتی ہے اور اگر وہ اتنی ہی زور آور اور باہمت ہوتی تو اس کے گھر میں دس مہینوں کے اندر دس سالوں جتنی اذیت کیونکر اٹھا لیتی۔

ماں کو دلاسا دے کر، اس کے زخم کی مسیحائی کرنے کے بعد وہ اٹھ کر واپس اسپتال چلا گیا۔ آصفہ کو اس کے کمرے میں بند کر کے بھول گیا، حالانکہ وہ اسپتال سے ڈیوٹی سے اٹھ کر خاص طور پر اپنا کام ڈاکٹر غزالہ کو سونپ کر گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے لیے گھر اس لیے آیا تھا کہ اس کی خیریت معلوم کر سکے۔ صبح جو حال اس نے آصفہ کا دیکھا تھا اس حال پر تشویش اسے آدھا دن تک رہی تھی۔ بیسیوں قسم کے خدشے اور خطرے اسے اپنی ماں کی طرف سے تھے کہ وہ آصفہ کے ساتھ کچھ بھی کر سکتی تھیں اور چند لمحوں میں وہ سب کچھ بھول گیا۔۔ مرد کو اگر اللہ تعالیٰ نے زمین پر بادشاہت سونپی ہے تو آخرت میں اس سے حساب بھی سب سے بڑھ کر لیا جائے گا۔ اگر مرد کو منصف بنایا ہے تو پلِ صراط پر بھی اسی کو چلایا جائے گا۔

عورت نادان ہے، عورت کمزور ہے اور عورت ہی عورت کی دشمن بھی ہے۔ نادانی یہ کہ بادشاہ بن جائے پھر بھی اپنے گود کے بچے کو اپنا غلام ہی سمجھتی ہے، کمزوری یہ کہ مرد کی حکمرانی میں آئے تو اپنی صنف کی نزاکت کو بار بار داؤ پر لگاتی ہے، بس جائے اور اف تک نہ کر سکے۔۔۔ اور دشمنی یہ اپنے بیٹے کو جس کا شوہر بنائے اس سے تادمِ مرگ رقابت کی جنگ لڑتی ہے، بدنصیبی کہ یہ کبھی ماں اپنی بہو کو بیٹے کا شریک حیات مان لینے پر راضی نہیں ہوتی اور کبھی بہو اپنے شوہر کو ساس کا لختِ جگر تسلیم کرنا نہیں چاہتی۔

''کیا بات ہے ڈاکٹر شرجیل آپ کبھی اس طرح چھٹی لے کر گھر گئے نہیں، خیریت تو تھی۔''

ڈاکٹر غزالہ نے اپنی عادت کے مطابق حال احوال دریافت کیا اور شرجیل جانتا تھا کہ اگر وہ اس کو ٹال دے یا اس کے سوال کو نظر انداز بھی کر دے تو وہ برا ماننے والی نہیں، لیکن آج ڈاکٹر شرجیل کو انتہائی شدت کے ساتھ کسی غم گسار، کسی ہمدرد کی ضرورت تھی۔ وہ اپنے احساس کی جنگ میں پڑا لڑتا لڑتا تھک گیا تھا۔

''گھر! ہاں گھر تو اب ایسا جہنم بن گیا ہے جہاں چھٹی کے بعد بھی جانے کو جی نہیں چاہتا۔''

''ہیں۔۔۔'' ڈاکٹر غزالہ کچھ زیادہ حیران ہوئی۔ بہت کم ایسا ہوا تھا کہ وہ اسپتال سے وقت پر اٹھ کر سیدھا گھر نہ گیا ہو۔ اگر دوست اور کولیگ اسے روکتے کہ کام کے بعد مل کر چائے پئیں گے یا مل کر گپیں لڑائیں گے یا کسی ریسٹورنٹ سے فاسٹ فوڈ کھائیں گے۔

''نہیں یار بس اب میں گھر چلوں گا۔'' وہ ایک جملہ کہہ کر سب سے الگ ہو جاتا۔

''آپ کیوں اتنے قنوطی ہو رہے ہیں ڈاکٹر شرجیل! شاید بہت زیادہ پریشان ہیں آپ، اگر کوئی شیئر کرنے جیسا والا مسئلہ ہو تو ضرور بتائیں۔''

''ڈاکٹر غزالہ میں جانتا ہوں آپ ناقابل اعتبار نہیں ہیں، لیکن میرا دکھنا قابلِ بیان ضرور ہے۔ شاید اس لیے کہ میں دکھ دینے والا اوّل اور سہنے والا بعد میں ہوں۔'' شرجیل کو آج لگا تھا کہ وہ کسی سے کھل کر بات نہ کرے گا تو اندر کی گھٹن سے دب ہی جائے گا۔

اس بار ڈاکٹر غزالہ کچھ بولی نہیں بس چپ ہو کر اس کا چہرہ تکنے لگی۔ اور وہ یوں چپ ہوئی کہ شرجیل کو لگا وہ تنہا بیٹھا اپنے آپ سے ہی باتیں کر رہا ہے پھر اس نے کہہ ڈالا جو کچھ آج صبح ہوا تھا پھر رکا اور پھر شام تک جو کچھ ہوا، وہ کہہ کر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''آپ تو اتنے نرم مزاج اتنے بامروّت سے شخص ہیں، میں تو اکثر یہ سوچتی ہوں کہ آپ کی تربیت بڑے پُرسکون ماحول میں ہوئی ہے جو آپ کی طبیعت کے اتنے ٹھہراؤ کا سبب ہے۔''

''اور اب آپ کو حیرت ہو رہی ہے یہ جان کر کہ میری تربیت تو اتنے غیر متوازن اور پریشان کن ماحول میں ہوئی ہے کہ میں اکثر اپنی طبیعت کی بے چینی کو چھپاتے چھپاتے نڈھال ہو جاتا ہوں۔۔۔ اتنا خاموش اور اتنا ٹھہرا ہوا اسی لیے رہتا ہوں کہ رویّے سے کہیں کوئی ایسی بات عیاں نہ ہو جائے جو میری شخصیت کے میلے پن کو ظاہر کر دے، خود کو ایک خوب صورت سے گفٹ پیپر ایسے خول میں اسی لیے لپیٹ کر رکھا ہوا ہے کہ وہ اپنی ذات کا اعتبار قائم رہے۔'' وہ اتنی حیران ہو رہی تھی، عجیب سی مثال اس کے ذہن میں آئی کہ جیسے کوئی بہت اعلا نسل کا گھوڑا اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا ہو کہ ''نہیں میں گدھا ہوں۔'' اور اسے اپنے آپ ہی ہنسی سی آئی کہ اس نے گدھے کو گھوڑا جان لیا جبکہ چہرہ شناسی اور لوگوں کو پہچان لینے کی کی اپنی صلاحیت پر اسے بہت غرور سا تھا۔

''دھت تیرے کی ڈاکٹر غزالہ! آپ نے بڑی مات کھائی ہے۔'' ڈاکٹر شرجیل کو دیکھ کر آپ اکثر سوچا کرتی تھیں نا کہ بس مردوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ Content compact and conciet اب ہنسئے اپنے ان 3Cs پر بیٹھ کر کہ یہ تو ایک تھوڑا ادھورا، بے وقوف اور بے ہمت سا شخص نکلا۔''

''آپ سوچتے ہیں ڈاکٹر شرجیل کہ جو کچھ آپ کے گھر میں ہو رہا ہے وہ غلط ہے تو اس کو ٹھیک کیوں نہیں کرتے۔'' شرجیل کی کم ہمتی پر اس کے اندر غصہ سا بھر گیا تھا اس لیے اس کا لہجہ بھی تیز ہو گیا اور اس کی بات سن کر وہ ہنس پڑا، کچھ دیر یوں ہنستا ہی رہا۔

''اگر بندہ دودھ سے پانی کو الگ کر سکتا تو کبھی ایسا خوار نہ ہوتا۔''

''یہ ایسا مشکل بھی نہیں جیسا آپ بیان کر رہے ہیں، مرد ہی زندگی کو انصاف اور توازن کے ساتھ گزار سکتے ہیں۔ کیونکہ اختیارات ان کے قبضے میں ہوتے ہیں۔'' اس نے ناک سکیڑ کر سوچتے ہوئے لہجے میں کہا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے ڈاکٹر شرجیل کے اعمال و اطوار سے بددلی اور کوفت محسوس ہونے لگی تھی اور شرجیل کا خیال بالکل درست تھا اس کی اپنی حقیقت جان کر ہر کوئی اس سے یوں بے زاری ہی ظاہر کر سکتا تھا۔

''مجھے اب گھر جانا چاہیے۔'' وہ یک دم کھڑا ہو گیا۔

''ہاں اور جا کر دیکھنا چاہیے کہ بند کمرے میں پڑی ہوئی بھوکی پیاسی آپ کی بیوی صبر کے امتحان میں کہاں تک کامیاب ہوئی ہے۔'' وہ باوجود کوشش کے اپنے لہجے کی انتہا پسندی کی کڑواہٹ کو کنٹرول نہ کر سکی۔

''جنگلی، وحشی، جاہل شخص! پڑھا لکھا اور تہذیب یافتہ بنا پھرتا ہے، حد ہو گئی اکیسویں صدی شروع ہو گئی لیکن ہمارے ہاں کے روایتی مشرقی مردوں کی خو نہیں بدلی۔۔۔ شرجیل تم نے انسانیت پر سے میرا مان ختم کر کے رکھ دیا۔ خود کو یوں ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی میرے سامنے۔'' وہ شرجیل کے جانے کے بعد بھی کتنی دیر تک کینٹین کی اسی میز پر خالی بیٹھی فضول سی باتیں سوچتی رہی۔

آج اس کے شوہر کو اسے لینے بھی نہیں آنا تھا، اسے کسی ضروری میٹنگ میں شرکت کرنی تھی۔ اور خود اٹھ کر اکیلے گھر جانے میں اس نے پورے گھنٹے بھر کی سستی دکھائی۔ ''ڈاکٹر غزالہ اس نے اپنی شخصیت کے اس خراب پہلو کو اس لیے تم سے ڈسکس نہیں کیا تھا کہ تم اس پر یوں تھوتھو کرتی پھرو۔۔۔ اس نے تو شاید تمہیں دوست مان لیا تھا اور۔۔۔''

''میرا خیال ہے انصار کہ پچھلے عرصے کی ہماری دوستی کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کی بات سمجھ سکتے ہیں، اور شاید ایک دوسرے پر اعتبار بھی کر سکیں۔۔۔''

روحیل نے بہت نرمی اور اطمینان سے اپنی بات کہنا شروع کی تھی لیکن انصار کا خون جوش کھانے لگا تھا اور جب اس نے اعتبار اور دوستی کی بات کی تو وہ اور بھڑک گیا۔ ''تمہارے گھر میں تو خونی رشتوں اور شادی جیسے مقدس بندھن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تمہیں کہاں اعتبار اور خلوص کے معنی یاد ہوں گے۔''

''اگر تم صرف خاموش تماشائی بھی بنے ہوئے ہو تو بھی برابر کے قصوروار ہو۔'' یہ صرف انصار ان باتوں کے بل بوتے پر کہہ رہا تھا جو وہ آصفہ کے بارے میں جانتا تھا۔ وہ ساری اذیتیں جو اس کے علم میں نہ تھیں اور بہت سی ایسی جو کسی کے علم میں نہ تھیں، اگر سب انصار کے علم میں ہوتیں تو شاید وہ اس وقت روحیل کا گریبان پکڑے اس کا خون پی جانے کو تیار کھڑا ہوتا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ عالیہ بیگم کا بیٹا ہے۔

''اور اگر میں یہ کہوں کہ صرف اپنی ماں کی ضد اور زیادتیوں کی وجہ سے میں اپنا گھر ہی چھوڑ آیا ہوں تو۔۔۔ اور جب سے اب تک یہ سوچ رہا ہوں کہ چھوڑ تو آیا ہوں، اب آصفہ اور شرجیل کو جو میرا تھوڑا سا آسرا تھا، وہ بھی ختم ہو گیا ہے۔'' وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوا۔

''اب بھی تم بے قصور نہ کہے جاؤ گے کیونکہ میدان چھوڑ کر بھاگنے والے بزدل کہلاتے ہیں۔''

''اور وہ بزدلی جو تمہاری پھوپھی زاد بہن ہمارے گھر میں بیٹھ کر دکھاتی ہے اس کا کیا علاج۔'' روحیل نے تیزی سے کہا۔ انصار خاموش ہو گیا، اس بات پر بحث بے کار تھی۔

''انصار! میں تو صبح اسلام آباد واپس جا رہا ہوں۔ تم کو صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ آصفہ کی طرف سے غافل نہ رہنا۔ وہ بہت مشکل میں ہے۔ میں بھی سب کچھ اس طرح چھوڑ کر نہ جاتا لیکن تم جانتے ہو

گالی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی اور گالی دینے والی اگر اپنی ہی ماں ہو تو۔۔۔بس میں پلٹ کر اب گھر نہیں جاؤں گا۔تم پلیز کسی طرح آصفہ اور شرجیل بھائی کا خیال رکھنا۔وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے مخلص ہیں لیکن دونوں بڑے کم ہمت ہیں۔'' روحیل بہت افسردہ تھا۔انصار خود پریشان ہو گیا۔

''میں کیا کروں اپنے ابا سے کوئی بات کروں یا جلال انکل سے کچھ کہوں۔''

''مجھے نہیں خبر! میں قطعی نہیں جانتا کہ تم اس کا خیال کیسے رکھ سکتے ہو۔لیکن۔۔۔'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ پھر خاموش ہو گیا۔

''گھر کے بڑے لوگوں کو اس مسئلے پر اکسانے کا یک ہی نتیجہ نکلتا ہے،وہ فیصلے کی بات کرتے ہیں اور آصفہ اس پر ہرگز راضی نہیں۔'' اس کی ادھوری بات پر کچھ دیر سوچ کر انصار نے آگے بات کہی۔

''میرا خیال ہے کسی سے کچھ نہ کہو، بلکہ سچ یہ ہے کہ تم بھی اس کے لیے کر کچھ نہیں کر سکتے ہو اور یہ بہت مشکل کام ہی ہے کہ کرنا کچھ نہیں اور اس کی خبر رکھنا۔۔۔کیونکہ اگر تمہیں خبر ہو جائے کہ وہ بھوکی پیاسی ایک کمرے میں صبح سے شام تک بند کر دی گئی ہے تو تم ضرور مچل جاؤ گے کہ کچھ نہ کچھ اس کے لیے کرو۔لیکن کچھ کرنے کے لیے دوڑ نہ پڑنا۔''

''یہ کیسی پابندی لگا رہے ہو تم! کیا اس کو خیال رکھنا کہتے ہیں اور تم خود کیسے اسے اس حال میں چھوڑ کر آ گئے ہو۔''

''اس لیے کہ میں اور تم اس کے کچھ نہیں لگتے،اس کے میاں نے خود اس حال میں چھوڑ رکھا ہے وہ بزدل اور کم ظرف آدمی۔۔۔مگر جو کچھ ہے بس وہی کر سکتا ہے۔''

''آخر تم کیا کہہ رہے ہو روحیل! یعنی پلٹ پلٹ کر یہ خبر لیتا رہوں کہ وہ زندہ ہے یا نہیں۔۔۔'' وہ بری طرح تپ گیا۔

''میں خود بہت الجھا ہوا ہوں انصار! تم میری بات سمجھ لو یا کوئی نئی بات مجھے سمجھا دو۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''جس پہ نہ بیتی وہ کب جانے
جگ والے آئے سمجھانے''

وہ سچ کہہ رہا تھا کہ کوئی اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا یا راہ فرار ڈھونڈنے کے بہانے تلاش کر رہا تھا۔خود اپنی تسلی کے لیے یہاں تک چلا آیا تھا۔صنم روٹھے تو آدمی قسمیں کھا کر اسے مناتا ہے،خدا روٹھ جائے تو سجدے کرتا ہے لیکن اگر بندہ اپنے آپ سے وٹھ جائے تو کیسے اچھے اچھے انوکھے جتن رائیگاں جاتے ہیں۔خود کو بہلا لینا بڑا کٹھن کام ہے۔

وہ گھر آیا تو گاڑی پچھلے گیٹ پر روکی اور وہیں سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔باہر سے کنڈی کھول کر لاک گھماتے ہوئے کمرے میں آیا تو دیکھا آصفہ قالین پر بے سدھ سی پڑی تھی،جانے سو رہی تھی یا بے ہوش ہو گئی تھی۔اس نے قریب آ کر نیچے بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ ہلایا۔تو یک دم بوکھلا گیا،پھر اس کی پیشانی چھوئی۔یوں لگا جلتے توے کو چھو لیا ہو۔۔۔وہ بری طرح بخار میں تپ رہی تھی اور شاید اسی

وجہ سے اس پر غنودگی بھی طاری ہو رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اسے بازوؤں میں اٹھا کر بستر پر ڈالا۔ باتھ روم سے کچھ نہ ملا تو ٹب اٹھالیا۔ اس میں ٹھنڈا پانی ڈال کر جلدی جلدی یہ دراز سے تولیہ نکالا اور ٹھنڈے پانی میں بھگوتے ہوئے اس کے سر پر رکھنے لگا۔ ساتھ ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے رگڑتے وہ عجیب بوکھلاہٹ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر ہوتے ہوئے انتہائی تیز بخار والے مریض کو ابتدائی طبی امداد دیتے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا تھا اور دل کی دھڑکن کی رفتار معمول سے بہت بڑھ گئی تھی۔

اوہ گاڈ کس طرح نہ چاہتے ہوئے ایک بار پھر اس کی طرف سے آصفہ پر انتہائی زیادتی ہو گئی تھی۔ اب اسے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اس کی ماں نے جو کچھ کہا تھا سب غلط تھا۔ اور یہ تو اسے دوپہر کو فوراً سمجھ جانا چاہیے تھا، لیکن اس کے اندر جانچنے کی صلاحیت اللہ نے صفر رکھی تھی اور اس گھر کے اندر اس کی عقل پر کیسے پہرے لگ جاتے تھے۔

''آصفہ! آصفہ پلیز آنکھیں کھولو۔۔۔!'' وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اسے جھنجھوڑ بھی رہا تھا اور مسلسل پانی بدل بدل کر پٹیاں بھی رکھے جا رہا تھا۔

''اوہ شکر اللہ کا، آپ آ گئے میں تو اتنی پریشان ہو گئی تھی۔'' اچانک ہی عینی آپا کمرے میں آئیں تو شرجیل چونک گیا۔

''اب کیسی ہیں بھابھی!'' انہوں نے قریب آ کر اس کی کلائی چھوئی تو شرجیل اسے تکنے لگا۔

''آصفہ سے ہمدردی! دیکھ لیں آپا کہیں کوئی غلط فعل تو سرزد نہیں ہو رہا آپ سے۔ آپ کو اس کی طبیعت کی خرابی کا علم تھا۔'' آخر اس نے پوچھا۔

''ہاں ابھی ایک گھنٹے پہلے ہی تو جب امی جان شرمین کو لے کر باہر نکلی ہیں تو میں چپ چاپ ادھر آئی تھی۔ بھابھی جب سے ہی یوں بے سدھ سی پڑی ہیں۔ اف کتنی بار سوچا، آپ کو فون کروں لیکن دوپہر کو آپ کا مزاج دیکھ کر ڈری ہوئی تھی۔ پھر امی جان سے بھی خوف آ رہا تھا جانے کب پلٹ کر آ جائیں۔ سات بجے سے شرمین کو لے کر نہ معلوم کہاں گئی ہیں، مجھے تو بتایا بھی نہیں، میں اپنے بیٹے کو دلیہ بنا کر دے رہی تھی تو وہ نکل گئیں۔'' شرجیل بہن کی باتیں سنتے ہوئے بھی اپنا کام جاری رکھے ہوئے تھا۔

''ایسی صورت حال میں فون ضرور کر دینا چاہیے تھا۔''

''کیسے کر دیتی، آپ لوگوں کے مزاج کا بھی کچھ پتا نہیں چلتا۔ ویسے اس طرح کوئی اپنی بیویوں کو نہیں رکھتا، شرجیل بھائی! آپ بھی حد کرتے ہیں۔ بہت دیکھی ہے رقابت، حسد، زور آوری لیکن اپنے گھر میں تو حد ہو رہی ہے۔'' عینی آپا صبح سے خاموشی سے تماشا دیکھتے دیکھتے شاید ایک دم فیڈ اپ ہو چکی تھیں۔

''حیرت ہے آپا! آپ کیسے امی جان کی غیر پسندیدہ شخصیت کی طرف داری کر رہی ہیں۔''

''شرجیل آج جو کچھ ہوا ہے اسے دیکھ کر تو جانور بھی شرمندہ ہو جائیں گے، میں تو پھر انسان ہوں۔۔۔ قسم خدا کی آپ کو بالکل عقل نہیں ہے۔'' وہ تھرمامیٹر لے کر بیٹھتے ہوئے پھر آصفہ کو آواز دینے

لگا۔

''امی جان نے جو کچھ کہا، آپ نے فوراً اس پر یقین کرلیا، نہ کچھ سوچا نہ کسی پہلو پر غور کیا، بس چھوٹتے ہی آصفہ بھابھی کو پیٹ ڈالا۔'' عینی آپا نے بھائی کو آئینہ دکھایا۔

''عینی آپا! میرے دھیان میں ہی نہیں آیا کہ امی جان اس طرح جھوٹ بول سکتی ہیں۔'' وہ شرمندہ سا ہو کر پھر آصفہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ارے جھوٹ کیا! امی جان نے تو سراسر ڈرامہ کیا، آپ کو پتا ہے خود ہی اس کھڑکی سے جا ٹکرائیں اور۔۔۔'' شرم ساری، گناہ گاری اور اپنی ہی جفا جوئی کی وہ انتہا جس سے آدمی خود نظر نہ ملا سکے، شرجیل کا پورا چہرہ سرخ ہو گیا، وہ سہہ نہ سکا وہ سن نہ سکا۔

''بس کر جائیں عینی آپا! وہ ہماری ماں ہیں۔ اپنوں کے لیے لوگ کیا نہیں کر ڈالتے، مگر یوں ان کے گناہوں سے چشم پوشی کرنے والے دیکھے ہیں؟ ان کے عیبوں سے بنتے اپنے عذابوں ان کے گناہوں کے بوجھ کو اپنے اعمال بد کی طرح کندھوں پر لادے پھرتے ادھ موئے ہوئے شرجیل سہیل احمد جیسے لوگ دیکھے ہیں آپ نے؟ کاش دیکھے ہوتے تو آپ جان سکتے کہ آصفہ جیسی پیاری پیاری معصوم لڑکیوں کو دکھ دینا آسان نہیں مگر یہ بے چارے اتنے ادھورے اتنے ناتواں ہیں کہ غور کریں تو ظلم کرنے والے ان ظالموں پر ہی آپ رحم کھانے بیٹھ جائیں کہ پہلے تو یہ سفاک قصائیوں کی طرح چھری لیے بیٹھے اپنے ہی دل کے ٹکڑے کیے چلے جاتے ہیں اور جب بالکل ہی نڈھال ہو جاتے ہیں تو ان کے ہاتھ میں کس کا دل آ سکتا ہے اپنی معصوم بیویوں کا، آصفہ جیسی بے زبان لڑکی کا۔۔۔''

''بہر حال یہ کوئی طریقہ نہیں ہے، اس گھر میں رحم اور خلوص کی تو قبریں بنی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔'' عینی آپا شاید اپنے پچھلے بے پناہ دنوں کی خاموشی اور بے حسی پر آج حد سے زیادہ بے زار ہوئی تھیں۔

''آصفہ! آصفہ پلیز! آنکھیں کھولو۔'' اس نے تھرمامیٹر سے بھی چیک کیا اب بخار کا زور ٹوٹنے لگا تھا اور آصفہ کی نیند بھی ٹوٹ رہی تھی۔ بار بار شرجیل کے جھنجھوڑنے پر اب اس نے جواب دیا، دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور سرہانے بیٹھے شرجیل کو دیکھ کر جھٹکے سے پھر بند کر لیں۔۔۔ وہ پھر پانی میں بھگو کر پٹی اس کے سر پر رکھنے لگا۔۔ اب آصفہ نے بے چینی سے رخ بدلا۔

''آپا! آپ جائیں، امی جان آ گئیں تو بے وجہ ہنگامہ کھڑا کریں گی۔''

''نہیں امی جان میرے خیال سے ابھی آئی نہیں ہیں۔ میں سوپ بنا کر لے آتی ہوں، کچھ خوراک ملے گی تو ان کی کمزوری دور ہو گی۔''

''کوشش کر کے دیکھ لیں اگر بنا سکیں تو۔۔۔'' وہ کچھ اور نہ بولا۔

''اب آپ کا فرض ہے کہ ان کا بہت زیادہ خیال رکھیں۔''

''آپ کو کیسے سمجھاؤں آپا میں تو ہر صورت آصفہ کے خیال میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔ مگر جانے کیا برائی ہے کہ اچھائی کو نگل لیتی ہے۔'' وہ چاپ چاپ سوچ رہا تھا۔

آپا کمرے سے نکل گئیں تو اس نے پھر پیالے کا پانی تبدیل کیا، اور تولیے کی ٹھنڈی پٹی بنا کر آصفہ کی پیشانی پر رکھی، لیکن اس بار آصفہ نے ہاتھ بڑھایا اور پٹی کھینچ کر ایک طرف پھینک دی۔ شرجیل

حیران نہیں ہوا، آج کے اس کے سلوک پر تو آصفہ کو شاید اس سے عمر بھر نہ بولنا چاہیے۔ پھر بھی اس نے ہمت کر کے دوبارہ پٹی اٹھائی اور پانی میں بھگو کر اس کے چہرے کے پاس لے آیا۔

''پلیز چھوڑیں شرجیل! ابھی زندہ کر رہے ہیں اس لیے کہ صبح پھر جلا مار سکیں۔'' وہ سسک پڑی۔

''میں کچھ بھی کہنے کے قابل تو نہیں ہوں آصفہ! پھر بھی معاف کر دو۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے سر جھکا کر دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔ آصفہ نے اسے دیکھا اور پھر کروٹ بدل کر سسک سسک کر رونے لگی۔

وہ اپنی پیشانی کو بے چینی سے رگڑنے لگا۔ کبھی مداوا ہو ہی نہیں سکتا، منہ سے نکلی بات اور ہاتھ سے کیے عمل کا۔۔۔ اور اعتماد و اعتبار کے امتحان میں تو وہ بری طرح پٹ گیا تھا۔ اب وہ آصفہ سے کہے کہ آؤ ہم مل کر رو لیں! تو وہ ساتھ دینے والی نہ تھی کہ اس کے ساتھ کا مان ہی اس کے دل میں نہ رہا تھا۔

جب عینی آپا سوپ دینے کے لیے آئیں تو وہ اپنے آنسو پونچھ کر رونے سے فارغ ہو چکی تھی۔ (جب ساجن ہی نہ منایا کرے تو گوری کس کی آس کرے)

سوپ پینے کا اس کا جی نہ چاہ رہا تھا لیکن عینی آپا کی خاطر اسے پینا پڑا۔ شاید پہلی بار اس گھر میں کسی نے اس کی یوں پروا کی تھی۔ روحیل تھا سو وہ تو مرد تھا۔ روٹھا تو اب پلٹ کر دیکھنے والا نہیں تھا۔ عینی آپا اس کا کندھا سہلا کر اس سے کچھ کہے بغیر چلی گئیں۔

اتنا ہوا تھا کہ اب تہنیت کو کالج چھوٹ جانے کے وہم سے چھٹکارا مل گیا تھا۔ اس نے بھی سوچا تھا کہ اس چھوٹ اور رعایت کا بھرپور فائدہ اٹھائے گی، اصل مقصد یعنی تعلیم پر پوری توجہ دے گی اور ضرور اتنا اچھا نتیجہ لائے گی کہ سب داد دیں، خاص کر امی جان اس فیصلے پر خوش ہی ہوں کہ انہوں نے تہنیت کو روکا نہیں۔

وہ کالج سے واپسی کے سارے راستے، اچھی اچھی باتیں ہی سوچ رہی تھی۔ بس سے وہ گھر سے ایک اسٹاپ پہلے ہی اتر گئی۔ طلعت کے دو سوٹ ٹیلر کے پاس سے لینے تھے اور اس نے کہا تھا طلعت سے کہ کالج سے آتے ہوئے وہ سوٹ لیتی آئے گی۔ گھر سے تھوڑے فاصلے پر مارکیٹ میں ہی درزی کی دکان تھی۔ آٹھ دس منٹ میں وہ وہاں پہنچ گئی، درزی سے سوٹ لیے، حساب کیا اور شاپنگ بیگ اور جرنلز ایک ساتھ ہاتھ میں پکڑتے ہوئے وہ پلٹ گئی۔

مارکیٹ سے نکلتے نکلتے اس کا مزاج بدل گیا۔ راستے میں جتنے لوگ چلتے پھرتے ہیں سب ہی دیکھنے لگ جاتے ہیں کہ ایک لڑکی ہے جو اکیلی جا رہی ہے، ہماری گلیوں، محلوں اور بازاروں سے جانے یہ دیکھنے اور گھورنے والی آنکھیں کب صاف ہوں گی۔ ارے بھئی اپنے اپنے کام سے کام رکھو، اپنی اپنی منزل کی طرف سر جھکائے سیدھے چلتے چلے جایا کرو۔ حاصل کچھ نہیں ہونا پھر بھی بے وجہ دیکھنا اور خوامخواہ عورتوں اور لڑکیوں کو الجھانا۔۔۔ اس نے راستہ بدل لیا اور پچھلی طرف جو گلی سیدھی چلتی ہوئی سڑک سے نکل کر گھر کی طرف جاتی تھی اس طرف مڑ گئی۔ اور اسے خبر نہ تھی کہ کئی نظروں سے بچنے کی کوشش میں وہ ایک نظر جس کی زد میں کئی دنوں سے ہے اس کے عذاب میں پھنسنے والی تھی۔

''ایکسکیوزمی! یوآرایے نائس گرل! میں کتنے دنوں سے چپکے چپکے آپ کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے آپ کو دیکھتے اچھا لگتا ہے۔'' اوہ خدایہ کہاں سے شیطان مردود اس کے راستے میں آ گیا۔ دراصل وہ لگی تھی ہی ایسی سنسان، وہ آسانی سے ایسی جرات کر سکتا تھا۔ اور تہنیت زیادہ ہوشیاری کے زعم میں زیادہ پٹ جایا کرتی تھی وہ بغیر کوئی جواب دیے تیز تیز قدم اٹھاتی سیدھی چلتی رہی۔ اس نے پلٹ کر اس شخص پر نظر بھی نہ ڈالی۔

''دیکھیں، آپ اس طرح پریشان نہ ہوں، میں آپ سے صرف تعارف چاہتا ہوں، کئی دنوں سے میں آپ کو کالج کے گیٹ پر اکثر نکلتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ کیونکہ روزانہ اپنی بہن کو کالج سے پک کرنے آتا ہوں، میری بہن اسی کالج میں پڑھتی ہے جہاں آپ جاتی ہیں۔''

اس کا جی چاہا ایک زوردار قسم کی گالی اس شخص کو یہیں راستے میں دے ڈالے، اپنی بہن کو لینے آتا ہے اور دوسروں کی ماں بہنوں پر نظر ڈالتا ہے۔ مگر اس نے تہیہ کر لیا تھا چپ رہنے کا، اس کے صبر اور اعتبار دونوں کی آزمائش۔ اوہ خدایہ پانچ منٹ کا فاصلہ ختم ہونے میں کیوں نہیں آ رہا۔

''آپ مجھے نظر انداز کر رہی ہیں، لیکن یقین کریں میں کوئی گرا پڑا بندہ نہیں ہوں۔ نا ہی آپ کو چھیڑنے یا تنگ کرنے کی بُری نیت دل میں رکھتا ہوں۔ میں تو صرف آپ سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ آپ مجھے اچھی لگ رہی ہیں اور بہت دنوں سے مسلسل آپ مجھے اچھی لگ رہی ہیں۔'' وہ ڈھیٹ تھا اور دھن کا پکا بھی، اطمینان سے اس کے پیچھے چلتا چلا آ رہا تھا۔ لیکن اس کا بھی ارادہ مضبوط تھا۔ بس گلی کے موڑ تک پہنچ جائے تو دوڑ کر سڑک کو پار کر لے گی اور پھر پلٹ کر اس منحوس کی بھی صورت دیکھے گی۔

''آپ کو خیال نہیں آ رہا کہ اگر مجھے آپ کو چھیڑنا ہی ہوتا تو آپ کے کالج کے گیٹ کے باہر بھی آپ کو تنگ کر سکتا تھا۔ پلیز مس! آپ کو میری بات سننی پڑے گی۔'' اس نے بہت اچانک ہی اس کا بازو کھینچ کر اس کی تیز رفتاری کو توڑنا چاہا۔ تہنیت جیسی بولڈ اور بے باک لڑکی اتنی گڑبڑا گئی۔ اس نے سب سے پہلے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اس گلی میں لمبی قطار سے آراستہ خوب صورت گھر بنے ہوئے تھے، دونوں طرف بنگلے ہی بنگلے تھے۔۔۔ دور سے ایک سبزی والا صدا لگاتے شاید اسی راستے پر نکلا آ رہا تھا۔

''اوہ یو باسٹرڈ! یہ میرا محلّہ ہے، ایک آواز لگائی تو اتنے لوگ جمع ہو جائیں گے اور تمہاری ایسی دھنائی کریں گے کہ اپنا چہرہ لے کر گھر جانے کے قابل نہ رہو گے۔۔۔'' وہ دب کر اب بھی چپ رہ جاتی تو ضرور اس کی ہمت مزید بڑھ سکتی تھی۔ وہ گڑبڑائی ضرور تھی لیکن ایسی بھی نہیں کہ کچھ کر ہی نہ سکتی۔ چاہتی تو جوتا نکال کر اس کے سر پر دے مارتی، لیکن لحاظ کر گئی۔

''اوہ سوری آئی ایم رئیلی سوری مس! میرا مطلب یہ نہیں تھا مگر آپ کو سننا چاہیے کہ کوئی آپ سے بہت دیر سے کچھ کہہ رہا ہے اور آپ منہ سے کوئی لفظ نکالنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یقین کریں کالج سے آپ کا پیچھا کر رہا ہوں، بس سے مارکیٹ تک اور پھر یہاں۔۔۔'' بس گلی ختم ہو گئی۔ سامنے سڑک تھی اور سڑک کے ساتھ ہی گلی کے موڑ پر لوگوں کی گہما گہمی بھی اسے نظر آ گئی۔ ایسی گہما گہمی اور ان ہی لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لیے وہ اس گلی میں گھسی تھی۔

''پلیز میں ۔۔کل مجھے کالج کے گیٹ کے باہر تلاش ضرور کیجیے گا۔'' وہ آخر آخر لوگوں کے خوف کے باوجود جلدی سے اپنی بات کہہ گیا جیسے وہ ضرور اسی کو ڈھونڈتی تلاش کرتی اگلے دن نکل پڑے گی۔

گھر پہنچ کر کتنی دیر تک اس کی سانس پھولی رہی۔

کوئی اس کے پیچھے پڑا اور الجھنیں اس کے دل و دماغ میں پڑ گئیں۔ کبھی کبھی حالِ دل کسی سے کہنے کے لیے انسان ترستا ہے۔ لیکن کوئی ہمدرد بھائی نہیں دیتا۔

اسے بہت ضرورت تھی کہ اپنی الجھن کو کسی سے شیئر کرے۔ طلعت جب بھی سامنے آئی اس کا دل بہت شدّت سے خواہش کیا اپنی بہن سے کہہ دے اپنی پریشانی لیکن وہ ڈری ہوئی بھی تھی۔ اپنی ماں کے رویّے نے اسے کچھ سہما سا دیا تھا صرف چھوٹی سی غلط فہمی کبھی انسان کی پوری شخصیت کو اَن دیکھے جال میں قید کر لیتی ہے۔ ورنہ بھلا وہ رہ جائے، کوئی اپنی سگی بہن۔ اپنی دوست اور اپنی راز دار طلعت سے چھپا جائے۔ وہ تو سانس لیتیں تو ایک دوسرے کو حساب دیتیں۔ لیکن اس کی شخصیت کا تاثر کا کیا طلعت کے دل میں بھی کچھ بگڑا تھا۔ حالانکہ اس آج والے قصے میں اس کا سرے سے کوئی قصور نہ تھا۔

''روحیل آخر کہاں چلا گیا۔'' اب عالیہ بیگم کو بیٹے کی فکر نے پریشان کیا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھیں ناراض ہو کر گیا ہے تو دو پہر یا شام تک پلٹ آئے گا، لیکن اب تو رات ہو گئی تھی۔ ان کے دل کو عجیب دھڑکا سا لگا ہوا تھا کہ کہیں بغیر بتائے اسلام آباد تو نہیں لوٹ گیا۔

''نہیں امی جان بھلا سامان وغیرہ لے کر تھوڑی گیا ہے کہ اسلام آباد ہی چلا جائے گا۔'' شرمین نے ان کے خدشے کو دور کیا۔

''پھر بھی وہ آیا ہی نہیں تو مجھے وہم ستا رہے ہیں۔''

''مجھے لگتا ہے کہ وہ دادا جان کے پاس رک گیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کہیں نہیں جا سکتا کیونکہ یہاں تو اس کے ایسے کوئی دوست وغیرہ بھی نہیں۔'' شرمین کا اندازہ انہیں ٹھیک لگا لیکن پھر بھی وہ پریشان رہیں۔

''تمہارے ابو بالکل چُپ بیٹھے ہیں۔ پریشان لگتے نہیں یا چالاکی دکھا رہے ہیں شاید انہیں روحیل کے بارے میں خبر ہو، مجھے لگتا ہے اپنے باپ کے پاس سے ہو کر آ رہے ہیں اور روحیل سے بھی مل لیے ہیں اسی لیے سکون سے خاموش بیٹھے ہیں۔''

''میں پوچھ کر دیکھوں؟''

''ارے چھوڑو نہ بتانا ہوا تو ہمیں بتائیں گے تھوڑی۔ بلکہ الٹا خوش ہوں گے یہ سوچ کر کہ عالیہ بیگم پریشان ہیں۔'' نہ کسی کی پروا اور نہ کسی کا خیال والا ان کا وہی انداز پلٹ آیا تو شرمین بھی چپ ہو گئی۔

''تمہیں بالکل پروا نہیں کہ روحیل اب تک گھر نہیں آیا۔'' کچھ لمحے ہی گزرے تھے جب سہیل صاحب کمرے میں آئے۔

''یہ تو آپ کو فکر کرنی چاہیے اور آپ کو ہی پتا بھی کرنا چاہیے کہ آخر وہ کہاں چلا گیا۔''

''اچھا ناراض وہ تم سے ہو کر گیا ہے اور پروا میں کروں تم اولاد کے لیے صرف پریشان ہونے کی

زحمت گوارا کرنے پر بھی راضی نہیں ہو عالیہ بیگم۔''

''افوہ بھئی آپ گھر سے باہر نکلتے ہیں اس لیے آپ سے پوچھ لیا کہ کہیں کوئی پتا وغیرہ چلا ہو۔ آپ اپنے ابا جان کے پاس بھی تو گئے ہوں گے۔'' بالآخر انہوں نے خود ہی پوچھ لیا۔

''ابا جان کو منہ دکھانے کے قابل ہوں بھلا میں۔'' وہ تپ گئے۔

''کیوں ایسا کیا کر دیا ہے آپ نے! بے کار کا ڈرامہ میرے ساتھ نہ کیا کریں سہیل صاحب! ماں باپ کے پاس تو آپ کے صبح و شام پھیرے لگتے ہیں۔''

''بہت مشکل ہے عالیہ بیگم کہ تم جیتے جی چپ رہ لیا کرو۔'' ان کے اندر بہت غصہ بھرا ہوا تھا۔

''دیکھ لو اب بد عاؤں پر اتر آئے ہیں، میں مر جاؤں تا کہ تمہاری چہیتی بہو اس گھر میں اکیلی راج کرے، دندناتی پھرے۔ ارے میں مر بھی جاؤں گی تو میری روح اسے چین نہ لینے دے گی۔''

(سچ ہے تمہارے اندر کا شیطان تو ہمیں مر کر بھی چین نہ لینے دے گا) عالیہ بیگم کی آواز بہت اونچی ہو گئی تھی، اس لیے انہوں نے چپ رہنے میں عافیت جانی۔ بس یہ بات دل میں سوچ کر رہ گئے۔

''روحیل تو لگتا ہے اسلام آباد ہی چلا گیا ہے۔'' کچھ دیر کے بعد وہ خود ہی بولے۔

''لیکن ابو جی ان کے کپڑے اور سامان وغیرہ۔۔۔'' شرمین نے جیسے گرہ سلجھانی چاہی۔

''سوٹ کیس لے کر تو گیا ہے، اب کیا سامان ہو گا۔ وہ غصے میں کچھ بھی چھوڑنے والا نہیں ہے۔''

''ارے یہ شرمین تُو کہہ رہی ہے، کچھ سامان لے کر نہیں گیا۔''

''چھوڑو بیگم! تم تو اپنے دھیان کو آصفہ میں ہی الجھائے بیٹھی ہو۔ تمہیں اپنی سگی اولاد کی خبر نہیں کہ کہاں گئی کب گئی کیسے گئی؟''

''یہ کم بخت اسی کی وجہ سے تو میرا روحیل مجھے چھوڑ کر گیا ہے۔ دیکھا شرمین! میں نہ کہتی تھی وہ چلا گیا ہے۔ یا اللہ میرے ہاتھ سے کیسے میرے سارے ارمان پھسلتے جا رہے ہیں۔ اللہ تُو اس کو غارت نہیں کرتا، جب سے میرے گھر میں آئی میرے چین کی دشمن بن گئی ہے۔''

پھر وہ شروع ہوئیں تو چُپ نہ ہوئیں۔ سہیل صاحب ہی زچ ہو کر کمرے سے نکل گئے۔ عالیہ بیگم کو شرجیل سے جو محبت تھی، وہ رقابت کی چکی میں مسلسل پستی چلی جا رہی تھی۔ محبت میں صرف میرا ہے اور مجھے ملے گا جذبہ شامل ہو تو تعلق کی رسی کھنچنے ہی لگتی ہے اور پھر بڑی تباہی آتی ہے۔

اور آخر کار وہ رات بھی اس کی اپنے شوہر کے گھر میں نکل گئی۔ عالیہ بیگم کی تمام تر ضد اور ہٹ دھرمی کے باوجود اور اس کی اپنی بے بسی اور بد نصیبی کی انتہا پر دوسری صبح شرجیل اپنے وقت پر اٹھ گیا تھا۔

''میں تمہیں دادا جان کے گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ اور ہسپتال سے آتے ہوئے لے لوں گا۔''

''نہیں، آپ مجھے میری امی کے گھر چھوڑ دیں اور واپسی میں بہت کچھ سوچ سمجھ کر مجھے دوبارہ پک کر لیجیے گا۔'' آصفہ کی طبیعت ابھی بھی بحال نہ ہوئی تھی۔ لیکن وہ ہمت کر کے اٹھی اور اس کا جواب سنے بغیر باتھ روم میں گھس گئی۔

کچھ دیر کچھ سوچتے ہوئے شرجیل نے باہر نکل کر حبیب خان کو بلایا اور اپنے اور آصفہ کے لیے باہر سے ناشتا منگوالیا۔ آصفہ اتنی دیر میں تیار ہو کر اپنا بیگ نکالنے لگی تھی۔

''ابھی اپنی امی کے ہاں نہ جاؤ آصفہ پلیز۔'' شرجیل نے بہت نرمی سے اس سے کہا۔

''کیوں اس میں کیا برائی ہے۔ میری طبیعت بھی اچھی نہیں، اپنی ماں کے پاس جاؤں گی تو دل بہل جائے گا۔''

''نہیں برائی تو کوئی نہیں، لیکن ابھی ان کا سامنا کرنا مشکل ہوگا۔ اور تم بھی شاید اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکو۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا، چاہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ جو کچھ گزرتی ہے، کہیں وہ کسی سے کہہ نہ ڈالے۔ اتنی خراب اور نازک طبیعت میں اور بوجھل ذہن کے ساتھ وہ اپنے دل پر قابو ہرگز نہ رکھ سکے گی۔

''شرجیل سہیل احمد اگر مجھے کسی سے کچھ نہیں کہنا تو کبھی بھی نہ کہوں گی۔ اور کہنا ہوا تو یہاں بیٹھے بیٹھے بھی سارے جہان میں واویلا مچادوں گی۔'' وہ تپی ہوئی تھی مگر وہ اس کے لیے مرمٹی ہوئی بھی تو تھی۔ سو بس زندگی کے دوسرے ڈھنگ اور رنگ کو اسے نہ دیکھنا تھا اور اسے خبر تھی وہ نہ دیکھے گی۔

''آصفہ پلیز! آئی ایم سوری! میں نے بلاوجہ سوچے سمجھے کل تم پر ہاتھ اٹھایا لیکن دیکھو، کیا کروں۔ ساری صورت حال تمہارے سامنے تھی نا، مائیں اپنے بچوں سے اس طرح جھوٹ تو بولا نہیں کرتی ہیں نا!'' قطعی دو شخصیتوں میں بٹا ہوا یہ شخص جب اس پر نظر کرتا ہے نرم دل اور پانی لہجہ لیے اس کے اپنے اندر سختی کی ہر گنجائش کو ختم کر ڈالتا ہے۔ اور جب اس سے نظریں پھیرتا ہے تو نگاہوں، باتوں سے، رویوں سے بھی پتھر ہی برساتا چلا جاتا ہے۔ یوں جیسے نہ کبھی وہ اس کو دکھا ہو نہ خود کبھی ایسے دیکھا ہو۔ روکھا اجنبی۔

''بس جو گزر جایا کرے اسے دہرایا نہ کریں، عمر کاٹنا مشکل ہو جائے گی۔'' وہ اب سلجھی ہوئی فلاسفر بنی جیسے نہ کبھی بے وجہ ہنسی نہ روئی پتھر صفت عزت کی طرح اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

''آؤ ناشتا کرلیں۔'' شرجیل نے کچھ توقف کے بعد اسے بلایا۔ اور خود چھوٹی میز کو صوفے کے سامنے رکھنے لگا جس پر ناشتے کا سامان رکھا تھا۔

''آپ کھائیں، میرا جی نہیں چاہ رہا۔'' جب چند دنوں یہی کھانا نہ مل رہا تھا تو اس کی بھوک ندیدی بلی بنی پورے گھر میں ناچا کرتی تھی اور کل سے کھانے پینے کی طرف سے اس کا جی عجیب اچاٹ سا ہو گیا تھا۔

''نہیں، کھانا تو تمہارے لیے بہت ضروری ہے۔ ہلکی چیزیں ہیں۔ ڈبل روٹی اور جام کھولو، مجھے پتا ہے بخار کی وجہ سے تمہارے منہ کا ذائقہ خراب ہو گیا ہوگا۔ یا ابلا ہوا انڈا لے لو۔ چائے ہم راستے میں جاتے ہوئے پی لیں گے۔''

''شرجیل میں کچھ نہیں کھاؤں گی پلیز۔'' اس کا دل کھانے کی چیزیں دیکھ کر اکتانے لگا تھا۔

''آصفہ پلیز کھانا ضروری ہے نا۔'' وہ یوں اس کی منت بھرے لہجے میں دلجوئی کر رہا تھا جیسے عمر بھر بیٹھا یونہی اس کا خیال رکھتا رہے گا۔

اس نے زبردستی ایک سلائس پر جام لگا کر کھایا۔ شرجیل نے بھی جلدی جلدی ناشتا کیا بہت کہنے پر بھی آصفہ نے مزید کچھ نہ کھایا۔ بس چیزیں سمیٹ کر فریج میں رکھ دیں۔

''گاڑی پچھلے گیٹ پر ہی کھڑی ہے، تم اپنا بیگ لے کر ادھر چلو میں امی ابو سے مل کر آتا ہوں۔''
وہ اپنی بات کہہ کر کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ سہیل احمد اسے اپنے کمرے کے دروازے کے باہر ہی نظر آئے۔

شرجیل اور آصفہ دونوں نے انہیں سلام کیا۔

''کیسی طبیعت ہے اب بیٹی؟'' سہیل انکل نے پوچھا۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' اس نے کہا۔

''کوئی دوائی وغیرہ دی شرجیل نے، مجھے رات کو عینی نے بتایا تھا کہ آصفہ کی طبیعت بہت خراب ہے لیکن رات کو بس مصلحتاً اس طرف نہیں آیا۔''

''دیکھا آصفہ! اس وقت کی دوائی ہم دونوں بھول رہے تھے میں ابھی دیتا ہوں۔''

''تمہاری لاپروائیوں اور کوتاہیوں نے اس کو برے حالوں تک پہنچا دیا ہے شرجیل۔'' وہ شرمندہ ہوا لیکن کوئی جواب نہ دے سکا۔

''دوائی کا خیال رکھو اور فرق نہ پڑے تو کسی اور ڈاکٹر کو دکھا دینا۔'' وہ دوائی دینے لگا تو پھر سہیل انکل نے کہا۔

''نہیں انکل! دوائی سے بہت فرق پڑا ہے۔ بس رات کو بخار بہت بڑھ گیا تھا اس وجہ سے پریشانی ہوئی مگر اب بالکل ٹھیک ہوں۔'' ان کی اتنی فکرمندی کو ٹال دینا اسے بھلا نہ لگا اس لیے اس نے انہیں اچھی طرح مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

''اب کیا ارادے ہیں بیٹا! دن کو رات اور رات کو صبح پر ٹالنے سے کوئی بھی مسئلہ حل نہ ہوگا۔ دو ٹوک بات کر لو اپنی ماں سے، گو کہ تمہیں اچھا جواب ہرگز نہ ملے گا، مگر پھر تم اپنی بات پر تو قائم رہ سکو گے۔'' وہ سمجھانے لگے۔

''ابھی تو ہم جا رہے ہیں، اس کو اس کی امی کے گھر چھوڑ کر میں ہسپتال جاؤں گا واپسی میں لیتا آؤں گا۔ رات کو ضرور امی جان کو سمجھاؤں گا۔''

''ابھی تک تم سمجھنے اور سمجھانے کا خوب صورت خیال دل میں لیے بیٹھے ہو۔'' وہ اس پر ہنسے۔

''اور یہ ابھی کیوں جا رہی ہے۔ طبیعت بھی ٹھیک نہیں، یہیں رہنا چاہیے، آج عینی پھر رکی ہوئی ہے۔ میں نے خاص طور پر اسے ہدایت کی ہے کہ اپنی ماں کی طرف سے دھیان رکھے۔ اور اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ مسئلے کا بہتر حل تمہیں آج ہی تجویز کرنا چاہیے تھا۔ آج کا دن بھی تم نے ضائع کر دیا۔''

''اس وقت بات کی کہاں گنجائش ہوتی ہے ابو جی! اور آصفہ کو تو میں یہی سمجھا رہا ہوں کہ آج دادا جان کے پاس رہ لے۔''

''ارے ان کے آگے بھی کتنا تماشا بناؤ گے۔ بس یہیں ٹھیک ہے۔ تمہیں خود اس کی تکلیف کا علاج جلدی ڈھونڈنا ضروری ہے۔'' وہ گڑبڑا گئی۔ آج کا دن مزید اس بند کمرے میں وہ ہرگز نہیں گزار سکے گی۔

''نہیں انکل پلیز میں اس کمرے میں اب بند پڑی رہی تو مر ہی جاؤں گی۔'' بالآخر وہ بول ہی پڑی۔

''لیکن یوں میکے جانا بھی ٹھیک نہیں ہے نا بیٹا! جلال چچا بھی ہم سے ناراض سے ہیں۔''

''نہیں انکل! میرے ماں باپ مجھ سے ناراض نہیں ہو سکتے اور ناراض ہوئے بھی تو میں انہیں منٹوں میں منالوں گی۔'' وہ زچ ہونے لگی تھی۔

''دیکھو بیٹا صاف بات یہ ہے کہ اس طرح زندگی کو تماشا نہیں بنایا جاتا، جس طرح تم دونوں میاں بیوی نے بنالیا ہے۔ اسے تمہاری مشکلوں کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا پڑے گا، اور تمہیں بہت سی ایسی مشکلوں سے سمجھوتا کرنا پڑے گا جو انتہائی ناگوار ہوں گی ورنہ بہتر یہ ہے کہ تم دونوں علیحدہ ہو جاؤ۔'' وہ سمجھ رہی تھی سہیل انکل اس سے ہمدردی کرنے آئے ہیں یا اس کا ساتھ دینے آئے ہیں مگر وہ تو ایک الگ ہی کردار نبھانے میں لگ گئے تھے۔

''ابو! آپ تو اس طرح نہ کہیں۔'' شرجیل بھی مایوس ہوا۔

''تو کیا کروں، وہاں بیگم صاحبہ کچھ سننے کو تیار نہیں، یہاں اولاد سے کچھ نہ کہا جائے تو پھر یہ ہو سکتا ہے کہ میں بھی رویل کی طرح سوٹ کیس اٹھا کر اس گھر سے روانہ ہو جاؤں۔ حد ہو گئی یہاں گھر کے نوکر تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اب چوکیدار اور مالی وغیرہ بھی مذاق اڑانے لگے ہیں۔ تمہاری ماں تو عقل جانے کب بیچ کر کھا گئی ہے، تمہیں بھی کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

اسی جھگڑے فساد کی وجہ سے رویل گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ اب عینی کے سسرال میں بھی باتیں بننے لگی ہیں۔ اپنے ماں باپ اور بھائی سے تو میں یوں منہ چھپائے پھر رہا ہوں، جیسے سوقیل کر کے بھاگا ہوا ہوں۔'' وہ ڈھے سی گئی۔ الزاموں کی فہرست اسے کیسے کھڑے کھڑے سنا دی گئی تھی۔ شاید اب اسے ضرور ہمت ہار جانا چاہیے۔

''اور اتنا کچھ ہونے کے باوجود حیرت یہ ہے کہ تم اسے اس کی ماں کے گھر چھوڑنے جا رہے ہو۔ وہاں عزت ہی کیا رہ گئی ہے ہماری۔ آصفہ بیٹا تم نے ہی اپنے میکے سے آئے بزرگوں کو خالی ہاتھ لوٹا دیا تھا تاکہ زندگی یہیں گزاروں گی۔ اب کس منہ سے جاؤ گی کوئی یہ نہ کہے گا کہ بی بی چار دن میں پلٹ آئیں۔ بس اتنا ہی حوصلہ تھا۔'' سہیل انکل کا لہجہ اور مزاج دونوں بہت گرم تھے۔ شاید ان کا بس کسی پر نہ چلا تو سو انہوں نے بھی ساری تپش یہیں نکال دی۔

''اوہ خدا ایک اور دن۔۔۔! ایک اور آزمائش۔''

''لیکن ابو کل بھی امی جان اس کے یہاں رہنے پر ناراض رہی تھیں اور آپ شاید جانتے ہوں کہ کتنا برہم بھی ہوئی تھیں۔ اب اگر آج پھر۔۔۔'' شرجیل بھی بولتے بولتے رک گیا۔

''تو یہی میں کہہ رہا ہوں کہ اس کا کوئی حل نکالو، کیا روز انہ یونہی رات کے اندھیرے میں منہ چھپا کر اپنے کمرے میں گھس جایا کرو گے اور صبح فرار ہو جایا کرو گے۔ اور تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہاری ماں نے رات بہت چین سے کاٹی ہے۔ بس وہ تو خدا اجر دے عینی کو ساری رات انہیں روکے ہوئے اپنی نیند حرام کیے بیٹھی رہی ہے۔'' آصفہ سے اب مزید کھڑا نہ رہا جا رہا تھا، وہ بیٹھ گئی۔

''پلیز ابو اگر آپ بھی یوں مایوس کر رہے ہیں تو ہم کس کے آسرے کی امید رکھیں، ہم جو بھی حل کہیں گے امی جان کو تو پسند نہیں آئے گا۔ انہیں منانے کے لیے تو آپ ہی کی ضرورت پڑے گی۔''

''وہ نہیں مانے گی وہ میرے اور تمہارے مرجانے پر بھی نہیں مانے گی۔اس کا تو بس یہی حل ہے کہ تم اپنی بیوی کو نہیں چھوڑتے ہو نہ چھوڑو، میں اس عمر میں اپنی بیوی کو چھوڑ دیتا ہوں۔'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔میرے اللہ! کہیں تو روشنی کی کوئی کرن ہوگی۔

''خدا کے لیے ابو! آپ ایسی باتیں تو نہ کریں۔اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ ناجائز ضد میں مان لوں تو مان لیتا ہوں۔''

سہیل احمد بھی بے بس ہو کر صوفے کے ایک طرف بیٹھ گئے۔وہ یقیناً بہت پریشان تھے، ان کی آنکھوں اور چہرے کی تھکن سے لگ رہا تھا کہ ساری رات نہ سوئے ہوں گے۔

''دیکھو شرجیل! میرے بچے! آدمی اگر کوئی کام کرنے کا تہیہ کر لیتا ہے تو پہلے اس کو پورا کرنے کی ہمت اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔تمہیں اپنی ماں سے مقابلہ تو کرنا پڑے گا۔''

''ابو ادھر آپ کہہ رہے ہیں تماشا نہ بناؤ ادھر کہہ رہے ہیں مقابلہ کرو۔حالانکہ آپ سب کچھ جانتے اور دیکھتے ہیں کہ ہم تو امی جان کے آگے زبان تک نہیں کھولتے۔''

''سوری بیٹا! مجھے خبر ہے کہ تم دونوں بے قصور اور مجبور ہو، مگر بس تمہاری ماں کی ضد کا غصہ میں نے ادھر نکال دیا۔آصفہ بیٹا! آپ کو میری بات بری لگی ہو تو انکل سوری کہہ رہے ہیں۔''

''نہیں انکل! اچھا ہوا نا کہ آپ نے ہمیں ہماری غلطیوں کا احساس دلایا۔'' اس نے بس یہی کہا۔

''میں نے سوچا ہے، ہم میاں بیوی اپنے رہنے کھانے کا بندوبست گھر کے اس حصے میں کر لیتے ہیں''

''ہاں اور ایسے کرو کہ اپنے صحن کے آگے ایک لوہے کا گیٹ بھی ڈلوا لینا اور اپنے آنے جانے کا راستہ بھی الگ کر لو۔'' سہیل انکل نے کہا۔

''اف ابو گیٹ ڈلوایا تو امی جان قیامت برپا کر دیں گی۔''

''ارے ان کا تو کوئی انداز قیامت سے کم نہیں ہے۔بس وہ پسند نہیں کرتیں تو ان کے سامنے نہ جاؤ۔راستہ بند ہوگا تو وہ بھی ادھر نہیں آئیں گی، ورنہ آتی رہیں گی۔دیکھتی رہیں گی اور کڑھ کڑھ کر واویلا کرتی رہیں گی۔'' ابو جی کی بات بالکل درست تھی بس شرجیل کو ہمت کی ضرورت تھی۔پھر آصفہ کو سمجھا بجھا کر کمرا بند رکھنے اور کھانے کے لیے حبیب خان کو کہہ کر شرجیل ہسپتال چلا گیا۔نوکری پر جانا لازمی تھا اور جو کچھ ابو نے کہا تھا اس پر عمل کرنے کے لیے بھی کام کی ضرورت تھی۔

وہ لائبریری گئی تو ایک ہی بجا تھا۔آج آخری پیریڈ نہ ہوا تھا۔اور وہ جلدی کالج سے نکل آئی یہ سوچ کر اس اضافی وقت سے فائدہ اٹھا لے گی۔سائیکالوجی کے نوٹس ضروری بنانے تھے سو وہ سیدھی بس میں بیٹھ رک اپنے راستے پر نکل گئی۔

''بس تہنیت آپ کی ناراضی دور ہوئی یا نہیں۔'' وہ ابھی سیریل ریک میں سے کتاب کا نام اور کارڈ ہی تلاش کر رہی تھی کہ اسے اپنے پیچھے آواز آئی۔

''اوہ اس نے میرا نام بھی پتا کر لیا۔'' اور وہ تو پچھلے دونوں دن کالج کے باہر نظر اٹھا کر ہی نہ دیکھ

رہی تھی۔اس پریشانی کو اس نے اکیلے سہہ ضرور لیا تھا لیکن احتیاط قدم قدم پر اسے مارتی رہی تھی۔کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے اس نے سوچ لیا کہ وہ شخص اس دنیا سے اٹھ گیا ہے اور وہ نہیں دیکھتی تو کیا وہ ہے نہیں۔

بغیر کچھ جواب دیے وہ اسے نظر انداز کرتی ہوئی جلدی سے کارڈ نکال کر اندر لائبریری میں اپنے خیال میں بک شیلف اور کرسی میز کی قطاروں کے درمیان کھو ہی گئی مگر ابھی اس نے کتاب اور فائل کھول کر کچھ لکھنے کی کوشش شروع ہی کی تھی کہ وہ اس کے بالکل مقابل آ کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔

''آپ کیا مجھے کوئی بھوت سمجھ رہی ہیں یا کوئی سایہ!'' اس نے سوچ تو لیا تھا کہ اس سے بات نہ کرے گی۔

''مس تہنیت میں بہت خوار ہو رہا ہوں آپ کے پیچھے پلیز۔'' اس نے بہت التجا کے ساتھ یہ جملہ کہا۔

اور اس نے اتنے ہی غصے سے بہت تیز نظروں سے اسے گھورا۔شاید یہ پہلی نظر تھی جو اس نے اس ڈھیٹ بدتمیز اور بدتہذیب شخص پر ڈالی تھی۔لیکن جتنی برائیاں اس نے سوچی تھیں وہ اس کی ظاہری صورت پر کہیں فٹ نہ آ رہی تھی۔انتہائی نفیس، اسمارٹ اور بارعب آدمی لگ رہا تھا۔اور کون جانتا تھا کہ جیسا دِکھ رہا تھا وہ ویسا تھا نہیں۔

''شکریہ کہ آپ نے اپنی ایک اتنی قیمتی نظر اس ناچیز پر ڈالنا گوارا کی۔'' اب اس نے تہیہ کیا کہ وہ بالآخر کتاب اور فائل سمیٹ کر وہاں سے اٹھ جائے گی۔

''دیکھیں یہاں سارے لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں لیکن آپ یوں اٹھ کر گئیں تو میں کچھ ایسا کروں گا کہ یہیں سب لوگ مڑ مڑ کر آپ کو دیکھیں گے۔'' وہ ایک بار پھر بری نیت کی طرف گیا تھا۔

اس کے اٹھنے کا ارادہ بھانپ کر ہی بولا۔

''آپ کا ہر تماشا آپ کو ہی مہنگا پڑ سکتا ہے مسٹر۔میری خاموشی کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں، میں آپ کی فضول باتوں کے جواب میں خاموش ہوں لیکن آپ کی کسی فضول حرکت پر خاموش نہیں رہوں گی۔''

''آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہیں۔دیکھیں میں نہایت ایمانداری سے آپ کو اپروچ کرنا چاہتا ہوں۔خدا کی قسم! میرے ارادے میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں نرمی کے ساتھ التجا ہی التجا تھی۔

''افوہ مگر مجھے آپ کی ایمان داری یا نیک نیتی سے کیا لینا۔'' وہ زچ ہو گئی عجیب چکنا گھڑا آدمی تھا جان کو آ گیا تھا۔امی جان کو خبر ہو جائے تو وہ اسے سولی پر لٹکا دیں۔دیکھا میں نہ کہتی تھی تہنیت خود سر اور بے اعتبار لڑکی ہے، امی جان کے تیکھے لہجے کی بے اعتباری نے جیسے اس کے حلق پر چھری کی نوک رکھ دی ہو۔وہ سوچ کر ہی گڑبڑا گئی۔

''اگر آدمی کو کوئی اچھا لگے تو سچی لگن سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنا کوئی گناہ نہیں۔آپ

یقین کریں آپ پر پہلی نظر ڈالے ہوئے کئی مہینے گزر گئے اور مسلسل دیکھتے ہوئے آپ ہر روز مجھے اور اچھی لگی ہیں۔ میں نے پہلے بھی کہا کہ کالج کے باہر بھی میں آپ کو اس طرح پکار سکتا تھا اور آپ کا راستہ روک سکتا تھا لیکن صرف آپ کی ہی اچھی شہرت پر برا اثر نہ ڈالنے کی نیت سے باز رہا۔''

''اپنی بہن کے ہوتے ہوئے آپ کالج کے باہر کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتے۔'' اس نے کہا اور پھر اسے خیال آیا کہ اس کے نہ چاہتے ہوئے اور بالآخر اس کی مرضی کے خلاف اس نے اسے باتوں میں لگا ہی لیا۔

''دیکھیں، آپ صرف وقت ضائع کر رہے ہیں، میں اس ٹائپ کی لڑکی نہیں ہوں۔ آپ خدا کے لیے اپنی کوششوں اور ایمان داریوں سے مجھے معاف رکھیں۔'' پیچھا چھڑانے کا راستہ وہ نہ مانے تو اسے خود تلاش کرنا تھا۔

''تو آپ کیا سمجھ رہی ہیں مجھے کسی ایسی ویسی ٹائپ کی لڑکی کی ضرورت ہے۔'' وہ بھی چڑ گیا۔

''آپ کی حرکتیں تو یہی بتا رہی ہیں۔''

''آپ میری انسلٹ کر رہی ہیں۔''

''آپ خود اپنی انسلٹ کا باعث بن رہے ہیں، اس طرح کسی لڑکی کا پیچھا کرنا یا اسے تنگ کرنا کوئی اچھی حرکت ہے کیا۔''

''اس کا مطلب ہے، آپ میرا بھروسہ نہ کریں گی۔''

''نہیں!'' اس نے صاف جواب دے دیا۔

وہ بالکل چپ ہو گیا۔

''میں نے این ای ڈی یونیورسٹی سے انجینئرنگ کا فائنل ایئر کا امتحان دیا ہے۔ رزلٹ کے بعد آگے بہت کچھ کرنے کا سوچ رکھا ہے۔ کوئی بے کار اور فارغ آدمی نہیں ہوں نہ ہی زندگی میں بے کاری کی گنجائش ہے۔ ایک سیلف میڈ آدمی کا بیٹا ہوں جس کی محنتوں اور احسانوں کے بدلے میں مجھے خود ضرور کچھ بن کر دکھانا ہے۔ آپ اگر آج کے بعد کبھی میرے بارے میں سوچ سکیں تو اپنے کالج کے باہر کھڑے مجھ پر ایک نظر ڈال لیجیے گا ورنہ اب میں آپ کے پیچھے نہیں آؤں گا۔'' وہ تیزی سے اٹھ کر لائبریری ہال میں سیدھا جاتا غائب ہو گیا۔

''جان چھوٹی۔'' اس نے شکر ادا کرتے ہوئے کتاب پر نظر جمالی۔

بس اس نے صرف ایک غصے سے بھرپور نظر ہی تو اس پر ڈالی تھی۔ لیکن اس کے دل پر کمال اثر ہو گیا تھا۔

''نہیں نہیں۔'' اس نے فوراً اس احساس کو جھٹلا دیا۔ تہنیت رحمٰن کو تو خود کو بڑا معتبر، حوصلہ مند اور محتاط ثابت کرنا تھا۔ وہ بھلا ان سب باتوں کو کہاں افورڈ کر سکتی تھی۔ ایسی دل کی بے اختیاری، بے خودی جیسی۔۔۔ لیکن کہیں اس کی اپنی ذات کے اندر سے ہی یہ آواز اٹھ رہی تھی کہ وہ شخص جھوٹا نہیں تھا۔

''افوہ! مگر تمہیں اس کے سچ سے بھی کیا لینا ہے۔ تہنیت بی بی! وہ عشق کی راہ میں جان لٹا دینے

والا بھی ہو تو بھی تمہاری شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑنا چاہیے، تمہاری ذات میں کوئی دراڑ نہیں پڑنی چاہیے نہ ہی تمہارے دل پر کوئی چوٹ لگنی چاہیے۔ اونہہ بھلا تہنیت بی بی کا دل نہ ہوا میٹرک کا سالانہ نصاب ہو گیا کہ فلاں فلاں مضمون لازمی پڑھنے ہیں اور اتنے سبق ضرور رٹ لینے ہیں۔ اگر دل کے ہر عمل پر یونہی پہرے اور پابندیاں بٹھانی لازمی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو احساس سے عاری کیوں نہ بنا ڈالا۔۔۔ دل بھی بنایا، احساس بھی دیا، نفس بھی بنایا اور راستے میں دور تک کانٹے بھی بچھا دیے کہ لے بندے ان کانٹوں بھری راہ پر بچ بچ کر چلتا چلا جا۔ اور پھر قدرت نے اس راستے پر انسان کا امتحان لینا ہے۔

''لاحول ولاقوۃ۔۔۔ کیسی مشرکانہ باتیں سوچ رہی ہو تہنیت۔۔۔!''

اس نے بری طرح خود کو ٹوکا اور اس ''شیطان'' کا خیال ذہن سے نکالنے لگی، جو اسے کفر کی راہ پر ڈال رہا تھا۔

وہ سارا دن خود سے الجھتی، خود کو ٹوکتی، خود کو بہکاتی پھر بہلاتی عجیب گھن چکر سوچوں سے لڑتی رہی تھی۔ فضول سی خاموشی میں پھنسی اپنے ہی دھیان سے ہاتھ دھوئے بیٹھی تھی۔

''تہنیت! کون سا چلہ کاٹ رہی ہو کہ ایک کونے میں ٹکی ہو تو دوسرے کونے تک منتقل ہونے کی بھی زحمت نہیں کی۔''

طلعت اس کی خاموشی اور بے زاری کو مسلسل نوٹ کر رہی تھی۔

''پڑھائی میں الجھی ہوئی ہوں، تمہاری طرح فارغ تو ہوں نہیں کہ کبھی ادھر ٹہلوں کبھی ادھر لپکوں۔'' اس نے فوری جواب دیا تو اس کے لہجے پر طلعت کچھ چونکی۔

''نہیں تہنیت بی بی! بات تو کچھ اور ہی ہے۔'' طلعت نے یوں چھوٹی بہن کی صورت دیکھی کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے گڑبڑا ہی گئی۔

''دیکھو ہم تمہیں بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ تم ہم سے جھوٹ نہیں بولنا۔''

اب طلعت کو وہ کس طرح ٹالتی جبکہ وہ خود نڈھال تھی، کچی اور ڈھیلی پڑی ہوئی تھی۔ راز اس سے سنبھالا نہ جا رہا تھا اور اپنے دل کی مضبوطی کی وہ خود گارنٹی دینے کی اہل نہ رہی تھی، ارادے چٹان تھے مگر جذبے ریت کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود اسے پتھر تو بننا ہی تھا۔

طلعت نے ساری بات سن کر اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ تم نے سچ مچ اسے جھٹلا دیا۔ اس کی نظریں یوں نہ تھی کہ اسے جھٹلانا نہ چاہیے تھا بلکہ یوں چونکنے والی اور بے اعتبار تھی کہ بھلا تم بھی جھٹلا سکتی ہو۔۔۔! اسے نادان سمجھا جاتا تھا، نادان جانا جاتا تھا اور نادان ہی بتایا جاتا تھا۔ یہ تہنیت بھلا اتنی باہوش اور عقل مند کیسے نکلی۔

''بھروسا نہیں ہے نا تمہیں مجھ پر، یہاں گھر میں کوئی ایک بھی مجھ پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں ہے جیسے میں کسی سڑک پر پلنے بڑھنے والی کوئی لڑکی ہوں۔''

طلعت نے کچھ کہا بھی نہ تھا۔ بس دیکھا ہی تھا لیکن وہ بری طرح بھڑک اٹھی۔

''اسی لیے میں کسی کو کچھ نہیں بتا رہی تھی اور میں نے عہد کر لیا تھا کہ اپنی کوئی بات کبھی اپنے گھر کے کسی فرد کو تو ہرگز نہ بتاؤں گی، چاہے موت سر پر آ کھڑی ہو جائے۔''

اس نے چبا چبا کر بات مکمل کی اور تیزی سے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر بھاگ گئی۔۔۔طلعت بس حیران ہی رہ گئی۔

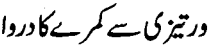

وہ چلا گیا تھا اور آج پھر وہ کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ بے کار، بے اعتبار اور بے یار و مددگار۔ لیکن آج وہ اتنی گھبرائی ہوئی نہ تھی۔ اتنی زیادہ بے بسی بھی محسوس نہ کر رہی تھی۔ اسے کچھ اچھی امید، کوئی اچھا راستہ نظر آ رہا تھا۔ اس کی سوچ میں کچھ وسعت شامل ہوئی تھی کہ اگر وہ اپنا آشیانہ گھر کے اس کونے میں بنا لے تو اس آشیانے کو سجانا سنوارنا زندگی کا مقصد بن جائے گا۔ وہ سوچنے لگی کہ کچن کس طرف بن سکتا ہے۔ برابر والا کمرا بیک وقت ڈائننگ روم اور بیٹھک بن سکتا ہے اور درمیان میں گیٹ ڈالا جائے تو کچھ اس فاصلے پر دائیں طرف جہاں پارکنگ اور پھر مین گیٹ تک جو راستہ جائے، وہاں وہ کنارے کنارے گلاب کی کیاریاں سجا سکتی ہے، اف! وہ گلاب کے گملے اور دوسرے پھول۔۔۔اور ان کے سامنے بیٹھ کر طلعت سے گھنٹوں باتیں کرنا۔ کبھی گھر کے اسی پچھواڑے میں چھوٹی سی جگہ پر دیر تک اکیلے ٹہلنا۔ بہت کچھ سوچنا اور یوں کہ خود کو بھول کر سوچنا۔

میں اس کو بھولنا چاہوں تو یاد آئے بہت
وہ ایک شخص مجھے سپنے دکھائے بہت
ہوا کے ساتھ اُڑوں پھر بھی چھو نہ پاؤں اسے
وہ بن کے جگنو اندھیرے میں جگمگائے بہت

اس کو ریڈیو آن کرنے کا خیال آیا، لیکن کتنے اسٹیشن گھمانے کے بعد بھی مطلوبہ پروگرام ہاتھ نہ آیا۔ اور شاید یہ وقت اور دن بھی نہ تھا اس کے پسندیدہ پروگرام کے آنے کا۔ وہ بھول بھی تو گئی تھی۔ کتنے دن گزر گئے۔

دیواروں سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے
ہم بھی پاگل ہو جائیں گے ایسا لگتا ہے

سوئی اس اسٹیشن پر اس نے لگا دی۔

وہ سارا دن عجیب سکون اور سکوت میں گزر گیا۔ اس نے بھی ساری حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہوئے وقت پر کھانا کھا لیا، ڈھنگ سے اپنا کمرا صاف کر لیا، نہا کر اچھے کپڑے پہن لیے، وقت پر ساری نمازیں پڑھ لیں، عصر کے وقت عینی آپا کمرے میں آئیں تو ان سے بھی اچھے نارمل موڈ میں بہت سی باتیں کیں۔ اس دن ہی اس نے سوچ لیا تھا کہ بہت سی چیزیں جس طرح ہیں اگر وہ ان کو اسی طرح قبول کر لے تو اس کے لیے بہت سی آسانیاں ہو جائیں گی۔

شرجیل آیا تو جامنی رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں آصفہ کو کمرے میں اطمینان سے بیٹھے دیکھ کر اس کو اچھا خاصا اطمینان ہوا۔

''آپ دیر سے آئے؟''

''ہاں۔ ابا جان نے کام سونپا ہے نا، صبح تمہارے سامنے ہی تو بات ہوئی تھی اور یہ ہماری اچھی

قسمت ہے کہ کل میرا آف ڈے ہے، بس صبح ہی سے کام شروع ہو جائے گا۔ میں بات کر کے آیا ہوں۔''

''شرجیل! آپ کو ایک بار امی جان سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔'' وہ اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور تھی۔

''آصفہ! تم نے پھر وہ بات کی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔''

''آخر کوئی تو ایسا راستہ ہوگا ان کو منانے کا ان کی ناراضی دور کرنے کا۔ آپ یقین کریں شرجیل! میں نے ہمیشہ یہ سوچا ہے کہ میں ان کے ساتھ مل جل کر اس گھر میں رہوں، ان کی خدمت کروں، ان کا حکم مانوں، بس وہ تھوڑا مجھے پیار تو کریں، بس تھوڑا اعتبار تو دیں۔''

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ کیسا عجیب سسرال ملا تھا اسے، اس کی خدمت، محبت، محنت اور ہنر سے دل میں گھر کرنے کے سارے خواب رائیگاں جا رہے تھے۔ اسے خود کو ثابت کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ آدمی لڑتا ہے، جھگڑتا ہے، مانتا ہے منواتا ہے۔ کسی موقع پہ خود کو سامنے تو لاتا ہے، یہ کیا اس کے آگے تو لکیر کھینچ دی گئی تھی۔ اس پر تو ہر حد ختم ہو گئی تھی۔

''تمہاری اچھی سوچ، تمہاری تربیت کی خوب صورتی ہے آصفہ! لیکن بس کبھی کبھی ہر اچھائی کو بری قسمت بدصورت بنا دیتی ہے۔

''میں ابھی نہا کر فریش ہو جاتا ہوں پھر ایسا کرتے ہیں کہ ہم باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں، تم بھی سارا دن گھر میں بلکہ ایک کمرے میں بند گھبرا سی گئی ہو گی۔''

اس نے سر ہلا دیا، شرجیل کو اس کا خیال آیا، یہ بڑی طمانیت کی بات تھی۔

اور بڑے رنوں بعد اس کا وہ وقت بہت اچھا گزرا۔ اس نے ہر بری بات کی سوچ اپنے ذہن سے مٹا دی تو اسے لگا کہ وہی اچھا وقت اس کا نصیب ہے۔ وہی خوش بخت لمحے اس کی ریاضتوں کا حاصل ہیں۔ اس کی اپنی پسند کے مطابق شرجیل نے ''چائنا ٹاؤن'' سے اسے کھانا کھلایا، آئس برگ سے اس کی فیورٹ آئس کریم کھلائی، اور ان دونوں نے سارا وقت اتنی عام سی ہلکی پھلکی باتیں کیں، جیسے ان کی زندگی میں کوئی ٹینشن کبھی رہی نہ ہو۔

اور رات جتنی سکون سے گزری تھی، دوسرے دن بھی وہی عافیت رہی۔ عالیہ آنٹی پلٹ کر اس طرف آئیں ہی نہیں نہ ہی شرمین نے اس طرف کا رخ کیا۔ ایک دن میں مزدوروں نے اچھا خاصا کام نمٹا لیا۔

لوہے کا گیٹ دلوں کے درمیان دیوار کی حیثیت سے کھڑا ہو گیا تھا۔

دیواریں جو بندے کو بندے سے جدا کرتی ہیں۔

دیواریں جو جذبوں کے درمیان حائل ہوتی ہیں۔

دیواریں جو رشتوں کے احساس کے لیے آڑ ہوتی ہیں۔

سہیل انکل شام سے رات تک شرجیل کے پاس بیٹھے اس کی ہمت بڑھاتے رہے اور سچ مچ اس کا کام جلدی نمٹ جانے کی دعائیں کر رہے تھے۔

''بس کچن وغیرہ تو بن ہی جائے گا، لیکن یہ گیٹ کا کام پورا ہو جائے تو اچھا ہے۔''

''ہو ہی جائے گا ابو جی! میں نے خان کو کہا ہے کہ اوور ٹائم لے لیں، لیکن مزدور یہ کام آج ہی پورا کر کے جائیں۔''

''اچھا کیا۔'' انہیں اپنی بیگم کی غیر معمولی خاموشی بھی خطرناک لگ رہی تھی اور انہوں نے سوچا تھا کہ اس سے پہلے عالیہ بیگم اپنی کسی شیطانی سوچ کی انتہا پر پہنچیں کام مکمل ہو جائے تو بہتر ہے۔

گیٹ بن ہی گیا اور اس پر شرجیل نے لوہے کا مضبوط تالا لگا دیا اور چابی اپنے پاس رکھ لی۔

''یہ گیٹ کبھی نہ کھلے گا اور اسے کوئی نہ کھولے گا۔ اب جو کوئی ہمارے گھر میں آئے گا صرف داخلی دروازے سے داخل ہوگا۔ یعنی یہ دو کمرے جو پہلے صرف اس گھر کا حصہ تھے لیکن اب یہ حصہ ہمارا گھر ہے، ٹھیک ہے آصفہ!''

شرجیل نے ساری بات کہہ کر آصفہ کی طرف دیکھا۔ وہ بس سر جھکا کر خاموش رہی۔ اسے اس طرح اپنا گھر بنا کر کوئی خوشی نہ ہوئی تھی۔ لیکن معاملہ اس کی خوشی کا نہ تھا، مصلحت کا تھا۔

''اب صبح تو کوئی کام نہ ہو سکے گا، پھر اگلے آف ڈے پر کام کے لیے بات کر لوں؟''

''نہیں بیٹا! اتنے دنوں کھانا پکانے کی تکلیف کیسے برداشت ہوگی، تم ایسا کرو، انہیں کل بھی بلاؤ، کل میں آفس سے چھٹی کر لوں گا، کام رکے گا نہیں تو جلد ہو جائے گا۔''

وہ حیران تھی، سہیل انکل سے اتنی زیادہ اچھائیوں کی اسے توقع نہ تھی۔ لیکن قسمت کبھی بھی کسی پر مسلسل نامہربان تو نہیں ہو سکتی۔

''آج تم بھی جلدی تیار ہو جاؤ، میں اسپتال جاتے ہوئے تمہیں تمہاری امی کے ہاں چھوڑ دیتا ہوں۔''

وہ حیرانی میں خوشی کو بھول گئی۔ اپنے شوہر کو وہ تھوڑی دیر کے لیے تکتی رہ گئی۔ اس نے سوچنا چھوڑ دیا تھا لیکن اس کا دھیان تو اس طرف لگا ہی رہتا تھا۔ اس کا دل تو میکے جانے کے لیے مسلسل مچلتا رہتا تھا۔۔۔ صبح نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر اس نے سوچا یہی تھا کہ برابر میں مزدور کام کریں گے ان کے سر پر سہیل انکل موجود ہوں گے اور بھلا وہ سارا دن کیا کرے گی۔

''بھئی! اب کھڑی ہو جاؤ، کیا میری بات کا یقین نہیں آ رہا۔۔۔ رات کو ابو نے خود مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں تمہاری امی کے پاس چھوڑ دوں۔۔۔ جب ہم دونوں ہی ہر بات بھلائے بیٹھے ہیں تو وہ لوگ تو ہم سے پہلے سب کچھ بھلا دینے پر راضی ہو جائیں گے۔''

وہ ہنس پڑی، اسے اتنی کھل کر ہنسی آئی کہ خوشی سے پڑتے اس کے گالوں کے گڑھے شرجیل کو سرشار کر گئے۔ اف! یہ لڑکی ہنستے ہوئے کتنی اچھی لگتی ہے اور وہ کیسا سنگ دل اور بے درد انسان ہے کہ اس معصوم کے چہرے کی ہنسی چھینے بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے نئے سرے سے اپنے رویوں پر دل ہی دل میں توبہ کی اور جلدی جلدی خود بھی تیار ہونے لگا۔

نیوی بلو اسلک کے سوٹ میں آصفہ تیار ہو کر اتنی حسین لگ رہی تھی کہ اس پر نظر ڈال کر شرجیل ایک بار پھر اپنے رویوں پر شرمندہ ہو گیا۔ اللہ کے دیے ایسے قیمتی تحفے کی اگر اس نے قدر نہ کی تو سچ مچ قیامت کے دن وہ بخشا نہ جائے گا۔

''افوہ! آج تو بیگم صاحبہ دل کھول کر تیار ہوئی ہیں۔''
اور دراصل وہ تیار اتنی زیادہ نہ ہوئی تھی جتنی اندر کی خوشی نے اس کے پیراہن میں رنگ بھر دیے تھے۔

''دل سے جو کام آدمی کرتا ہے، وہ خود بخود اچھا ہو جاتا ہے نا۔'' اس نے سفید نگوں کے اپنے گلوبند والے سیٹ کے بندے کانوں میں ڈالے تو اور سج گئی۔

''بھئی، اس کا گلوبند بھی پہن لو۔ بہت جچے گا۔''

''ارے ڈاکٹر صاحب! آپ کو ہار سنگھار کے معاملات کی پہچان کب سے ہوئی ہے۔'' اس نے ادا سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''تم سجا سنورا تو کرو۔ میں تمہیں ایسے ایسے مشورے دوں گا کہ تم مان لوگی کہ میں نے میڈیسن نہیں بیوٹیشن کا کورس پڑھا ہے۔''

''مان لیا آپ کے مشوروں کو مگر گلوبند بہت زیادہ ہو جائے گا۔''

''لو، ہمیں خوشی کو زیادہ ہی تو ظاہر کرنا ہے اس کی بہت ضرورت ہے۔'' اس نے کہا تو وہ مان گئی۔

''آؤ، پہلے ہم امی جان سے اجازت لے لیں۔''

پرس تھام کر دوپٹا درست کرتے ہوئے جب وہ کمرے سے باہر نکلی تو شرجیل نے کہا۔

اسے پتا تھا کہ وہ انکار نہیں کریں گی ہاں البتہ وہ تھوڑا گھبرائی ضرور۔۔۔ اور پھر چلتے چلتے دوپٹا سر پر اچھی طرح لپیٹنے لگی۔

''بھئی! اسی طرح چلو جیسے میرے ساتھ چل رہی ہو، ہم انہیں صرف اللہ حافظ کہیں گے۔ اجازت نہیں لیں گے بس۔''

بے ترتیب پڑتے اس کے قدموں کو شرجیل نے مضبوط کرنے کی کوشش کی۔

''نہیں۔ میں انکار تو نہیں کر رہی، مجھے خود بھی خیال آیا تھا کہ ہمیں ان سے اجازت لینی چاہیے۔ پچھلے دروازے سے نکل کر اگلے دروازے سے گھر کے اس حصے میں داخل ہونا ایک عجیب تجربہ تھا۔ درمیان میں پڑنے والا لان کا راستہ نہ آیا تو اسے لگا احساس بھی کچھ بدل سا گیا ہے۔

گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی انہیں بے پناہ خاموشی محسوس ہوئی۔

''شاید امی جان سو رہی ہیں۔'' شرجیل نے کہا۔

''تم رکو، میں دیکھتا ہوں۔'' لاؤنج میں اسے کھڑا کر کے وہ اندر کمرے میں چلا گیا۔

''آؤ شرجیل بیٹا! دروازے میں کیوں رک گئے؟''

سہیل انکل نے اس پر نظر پڑتے ہی کہا۔ عالیہ آنٹی اپنے بستر پر نیم دراز کسی سوچ میں گم تھیں۔ بیٹے کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

اس نے کمرے سے تھوڑا باہر نکل کر آصفہ کو آنے کا اشارہ کیا۔ اور عالیہ آنٹی جو شرجیل سے شاید کچھ کہنا چاہتی تھیں، آصفہ کو اس کے ساتھ دیکھ کر خاموش رہ گئیں۔۔۔ شاید انہیں امید نہ تھی کہ آصفہ اس طرح ان کے پاس آئے گی۔

''آداب آنٹی! میں ان کے ساتھ اپنی امی کے ہاں جارہی ہوں۔''

اس نے تیزی سے کہہ کر ان کا جواب سننے کے لیے کان کھڑے اور نظریں جھکائے رکھیں۔۔۔ گالیاں، بددعائیں، کوسنے۔ اسے اندازہ تھا کہ جواب میں اسے یہی کچھ سننے کو ملنے والا ہے۔ مگر نہ وہ کانوں پر ہاتھ رکھ سکتی تھی نہ آنکھیں بند کرسکتی تھی۔ بس ہمت پیدا کر کے کھڑی رہی سب کچھ سننے کے لیے تیار لیکن اگلی طرف خاموشی کچھ طویل ہورہی تھی۔ وقفہ مزید بڑھا تو اس نے بے قراری سے نظریں اٹھائیں تو دیکھا کہ وہ اسی طرح اپنی جگہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور اس کی طرف دیکھ رہی تھیں مگر کہہ کچھ نہ رہی تھیں۔ اب شرجیل کو بھی جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔ وہ آگے بڑھ کر اپنی ماں کے پاس گیا اور ان کے پلنگ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔

''امی جان! اگر آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا ہو تو آصفہ کی بات کا جواب دے دیجیے۔''

''ہاں! ضرور چلی جائے میں کیوں روکنے لگی، ویسے بھی وہ میرے ساتھ تو رہتی نہیں، پھر میری اجازت کی پابند کیوں ہوسکتی ہے بھلا۔''

ان کا بات کرنے کا یہ نارمل لہجہ قطعی ناقابل یقین تھا، لیکن وہ یونہی پرسکون انداز میں شرجیل سے پوچھ رہی تھیں۔

''تم اسپتال جارہے ہوگے! ناشتا کرلیا؟''

''جی! حبیب خان سے منگوا کر ہم دونوں نے ناشتا کرلیا ہے۔ چائے راستے میں جاتے ہوئے پی لیں گے۔''

اس نے تفصیل سے اپنی ماں کو آگاہ کیا کہ وہ ناشتا کس طرح کرتے ہیں اور چائے کیسے پیتے ہیں۔ وہ جانتی ضرور ہوں گی لیکن وہ جتانا چاہ رہا تھا۔

''اچھا اللہ حافظ! رات کو آتے ہوئے میری دوائیاں لیتے آنا۔ ختم ہوگئی ہیں۔''

وہ اسی طرح نارمل رہیں تو البتہ آصفہ کو لگا وہ ابنارمل ہوجائے گی۔ انکل نے اشارہ کیا کہ وہ لوگ جائیں تو وہ دونوں میاں بیوی پلٹ کر باہر نکل گئے۔

''ارے امی جان! آپ نے بھائی سے کچھ نہیں کہا، گھر میں کیسے نئے نئے ڈرامے رچائے بیٹھے ہیں، اپنا گھر تک الگ بنانے میں لگ گئے ہیں، آپ سے پوچھا بھی نہیں۔''

''بس رہنے دو بیٹا! میرا سارا واویلا تو اپنے بچوں کی حد تک تھا۔ جب وہی میری سننے والے نہ رہے تو کیسا زور اور کیسی زبردستی۔'' ان کی بات سن کر سہیل انکل بھی مطمئن ہوگئے کہ چلو کسی طرح بیگم صاحبہ کو عقل تو آئی۔

انہیں پہلے ہی یقین تھا کہ گیٹ الگ کرنے والا ان کا حربہ ضرور کارگر ثابت ہوگا۔ لیکن انہیں لگا۔ اثر کچھ زیادہ ہی ہوا ہے اور اسی زیادتی پر وہ شک کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ وہ جانتے تھے کہ شیطان ان کی بیگم کے صرف دماغ میں نہیں، دل کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور یہ شیطان یوں روکھی پھیکی خاموشی اور ناراضی سے راضی ہونے والا نہیں تھا۔

''امی جان نے مجھ سے بات نہیں کی۔'' گاڑی ڈرائیو کرتے شرجیل سے اس نے کہا۔

''اچھا ہوا۔ کچھ کہا بھی تو نہیں۔ میں تو ڈر رہا تھا۔ کہیں غصے سے بے قابو ہی نہ ہو جائیں۔''

''ڈر تو مجھے بھی لگ رہا تھا۔'' وہ ابھی تک ان کے رویے پر بہت حیران تھی۔

''دراصل وہ روحیل کی وجہ سے پریشان ہیں، وہ ہے تو اسلام آباد میں ہی لیکن کئی بار فون کرنے کے باوجود اس نے ہم سے بات نہیں کی ہے۔ پھر ہمارے یوں الگ ہو جانے پر بھی انہیں صدمہ ہوا ہوگا۔ ماں کا دل اولاد کے لیے تڑپتا تو ہے نا آصفہ!''

اس نے صرف سر ہلایا۔ کچھ بھی ہو جائے وہ اپنی ماں سے لگاوٹ اور محبت میں پیچھے نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کا دل فوراً ماں کے لیے تڑپنے لگتا تھا۔ وہ سچ مچ ماں کی آنکھ کے ایک اشارے پر سب کچھ چھوڑ سکتا تھا۔

''یوں کرنا رات کو کھانے کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ گھر آ جانا، مزدور دیر تک کام کریں گے۔ تم جلدی میرے ساتھ واپس آ کر کیا کرو گی۔''

راستے میں اس نے اس کی چوڑی، بندے، آنچل کسی چیز پر نظر نہ کی تھی، وہ عجیب سے احساس میں مبتلا ہو گیا تھا اور آصفہ نے سوچا کہ اس کی ساری زندگی شاید شوہر کے اسی ابتلا سے الجھنے میں گزر جائے گی۔

''اچھا اللہ حافظ'' اور ''ٹھیک ہے۔'' کہتے ہوئے اس نے نہ سوچا کہ گھر میں وہ کہہ رہا تھا۔ واپسی میں ساتھ لے لوں گا اور اب کہہ دیا خود چلی آنا۔ اس بدلتے فیصلے میں کچھ قباحت بھی نکل سکتی تھی۔ وہ ضرور اپنی ماں کے پاس جائے گا اور۔۔۔

عالیہ آنٹی نے کچھ کہا سنا نہ، لیکن ان دونوں میاں بیوی کو ایک الجھی ہوئی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔

''ارے آصفہ آئی ہے۔'' وقار نے باہر سے ہی آواز لگائی۔

''آصفہ میری بچی!'' اس کے میکے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ امی ابو ناشتے کی میز سے اٹھ کر اس کے لیے دوڑے آئے۔ وہ ان کے پاس دوڑ کر جاتی لیکن ان کا جذبہ اس کی جوانی سے بھی زیادہ تیز رفتار نکلا، وہ مقابلہ کیسے کرتی۔

''مجھے یقین نہیں تھا کہ تم آؤ گی۔'' امینہ بیگم کچھ زیادہ ہی حساس ہو رہی تھی۔ (یقین تو مجھے بھی نہیں تھا) وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

''ارے یقین کیوں نہیں تھا، اسے تو ضرور آنا تھا۔ اس کی چہیتی دوست کی شادی جو ہونے والی ہے۔''

وقار نے فوراً کہا تو وہ چونک گئی۔ ہائے طلعت کی شادی ہونے والی ہے۔ وہ تو طلعت کو بھی بھول گئی تھی۔ یہ شادی لڑکیوں کے لیے اتنا خطرناک تجربہ کیوں ثابت ہوتی ہے۔ اپنا پچھلا پن وہ یوں بھول جاتی ہیں جیسے کبھی اس گئے وقت کے ساتھ کھیلی ہی نہ ہوں۔

''خیریت سے آئی ہو نا بیٹا؟'' وہ جس طرح تیار ہو کر آئی تھی۔ شاید ابو جی کو یہ بات پوچھنے کی ضرورت نہ پڑتی اگر وہ صبح والی سرشار کیفیت کے ساتھ یہاں چلی آتی لیکن اب اس کی پیشانی پر لکیریں پڑ گئی تھیں اور آنکھوں کی چمک پر بھی ویرانی نے قبضہ کر لیا تھا۔

''جی ابو! بالکل ٹھیک ہوں۔ شرجیل اسپتال جاتے ہوئے چھوڑ گئے ہیں اور رات کو کھانے کے بعد وقار گھر واپس چھوڑ دے گا۔''

انہوں نے سر ہلایا اور واپس میز کی طرف آئے۔

''چلو بیٹا! آؤ ناشتا کرو۔''

''نہیں امی! ناشتا تو میں نے کر لیا ہے بس چائے پیوں گی۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، تم کو ناشتا بھی کرنا پڑے گا، صبح شام اس کرسی کو خالی دیکھ کر کھاتے پیتے ہم بور ہو گئے ہیں۔ اب تم ہمارے ساتھ بیٹھو تو کچھ ہم بھی ناشتے کا مزا لیں۔'' وقار نے کہا۔

وہ اپنے مطلب کے لیے خاموش ہوئی تھیں یا اپنی شکست کو دیکھ کر چپ رہ گئی تھیں۔ سہیل انکل اپنی بیوی کے بارے میں اتنا تو جانتے تھے کہ وہ نہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والی تھیں نہ کسی کی خاطر اپنی ضد کو داؤ پر لگا دینے والی تھیں۔

''تم کیا سوچ رہی ہو عالیہ! جو کچھ ہو رہا ہے۔ ٹھیک ہی ہے نا!''

دوپہر کے کھانے کے بعد جان بوجھ کر سہیل انکل اپنے کمرے میں آئے اور یہ بحث چھیڑی۔

عالیہ بیگم پہلے تو غور سے اپنے شوہر کو دیکھنے لگیں اور پھر اطمینان سے بولیں۔

''جو کام آپ کروا رہے ہیں۔ وہ ٹھیک ہی ہوگا۔''

اپنے لہجے کو انہوں نے کیسا صاف ستھرا کر لیا تھا کہ وہ سمجھ نہ سکے کہ بیوی کے لہجے میں طنز ہے، فرماں برداری ہے یا بے بسی اور وہ جانتے تھے کہ اگلی دو باتیں تو ممکن ہی نہیں، لیکن بس عالیہ بیگم اپنے مزاج کو یوں دوسرے رخ پہ لے آئی تھیں کہ کسی کو بھی ان کی نیت کی پہچان نہ ہو سکتی تھی۔

''مگر میں تو سوچ رہا تھا۔ شاید تم بہت زیادہ خفا ہو گی اور شرجیل سے بھی بری طرح ناراض ہو جاؤ گی۔'' وہ انہیں اکسا رہے تھے۔

''ارے رہنے دیں۔ میری خفگی کی کس کو پروا ہے، جب آپ نے ہی بیٹے اور بہو کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تو میری کیا حیثیت رہ گئی۔''

''تو یہ بات تمہیں بری نہیں لگی۔''

''آپ کیوں میرے رویّوں کی اتنی پروا کر رہے ہیں، ناراض ہوتی ہوں تو پسند نہیں کرتے اور اب ناراضی نہیں دکھا رہی تو بھی آپ کو اچھا نہیں لگ رہا۔''

''نہیں بے چینی کیا، میں تو صرف تمہارے دل کی بات پوچھ رہا تھا۔ تم اپنے دل کی کوئی کیفیت مجھ سے تو نہیں چھپاتی ہو۔''

''سہیل احمد صاحب! میرے دل کی کیفیت کی بات نہ کریں بے وجہ چنگاری بھڑکا رہے ہیں۔''

عالیہ بیگم کہہ گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ وہ آگ ابھی دل میں لیے ہی بیٹھی ہیں۔

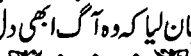

''ہیلو!'' دوسری طرف سے جوں ہی فون اٹھایا گیا اس نے اپنی آواز بدل لی۔

''جی آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔'' دوسری طرف طلعت ہی بات کر رہی تھی۔
''مجھے طلعت سے بات کرنی ہے۔'' اس نے آواز کو بالکل بدل لیا تھا۔
''آپ کون؟'' طلعت حیران تھی۔ وہ آواز کیوں نہیں پہچان پا رہی۔
''مجھے آصفہ شرجیل کہتے ہیں، میں طلعت کی دوست ہوں، پچھلے جنم میں ہم ایک ساتھ ہی پلے بڑھے تھے۔''
''ہائے آصفہ کی بچی یہ تم ہو! کیسے آواز بنالی۔ اتنے ڈنڈے برساؤں گی تمہارے سر پر کہ یاد کروں گی۔'' طلعت خوشی کے مارے بہت جوش میں آ گئی۔
''میرا سر اِدھر ہے اور تمہارے ڈنڈے اُدھر بھلا کیسے برسیں گے۔'' وہ ہنسی۔ طلعت سے بات کر کے اسے بھی بہت خوشی ہو رہی تھی۔
''ہائے تم گھر آئی ہوئی ہو۔ امینہ خالہ کے گھر! ٹھہرو، میں بھی آتی ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا اور فون رکھنے ہی لگی تھی کہ ادھر سے آصفہ چیخی۔
''جلدی آجاؤ بہت جلدی تہنیت کو بھی لے آنا۔''
''ارے یہ ہماری چھت پر ہیلی کاپٹر کھڑا ہے نا۔ اس پر سوار ہوتی ہوں اور پہنچتی ہوں، بس تم آنکھیں بند کرو۔''
''ہائیں! تم ابھی تک وہیں ہو ادھر پہنچیں نہیں۔'' آصفہ نے پھر اسے جھڑکا۔
''افوہ یہ آصفہ بی بی آج بڑی ترنگ میں ہیں لگتا ہے شرجیل بھائی تمہاری جیب میں سما گئے ہیں۔''
''جیب میں تو نہیں سمائے میرے پاس جیب ہی کہاں ہے یار۔ البتہ پرس میں ڈال کر لے آئی ہوں۔''
اس نے بھی اس کی شوخی کا جواب بھرپور ہنسی کے ساتھ دیا اور جواب میں ایک قہقہہ لگا کر طلعت نے فون بند کر دیا۔
ریسیور رکھ کر اس نے سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ طلعت کے خیال سے اس کے دل میں آپ ہی آپ خوشی اُترنے لگی۔
''ہائے امی! آپ کہاں کچن میں مصروف ہو گئی ہیں۔'' اگلے منٹ ہی وہ اٹھ کر اپنی ماں کے پاس آ گئی۔ وہ کھانے کی لمبی فہرست بنانے میں لگی ہوئی تھیں۔
''میری لاڈلی بیٹی گھر آئی ہے، آج تو تمہاری پسند کی ساری چیزیں بناڈالوں گی۔''
وہ خود اتنی خوش اور اسے دیکھ کر جذباتی ہو رہی تھیں کہ ان کے سنجیدہ انداز سے آصفہ کو خوف ہی آ رہا تھا۔ جو کچھ وہ پوچھ ڈالنے کے لیے بے چین تھیں، آصفہ وہ کچھ بتانے والی نہیں تھی۔ مگر ماں کو دھوکا دینا بھی کوئی اتنا آسان کام نہیں۔
''سب کچھ ٹھیک ہے نا بیٹا تمہارے گھر میں؟'' بالآخر انہوں نے پوچھا۔
''سب ٹھیک ہے امی! بس عالیہ آنٹی تھوڑی ضدی زیادہ ہیں نا۔ اس لیے مسئلہ ہو جاتا ہے لیکن اس کے لیے بھی اب یہ حل نکالا ہے کہ ہمارا کچن الگ بن رہا ہے۔ سہیل انکل نے خود ہمارا راستہ بھی الگ کروا

دیا ہے۔ گھر کے پچھلے حصے میں ہی ہمارے کمروں کے دائیں طرف کچن بھی بن رہا ہے اور وہاں مزدور کام کر رہے ہیں، اس لیے میں آج یہاں آ گئی ہوں۔"

"یہ اچھا حل نکالا ہے انہوں نے۔ روز کے جھنجھٹ سے دوری بہتر ہے۔"

"میں ایسا کچھ نہیں چاہتی تھی امی! آپ یقین کریں۔ لیکن عالیہ آنٹی اپنی بات کے آگے سنتی ہی نہیں۔"

وہ اچانک رو پڑی اٹھ کر ماں کے گلے سے لگ گئی۔ امینہ بیگم چپ چاپ اس کے بال سہلاتی رہیں اور اسے رونے دیا۔ کچھ دیر تک ٹوکا بھی نہیں۔ وہ شاید اپنا جی ہلکا کرنے کے لیے بہت دنوں سے تڑپ رہی تھی۔ "کسی عمل کے اچھے برے ہونے پر لڑنا جھگڑنا تو سمجھ میں آتا ہے نا لیکن وہ تو میرے وجود کے ہونے پر ہی الجھتی رہتی ہیں، اس کا تو کوئی جواز نہیں بنتا نا، پھر ہم کیا کر سکتے ہیں، میں نے پھر بھی شرجیل سے کہا کہ یوں الگ ہونا مجھے پسند نہیں۔"

وہ سسکیوں کے درمیان اپنی ماں کو یوں صفائی پیش کر رہی تھی، جیسے وہ ابھی اس پر جرح کرنے والی ہوں۔

"کیوں سوچ رہی ہو ایسا بیٹے، یہ تو تمہارا حق ہے۔ جہاں بات مل کر نہ بنتی ہو وہاں الگ ہو کر طے کر لینا بہتر ہے۔ سب اچھا ہی ہو رہا ہے اور آگے چل کر اور اچھا ہو جائے گا، ہم تو دن رات تمہاری بہتری کے لیے اللہ کے آگے گڑگڑا کر نڈھال ہو گئے۔ اللہ نے اتنا راستہ دکھایا ہے تو آگے بھی راہ مل جائے گی۔"

انہوں نے پھر اسے چپ کرایا اور بہت کچھ سمجھانے لگیں۔

طلعت کے گلے لگ کر وہ یوں چلائی جیسے صدیوں بعد ملی ہو۔

"ہائے طلعت! کیسی ہو۔۔ بڑا رنگ روپ نکھر گیا۔ کون سی کریم استعمال کرنے لگی ہو۔"

"ارے بھئی کریم کیسی، پیاملن کے دن قریب آ رہے ہیں۔ خوشی چہرے سے پھوٹ پھوٹ کر برس رہی ہے نا۔"

تہنیت اس کے ساتھ ہی کھڑی تھی، لہک کر بولی تو طلعت نے اس کی پشت پر ہاتھ مارا۔

"چل جھوٹی! میری خوشی کو تم نے کب دیکھا، یہ تو سب امی جان کے گھریلو نسخوں کا کمال ہے جو وہ نانی جان سے پوچھ پوچھ کر مجھ پر آزماتی رہتی ہیں۔ تمہیں تو خبر ہے وہ ایسے معاملوں میں کتنی سنجیدہ ہیں۔"

"اور تمہیں یہ بھی پتا ہے کہ ہماری طلعت کتنی تابعدار ہے۔ صبح شام بے چاری انتہائی سعادت مندی سے مالش اور مساج کے کورس لے کر بیٹھ جاتی ہے۔ مجال ہے کہ کسی چیز پر امی جان کے سامنے اعتراض کیا ہو۔"

"اب بھلا تم ہی بتاؤ۔ ان دنوں میں امی جان کو ناراض کر کے ان کا دل دُکھانا چاہیے۔ جبکہ مجھے خبر ہے کہ وہ اس معاملے میں کتنی پُٹی ہیں۔" طلعت نے اپنی صفائی پیش کی تو آصفہ ہنسنے لگی۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ ان دنوں تمہیں کسی کو ناراض نہیں کرنا چاہیے اور تہنیت! تمہیں بھی بہن کو ہرگز

نہیں ستانا چاہیے۔۔۔بھئی، اس وقت تو تمہیں چاہیے کہ تم اس کی خدمت کرو، اس کے دل سے دعائیں نکلیں گی تو تمہارا بھی بیڑا کسی نہ کسی پار اتر ہی جائے گا۔''

''رہنے دو۔ مجھے اپنا بیڑا کسی کے ہاتھوں میں نہیں سونپنا، تم اپنی سناؤ، تمہارے میاں شرجیل کیسے ہیں۔اب بھی اماں اماں کا راگ ہی الاپتے ہیں کہ سُر اور لَے میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔''

''آؤ بیٹا! ٹھیک ہو نا! اب تو تم بھی ہمارے لیے مہمان ہی ہو۔'' امینہ خالہ کچن سے نکل کر باہر آئیں تو تہنیت اور طلعت نے بڑھ کر انہیں سلام کیا۔

''ہائے خالہ! آج تو کچن سے بڑی خوشبوئیں آرہی ہیں۔'' تہنیت فوراً مچلی۔

''آج میرے گھر میں رونق جو اُتری ہے، میرا تو سارا گھر مہک رہا ہے۔''

کیسی راحت تھی ان کے لہجے میں، بیٹیاں بیاہ کر ماں باپ کیسے خالی ہتھیلی پر بکھرے تتلی کے رنگوں کو تکتے رہ جاتے ہیں اور پرائی ہونے کے بعد بیٹی جب جب جھلک دکھائے ان رنگوں میں جان سی پڑ جاتی ہے۔

''دیکھیں خالہ! آپ کے اس پورے چاند کے ساتھ یہ دو ننھے منے تارے بھی چمک رہے ہیں۔ انہیں بھی رونق میں شامل کرلیں۔''

طلعت اپنی خالہ کے کندھے سے جھولتے ہوئے بولی۔

''ارے بھئی۔تم سب کو ہی رونق کہہ رہی ہوں بیٹیاں تو سب ہی ایک جیسی عزیز ہوتی ہیں۔'' انہوں نے طلعت اور تہنیت دونوں کو پیار کیا۔

''اچھا! اب تم اس سے باتیں کرو، میں جلدی جلدی کھانا پکالوں۔''

''ہائیں خالہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کی اتنی بیٹیاں اور آپ کھانا پکائیں، آج تو آپ آرام کریں، ہم آپ کو کھانا تیار کر کے کھلائیں گے اور آپ کی مطلوبہ لذت میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوگی اس کی میں گارنٹی دے دیتی ہوں۔''

''ہاں خالہ! یہ بہت وثوق کے ساتھ اب گارنٹی دے سکتی ہے آج کل ہمارے کچن میں روزانہ انقلاب برپا کرنے والی یہی آپ کی چہیتی بھانجی ہے نا۔''

''افوہ تہنیت! تم تو میری دوست کے پیچھے پڑ گئی ہو۔'' آصفہ نے طلعت کو بہلایا ورنہ وہ تہنیت کے اب ضرور کان کھینچنے والی تھی۔

اس کو گھڑی دیکھ کر ٹینشن ہونے لگی تھی۔اس نے سوچا تھا دس بجے تک گھر چلی جائے گی، لیکن دس یہیں بج گئے تھے اور وہ کرتی بھی کیا۔ میکے میں پورا دن یوں نکل گیا جیسے زندگی کے چند اچھے پل کہ ابھی شروع اور ابھی ختم۔

تہنیت اور طلعت شام کو گئیں پھر عاصمہ باجی آئیں، صرف اس کی خاطر نانی جان بھی سنبل اور انصار کے ساتھ آئی تھیں اور نانی جان تو رہنے آئی تھیں لیکن سنبل اور انصار ابھی ہی گئے تھے۔اور ان کے جاتے ہی عاصمہ باجی بھی جلدی جلدی واپسی کی تیاری کر رہی تھیں اور وہ تو اکیلی تھی پانچ منٹ میں پرس

تھامے ابو جی کے کمرے میں ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی لیکن عاصمہ باجی بچوں کے ساتھ تھیں انہیں تیار ہونے کے لیے ضرور وقت چاہیے تھا۔ وقار نے کہا تھا کہ وہ دونوں بہنوں کو ساتھ ڈراپ کر دے گا۔ اب وہ کہہ نہ سکی کہ اسے پہلے چھوڑ دیا جائے۔ اگر کہتی تو وقار ضرور اس کے لیے دوڑ لگا دیتا لیکن پھر سب تردّد کرتے کہ آصفہ کو ایسی جلدی کیا تھی۔ پھر نئے سرے سے اس کی مشکلوں اس کے دکھوں پر کڑھتے اور آج کم سے کم وہ میکے میں سب کو مطمئن کر کے جانا چاہتی تھی۔

اسے فکر صرف یہ تھی کہ جب کام نمٹ جائے گا، مزدور چلے جائیں گے تو شرجیل فارغ ہو کر اپنی ماں کے پاس ضرور چلا جائے گا اور۔۔۔

بالآخر ان کو نکلتے نکلتے ساڑھے دس تو بج ہی گئے۔ یہ گھڑی کی سوئیاں بھی کیسی ظالم رفتار رکھتی ہیں، انہیں تھامنے جاؤ تو یوں بھاگ پڑتی ہیں جیسے ہم کبھی ان کے ساتھ چلے ہی نہ ہوں۔

عاصمہ باجی کا گھر پہلے پڑتا تھا۔ انہیں پہلے ڈراپ کیا۔ وہ بھائی بہن سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی، لیکن اب اس کا دھیان شرجیل میں ہی لگا ہوا تھا۔

گاڑی پچھلے گیٹ پر اس نے رکوائی تو چوکیدار نے اشارہ دیا کہ شرجیل اس طرف ہے اس کا خدشہ درست نکلا۔

ایک منٹ رک کر اس نے کچھ سوچا پھر وقار کو اللہ حافظ کہہ کر وہ اندر تو چلی آئی تھی لیکن اب اس کے ذہن میں کئی باتیں آ رہی تھیں۔ عالیہ آنٹی کے بدتر سلوک کا خوف اس کے قدموں سے آگے بڑھنے کی ہمت چھین رہا تھا لیکن پچھلے دو دنوں میں اس کے اپنے اندر ایک عجیب کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ جو کچھ ہو رہا تھا اسے قبول کر لینے کا عزم تو اس نے کر ہی لیا تھا پھر اس کے قدم کیوں رکیں۔ وہ لاؤنج سے ہو کر سیدھی کمرے کی طرف گئی۔

وہاں تو عجیب ہی عالم تھا۔ شرجیل بستر کے کنارے تکیے پر سر جمائے آنکھوں پر ہاتھ رکھے جانے لیٹا ہوا تھا یا سویا ہوا تھا۔ سہیل انکل صوفے پر باقاعدہ گہری نیند سو رہے تھے۔ شرمین اپنی ماں کے برابر بیٹھی کومکس کی کسی کتاب میں بری طرح مگن تھی اور عالیہ آنٹی تسبیح کے دانے گراتی جانے ان پر کیا پڑھ رہی تھیں۔ وہ کمرے میں جیسے بالکل انجان سی محسوس ہو رہی تھی۔ عالیہ آنٹی کو اس نے سلام کیا انہوں نے کچھ نہ کہا۔ بس جیسے کچھ دیکھا نہ سنا ہو، اور کسی کو مخاطب وہ کیا کرتی۔ کمرے میں تو بیٹھنے کے لیے کوئی خالی جگہ تک نہ تھی۔

وہ بستر کے قریب آ کر شرجیل کے سرہانے کھڑی ہو گئی۔

''شرجیل! شرجیل!'' وہ ایسی بے حس اور جامد کر دینے والی صورت حال میں پھنس گئی تھی۔ اس کی پہلے نرم اور پھر تیز پکار پر شرجیل نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ جھنجھلا اٹھی۔

''شرجیل! اٹھیں ادھر کمرے میں چلیں۔''

وہ جانے کیا کھا کر سویا تھا جھنجھوڑنے پر بھی نہ اٹھا۔ اس کا جی چاہا وہ سسک پڑے۔ بے بسی کے کون کون سے مقام اس کا نصیب ٹھہرنے تھے۔

''ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے آنٹی! یہ اس طرح کیوں سو گئے ہیں۔''

اپنے آپ کو بہت قابو میں رکھ کر اس نے مجبور ہو کر ساس کو ہی مخاطب کیا۔
ان کے چہرے پر وہی صبح والی پرسکون کیفیت تھی۔
بے رحم تقدیر بنی اب عالیہ آنٹی اس پر جتنا ہنس لیتیں وہ کیا کر سکتی تھی۔ اسے قطعی یقین نہیں تھا کہ وہ اس کی بات کا جواب دیں گی لیکن انہوں نے تسبیح کے دانے نشان تک پورے کیے۔ منہ پر ہاتھ پھیرا اور پھر اس کی طرف نظر کی۔
''سر کے درد سے تڑپ رہا تھا، ابھی گولیاں کھا کر سویا ہے۔ اب اسے یہیں سونے دو۔''
وہ اس سے بات کر رہی تھیں اور ان کا لہجہ بھی ٹھیک تھا، لیکن وہ اپنی انگلیاں بالوں میں پھیرتی ہوئی ہونق سی بنی صورت حال سے نمٹنے کا سوچ رہی تھی۔ اس کا جی چاہا پوچھے گولیاں سر درد کی تھیں یا نیند کی۔
''پلیز آنٹی! ان کو جگا دیں میں اکیلی اس طرح اب کیسے سوؤں گی۔''
اپنی بات ان سے کہہ کر وہ پھر اپنی بے وقوفی پر خود ہی پچھتائی۔ بھلا وہ عورت جسے اس سے انسانیت کے ناتے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی وہ اس کی ایسی التجا پر کان دھر سکتی تھی۔ لیکن وہ شاید ان کے نارمل لہجے پر بہل گئی تھی۔
''تم نے جگا کر دیکھ تو لیا۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں۔ تمہارے ساتھ کیا چلے گا۔''
سچ مچ وہ بھی ایک بے ہوش اور بے اعتبار شخص کے ساتھ کی آس پر دنیا چھوڑے بیٹھی تھی۔ وہ کیسے اس کا انتظار کیے بنا مزے سے گہری نیند سو گیا تھا۔ اس پر دس بجے سے ہی وحشت بے وجہ سوار نہیں ہوئی تھی۔ کچھ دیر وہ کھڑی رہی پھر اسے جانے کیا سوجھی کے کمرے سے باہر نکلی، فریج تک گئی۔ ایک ٹھنڈا گلاس پانی کا بھرا اور پھر پلٹ کر کمرے میں جاتے ہی پانی شرجیل کے چہرے پر انڈیل دیا۔
ٹھنڈا یخ پانی شرجیل کے سارے حواس بے دار کر گیا۔ وہ بری طرح ہڑبڑا کر اٹھا۔ اور صورت حال کو سمجھتے ہی اس نے گھما کر پوری قوت سے ایک تھپڑ آصفہ کے منہ پر جڑ دیا۔
''یو ڈیم! اسٹوپڈ گرل! تمہیں کسی چیز کی تمیز نہیں ہے۔''
ٹھنڈے یخ پانی سے بھی زیادہ سرد کیفیت آصفہ کے پورے جسم میں سرایت کر گئی۔
وہ ہر بار حیران رہ جاتی، لیکن قسمت ہر بار اس پر وار کر جاتی۔
کسی نے سچ کہا ہے کہ مرد کا ہاتھ ایک بار اٹھ جائے تو اسے روکنا مشکل ہے۔ اور اس نے خود بھی تو کبھی شرجیل کے اس انداز کا کوئی سخت جواب نہیں دیا تھا۔ بس قسمت کا لکھا سمجھ کر سر جھکا لیتی۔
''کیا مصیبت پڑ گئی ہے۔ کیوں ایسے جاہلوں کی طرح اٹھایا ہے مجھے۔'' اس کا لہجہ بگڑا ہوا ہی تھا۔
''اُدھر سونے کے لیے چلیں۔'' اس نے بھی زیادہ بات نہ کی۔
''چلو! امی ہم سونے جا رہے ہیں۔'' اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ چلنے کے لیے راضی ہو گیا تھا، حالانکہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے ناراض نہ ہونا چاہیے تھا۔
''آپ اس طرح سو گئے جیسے کبھی سونے کو ہی نہ ملا ہو۔'' وہ چڑ کر کہہ رہی تھی۔
''تم بھی تو گیارہ بجے کے بعد چلی آ رہی ہو جب کہ تمہیں خبر ہونی چاہیے۔ میں تھکا ہوا ہوتا ہوں میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔''

''آدمی کو کوئی چیز برداشت بھی کر لینی چاہیے۔ ساتھ چلنے کے لیے ایک دوسرے کے آسرے پر ہم اسی وقت چل سکتے ہیں نا جب دوسرے کا خیال رکھ سکیں۔''

اپنے کمرے کے دروازے پر رُک کر اس نے کہا۔

''اسے خیال رکھنا کہتے ہیں، شوہر تھکا ہارا بھوکا پیاسا آدھی رات تک بیٹھا ہے اور بیگم صاحبہ کا کوئی پتا ہی نہیں۔''

''ارے آپ نے کھانا نہیں کھایا اب تک۔ مگر کیوں؟''

''کہاں کھاؤں امی جان سے کہوں مگر کس منہ سے، ہم اپنی مرضی سے زبردستی الگ ہوئے ہیں تو اب بھگتنا بھی پڑے گا۔''

دراصل اس کا دماغ خود گھوما ہوا تھا چند سکٹ کے ساتھ نیند کی گولیاں کھالی تھیں جن کا اثر ابھی باقی تھا۔

''آپ ساری باتوں کا الزام مجھ پر رکھ رہے ہیں، جب کہ میں نے وہ کچھ کیا جو آپ چاہتے ہیں۔ امی کے ہاں بھی آپ کی مرضی سے گئی۔ رات کھانا کھا کر آؤں یہ بھی آپ نے ہی کہا تھا اور یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ الگ ہونے کے بعد ماں کے پاس آپ کھانا بھی نہیں کھا سکتے وہ مجھ سے خفا ہیں، آپ تو ان کی اولاد ہیں، انہیں یہ فکر نہیں ہوئی کہ رات گیارہ بجے تک آپ ان کے گھر میں بیٹھے ہیں اور بھوکے پیاسے ہیں۔ یہ کیسی ماں ہیں؟'' اس کا بھی پارہ ہائی ہو گیا۔

''دیکھو خبردار! تم امی جان کے بارے میں کچھ نہ کہنا۔''

''ورنہ کیا کریں گے آپ! کتنے تھپڑ لگائیں گے، میرا آپ سے کیا مقابلہ، کمزور پر ہاتھ اٹھا کر جیت ہی جائیں گے نا۔''

''آصفہ! تم خوامخواہ زبان چلا رہی ہو۔ امی جان کا کیا قصور، میں نے خود ان سے کھانے کے لیے نہیں کہا، ویسے بھی یہ ہم ماں بیٹے کا آپس کا معاملہ ہے تم درمیان میں نہ پڑو۔''

''اِدھر آپ کہہ رہے ہیں کہ میرے کھانے پینے کی تم پروا کرو۔ ماں فکر نہ کرے گی اور ادھر کہہ رہے ہیں کہ میرا معاملہ نہیں ہے۔ حد ہے کھانے کے وقت تو کوئی غیر بھی آئے تو ہم اسے پوچھ لیتے ہیں اور آپ اپنی ماں کے چہیتے بیٹے کتنے گھنٹوں سے ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ آپ سے ایک کھانے کے لیے نہ پوچھ سکیں۔''

''ارے بھئی! کیا ہو گیا ہے، اس بڑھاپے میں ان سے کہوں گا کہ وہ مجھے کھلائیں پلائیں، یہ وقت ان کی خدمت کرنے کا ہے یا کروانے کا۔''

''ایک وقت کے کھانے کو آپ نے اتنا بڑا مسئلہ بنا لیا ہے۔ کیا امی کے گھر میں کھانا نہیں پکا تھا یا کسی نے کھانا نہیں کھایا۔ ان تین لوگوں نے کھایا، آپ بھی کھا لیتے۔''

''ایک دن ماں کے گھر کیا گئی ہو لگتا ہے زبان کو خوب پالش کر کے آئی ہو، کہیں اٹک ہی نہیں رہی ہے۔'' الجھتے الجھتے کچھ نہ سوجھا تو اب شرجیل نے یوں طعنہ مارا۔

''آپ کے ذہن میں بس ایسی تھرڈ کلاس باتیں ہی آ سکتی ہیں۔ جہاں بات نہ بن سکی وہاں الٹا داؤ

مارلیا۔''

آصفہ کو بہت زیادہ بری لگی شرجیل کی بات، ماں کے گھر تو وہ کسی سے اپنے معاملے پر بات ہی نہ کرتی لیکن کیا صلہ مل گیا ایسی وفاداری کا۔

''تم مجھے تھرڈ کلاس کہہ رہی ہو۔ سچ ہے آصفہ! یہ تمہاری زبان نہیں ہے۔'' اس نے اسے مزید غصہ دلایا۔

''میری تو صرف زبان بدلی ہے۔ آپ تو پورے کے پورے بدل جاتے ہیں، ماں کی صورت کیا دیکھ لی۔ بس جادو ہی ہو گیا آپ پر، صبح کیا تھے اب کیا بن گئے۔''

''دیکھو، میں کہہ رہا ہوں آصفہ! تم بکواس مت کرو اتنی زیادہ۔ میرے غصے کو ہوا دے رہی ہو۔''

وہ اپنی ہتھیلیاں رگڑنے لگا۔

''نکالیے نا غصہ، مار کر جی ہلکا کر لیں۔ اس ہنر میں تو ماہر ہیں آپ۔'' آج اس کا دماغ بھی بری طرح گھوم گیا تھا۔

''ٹھیک ہے، پھر میں جا رہا ہوں اپنی ماں ہی کے پاس، تم بیٹھو اکیلی یہاں۔''

''نہیں میں اکیلی یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔ آپ کہیں نہیں جائیں گے۔'' وہ اس کا راستہ روک کر اس کے آگے کھڑی ہو گئی۔

''تم مجھے زبردستی تو نہیں روک سکتیں۔''

''زبردستی تو آپ بھی مجھے نہیں روک سکتے۔ جب آپ یہاں نہیں رکیں گے تو میں بھی یہاں نہیں رہوں گی۔'' اس نے شرجیل سے پہلے کمرے کے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

''ارے تم کہاں جاؤ گی؟''

''میں کہیں بھی چلی جاؤں گی۔ آپ پروا کرنے والے ہوتے تو بات کبھی اتنی نہ بڑھ سکتی۔'' اس کا غصہ بھی آج انتہا پر پہنچ گیا تھا وہ کمرے سے باہر نکلنے لگی۔

''پاگل ہو گئی ہو، یوں رات کے وقت کہاں جاؤ گی۔'' اس نے پیچھے دوڑ کر آصفہ کا بازو پکڑ لیا۔

''چھوڑ دیں۔ بس آپ مجھے چھوڑ دیں شرجیل! اس سے زیادہ مجھ میں آپ کو آزمانے کا حوصلہ نہیں ہے۔''

وہ سچ مچ غصے اور صدمے سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ شرجیل نے اسے پکڑ کر بستر پر بٹھایا۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے لاک کر دیا اور خود بھی سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کوئی کہیں نہیں جائے گا بس۔'' اور پھر دونوں ہی خاموش ہو گئے۔

''اب آپ کیا توقع کر رہے ہیں کہ میں اس وقت آپ کے لیے کھانا پکاؤں۔ شرجیل! کسی کو بے وقوف بنانے کی بھی ایک حد ہوتی ہے اگر آپ صبح ہی مجھ سے کہہ دیتے کہ آپ کا رات کا کھانا میری ذمہ داری ہے تو میں ہرگز اتنی دیر سے نہ آتی بلکہ میں خود امی کے ہاں کھانے کے لیے نہ ٹھہرتی۔ میرے لیے الگ کچن بنوانے کا یہ انعام کہ پہلے دن ہی رات کے بارہ بجے میں آپ کے لیے کھانا پکاؤں، جائیے، پھر لے آئیے کھانا پکانے کا سامان تو میں کھانا پکا دوں۔''

''اس وقت کہاں سامان ملے گا اور تمہارے پاس کوئی سامان نہیں کیا؟''

''پلیز! یہ آپ اتنے معصوم نہ بنیں کہ برداشت نہ کر سکوں، میرے پاس کچن ہی کہاں تھا کہ سامان ہوگا۔ اتنے دنوں سے ہم ناشا بھی باہر سے منگوا کر کھا رہے ہیں۔ اور آج آپ نے سوچ لیا کہ میں کھانا پکانے لگ جاؤں گی چولہا لگ گیا ہے نا مگر جناب! ہوا پکاؤں یا پانی ابالوں۔''

''اچھا بابا! معافی دے دو، وہ تو میں یونہی غصے میں کہہ گیا تھا، مجھے کیا پتا کہ کھانا کب پکے گا، کیسے پکے گا، میں نے تو یہی سوچ لیا کہ چولہا جلنے لگا ہے تو کھانا بھی بن جائے گا۔ خیر اب تم مجھے اس جھنجھٹ میں تو نہ ڈالو، میں ویسے ہی ایک نیم پاگل سا آدمی ہوں۔''

لیجیے فوراً قبول کر لیا اپنی غلطی کو، ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ اب جو کچھ اس نے سہا وہ کس کھاتے میں ڈال سکتی تھی۔

''میں باہر سے کھانے کے لیے کچھ لے آتا ہوں، کیونکہ مجھے سخت بھوک لگی ہے۔'' وہ اٹھ گیا۔

''یہی سیدھا کام آپ ہسپتال سے آتے ہوئے ہی کر لیتے، کسی ہوٹل سے کھانا کھا کر ہی گھر آنا چاہیے تھا۔''

''بس میرا دماغ پتا نہیں کیوں ایسے چھوٹے چھوٹے معاملوں میں فیل ہو جاتا ہے۔''

وہ باہر نکل گیا اور آصفہ نے برابر میں پڑا تکیہ اٹھا کر بری طرح تپتے ہوئے سامنے دیوار پر دے مارا۔

''اونہہ دماغ فیل ہو جاتا ہے۔ کہہ کر چھوٹ گئے میاں جی! جانے ان کے کان کھینچنے والا کوئی کیوں پیدا نہیں ہوا۔'' وہ غصے سے کڑھتی رہ گئی۔

پھر وہی شرجیل نے معافی مانگی، آئندہ کے لیے توبہ کی اور وہ جی جناب کی رٹی رٹائی تختی پڑھ کر سو گئی۔

اب اس نے باقاعدہ کچن میں کام کرنا شروع کر دیا۔ کھانے پکانے اور رکھنے کا سامان اگلے ہی دن دونوں اسٹور سے لے آئے۔ گو کہ کچن ابھی پورا نہ بنا تھا مگر اتنا ہوا تھا کہ وہاں چولہا آرام سے جل جائے۔

تھوڑے دنوں میں اسے عادت پڑ گئی۔ اکیلے پکانے، اکیلے رہنے اور فارغ ہو کر شرجیل کا انتظار کرنے کی۔ عالیہ آنٹی نے گھر کے اس حصے کی طرف جھانکنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

سہیل انکل روز صبح آتے۔ خیریت پوچھ کر چلے جاتے۔ وہ کام کرنے اور گھر کو ترتیب دینے میں سارا دن نکال دیتی۔ مگر یوں اکیلے رہنا اسے بہت بھاری لگتا تھا۔ اسے عادت نہ تھی نہ ہی اس کی فطرت تنہائی پسند تھی مگر وہ شکر گزاری سے دن گزارنے لگی تھی۔

وہ جس لڑکی سے ساری راہداری بات کرتے ہوئے کالج کے گیٹ سے باہر کے سیدھے راستے کے فٹ پاتھ تک آئی تھی اس پر لمحے بھر کے لیے اس کو گمان نہ ہوا تھا کہ وہ اس شخص کی بہن ہے جس سے نہ ملنے نہ بات کرنے نہ دیکھنے کے خوف سے اس نے سڑکوں پر نظر اٹھا کر دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔ راستے میں

آس پاس چلتے لوگوں پر غور کرنا چھوڑ دیا تھا۔

''ارے سیف بھائی! آ گئے ہیں اچھا میں چلتی ہوں اللہ حافظ!''

وہ ہاتھ ہلاتی تیز تیز چلتی سیدھی اپنی گاڑی کی طرف چلی گئی اور تہنیت حیرت میں یہ بھی بھول گئی کہ وہ خود فٹ پاتھ پر کھڑی ہو کر سامنے اسی گاڑی اور اسی شخص کو مسلسل تک رہی تھی جسے نہ دیکھنے کی قسم کھائے بیٹھی تھی۔ اسے ہوش اس وقت آیا جب وہ انتہائی جوش میں ہاتھ ہلاتا گاڑی اس کے سامنے سے ہی نکال لے گیا۔

''لگتا ہے پٹ جانا آپ کے مقدر میں لکھا ہے مس تہنیت۔''

وہ چڑ گئی، اپنے مطلوبہ نمبر کی وین نہ آنے پر بری طرح غصہ ہونے لگی اور اس سے بھی زیادہ غصہ اسے اس لڑکی پر آنے لگا جو روز اس کے ساتھ آتی جاتی تھی لیکن آج چھٹی کر بیٹھی تھی۔

''ارے تہنیت! یہ شخص کیا تمہیں ہاتھ ہلاتا ہوا گزرا ہے۔''

یہ اس کی کلاس فیلو ندا تھی جو شاید فٹ پاتھ پر اسی قطار میں ذرا دور کھڑی تھی۔ پیچھے سے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی اور کہا۔

''ارے کون شخص! دماغ خراب ہوا ہے تمہارا۔ اس سڑک پر تو اور بیسیوں لڑکے ہاتھ ہلاتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ میں نے کسی کا ٹھیکہ لیا ہے کیا؟''

وہ بھری ہوئی تو تھی فوراً اس لڑکی پر ہی برس پڑی۔ اس سے اندازہ اس وقت ہوا کہ آس پاس کھڑی اکثر لڑکیاں اس کی طرف ہی متوجہ تھیں۔ وہ اور تپ گئی۔

''برا نہ ماننا تہنیت! لیکن ہم نے تو نوٹ کیا ہے کہ یہ شخص اکثر تمہیں گھورتا رہتا ہے۔''

اس کی کلاس فیلو بھی تیز تھی خاموش رہ جانے والی نہ تھی۔ اور یوں بھی بس، ویگن، رکشا، ٹیکسی کے انتظار میں اسی فٹ پاتھ پر کھڑی ساری لڑکیاں اس وقت فالتو ہی ہوتی تھیں۔ کسی کا گھورنا، ہاتھ ہلانا، اشارے کرنا ان سے کچھ چھپ نہ سکتا تھا۔

''سنو، کسی اور کی نظروں کا حساب تم مجھ سے لے رہی ہو۔ افسوس میں تو تمہیں بہت سمجھ دار سمجھتی تھی۔'' تہنیت بھی یوں داؤ میں آ جائے ایسی تو نہ تھی۔

''بی بی تہنیت! اتنی عقل تو ہم بھی رکھتے ہیں اس کے گھورنے کی ہم بھی اتنی پروا کرنے والے نہیں، لیکن جب آج آپ بھی اس کی گاڑی کو تک رہی تھیں اور اس کی بہن سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں تو ہم نے پوچھ لیا۔''

''اف۔۔۔'' اس فٹ پاتھ پر کتنی آنکھیں چپکی ہوئی تھیں، بندے کی جھپکتی آنکھ اور پاؤں کے ہلتے انگوٹھے کو بھی ڈھیروں تنقیدی نظروں کا سامنا ہو سکتا تھا۔

''یا اللہ! تم لوگ تو انسان کا جینا حرام کر سکتی ہو، بھئی میں تو اس لڑکی کو جانتی بھی نہیں۔ لائبریری میں سائیکالوجی کی کتاب اشو کروائی تھی تب سے پیچھے پڑ گئی تھی کہ وہ کتاب اس کو دے دوں شاید کتاب کی دوسری کاپی لائبریری میں نہ ہو گی۔ اور پھر گیٹ تک چلتے چلتے سر کھا رہی تھی کہ آپ کون سے ایئر میں ہیں اور کون سے مضامین ہیں آپ کے پاس۔''

تہنیت نے سوچا تھا کہ اگر وہ اس لڑکی کو ٹالے گی یا اوٹ پٹانگ جواب دے گی تو کل یہی اس کی کلاس فیلو بے وجہ کا قصہ ساری کلاس میں مشہور کر دے گی۔

''دیکھو میں سڑک پر کھڑی ہوں بس کے انتظار میں اسی سڑک پر تم بھی کھڑی ہو۔ اس طرح ایک دوسرے پر شک کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ جب کہ تم مجھے اچھی طرح جانتی بھی ہو۔''

''اوہ! تم تو برا مان گئیں، میں نے تو یونہی ایک بات دل میں آئی تو پوچھ لیا۔ بلکہ اچھا ہے نا کہ بات کلیئر ہوگئی۔'' ندا اب شرمندہ سی ہوئی۔

''میری ہر بات کلیئر ہی ہوتی ہے۔'' تہنیت نے کہا تو ندا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سوری کہا۔ اور وہ ''اٹس آل رائٹ'' کہہ کر سڑک کی دائیں طرف دیکھنے لگی۔ ''کبھی کبھی بس بہت انتظار کراتی ہے۔''

اس نے دیکھا تھا کہ آس پاس کی بہت سی لڑکیاں اس بحث پر کان دھرے ہوئے تھیں اور شاید کھودا پہاڑ نکلا چوہا کی مثل ان پر فٹ ہوئی۔

''یہ سب کام تم خود ہی کرتی ہو؟''

چھٹی والے دن شرجیل نے اسے صبح اٹھتے کے ساتھ ہی کام میں لگے دیکھا تو کچھ حیران ہوا۔ دراصل اس کا اپنا قصور اتنا زیادہ نہیں تھا۔ اس کی تربیت میں، گھر گرہستی، عورت یعنی ماں کے سوا کسی دوسری عورت کی عزت احترام، حیثیت کا کوئی سبق اسے کبھی نہ سکھایا گیا نہ سمجھایا گیا۔ منگنی کے بعد بھی کبھی عالیہ بیگم نے آصفہ کو اپنے چہیتے بیٹے کے ذہن و دل پر سوار ہونے نہیں دیا تھا۔ وہ اتنا زیادہ شرجیل کی شخصیت پر حاوی تھیں کہ ان کا بس چلتا تو اس کے خواب و خیال پر بھی پہرے لگا دیتیں۔

''اور کون کرے گا۔'' اب اس نے کپڑوں کا ڈھیر اٹھا کر بالٹیوں میں ڈالا، باتھ روم میں جگہ بنائی اور پھر کمرے میں صوفے پر بیٹھے ہتھیلی میں چہرہ ٹکائے گم صم شرجیل کو پکارا۔

''اسٹور سے میری واشنگ مشین نکال کر باتھ روم میں فٹ کر دیں۔ اتنے کپڑے دھونے ہیں۔ ہاتھ سے تو نہیں دھلیں گے۔''

''ہاں بھئی! جب مشین ہے تو ہاتھ سے دھونے کی کیا ضرورت ہے۔''

اس نے مشین نکالی باتھ روم میں پہنچائی اور پلگ وغیرہ فٹ کر کے آصفہ کو بلایا کہ اب اس میں کپڑے ڈال دے۔

مشین میں کپڑے دھلنے کے ساتھ ساتھ آصفہ دوسرے کام بھی نمٹانے لگی۔ آدھے کپڑے دھل گئے تو انہیں اس نے بالٹی میں ڈالا اور وہی بالٹی اٹھا کر باہر صحن کی طرف جانے لگی کہ دھوپ میں رسی پر پھیلا دے۔

''کیا پاگل ہوگئی ہو آصفہ! اس طرح تو تم اپنا اور آنے والے کا دونوں کا حشر کر دو گی۔''

اتنا وزن اٹھاتے دیکھ کر چیخ ہی تو پڑا

''آپ کو کیا ہوگیا ہے۔ سارے کام تو کرنے ہی پڑیں گے نا۔''

''بھئی تو کیا جان دے دوگی کاموں کے لیے۔نہیں یہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا، کوئی ماسی رکھ لیتے ہیں۔''

''آپ بندوبست کریں میں تو یہاں کسی کو اتنا جانتی بھی نہیں۔ کپڑے اور برتن دھونا بڑا مشکل کام ہے۔'' جب شرجیل کو خیال آیا تو آصفہ نے بھی اپنی مشکل بتائی۔

''کچھ کام کر رہی ہیں بھابھی!''

وہ جب رسی پر کپڑے پھیلا رہی تھی تو اسے پیچھے سے شرمین کی آواز آئی وہ اچھی خاصی حیران رہ گئی۔شرمین کو ادھر دیکھ کر حیرت ہی ہو سکتی تھی۔

''آؤ شرمین! تم تو ادھر آتی ہی نہیں ہو۔'' اس نے بقیہ کپڑے چھوڑ دیے۔

''آپ بلاتی بھی تو نہیں ہیں۔'' اس نے صاف کہہ دیا اور وہ کہہ نہ سکی کہ ایسے تعلقات اس کے ساتھ استوار ہی کب ہوئے تھے؟

''آؤ اندر بیٹھو، امی جان کیسی ہیں؟''

''کیسی عجیب بات ہے، آپ اپنے گھر کے اس طرف کا حال معلوم کرنے کی فرصت اب تک نہیں نکال سکیں۔'' شرمین نے پھر اپنا طنزیہ انداز دہرایا۔

''شرمین! تم بھول رہی ہو شاید کہ میں تمہاری وہی بھابھی ہوں جس کی صورت نہ دیکھنے کی تم ہی لوگوں نے قسم کھائی ہے۔''

وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ شرمین کے طنزیہ انداز میں کیا کہیں صلح کی کوئی گنجائش نکل رہی ہے؟ شرجیل چادر تان کر بستر پر پڑا ہوا تھا۔

''گھر میں تو ایسی ہزاروں باتیں ہوتی رہتی ہیں بھابھی! اگر بندہ دل میں ہی رکھ کر بیٹھ جائے تو زندگی گزارنا مشکل ہو جائے۔''

کمرے میں داخل ہو کر بڑے خاص انداز سے شرمین نے اپنی بات بہت وضاحت سے کہی۔ بہن کے لہجے پر شرجیل بھی بہت زیادہ حیران ہوا۔

''ارے شرمین آئی ہے؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''آپ آئے نہیں ہیں امی کے پاس، وہ آپ کو یاد کر رہی ہیں۔'' شرجیل سے کہتے ہوئے شرمین خود ہی صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گئی۔

''چھٹی والا دن ہے نا! آدھا دن تو تمہیں پتا ہے سستی میں نکل جاتا ہے۔'' وہ بولا۔

''چلیں بستر سے نکلیں گے تو سستی بھی بھاگے گی۔'' پھر وہ آصفہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

''آپ بھی چلیں بھابھی! آپ کو امی جان کے پاس آنا چاہیے۔''

''وہ مجھ سے بات نہیں کرتی ہیں نا!'' آصفہ کو پتا تھا کہ یہ پیغام بھیجنے والی خود عالیہ آنٹی ہی ہیں۔

''آپ نے پھر کوشش ہی کہاں کی ہے بھابھی!'' شرمین کی بات بھی ٹھیک ہی تھی۔

''عینی آپا آئی ہوئی ہیں اور آج شام کو دادا جان اور دادی جان بھی آئیں گے۔'' اوہ تو یوں پیغام دینے کا اصل مطلب اب اس کی سمجھ میں آیا۔

''ارے تو عینی آپا یہاں آئیں نہیں؟'' اس کے بولنے سے پہلے شرجیل نے کہا۔
''اف بھائی! ان کے بچوں کا تو آپ کو پتا ہے، کتنے شریر ہیں اور پھر میرا خیال ہے اگر امی جان کو چھوڑ کر سب آپ سے یہیں آکر مل لیں تو بات کبھی بن نہ سکے گی۔'' شرمین اس طرح باتیں کر رہی تھی جیسے کمال کی سوجھ بوجھ رکھتی ہو۔
''چلو، پہلے امی جان کے پاس چلتے ہیں پھر دوپہر کا کھانا وغیرہ کھائیں گے۔''
شرجیل کو کیا کرنا تھا۔ بستر سے نکل کر بالوں میں برش پھیرا نہ پھیرا، ہاتھ ہی پھیر لیا، اس کے تو سارے کام ادھورے اور بکھرے پڑے تھے۔ سب سے زیادہ ٹینشن کپڑوں کی تھی۔ آدھے دھلے تھے اور آدھے بالٹیوں میں پڑے تھے۔
''پلیز ذرا میرے کپڑے دھل جائیں پھر چلتے ہیں شرجیل۔''
''چھوڑو ان کپڑوں کو دفع کرو، صبح میں لانڈری میں دے آؤں گا۔''
اسے معلوم تھا اب وہ ٹھہرنے والا نہیں۔ وہ تو شرمین کو اپنے کمرے میں دیکھ کر ہی حیرت سے خاموش ہوگئی تھی۔ امی جان کی ناراضی ختم ہونے کے اتنی جلدی آثار نظر آنے لگیں گے۔ اس کا قطعی اندازہ نہ تھا وہ تو آدھی آدھی رات تک فکر میں گھلا کرتا تھا کہ اپنی ماں کو کیسے منائے گا۔ اور ماں راضی ہے۔ اس سوچ پر بھلا کیسے وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھ سکتا تھا۔
آصفہ کو خود بھی اندازہ تھا شوہر کی کیفیت کا، اس لیے اس نے سب کچھ یونہی چھوڑ دیا اور بالوں میں برش پھیر کر ان کے ساتھ چل دی۔
''السلام علیکم آنٹی!'' وہ بے وجہ ان کے سامنے آنے سے گھبرا رہی تھی۔
''آؤ کیسی ہو؟ ٹھیک ہو؟'' اس نے نوٹ کیا کہ انہوں نے اسے ''سلام'' کے جواب کی دعا نہ دی۔
''اونہہ۔۔۔ یوں چھوٹی چھوٹی باتیں نہ پرکھو۔'' اس نے خود ہی خیال کیا اور پھر اپنی کیفیت پر قابو پالیا۔
وہ اب پلٹ کر عالیہ آنٹی کے گھر میں آئی ہے تو اسے اپنے رویوں کو ہرگز نہیں دوہرانا چاہیے۔ عینی آپا سے مل کر اور انکل کو سلام کر کے وہ بیٹھ گئی۔
''چھٹی والے دن یہاں آجایا کرو صبح سے، تمہارے بغیر رونق نہیں رہی۔''
عالیہ آنٹی کا اتنی جلدی اعتراف اور یوں اپنی ضد اور انا کو چھوڑ دینا۔ آصفہ کچھ ہوشیار سی ہوگئی۔ سہیل انکل بھی بڑے خوش تھے اور شرجیل کی باچھیں کھلی جارہی تھیں۔
''ہاں آصفہ بیٹا! تم دونوں اب چھٹی والے دن یہیں آیا کرو گے۔'' وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ پھر بہت دیر گزر گئی۔ شرجیل تو اپنی ماں کے پاس بیٹھ کر دنیا جہان بھلا چکا تھا۔
''اب چلیں شرجیل، کھانا تو کھالیں۔''
آخر اس نے خود ہی شوہر کو پکارا۔ وہ خود عینی آپا اور شرمین سے باتیں کر کے بور ہوگئی تھی۔ عالیہ آنٹی نے اس سے زیادہ بات نہ کی تھی۔
ان کا نارمل انداز، مسکراتا چہرہ، پرسکون لہجہ سب نظر آرہا تھا۔ لیکن ناپسندیدگی کی ایک واضح لکیر

اسے ان کی پیشانی پر بہت دور تک کھنچی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ یہ جانے اس کا وہم ہو، لیکن اس کی سوچ پر سایہ سا ضرور پڑ رہا تھا۔

''یہیں کھا لینا بیٹا!'' عالیہ آنٹی نے کہا تو زندگی میں پہلی بار اس کا جی چاہا کہ ایک زوردار سی ''نہ'' کہہ کر ان کی بے حساب زیادتیوں کا کچھ تو بدلا لے۔ لیکن کاش کہ وہ حاضر دماغ اور حاضر جواب ہوتی۔

''آج تو میں نے کھانا پکا لیا ہے آنٹی! اگلی دفعہ آئیں گے۔'' وہ بولی تو شرجیل کو بھی خیال آیا، وہ کھڑا ہو گیا۔

''ہاں امی! آج تو کھانا وغیرہ سب تیار ہے۔ آپ یوں کریں ہمارے ساتھ چلیں۔ آج آپ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔'' شرجیل نے کہا۔

''نہیں بیٹا! ابھی تو نہیں، تم کہہ رہے ہو تو رات کو چلے آئیں گے۔ تمہارے دادا اور دادی بھی آئیں گے رات کو سب مل کر تمہارے نئے گھر میں دعوت کھائیں گے جو تم نے اپنی مرضی سے بنا لیا ہے۔''

حد ہو گئی کبھی تو اس کا ہاتھ لگی چیزوں کو برتنے کے لیے راضی نہ تھیں اور اب اس کے گھر دعوت کھانے کے لیے راضی ہو گئیں۔

''واہ بیگم! آج تم نے بڑی شاندار بات کہی۔ سیانوں نے سچ کہا ہے دور ہونے سے محبت بڑھتی ہے۔ ایک دیوار کا فاصلہ ہی درمیان میں آیا تو دلوں میں قدر کتنی بڑھ گئی۔''

سہیل انکل کی بات پر سب ہنسے۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ اپنے شوہر کی تھوڑی سی توجہ پا کر دراصل عورت معتبر ہوتی ہے۔ اگر شرجیل اس کا خیال نہ کرتا اور اسے الگ چھت کا آسرا نہ دیتا تو عالیہ آنٹی کا لہجہ کبھی نہ بدلتا۔

یوں تو انسان کی اوقات انسان ہی بڑھاتا ہے۔ اور انسان ہی گھٹاتا ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں جانے عورت کی اوقات کو کوئی اہمیت کیوں نہیں ملتی۔ شاید اس لیے کہ ہم نے انسان کو دو خانوں میں بانٹ ڈالا ہے۔ مرد اور عورت، اور جب اوپر کی سطح پر مرد ہوتا ہے تو وہ اوپر ہی رہتا ہے۔ نیچے دیکھتا ہی نہیں۔

''مجھے بہت حیرانی ہے کہ امی جان کا رویہ یک دم بالکل تبدیل ہو گیا ہے اور خوشی اس بات کی ہے کہ اچھا ہو گیا ہے۔''

آج سہیل انکل صبح شرجیل کے ساتھ ہی نکل گئے تھے، انہیں کسی کام سے صدر جانا تھا۔

''بس جب اچھا ہو گیا ہے تو اس پر سوچنے کی کیا ضرورت، اللہ انہیں اور نیک توفیق دے اور ہم سب کو بھی ہدایت دے۔'' انہوں نے اپنے بڑے بیٹے کو بہت دنوں کے بعد مطمئن دیکھا تھا۔

''پھر بھی یہ بات میں سمجھ نہیں پا رہا کہ میرے الگ رہنے کا فیصلہ یوں ان پر اثر کر گیا ہے یا کوئی اور بات ہوئی ہے۔''

دراصل ان کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ دونوں باپ بیٹے عالیہ بیگم کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ سب ''اچھا اچھا'' کہتے ہوئے اندر سے کاری ضرب لگا سکتی تھیں، لیکن دونوں اسی شک کو ایک دوسرے کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے کتراتے تھے۔ بہر حال وہ ایک کی بیوی تھیں اور دوسرے کی ماں۔ شرجیل تو ایسی کوئی بات سوچا بھی نہیں کرتا تھا۔ بس سمجھو، زبردستی ہی اس طرح کا خیال اس کے ذہن میں گھسا چلا آتا تھا۔

''رہنے دو، اپنے ذہن پر اتنا بوجھ نہ ڈالو، بس ہوشیار رہو اور ان کا خیال رکھا کرو۔ کسی بات میں ان کو موقع نہ دینا کہ وہ اعتراض یا مشکل پیدا کریں۔'' انہوں نے بات ختم کرنے کے لیے کہا۔

''تم نے یہ نہیں پوچھا کہ صبح ہی صبح مجھے صدر میں کیا کام ہے۔'' وہ پوچھنے لگے۔

''سوری ابو! میں نے تو غور ہی نہیں کیا۔''

''ایک شخص سے ملنے جا رہا ہوں۔'' وہ مسکرائے۔ اس نے حیرانی سے اپنے باپ کو دیکھا۔

''شرمین کے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔ انہوں نے کسی آدمی کا پتا دیا ہے، اسی سے ملنے جا رہا ہوں۔''

''ارے مجھے تو کسی نے بتایا بھی نہیں۔'' شرجیل کو دکھ ہوا۔

''تم الگ جو ہو گئے تو برخوردار! ایسے ایسے صدمے تو سہنے پڑیں گے۔''

''ابو! پلیز، آپ خود دور کرنا چاہیں گے تو میں ضرور دور ہو جاؤں گا۔''

ان کی چالاکی ایک ستم تھی اور ان کی شیطانی سوچ ایک قیامت۔ وہ کسی طرح بھی ہار ماننے والی نہ تھیں، نہ ہی کسی طرح آصفہ پر مہربان ہونے والی تھیں۔ بس ان کے دل پر یہ چوٹ دہکتے انگارے کی طرح پڑی تھی کہ آصفہ ماں بننے والی ہے۔ عورت محبت کرنے پر آئے تو حد کر دیتی ہے، نفرت کرنے پر آئے تو انتہا کر دیتی ہے اور اگر حسد کرنے پر تل جائے تو بس آگ ہی بن جاتی ہے۔

وہ بظاہر ٹھنڈی بیٹھی ہو گئی تھیں لیکن ان کا دل ابھی بھی دہک رہا تھا اور یہ آگ کبھی کم ہونے والی نہ تھی، جب تک آصفہ انہیں نظر آتی رہتی اور یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ اب آصفہ جانے والی نہ تھی۔ تو چلو اب انہوں نے یہ مان لیا کہ آصفہ نظر آتی رہے لیکن یوں سکھ چین کے مزے لیتی نظر آتی رہے؟

''امی جان! آپ نے تو پروا کرنا ہی چھوڑ دی ہے، شرجیل بھائی کیسے بدل گئے ہیں۔'' شرمین بھی بھلا چین سے رہنے والی کب تھی۔

''ہاں، بدل تو بالکل گیا ہے میرا بیٹا لیکن پھر پلٹ کر آئے گا میرے پاس۔ میں نے پروا کرنا چھوڑی نہیں ہے۔''

''اب دیکھیں نا امی! ہماری تو بات بھی گئی اور آن بھی گئی پھر جان الگ جا رہی ہے۔ سارا دن وہی کھانے پکانے، گھر کو یکھنے کی ٹینشن تو لگی ہی رہتی ہے اور ہماری بھابھی جان تو وہاں دوسری طرف مزے سے پاؤں پر پاؤں چڑھائے سارا دن ریڈیو سنتی رہتی ہیں۔ دو آدمیوں کا کھانا پکانے میں کیا وقت لگتا ہے۔ برتن، کپڑے اور صفائی کے لیے تو ماسی لگوا دی ہے بھائی جان نے۔''

شرمین کو خود پاؤں پر پاؤں چڑھائے گھنٹوں ویڈیو فلمیں دیکھتے دیکھتے اب اپنی امی جان کو کام

کے لیے جواب دینا پڑتا تھا۔ سو وہ بہت بھاری لگ رہا تھا۔ کچھ دن تو جوش میں گزر گئے، بھابھی سے جان چھڑانے کے خواب دیکھتے دیکھتے۔ اب ہوش ٹھکانے آئے تو دیکھا بھابھی تو نہ گئیں، مفت کی جو نوکرانی ہاتھ لگی تھی اسے ضرور یہ دونوں گنوا بیٹھی تھیں۔

''امی! آپ بھی خوامخواہ ہی ان کے پیچھے پڑیں، ایک کونے میں پڑا رہنے دیتیں، کچھ کہتی تھوڑا ہی تھیں ہم کو، گھر کے کام کاج تو آرام سے چل رہے تھے۔''

چاول چن کر دال چنتے ہوئے اسے بڑی کوفت ہو رہی تھی۔ اسے ان کاموں سے ذرہ برابر دلچسپی نہ تھی اور اب عالیہ نہ گم اپنی آنکھوں کا نمبر بڑھ جانے کی وجہ سے ایسے کام بالکل نہ کر سکتی تھیں۔

''افوہ تمہیں کیا مسئلہ ہے شرمین! دو کام کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں نہیں چلائے جاتے، سسرال جا کر کیا کرو گی۔''

عالیہ بیگم کو غصہ ہی آ گیا۔ وہ اپنے ذہن میں مختلف قسم کے پلان بنانے میں مصروف تھیں، درمیان میں شرمین فالتو بکواس لے کر بیٹھ گئی تو سارے خیالات گڈمڈ ہو گئے۔

''جب وقت پڑے گا تو سارے کام کر لوں گی۔ آپ کو ساتھ لے کر نہیں جاؤں گی۔'' اس کی بدزبانی تو اچھے اچھوں کو بھی مات کر دے، سو اس نے فوراً جواب دیا۔

''تجھ پر تو ضرور وقت پڑے گا کم بخت! اپنی ماں سے اس طرح بات کر رہی ہے۔''

جب انسان کے دل و ذہن پر شیطان ہی چھایا ہو تو وہ اپنے پرائے کی تمیز بھی بھول ہی جاتا ہے۔ اب وہ غصے میں اپنی ہی بیٹی کو ایسی بددعا دے رہی تھیں کہ جو لگے تو پھر پلٹے نہیں۔ اور ماں بھی تو ایسی کہ جو اپنی اولاد کو ہی نہ بخشے۔

''لیجیے مجھ سے نہیں پکائے جاتے یہ دال اور چاول اور قیمہ، اور اس قیمے کے اب آپ کباب بنائیں گی، کون کھائے گا اتنے کباب۔ اتنا ہی جی چاہ رہا ہے تو بازار سے منگوا لیتے، ہر قسم کے کباب مل جاتے ہیں۔''

''میں کر لوں گی سارے کام، تم جا کر فلمیں دیکھو۔''

انہیں غصہ آیا تو انہوں نے شرمین کو کچن سے نکال دیا۔

''آپ بھی تو ان دو کوڑی کے کاموں کے لیے مجھے خوار کرتی ہیں، سکینہ کو بلا لیں نا۔''

''بس میں نے کہا نا تم جاؤ، میں نمٹ لوں گی۔ جان ہلائی نہیں جاتی۔ زبان قینچی کی طرح چلتی رہتی ہے۔''

''ارے امی! کیا ہو گیا ہے؟ آصفہ سمجھ لیا ہے کیا مجھے جو چپ چاپ آپ کی جلی جلائی سن لوں گی، ابھی شور مچا کر گھر سر پر اٹھا لوں گی۔ بیٹی ہوں اس گھر کی، بہو نہیں ہوں۔ مجھ پر آپ کی حکومت نہیں چلے گی۔'' اس نے کہنے سننے کو اور کچھ نہ چھوڑا۔

''بس اب جاؤ بھی یا سر پر قیامت کی طرح سوار ہی رہو گی۔''

وہ ان کے سامنے سے چلی ہی گئی۔

وہ اپنے سب کام ختم کر چکی تھی تو یونہی کمرے کے باہر ٹہلنے لگی اور ٹہلتے ٹہلتے اس کی نظر اپنے کچن پر پڑی تو وہ رک گئی۔ اسے یاد آیا، شرجیل نے کہا تھا کھانے پکانے اور دوسری کچن کی چیزوں کی فہرست بنالے تاکہ مہینے بھر کا سامان اکٹھا آجائے، روزانہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے دوڑنے کا اس کے پاس وقت نہیں ہوتا تھا اور اپنی چیزوں کے لیے بار بار چوکیدار کو کہنا بھی اسے پسند نہیں تھا۔ شرجیل بھی کہتا تھا کہ گھر کا ڈسپلن خراب نہ ہو اور ایسا بھی نہ ہو کہ کوئی ہم پر اعتراض کر جائے۔

سو وہ کاغذ قلم لے کر فہرست بنانے لگی۔ اس کے کچن میں کام کل ہی مکمل ہوا تھا، بہت عمدہ قسم کا کچن نہیں بنا تھا مگر پھر بھی آٹھ دنوں میں ٹھیک ٹھاک بن گیا تھا۔ دیوار کے ساتھ چولہا فٹ کرنے کا کام تو دو دن میں ہی ہو گیا تھا، پھر روزانہ شام کو سہیل انکل کے آتے ساتھ ہی مزدور بھی آجاتے اور رات گئے تک کام کرتے کرتے کل تک کچن پورا بن ہی گیا تھا۔

سامان کی فہرست اور چیزوں کا اندازہ کرنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا لیکن پھر بھی اس نے بہت سوچ سمجھ کر ایک لمبی فہرست تیار کر ہی لی۔

''ارے اتنی ڈھیر ساری چیزیں، یہ تو پورا دن بازار میں ہی نکل جائے گا۔ اتنا ٹائم کہاں ہے میرے پاس آصفہ۔'' شرجیل فہرست دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''آپ دیکھ لیں، ساری ضرورت کی ہی چیزیں ہیں، آپ کہیں تو میں اپنی امی یا عاصمہ باجی کے ساتھ بازار چلی جاؤں۔ وہ کوئی اچھا مشورہ بھی دیں گی، مجھے تو ابھی اتنا تجربہ بھی نہیں۔'' اس نے بہت نرمی سے شرجیل سے پوچھا۔

''ارے مشورے تو ہماری امی تمہیں بہت اچھے اچھے دیں گی، لیکن ان کے ساتھ جانا تم پسند نہیں کرو گی۔''

وہ چپ ہی رہ گئی، یہ مرد اپنی ماؤں کے بھیانک رویوں کو چٹکی بجاتے میں بھول جاتے ہیں اور بیوی سے ہر حال میں یہ توقع رکھتے ہیں کہ ان سے تعلق بنائے ہی رکھے۔ شرجیل کا انداز اتنا عجیب تھا کہ بے زاری لہر بن کر اس کے پورے جسم میں پھیل گئی۔

''ٹھیک ہے، جب آپ کا آف ڈے ہوگا ہم چلے جائیں گے۔ راشن کی چیزیں بس جلدی چاہئیں۔'' اس نے بات کو ختم کرنا چاہا۔

''دیکھا، میری ماں کے نام پر تمہارا کیسا منہ بن گیا۔ دراصل تم عورتیں ساس کو کبھی ماں سمجھتی ہی نہیں ہو، جب ہی تو اس طرح کے حالات پیدا ہوتے ہیں۔''

اس کی ذہنی فطرت اور تربیت اس کا سب سے بڑا کمال تھی۔ وہ ایسی باتوں اور ایسے خیالات سے کبھی ہٹ کر نہیں سوچ سکتا تھا۔

''شرجیل! پلیز، ایک ذرا اس بات پر بحث کرنا اچھا نہیں لگتا نا۔ آپ نے کہا تھا فہرست بنالینا، میں نے بنالی۔ اب جس طرح آپ کو مناسب لگے، سامان لے لیں گے۔''

''ہاں بھئی، اب میں نے تمہیں الگ گھر بنا ہی دیا ہے تو تم اس میں میری ماں کا ذکر بھی کیوں پسند کرو گی۔

لیکن یہ نہ بھولنا آصفہ بیگم! کہ وہ میری تو ماں ہی رہیں گی۔ تمہیں اچھا نہ لگنے پر میں ان کا ذکر بند نہیں کر دوں گا۔"

وہ عجیب "ماں میتیا" بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ "مدر میتیا" (Mother mania) میں مبتلا شخص تھا۔ (بے چارے انگریزوں کو تو اکثر اپنی اصل ماں کا ہوش اور پتا ہی نہیں ہوتا، وہ اس اصطلاح کو کیا سمجھیں گے لیکن جب ہم لوگ ان کی زبان کو اتنا بے دریغ استعمال کرتے ہیں تو ہمیں اتنا تو حق حاصل ہے کہ ہم اپنی مرضی سے ایک اصطلاح ان کی زبان میں بنالیں)

"میں نے آپ کو کب روکا ہے شرجیل! آپ خوامخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔" وہ زچ ہوگئی۔

"ایک تو تم اتنی ہوشیار ہو، ہر بات شروع ہونے سے پہلے ہی اس کا اینڈ سوچ لیتی ہو، پھر مجھے اسے بڑھانے گھٹانے کی بھی اجازت نہیں۔ اب تم چاہو تو میں اپنی مرضی سے بات بھی نہ کروں۔"

وہ خود ہی اتنا لیچڑ اور چکنا گھڑا بن گیا تھا ورنہ جانتا تھا کہ اس کی امی اور آصفہ ابھی اس کے مطلب کے لیے ایسا کام نہیں کر سکتی تھیں، یعنی وہ مل کر بازار چلی جائیں۔ وہ دور رہنے کے لیے تو الگ ہوئے تھے، مزید یہ کہ اس کی بیوی، اس کی ماں کو ناپسند تھی مگر وہ بے وجہ آصفہ کو زچ کر رہا تھا اور ابھی تو آہستہ آہستہ آصفہ کو یہ اندازہ ہونا تھا کہ اس پر ظلم کرنا صرف عالیہ بیگم کے بس کی بات نہیں تھی۔۔۔ عورت کے ہر عمل کی انتہا کے پیچھے کہیں نہ کہیں مرد ضرور ہوتا ہے۔ عالیہ بیگم کے ظالم ہاتھوں کے پیچھے بھی کہیں شرجیل کی خاموشی تھی، کہیں اس کی بے حسی تھی اور کہیں اس کی خود ساختہ بے بسی۔

وہ اس کے سامنے سے اٹھ گئی۔ بالکل خاموشی سے کمرے میں اِدھر اُدھر پڑی دو چار چیزیں سمیٹ کر مصروفیت کی چادر میں چھپنے کے لیے وہ کوئی کام ڈھونڈنے لگی۔ مزاج کی اس انتہا پر اسے کچھ سوجھا بھی نہیں کرتا تھا۔ دو منٹ میں یوں لگتا جیسے وہ کوئی غائب دماغ سی لڑکی ہو اور جب لڑکیوں کی زندگی کا رخ ایسے ایسے بے درد موڑ کاٹا کرتا ہو تو دل و دماغ کا ساتھ چھوٹ ہی جاتا ہے۔۔۔ اور ابھی وہ صوفے کے کونے پر بے کار ٹک ہی جانے والی تھی کہ شرجیل کے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔

"تمہاری امی ہی کا فون ہے۔ لگتا ہے، پروگرام پہلے سے سیٹ ہے۔ مجھے تو صرف بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔"

"صرف نمبر دیکھ کر کر بجتی گھنٹی کے ساتھ اس نے موبائل آصفہ کو تھماتے ہوئے کہا۔ اسے ایک نظر دیکھ کر بٹن آن کرتے ہوئے اس نے ہیلو کہا۔

"جی امی السلام علیکم!"

"جی۔۔۔ بالکل ٹھیک ہے، اللہ کا شکر ہے۔"

(ہاں ہاں اللہ کا شکر ہے، اس بڑھیا سے چھٹکارا مل گیا، آپ کا "عمل" کام آیا)

"ہاں جی طبیعت بھی بالکل ٹھیک ہے، یہ بہت خیال رکھتے ہیں۔"

(ارے خیال کیوں نہ رکھیں گے، اب انہیں کرنے کو کام ہی کیا رہ گیا ہے) پیچھے سے منہ پھیرے یہ شرجیل بول رہا تھا اور اس کے دل و دماغ میں آگ سی بھر رہی تھی۔

"پلیز شرجیل! آپ کی آواز دوسری طرف جائے گی تو برا لگے گا۔" فون پر ہاتھ رکھ کر آصفہ نے

سنت سے کہا۔

''ارے! میں تو یونہی باتیں کر رہا ہوں، کیا تمہاری اماں نے منع کیا ہے کہ انہیں بات بھی نہ کرنے دینا۔''

کبھی کبھی شرجیل یوں بدل جایا کرتا تھا جیسے قطعی اس کا دوسرا روپ ہو۔ وہ بری طرح چڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

''ہاں ہاں، دور چلی جاؤ، آرام سے راز و نیاز کرلو۔'' وہ پیچھے سے پھر بولا، تو اس کے قدم کمرے کے دروازے میں ہی رک گئے۔

''بس امی! مجھے آپ کی آواز ٹھیک سے نہیں آرہی، کوئی ضروری کام تو نہیں۔'' اس کی اپنی آواز ٹھیک سے نہیں نکل رہی تھی، لہجہ بھرانے لگا تھا۔

''جی وہ تو گھر میں ہی ہیں، کیا وقار ابھی آرہا ہے دعوت دینے؟''

''ہاں ضرور آجائے، ہم لوگ تو فارغ ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔''

اللہ حافظ کہہ کر اس نے موبائل آف کر کے شرجیل کو تھما دیا اور پھر صحن میں آکر بیٹھ گئی۔ اس کا جی چاہا، پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ اس دوغلے، بہروپیے شخص سے بھاگ کر اتنی دور چلی جائے کہ کبھی پھر اس کے ہاتھ نہ آئے۔

ضبط کے اس پتھریلے میدان میں تنکے پاؤں دوڑتی دوڑتی وہ اکثر سوچتی کہ بس اب مر ہی جانے والی ہے۔ لیکن نہ مرتی تھی نہ جینے والوں کی طرح جی رہی تھی۔

''کون سی دعوت دینے آرہا ہے وقار! اور تم نے منع نہیں کیا۔ ہم لوگ تو جا رہے ہیں نا اپنے گھر کا سامان خریدنے۔'' دو منٹ کے بعد شرجیل اس کے پیچھے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''ہم کوئی سامان خریدنے نہیں جا رہے اور مجھے اپنے گھر کے لیے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' اس کا پورا وجود تپ رہا تھا۔ شوہر کے کون کون سے انداز وہ سہے۔

''ابھی تو اسی سامان کے لیے دیوانی ہو رہی تھیں۔ اب چلو لے آتے ہیں جو چیز مل جائے۔ تم نے اتنی محنت سے جانے کس کس سے پوچھ کر فہرست بنائی ہے۔''

کبھی آپ کا جی چاہا کہ ایسی بے تکی، فضول باتیں سوچنے والے کا دماغ کسی چولہے میں جھونک دیں مگر آپ ایسا کر نہیں سکتیں، سو اسی چولہے میں اپنے دل کو پھینک کر آجائیں۔

وہ پھر اٹھ کر اندر کمرے میں آگئی اور کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔ صحن میں کھڑے ہو کر اتنی باتیں کرنا بے وقوفی تھی، کوئی بھی کچھ سن سکتا تھا۔

''آپ مجھے پاگل سمجھ رہے ہیں، جس بات کا سر پیر نہیں ہے، اس پر بے وجہ بولے چلے جا رہے ہیں۔ آخر کس سے مشورے کروں گی میں، ان دیواروں سے یا اس چھت سے۔ نہ کہیں آتی جاتی ہوں، نہ گھر میں فون ہے۔ بھلا کس کے ساتھ پروگرام بناؤں گی اور کون مشورے دے گا مجھے۔''

''دیکھا کیسی چابی بھر گئی ہے نا بیگم آصفہ کے وجود میں، فٹافٹ بات منہ سے نکل رہی ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو میری ہر بات کے جواب میں خاموش تھیں۔ صرف اپنی ماں سے بات کر کے تمہارے اندر

کیسا جوش آ گیا۔'' اس کی نروز (nerves) کو کیسے انگاروں پر رکھ کر وہ اسے آزما رہا تھا۔

''اللہ کے واسطے شرجیل! اب ختم کریں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آخر آپ کو کیا بات بری لگی ہے۔ عجیب دماغ ہے آپ کا، پل میں بدل جاتا ہے۔'' بات نہ بڑھنے کی اس کی ہر کوشش بے کار جا رہی تھی۔

''پاگل ہوں میں اور کیا، تمہیں اب تک خبر ہی نہیں ہوئی؟'' وہ مایوس ہو کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور پھر کچھ دیر بعد خود ہی ہمت کر کے اٹھی۔

''بس اب چھوڑ دیں ہر بات کو، کپڑے وغیرہ چینج کر لیں، ابھی وقار آ جائے گا۔ طلعت کی شادی کی تاریخ لینے آئیں گے اس کے سسرال والے سوا لگے جمعہ کو بڑے ماموں کے ہاں دعوت ہے۔''

اس نے بہت کوشش سے اپنا لہجہ نارمل کر کے شرجیل کو بات اور موڈ بدلنے پر مجبور کیا۔

''مگر تم نے منع کیوں نہیں کیا وقار کو، ہمیں راشن تو ضروری آج ہی لینا تھا۔''

''بھئی! امی جان نے کہا کہ وہ آ رہا ہے تو میں منع کر دوں کہ نہ آئے، کتنا برا لگتا ہے نا۔'' سر ہلا کر شرجیل باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

''میں نہانے جا رہا ہوں۔'' اور جتنی دیر تک وہ شاور کھولے خود پر پانی برساتا رہا، اتنی ہی دیر آصفہ کی آنکھوں سے پانی بہتا رہا۔

وقار آیا اور دعوت دے کر چلا گیا۔ شرجیل نے اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جیسے خود بڑا نیک، شریف اور تہذیب یافتہ انسان ہو، جو غلطی سے آصفہ جیسی بے کار لڑکی کا شوہر بن گیا ہو۔

''اب ٹھیک ہے آصفہ! اس طرف کی مشکل سے تو تمہاری جان چھوٹ گئی۔ یہاں اطمینان سے رہتی ہو نا؟''

دو منٹ کے لیے شرجیل اٹھ کر واش روم میں گیا تو وقار نے بہت دھیمی آواز میں بہن سے پوچھا۔ اسے خوشی ہی ہوئی تھی کہ آصفہ کو عالیہ آنٹی سے تو چھٹکارا مل گیا مگر آصفہ سوچ رہی تھی کہ بھائی سے کہے سب سے بڑی ''مشکل'' سے تو میرا بیاہ ہوا ہے، بھلا مشکل سے میری جان کیسے چھوٹ سکتی ہے۔

اس کی بہت عجیب سی نظر، بے ارادہ واش روم کے دروازے پر جا کر ٹھہر گئی۔ شرجیل کی طرف اس کا اشارہ وقار کو کچھ بھلا نہ لگا۔ وہ بے چین سا ہو گیا، کبھی کبھی انسان اپنے دکھ اور درد سے اتنا بوکھلایا ہوتا ہے کہ زبان سے نہیں تو، نظروں سے ہی عیاں ہو جاتا ہے۔ اس کا اشارہ بے اختیار تھا لیکن اس کو جھٹلانے کی اس نے فوراً ہی بھرپور کوشش کی۔

''اس طرف تو کوئی مسئلہ ہی نہیں وقار! میں اپنے کام سے کام رکھتی ہوں اور شرجیل بھی میرا پورا خیال رکھتے ہیں۔ بس سارا دن اکیلے رہنا پڑتا ہے۔'' وہ بات پوری کر کے ہنسی تھی اور اسی وقت شرجیل بھی آ گیا لیکن وقار کے دل میں خدشہ سا جاگ اٹھا، حالانکہ پھر آصفہ آخر تک ہنسی بولتی رہی تھی۔

اس کے جاتے ہی شرجیل نے کہا۔

''میں امی کے پاس جا رہا ہوں، تم چلو گی؟''

اس کا جی ہرگز نہ چاہ رہا تھا لیکن اس کو بہت سی باتیں سوچنا پڑیں۔ شرجیل کا مزاج ویسے ہی بگڑا ہوا

تھا۔ اکیلا جاتو تو سونے پر سہاگہ تھا۔

وہ بے دلی سے اس کے ساتھ ہو گئی۔ گیٹ سے نکل کر سیدھا چلتے چلتے وہ پہلے سڑک کی طرف نکلا تھا تو وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

''آؤ، پہلے میں تمہیں فریش جوس پلاؤں۔'' خوش گوار مزاج کے ساتھ وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے ہمیشہ اتنا اچھا ہی اس کا مزاج رہا ہو۔

''نہیں، میرا دل نہیں چاہ رہا۔''

''ارے! دل کیسے نہیں چاہ رہا، تمہیں تو ضرورت بھی ہے۔''

وہ پھر نہ الجھی۔

اسے خبر نہ ہوئی کہ جانے کب، صبح یا شام اپنی ماں کے پاس آتے جاتے شرجیل نے ان کے گھر کے لیے راشن لینے کی ذمہ داری اپنی ماں کو سونپ دی۔

''دیکھو، مجھے وقت نہیں ملتا اور تمہیں بھی، ابھی اندازہ نہیں، دس بار تو سوچتی ہو کہ کون سی چیز لینی چاہیے اور کون سی نہیں۔ امی جان تو اپنا سامان لینے ڈرائیور کے ساتھ جاتی ہی ہیں، ہمارا بھی لے آیا کریں گی۔''

شرجیل کے اسٹائل پر وہ حیران ہی رہ گئی۔ وہ کتنے مزے سے بالکل اجنبی بن جایا کرتا تھا۔

''لیکن ہر گھر کی ضروریات تو الگ ہوتی ہیں نا، جو چیزیں امی اپنے گھر کے لیے لیتی ہیں ضروری تو نہیں کہ ہمیں بھی اسی سامان کی ضرورت ہو۔''

''مجھے پتا تھا، مجھے خبر تھی کہ تم اعتراض ضرور کرو گی۔ میں نے تمہارے لیے گھر کے سامنے ایک دیوار کیا کھڑی کر دی ہے، تم نے تو اسی دیوار کو اپنے دل میں بھی بہت اونچا اور مضبوط کر لیا ہے۔ ارے بھئی! امی جان سے ہم ناتا توڑ کر تو نہیں بیٹھ جائیں گے۔ آخر انہیں یہ احساس دلانا بھی لازمی ہے نا کہ ہمارے دل میں ان کی قدر اور اہمیت اب بھی وہی ہے۔''

(لیکن منہ کے نوالے پر وہی ان کی پہریداری بٹھا کر ہم کون سی ان کی قدر بڑھا لیں گے۔ شاید اسی کھانے پینے کی مصیبت پر زیادہ دکھی ہو کر ہم الگ ہوئے ہیں) وہ چپ چاپ شرجیل کا منہ تکتے ہوئے یہ سب سوچے گئی۔ دراصل ''بھوک'' کے لمبے دن اور اپنے ندیدے پن کے احساس کو یاد کر کے اس کا دل کانپ سا گیا۔ وہ کہنا سننا بھول گئی، حالانکہ اس کا احساس شرجیل کو دلانا چاہیے تھا، وہ خاصا بے حس آدمی تھا۔

''بھئی آصفہ! اس طرح تمہارا گھر نہیں چلے گا۔ تم ہر چھوٹی بڑی بات پر بُرا مان جاتی ہو۔''

شرجیل کی بات کی بالکل نہ پروا کرتے ہوئے اس نے کہا۔ اس کی کہی گئی بات پر افسوس کرنے لگتی تو یہ بات ادھوری رہ جاتی۔

''ارے بھول گئیں، ساتھ جانے کا مشورہ تو میں نے دیا ہی تھا اور تمہیں کیسا کرنٹ لگا تھا۔''

سچ مچ وہ بھول گئی تھی بلکہ اسے بھلایا گیا تھا۔ شرجیل نے الٹا کارنامہ ہی ایسا دکھایا تھا۔ وہ ان سے

بچ کر رہنا چاہتی تھی، اس لیے تو ساتھ جانے پر کترائی تھی، اب وہ مکمل ذمہ داری ہی انہیں سونپ آیا۔

''دیکھیں، اپنے گھر اور اپنی ضرورتوں کا مجھے زیادہ پتا ہوگا، نئے سرے سے مشکلوں کو آپ پھر آواز دے رہے ہیں۔''

سچ ہی تھا، نئے سرے سے اپنی ماں کی فطرت کو جگانے کا وہ خود موقع دے رہا تھا، لیکن یہی بات گر اس کی سمجھ میں آ گئی ہوتی تو وہ ایسی حرکت کرتا؟ وہ تو بس آصفہ کی بات پر تپ کر آپے سے باہر ہو گیا۔

''اپنی ماں کے بارے میں تمہارے منہ سے ایسی باتیں سنتا ہوں تو میرا جی چاہتا ہے تمہارا گلا گھونٹ دوں۔ شادی کر کے کیسے عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں میں۔ کیا خبر تھی زندگی یوں گھر کے اس کونے میں بے یار و مددگار پڑے رہ کر گزارنی پڑے گی۔''

اس کا اپنا جی چاہ رہا تھا کہ سر پھوڑ لے۔ شاید یہ شادی سچ مچ ان دونوں کو راس نہ آئی تھی۔

''دیکھو! اگر تمہیں اپنی من مانی کرنی ہے تو اپنی ماں کے گھر جا کر کرو، میرے گھر سے دفع ہو جاؤ، سمجھیں۔''

اس نے تو یہ سمجھا تھا شرجیل نرم دل اور بھلا انسان ہے۔ صرف اپنی ماں کی وجہ سے دباؤ میں آ کر اس سے غیر انسانی سلوک کرتا ہے اور اب۔۔۔ ساس ظالم تھی تو الگ گھر بنا کر اس سے پیچھا چھڑا لیا اور شوہر ہی ظالم نکلے تو۔۔۔

وہ اپنے بستر میں سر پر ہاتھ رکھ کر لیٹ گیا اور وہ صوفے کے کنارے پر بیٹھی خالی نظروں سے چھت کو تکتی رہی۔ اس نے کہہ دیا ''دفع ہو جاؤ'' اور پھر بھی وہ ڈھیٹ بنی اسی کے گھر میں اس کی چھت تلے بے غیرت بنی پڑی ہوئی تھی۔ عورت کی مجبوری اور مرد کی اپنے اختیار سے بڑھی ہوئی خود مختاری مگر اس کے لیے کوئی قانون کبھی نہیں بنا۔ یہ جتنا جی چاہے مجبور ہو لے اور وہ اپنے اختیارات کا جتنا ناجائز استعمال کرنا ہو کر لے۔

''سو جاؤ اب، اس طرح کیا سر پر سوار ہو۔'' تھوڑی دیر گزری تو کروٹ بدلتے ہوئے شرجیل نے اسے ٹوکا۔

''میں اس کونے میں بیٹھی ہوئی آپ کے سر کو تو کچھ نہیں کہہ رہی۔'' وہ جھنجلا گئی۔

''بھئی! مجھے ٹینشن ہو رہی ہے تمہارے اس طرح بیٹھنے سے۔'' اس کا دماغ تو بہت گھوما لیکن وہ بولی کچھ نہیں، بس وہیں بیٹھی رہی۔

''آصفہ! سنا نہیں، میں کہہ رہا ہوں سو جاؤ۔'' وہ اپنی ''پرسکون نیند'' کی خرابی پر جھلا رہا تھا۔

''اب ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ میں بیٹھوں اور لیٹوں بھی آپ کی مرضی سے۔ مجھے جب نیند آئے گی تو میں بھی سو جاؤں گی۔ آپ سر منہ لپیٹ کر سو جائیں۔''

اس نے دیکھا شرجیل چڑ رہا تھا، تپ رہا تھا لیکن اس نے پروا نہ کی، وہ کون سا اس کا بہت خیال رکھنے والا ثابت ہوا تھا۔ وہ یونہی پوری آنکھیں کھولے چھت کو گھورتی رہی۔ وہ بہت دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتا رہا، بہت دفعہ اٹھ کر اسے آنکھیں بھی دکھائیں لیکن غصے میں تنی آصفہ بھی انجان ہی بنی رہی۔

حقیقت یہ تھی کہ اگر کوئی لاپروا اور بے حس مرد ہوتا تو کب کا گہری نیند سو چکا ہوتا، لیکن شرجیل کے دل میں احساس تھا جذبے کی کوئی چنگاری تھی اور فطرت پر، ضمیر کا زور تو چلتا ہے، سو وہ بُرا بنتا تھا اور بُرا بن کر پچھتاتا بھی تھا۔

یک دم وہ اٹھا، چادر اور تکیہ بستر پر ہی پھینکا اور وہیں صوفے پر دوسرے کنارے پر بیٹھ گیا۔

''ٹھیک ہے، ہم دونوں بیٹھ کر جاگتے ہوئے رات گزارتے ہیں۔''

وہ پھر بھی بے پروا بنی رہی، حالانکہ اسے خیال آیا کہ شرجیل کو صبح اسپتال بھی جانا ہوگا، بے چارہ تھک جائے گا تو خوار ہو جائے گا۔ لیکن اپنی حرکتوں پر اسے خوار ہونا ہی چاہیے۔

گھڑی کی سوئیاں بہت آہستگی سے بڑھ رہی تھیں۔ یوں وقت کاٹنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا پھر دروازہ کھول کر باہر کی طرف لپکا تو آصفہ بولی۔ ''باہر مت جائیں۔''

''کیوں، تم کیا مجھے روک لوگی؟'' اس کا لہجہ بھی تنا ہوا تھا۔

''ہاں، رات بہت ہوگئی ہے، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' ان دو گھروں کے درمیان پھیلے اس لان کے راستے کا خوف اس پر پہلے دن سے طاری تھا۔

''تو دروازہ بند کر کے بیٹھ جاؤ، میں امی کے پاس جا رہا ہوں۔'' سیدھی سی دھمکی دیتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

وہ ایک جست لگا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور شرجیل کے راستے میں آن کھڑی ہوئی۔

''آپ ساری عمر کیا مجھے اسی طرح بلیک میل کرتے رہیں گے۔''

اس کا لہجہ تیز تھا اور انداز بھی چست، لیکن آنکھوں میں امڈتا پانی ہر چیز کو دھندلا کرتا سارے منظر کو کھوٹا کر رہا تھا۔

''ساری عمر۔'' وہ طنز سے ہنسا

''آصفہ بی بی! جن کے دن گن گن کے کٹتے، مرتے گزرتے ہوں، ان کی عمر کہاں گزرے گی۔''

عجب انداز میں اس نے کہا کہ آصفہ کا رواں رواں کانپ گیا۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح گرتے پڑتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئی اور اپنے بستر پر اوندھی لیٹی تو ڈھیر سارے آنسو نکل پڑے۔ وہ بری طرح تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

''کون مر گیا ہے جو آدھی رات کو اس طرح رو رہی ہو۔'' خواب میں بھی شرجیل کا تپا ہوا، انگارہ بنا ہوا چہرہ اسے ستانے لگا۔

وہ دکھ کی عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو کر رہ گئی تھی۔

کبھی زندگی یوں ستاتی ہے۔ جلاتی ہے کہ کوئی حل، کوئی راستہ اسے بھی نہیں سوجھتا۔

آنکھوں میں رہا، دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے کبھی سمندر نہیں دیکھا

شرمین کے رشتے کی بات تقریباً طے ہونے والی تھی، وہ دو ایک بار اپنی ساس کی طرف گئی تھی تو باتوں میں اس نے سنا تھا۔

اور ابھی اس کے دل میں یہ جملہ بھی بہت خوف پھیلا رہا تھا۔

''شرمین کا رشتہ طے کرتے بہت ڈرتی ہوں، یہ چلی گئی تو ہم دونوں بوڑھے میاں بیوی کا اس بڑھاپے میں کون آسرا ہوگا۔''

دراصل آصفہ بہت سی چیزوں سے نمٹنے کے بجائے ان کو اپنے اوپر طاری کر لیتی تھی اور پھر دل میں دھک دھک کے ساتھ ''کھٹ کھٹ'' کے شور میں حالات سے وہ اچھی طرح نبرد آزما نہ ہو سکتی تھی۔ اپنے دفاع کے لیے ہر عورت کو عقل کا انتہائی استعمال ضرور کرنا پڑتا ہے، نہ کریں تو نقصان ہی ہوتا ہے۔

''ارے بھئی! سنا تم نے۔ ثاقب امریکہ جا رہا ہے مگر چھوڑو، تم نے کہاں سنا ہوگا۔ تمہیں تو ادھر کے حالات کی کچھ خبر ہی نہیں رہتی۔'' عاصمہ باجی کہہ کر ہنسنے لگی۔

شرجیل نے آج صبح بڑی دریا دلی دکھاتے ہوئے اس سے خود ہی کہا تھا کہ تیار ہو جائے تو اسے امی کے گھر چھوڑ دے گا۔

''میں اسپتال سے آ کر خود ہی تیار ہو کر دس بجے تک آ جاؤں گا۔ تم عین وقت پر جاؤ گی تو برا لگے گا۔ طلعت تمہاری بیسٹ فرینڈ ہے نا۔''

شرجیل کے اچھے اور برے رویّوں میں اتنا واضح فرق تھا کہ وہ خود اکثر سوچنے بیٹھ جاتی کہ وہ کہاں تک درست جائے گا اور پھر کہاں ٹھیک سے جائے گا۔

اور پھر اس کے ننھیال کی روایت یہ تھی کہ دوپہر کے بعد چار بجے تک سب بہن بھائی اپنے بچوں سمیت، بڑے ماموں کے ہاں جمع ہو جاتے تھے۔ سو وہ بھی دوپہر کو ہی امی کے ساتھ ماموں جان کے ہاں آ گئی۔ وہاں زندگی کا لطف ہی الگ تھا۔ محبت کی ایسی فراوانی اور لٹانے میں کوئی بھی بے ایمانی نہیں کرتا تھا، سو بس پیار کی پھوار برستی ہی رہتی تھی۔

''اچھا! مگر کیوں؟'' اسے واقعی کسی ''خبر'' کی اطلاع نہ تھی۔

''کیوں کیا مطلب۔ پڑھنے جائے گا۔ اس کا وہاں انجینئرنگ کالج میں داخلہ ہو گیا ہے۔''

سنبل نے اسے تفصیل بتائی تو وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔ شرجیل نے بھی تو امریکہ جانے کی بات کی تھی۔ اس کا تو دوبارہ اس طرف دھیان ہی نہ گیا تھا۔ حد ہے بندہ یوں پھنسے کہ اپنی اہم بات بھلا کر بیٹھا رہے۔ وہ بری طرح بے زار ہو گئی۔ اپنے دھیان پر ہی خفا ہو گئی۔ بھلا یوں ایسی باتیں بھول جانے کی ہوتی ہیں۔

''آصفہ! تم بتاؤ، شرجیل بھائی کے اب کیا ارادے ہیں۔ سنا ہے تم نے اپنا کچن الگ کر لیا ہے۔'' ثنا آپا اس سے پوچھ رہی تھیں۔

''جی بس شرجیل نے اپنی مرضی سے کیا ہے۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کام اچھائی میں ہوا ہے یا برائی میں۔

''اچھا ہے، اس فیصلے میں بہت بہتری ہے۔''

وہ مطمئن ہوئی کہ اس کا عمل ''برائی'' نہیں کہلایا، مگر اسی سوال کو آگے بہت سے لوگ اس سے بہت

الگ الگ انداز سے پوچھنے والے تھے۔

''آصفہ بیٹا! ایک اچھی سی چائے تو پلانا۔'' سہیل انکل رات کو اکثر دونوں میاں بیوی کے پاس آتے تھے لیکن چائے وغیرہ کی فرمائش کبھی نہ کی تھی۔

''ابھی بنا دیتی ہوں انکل!'' وہ اٹھ گئی۔ اسے خیال ہوا کہ انکل صرف اسے باپ بیٹے کے درمیان سے اٹھانے کی خاطر چائے کے لیے کہہ بیٹھے تھے۔ شاید شرجیل سے کوئی بات کہنے آئے تھے۔

''وہ نہ مانا تو شاید ایک آدھ دن میں رک بھی جاؤں پھر تم ذرا اپنی ماں اور بہن کا خیال رکھنا۔''

وہ چائے بنا کر کمرے کی طرف آئی تو انکل کی یہ بات اس نے سنی۔ وہ چائے دینے لگی تو ان دونوں نے بات روک دی پھر وہ سامنے بیٹھی نہیں، بے وجہ ادھر ادھر کمرے سے چیزیں سمیٹنے لگی۔ الماری سے تولیہ باتھ روم میں اور باتھ روم کا تولیہ میلے کپڑوں کی بالٹی میں ڈالتے اس نے سنا شرجیل کہہ رہا تھا۔

''اگر آپ کہیں تو میں چلا جاؤں اور اسے زبردستی کھینچ کر لے آؤں گا۔''

''نہیں، میرا نہیں خیال کہ وہ تمہاری بات مانے گا، پھر آصفہ کی طبیعت بھی خراب ہے نا، وہ اکیلی ہو جائے گی۔'' وہ چائے پینے لگے تھے۔

''آصفہ کا کیا ہے، اسے میں اس کی ماں کے گھر بھیج دوں گا۔ وہ تو الٹا خوش ہی ہو جائے گی۔''

''ابھی مجھے جانے دو، میں صبح نو بجے کا ٹکٹ بھی لے آیا ہوں۔'' آصفہ سمجھ گئی کہ وہ رویل کے پاس اسلام آباد جانے کی بات کر رہے ہیں۔

''خیال تو میرا یہی ہے کہ رات آٹھ نو بجے تک واپس آجاؤں گا لیکن اگر دیر سویر ہوئی تو میں تمہیں فون کر دوں گا پھر اپنی ماں کو کچھ کہہ کر سمجھا لینا۔''

''میرا خیال ہے کہ انہیں بتا کر جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے ابو!''

''حرج تو کوئی نہیں مگر بس اس معاملے میں میری اس سے ناراضی ہے، اس نے قصور کیا ہے اور مانتی بھی نہیں کہ اس کی غلطی ہے۔'' وہ ان کی بات سن کر ہنس دیا۔

''ابو! اپنی غلطی مان لینا تو ان کا مزاج ہی نہیں ہے نا۔''

''دیکھو تو یہ دنیا اتنی عام سی ہے اور ہم نے کیا کچھ نہ خاص خاص اس کے لیے سوچ رکھا تھا۔''

''ہاں، ہماری ماؤں نے تو سدا ہمیں اچھی دنیا میں، اچھے طریقے سے رہنے کے اتنے اچھے اچھے انداز سکھائے تھے۔ اب ان کو سوچو تو ہنسی آتی ہے۔ نفاست پسندی کے سارے ہنر نفس پسندی کی نذر ہو گئے۔''

وہ رات کو گہری نیند میں ایک خواب میں الجھی ہوئی تھی۔ آج اس نے طلعت سے ہر بات اپنے دل کی کہہ دی تھی۔ زندگی کا ہر دکھ، ذہن کا ہر بوجھ اس سے شیئر کر لیا تھا۔

اور وہ صرف اس کے لیے بنی، اسی کو سنتی، اس کی ہر بات میں ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔ اس کی اپنی کوئی بات نہ تھی، اس کا اپنا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ بس آصفہ ہی اس کے اندر باہر لپٹی ہوئی تھی۔

''ہاں آصفہ! دنیا کو ہم نے جس طرح دیکھا ہے وہ بالکل الگ ہی ہے، اس سے باہر جانے محبت اور مروّت کے کوئی جذبے ہیں کہ نہیں۔''

''کچھ نہیں ہے کیونکہ لوگ سچ نہیں بولتے، سچ سنتے بھی ہیں۔ یہ شرجیل کو ہی دیکھ لو، خود منہ سے کہتا ہے کہ اس کی ماں اپنی غلطی کو نہیں مانتی اور میں نے ذرا کہہ دیا کہ امی جان گھر کے سودے کی چیزوں میں چینی نہیں لائیں تو کہنے لگا ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ انہوں نے خود کہا ہے، ہر چیز پوری ہے تو میں نے اسے سامان بتایا کہ خود ہی دیکھ لے۔ تو بضد ہوا کہ نہیں، امی جان تو لائی ہوں گی۔ تم خود کہیں رکھ کر بھول گئی ہوگی۔ ارے میں کہاں چھپالوں گی۔ وہ لائی ہی نہیں، ہاں! مگر اب وہ اپنی غلطی مانیں گی تھوڑی۔ اور بس اس نے میرے منہ پر تھپر جڑ دیا کہ میں نے اس کی ماں کے بارے میں ایسی بات کہی کیسے۔۔۔! رات کو کہنے لگا تمہارے لیے تو میں چینی کی پوری فیکٹری لگادوں گا۔''

''تمہیں اس کا ہاتھ روکنا چاہیے آصفہ! مار کیوں کھالیتی ہو۔''

''میں بھی یہی سوچتی ہوں مگر نہ اسے کبھی روک سکتی ہوں نہ اتنا شرمندہ کرسکتی ہوں کہ وہ آئندہ کے لیے باز رہے۔''

''بس اب اگر وہ ایسی حرکت کرے نا تو تم شور مچا دینا، پورے محلے کو اکٹھا کرلینا پھر اس کی عقل ٹھکانے آجائے گی۔''

طلعت اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے ہمت دے رہی تھی اور وہ سر ہلا کر عہد کر رہی تھی۔

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ اب میں ایسا ہی کروں گی۔'' پھر وہ دونوں سہیلیاں ہنسنے لگیں۔

ایسی وہ خواب میں مگن ہوئی تھی کہ صبح اس کی آنکھ ہی نہ کھلی۔

اور آنکھ اس وقت کھلی جب شرجیل کی ہیبت ناک چیخ برابر سے سنائی دی۔

''تم عجیب جاہل عورت ہو۔ پڑی سوتی رہتی ہو، میرے ہسپتال کا وقت نکل رہا ہے۔''

شرجیل نے اسے اتنی بری طرح جھنجھوڑا اور ساتھ ہی بڑبڑانا شروع کیا کہ اس کے سارے حواس ایک ساتھ جھنجھلا گئے۔ گھڑی دیکھ کر خود اس کے منہ سے نکلا۔

''اوہ ساڑھے آٹھ!'' یوں بے خبر سی نیند، شاید اس گھر میں آکر وہ پہلی بار ہی سوئی تھی۔

بس کچھ بھی نہ کہتے ہوئے وہ فوراً کچن میں بھاگی، چائے کا پانی چڑھایا، جلدی سے ٹوسٹر نکالا کہ شرجیل کے لیے ڈبل روٹی سینک لے گی، لیکن ڈبل روٹی کے باکس میں تھیلی کے اندر صرف ایک ڈبل روٹی کا سلائس اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

امی جان! ڈبل روٹی بھی روزانہ منگوا کر نہ دیتی تھیں۔

''بھئی! تم دو تو لوگ ہو، ایک ڈبل روٹی تو تین چار دن چل جایا کرے گی مگر خیر ہر دوسرے دن منگوالیا کرو۔''

انہوں نے اپنے ہی حساب کتاب سے حبیب خان کو ان کے گھر کا روزانہ کا ناشتا بھی لکھوا دیا تھا اور اس میں کسی چیز کی کمی بیشی کی آصفہ کو اجازت نہ تھی۔

''آصفہ! روٹی بھی تو روز پکاتی ہے۔''

گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے لیے ماں کے پاس آتے جاتے شرجیل کے کان میں روزانہ ایسی باتیں ڈالی جاتی تھیں۔ اب اس پروگرام میں یہ کہیں نہیں لکھا تھا کہ رات کو بھوک لگنے پر شرجیل سینڈوچ بنوا کر کھالے اور کسی دن ایمرجنسی پڑنے پر صرف ڈبل روٹی کی ضرورت محسوس ہو تو وہ کیا علاج کرے۔ کچھ نہیں، بس جلدی سے آٹا گوندھے، روٹیاں پکائے اور شوہر کی صلواتیں سنے۔

''آصفہ! ارے بھئی آصفہ! آدمی تمہیں پکارتا مر ہی جائے۔ لیکن کسی صدا پر دوڑ کر آنے والی نہیں ہو۔''

وہ بہت مشکل میں تھی۔ ایک چولہے پر دودھ ابل رہا تھا، ایک پر توا گرم ہونے کے لیے رکھ چکی تھی، چائے تیار تھی، اسے چھاننا تھا اور ہاتھ گوندھے گئے آٹے میں لتھڑے پڑے تھے اب پہلے ہاتھ صاف کرنا ضروری تھے چولہوں کو اعتدال کی پوزیشن پر لانا اور پیچھے سے شرجیل جان نکالنے والا تھا کہ وہ اس کی پکار پر دوڑی نہیں تھی۔

حیرہ جتنی تیز رفتاری دکھا سکتی تھی، دکھائی اور کمرے میں گئی تو شرجیل آدھی سے زیادہ الماری کے کپڑے پلنگ پر پھیلائے چلا رہا تھا کہ میرے کپڑے کہاں ہیں۔

''آپ کے کپڑے تو سامنے صوفے پر نکال کر میں نے رکھے ہیں، روز تو یہیں رکھتی ہوں۔''

''میں سمجھا، آج تمہارے پاس وقت ہی کہاں تھا، کپڑے مجھے ہی نکالنے پڑیں گے۔'' وہ چڑ گئی۔ شاید اللہ تعالیٰ نے اسے چڑنے اور گوندھنے کے لیے ہی بنایا تھا۔

''اچھا موزے اور جوتے دے دو، اتنی دیر سے آوازیں دے رہا ہوں۔''

''ناشتا ہی بنا رہی ہوں آپ کے لیے، آٹا گوندھ رہی تھی۔''

''اب تم آٹا گوندھو گی اور روٹیاں بناؤ گی، اتنا وقت کہاں ہے میرے پاس، اپنا ناشتا تم ہی بیٹھ کر کھانا۔'' بے دردی سے کہہ کر اس کا دل جلایا۔

''آپ تیار ہو کر آئیں تو سہی۔'' جوتے موزے اس کے سامنے رکھ کر وہ پھر بھاگی۔

چائے، دودھ، ہاف بوائل انڈہ سب کچھ میز پر رکھ کر جب وہ روٹی توے پر ڈال رہی تھی تو شرجیل آیا۔

''دیکھو، اب بھلا میں اس روٹی کے پکنے کا انتظار کروں گا۔ میں نے کہا نا رہنے دو، نو بجنے میں صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔''

حالانکہ پونے نو بجے تھے۔ مگر شرجیل ''اللہ حافظ'' کہہ کر گیٹ کی طرف چلتا بنا۔

''سب کچھ تیار تو ہے پانچ منٹ ہی رک کر ناشتا کر لیں۔'' وہ ایک بار پھر شرجیل کے پیچھے بھاگی۔ رکنا تو اسے تھا ہی کیونکہ بھوک اس کی کمزوری تھی، لیکن روٹی چھوڑ کر بھاگی ہوئی آصفہ پلٹی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ روٹی تو جل چکی تھی اور شرجیل اس وقت غصے سے باولا ہو گیا، آنکھیں پیشانی پر چڑھائے بالکل دوسرا مرد بنا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

تیزی سے کام کرتے اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور آنکھیں بھیگنے لگیں مگر پھر بھی وہ جلدی سے دوسری روٹی بیلنے میں لگ گئی۔

''کچھ خدا کا خوف کرو آصفہ! میں بہت لیٹ ہو گیا ہوں۔ ڈبل روٹی دے دو نا۔''
''ڈبل روٹی ختم ہو گئی ہے نا، رات کو سینڈوچ بنائے تھے۔''
''دو سینڈوچ میں نے کیا کھائے، اس کا بھی تم مجھے طعنہ دے رہی ہو۔''
وہ بحث کرتی، الجھتی بہر حال روٹی پکا چکی تھی، فوراً اس کے سامنے رکھ دی اور دوسری روٹی بنانے لگی۔

اس نے کھڑے کھڑے ہی روٹی اور انڈے کا نوالہ بنایا اور منہ میں ڈال لیا۔
''بیٹھ تو جائیں۔'' آصفہ نے ٹوکا۔
''بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔'' دو تین نوالے کھاتے ہی اس نے چائے اٹھائی اور پیالی منہ سے لگالی۔
''بیٹھ جانے میں کتنا وقت لگتا ہے شرجیل! ہاضمہ خراب ہو جائے گا۔''
شوہر صاحب نے اس کے دل، دماغ، جسم اور روح تک کو زخمی کر ڈالا تھا اور اب بھی وہ مشرقی عورت کی وفاداری کا علم اٹھائے ''پیا پیا'' کے گیت گانے میں لگی ہوئی تھی۔
''زندگی خراب ہو چکی ہے، تم ہاضمے کو رو رہی ہو۔'' اس نے ہاتھ میں تھامی چائے کی پیالی پوری قوت سے زمین پر دے ماری۔
''یہ پھیکی چائے تم مجھے پلا رہی ہو۔'' وہ بری طرح دانت پیس رہا تھا۔
''چینی نہیں ہے نا گھر میں، میں نے آپ کو بتایا تو تھا۔''
''خوب بدلہ لیا تم نے، آج ہی چینی نہیں، ڈبل روٹی نہیں ہے، بہت پہنچی ہوئی چیز ہو بی بی آصفہ! خوب پلان بنایا تم نے کہ آج ہی شوہر کو اتنا ستا لو کہ کم بخت کے ہوش ٹھکانے آجائیں کہ رات کو آتے ہوئے چینی کی بوری کندھے پر لادے بیوی کے قدموں میں ڈال دے اور گھر کے لان میں ہی نواب زادی کے لیے بیکری کھلوا دے۔ اونہہ مائی فٹ۔''
وہ ہر چیز کو ٹھوکر میں رکھتا گھر سے باہر نکل گیا اور آصفہ دونوں ہاتھوں میں سر کو تھامے سوچتی رہ گئی کہ زندگی کی یہ ادا کہاں سے شروع ہوئی تھی۔

''چلو، جلدی سے اچھی طرح تیار ہو جاؤ، روحیل آیا ہے۔ اس سے اچھی طرح ملنا اور کسی بات کی وضاحت اور بحث میں نہ پڑنا۔''
''اوہ روحیل آیا ہے۔'' اسے سچ مچ خوشی ہوئی اور اسے نہ بھولنا تھا، نہ بھولنا چاہیے تھا لیکن صبح کی ہر بات بھول کر وہ شرجیل کے حکم پر اچھی طرح تیار ہو گئی۔
روحیل کے سامنے اپنے شوہر کی عزت بڑھانا اور اس کے پچھلے رویے کے برے اثر کو مٹانا اس کا فرض تھا۔
دیکھ لیں کہ زیادتیوں کو بھول جانا اور دکھوں کو یوں دل کی زمین کھود کر دفن کر دینا آسان نہیں ہے مگر لڑکیاں جب شوہر کو مجازی خدا مان لیتی ہیں تو بس ماننے ہی ماننے کے چکر میں ساحل کی ریت پر مٹی کے گھروندے بنانے جیسی چھوٹی چھوٹی آرزوؤں تک کو بھول جاتی ہیں۔ بس وہ نصیب کو زور مان کر چلتی

رہتی ہیں اور اندھا دھند خواہشوں کو پہاڑوں کی چوٹیوں سے گراتے ہوئے سیدھی چلتی چلی جاتی ہیں۔ ہم اور آپ انہیں بے وقوف کہتے ہیں، ان کی کھوج کرتے ہیں کہ آخر کیا مصیبت ہے کہ یوں چپ چاپ اتنی اذیت سے چلے جا رہی ہیں۔ سچ پوچھو تو کبھی اشتعال میں آجاتے ہیں، کبھی آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

''بھلا دیکھو تو نہ لولی لنگڑی ہیں، نہ عقل سے کوری مگر مزے سے پٹ رہی ہیں لیکن ہم اور آپ کو شاید سمجھ کی وہ توفیق عطا نہیں ہوئی جو انہیں ملی ہوئی ہے۔ دیکھیں! عزت بنانا، گھر بنانا، مقام بنانا بڑے اور مشکل کام ہیں، انہیں توڑنا بہت چھوٹی باتیں ہیں۔۔۔ ہوسکتا ہے فائدے والی ہوں مگر آدمی شناخت بغیر کس کام کا۔

روحیل کا مزاج بالکل روکھا ہو رہا تھا۔ سلام کے سوا اس نے کوئی بات نہ کی، حتیٰ کہ خیریت اور حال تک نہ پوچھا۔۔۔ اور وہ کسی سے بات نہ کر رہا تھا۔ لاپروائی سے صوفے پر ٹانگیں پھیلائے اوپر چھت کو گھور رہا تھا۔ گھر کے سارے لوگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے مگر سب ہی تقریباً خاموش تھے۔ امی جان نے دو ایک بار روحیل کو پکارا بھی۔

''کھانے میں کیا پسند کرو گے بیٹا؟''

''کچھ بھی پکا لیں۔''

''شرمین کے رشتے کی بات چل رہی ہے، تم بھی دیکھ لینا۔''

''جی اچھا۔''

''کچھ دنوں بعد طلعت کی شادی بھی ہے، تب تک رکو گے نا؟''

''ابھی کچھ پتا نہیں۔'' وہ ہر بات کو ختم ہی کر رہا تھا۔

''کھانا تو تیار ہوگا نا بیگم؟''

سہیل انکل نے کچھ دیر میں پوچھا تو عالیہ بیگم شرمین کو آواز دینے لگیں جو ابھی اٹھ کر کچن میں گئی تھی۔

''ایسا کرو آصفہ! تم جا کر کچن میں دیکھو بیٹا اور کچھ کام رہ گیا ہو تو شرمین کا ہاتھ بٹا دینا۔''

اسے کچھ دیر کے لیے تو یقین نہ آیا مگر بات صاف کہی گئی تھی اور سب کے سامنے کہی گئی تھی، کسی طرح جھٹلانے کی گنجائش نہ تھی۔ لمحے بھر کی سوچ کے بعد وہ اٹھ کر کچن کی طرف ''جی اچھا'' کہتے ہوئے گئی۔

روحیل کچھ چونکا تھا بلکہ اس نے شاید آصفہ کے چونکنے کو بھی نوٹ کیا تھا کیونکہ وہ ہر بات پر غور کرنے کا ارادہ ہی کیے بیٹھا تھا۔

''امی جان! حبیب خان سے روٹی منگوا لیں۔'' کچھ دیر میں شرمین آئی۔

''ارے شرمین بیٹا! اتنے دنوں بعد بھائی گھر آیا ہے گھر میں روٹی پکا لو۔''

''اونہہ امی! آپ کو پتا ہے روٹی مجھ سے نہیں پکتی۔''

''اچھا رہنے دو، تم بیٹھ جاؤ، میں پکا لیتی ہوں۔''

والدین کا لاڈلا اولاد کا نخرہ بن کر جب خود والدین کے سامنے آتا ہے تو بہت چڑاتا ہے۔ عالیہ بیگم بھی جھنجلائیں مگر انہیں خود اٹھنا ہی پڑا۔

''آپ کیوں اٹھ رہی ہیں امی! کچن میں آصفہ بھی ہے۔''

''وہ تو خود میرے گھر میں مہمان آئی ہے، اس سے میں اتنے کام کیا لوں گی۔''

ان کا لہجہ اور انداز بدل تو پہلے ہی گئے تھے مگر آج تو سونے پر سہاگہ سنور بھی گئے تھے۔ یہ ضرور روحیل کی موجودگی کا اثر تھا۔

''چھا امی! اب آپ نے ہمیں مہمان جان لیا ہے۔''

''جو دور ہو گیا وہ پھر آیا تو مہمان ہی ہوا نا، چاہے سگی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔''

عالیہ بیگم کی آواز رندھ سی گئی اور ان کے دونوں بیٹوں کے دل پر ہی لگی۔ آخر سگی اولاد تو تھے۔ شرجیل کا تو دل بالکل ہی پگھل گیا۔

''تم اگر ذرا سی تکلیف برداشت کر لیتیں میری خاطر تو آج ہم دونوں اکیلے گھر کے اس کونے میں بے آسرا نہ پڑے ہوتے، یہاں کتنی رونق ہے اور وہاں کیسا سناٹا۔ اب چلو، روٹی بن چکی ہو تو ہم اسی کونے میں پڑ کر سو جائیں۔''

شرجیل کا لہجہ دن بدن اس کے ساتھ خراب ہو رہا تھا۔ ماں کی آنسوؤں بھری آواز نے اس کے ضبط کا زبردست امتحان لیا تھا۔ وہ سہ نہ سکا تو اسی وقت اٹھ کر کچن میں آیا اور اکیلے آصفہ کو روٹی بناتے دیکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

''اب یہیں کھڑے کھڑے آپ اس بات پر بحث کریں گے۔'' اسے بھی غصہ آ گیا۔

''تمہارا کیا ہے، تم تو مزے میں ہو نا، اپنے ٹھاٹھ کے لیے میری زندگی خراب کر ڈالی۔''

''کیا بات ہے بھائی! کھانے میں کچھ خراب ہو گیا ہے کیا؟'' شرمین پیچھے سے آئی تو یوں انجان بنی جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو، حالانکہ اس نے پورا جملہ سن لیا تھا، بلکہ آصفہ کو شک ہوا کہ کچن کے باہر کھڑے ہو کر اس نے ضرور ساری بات سنی تھی۔

''ہم ویسے ہی آپس میں بات کر رہے ہیں، چلو آصفہ۔'' شرمین کو جواب دے کر شرجیل اسے چلنے کا کہہ کر مڑ گیا۔

''اچھا شرمین! روٹیاں بن گئی ہیں، اب تم کھانا لگاؤ، میں چلتی ہوں۔ انہیں بھی بھوک لگی ہے، ہسپتال سے سیدھا یہیں آ گئے ہیں۔''

''تھینک یو بھابھی!'' کہہ کر شرمین اپنے کام میں لگ گئی۔ اس نے لاؤنج میں جا کر امی جان سے بھی یونہی بات کی جو شرمین سے کہہ کر نکلی تھی۔

''ارے آج کھانا یہیں کھا لو۔ بیٹا شرجیل! روحیل آیا ہے اور تم نہ ہوئے تو رونق آدھی ہو جائے گی بیٹا!''

مکمل شہد میں ڈوبا ہوا ان کا لہجہ شرجیل کو کہاں پاؤں بھی اٹھانے کی ہمت دے سکتا تھا، وہ رک گیا

اوراس کے رکنے اور چپ رہنے پر آصفہ کو بولنا پڑا۔
''امی جان! ادھر بھی کھانا پورا تیار ہے، خوامخواہ ضائع ہوگا۔''
''تو اٹھا کر ادھر لے آؤ، سب مل کر یہاں کھالیں گے۔''
اب اس کے پاس انکار کا کوئی جواز نہ تھا۔ شرجیل تو ''ہاں یہ اچھا آئیڈیا ہے۔'' کہہ کر اپنے حصے کی طرف جانے لگا۔
''تم یہیں رکو، میں لے کر آتا ہوں۔''
''نہیں، آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا، میں ساتھ چلتی ہوں۔'' اس کا موڈ خراب ہوگیا تھا مگر شرجیل کو کب پروا تھی۔
''آپ لوگ سچ مچ اسی طرح مل جل کر رہنے لگے ہیں یا میرے سامنے سارا ڈرامہ چل رہا ہے۔''
جب لاؤنج میں صرف وہ دونوں باپ بیٹے رہ گئے تھے تو روحیل نے پوچھا۔
''میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ شرجیل کے الگ ہونے پر گھر کے ماحول پر کافی اچھا اثر پڑا ہے۔'' سہیل انکل نے کہا۔
''مجھے تو صرف ظاہری اثرات لگتے ہیں۔''
''بس بیٹا! اب اگر تم میری بات مان کر یہاں گھر تک آ ہی گئے ہو تو ناراضی بھی چھوڑ دو اور پچھلی باتوں کی تلخیوں کو بھی بھلا ڈالو۔ آصفہ ہی کی مثال دیکھ لو۔''
''اوہ ابو! وہ بے چاری تو مجبور ہے۔ جس حال میں آپ لوگ رکھیں گے، رہنے مرنے کے لیے تیار ہے۔ مجھے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ میری ناراضی جب تک دور نہیں ہوگی، میرا مزاج بھی ایسا ہی رہے گا۔ آپ تردد کریں گے تو میں چلا جاؤں گا۔''
''ارے بیٹا! ایسا لہجہ بنالیا ہے، چلو میری تمہاری تو کوئی ناراضی نہیں ہے۔''
''ہے، بالکل ہے۔ آپ نے بھی جو کچھ کیا بہت دیر دیر سے کیا۔ پہلے ہی ہمت کر لیتے تو ہمارے گھر میں اتنا تماشا نہ ہوتا۔''
''کیا کہہ رہے ہو، اتنے تماشے کا اثر بھی تمہارے بھائی کے دل سے اتنی جلدی مٹ گیا ہے۔ وہ تو ابھی سے الجھ رہا ہے کہ الگ کیوں ہوا۔''
''شرجیل بھائی تو بے وقوفی کے ریکارڈ توڑنے پر تلے ہوئے ہیں، ویسے میں یہ سمجھتا ہوں ابو! کہ ایسے مردوں کو شادی نہیں کرنی چاہیے۔ بلاوجہ کسی لڑکی کی زندگی خراب کرتے ہیں۔''

شرجیل کا مزاج عجیب بے زار اور چڑچڑا سا ہوتا جارہا تھا۔ روحیل کے آنے پر نئے نئے معمولات ترتیب دے لیے تھے۔ ہسپتال سے آتے ہی کھانا کھاتا اور اپنی ماں کے پاس چلا جاتا، دو ایک دن آصفہ کو بھی ساتھ لے گیا پھر کہنا چھوڑ دیا۔ اسپتال سے آکر اس نے چائے کی پیالی ختم کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔
''میں امی کے پاس جارہا ہوں۔''
''رکیں، میں بھی چلتی ہوں۔''

اس نے نہ ابھی کھانے کے جھوٹے برتن سمیٹے تھے۔ نہ کچن میں تمام چیزیں ترتیب سے رکھی تھیں۔ شرجیل اس کے لیے رکا ضرور مگر ''جلدی کرو، جلدی کرو'' کا ورد مسلسل جاری رکھا۔ اسی کی خاطر اس نے بھاگ بھاگ کر ہر چیز اپنی جگہ پر رکھی۔

پھر تیسرے دن ابھی وہ کچن میں کچھ جھوٹے برتن رکھنے گئی تھی، پلٹ کر آئی تو شرجیل جا چکا تھا۔ صبر نہ ہو سکتا تھا یا اسے ساتھ نہ لے جانا تھا کہ بتایا بھی نہیں۔

اسے غصہ اتنا آیا کہ کام سمیٹ کر بھی وہ اس کے پیچھے نہ گئی۔

ایک ڈیڑھ بجے تک وہ کمرے میں انتظار کرتی رہتی جب تک پھر شرجیل پلٹ کر آتا، تب تک وہ خود اتنی تھک کر کوفت زدہ ہو چکی ہوتی کہ شوہر سے بات بھی نہ کرتی اور چادر لپیٹ کر سو جاتی۔ چند روز سے اس کی طبیعت بھی بہت زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔

''آصفہ! ایسی پھیکی، بدمزا چائے بنائی ہے۔'' صبح ہی صبح ناشتے پر آج وہ پھر برہم ہوا تھا۔

''آپ جو ایک پیالی چینی، شرمین سے ادھار مانگ کر لائے تھے، وہ ختم ہو چکی ہے۔''

''تو تم نے مجھے بتایا نہیں۔'' وہ چڑ گیا۔

''کیا کرتے، دوسری ادھار مانگ کر لے آتے۔'' وہ بھی تپ گئی۔

''کچھ بھی کر لیتا مگر صبح پھیکی چائے پلا کر تم جانے مجھ سے کون سے جہنم کا بدلہ لیتی ہو۔''

وہ چپ رہ گئی۔ کچھ بھی نہ بولی۔ یونہی اس کے اندر سے جیسے کہنے سننے، چلنے پھرنے کی طاقت ختم سی ہو گئی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے شرجیل! کئی دن ہو گئے، مکمل چیک اپ کروانا چاہیے۔'' کچھ دیر کے بعد کمرے میں آ کر وہ خود ہی بولی۔

''ہاں تو چلی جاؤ ڈاکٹر کے پاس، میں نے منع تو نہیں کیا۔'' اس کا موڈ حسب توقع خراب ہوا۔

''کیسے چلی جاؤں۔ آپ وقت نکالیں تو بات بنے۔''

''ارے میرے پاس وقت کہاں ہے، اپنی امی یا بہن کے ساتھ چلی جاؤ یا اتنی ڈھیر ساری تمہاری کزنز ہیں۔ ان میں سے کسی کو بلا لو۔'' اس نے روکھا سا جواب دیا۔

''آپ ساتھ بھی نہیں چلیں گے۔''

''جب میرے پاس وقت ہی نہیں ہے تو کیا کر سکتا ہوں۔''

''آپ کو میری پروا بھی نہیں ہے۔''

''بھئی، اس وقت تمہاری طبیعت کی پروا کرنا تمہارے میکے والوں کا فرض ہے، یہی تو رسم ہے ہماں ہاں کی۔ تم اتنی ننھی بچی بھی نہیں کہ خبر ہی نہ رکھتی ہو۔''

''رسم تو ابھی بہت دور ہے شرجیل!''

''یہ تم لڑکیوں کے ماں باپ بھی بہت چالاک ہوتے ہیں شوہر کے فرائض تو تم لوگوں کو الف سے یے تک رٹا دیتے ہیں اور خود اپنی ذمہ داریاں نہ بتاتے ہیں، نہ سمجھاتے ہیں، اپنی تو جان بھی بچے اور پیسہ بھی۔''

''آپ کس طرح کی باتیں کرنے لگے ہیں شرجیل! یہ آپ کی زبان اور آپ کے خیالات تو نہیں ہیں۔''

روحیل آیا تھا تو اس نے سمجھا تھا کہ شرجیل کا مزاج کچھ اچھا ہو جائے گا۔ چھوٹا بھائی پروا کرنے والا ہے لیکن ہر وقت ہر کسی کے پاس کہاں وقت کہ کسی کی پروا کرتا پھرے، اتنے دن ہوئے گھر آیا ہے، پلٹ کر بھابھی کو پوچھنے کی بھی فرصت کہاں ملی ہے روحیل کو۔۔۔

''بس تم زیادہ چالاکی کی باتیں نہ کیا کرو آصفہ بیگم! میں خود کچھ تم سے نہیں کہتا لیکن لوگوں کی باتیں تو سننی پڑتی ہیں مجھے، اتنی بڑی خبر سن کر تمہارے والدین یہاں مبارک باد دینے تک نہیں آئے۔ آتے تو مٹھائیاں لانی پڑتیں، کچھ لینا دینا پڑ جاتا، فضول وقت کا اور پیسے کا زیاں ہو جاتا نا۔''

شرجیل اس طرح بھی سوچ سکتا ہے اور سنا سکتا ہے۔ رات گئے تک ماں کے پاس بیٹھنے کا کچھ تو نتیجہ نکلنا تھا۔ عالیہ بیگم کبھی کہیں چوک نہیں سکتی تھیں۔

وہ بس گنگ رہ گئی تھی۔

شرجیل نے بات کرنے کی ہمت اور دل کا احساس بھی چھین لیا تھا۔

اس نے تو ابھی اپنے میکے میں کسی کو کچھ بتایا ہی نہیں تھا، صرف امی جان سے اشارتاً کہا تھا اور انہوں نے بھی یہی کہا۔ ابھی سے شور نہ کرنا، خدا نظرِ بد سے بچائے۔

اور یہی باتیں وہ شرجیل سے کہتی تو وہاں سے جواب آتا۔ ''دیکھا اپنے فائدے کی تعلیم ہی دی ہے نا تمہارے میکے والوں نے تمہیں۔''

''اب چپ معصوم صورت بنا کر بیٹھ جاؤ گی کہ اگلا رحم کھا کر تمہیں کچھ نہ کہے۔''

''رحم نہیں چاہیے مجھے آپ کا، آپ ہر بات کو حد سے بڑھا دیتے ہیں۔''

لفظ رحم پر اس کے پورے وجود میں آگ بھر گئی۔ اونہہ! دن رات وہ خود کو پیستے پیستے ہلکان ہو گئی۔ صلے میں شوہر صرف رحم دینے پر راضی ہوا، وہ بھی اتنی حقارت سے۔

''ارے یہ میرا رحم ہی تو ہے جو تم ٹھاٹ سے یہاں پڑی ہوئی ہو ورنہ میرے گھر کی چوکھٹ پر سر رگڑ کر مر رہی ہوتیں۔''

''اوہ خدا! تو کیا مجھ پر ترس کھا کر آپ نے یہ سب ڈرامہ رچایا ہے۔

خدا کی قسم نہیں چاہیے مجھے کچھ، ختم کریں آپ اس سارے قصے کو۔''

اس کا پورا جسم نڈھال تھا، سر درد سے پھٹ رہا تھا، بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تو چپ رہنے کی ہر ممکن کوشش سے ناکام ہو کر وہ پھٹ پڑی۔

''اچھا، تمہیں خود ہی حسرت ہے ختم کرنے کی تو میں کیا پاگل ہوں، کہاں ہے کاغذ قلم، مجھے دو، تین لفظ لکھ کر تمہارے منہ پر دے ماروں تو تمہارے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔''

''کاغذ قلم کی فارمیلٹی میں کہاں پڑتے ہیں، منہ سے بول دیجیے۔ مجھے بھی یہی سننے کی حسرت رہ گئی ہے، روز جان نکلتی ہے۔ اچھا ہے، ایک ساتھ نکل جائے۔'' وہ صوفے کی پشت پر سر رکھ کر دھواں دار رونے لگی۔

''دیکھو، اس طرح رووں نہیں آصفہ! تمہیں پتا ہے مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' وہ چپ نہ ہوئی اور تیزی سے رونے لگی۔

''میں کہتا ہوں چپ ہو جاؤ ورنہ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔''

''آپ جو کچھ کر سکتے ہیں کر ڈالیے، ایک طاقت ہی تو زیادہ دی ہے نا اللہ نے آپ کو، اسے استعمال کر لیں، مار ہی ڈالیے تاکہ جان چھوٹے اس عذابوں بھری زندگی سے۔'' آصفہ سچ مچ پاگل ہو رہی تھی۔

''ارے مار کیوں ڈالو، تاکہ تم دنیا میں بھی معصوم بن جاؤ اور آسمان پر بھی جنت کے مزے لو اور میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے سڑوں۔ میں تو تمہیں تمہارے ماں باپ کے گھر پھینک آؤں گا کہ سنبھالیں اپنی امانت، ہم سے تو نہیں تنبھلتی۔ چلو اٹھو، اپنا بیگ باندھ لو۔''

''آپ پہلے فیصلہ کریں، میں کہیں نہیں جا رہی۔''

''اب تمہارا فیصلہ تو میں چار آدمیوں کے درمیان کروں گا۔''

''میری آپ کی بات میں چار آدمیوں کا کیا دخل، چار آدمی کیا جانیں کہ میں کس عذاب میں پڑی ہوں۔ آپ بس فیصلہ کریں۔''

''فیصلہ کروں، سوچ لو اس سے پہلے تم نے خود منہ سے کبھی یہ بات نہیں کہی۔''

''اگر سوچ سکتی تو یوں خوار ہوتی، اس سے پہلے زندگی سے اتنی زیادہ مایوس بھی تو کبھی نہیں ہوئی۔ اگر صرف ایک لفظ ''رحم'' کے لیے میں اتنا کچھ بھگت رہی ہوں شرجیل! تو یہ رحم تو مجھے سڑک کے کنارے بھیک مانگتے ہوئے بھی مل جائے گا۔''

اس نے سر گھٹنوں میں چھپا لیا اور شرجیل خاموشی سے پلنگ کے کنارے پر بیٹھا جانے کس لمحے کو ملامت کرنے لگا۔

بہت سارے پل لاحاصل گزر گئے۔ کبھی انسان خود اپنی ہی شکست اپنے ہی ہاتھوں کھاتا ہے اور روتا ہے، جی جلاتا ہے۔

''آصفہ! تمہاری محبت میں اتنا اثر نہیں ہے کہ تم مجھے اپنے دائرے میں قید رکھو، میں کہیں بھی جانا نہیں چاہتا تمہیں چھوڑ کر مگر ہر روز بھٹک جاتا ہوں۔''

وہ غصیلا، جھنجھلایا، چڑا ہوا شرجیل اب کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اس نے سوجے ہوئے پپوٹے اٹھائے۔ حد ہو گئی کہ شرجیل اس کے قدموں میں بیٹھا ہوا تھا۔

''سوری آصفہ! مجھے معاف کر دو پلیز۔'' وہ کیا کہتی کچھ کہنا اسے آتا بھی نہ تھا اور طبیعت کی بدحالی نے اس سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی چھینی ہوئی تھی۔

''آصفہ! تم مجھے کہیں نہ جانے دیا کرو ورنہ میں خود کو، تمہیں بکھیر کر رکھ دوں گا۔''

وہ خود ہی کھوٹا ہوتا تھا اور پھر خود ہی بیٹھ کر اپنے جھوٹ کو کوسا کرتا تھا۔ آدمی کا انصاف پسند ہونا لازمی ہے، عقل مند ہونا ضروری ہے اور پہچان کر پہچان کو ثابت کرنے والا بھی ہونا بہت ضروری ہے۔

''آپ کیوں ہر بات مجھ سے صاف انداز میں نہیں کہتے، کوئی شکایت ہو تو بھی اور کوئی الجھن ہو تو

بھی۔''

''دراصل آصفہ! تم محبت تو ٹوٹ کر کرتی ہو لیکن تمہیں محبت کا سحر دوسروں پر طاری کرنا نہیں آتا۔ تم دل پر ہاتھ رکھ کر بڑے سے بڑے آدمی کو مات کر دو مگر تم یوں دل پر ہاتھ ہی نہیں رکھ سکتیں۔''

آصفہ بہت کچھ سمجھ رہی تھی مگر یہ اس کی کمزوری ہی تھی، کیا کہتی۔

شام ہوتے ہی جانے کیوں
بے ارادہ خود کو تلاش کرتے ہیں
اے زمیں! تیرے رزق میں ہم بھی
اپنا حصہ تلاش کرتے ہیں
یہ سب ہی لوگ جانے کیوں مجھ میں
اس کا چہرہ تلاش کرتے ہیں

روحیل اس کے کمرے میں آیا تو وہ استری کیے ہوئے کپڑے الماری میں لٹکانے میں مصروف تھی۔

''تم؟ آؤ بیٹھو، تمہیں وقت مل گیا؟'' نہ چاہتے ہوئے اس کے منہ سے شکوہ نکل گیا۔

''میں تو اب بھی نہ پوچھتا، بس تمہاری اچھی فطرت اور میرے دل میں تمہارے لیے خلوص نے بہت اکسایا۔'' روحیل خود ہی اس کے کمرے میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''میں سمجھا بہت کچھ بدل گیا ہوگا، تمہارے لیے شرجیل نے الگ گھر بنانے کی ہمت کر لی تو یقیناً بہت کچھ سنور گیا ہوگا لیکن یہاں تو ویسا ہی ماحول ہے جو پہلے تھا۔''

کچھ دیر خاموشی سے اس کے کمرے کو تکنے کے بعد شرجیل نے کہا۔

''نہیں تمہیں غلط احساس ہوا، الگ گھر بنا کر واقعی بہت کچھ بدل گیا ہے۔''

''کیا بدل گیا ہے، وہی رات کے ایک بجے تک تم اپنے میاں کے انتظار میں کمرے میں بے اعتبار پڑی رہتی ہو، وہ کہاں ہے، ماں بہن کو لے کر روزانہ کہاں جا رہا ہے، تمہیں کچھ خبر ہے۔''

اسے یقین نہ آیا، وہ اتنی حیران ہوئی کہ اس کی حیرت پر روحیل کا جی چاہا، دو تین بہت کرارے تھپڑ اس کے منہ پر مار کر اسے ہوش دلائے۔

''شرجیل جیسے مرد کی بیوی ہو کر تم ہر بار اپنی قسمت پر شاکر ہو کر غافل کیسے ہو جاتی ہو۔ میں رات ایک بجے گھر آ کر روز یہی دیکھ رہا ہوں کہ شرجیل بھائی گھر پر نہیں، امی جان کے ساتھ کہیں گئے ہیں۔ اب تو ابو جی کہہ دیں گے کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا اب ساری غلطی آصفہ کی ہے اور کل صبح تم دونوں میاں بیوی کا جھگڑا سن کر مجھے یقین ہو گیا آصفہ! کہ تم نے کچھ سبق نہیں سیکھا۔''

''طلعت! تم ہمت تو کرو ہم دونوں چلے جائیں گے اور صرف آصفہ سے مل کر آجائیں گے۔ کوئی ایسے پہاڑ تو نہیں توڑنے کہ تم یوں پریشان ہو رہی ہو۔''

تہنیت بڑی بہن کو سمجھا رہی تھی۔

''دیکھو، گھر والوں کو پتا چلا تو بہت برا ہوگا، کوئی بھی اس کے گھر یوں جانا پسند نہیں کرتا نا۔''

''سچ تو یہ ہے کہ یہ اس کے ساتھ زیادتی ہی ہے۔ کیوں نہیں پسند کرتے، آخر وہ ہماری رشتہ دار ہے۔ صرف ایک اس کی ساس کے رعب میں آکر ہم نے اسے پوچھنا چھوڑ دیا ہے۔ سوچو خود آصفہ کے ساتھ کتنی زیادتی ہے۔''

''ارے بابا! میں تمہاری باتوں سے ہزار بار قائل ہو جاؤں لیکن تم گھر میں کسی اور کو قطعی قائل نہیں کر سکتیں۔''

''تو کسی اور کو کہاں ساتھ لے جانا ہے، ہم دونوں صرف خود جا رہے ہیں، بس آج دوپہر کو چلتے ہیں۔''

''امی جان کو پتا چلا تو وہ ہرگز نہ بخشیں گی۔''

''افوہ! انہیں کون بتائے گا یا تم بتاؤ گی یا میں، اور ہم دونوں ہرگز نہ بتائیں گے۔''

''اچھا!'' طلعت پھر سوچ میں پڑ گئی۔ اس کا جی بری طرح آصفہ میں اٹکا ہوا تھا اور اس نے جوش میں آکر تہنیت کے سامنے کہا تھا کہ اگر وہ نہیں آتی تو میں تو اس سے ملنے جا سکتی ہوں۔

''دیکھ لو بس یہ دو چار دن ہی ملے ہوئے ہیں تمہیں امی جان کی طرف سے بازار جانے کے لیے۔ اس بہانے ہم جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد تم گھر میں قید کر لی جاؤ گی۔'' تہنیت نے پھر اس کو جوش دلایا۔

''ٹھیک ہے پھر امی جان سے صدر کا کہہ کر جائیں گے تاکہ ان کے خیال میں رہے کہ دیر لگے گی۔''

''جی ہاں اور واپسی میں کچھ شاپنگ کرتے ہوئے بھی آنا پڑے گا، انہیں دکھائیں گے کیا۔''

سو وہ دونوں بہنیں دوپہر کو جلدی جلدی کھانا کھا کر اور سب کام نمٹا کر نکل گئیں۔

''دوپہر کا وقت بھی ایسا ہے نا، وہ اپنے گھر میں ہی ہوگی۔ کسی اور کو پتا بھی نہ چلے گا۔'' راستے میں تہنیت نے کہا۔

''اور اگر وہ پچھلی طرف اپنے گھر میں نہ ہوئی تو؟''

طلعت کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ایک تو اسے یوں چوری چھپے کوئی کام کرنے کی عادت نہ تھی اور کام بھی ایسا۔ اپنی چہیتی سہیلی سے ملنے جا رہی تھی۔ ابھی بہت دور تو نہ گئے تھے، وہ پچھلے دن۔ اس نے کبھی سوچا تھا کہ آصفہ سے صرف ملنا اتنا مشکل ہو جائے گا۔

''تو کیا۔ منہ لٹکا کر واپس آجائیں گے۔'' طلعت سر جھکا کر چپ ہو گئی۔

اور رکشہ سے تھوڑا دور ہی اتر کر وہ دونوں پیدل چلتے ہوئے آصفہ کے گھر کی طرف آئیں تو اب دونوں ہی کے دل دھڑک رہے تھے۔ سڑک کی دائیں گلی میں اس کا گھر تھا، دوپہر کا وقت تھا، دھوپ کے ساتھ ہلکی ہوا بھی چل رہی تھی، موسم اتنا سخت نہ تھا لیکن ان دونوں کے خدشات سخت تھے۔ چپ چاپ

چلتی وہ دونوں اس کے گھر کے سامنے رک گئیں۔ گلی بھی سنسان تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ سارے شہر میں صرف وہ دونوں لڑکیاں گھر سے باہر ہو، باقی سب گھروں میں پڑے سو رہے ہوں۔

''یہ پچھلا گیٹ ہے نا؟'' طلعت نے آہستہ سے کہا۔ بہت دنوں کے بعد وہ یہاں آئی تھیں۔ اس کی شادی میں یا شادی سے پہلے تک عالیہ آنٹی کے گھر آنا جانا ہوتا تھا پھر تو جیسے یہ رستہ ہی بھول گیا تھا۔ سر ہلا کر ہمت کر کے تہنیت نے گھنٹی پر ہاتھ رکھ دیا اور اندر اپنے گھر میں اکیلی بیٹھی آصفہ حیران رہ گئی۔ شرجیل اس وقت تو واپس نہیں آسکتا پھر اس کے گیٹ پر کون آسکتا ہے۔ دن بھر میں سوائے ماسی یا چوکیدار کے کوئی نہ آتا تھا اور وہ بھی صبح کے وقت، مگر اب بھری دوپہر میں۔۔۔ کال بیل دوبارہ بجی تو وہ اٹھی۔

تیز تیز چلتی وہ گیٹ کی جانب بڑھی تو اسے قطعی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ باہر کون کھڑا ہوگا اور گیٹ کے سوراخ میں سے باہر دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

دن چڑھے ایسے وقت جاگتے میں کیا وہ کوئی خواب دیکھ سکتی ہے، اس نے گیٹ کھول دیا۔

''ہائے طلعت! تم۔۔۔'' وہ اس کے گلے میں ہی جھول گئی اور طلعت نے اس کی صورت دیکھتے ہی بلند آواز میں ''شکر'' ادا کیا۔

''سر پر اتنا بڑا سورج چمک رہا ہے مگر تمہیں طلعت کے سائے میں آس پاس کھڑا کبھی کوئی نظر نہیں آتا۔'' تہنیت چڑی۔

''تہنیت! تم بھی ہو، سچ مجھے تو خوشی اور بے یقینی میں کچھ نظر نہیں آرہا۔'' وہ اس کے بھی گلے لگی

''میرے ہونے پر تمہیں بہت دکھ ہے۔'' تہنیت چلائی۔

''آہستہ بولو، دیواروں سے تاکا جھانکی شروع ہو جائے گی۔'' طلعت بولی۔

''افوہ! تمہیں سسرالی ماحول کا بڑا اندازہ ہونے لگا ہے۔'' تہنیت نے چھیڑا۔

''مجھے تو یقین نہیں آرہا کہ میرے گھر میں بھی کوئی یوں آسکتا ہے۔'' آصفہ ان دونوں کو لیے اندر چلی۔ سچ پوچھو تو آج پہلی بار اپنے اس چھوٹے سے الگ گھر پر رشک آرہا ہے۔

''آصفہ! اب تو تمہاری مشکلیں بہت حد تک ختم ہوگئی ہوں گی۔'' وہ بہت خوشی خوشی ان بہنوں سے بات کرتے کرتے طلعت کی بات پر چونک گئی۔

''مشکلیں۔۔۔ میرے ساتھ تو کوئی مشکل نہ تھی۔''

پھر وہ نظر چرا گئی اور طلعت نے سوچ لیا کہ وہ اپنی مشکلوں پر کبھی بات نہ کرے گی۔ اس نے یہ بھی سوچ کر صبر کر لیا تھا کہ جس طرح اس نے بڑھ چڑھ کر آصفہ کی شادی میں حصہ لیا تھا، آصفہ اس کی شادی پر ایسا جوش نہ دکھا سکے گی، اس لیے تو ابھی تک جب انہیں اس کے پاس آئے آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا، اس نے پوچھا بھی نہ تھا اور اسے شاید یاد بھی نہ تھا۔ وہ بے وقوف تھی، سامنے بیٹھی آصفہ کے اندر اپنی اس پیاری دوست ''آصفہ جلالی'' کو ڈھونڈ رہی تھی جو کبھی پلٹ کر اس کے اندر آنے والی نہ تھی۔

''تم لوگوں کو کسی نے دیکھا تو نہیں؟'' یوں ہی باتوں باتوں میں آصفہ نے پوچھا تو تہنیت کو کچھ برا سا لگا۔

''اگر کوئی دیکھ لیتا تو شاید ہم خود تمہارے پاس نہ آتے۔''

وہ لوگ خود تو چھپ کر اور بچ کر ہی آ رہی تھیں لیکن آصفہ کا یوں اندیشے کا اظہار حقیقتاً ناگوار سی بات تھی۔ کبھی کبھی ہم جس ایک خوشی کو حاصل کرنے کے لیے تڑپ رہے ہوتے ہیں، جی جان سے حاصل کرنے کے پیچھے لگے ہوتے ہیں، وہی خوشی مل جائے تو جذبے یکا یک سرد برف جیسے سفید پڑ جاتے ہیں۔

میرے اندر کوئی بکھرا ہوا ہے کچھ دنوں سے
تمہیں کیسے بتائیں کیا ہوا ہے کچھ دنوں سے
میں جلتی دھوپ شانوں پر اٹھائے چل رہا ہوں
میرا سایہ بہت پھیلا ہوا ہے کچھ دنوں سے
کسی کی یاد میں آنکھیں کہانی کہہ رہی ہیں
کوئی مجھ سے کہیں بچھڑا ہوا ہے کچھ دنوں سے

وہ کالج کی راہداری میں چلتے ہوئے اپنی ڈری میں لکھی اس غزل کو بے ارادہ ہی دو تین بار پڑھ چکی تھی۔

کبھی کبھی آپ اپنی ہی کسی سوچ سے گھبرا کر بھاگتے ہیں اور تھک ہار کر جب واپس پلٹتے ہیں تو وہی ایک سوچ بے تابی سے آپ کو گلے لگانے کے لیے آپ کی منتظر ملتی ہے۔

''تہنیت رحمٰن! زندگی اتنی خوب صورت نہیں، نہ ہی خیالات کے سہارے گزاری جا سکتی ہے۔''

وہ خود سے کہتی رک گئی سامنے سے اس کی کلاس فیلوز شاید اسی کی طرف آتی ہاتھ ہلا رہی تھیں۔

''اچھا بتاؤ، اگلے مہینے شیرٹن میں ہونے والے فنکشن میں آ رہی ہو یا نہیں۔''

''پلیز، میں نے صبح بھی تم سے کہا تھا میں کچھ کہہ نہیں سکتی، ابھی تو دن پڑے ہیں۔''

''لیکن فیصلہ تو کر لو نا اگر سب نے جانا ہو تو ٹکٹ بھی خریدیں۔''

''دیکھو، میری بہن کی شادی بھی ہے، جانے میں وقت نکال پاؤں یا نہیں، تم لوگ اگر جانا چاہتی ہو تو ٹکٹ خرید لو نا، میری وجہ سے اپنا موڈ کیوں بدلو۔''

وہ اپنی دوستوں کو سمجھا رہی تھی، اسے پتا تھا اس کا سب سے پہلا مسئلہ تو امی جان سے اجازت کا ملنا ہوگا۔

''یہ اچھی بات نہیں ہے تہنیت! تم دوستوں کا ساتھ نہیں دیتی ہو۔''

''میں نے تمہیں اپنا مسئلہ بتایا تو ہے لیکن دیکھو میں پھر بھی کوشش کروں گی۔''

وہ لوگ ٹہلتے ٹہلتے گیٹ تک پہنچ گئی تھیں۔

''او کے میری بس آ گئی۔'' وہ تیزی سے بھاگ پڑی، بس کے انتظار میں سڑک پر کھڑے رہنے کی کوفت سے وہ بچ گئی اور خاص کر ان نظروں کی زد سے جو اب اسے بری طرح ٹینشن میں مبتلا کرنے لگی تھیں۔

شادی کے شروع دنوں کے علاوہ زمانہ ہوا، وہ کہیں گھومنے پھرنے نہ نکلی تھی، آج شرجیل کو خود ہی خیال آیا، اس نے صبح ہی کہہ رکھا تھا۔

''آج جلدی جلدی کھانا پکا لینا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر کہیں گھومنے چلیں گے۔'' وہ حیران ہوئی۔

''آپ تو کہہ رہے تھے، آج روحیل کو اپنے گھر کھانے پر بلائیں گے، میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے کہا تھا امی، ابو سب کو رات کے کھانے کے لیے کہہ دینا۔''

''اوہ گاڈ! تو تم نے کہہ دیا ہے کیا؟'' وہ اس طرح جھنجلایا کہ وہ گھبرا ہی گئی۔

''نہیں، میں نے کہا تو کچھ نہیں۔ ہم نے فیصلہ نہیں کیا تھا مگر اب کہہ دینا چاہیے۔''

''اب چھوڑو نا، اتوار کا دن اس جھنجٹ میں کہاں ضائع کرو گی۔ سارا دن چیزیں لاؤ، لے جاؤ، کھانا پکانے کی مصیبت۔ گھر کی صفائی کا الگ ٹینشن، تم بھی تھک جاؤ گی۔''

آج شرجیل اسی کا محبت کرنے والا شوہر اور اسی کا دیوانہ بنا ہوا تھا۔

اس نے بھی جلدی جلدی کام نمٹانے شروع کر دیے۔ شرجیل سے بحث بے کار تھی، وہ تو موڈی اور اپنے مزاج کے مطابق بات کرنے کا عادی تھا۔

وہ کچن میں سے واپس آئی تو شرجیل نے الماری سے آصفہ اور اپنے دونوں کے سوٹ نکال کر رکھے ہوئے تھے۔

''آصفہ! یہ سوٹ پہن لینا۔'' پرپل کلر کا یہ وہی سوٹ تھا جو اس نے پچھلے دنوں امی کے گھر جاتے ہوئے پہنا تھا۔

''اور بھی تو کپڑے ہیں شرجیل! بار بار ایک ہی سوٹ کیا پہنوں۔'' اسے کوفت سی ہوئی۔ ابھی اس کے کئی ایسے سوٹ تھے جو اس نے پہنے بھی نہ تھے

''نہیں، یہ رنگ تم پر بہت جچتا ہے۔ مجھے پسند ہے۔'' پھر وہی ڈٹ کر اپنی بات منوانے والا شرجیل کا انداز اور وہ اپنی عادت کے مطابق چپ ہو گئی۔

کھانے کے بعد تیار ہونے لگی تو سوٹ پہنتے ہوئے اس کا موڈ پھر خراب ہوا۔

''اگر تمہارا دل نہیں چاہ رہا تو یہ سوٹ نہ پہنو، چلو اپنی مرضی سے تیار ہو جاؤ، اس طرح کہ میں تمہاری چوائس کی داد دوں۔'' وہ فراخ دلی سے کہہ رہا تھا، آصفہ خوش ہو گئی۔

وہ الماری کھول کر کھڑی ہو گئی۔ سوچنے لگی کہ کیا پہنے۔

''میں دیکھوں، میں بتاؤں؟'' شرجیل پھر منہ ڈال کر جھانکنے لگا۔

''نہیں، بلکہ آپ آنکھیں بند کر لیں۔ میں خود کپڑے چوائس کر کے پہن کر آپ کے سامنے آؤں تو دیکھیے گا کہ ہر رنگ اور ہر کپڑے کی اپنی ایک شان ہوتی ہے اور کپڑا اگر نیا بھی ہو تو پہننے والے کے دل کی قدرتی خوشی کپڑے کو ایک انوکھی چمک بخشتی ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے شرجیل کو پیچھے کر دیا۔

''ارے کپڑوں کی بھی فلاسفی ہوتی ہے، مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔ اگر ایسی ہی بات ہے تو چلو آج میں تمہیں ایک نیا سوٹ بھی بازار سے لا دیتا ہوں پھر تمہارے چہرے کی چمک اس کپڑے کے رنگ میں دیکھیں گے۔''

''افوہ ڈاکٹر صاحب! آپ تو کافی ہوشیار ہیں۔ میں سمجھتی تھی کہ سوائے نسخے لکھنے اور غصہ کرنے کے تیسرا کوئی کام آپ کو نہیں آتا۔''

وہ ہنسی تو شرجیل بھی ہنستے ہوئے منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا اور وہ اپنی مرضی سے ایک سوٹ نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔

''سنو، جلدی تیار ہو جاؤ، اس سے پہلے کہ شرمین آفت بن کر یہاں نازل ہو۔''

وہ خود پانچ منٹ میں تیار ہو کر باہر صحن میں ٹہلنے لگا تھا۔ پلٹ کر کمرے میں آیا تو آصفہ تیار ہی تھی۔

''بہت خوب، میں تو سمجھا تھا کہ ایک ہی کلر تم پر سوٹ کرتا ہے مگر تم تو ہر رنگ میں جچتی ہو۔''

خوب صورت سے گلابی رنگ کی جارجٹ کا پٹیالہ سوٹ تھا جس کے گلے، بازو اور چاکوں پر اسی کے ہم رنگ چوڑی سی لیس لگی ہوئی تھی اور سوٹ کو عجیب نکھار دے رہی تھی۔ آصفہ اس سوٹ میں حد درجہ پیاری لگ رہی تھی۔ کانوں میں ہلکے سے سونے کے بندے بہت سو بر سا انداز دے رہے تھے۔

''یوں ہی ٹھیک ہے، تمہارے چہرے کو مزید کسی آرائش کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس کا نکھرا ہو چہرہ سچ مچ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے سوائے کاجل اور ہونٹوں پر ہلکی سی شائننگ کے کوئی چیز استعمال نہ کی تھی۔

''چلیں پھر۔'' اس نے پوچھا تو شرجیل کے شرارت بھرے اشارے پر ابھی ہنسی ہی تھی کہ شرمین دندناتے ہوئے اپنے مخصوص لاپروا انداز میں کمرے میں داخل ہوئی۔

''کہیں جا رہے ہیں کیا بھائی جان؟''

''ہاں ایک دوست کے گھر دعوت ہے۔'' شرجیل کا مزاج بگڑ کر رہ گیا۔

''مجھے تو امی جان نے بھیجا ہے کہ رات کی دعوت کے لیے کوئی کام وغیرہ ہو تو بھابھی کے ساتھ کروا دوں۔''

''دعوت!'' شرجیل نے آصفہ کو دیکھا اور آصفہ سٹپٹا گئی۔

''آپ بھول گئے بھائی جان! آصفہ بھابھی نے کل ہی تو امی جان سے ذکر کیا تھا کہ روحیل اتوار کے دن آپ کے گھر کھانا کھائے۔ ہم تو صبح سے انتظار کر رہے ہیں کہ شاید آپ میاں بیوی ہمیں باقاعدہ دعوت دینے آئیں پھر امی جان نے کہا کہ بھابھی کام میں مصروف ہوں گی۔ تم خود ہی جا کر پوچھ آؤ۔''

اتنی صفائی سے شرمین نے سارا پلان سنایا کہ آصفہ جھوٹ کو ''نہیں'' اور سچ کو ''ہاں'' نہ بتا سکی۔

اور شرجیل کی برداشت تو اتنی تھی ہی نہیں کہ صبر کرے، بات کی وضاحت کا انتظار کرے۔

''ارے تم نے کتنی ڈھٹائی سے جھوٹ بول دیا۔ کہہ دیا کہ تم نے دعوت کا ذکر ہی نہیں کیا۔''

''ٹھیک ہی تو ہے، میں بھلا آپ سے پوچھے بغیر دعوت کی بات کیسے کر سکتی ہوں۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔''

''ہائے اللہ بھابھی! کیا ہو گیا ہے آپ کو، آپ کے خیال میں امی جان جھوٹی ہیں یا میں بہانے بازی کر رہی ہوں۔ اگر آپ کا دعوت کھلانے کا دل نہیں تھا تو ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے تھا، اس طرح بے عزتی کرنے کی آپ نے خوب اچھی سوچی۔''

''پلیز شرمین! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے تو۔۔۔۔''

''ارے بھاڑ میں گئی ایسی غلط فہمی، ہم کیا آپ کی دعوت کھانے کے لیے بھوکے بیٹھے ہوئے ہیں، ہم ساری پچھلی باتیں بھلا کر روحیل بھائی کے سامنے آپ کا امپریشن بنانا چاہتے ہیں اور آپ ہمیں ہی ذلیل کرنے پر تلی ہیں۔ میں امی جان سے جا کر کہوں گی تو وہ زندگی بھر اس حصے میں قدم بھی نہ رکھیں گی۔''

شرمین جتنی تیزی اور تندہی دکھا سکتی تھی، دکھائی اور پلٹ کر جانے لگی کہ شرجیل نے بڑھ کر اسے روکا۔

''دیکھو شرمین! تم امی جان سے کچھ نہ کہنا، ہم تھوڑی دیر میں واپس آتے ہیں تو پھر بات کرتے ہیں، دعوت بھی کر لیں گے اور آج رات کو ہی کر لیں گے بس۔''

''لیکن آپ کب واپس آئیں گے کب کام ہوگا، اتنا کھانا کب پکے گا۔ امی جان کہہ رہی تھیں۔ دادا اور دادی جان کو بھی بلا لیں گے۔ عینی آپا آئیں گی۔۔۔''

اس کے ہی گھر میں ہونے والی دعوت کے اس بالا بالا طے کیے گئے پروگرام پر آصفہ بری طرح کڑھ کر رہ گئی مگر اس کی سننے والا کوئی نہیں تھا یا اسے ڈٹ کر کہنی نہ آتی تھی۔

''افوہ شرمین! سب کچھ ہو جائے گا، تم اب جاؤ اور کسی سے کچھ نہ کہنا۔''

شرمین باہر نکل گئی تو وہ شرجیل کو سمجھانے کا طریقہ سوچنے لگی کہ وہ فوراً ہی بولا۔ ''اب چلو'' اور تیزی سے آگے گیا۔ شرجیل کے پیچھے جاتے جاتے اس نے جلدی سے دونوں کمرے لاک کیے، کچن پر نظر ڈالی اور بس بھاگ ہی پڑی۔ اس کے شوہر کا موڈ انتہائی حد تک خراب ہو چکا تھا۔ وہ اتنی تیزی سے گاڑی بھگا رہا تھا کہ وہ خوف ہی کھانے لگی تھی۔ کلفٹن کے راستے پر تیزی سے چلتی گاڑی میں بیٹھی وہ شرجیل کے انداز کو ہی سوچتی رہی جو اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔

ساحل پر پارکنگ میں ایک طرف گاڑی روک کر وہ نیچے اتر گیا۔ گاڑی لاک کی اور مڑنے لگا تو آصفہ بھی اس کے پیچھے اتر آئی۔

وحشت ناک خاموشی اس نے اپنے اوپر طاری کر لی تھی۔ آصفہ کا دل گھبرانے لگا۔

سامنے سمندر تھا اور ساتھ میں پتھر۔

وہ دونوں ساتھ ضرور تھے مگر اکیلے اکیلے ہی اپنے اپنے احساس کو رواں کر رہے تھے۔

چلتے چلتے بہت دور تک نکل جانے کے بعد وہ پلٹنے لگی۔ آگے دھند زیادہ تھی اور راستہ گم۔

''بس تھک گئیں؟'' یک دم شرجیل نے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''انسان تھکنا نہیں چاہتا مگر تنہائی تھکا دیتی ہے۔'' شرجیل بھی اس کے ساتھ پلٹ آیا۔

''عورتیں اتنی دوہری اور بے وفا ہوتی ہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا اور اس کے دل کی دھڑکن رک رہی تھی۔

''جی چاہتا ہے، انہیں اٹھا کر اس سمندر میں پھینک دوں۔''

لہجہ اتنا کڑوا اور ذلت آمیز تھا، کچھ کہتی، کچھ صفائی دیتی، اپنا آپ جتاتی، آصفہ کی زبان چپ اور گنگ ہو گئی اور اس کے اندر کی لڑکی سر پیٹتی رہ گئی۔

''بولو آصفہ! کچھ تو بتاؤ اس آدمی کو سمجھاؤ کہ تمہاری ماں اور بہن ہی جھوٹی ہیں اور تمہاری بیوی سچی ہے۔''

''آؤ پانی میں چلتے ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پانی کی طرف کھینچتا ہوا لے گیا۔ وقت بھی دوپہر کا تھا اور وہ لوگ دور بھی کافی نکل آئے تھے، سو وہاں رش بہت ہی کم تھا اور ایسی جگہوں پر یوں بھی لوگ اپنے آپ میں ہی مگن ہوتے ہیں۔

وہ پانی کی طرف بڑھتا جا رہا تھا، اب لہریں اس کے گھٹنوں کو چھوتے ہوئے گزر رہی تھیں۔ تیز اور تند سمندر کی موجوں سے زیادہ جوش شرجیل کے انداز میں تھا۔ اس کی سانسیں، اس کی نبضیں، اس کی دھڑکنیں سب زیر ہو رہی تھیں۔ سامنے بل کھاتا سمندر، سر پر تپتا سورج اور ساتھ میں بے اعتباری کی آگ میں جلتا محبوب۔۔۔

وہ زندگی کے ایسے کڑے لمحوں میں زبان کا استعمال بھول کیوں جاتی تھی۔

اب جس حد سے آگے شرجیل اس کا ہاتھ کھینچے اسے لیے جا رہا تھا، اس سے آگے کوئی نہ تھا، کوئی ماہر تیراک لڑکے ہوں گے یا بہت جذباتی نوجوان جو پانی میں اتنی دور جاتے ہوں۔ سمندر کا شور تھا اور اس کے شوہر کا جنون۔۔۔

''اونہہ! اسے کہاں تک لے جائے گا آج وہ یہ بھی دیکھ لے۔'' وہ نہ چیخی، نہ چلائی، بس آنکھیں بند کر کے یہ دیکھ لیا کہ ڈوب کر مرگئی۔ پانی کے اس طرف جو دنیا تھی۔ وہ بہت مطلبی، دکھ دینے والی اور روز مارنے والی ہی تھی اور یہاں پانی میں مر جانا، یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی کہہ رہا ہے۔

"may God rest her soul in peace "

Peace یعنی سکون، کتنا دل فریب احساس یہ۔ اس سکون کے لیے دنیا چھوڑی جا سکتی ہے۔

یہ کیسی مایوسی تھی، زندگی میں اتنے دکھ تھے کہ موت میں سکھ نظر آنے لگا تھا۔ دراصل وقت، لمحہ، شرجیل کا جنون سب کچھ ٹھہر گیا تھا اور اسی سکوت کو وہ موت سمجھی۔ اگر کچھ نہ ٹھہرا تھا تو وہ پانی کا بہاؤ تھا۔ ہر موج اسی طرح جوش سے دوڑتی، بھاگتی، اٹھتی، ابلتی، غصہ دکھاتی پھر سمٹتی ساحل کی ریت کو چھوتی ٹھنڈی ہو کر پلٹ جاتی۔ اس واپس پلٹتی ہوئی موج میں کیا ہوتا ہے۔ ٹوٹا ہوا جوش، مٹا ہوا جذبہ اور لٹا ہوا احساس۔۔۔ یہی موج اپنے غصے میں جانے کیا کچھ نہ کھا جاتی ہوگی مگر ساحل کی ریت تک پہنچتے ایسی بے دم ہو جاتی ہے۔

وہ دونوں اب پلٹ رہے تھے، اسے کتنی دیر کے بعد احساس ہوا کہ اٹھتا، ابلتا، بل کھاتا شرجیل کا غصہ بالکل اس موج کی طرح اب سمٹ رہا تھا۔ شاید بے دم بھی ہو گیا تھا۔ آصفہ کا ہاتھوں میں ہاتھ دے کر اس کے ساتھ دور تک چلتے چلے آنا (چاہے وہ موت کی دہلیز کیوں نہ ہو) اس کے ہر جنونی جذبے کو نڈھال کر چکا تھا۔

گیلی ریت تک آ چکے تو شرجیل نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

وہ دو قدم بھی نہ چل سکی اور لڑکھڑانے لگی۔

پانی میں اتنی دیر کے رہنے سے اس کی طبیعت بالکل ڈوب سی گئی تھی۔ اس نے بہت کوشش سے

خود کو سنبھالا۔ مگر سانس بہت پھول رہی تھی اور ٹانگوں میں جان بالکل نہ رہی تھی۔

''تمہاری طبیعت خراب ہو رہی ہے کیا؟ اوہ گاڈ! مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔ تمہیں اتنی دیر پانی میں نہیں رہنا چاہیے تھا۔ اف تم نے مجھے کہا کیوں نہیں۔'' وہ جھلا کر اسی کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔

(اگر وہ کچھ کہہ سکتی تو اس سے اگلی کتنی باتیں رہ گئیں جو اسے ضرور کہنا چاہیے تھی، وہ نہ کہہ دیتی۔)

بہت مشکل سے وہ خود کو سامنے ذرا دور بنی ہوئی سیڑھیوں تک لے گئی اور بیٹھی تو جسم کے ہر جوڑ سے جان ''آہ'' بن کر نکلنے لگی۔

خود کو سنبھالنے کی سخت سی عادت اسے پڑی ہوئی تھی، ورنہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک یوں نڈھال پڑ جاتی کہ اس کا شوہر اسے سیدھا اسپتال لے کر بھاگتا۔

''ٹھیک ہو نا آصفہ؟'' وہ پھر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''ہوں۔'' وہ صرف سر ہلا کر بولی تو شرجیل تھوڑی دیر کے لیے بالکل چپ سامنے سمندر کو دیکھنے لگا۔ کبھی کبھی وہ اتنا سمجھ دار، اتنا پروا کرنے والا اور اتنا ذمہ دار بن جاتا۔

''اب کچھ طبیعت بحال ہو تو چلیں۔''

''ہاں چلیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابھی بیچ سمندر پھینک رہا تھا، ابھی طبیعت کی پروا کر رہا ہے۔ اس کی سانسیں درست ہوئیں تو اس نے جل کر سوچا۔

''آپ دونوں اتنے گہرے پانی میں کیوں گئے، سمندر سے کھیلنا بہت خطرناک ہے۔ ذرا سی دل لگی انسان کو تباہ کر سکتی ہے۔''

پوری سیڑھیاں چڑھ کر وہ اوپر تک پہنچے تو وہاں بنے ہوئے ایک بنچ پر بیٹھی خاتون نے ان دونوں کو پکار کر اپنے پاس روکا اور پھر بہت دھیمے لہجے میں سمجھایا۔

''بس یوں ہی جوش میں اتنا آگے نکل گئے، ورنہ عموماً جاتے نہیں ہیں۔'' شرجیل جھکے تیور اور نیچے لہجے میں کہنے لگا۔ کوئی انہیں دیکھ بھی رہا تھا۔

''میں کب سے بیٹھی آپ دونوں کو سمندر میں یوں بے سوچے سمجھے آگے بڑھتا دیکھ دیکھ کر کڑھ رہی تھی۔ سچ مانو بیٹا! کوئی سو دفعہ یہ تسبیح پڑھ لی کہ اللہ ہدایت دے اور پلٹ آئیں۔ میں خود پانی میں دوڑ نہیں سکتی ورنہ پیچھے بھاگ کر تمہیں آوازیں دیتی۔''

وہ کوئی پچاس پچپن برس کی خاتون ہوں گی، نہایت پُر وقار سی شخصیت اور کمال لہجے والی، اور لہجے میں بہت اثر بھی رکھنے والی کہ شاید ان ہی کی دعا سے شرجیل پلٹا ورنہ شرجیل کا اندھا انجان جنون یوں ٹوٹنے والا نہ لگتا تھا۔

''ارے ہم کوئی بچے تھوڑی ہیں۔''

''بچوں جیسے ہی لگ رہے تھے، بلکہ مجھے تو اپنے بچوں کی طرح لگے۔''

''آپ کے بچے!'' یہ سوال آصفہ نے پوچھا جواب ان کے برابر خالی جگہ پر بیٹھ گئی تھی۔

''میری صرف تین بیٹیاں ہیں، بیاہ کر اپنے اپنے گھر چلی گئی ہیں تو ہم میاں بیوی اکیلے ہو گئے ہیں، اسی لیے گھر میں جب بہت اکیلا پن محسوس ہوتا ہے تو باہر کے شور سے دل بہلانے نکل پڑتے

ہیں۔"

"کہاں ہیں آپ کے شوہر؟" یک دم آصفہ نے پوچھ ڈالا اور شرجیل کو برا لگ گیا۔

"وہ آگے گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ دراصل بیٹی! شوگر کی وجہ سے ان کی نظر بالکل ختم ہو کر رہ گئی ہے مگر کہتے ہیں۔ تمہاری تو آنکھیں سلامت ہیں، تم کیوں نہ دنیا کو دیکھو۔ خدا کی قسم بیٹی! اتنا میرا خیال رکھتے ہیں، اتنے اچھے ہیں کہ بس۔ اتنا اچھا شوہر قدرت کا بڑا انمول تحفہ ہے۔"

وہ خاتون یقیناً تنہائی کی ماری ہوئی تھیں کہ جہاں کوئی پوچھنے والا اور سننے والا ملا، اپنا دکھ سکھ سنانے بیٹھ گئیں۔

"چلیں آصفہ! بہت دیر ہو جائے گی۔"

"تمہارا نام آصفہ ہے اور بیٹا تمہارا؟ مجھے نگہت کہتے ہیں، یہ میرا کارڈ، مجھے فون ضرور کرنا۔"

"میرا نام شرجیل، میرا کارڈ بھی رکھ لیں۔" شرجیل اکتا گیا تھا مگر پھر بھی کارڈ دے دیا۔

"اچھا بیٹا! آئندہ یوں سمندر میں بے سوچے سمجھے نہ جانا، یہ لہریں بڑی بے اعتبار ہوتی ہیں اور تمہاری بیوی اتنی پیاری ہے، اتنی قیمتی چیز کو یوں کھلے سمندر میں لے کر اتر گئے۔ اللہ کی اس نعمت کی قدر کرو بیٹا!"

اس نے مؤدبانہ انداز میں سر ہلا کر یوں "جی اچھا" کہا جیسے اب ہمیشہ وہی کرے گا جو انہوں نے کہا ہے۔

"اب کیا کریں۔" واپسی کے راستے میں تھوڑا آگے نکل کر شرجیل نے پوچھا۔

"آپ تو وہی کریں گے جو آپ کا جی چاہے گا۔" اس کا جی چاہا کہ کہے اب آگے کون سی بس یا ٹرک سے اپنی گاڑی کو ٹکرائیں گے اور دیکھیں گے کہ آصفہ ساتھ بیٹھی ہے یا ڈر کر بھاگ گئی۔

"بس اب اس بات کو یہیں ختم کر دو آصفہ! میرا دماغ گھوم گیا تھا۔"

پھر وہی اس کی کہانی تھی کہ تم سچی تھیں، میں ہی بے اعتبار تھا اور فقط اس ذرا سی بات کے لیے نہیں اعتبار جیسی بڑی دولت حاصل کرنے کے لیے میں نے تمہیں آزمایا۔ اب وہ اس سے پوچھتی کہ "کیا اعتبار مل گیا۔"

اسے یہ تربیت ہی نہ ملی کہ "بیوی" بھی اس کی طرح ایک مکمل انسان ہے، جس کی اپنی مرضی اپنے احساس اور اپنی آزمائش ہو سکتی ہے۔ کسی وقت وہ بھی یہ اعلان کر سکتی ہے کہ "میرا شوہر بے وفا ہے، مجھے اس کا اعتبار چاہیے، میں بھی اسے آزماؤں گی۔"

"اب بتاؤ آصفہ! گھر جا کر کیا کریں۔"

"کچھ نہیں، آپ نے کہہ تو دیا ہے کہ دعوت ضرور ہو گی، بس اس کی تیاری کریں گے۔"

اس نے اپنے دل کی موت اور شرجیل کے جنون کو زندگی لکھ دیا۔

"چلو کہیں دور چلے جاتے ہیں، آدھی رات کو گھر واپس جائیں گے جب سب کھانا کھا کر سو چکے ہوں گے۔"

اس نے شرجیل کو یوں دیکھا کہ پوچھ رہی ہو "سچ! آپ میں اتنی جرات ہے۔"

اور وہ صرف اپنی بات کہہ کر رہ گیا، اس کا رخ گھر کی طرف ہی تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ شام پانچ بجنے لگے تھے، وہ رات تک کتنے کام نمٹا سکے گی اور شرمین روٹھی رہی تو شاید اکیلے ہی نمٹانے پڑیں گے۔

لیکن گھر جا کر شرجیل نے بڑا ساتھ دیا۔ سموسے اور کباب باہر بازار سے لے آیا، اسے صرف مرغی کا قورمہ، سلاد اور چاول گھر میں تیار کرنے تھے۔

''کھانے کے بعد آئس کریم ہم باہر جا کر کھائیں گے۔ امی کو ذرا گھومنے کا شوق ہے تو وہ خوش بھی ہو جائیں گی اور تمہیں سویت ڈش بھی نہ بنانی پڑے گی۔''

اب وہ اس کے تین گھنٹے پہلے کے رویے پر ناراض ہو کر اس وقت کی مہربانی پر راضی تھی۔

وہ خود ہی امی جان کو دعوت دے آیا۔ معذرت کر آیا کہ دوست کی دعوت بہت ضروری تھی اور اس نے صبح فون کر کے ہی سرپرائز دیا تھا، وغیرہ۔ ساتھ شرمین کو بھی کھینچ لایا۔ دیکھو اگر مرد عورت کا ساتھ دینا چاہے تو اس کے لیے کیا مشکل ہے۔ وہ منٹوں میں دنیا کو راضی کر سکتا ہے۔

اس بار راشن کی چیزیں امی جان نے بھجوائیں تو چاول کے دو بیگ کے بجائے ایک ہی بیگ تھا۔ اس نے سمجھ تو لیا تھا کہ یہ اس کو تنگ کرنے کے ہر روز کے بہانے ہیں۔ دو دن پہلے ہی عالیہ آنٹی اس کے گھر پر کھانا کھا کر ہنسی خوشی روانہ ہوئی تھیں یوں اس کے ساتھ شیر و شکر ہو کر بیٹھی تھیں کہ اس نے بھی سمجھ لیا کہ اب ساری کدورتیں دور ہو گئی ہوں گی۔ حتیٰ کہ ان کی خوش مزاجی اور راضی طبیعت کو دیکھ کر وہ دوپہر کا واقعہ بھی بھول گئی تھی اور آج پھر انہوں نے چوٹ ماری۔ رات کو ہی وہ کتنے پیار سے کہہ رہی تھیں۔

''دیکھنا آصفہ! ہر چیز دھیان سے لکھ دینا، کچھ رہ گیا تو مسئلہ ہوتا ہے اور اب تو تمہیں بھی اپنا کھانا پینا بڑھانا چاہیے۔ کسی اضافی چیز کی ضرورت ہو تو لکھ دینا۔ دیکھو، میرا دماغ تو اب کام نہیں کرتا، تم ہی یاد کر کے ہر چیز لکھ دیا کرو۔ سچ مانو شرجیل بیٹا! تمہارا سارا سامان پہلے لیتی ہوں تاکہ ذہن فریش ہو تو ہر چیز ٹھیک بھجائی دے۔''

اب اسے کیا پتا تھا کہ ان کا ذہن فریش ہونے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ اور ''اضافی چیز'' وہ یوں کہہ رہی تھیں جیسے بہت لادتی ہوں۔ ٹوتھ برش، ٹوتھ پک، ٹشو پیپر، موم بتی، جھاڑو قسم کی چیزیں بھی وہ نہ لاتی تھیں۔ وہ ہر فہرست میں لکھتی لیکن چیزیں کٹ کر رہ جاتیں۔ پہلی بار اس نے بھی دھیان نہ دیا لیکن اب اس کے پاس رکھے ان چیزوں کے اسٹاک ختم ہوئے تو ان چھوٹی چھوٹی ضرورتوں پر بڑا جھگڑا ہوتے رہ جاتا۔

شرجیل کھانے کے بعد ٹوتھ پک مانگتا اور چڑتا۔

ٹوتھ برش نہ بدلنے پر شرجیل کو اتنا غصہ آیا کہ اسی دن پرانے برش اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیے۔ آخر ایک ڈاکٹر تھا۔ حفظانِ صحت کے اصولوں پر مبنی ڈھیروں پڑھی گئی کتابوں کے علم کو کیسے چولہے میں جھونک سکتا تھا اور مزے کی بات یہ کہ جوش میں آ کر برش پھینک تو دیے، رات کو آتے ہوئے نئے برش لانا بھول گیا، پھر چڑ چڑایا تو بولا۔

''امی جان سے لے آتا ہوں۔'' اور امی جان نے بڑا دل کھول کر ایک نیا برش بیٹے کو فوراً نکال کر

دے دیا۔

''ہاں بیٹا! ایسی کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگ لیا کرو۔'' چلیں جی۔ بیٹے کے دانت تو چمک گئے، وہ جراثیم سے محفوظ بھی ہو گیا اور آصفہ کا خیال شرجیل کو نہ آیا کہ اس نے برش تو دونوں کے پھینکے پھر اس کا مزاج اتنا خراب تھا کہ آصفہ یاد دلاتے ڈری اور اس طرح ڈر ڈر کر ہی تو اس نے اپنی زندگی کا ستیاناس کر لیا تھا۔

صبح جلدی میں تھا وہ۔

''میں دانت کیسے صاف کروں گی۔'' اس نے کہا تو ضرور۔

''بھئی، تم بھی امی جان سے برش لے لو۔ انہوں نے کہا ہے ایسی چیزیں مجھ سے مانگ لیا کرو۔''

''افوہ! تو جب آپ نے اپنے لیے مانگا تو میرے لیے بھی لے لیتے۔''

''تم نہیں مانگ سکتیں۔ اچھا بڑی نواب زادی ہو، تمہاری شان گھٹ جائے گی۔ ایسا ہی ہے تو اپنی ماں کو فون کر دو، تمہارے لاڈلے بھائی کے ہاتھ برش کا پورا ڈبا بھجوا دیں گی۔ ویسے بھی تمہاری اماں کچھ بھی بھجوانے کے معاملے میں بہت پیچھے ہیں۔''

وہ اپنی تیزی، اپنی بڑائی کے زعم میں بول کر چلا گیا۔ بس یوں ہی اس کا مزاج اب زیادہ تر اعتدال سے ہٹا رہنے لگا تھا اور اس نے دھیان دیا تو اسے احساس ہوا کہ آج کل میکے سے آنے والی سوغاتوں پر بڑا زور چل رہا تھا۔

وہ عجیب مزاج اپنائے بیٹھی تھی۔ سسرال میں میکے کی لاج رکھنے کا سبق تو ہر لڑکی دہراتی ہے اور اس پر عمل بھی کرتی ہے مگر وہ میکے میں سسرال کی عزت رکھنے پر بھی سر دھڑ کی بازی لگا دیا کرتی تھی اور شرجیل کی شخصیت کو تو وہ یوں بار بار چمکانے میں لگی رہتی جیسے ذرا سا کھٹ گئی اور راکھ نظر آ گئی تو اسی کی بے عزت ہو جائے گی اور اس کے والدین خود عالیہ بیگم کے مزاج سے اتنے خائف بیٹھے تھے کہ کچھ بھی کرنے سے گھبرا رہے تھے۔ آصفہ کے حالات ہی کچھ اس طرح بگڑے اور پھر بدلے تھے کہ بہت سے کرنے کے کام رہ گئے تھے۔

امینہ بیگم نے یہ سب باتیں سوچی بھی تھیں۔

''آصفہ الگ ہو کر رہنے لگی ہے تو ہمیں اسے کچھ تحفے تحائف بھی بھیجنے چاہئیں کہ نہیں۔''

ان کے ہاں رسم تھی کہ بیٹی اپنا الگ گھر بنائے تو میکے سے ڈھیر سارا سامان جاتا تھا۔ برتنے کی بے شمار چیزیں، کچن کا سامان وغیرہ، بلکہ بعض گھروں میں رسومات اتنی بڑھی ہوئی تھیں جیسے لگتا جہیز کی اگلی قسط جا رہی ہو۔

''ابھی ٹھہر جاؤ، ابھی کچھ نہ کرنا۔ ارے عالیہ فوراً کہے گی کہ بیٹی نے زبردستی الگ گھر بنایا اور ماں نے شاباشی دینے کے لیے خوش ہو کر تحفے بھیجے ہیں۔''

''میرا خیال ہے جب تک عالیہ خود اعلان نہ کرے کہ آصفہ الگ کچن بنا کر رہنے لگی ہے، ہمیں کچھ دینا دلانا نہیں چاہیے، حتیٰ کہ مبارک باد بھی نہیں۔''

جلال صاحب نے نانی جان نے اور بڑے ماموں سب نے اپنی اپنی رائے نفی میں ہی دی۔ وہ

خود بھی کچھ سوچ کر خاموش ہوگئیں کہ آصفہ سے بھی مشورہ کریں گی اور آصفہ میکے بھی اتنا کم آتی تھی، اس سے فون پر بھی خاص بات نہ ہوسکتی تھی اور خود کچھ بولنے کے لیے آصفہ کی زبان ہی نہ کھلتی۔

شرمین کا رشتہ طے ہوگیا تھا۔ اگلے دن اس کی سسرال سے لوگ رسم کرنے کے لیے آنے والے تھے۔ منگنی کی باقاعدہ رسم، دعوت اور باقی رسومات ابھی نہ ہوئی تھیں کیونکہ شرمین کا ایک ہی دیور تھا جو امریکہ میں پڑھتا تھا اور اس کا انتظار کرنا تھا۔

چھوٹی سی دعوت کا اہتمام کرنا تھا جس میں آصفہ کے والدین اور نانی جان بھی مدعو تھیں۔ عینی آپا رات سے ہی رہنے آگئی تھیں اور اپنے دادا اور دادی کو بھی روحیل زبردستی اگلے دن شام سے ہی لے آیا تھا۔ عالیہ آنٹی نے اسے بھی اگلے دن صبح سے ہی بلا لیا تھا اور رات کے کھانے کا انتظام کچن میں اس نے تقریباً اکیلے ہی کیا کیونکہ شرمین تو دوپہر سے مہندی لگوا کر بیٹھ گئی تھی اور عینی آپا دوپہر چار بجے آئیں تو آتے ہی اپنے بچوں کی ضروری شاپنگ کرنے بازار چلی گئیں۔ عالیہ بیگم پورے گھر کا حال احوال سنبھالتی وقفے وقفے سے کچن میں جھانکنے کا فرض انجام دے رہی تھیں۔

آصفہ اس طرح فرض نبھانے پر تو کبھی بھی ناخوش نہ ہوئی تھی۔ اس نے پوری تن دہی سے ہر چیز میں عالیہ بیگم کا ساتھ دیا۔

''مہندی تو ہم بھی لگوائیں گے امی جان!'' بازار سے پلٹ کر آئیں اور ابھی اپنی شاپنگ کے کارنامے سب کو دکھا کر فارغ ہوئی تھیں کہ عینی آپا نے ایک نئی فراغت ڈھونڈ لی۔

''بھئی، چھوٹی سی دعوت ہے، اس میں کیا تم لوگ اتنے چونچلے لے کر بیٹھ گئی ہو۔'' روحیل چڑ کر کہہ رہا تھا۔

''ارے واہ! ہماری چھوٹی لاڈلی بہن کی سگائی ہو رہی ہے، ہم کیوں نہ شگون کریں گے۔''

''اچھا تو جائیں اب مہندی کے لیے خوار ہوں، اس وقت پارلر بھی بند ہونے لگے ہوں گے، آپ عورتوں کو بھی بے وجہ کے شوق ہیں۔''

وہ یوں بے زار انداز میں کہتے ہوئے لاؤنج میں پڑے صوفے پر لیٹ گیا۔ اسی وقت اندر کمرے سے اسے اپنی دادی جان آتی نظر آئیں تو فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''آئیں دادی جان! ادھر بیٹھیں۔''

''ارے تم آرام کرو بیٹا! میں ادھر بیٹھ جاتی ہوں، یوں بھی عشاء کی اذان کا انتظار کر رہی ہوں، ابھی نماز کے لیے اٹھنا ہی ہے۔'' انہوں نے برابر والے کراس میں رکھے چھوٹے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ کی گود میں سر رکھوں گا نا۔ اس لیے کہہ رہا ہوں۔''

دادی جان نے مسکراتے ہوئے ''اچھا'' کہا اور اسی صوفے کے کنارے پر بیٹھیں تو روحیل نے ان کی گود میں سر رکھ لیا۔

''یہ دیکھیں۔ پاکستانی فوج یہاں آرام فرما رہی ہے۔ اور سارے گھر میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔

ہائے روحیل! ذرا میرے بچوں کو بہلاؤ نا، آئس کریم وغیرہ کھلانے لے جاؤ، مجھے مہندی لگوانی ہے۔''

''ارے آپ نے ابھی تک مہندی نہیں لگوائی۔ چھوڑیں، کہاں پریشان ہوں گی، دادی جان سے لگوالیں۔ دادی جان وہ جو آپ ڈیزائن لگایا کرتی ہیں نا۔ قسم سے عینی آپا پورا ''سولر سسٹم'' آپ کی ہتھیلی پر بنادیں گی۔''

''روحیل تم بالکل کام کے آدمی نہیں ہو، جانے اسلام آباد میں بیٹھے کیا کرتے رہتے ہو۔''

''قسم سے کچھ نہیں کرتے، دو چار آپ جیسی خواتین کی ضرورت ہے، سر پر چادر لے کر کھڑی ہو جائیں تو سارے جوان سیدھے ہو جائیں۔''

''دادی جان! آپ کہیں نا اس سے، میں اتنا تھک گئی ہوں، یہ صبح سے گھر میں آرام سے لیٹا ہوا ہے مگر کسی کام کے لیے راضی نہیں ہوگا۔''

وہ چڑ کر بولیں۔ ان کی چھوٹی بیٹی رونے لگی تھی اور ان کا سارا موڈ تباہ ہو رہا تھا۔

''رہنے دیں، صبح سے کتنے کارنامے میں نے ابو جی کے ساتھ انجام دیے ہیں۔ کل کی دعوت کی ساری تیاری کے لیے میں ہی ان کے ساتھ بھاگ رہا ہوں۔ بس ابھی آکر بیٹھا بھی نہیں کہ انہیں جیلسی ہونے لگی۔ کسی کو بتائیے گا نہیں کہ آپ میری سگی بہن ہیں۔''

''یہ تم دونوں بھائی بہن کیوں آپس میں الجھ رہے ہو۔ بیٹا! دیکھ لو اس کے بچوں کو، بے چاری لڑکیاں میکے میں آکر ہی تو اپنے شوق پورے کرتی ہیں۔''

''تو سسرال میں کیوں نہیں کر لیتیں یا کر سکتیں۔'' دادی جان ابھی کچھ بولی بھی نہ تھیں کہ روحیل نے بات آگے بڑھائی۔

''عجیب الٹا طریقہ ہے نا دادی جان! ہمارے ہاں لڑکیوں کو ہر چیز کے لیے میکے کی طرف سے آس رہتی ہے۔ گرمی آرہی ہے تو چار جوڑے میکے کی طرف سے آرہے ہیں، سردی میں چار جوڑے الگ آرہے ہیں، عید پر دو جوڑے تو بقرعید پر ایک جوڑا۔ بھئی کیوں آرہے ہیں، لڑکا اگر اپنی بیوی کو گرمی، سردی سے نہیں بچا سکتا تو شادی کیوں کر رہا ہے۔ عجیب گھن چکر ہے۔ بہوؤں کا میکے سے آرہا ہے تو پھر اپنی بیٹیوں کا ان کے میکے سے جا رہا ہے۔ چیزوں کا آنا جانا لگا ہوا ہے، بجائے اس کے کہ اپنے گھر کی چیز گھر میں رہے۔ بیٹیاں ہیں جب تک وہ استعمال کریں پھر بہو آجائے تو اس کے حوالے کر دی جائیں، یہ کیا کہ سامان رسد کی طرح ساری زندگی والدین چیزیں لے لے کر بیٹیوں کے پیچھے بھاگتے رہیں اور بہوئیں اپنے سامان کے لیے دروازے سے نظریں ٹکائے بیٹھی رہیں۔''

ابھی عینی آپا الجھ رہی تھیں اور اب روحیل کے دلائل پر اتنی متاثر ہوئیں کہ وہیں کھڑی رہ گئیں۔

''بالکل ٹھیک باتیں کہہ رہے ہو تم روحیل! لیکن ہمارے ہاں لڑکیوں میں یہ انداز فطرت پایا ہی نہیں جاتا کہ سسرال جا کر کسی چیز پر اپنا حق سمجھیں۔ جن کو مل رہا ہے وہ خوش قسمت ہیں، جو منہ پھٹ ہیں، وہ زبردستی لے رہی ہیں اور جو چپ رہتی ہیں، وہ سچ مچ ہمیشہ آس ہی میں رہ جاتی ہیں۔''

''روحیل بیٹا! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم ان سب باتوں کو اتنی باریکی سے محسوس کرتے ہو۔''

''دادی جان! گھر میں ہی سب دیکھتے ہیں نا، امی جان کو ہمیشہ اسی فکر میں مبتلا دیکھا ہے کہ عینی آپا

کے سسرال میں کیا جا رہا ہے، کب جا رہا ہے۔ حالانکہ ان کی شادی کو اتنے سال ہو گئے اور اب ان کو نئی فکر لاحق ہو گئی کہ بہو کے میکے سے کیا آ رہا ہے۔''

''بحث تو تم بڑی زبردست کر رہے ہو لیکن میرے بچے تو رُل گئے نا۔ تم ان کو نہیں پوچھو گے۔''

''بھئی، میرے خیال سے وہ چپ ہو گئے۔ اب آواز تو نہیں آ رہی۔'' روحیل نے لاپروائی سے کہا۔

''ارے کسی نے کچھ دے کر بہلا لیا ہوگا۔ آخر بچے ہیں، اپنی استطاعت سے بڑھ کر کتنا روئیں گے۔'' اور سچ مچ ان کی چھوٹی بیٹی ہاتھوں میں چاکلیٹ لیے آ رہی تھی۔

''دادا جان نے چاکلیٹ دیا۔ بھیا کو ریڈ دیا، مجھے ریڈ نہیں دیا۔'' وہ نئی مشکل میں گرفتار پھر رونے کا آغاز کرنے والی تھی اور بھیا تو اچھلتا کودتا چاکلیٹ لے کر جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔

''اچھا۔ چھوڑو ریڈ چاکلیٹ کو، یہ بلو بھی بہت اچھا ہوتا ہے اور ابھی روحیل ماموں آپ کو کون آئس کریم دلانے لے جا رہے ہیں۔''

''سچی!'' وہ دوڑ کر ماموں کے ہاتھ کھینچنے لگی۔

''ماموں چلیں، جلدی چلیں۔ بھیا کو نہیں لے جائیں گے۔''

''ارے نہیں بھئی، میں کہیں نہیں لے جا رہا۔''

''اُفوہ، دیکھو ذرا۔ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے روحیل! اتنے روکھے اور ظالم تو کبھی بھی نہیں رہے تم۔''

''بھئی، اتنے دنوں سے امی جان کی صحبت میں رہ رہا ہوں، اس دفعہ مجھے آئے ہوئے پورے بارہ دن ہو گئے ہیں۔''

''اف خدایا آہستہ بولو، امی جان ایک منٹ قیامت برپا کر دیں گی۔''

اتنی دیر میں ان کی بیٹی ماموں کی گود میں چڑھ کر ''چلیں چلیں'' کے گیت گا رہی تھی۔

''اب یہ تمہاری ذمہ داری ہیں ٹیپو کو بھی ساتھ لے جانا۔'' وہ فوراً وہاں سے چلی گئیں۔

رات گئے۔ وہ اتنا تھک گئی تھی کہ کسی سے بات کرنے کی ہمت بھی نہ رہی تھی۔ کھانا پکانے سے لے کر کھانا کھلانے، حتیٰ کہ عینی آپا کے بچوں کو خاص کر ان کی بیٹی کو نوالے بنا بنا کر کھلانے تک کے کام اسی نے کیے تھے۔ تائی اماں کئی بار اس کا ہاتھ بٹانے آئیں لیکن وہ بھلا انہیں کچھ کرنے دیتی، یوں تو چلتے پھرتے عالیہ آنٹی بھی بہت چکر لگا رہی تھیں مگر مجال ہے جو انہوں نے کرنے کے کسی کام کی طرف ہاتھ بڑھایا ہو۔

''تم نے مہندی نہیں لگوائی؟'' وہ بستر پر لیٹی تو اس کی آنکھیں نیند کے لیے بے تاب تھیں۔

''اس وقت کوئی پارلر کھلا ہو تو چلیں، لگوا کر آتے ہیں۔'' شرجیل کے سوال پر وہ بری طرح چڑی تھی، اسے بھلا مہندی کے لیے کہا ہی کس نے تھا۔

''طنز کر رہی ہو، جب عینی آپا گئیں اس وقت تم بھی کیوں نہ گئیں۔''

''ارے اس وقت سارا کام بکھرا پڑا تھا اور پھر مجھے کسی نے پوچھا بھی کب۔''

''ایسے موقعوں پر گھر میں ساری عورتیں کام کرتی ہیں اور پوچھنا کیا، اگر تمہارے دل میں شوق اور

خوشی ہوتی تو تم بھی بھاگتیں مہندی لگوانے جیسے عینی آپا اپنے دو چھوٹے بچوں کو روتا چھوڑ کر بھی گئیں لیکن وہ بہن ہیں اور تمہارے دل میں میری خوشی کی خاطر بھی یہ خیال نہ آیا۔'' لیجیے شوق بھی اس کا دفن ہوا اور قصور بھی اس کا ٹھہرا۔ وہ تو آخر تک سوچتی رہی کہ شاید شرجیل کو ہی خیال آجائے اور وہی کہہ دے کہ تم بھی مہندی لگوالو مگر وہ کہہ تو رہا تھا، اب گھڑی اور وقت دیکھنا تو اس کا فرض نہ تھا۔

''امی جان نے سارے کچن کا کام میرے سپرد کیا تھا، اگر میں بھی مہندی لگا لیتی تو سارے کام کون کرتا۔''

''اب یہ تو نہ لگوانے کے بہانے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارے دل میں میری بہن کی منگنی کی کوئی خوشی ہی نہ تھی، سو تم کھانا پکانے اور کھلانے کے احسان گنوانے بیٹھ گئی ہو۔ سچ ہے کہ انسان جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔''

''جی ہاں، میں نے اس گھر میں آکر ہمیشہ وہی کچھ کیا ہے جو جی چاہا۔ بجائے اس کے کہ آپ مجھ سے پوچھتے یا امی جان سے کہتے کہ آصفہ کو بھی مہندی لگوا دیں، الٹا مجھے برا کہہ رہے ہیں۔''

''حد ہے آصفہ! ایسی باتوں کا خیال عورتیں خود کرتی ہیں یا مرد دھیان کرتے ہیں۔''

سارا قصور اس کے سر ڈال کر شرجیل سکون سے سو گیا۔ اس کا دل بری طرح خراب ہو گیا۔ شرجیل کے پاس کبھی اس کی نیکی اور اچھائی کی کوئی قدر نہ ٹھہرنی تھی۔

''دوسرے دن بھی عالیہ آنٹی اور شرمین نے یہی کیا، سارے گھر کا کام اطمینان سے اس کو سونپ کر خود اپنی تیاریوں میں لگ گئیں۔

''دوپہر کے کھانے کے لیے کچھ زیادہ اہتمام نہیں کرنا، بس قورمہ اور چاول پکا لیتے ہیں۔ روٹی بھی باہر سے منگوالیں گے۔''

وہ بس ''جی جی'' کرتی کاموں کو شمار نہ کر رہی تھی۔ صبح شرجیل کے کہنے پر اس کے اسپتال کے لیے نکلتے وقت وہ اس کے ساتھ ہی یہاں آگئی تھی۔ اگر شوہر اس بات پر خوش ہوتا ہے تو یہی سہی، اس نے سوچا تھا اپنے گھر کے کام وہ تھوڑی دیر بعد نمٹا لے گی لیکن دوپہر کا کھانا پک جانے تک اسے سر اٹھانے کی فرصت نہ ملی کہ وہ پلٹ کر اپنے گھر کی طرف دیکھ لے اور یہاں گھر کے ایک ایک حصے کو جس طرح چمکایا جا رہا تھا اور صفائی پر اتنی زیادہ توجہ دی جا رہی تھی، اس پر اسے خیال آیا کہ اسے بھی پلٹ کر اپنے گھر کو دیکھنا چاہیے مگر کیسے؟ ابھی کھانا لگنے کا آرڈر نہ آیا تھا، سو اس نے سوچا۔ چپ چاپ کھسک جائے اور اس نے یہی کیا اور جب واپس آئی تو گھر کے اس طرف اس کے نام کا شور مچ گیا تھا۔

''آخر آصفہ بھابھی کیا کرنے گئی ہیں؟''

عینی آپا نے تو جیسے ہر کام کے لیے ''آن لائن'' مشین اسے ہی سمجھ لیا تھا کہ ادھر طلب کیا، ادھر حاضر۔

''افوہ عینی! تم تیسری مرتبہ یہ بات پوچھ رہی ہو، بھئی آرام فرمانے گئی ہوگی اپنے گھر میں اور کیا۔ زیادہ کام دیکھ کر بھاگ گئی۔''

عالیہ آنٹی کے لہجے میں ذرا سی بھی نرمی اور مہربانی نہ تھی۔ وہ ان ناقدروں پر اپنا جیون وار رہی تھی۔

حالانکہ اپنی طبیعت اور آرام کی طرف تو اس نے دھیان بھی نہ دیا تھا۔ دراصل اس میں تھوڑی سی عقل ہوتی تو چپ چاپ اپنے گھر کی طرف نہ جاتی، اعلان کر کے جاتی کہ ادھر بھی صفائی کے لیے ہی جا رہی ہے۔ کتنی تیز رفتاری سے اس نے اپنے کمروں کو سنوارا تھا۔ کام والی ماسی تو اس کے پیچھے جیسے تیسے کام نمٹا کر چلی گئی تھی۔

''اف بھابھی! آپ کہاں تھیں۔ اتنی دیر ہوگئی ہے، شرمین کے ساتھ پارلر جانا ہے، پلیز میرے بچوں کا خیال رکھیے گا، انہوں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔''

وہ دروازے پر ہی عینی آپا کو مل گئی تو انہوں نے بلا تردد جلدی جلدی اپنے بچوں کے سارے کام اسے سمجھائے اور باہر کی طرف چلیں۔

''آپ کھانا تو کھالیں اور شرمین! تم بھی نہیں کھا رہیں۔''

''آپ نے پکالیا۔ یہی بڑا احسان ہوا، اب نکال کر کھلانے کی ذمہ داری تو آپ کی نہیں تھی۔'' بہت دنوں بعد شرمین اپنے پچھلے مخصوص طنزیہ لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

ٹھیک ہی تھا نا، اب کھانا نکال کر بھی وہی کھلاتی کیا مگر انتظار یہی ہو رہا تھا کہ آصفہ آئے تو کھانا لگے۔ اس نے پوچھ کر خود پر ہی ستم کیا، ورنہ وہ دونوں بہنیں تو اطمینان سے کھا پی کر جانے کے لیے تیار ہوئی تھیں۔

''یہ جو کچھ تمہارے پیٹھ پیچھے تمہارے لیے کہتی ہیں اس پروا میں لگ جاؤ گی تو بہت دور تک بے چینیاں ہی بے چینیاں سمیٹو گی۔''

چلتے پھرتے تائی اماں نے بڑے پتے کی بات اسے سمجھائی، وہ کہاں تک سمجھی، اس کی ذمہ داری کون لے سکتا تھا۔

شام کو جب وہ تیار ہو کر آئی تو سب سے پہلے شرمین نے اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی۔

''ہائے اللہ بھابھی! اب آپ کب تک اپنے ''جہیز بری'' کے سوٹوں پر گزارا کریں گی۔''

''کیوں اچھا نہیں لگ رہا کیا، بالکل نیا سوٹ ہے شرمین! ابھی تو میرے بہت سے جوڑے بالکل نئے پڑے ہیں۔'' جواب میں شرمین نے ہونٹ سکیڑے۔

''اچھا کیا لگے گا، بالکل آؤٹ آف فیشن سوٹ ہے۔ ہر روز نت نئے فیشن نکل رہے ہیں اور آپ وہی سال بھر پرانے سوٹ استعمال کر رہی ہیں۔''

اسی وقت عینی آپا کمرے میں آئیں تو انہوں نے بھی کوئی اچھا تاثر نہیں دیا لیکن کہا کچھ نہیں، مگر ان کی تیاری اور سج دھج دیکھ کر وہ ضرور سوچنے لگی کہ ابھی سے اتنا اہتمام ہو رہا ہے تو شادی تک کیا احوال ہوگا۔

''آپ کی بہو تو بہت پیاری ہے عالیہ بیگم!''

''ہائے یو آر لکنگ سو اسمارٹ، اور آپ کا سوٹ اتنا جچ رہا ہے آپ کے اوپر، آپ تو بہت خوب صورت ہیں، کاش پہلے ہمیں مل جاتیں۔'' شرمین کی ساس، جٹھانی اور نند کے خیالات شرمین سے بالکل نہ ملے بلکہ نند نے تو حد ہی کر دی۔

''اور یہ رشتہ طے ہوا تو اتنے عرصے آپ ہمیں نظر ہی نہیں آئیں، کیوں؟'' وہ پھر لہک کر کہہ رہی تھی۔

''ارے سمجھا کرو۔ شرمین بھابھی نے خود جان بوجھ کر نہ ملوایا، کہیں ہم موازنہ کرنے بیٹھ جاتے تو۔۔۔''

جٹھانی صاحبہ اطمینان سے چھوٹی نند کو سمجھا رہی تھیں۔

''ہاں۔ پھر شاید مجھے تو شرمین بھابھی بالکل نہ بھاتیں۔ ویسے بھی امی نے جانے ان میں کیا دیکھ لیا، ایویں ہیں۔'' وہ تو اس پانچ منٹ کی گفتگو میں ہی چکرا کر رہ گئی تھی۔

شرمین کی نند کی زبان اور خیالات بہت جلد شرمین کے مقابل آسکتے تھے۔

حالانکہ شرمین اس دن بہت زیادہ پیاری لگ رہی تھی اور اپنے منگیتر کے مقابلے میں تو کئی درجے خوب صورت تھی۔ اس کا منگیتر عجیب ہی شخصیت کا مالک تھا۔ نہ شکل اچھی، نہ اسٹائل اچھا اور بات کی تو پتا چلا کہ لہجہ بھی اچھا نہ تھا اور انسان میں کوئی خوبی نہ ہو اس کے باوجود بھی انسان اترائے، یہ اس کی سمجھ میں بالکل نہ آرہا تھا۔

عالیہ آنٹی نے جانے کیا دیکھ کر ہاں کر دی، اسے سوچنا نہ چاہیے تھا لیکن خیال کو کون روک سکتا ہے۔ ہاں دولت بے حساب نظر آرہی تھی اور یہی چیز عالیہ آنٹی کے معیار کو مطمئن کر سکی ہوگی۔

''ارے نہیں بہن! شرمین کو جوڑوں کی کیا ضرورت ہے، آپ آصفہ کے لیے لے آتیں۔''

امینہ بیگم نے جب شرمین کی منگنی کے تحفہ کے طور پر ایک سوٹ اور لفافہ عالیہ بیگم کی طرف بڑھایا تو انہوں نے اتنے تکبر سے کہا کہ تھوڑا پیچھے کھڑی آصفہ کے دل کی دھڑکن کچھ دیر کے لیے بالکل ڈوب گئی اور آگے سب عورتوں کے درمیان بیٹھی امینہ بیگم کا کیا حال ہوا ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا۔

وہ جواب میں کچھ کہتیں، کچھ اشارہ دیتیں مگر عالیہ بیگم کمال بے مروتی سے دوسری طرف رخ پھیرے کسی اور سے مصروف گفتگو ہو چکی تھیں۔

''آپ یہاں آجائیں بھابھی! ہم اطمینان سے بیٹھتے ہیں۔'' اس وقت تائی اماں نے ان کو آسرا دیا۔ انہوں نے اپنا تحفہ عالیہ بیگم کے پاس چھوڑ دیا جو وہ بڑے مزے سے اپنے ہاتھ کے نیچے ضرور دبا چکی تھیں۔

''آپ برا نہ مانیے گا آنٹی! امی جان کے دل پر تو جو بات لگتی ہے وہ زبان سے یوں ہی پھسل جاتی ہے۔

اب دیکھیں نا۔ آصفہ بھابھی بھی تو کوئی بات سمجھتی ہی نہیں۔ لڑکیوں کو اپنا انداز اور پسند سسرال کے طور طریقوں پر قربان کرنا ہی پڑتا ہے نا۔ آپ آصفہ کی طرف دیکھیں اور ہم بہنوں کی طرف دیکھیں۔ کوئی یہ نہ کہے گا کہ بہو کو کوئی دینے دلانے والا نہیں ہے۔ سچ مانیں، شرمین نے اپنے منہ سے آصفہ کو ٹوکا کہ ایسے کپڑے نہ پہنے مگر اس نے پروا ہی نہ کی۔''

جب رسم اور کھانے کے بعد امینہ بیگم گھر جانے لگی تھیں، اس وقت عینی آپا ان کے پیچھے آئی تھیں۔

''کیسے کپڑے؟'' تھوڑی دیر کے لیے وہ خود سوچ کر حیران ہوئیں۔ آصفہ کے کپڑوں میں کوئی

برائی نہ تھی، سوائے اس کے کہ وہ اس کے جہیز کا سوٹ تھا۔

''حد تو یہ ہے کہ مہندی بھی لگوانے نہ گئی، کوئی یہی کہے گا نا کہ ساس نندوں نے نہ پوچھا ہوگا۔ بیٹھے بٹھائے ساس کی بدنامی کا سامان کر رہی ہیں تو امی جان کو برا لگے گا کہ نہیں۔''

عینی آپا اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھیں۔ بہت سے مہمان جا چکے تھے اور بہت سے باقی بھی تھے، ان کی باتیں کوئی بھی سن سکتا تھا۔

''میں سمجھاؤں گی اسے۔'' وہاں مزید کھڑا رہنا امینہ بیگم کے لیے مشکل تھا۔

''ہاں ضرور سمجھائیے گا، آپ کی بات مانے گی۔ ہمیں تو وہ گھاس ہی نہیں ڈالتی۔'' وہ سر ہلا کر وہاں سے نکل گئیں۔

آصفہ نے لان کے اگلے حصے میں کھڑے ہو کر ساری بات سنی تھی۔

اسے عینی آپا پر اتنا غصہ آیا کہ جی چاہا ایک تھپڑ گھما کر ان کے منہ پر رسید کر دے لیکن کاش وہ ایسا کر سکتی۔ اس گھر میں تو اس نے اپنی ہر صلاحیت کو خود ہی رنگ لگا لیا تھا۔ بھلا وہ کیسے اس کی ماں کی بے عزتی کر گئیں۔

''تم نے سوچا تھا کہ تم اتنی خدمتیں کر رہی ہو، دو دن سے اس گھر میں جان توڑ محنت کر رہی ہو تو آخر میں تمہیں کوئی ایوارڈ مل جائے گا، تمہارے اوپر پھول نچھاور کر کے تمہارے سسرال والے تمہاری بلائیں لیں گے اور عالیہ آنٹی ہر آئے گئے کے سامنے تمہاری تعریف کرتے نہ تھکیں گی کہ ''کیا ہیرا جیسی بہو ملی ہے، میرے سارے گھر کو سنبھال لیا ہے۔''

اس نے ڈھنگ سے شرمین کے سسرال سے آئی چیزیں بھی نہ دیکھیں، وہی گھر کے ان دیکھے کاموں میں گم ہو گئی۔

''شرمین! اب تم آرام کرو بیٹا! بہت تھک گئی ہو گی۔''

''ارے عینی! تم اپنے بچوں کو تو دیکھو۔ بے چارے گھنٹوں سے خوار ہیں۔ ایسی دعوتوں میں بچے بے چارے بری طرح رُل جاتے ہیں۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہوتا کہ ان کو دیکھ لیں اور ایسے شور اور ہنگامے سے انہیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔''

عالیہ آنٹی نے سب کو اپنی اپنی ذمہ داریاں سمجھا دیں۔

''مجھے تو اس پیر کے درد نے معذور کر ڈالا ہے، ورنہ میں اس وقت بیٹھوں، دوڑ دوڑ کر سارے گھر کو آئینے کی طرح چمکا دوں۔'' آصفہ کی صورت نظر آئی تو انہوں نے فوراً جوش دلایا۔

''چلو آصفہ! بہت وقت ہو گیا ہے، مجھے تو صبح اسپتال کے لیے بھی اٹھنا ہے۔''

بس اس وقت شرجیل کا یہ کہنا ہی رحمت تھا ورنہ کسی اور کو تو پل بھر کے لیے بھی خیال آنے والا نہ تھا کہ آخر وہ اکیلی سکینہ کے ساتھ مل کر گھر کے کس کس حصے سے کہاں تک چیزیں سمیٹتی رہے گی۔

''تمہیں اب خیال آیا، وہ خود تھک کر چور ہو گئی ہے، اس کی حالت دیکھو۔''

تائی اماں کو بھی غصہ آیا تھا۔ دو دن سے عالیہ بیگم کی نیت کا ہر رخ دیکھ رہی تھیں۔

''اب کیا کروں دادی جان! امی کی ناراضی کی بھی پروا رہتی ہے۔''

''ارے اللہ کے بندے، کیا ساری زندگی اسی دائرے میں قید رہو گے۔ اس سے آگے دنیا کی پروا کرنا بھی تمہارا فرض ہے۔ اللہ کے ہاں پل پل کا حساب دینا پڑے گا۔''

وہ کل سے اس لیے خاموش تھیں کہ ذرا سی بات کو بگاڑ کر عالیہ الٹا ان کے گلے پڑ سکتی تھیں کہ میری بیٹی کی خوشی میں آئیں اور برا شگون ڈالا۔

''امی! ہم جا رہے ہیں۔'' شرجیل نے عالیہ بیگم سے کہا۔

''کام تو بہت پڑے ہیں۔ ارے عینی! تمہارے بچے سو گئے کہ نہیں، خیر میں دیکھ لیتی ہوں، تم جاؤ آرام کرو۔'' بڑی احسان مندی سے آرام فرمانے کا کہہ کر وہ پلٹنے لگیں۔

''امی! سکینہ بھی تو ہے، وہ کر لے گی اور باقی کام صبح ہو جائیں گے۔'' شرجیل نے کہا۔

''ارے سکینہ کو کام کا سلیقہ کہاں ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولیں۔

''تم آج اتنی پیاری لگ رہی تھیں مگر مجال ہے جو ایک بار بھی میرے ہاتھ آئی ہو۔'' وہ مکمل رومینٹک موڈ میں اس کی طرف بڑھا تھا اور اس کا نہ موڈ رومینٹک تھا نہ دل۔

اس وقت وہ تھکی ہوئی اتنی تھی کہ دنیا کی ہر نعمت کو ٹھکرا سکتی تھی، حتیٰ کہ شرجیل کے پیار کو بھی اور شرجیل کا پیار اس کے لیے وہ ''ظالم آسرا'' تھا جو کبھی اس کی اپنی طلب اور ضرورت پر اسے میسر نہ آیا تھا۔

''اگر آپ عینی آپا اور شرمین کے تبصرے سن لیتے تو ہرگز یہ بات نہ کہتے۔'' وہ تپ گئی۔

''انہیں چھوڑو، میں تمہیں کسی اور کی نظر سے کیوں دیکھوں۔''

انگوری رنگ کے سوٹ پر اسی کے ہم رنگ دھاگے سے گلے اور بازوؤں پر انتہائی نفیس کام کیا ہوا تھا اور سوٹ اتنا بہترین سلا ہوا تھا کہ اس کے جسم پر پوری طرح فٹ آ کر بہت جچ رہا تھا۔ اس نے اس سوٹ کو مہنگے ترین درزی سے سلوایا تھا۔ اسے یاد تھا کہ دن کم رہ گئے تھے اور کام والے نے یہ سوٹ بہت آخر میں بنا کر دیا تھا لیکن اس کی ضد تھی کہ یہ سوٹ بھی اس نے اسی درزی کو دینا تھا جہاں سے ولیمے اور مہندی کا سوٹ سلوایا تھا، سو کڑکڑاتی دھوپ میں عین دوپہر کے وقت وہ انصار کے ساتھ صدر تک گئی تھی کیونکہ شام سے نانی جان ان کے گھر رہنے آنے والی تھیں اور ان کی موجودگی میں وہ بازار کی صورت تک نہ دیکھ سکتی تھی۔

جب لڑکیاں جہیز کی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں اپنا دل پرو پرو کر رکھ رہی ہوتی ہیں تو انہیں ہرگز خبر نہیں ہوتی کہ سسرال جا کر جانے کون کب کسی جنگلی ظالم کسٹم آفیسر کی طرح کس چیز کو نوچ کر پھینک ڈالے یا کب اپنے جائزے کی آنکھ سے کسی چیز کا رنگ اور چمک تک اڑا دے۔

شرجیل اپنے مطلب کے موڈ میں کسی بات کی پروا کرنے والا نہ تھا۔

''عینی آپا نے میری ماں تک کو جتایا کہ آصفہ کا سوٹ اچھا نہیں۔ ارے جو چیز آپ کو پسند نہیں آئی وہ آپ نے کہہ دی کہ اچھی نہیں۔ کیوں بہو میں آپ کی جاسیر تو نہیں کہ کپڑا بھی آپ کی مرضی کا پہنیں اور رنگ بھی آپ کی پسند کا چنیں۔''

وہ چڑتی الجھتی شرجیل سے بہت کچھ کہتی لیکن کاش شرجیل اس کے دل پر ہاتھ رکھنے والا ہوتا۔

روحیل نے اپنے دادا اور دادی کو ایک اور دن زبردستی روک لیا تھا اور تایا جان بھی شاید صرف روحیل کی خاطر رکے تھے۔

''ارے آپ کہاں جا رہی ہیں، اب رات کا کھانا کھا کر ہی جایئے گا میں خود چھوڑ دوں گا۔'' اپنا پرس اور چیزیں سمیٹتی عینی آپا کو بھی روحیل نے گھر نہ جانے دیا۔

وہ صبح جان بوجھ کر اپنی ساس کے پاس نہ گئی تھی، وہ جانتی تھی کہ عالیہ آنٹی اسے شرجیل کے ساتھ دیکھیں گی تو اسے وہاں روک لیں گی اور پھر وہی سارا دن کوفت بھرا اور تھکن زدہ لیکن دوپہر کے بعد انہوں نے خود سکینہ کو بھیج کر اسے بلوایا۔ کہا یہی کہ رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھانا اور حقیقت کیا کہ کھانا کم اور پکانا زیادہ۔

''یہ روحیل کہاں چلا گیا ہے۔''

کوئی لاؤنج میں روحیل کو پوچھ رہا تھا اور کوئی عینی آپا کے بچوں کو بہلا رہا تھا۔ اسے کچن میں آٹا گوندھتے بچوں کے شور کی آواز کے ساتھ یہ آوازیں آ رہی تھیں۔

''قسم سے دو دن سے باہر کی روٹی کھا کھا کر جی اوب گیا ہے۔ بھابھی! تھوڑا سا آٹا گوندھ کر روٹی پکا دیں، آپ کے ہاتھ کی روٹی تو میں اپنے سسرال جا کر بھی کبھی نہ بھولوں گی۔''

شرمین نے اتنے پیار سے کہا کہ وہ بھی انکار کر ہی نہ سکتی تھی۔

''تم کچن سے باہر کیوں نہیں نکل رہیں، جب تک تم نہ نکلو گی، کوئی اور ادھر کا رخ نہ کرے گا۔'' تائی جان اسی پر کڑھنے لگیں۔

''اور اب کیا تم گھر بھر کے لیے روٹی پکاؤ گی، کس نے کہا ہے؟'' تو ارکھ کر اسے روٹی پکانا شروع کرتے دیکھ کر تائی جان اور چڑیں۔

''نہیں، میں نے خود سوچا کہ دو دن سے باہر کی روٹی کھا رہے ہیں، آج تھوڑی گھر کی بنا لوں۔ ویسے تندور سے تو منگوائی ہیں آنٹی نے۔''

''آصفہ! جب تم خود اپنے لیے نہیں سوچتیں تو کوئی کیوں سوچے گا۔ ارے بھئی، یہ وہ سسرال نہیں ہے جہاں تم نیکیاں کر کے ثواب کماؤ۔''

انہیں یوں کھلی بے انصافی بالکل پسند نہ آ رہی تھی لیکن اس وقت وہ سوائے آصفہ کے کسی اور سے کچھ نہ کہہ سکتی تھیں۔

شرجیل آیا تو آصفہ روٹی ہی پکا رہی تھی۔ اسے برا لگا اور وہ اس کے بارے میں کچھ سوچتا کہ عالیہ آنٹی نے اسے دیکھتے ہی کچن کے دروازے سے کھینچ لیا۔

''شرجیل بیٹا تو آ گیا۔ ارے میرے گھر کی اصل رونق تو اب آئی ہے سہیل صاحب! یہاں سب ہیں لیکن تو نہیں تھا تو کسی چیز میں جان نہ تھی۔''

انہوں نے اتنے میٹھے لہجے میں بیٹے کو پکارا کہ بیٹے کے دل سے باقی دنیا کا خیال جاتا رہا۔

''بھئی، کھانا کیوں نہیں لگ رہا اب تک، مجھے تو شدید بھوک لگی ہے۔''

شرجیل کو آئے بھی کافی وقت گزر گیا تو وہ خود ہی ماں سے پوچھنے لگا۔

''یہ جانے روحیل کہاں چلا گیا ہے، کچھ بتایا بھی نہیں۔ مجھے تو شام سے نظر نہیں آیا۔''
''اچھا تو اس کا انتظار ہو رہا ہے کھانے کے لیے۔'' سہیل انکل نے کہا۔
''بھئی اب کھانا لگوانا شروع کرو، میں روحیل کو فون کرتا ہوں۔''
سہیل انکل کہہ کر اٹھ گئے، روحیل کا موبائل بند تھا۔
کچھ انتظار کے بعد سب نے کھانا بھی کھالیا اور چائے پینے لگے تو عالیہ آنٹی اور سہیل انکل دونوں پریشان ہو گئے۔
''روحیل اس طرح بغیر بتائے اتنی دیر کے لیے کہیں جا نہیں سکتا۔'' عالیہ آنٹی نے پھر وہی اپنی بات ''بغیر بتائے'' پر زور دیتے ہوئے دہرائی۔
''ہاں، اب تو مجھے بھی تردد ہو رہا ہے۔ شرجیل! چائے پی لی ہو تو آؤ چلو۔ اسے دیکھتے ہیں، جانے کہاں نکل گیا ہے، موبائل پر بات بھی نہیں ہو رہی۔''
سہیل صاحب چائے کی پیالی ادھوری چھوڑ کر کھڑے ہو گئے تو شرجیل بھی پیالی بغیر پیے یوں ہی رکھ کر کھڑا ہو گیا۔
''لیکن آپ اسے کہاں ڈھونڈنے جائیں گے۔ اس کی کچھ خبر تو نہیں کہ کہاں گیا ہوگا۔'' عالیہ آنٹی نے کہا تو شرجیل نے جواب دیا۔
''امی! کہیں تو پتا کریں۔''
''ابا جان! آپ بیٹھیں، آرام سے چائے پئیں، ہم ابھی آ رہے ہیں۔''
ان کے پیچھے ہی تایا جان بھی کھڑے ہو گئے تو سہیل صاحب نے اپنے والد سے کہا۔
''نہیں، میں بھی باہر لان میں ٹہلتا ہوں، مجھے گھبراہٹ سی ہونے لگی ہے۔'' اور ابھی وہ تینوں آگے پیچھے لاؤنج سے نکلنے ہی لگے تھے کہ روحیل کی آواز باہر صحن سے آتی محسوس ہوئی۔
''ارے ابو جی! امی آپ نے میرے بغیر کھانا کھالیا نا۔'' صرف شرجیل ہی دروازے کے باہر گیا تھا اور اس نے روحیل کے ساتھ کسی اور کو بھی دیکھا تھا، ورنہ ابو جی اور دادا جان تو لاؤنج کے اندر ہی رک گئے تھے۔
''ارے تم کہاں رہ گئے تھے بیٹا!'' وہ لاؤنج کے اندر اکیلا داخل ہوا تھا۔
''ابو جی! آپ لوگوں کے لیے سرپرائز ڈھونڈنے گیا تھا مگر آپ لوگ بالکل صبر نہ کر سکے۔''
''برخوردار! اس زمانے میں کسی کو کسی کا صبر آزمانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، سمجھے۔'' دادا جان پلٹ کر اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے بولے۔
''بھلا اتنی دیر، یوں بغیر بتائے تو تم کہیں نہیں جاتے۔''
امی جان نے وہی ان کو نہ بتائے جانے کی غلطی کا پہلے احساس دلایا اور روحیل مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی عجیب تھی۔
''آپ نے بھی تو کبھی یوں میرا انتظار کرنا نہیں چھوڑا ہے۔''
''ہیں! ایک کھانا کھالیا ہے، اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ انتظار کرنا چھوڑ دیا تھا بلکہ مجھے تو تیرے

بغیر کھانا بھی جی کو نہ لگا، چند نوالے کھا کر ہی چھوڑ دیا تھا۔''

حالانکہ کسی نے نہ دیکھا تھا کہ انہوں نے کھانے میں کوئی کوتاہی کی ہو لیکن ان کا لہجہ اور انداز بس بندے کو جذباتی ضرور کر دے۔

''چلیں، یہ بھی اچھا ہے کہ کھانا کھا لیا گیا ہے۔ کھانے کے بعد سب کے اعصاب مضبوط ہو گئے ہوں گے، میرا ''سرپرائز'' برداشت کر لیا جائے گا۔''

عالیہ آنٹی اب دوبارہ اس کے سرپرائز کہنے پر اس کے لہجے پر چونکیں اور وہ ''ایک منٹ، ابھی آیا'' کہہ کر لاؤنج سے پلٹ گیا۔

شرجیل اطمینان سے ایک کنارے والی کرسی پر بیٹھ گیا کیونکہ وہ ''سرپرائز'' دیکھ چکا تھا مگر لاؤنج میں موجود باقی سب لوگ انتہائی حیرت و جستجو میں مبتلا تھے، حتیٰ کہ دادا جان بھی دروازے پر نظر ٹکائے بے صبر سے ہو گئے تھے۔

''آؤ سمیعہ!'' اس کے ساتھ سر اٹھائے چلتی آ رہی خوب صورت سی لڑکی کے انداز میں بلا کا اعتماد اور کشش تھی۔

وہ روحیل کے ساتھ چلتے ہوئے سیدھی عالیہ آنٹی اور سہیل انکل کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی جیسے جانتی ہو کہ اسے پہلے کس سے ملنا ہے۔

''امی جان! یہ سمیعہ ہے، کرنل ظفر علی خان کی بیٹی ہے اور مجھے پسند ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ انگوٹھی اسے پہنا دیں تاکہ ہم آگے زندگی میں ایک دوسرے کے شریک سفر بن سکیں۔''

عالیہ آنٹی کے چہرے پر اتنی سختی اور مایوسی پھیل گئی کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے کچھ نہ بولیں مگر چپ رہ کر وہ اپنی بات بھی نہ ظاہر کرنے والی تھیں۔

لاؤنج میں سب لوگ خاموش رہ گئے تھے، البتہ سہیل انکل اٹھ کر روحیل کی طرف آئے تھے۔

''ہونہہ!'' انگوٹھی لیے روحیل کے بڑھائے ہوئے ہاتھ کو انہوں نے اتنی بری طرح جھٹکا کہ ہیرے کی خوب صورت انگوٹھی لاؤنج میں کہیں دور جا گری۔

''ایسا کبھی ہوا ہے، ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ میں اپنی زندگی میں کسی اور کے فیصلے قبول کروں۔''

اور روحیل تو فیصلہ کر ہی چکا تھا، اس نے تو سوچا تھا کہ ان کے اندر کہیں ممتا ہو گی، تھوڑا پیار ہو گا تو وہ روحیل کی خوشی کا خیال رکھیں گی لیکن ان کے اندر کیا تھا۔ یہ سب نے دیکھ ہی لیا۔

عالیہ آنٹی دھم دھم زمین کو روندتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

روحیل کو خدشہ تو تھا ہی کہ امی جان اچھا سلوک نہ کریں گی لیکن اتنا برا۔۔۔

سمیعہ ظفر خان کا چہرہ اپنی توہین کے احساس سے اتنا سرخ ہوا تھا لیکن وہ کچھ بھی نہ بولی، یقیناً صرف روحیل کی خاطر ہی چپ رہی۔ اس کی خاموشی نے بتایا کہ وہ روحیل سے صرف محبت ہی نہیں اس کی بہت عزت بھی کرتی تھی۔

ساری صورت حال اتنی اچانک بنی تھی کہ سب پہلے حیران، اب پریشان ہو گئے تھے۔ آخر سہیل انکل، عالیہ آنٹی کے پیچھے گئے۔

''دیکھ لو، یہ سب اسی کی نحوست ہے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ منحوس ہے مگر کم بخت یہ تو اب اللہ مارے تو ہی اس گھر سے اٹھے گی۔ کمینی، دیکھا اس کے سائے کے اثر سے میرے گھر کی رونق مجھ سے چھن گئی۔ میرا بیٹا روحیل۔۔۔ وہ مجھے بتائے بغیر کبھی اپنے استعمال کی کوئی چیز نہ خریدے، آج بیوی ڈھونڈ لی۔''

''آہستہ بولو عالیہ! گھر میں سب لوگ موجود ہیں، آخر اس طرح تو اپنی جہالت مت ثابت کرو۔''

''آپ مجھے جاہل کہہ رہے ہیں۔ جاہل ہوں گے آپ خود، آپ کا خاندان، آپ کی آل اولاد۔۔۔''

عالیہ بیگم نے قطعی پروانہ کی، وہ کمرے میں رکنے کے بجائے فوراً پلٹ گئے اور ان کے پیچھے آئے کمال احمد جلالی جو سب کچھ سن کر دروازے میں ہی کھڑے رہ گئے تھے، بیٹے کو دیکھ کر سوائے افسوس کے کچھ نہ کر سکے۔

انہوں نے دل میں سوچا کہ وہ اگر سہیل کی جگہ ہوتے تو ایسی عورت کو ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیتے لیکن اچھا ہی ہے، سہیل ایک برداشت کرنے والا اور صابر انسان ہے، ورنہ دنیا کو دیکھنے کے لیے تماشا ملتا اور کیا۔

''سخت چڑ ہے مجھے پاکستانیوں کی اس ذہنیت پر اپیچ ہو جاتے ہیں فوراً۔''

وہ پوری آنکھیں کھولے، حیرت سے اپنے سامنے بیٹھی ڈاکٹر نگہت اکرم کا چہرہ تکنے لگی۔ اپیچ ہو جانا تو زندگی کی علامت ہے۔

''وہاں امریکا میں کوئی کسی سے اپیچ نہیں ہوتا۔ انسان بذاتِ خود اتنا اسٹرانگ ہوتا ہے کہ اسے کسی اٹیچمنٹ (Attachment) کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

اس نے اب مایوسی سے اپنی ماں کی صورت دیکھی۔ ''یہ آپ مجھے کس ڈاکٹر کے پاس لے آئی ہیں، یہ پہلے انسان کو پتھر بنائیں گی پھر اسے تخلیق کے عمل سے گزاریں گی۔ اف بھلا کیسے ممکن ہے۔''

''پلیز ڈاکٹر! آپ میرا بلڈ پریشر چیک کر لیں اور اگر کوئی دوائی وغیرہ ہو تو بتا دیں۔'' دراصل یہ ساری گفتگو اس وقت شروع ہوئی جب اس نے آصفہ کی شکل دیکھتے ہی کہا۔

''بی بی! تم اتنا گھل کیوں رہی ہو، یہ تو تمہارا بڑھنے کا زمانہ ہے۔'' اور اس بات کے جواب میں امی جان نے ازراہ مذاق کہہ دیا کہ۔

''یہ اپنے میاں کی محبت میں گھل رہی ہے۔'' اور اسی جملے پر انہوں نے اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کیا۔

''اب اسے یہ بھی برا لگے گا کہ ہم پاکستان کے ناقدرے شوہروں کے بارے میں کوئی بات بھی کریں۔ حالانکہ میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ ہمارے ہاں عورتوں کو قدم قدم پر ہر رشتے میں دل و جان لگا دینے کی عادت سی ہے اور یوں دل کا لگانا بندے کو کمزور کر دیتا ہے۔''

''نہیں، مجھے کیوں برا لگے گا بلکہ میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ اگر میں نے بحث کی تو شاید آپ کو برا لگ جائے گا۔'' اسے بھی جوش آ گیا۔

''یہ برا ماننے کی بری عادت مجھ میں نہیں ہے۔'' ڈاکٹر صاحبہ نے مسکرا کر کہا۔

''آپ شاید اپنی ہر پاکستانی عادت امریکا کے تعلیمی اور تحقیقی اداروں میں چھوڑ آئی ہیں۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

''آپ بھلا وہاں کی بروکن فیملیز کو یہاں کی مینجڈ میریڈ لائف سے کیسے کمپیئر کر سکتی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب انہوں نے شادی جیسے مقدس بندھن سے اٹیچمنٹ (لگاؤ) کو نکال دیا ہے تو مینجمنٹ (سجھاؤ) کا کیا سوال۔''

''نہیں، یہ حقیقت نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ لوگ کسی چیز کے لیے ٹھہرتے نہیں ہیں۔ وہ اپنی ذاتی ترقی کے راستے میں کسی رشتے کو بھی رکاوٹ نہیں بننے دیتے، جب ہی تو ان کی قوم اتنی ترقی کر رہی ہے۔ ظاہر ہے، انفرادی ترقی ہی قومی ترقی کا باعث ہے۔''

''سوری میڈم! میں آپ سے اتفاق نہیں کرتی۔ ان کی قومی ترقی اس اخلاقی تنزلی کو نہیں چھپا سکتی جو ان کے معاشرے میں موجود ہے کیونکہ نفس اور لگاؤ بہر حال انسانی فطرت کے اہم ترین جزو ہیں۔''

''بس ہم ہر وقت ان چیزوں اور باتوں کی کھوج میں لگے رہتے ہیں جو نہیں دکھتیں۔ آخر جو دکھے وہی حقیقت ہے کہ نہیں۔''

وہ الجھ گئی، اس نے سوچا بحث ترک کر دی جائے۔ اس سے پہلے کہ یہی بحث طول پکڑ کر ایمان کو متزلزل کرنے لگے، لیکن اس کا ایمان بہت مضبوط تھا۔ وہ ڈاکٹر بھی بدل لیتی لیکن نام اسپتال میں لکھوا چکی تھی، اور سنا تھا کہ اس ڈاکٹر کے ہاتھ میں شفا بھی بہت ہے لیکن اسے شفا کے لیے بھی صرف اپنے اَن دیکھے خدا کی ذات پر بھروسا تھا۔

روحیل اسلام آباد واپس چلا گیا تھا، دوسرے دن صبح ہی اس نے اپنا سامان پیک کر لیا تھا۔

''میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا۔ امی جان سے کہیں، انہیں سمیعہ کو قبول کرنا پڑے گا ورنہ وہ مجھے بھی بھول جائیں۔''

اس نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر تیز آواز میں باپ سے یہ بات کہی، اس طرح کہ سارا گھر سن لے۔

''بیٹا! تم اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو۔ تم دوبارہ آؤ گے تو ہم اس موضوع پر تفصیل سے بات کریں گے۔''

سہیل صاحب بیٹے کو سمجھا رہے تھے یا بہلا رہے تھے کیونکہ اپنی بیگم سے انہیں کوئی اچھی امید نہ تھی۔ اور بیٹا جوان تھا، ضدی تھا اور جوانی میں ضد اور خودسری نافرمانی پر اکساتی ہے۔

''اب میں نہیں آؤں گا، آپ بلانے آئیں گے پھر بھی نہیں آؤں گا۔'' وہ جلتا، کڑھتا ہوا چلا گیا۔ عالیہ بیگم پر اثر ہوا بھی ہو تو انہوں نے ظاہر نہ کیا۔

بس ان کا غصہ بڑھ گیا۔ اتنا بڑھ گیا کہ انہوں نے ہر کسی سے بات کرنا چھوڑ دی اور اگر کوئی غلطی سے ان سے بات کر لیتا تو وہ آسمان سر پر اٹھا لیتیں۔ سامنے والے کو اس بری طرح جھٹک دیتیں کہ پلٹ

کر دوبارہ بات کرنے کی ہمت نہ کرتا۔

دو دن بعد ان کا بلڈ پریشر بہت ہائی ہو چکا تھا، سر بری طرح چکرانے لگا اور طبیعت اتنی زیادہ خراب ہوگئی کہ فون کر کے شرجیل کو اسپتال میں اطلاع دی گئی اور اس کے کہنے پر سہیل صاحب انہیں لے کر سیدھا اسپتال گئے۔ اس وقت تقریباً شام ہو چکی تھی اور آصفہ کو اس معاملے کی قطعی کوئی خبر نہ تھی۔ اسے بتایا ہی نہ گیا، بلایا بھی نہ گیا، اسے کیسے خبر ہو سکتی تھی۔

وہ تو رات کو نو بجے سے شرجیل کا انتظار کرتی بے چینی سے ٹہل ٹہل کر بھی تھک چکی تھی۔

جب دس بجنے لگے تو بے بس ہو کر اسے برابر میں اپنی ساس کی طرف جانا ہی پڑا ورنہ آج کل وہ اپنی ساس سے بچ کر ہی رہ رہی تھی۔ شرجیل کے ساتھ جاتی اور تھوڑی دیر میں واپس ہو لیتی۔ آج کل ان کا موڈ سخت خراب تھا۔ اس نے سوچا چپ چاپ فون کر لے گی اور سہیل انکل سے پوچھ لے گی لیکن گیٹ پر ہی چوکیدار سے ساری صورت حال معلوم ہوگئی۔

اسے سخت غصہ آیا، جب اپنا مطلب ہوتا تھا تو عالیہ آنٹی اسے صبح صبح بلا بھیجتی تھیں ورنہ ان کو یاد نہیں رہتا کہ آصفہ بھی گھر کی بہو ہے۔ برابر میں ہی اکیلی بیٹھی رہتی ہے۔

اب وہ اکیلی اندر تو جا نہ سکتی تھی، شرمین بھی ساتھ چلی گئی تھی۔ وہ پلٹ رہی تھی کہ اسی وقت گاڑی کے ہارن پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ شرجیل گاڑی میں سب کو لیے آ رہا تھا، اسے رکنا پڑا اور پھر عالیہ آنٹی سے ان کی طبیعت، شرمین سے ان کا حال احوال بھی پوچھنا پڑا۔

تھوڑی دیر تو سب خاموشی سے عالیہ آنٹی کے گرد بیٹھے رہے، وہ سو رہی تھیں یا جاگ رہی تھیں، اس کا اندازہ اسے نہ ہو رہا تھا۔

''آپ چلیں، کھانا کھالیں۔'' آخر کار وہی کھڑی ہوئی اور بہت آہستہ سے شوہر کے پاس جا کر کہا۔ ڈر رہی تھی کہ کہیں جھڑک ہی نہ دے کہ ماں بیمار ہے اور تمہیں کھانے کی پڑی ہے لیکن وہ کہنے لگا۔

''کھانا تو ہم نے باہر ہی کھالیا، امی جان کو کمزوری محسوس ہو رہی تھی اور مجھے بھی شدید بھوک لگی تھی اس لیے۔۔۔''

اس نے وضاحت دی تو وہ اور چڑ گئی، اگر وہ اتنا بھی نہ بتاتا تو کیا کر لیتی اور پھر یہ بتا کر بھی احسان کیا کہ اب نہ شرجیل ماں کے سرہانے سے اٹھ رہا تھا اور نہ بتا رہا تھا کہ آگے اس کے کیا ارادے ہیں۔ کیا ساری رات یوں ہی گزار دے گا، روحیل کے گناہوں کا کفارہ خود ادا کرے گا یا تھوڑی جنت چھوٹے بھائی کے لیے بھی بچا رکھے گا۔

اف یہ مائیں کس طرح بلا سوچے سمجھے اولاد کو گناہ گار کرتی ہیں۔

وہ بھوک سے بے حال ہو رہی تھی اور شرجیل پر پھر بے مروتی اور لاپروائی کا دورہ پڑا تھا۔ خاموشی پر اسے وحشت ہو رہی تھی۔ آخر جب شرمین کسی کام سے اٹھ کر باہر گئی تو اس نے پھر شرجیل سے کہا

''چلیں، اب آپ بھی آرام کریں، کپڑے وغیرہ بھی تبدیل کر لیں پھر اسپتال کے لیے صبح اٹھنا ہے۔''

''امی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں، تمہیں آرام کی پڑی ہے۔ تم سے اگر نہیں بیٹھا جاتا تو جا کر

سو جاؤ۔'' جو طعنہ پہلی بات کے جواب میں نہ ملا اب مل گیا۔

''ہاں شرجیل بیٹا! جا کر سو جاؤ، صبح اٹھ کر اسپتال جانے لگو تو بلڈ پریشر چیک کر لینا۔'' سہیل انکل نے خود ہی کہا۔

''لیکن ان کی طبیعت!'' وہ پلٹ کر ماں کی صورت دیکھنے لگا۔

''میں یہیں سو جاتا ہوں۔''

''ارے تم کون سا دور رہتے ہو اور طبیعت اب ٹھیک ہے، ہم ہیں نا یہاں۔ میں ہوں، شرمین ہے۔'' سہیل انکل نے زبردستی اسے اٹھایا۔

''ہائے میں مرگئی اور ہائے میں جی نہ سکوں گی۔'' کی جذباتی بلیک میلنگ سے عالیہ آنٹی نے پھر شرجیل پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا اور آصفہ کی طرف سے انہوں نے پھر منہ موڑ لیا یا آواز بلند اسے کوسنے نہ دیے لیکن آصفہ جب بھی سامنے جاتی اسے لگتا وہ اسے جی ہی جی میں کوس ہی رہی ہیں۔

طلعت کی شادی کا ہفتہ شروع ہو گیا تھا۔ غیر متوقع طور پر عالیہ آنٹی کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی، وہ ہر جگہ آنے جانے لگیں اور شادی کی ہر دعوت میں بھرپور طریقے سے حصہ لینے کے قابل بھی ہو گئیں۔

''آپ کیا پہن رہی ہیں آج بھابھی؟'' شرمین کا لہجہ حیرت انگیز طور پر خوش گوار تھا بلکہ وہ خود چل کر اس کے پاس آئی تھی۔

''سفید رنگ کا سوٹ پہنیں گے نا، میلاد کی مناسبت سے۔ میری سنبل سے فون پر بات ہوئی تو وہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔'' شرمین نے اس کے جواب سے پہلے ہی آگے مزید بات کی۔

''ہاں میرے پاس سفید ڈوری اور ریشم کے کام والا سوٹ ہے۔ یہی پہننے کا ارادہ ہے۔''

شرمین کے میٹھے لہجے سے متاثر ہو کر اس کی فطرت کے کڑوے پن کو وہ بھول گئی اور مزے سے سوٹ نکال کر اسے دکھا بھی دیا۔

''یہ تو وہی سوٹ ہے نا جو منگنی کے بعد آپ کی سالگرہ پر شرجیل بھائی نے آپ کو گفٹ کیا تھا۔'' لہجہ اس نے اچھا ہی رکھا لیکن انداز کے تیکھے پن نے برا بنا دیا۔

''ہاں، یہ سوٹ مجھے بہت پسند ہے لیکن اب تک پہننے کا موقع ہی نہیں ملا۔'' شرمین کے اعتراض سے پہلے اس نے کہا۔

''آپ کی اتنی چہیتی دوست ہے، اس کی شادی پر آپ نے لگتا ہے ایسی کوئی خاص تیاری نہیں کی۔'' وہ اپنے اسٹائل کی طرف پلٹ رہی تھی۔

''خاص تیاری کرنے کے لیے وقت اور پیسہ دونوں چاہیے اور وہ میں اس گھر میں رہتے ہوئے اپنی مرضی سے نہیں استعمال کر سکتی۔''

ایسی باتیں وہ سوچ سوچ کر اور کڑھ کڑھ کر مر جایا کرتی تھی جس کا فائدہ بھی کچھ نہ تھا۔ آج شرمین کو اس نے تڑ سے جواب دے ہی دیا۔ ایک پل کو تو شرمین حیران ہوئی کہ بھابھی آصفہ اور ایسا صاف جواب لیکن پھر وہ کہاں حساب رکھنے والی تھی۔

''ویسے آپ بے وقوف ہیں۔ جہاں انسان کی مرضی نہ چلتی ہو، وہاں رہنے کا کیا فائدہ۔ یہ ہمارے شرجیل بھائی تو ایسے ہی رہیں گے، سدا کے گونگے اور بہرے۔ آپ خوامخواہ خود کو اس گھر میں ضائع کر رہی ہیں، میں آپ کی جگہ ہوتی تو کب کی ہر چیز کو لات مار کر روانہ ہو چکی ہوتی۔''

وہ حیران رہ گئی۔ اس گھر کے لوگ پل میں کس طرح اپنا انداز بدل لیتے ہیں۔ اسے پتا تھا کہ شرمین ایسا ہی کچھ کر سکتی تھی لیکن یہ باتیں وہ آصفہ سے کہے، کتنی عجیب سی بات تھی۔

لیکن وہ کہہ کر چلتی بنی اور اتنی سخت اور کڑوی بات کہہ کر بھی اس کے جی کا غبار کم نہ ہوا۔ لوگ کس طرح اپنی چڑ، اپنے اندر کا لاوا غصے کی شکل میں باہر نکال کر خود اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں کہ اب ہم ٹھنڈے ہو گئے اور اس جیسے لوگ کبھی ہزاروں گھڑیوں میں ایک بار اپنے منہ سے کچھ نکالیں تو ایسا جواب پائیں کہ پھر کچھ کہنے کی جرات نہ کریں۔

''تمہیں اچھا لگتا ہے کہ تمہارا بوڑھا باپ کراچی سے اسلام آباد بار بار دوڑا آیا کرے، صرف تمہیں منانے کے لیے۔''

سہیل صاحب پھر اسلام آباد آئے تھے، انہیں اندازہ تھا کہ معاملہ اس دفعہ سنگین ہے اور بیٹا بھی ضدی ہے۔

''ارے پاپا! آپ بوڑھے کہاں ہوئے ہیں۔ کم آن، اتنے ینگ تو ہیں۔''

روحیل باپ کو دیکھ کر دل میں خوش ضرور ہوا ورنہ اسے خدشہ بہت تھا۔ جب سے کراچی سے پلٹ کر آیا تھا ہر روز دل میں ایک نیا وسوسہ جنم لیتا تھا۔ ہوسکتا ہے والدین اس کی پروا ہی نہ کریں، امی جان غصے میں سچ مچ اسے بھی بھول ہی جائیں وغیرہ۔ خوش ہوا تو سہی مگر ظاہر نہ کیا۔

''اچھا بیٹا جی! تمہارے پاپا کہنے سے میں ماڈرن ضرور ہوسکتا ہوں مگر میری عمر کم نہیں ہوسکتی۔''

''چلیں چھوڑیں، آئیں میں آپ کو اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلاؤں تاکہ آپ کی تھکن کچھ کم ہو۔''

''بھئی یہ چائے تو سمیعہ کو پلانی چاہیے کہ بہو منوانے کے امتحان میں کچھ نمبر حاصل کرے۔ اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ سگھڑاپا تم دکھاؤ اور بہو ہم اسے مان لیں۔''

''مجھے پتا ہے کہ آپ مجھے یہی بتانے کے لیے آئے ہیں کہ آپ لوگ راضی ہیں۔''

اس نے انہیں آرام دہ صوفے پر بٹھایا تھا اور پھر خود بھی ان کے پاس بیٹھ گیا اور اپنی بات دہرائی۔

''راضی ہیں نا، ٹھیک سے بتا دیں ورنہ مجھے کسی دن غصہ آیا تو کورٹ میرج کر لوں گا پھر نہ کہیے گا کہ جوان اولاد نے سارے زمانے میں بے عزتی کرا دی۔''

''صاحبزادے! تمہارے ایسے ہی خیالات سے ڈر کر میں یہاں دوڑا آیا ہوں۔''

''اف پاپا! سچ مچ دوڑ کر آئے ہیں، جہاز یا ٹرین کسی میں جگہ نہیں ملی۔'' روحیل ان کی ہر بات کو ہنسی میں اڑا رہا تھا۔

''بکواس مت کرو اور میری بات غور سے سنو۔ خبردار! کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرنا، ہماری پورے

خاندان میں جو تھوڑی بہت عزت اور نام ہے اس کو خراب کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں آہستہ آہستہ تمہاری ماں کو منالوں گا۔'' سامنے بیٹھے بیٹے کو انہوں نے پیار اور ڈانٹ کے ملے جلے انداز میں سمجھایا۔

''اف پاپا! آہستہ کا میں قائل نہیں ہوں نا۔'' وہ مچلا۔

''اچھا زیادہ مت پھیلو۔ جتنی ہم تم سے محبت کرتے ہیں، اتنا ہی تم پر ہمارا احترام لازم ہے، سمجھے۔ یہ فوج والے کیا کرتے ہیں، کچھ اخلاقیات وغیرہ بھی پڑھاتے ہیں یا صرف یہ بھاگنا، دوڑنا اور کودنا پھاندنا ہی سکھاتے رہتے ہیں۔''

''ارے پاپا! ایسی بات نہ کریں، جتنی مورال ویلیوز کی بات ہمارے انسٹیٹیوٹ میں کی جاتی ہے، اتنی کسی اور ادارے میں شاید نہ کی جاتی ہوگی۔''

''جب ہی یہ حال ہے کہ مسٹر وجیل سہیل احمد اپنے باپ کو دھمکی دے رہا ہے کہ میں آپ کی بے عزتی کرا سکتا ہوں۔'' انہوں نے بیٹے کو ٹھیک ٹھاک شرمندہ کر دیا۔

''سوری پاپا! آپ تو ناراض ہوگئے، یہ تو سچ مچ صرف دھمکی ہی ہے۔ میں من مانی کرنا چاہتا تو بہت پہلے کر لیتا مگر میرا تو یہ ایمان ہے کہ کسی کو دکھ دینا گناہ ہے، پھر بھلا میں اپنے والدین کو ایسا صدمہ دینے کا کیسے سوچ سکتا ہوں۔ میں نے تو صرف امی جان کو قائل کرنے کے لیے ایسا کیا تھا ورنہ آپ تو مجھے جانتے ہیں نا پاپا!''

''میں تو تم پر فخر کرتا ہوں بیٹا!'' انہوں نے جذبات میں آکر بیٹے کو گلے لگا لیا۔

''اور میں آپ کے اس مان کو کبھی نہیں توڑوں گا۔ ڈیٹ از مائی پرامس۔''

انہوں نے بیٹے کا کاندھا تھپتھپایا تو اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں مضبوطی سے دیا۔

''اور راز کی بات یہ ہے کہ سمیعہ مجھے بہت پسند آئی ہے۔''

''اوہ سچ پاپا! آپ تو بہت زیادہ اچھے ہیں، مجھے اتنا نہیں پتا تھا آپ کے بارے میں۔'' اب وہ خوشی سے ان کے گلے لگ گیا۔

''تم میری بات سمجھے نہیں بیٹا جی! میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ تم سے بھی زیادہ اچھی ہے۔''

''آپ مجھے رقابت میں مبتلا کر رہے ہیں۔''

''محبت میں رقابت کی گنجائش ہے؟'' وہ ہنسنے لگا۔

''غالباً تم مجھے چائے پلا رہے تھے، پورا بھیجا چاٹ لیا مگر تھکے ہارے باپ کو چائے نہ پلائی۔''

''اوہ سوری پاپا!''

''یہ تم مجھے پاپا کب سے کہنے لگے ہو۔'' انہوں نے اسے ٹوک ہی دیا۔

''آج، ابھی سے۔ یونہی میں نے سوچا تھوڑے دن ٹرائی کر کے دیکھوں ''پاپا'' میں آپ کتنے فٹ آتے ہیں۔'' وہ کہہ کر کچن کی طرف بڑھا۔

''رہنے دو، کہیں باہر سے چل کر چائے پی لیتے ہیں۔ کچھ کھا بھی لیں گے، مجھے بھوک بھی لگ رہی ہے۔''

''او کے سر! حکم فوراً مانا جائے گا۔'' اس نے باپ کے سامنے سیلوٹ مارا۔ دراصل وہ باپ کو یہاں

دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا اور اس کی اچھی خاصی ٹینشن بھی دور ہو گئی تھی۔

کھانا کھا کر اور چائے پی کر وہ لوگ فارغ ہوئے تو روحیل نے اپنے باپ سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ایک بار کرنل ظفر سے مل لیں۔

''دیکھیں نا پاپا! ہمارے ہاں لڑکیوں کا حساب کتاب بڑا نازک ہوتا ہے اور ہم دونوں میں سے کوئی بھی فریق یہ نہیں چاہتا کہ والدین کو ناراض کیا جائے۔ ویسے تو کرنل صاحب بہت سلجھے ہوئے اور بہترین انسان ہیں لیکن بہت سخت مزاج اور با اصول بھی ہیں۔ اگر سمیعہ اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکی اور انہوں نے کسی اور کو زبان دے دی تو پھر قیامت تک نہ پھریں گے۔''

''کیا سمیعہ نے اپنے گھر میں اپنی پسند کا اظہار نہ کیا ہوگا؟''

''کیا ہو، شاید اپنی چھوٹی بہن یا بڑی بھابھی سے کچھ کہا ہو لیکن والدین کے سامنے ایسی بات لے جانے کے لیے کچھ یقین دہانی بھی ساتھ ہونی لازمی ہے اور آپ کا جانا ضرور اچھا شگون ثابت ہوگا۔''

''برخوردار! تم سمجھتے نہیں ہو۔ اگر تمہاری ماں کو پتا چل گیا کہ میں سمیعہ کے والد سے مل کر کوئی گٹھ جوڑ کر آیا ہوں تو وہ میرا جینا حرام کر دیں گی اور پھر سمیعہ کو بھی ساری عمر قبول نہ کریں گی۔''

''افوہ پاپا! آپ امی سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں؟''

''ان سے نہیں ڈرتا، اپنی عزت سے ڈرتا ہوں بیٹا! کیونکہ اسے کسی کی بھی عزت کی کوئی پروا نہیں ہے۔'' سہیل احمد کی آواز سخت اور لہجہ ناراض ہو گیا۔

''شادی کے شروع دنوں میں اگر مرد کسی طرح بھی عورت سے دب جائے اور عورت کا مزاج تمہاری ماں جیسا ہو تو اس ذرا سی غلطی کو ساری عمر آدمی کو بھگتنا پڑتا ہے۔''

''اچھا انہیں نہیں پتا چلے گا پاپا! کسی طرف سے بھی نہیں۔ فی الحال تو انہیں راضی کرنا ہی میرا بڑا مقصد ہے۔'' روحیل نے کہا۔ ''لیکن سمیعہ کے والد کو بھی عندیہ دینا لازمی ہے ورنہ ظاہر ہے وہ بیٹھ کر ہمارا انتظار تو ہرگز نہ کریں گے۔''

''ٹھیک ہے، چلو پھر چلتے ہیں۔'' انہوں نے ہمت باندھی تو وہ خوش ہو گیا۔

کرنل ظفر علی خان بھی سہیل احمد سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے اور سمیعہ روحیل کے گھر میں کی گئی اپنی پذیرائی کو ہرگز نہ بھولی ہوگی مگر وہ کھلے دل کی مالک لڑکی تھی اور روحیل نے اسے پہلے ہی سمجھایا تو تھا کہ اسے مشکلیں پیش آئیں گی لیکن اس کے دل میں محبت کی جڑیں بھی یقیناً دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔

سمیعہ بی ایس سی کر رہی تھی۔ اس کی والدہ کا انتقال اس وقت ہوا تھا جب وہ دسویں جماعت میں پڑھتی تھی۔ وہ دو بہنیں اور تین بھائی تھے۔ بڑے دونوں بھائی اپنی اپنی شادی کے بعد کراچی سیٹل ہو گئے تھے۔ چھوٹا بھائی جس کی شادی کو ابھی تین چار برس ہی ہوئے تھے، وہ اسلام آباد میں اپنے والد کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ وہ پاکستان ایئر لائنز میں فلائٹ انجینئر تھا۔ اس کا اکثر کراچی آنا جانا بھی رہتا تھا۔

پھر سمیعہ تھی۔ انتہائی ذہین، بولڈ، ہمیشہ سچ بولنے والی، خود دار اور خود اعتماد لڑکی جس کی سانولی رنگت بہت پرکشش تھی۔ اتنی بڑی بڑی آنکھوں میں گہرائی، ستواں ناک اور پھر ہونٹوں کی سرخی اور ٹھوڑی کا خم۔ وہ اگر ڈٹ کر کھڑی ہو جاتی تو کوئی مقابل نہ ٹھہر سکتا۔

جب ہی تو روحیل جیسا شخص متاثر ہو گیا، اتنا کہ دل ہی لگا بیٹھا۔
سمیعہ سے چھوٹی بہن نادیہ تھی جو ابھی سیکنڈ ایئر میں پڑھتی تھی لیکن دونوں بہنوں میں دوستی بڑی تھی۔ اتنی کہ جس دن سمیعہ کا دل ایک منٹ میں بہتر کی جگہ بانوے دفعہ دھڑکا، نادیہ نے بہت دیر تک اسے گھور کر دیکھا۔
''بھئی تم تو جان کو ہی آ گئی ہو۔'' بڑی بہن نے جھڑکا۔
''میں تو تمہاری جان نکال لوں گی، اگر تم نے مجھے نہ بتایا۔'' چھوٹی بہن سچ مچ جان چھوڑنے والی نہ تھی۔ سو آخر کار اس نے اپنی دھڑکن کی اتنی تیز رفتاری کی وجہ ''روحیل سہیل احمد'' بتا دی۔
اور ان کی بھابھی رابعہ یعنی عادل بھائی کی بیوی اتنی اچھی تھیں کہ سب ان کی اچھائی پر اللہ کا ہر وقت شکر ادا کرتے اور ان کا ہر حال میں خیال رکھتے۔ اچھے لوگ خوشبو کی طرح ہوتے ہیں، اپنے اردگرد کا ماحول مہکا دیتے ہیں۔

''طلعت کی شادی ہے، اگر آپ کہیں تو میں چند دن خالہ کے ہاں رہنے چلی جاؤں سب گھر والے بہت اصرار کر رہے ہیں۔''
''ہاں، شوق سے جاؤ۔ مہینے دو مہینے، سال دو سال، جب تک چاہو وہیں رہ لینا۔ ہاں مگر آتے آتے اپنا یہ دماغ تبدیل کروا تی آنا جس میں سوائے بھوسے کے کچھ نہیں بھرا ہوا۔''
اس نے بہت سوچ سمجھ کر چوبیس گھنٹے میں اس گھڑی کو تلاش کیا تھا، جب شرجیل کا موڈ اچھا ہو مگر اس کا نصیب ہی اچھا نہ تھا۔
''ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ ٹھیک ٹھاک نارمل انداز میں اس سے بات کر رہا تھا۔
''یہ کیس میرے لیے چیلنج ہے۔ سرجن مختار نے ساری ذمہ داری میرے سر پر ڈال دی ہے۔ وہ بہت مخلص ہیں میرے ساتھ، جانتے ہیں کہ کامیابی کی صورت میں مجھے اس کا صلہ بھی اچھا ملے گا۔''
وہ کسی مریض کی کیس ہسٹری اچھی طرح پڑھنے اور سمجھنے میں بہت محنت کر رہا تھا۔ وہ اکثر بیٹھ کر اپنے مریضوں کی، اپنے کام کی اور اسپتال کی درجنوں باتیں اس سے کیا کرتا تھا اور وہ سنتی رہتی۔ چاہے اس کا جی لگتا یا نہیں۔ وہ صرف اس کی خاطر دلچسپی لینے لگتی۔
مگر وہ اس کی خاطر کیا کر سکتا تھا۔ ''بی بی آصفہ آخر کب تک آزمائیں گی؟'' وہ خود ہی جی میں بڑبڑاتی سامنے صوفے پر پڑے اپنے وہ سوٹ سمیٹنے لگی جو آج شام ہی عاصمہ باجی وقار کے ساتھ آ کر دے گئی تھیں۔ طلعت کی شادی کے لیے یہ کپڑے امی جان نے بنوا کر دیے تھے۔ چاروں سوٹ بہت خوب صورت تھے، دو سوٹ تو اس نے اپنی پسند سے (بلکہ اپنی کہاں رنگ سے لے کر ڈیزائن تک میں اس نے شرجیل کی پسند کا خیال رکھا تھا) خود بازار جا کر لیے تھے۔ ایک سوٹ بھابھی اسلام آباد سے لے آئی تھیں اور مہندی کے لیے سوٹ تو سب کزنز نے مل کر تقریباً ایک جیسے ہی بنوائے تھے اور اس سوٹ کے لیے اس نے تہنیت سے کہہ دیا تھا کہ اپنی پسند سے بنا لے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ بازار نہ جا سکتی تھی۔
''اب بیگم صاحبہ ایک کونے میں منہ پھلا کر بیٹھ گئیں۔'' شرجیل نے چڑ کر کہا۔

''بندے کا اتنا بھی حق نہیں ہے کسی اچھی بری بات کو آپ کے گھر میں بیٹھ کر محسوس کر سکے۔'' اس نے کڑھ کر جواب دیا۔

''کیا بری بات ہوگئی تمہارے ساتھ، تم انتہا درجے کی ناشکری عورت ہو آصفہ! تمہاری خاطر ہی میں اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر گھر کے اس کونے میں پڑا ہوا ہوں۔ اگر کچھ محسوس کرنا ہی ہے تو یہاں بیٹھ کر میری اس قربانی کو محسوس کرو۔''

''دیکھیں، میں نے آپ سے ایک سیدھی سی بات پوچھی ہے۔ آپ کو نہیں اچھی لگی تو آپ انکار کر دیں، اتنی ساری باتیں سنانے کی کیا ضرورت ہے۔''

آج کل اس کا غصہ فوراً انتہا کو پہنچ جایا کرتا تھا۔ ایک تو طبیعت میں گرانی تھی پھر مزاج میں چڑچڑا پن آ گیا تھا۔

حقیقت یہی تھی کہ اس کا دل طلعت کی شادی میں اٹکا ہوا تھا۔ اس کے میکے میں کیسی رونقیں اور خوشیاں بکھری ہوئی تھیں اور وہ خود اکیلی یہاں سارا دن شرجیل کے جانے کے بعد اپنے گھر میں پڑی جھنجلاتی اور کڑھتی رہتی۔

''ہاں، سچ بات تو تم سے سنی نہیں جاتی مگر پوچھ کر دیکھو چار لوگوں سے۔ جب لڑکیاں اپنا الگ گھر بنا لیتی ہیں تو پھر کیا یوں گھر چھوڑ چھوڑ کر میکے جا کر رہتی ہیں۔ میں کس طرح رہوں گا۔ میرا ناشتا، کھانا، کپڑے، چیزیں، کسی بھی بات کی پروا کیے بغیر تم نے کہہ دیا کہ میں چند دن کے لیے چلی جاؤں۔''

''افوہ شرجیل! آپ کوئی بچے تو نہیں ہیں کہ اپنا خیال بھی نہ رکھ سکیں۔ ناشتا روزانہ حبیب خان سے منگوا سکتے ہیں، چائے باہر پی لیا کیجئے گا، کھانا تو اسپتال میں ہی کھاتے ہیں اور رات کو تو اب روزانہ آپ کو دعوت میں ہی آنا ہے۔ آج مایوں ہے، کل مہندی، پرسوں لڑکے والوں کے ہاں مہندی ہے، جمعہ کو ڈھولکی ہے اور ہفتہ کو شادی۔''

وہ چڑ گئی لیکن اپنی ساری کوفت کو پس پشت رکھ کر پھر لہجہ نرم کر کے شرجیل کو منانے میں لگ گئی۔ کیا کرتی اس کا دل وہیں اپنی خالہ آمنہ کے گھر میں اٹکا ہوا تھا۔

''نہیں، ایسا کچھ نہیں ہو سکتا۔ تم میرا دماغ مت چاٹو اور مجھے کام کرنے دو۔ ذرا سوچو امی وغیرہ کیا کہیں گی۔''

''وہی جو آپ ان سے کہیں گے یا آپ سمجھائیں گے۔'' اس کا جی تو چاہا کہے آپ سانس بھی اپنی ماں سے پوچھ کر لیا کریں۔ وہ پھر اپنے کام میں محو ہو گیا۔

''پلیز شرجیل! طلعت میری بہت پیاری دوست ہے نا، دیکھیں ویسے تو میں کبھی اپنے میکے جانے کی ضد نہیں کرتی لیکن کبھی کسی موقع پر تو میری بات مان لیں۔ آپ جانتے ہیں مجھے طلعت سے کتنی محبت ہے۔''

اور یہ طلعت کی محبت ہی تھی کہ وہ شرجیل کے سامنے یوں گڑگڑا رہی تھی ورنہ آج تک اپنے کسی جائز حق کے لیے بھی اس نے یوں منت نہ کی تھی۔ ایک بار اس نے سوچا کاش اس کی اپنی شادی نہ ہوئی ہوتی، وہ یہ سارا وقت طلعت کے ساتھ گزارتی۔ انسان کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی خواہشیں اسے کتنا رلاتی

ہیں۔

''یہ تو اور زیادہ ناقابلِ برداشت بات ہے۔ ارے میرے ہوتے ہوئے تم ایروں غیروں میں اپنی محبت بانٹتی پھر رہی ہو۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' اس نے اپنا کام ایک طرف کر کے اب اپنی توجہ آصفہ پر مرکوز کر دی۔

''اب جذبوں پر تو آپ پابندی نہیں لگا سکتے، نہ ہی محبت زبردستی کی جا سکتی ہے۔''

''خیر میں تو زبردستی بھی کر سکتا ہوں۔ میرے پاس لائسنس موجود ہے۔'' اس نے کھینچ کر آصفہ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔

''جی نہیں، اب ایسا بھی اندھیر نہیں مچا ہوا کہ آپ میری ایک نہ سنیں اور اپنی ہر بات منوا کر دم لیں۔''

وہ فوراً سیدھی ہوئی اور تیزی سے اٹھ کر شرجیل سے دور پلنگ کے کونے پر جا کر بیٹھ گئی۔

''اچھا چلو پھر سے بتاؤ، تم کیا کہہ رہی تھیں۔ ناشتا کیسے کرنا ہے اور کھانا کہاں کھانا ہے۔''

شرجیل اتنی محبت سے بولنے لگا جیسے ابھی کچھ دیر پہلے کوئی بدمزگی نہ ہوئی ہو۔ اور یوں ہی محبت کے انداز میں ڈوبے اس نے آصفہ کو اجازت دے دی کہ وہ جتنے دن چاہے طلعت کی شادی کے لیے آمنہ خالہ کے گھر ٹھہر سکتی ہے اور اسی خوشی میں وہ بے شمار پریشان کن باتوں اور خیالوں کو بھول گئی بلکہ ان احتیاطوں کو بھی بھول گئی جو اپنے گھر کی چابیاں شرجیل کو سونپنے سے پہلے اسے برتنی چاہیے تھیں۔ اس کے خیالوں میں دراصل ان گھٹیا طور طریقوں کا گزر ہو بھی نہیں سکتا تھا جو عالیہ آنٹی اور شرمین سوچتی اور عمل کر سکتی تھیں۔

شرجیل خود تو اتنا لاپروا اور بے اعتبار کہ اگلے دن صبح ہی چابی شرمین کو دے دی۔ جب اس نے کہا کہ میں ماسی سے صفائی وغیرہ کروالوں گی۔

طلعت کی شادی جواد میر سے بڑی دھوم دھام سے ہوگئی۔ جواد میر نے جو قول دیا تھا کہ نکاح سے پہلے اب اپنی شکل طلعت کو نہ دکھائے گا، اس پر پوری طرح قائم رہا اور نکاح کے بعد اس نے طلعت کو ایسا قائل کیا کہ اب وہ اس کی صورت کی گرویدہ ہوگئی تھی۔ دراصل عورت مضبوطی اور آسرے کے زعم میں بہت کچھ کر سکتی ہے اور مرد کو خدا نے اسی تحفظ اور معاشرے میں اعتدال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اسے آگے جگہ دی ہے تو صرف اسی لیے کہ وہ پیچھے والے کی دوہری حفاظت اور خیال کرے۔

عورت کو خدا نے صرف پشت ہی نہیں دی، رتبہ بھی دیا ہے، اعزاز بھی دیا، جذبوں کی معراج بھی بنایا ہے اور مرد کے دل کی تسکین کا سامان بھی کیا ہے پھر بندہ کیوں اس حقیقت کو جھٹلاتا ہے۔

آصفہ طلعت کی رخصتی کے دوسرے دن دوپہر کو ہی وقار کے ساتھ اپنے گھر چلی آئی۔ اس کا خیال تھا کہ گھر میں کام بہت ہوگا اور شرجیل نے تو یقیناً چھ دنوں میں ہر چیز کو اپنی جگہ سے آؤٹ کر دیا ہوگا۔ حالانکہ ہر روز دعوت میں ملاقات ہوتی اور وہ پوچھتی کہ گھر کا کیا حال ہے تو وہ بڑی لاپروائی سے بالوں میں ہاتھ پھیرتے یا ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہہ دیتا، ''ایک دم فرسٹ کلاس۔''

اس کی توقع کے بالکل برخلاف گھر واقعی فرسٹ کلاس ملا، ہر چیز سلیقے سے اپنی جگہ پر تھی۔ حتیٰ کہ الماریاں اور درازوں تک میں ہر چیز ٹھکانے پر تھی۔ وہ کچھ دیر حیران ہوئی۔ فریج کھولا وہاں بھی صفائی بلکہ صفایا ہی تھا۔ مکھن، کیچپ، خشک دودھ، ملک حتیٰ کہ انڈے اور گوشت بھی غائب تھا۔ وہ حیرت اور صدمے میں تھی کہ آخر کس طرح اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر میں یوں بے دردی سے مداخلت کی گئی۔ اسی وقت شرمین وہاں چلی آئی۔ وہ اب اپنے بیڈروم میں دونوں ہاتھوں میں سر کو تھامے بیٹھی تھی۔

''ارے بھابھی! آپ ابھی سے آگئیں، رات کا کھانا وانا کھا کر آنا چاہیے تھا۔'' شرمین کے لہجے پر اس کا دماغ تپ گیا۔

''کیوں، کیا آج کی کوئی پلاننگ ادھوری رہ گئی۔'' سوچتے ہوئے اس نے گھور کر شرمین کو دیکھا۔

''بھئی کچھ دنوں کے لیے گئی تھی، ہمیشہ کے لیے تو نہیں نا۔'' وہ بولی۔

''میرا مطلب تھا آپ کو گھر کی فکر ہوگی لیکن آپ نے دیکھا میں نے ہر روز کیسے ماسی سے سارا کام کروا کر گھر کو کتنا صاف ستھرا رکھا ہوا ہے، بلکہ پرسوں تو میں فارغ بیٹھی ہوئی تھی تو آپ کی ساری الماریاں اور درازیں بھی صاف کر دیں۔ کچن، فریج، ڈرائنگ روم تک میں، میں نے ایسی صفائی کروائی ہے کہ آپ خوش ہو جائیں گی۔ کچن میں تو آپ نے عجب گند پھیلایا ہوا تھا بھابھی! راشن کی چیزیں اتنی بے دردی سے الماریوں میں ٹھونس کر رکھی تھیں۔ دالیں، اضافی چینی، چاول وغیرہ، سب چیزوں کو الگ الگ خوب صورت ڈبوں میں رکھنا چاہیے۔''

شرمین کا جب ریڈیو پاکستان شروع ہوا تو اس کے اپنے اسپیکر میں آواز خراب ہونے لگی۔ اس کو اتنا غصہ آرہا تھا کہ حلق سے آواز بھی نہ نکال سکی۔

اس نے سوچا وہ اس سے الجھی تو بہت جھگڑا ہوگا، اسے تو شرجیل کی بے مروتی پر حیرت تھی، کس طرح اس نے اس کے گھر کی امانت، اس کی چابیاں شرمین کے ہاتھوں میں سونپ دیں۔

''ارے آپ نے ڈرائنگ روم دیکھا، میں نے تو وہاں کی سیٹنگ بھی بدل دی جب سے آپ کی شادی ہوئی ہے آپ ایک ہی سیٹنگ پر گزارا کر رہی ہیں۔ ماحول چینج کرتے رہنے سے مزاج پر اچھا اثر پڑتا ہے۔'' اس کا جی چاہ رہا تھا کوئی موٹا ڈنڈا لے کر یا تو شرمین کا سر پھوڑ دے یا اپنا ہی پھاڑ ڈالے۔

''تم نے اس کمرے کی سیٹنگ کیوں چینج کی شرمین! مجھے بالکل پسند نہیں آئی۔'' بہت مشکل سے اس نے اپنی آواز دبائی۔

''حیرت ہے، آپ کو پسند نہیں آئی۔ سارا گھر تو واہ واہ کر رہا ہے، حتیٰ کہ شرجیل بھائی تو اتنے خوش ہوئے کہ انعام کے طور پر آج میرے لیے ایک سوٹ لے کر آنے والے ہیں اور میں نے ان کی خوشی اور انہیں سرپرائز ہی دینے کے لیے آج بیڈروم کی سیٹنگ بھی بدلوانے کا پروگرام بنا رکھا تھا، آپ جلدی آگئیں ورنہ۔۔۔۔''

''پلیز شرمین! اب تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری چیزوں کو اتنا بے ترتیب کرنے سے پہلے کم سے کم تمہیں میری رائے ضرور لینی چاہیے تھی۔'' اس کے دماغ میں تو آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور شرمین اور جلا رہی تھی۔

''ہائے کیسا آپ نے منہ پر جوتا مارا ہے''میری چیزیں۔'' میں تو اپنے بھائی کا گھر سمجھ کر یہاں اتنا کام کرتی رہی، آپ نے ایک منٹ میں میری تذلیل کر کے رکھ دی۔ دیکھو بھلا اتنی محنت کر کے، میں نے ہلکان ہو کر ہر چیز کو ترتیب سے رکھا اور آپ بے ترتیبی کہہ رہی ہیں۔''

شرمین جب شروع ہوئی تو اسے چپ کرانا ممکن نہیں تھا مگر ابھی آصفہ کا ذہن بھی اتنا دھواں دھواں ہو رہا تھا کہ اسے کچھ سوجھ نہ رہا تھا۔

''او گاڈ! وہ پنک گلدان کہاں گئے اور اس گھڑی کا فریم! اف اس کا تو فریم ہی غائب ہے۔'' آصفہ بالکل ہی بوکھلا گئی۔

''وہ پنک گلدانوں میں سے ایک صفائی کرتے ہوئے میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اب ایک ٹوٹ گیا تو دوسرا بھی میں نے ہٹا دیا۔ اس تکون سے خانے میں ایک گلدان تو برا لگتا نا، اسی لیے میں نے یہ ٹوکری یہاں سجا دی، کتنی خوب صورت لگ رہی ہے نا۔ میں نے اپنے جہیز کی چیزوں میں سے نکال کر رکھی ہے۔ امی جان نے کہا تم نے آصفہ کی ایک چیز توڑی ہے تو اس کے بدلے میں کوئی اور چیز رکھ دو، کہیں آصفہ کو برا نہ لگے اور اس گھڑی کا فریم تو شروع سے ہی نہیں تھا۔ میں نے خود دیکھا تھا۔'' شرمین کا جواب حاضر تھا۔

''اف ڈیڑھ ہزار کے گلدان کے سیٹ کے بدلے میں یہ پندرہ روپے والی ٹوکری یہاں سجا کر تم نے بڑا احسان کیا مجھ پر اور تمہیں پتا ہے یہ گھڑی جواد ماموں پچھلے سال پیرس سے لائے تھے اور خاص طور پر مجھے دی تھی۔''

ایسی خوب صورت نازک چیزوں کے ساتھ اس کا دل بھی ٹوٹ کر چور ہو گیا۔ وہ طلعت کی شادی میں انجوائے کرنے کے لیے اپنا گھر چھوڑ کر گئی تھی کیا پتا تھا کہ صلہ یوں ملنے والا ہے۔

''توبہ توبہ، آپ اتنا جھوٹ بولتی ہیں آصفہ بھابھی! ارے پچاس پچاس کے ایسے ہی گلدان میریٹ روڈ پر ریڑھی والوں کے پاس مل جاتے ہیں۔''

''شرمین! تمہیں نہ چیزوں کی قدر ہے نہ پہچان۔ کرسٹل کے مہنگے گلدانوں کو تم کانچ کے عام گلدانوں سے ملا رہی ہو۔ اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ تمہیں اتنا ہی شوق تھا تو میری موجودگی میں صفائی کی خواہش پوری کرتیں۔''

''دیکھیں میں کچھ بول نہیں رہی تو آپ ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ بھلا غیر موجودگی کا طعنہ دینے کا کیا مطلب ہے، کیا میں نے کوئی ہیرا پھیری کر دی یا آپ کے گھر کا ستیاناس کر دیا۔ بھائی جان ٹھیک کہتے ہیں، آپ انتہائی ناشکری ہیں۔ کوئی آپ کے لیے جان تک دے دے اور آپ اس کو یوں کھڑے کھڑے بے عزت کر دیں۔ بھلا بتائیں تو کون نندیں ہوتی ہیں جو بھابھیوں کے گھر کی یوں صفائی کروائیں۔''

''ہاں یوں صفائی کر جائیں، ایسی کوئی نہیں ہوتیں۔'' اب اس کا ضبط اس کے بس سے نکل گیا۔

اور یہ جملہ سننا تھا کہ شرمین نے واویلا مچا دیا۔

''امی! امی! دیکھ لیں، منہ پر آپ کی بہو مجھے چور کہہ رہی ہیں۔ آپ کے دل میں بہت ہمدردی

ہے، آپ نے ہی کہا تھا نا کہ بے چاری آصفہ کی حالت بہت خراب ہے، صفائی ستھرائی دھیان سے نہیں کرسکتی۔ تم کرلو، دعا لگ جائے گی۔ ارے وہ دعا کیا دیں گے، وہ تو بددعا دینے پر تلی ہوئی ہیں۔''

وہ چیختی ہوئی باہر نکلی تھی اور یہ ساری باتیں کمرے سے باہر کھڑے ہو کر اس نے اسے سنائی تھی۔

اس روز رات کو آصفہ اور شرجیل کا شدید جھگڑا ہوا، شرجیل نے طیش میں آکر اس کے ماں باپ سے لے کر پورے خاندان تک کو گالیاں دیں۔

''میرے پورے گھر کا ستیاناس ہوگیا اور آپ اچھائی کہہ رہے ہیں۔ کرسٹل کا گلدان غائب ہوگئے، قیمتی گھڑی ٹوٹ گئی، فریج خالی ہوگیا، کچن کی ہر چیز اِدھر اُدھر ہوگئی، الماریاں ادھیڑ لی گئیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ شرمین کو شاباش دینی چاہیے۔''

دراصل شادی کے شروع سالوں میں لڑکیوں کو اپنا جہیز، اس کی ہر ہر چیز سے بڑی محبت ہوتی ہے، ماں باپ، بہن بھائی کس لگن سے ہر چیز کو جوڑتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چیز سے میکے کے پیار کی خوشبو آتی ہے اور تو کچھ نہیں رہ جاتا، صرف یہ خزانہ ہی ہوتا ہے جسے سنبھال سنبھال کر ہر لڑکی رکھنا چاہتی ہے۔

''چند حقیر چیزوں کے لیے تم نے میری بہن کو یوں ناراض کردیا، وہ جب سے رو رہی ہے۔ یوں بھی اب تو وہ چند دنوں کی مہمان ہے اس گھر میں۔ تم سے محبت کا برتاؤ کرنے آئی تو تم نے یوں جھڑک دیا پھر کہتی ہو میری ماں بہنیں اچھا سلوک نہیں کرتیں تمہارے ساتھ۔'' ان چھ دنوں میں شرجیل اس کے لیے اتنا ہی اجنبی ہوگیا تھا جتنا پہلے دن تھا اور اس کا اپنا تو وہ کبھی نہ ہوا تھا۔

''تم آخری بات بتادو کہ شرمین سے ''سوری'' کہہ رہی ہو یا نہیں؟'' پھر ہر قسم کی انتہائی بات کہنے کے بعد شرجیل نے اس سے قطعی لہجے میں پوچھا تھا۔

''آپ پاگل ہوگئے ہیں، میں نے ایسا کچھ کہا ہی کیا ہے، جس پر میں اسے سوری کروں۔ معافی تو اسے مانگنی چاہیے۔ بلا اجازت میری چیزوں حتیٰ کہ الماریوں تک میں جا گھسی۔''

وہ الف سے ی تک اپنی بات دہرا کر مرجاتی، شرجیل سمجھنے والا نہیں تھا۔

''دیکھو، اگر میں پاگل ہوا تو تمہارا انجام بہت برا ہوگا۔ اب چلو آؤ میرے ساتھ، شرمین کو منا کر آتے ہیں۔''

''اتنی بے جا چاپلوسی اچھی نہیں ہوتی شرجیل! اتنا سر پر چڑھائیں گے تو کل کو سسرال جا کر کیا کرے گی۔''

''اگر میں نے کم بخت روحیل کے سر کی قسم نہ کھائی ہوتی تو اس بات پر تمہیں بالکل نہ چھوڑتا، چھ دن میکے میں رہ کر خوب تعلیم پا کر آئی ہو، آتے ہی پر پرزے نکالنے شروع کردیے ہیں۔''

اب وہ تھک گئی، چپ ہوگئی جیسے سچ مچ شرجیل نے اسے پیٹ ڈالا ہو۔

''تم میرے ساتھ چل رہی ہو یا نہیں؟'' وہ پھر دبنگ لہجے میں بولا۔

''نہیں۔'' اس نے بھی سختی سے انکار کردیا اور بستر پر منہ پھیر کر لیٹ گئی۔ وہ پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

''اس کی رواداری مانگے کی ہے، اس کا ضبط ادھاری کا ہے اور اس کا نباہ کرنا بھی کوئی شرط ہی ہے

بی بی آصفہ! کہیں روحیل کی قسم اس کے ہاتھ روکتی ہے، کہیں تایا جان کا خوف اس کی زبان روکتا ہے اور کہیں اپنے باپ کے دیے گئے واسطے اور قسم اس کے قدم پکڑ لیتے ہیں، ورنہ یہ شخص کسی طرح بھی اس کا نہیں ہے۔'' وہ نڈھال ہوگئی۔

''روحیل کو آپ نے فون وغیرہ کیا؟'' ناشتے پر عالیہ آنٹی نے شوہر سے پوچھا۔

''روحیل کو اب بھول ہی جاؤ تو بہتر ہے۔'' سہیل صاحب نے اپنی توجہ اخبار کی جانب کی۔

''ارے بھلا اولاد کو کوئی بھول سکتا ہے آپ تو انہونی باتیں کر رہے ہیں۔''

''جب اولاد ہماری بات نہ مانے گی اور ہم اولاد کی بات نہ مانیں گے تو ایک دوسرے کو بھلانا ہی پڑے گا۔''

عالیہ آنٹی نے منہ کی طرف لے جاتے نوالے کو واپس پلیٹ میں پٹخ دیا اور تیزی سے بولیں۔

''آخر کیا مان لوں، یہی کہ وہ جانے کہاں سے لڑکی اٹھا کر لے آیا کہ اماں اسے بہو بنالیں۔ کس گلی، کس محلے کی پیداوار، جانے کس باپ کی اولاد، یوں کوئی رشتہ ہوسکتا ہے کبھی۔''

''بس اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ روحیل کو یاد نہ کرو، صبر کرلو۔''

''آپ سے زندگی میں کبھی اچھی امید لگانے کا اچھا صلہ نہ ملا۔'' انہوں نے چڑ کر چائے بھی آدھی چھوڑ دی۔

''بے وجہ تم مجھ سے بحث کر رہی ہو، جبکہ جانتی ہو کہ روحیل، بہت ضدی ہے، اس طرح ہرگز کچھ نہ ہوگا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ فون کر کے اسے بلالو اور پھر ہم اسے سمجھا سکتے ہیں۔''

سمیعہ خود اعتماد بھی تھی اور ذہین بھی لیکن ان دنوں قسمت عجب طور پر امتحان لے رہی تھی، وہ روحیل سے محبت ضرور کرتی تھی لیکن اس محبت پر اپنی انا یا خاندانی وقار کو قطعی داؤ پر نہ لگا سکتی تھی اور روحیل نے آج آخری بات مایوسی سے کہہ دی تھی۔

''مجھے امید نہیں کہ امی جان مان جائیں۔''

''اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ میرے اختیار میں نہیں ہے روحیل!'' اس نے بھی روحیل کو کسی قسم کی امید نہ دلائی۔

''دیکھو سمیعہ! ابو جی تو راضی ہیں اور گھر کے باقی افراد بھی۔ تم کسی طرح اپنے پاپا کو قائل کرنے کی کوشش تو کرو، شادی ہوجائے تو امی جان کو ماننا پڑے گا۔''

''روحیل! پہلے میں تو قائل ہوجاؤں۔'' وہ سیدھے لہجے میں بات کر رہی تھی۔ اس کا دل ضرور غیر متوازن انداز میں دھڑک رہا تھا لیکن اس کا ارادہ قطعی غیر متزلزل نہیں تھا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی سخت مزاج ثابت ہوگی۔''

''یہ سخت مزاجی نہیں، ثابت قدمی ہے۔ میں نے ہمیشہ تم سے کہا ہے کہ مجھے سیدھے اور صاف راستے پسند ہیں۔''

وہ دونوں بھری دوپہر میں اسلام آباد کی سڑک پر دورویہ درختوں کے سائے سائے پیدل چل رہے تھے۔ دھوپ میں ایسی شدت بھی نہ تھی اور درختوں کی چھاؤں میں چلتے تیزی بھی کم ہو رہی تھی۔ سمیعہ اپنے کالج سے اکثر پیدل ہی گھر کی طرف چل دیا کرتی تھی۔ دس بارہ منٹ کی واک تھی اور روحیل جب بھی موقع پاتا اس کے کالج آجاتا اسی واک کو وقت اور حالات کی مناسبت سے کبھی وہ دونوں لمبا کر دیتے، کبھی اتنا ہی رہنے دیتے۔

''تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے۔ ہم دونوں مل کر راستے کی مشکلوں کو دور کر دیں گے۔''

''دیکھو روحیل! میں نے عہد کیا ہے کہ کسی گنجائش سے سمجھوتہ نہیں کروں گی''

''یہ تو بے وفائی اور بے اعتباری ہے۔'' روحیل اسے اکسانا چاہ رہا تھا۔ یہ سمجھنے کے باوجود کہ وہ کبھی بھی بہکاوے میں آنے والی نہ تھی۔

''تم جو سمجھو۔'' وہی موڑ جسے روحیل نے طویل کر دیا تھا، اسے کاٹ کر تھوڑا آگے جا کر اس نے ہاتھ ہلاتے ہوئے روحیل کو ''اللہ حافظ'' کا اشارہ دیا اور اپنے گھر کی گلی میں گھس گئی۔

''شرمین کے سسرال والے شادی کی تاریخ جلدی مانگ رہے ہیں، اس کا دیور امریکا سے آرہا ہے تو ان کا خیال ہے شادی بھی طے کر دی جائے۔''

عالیہ بیگم نے دوسرے ہی دن یہ خبر سہیل احمد کو سنائی۔ وہ خود بھی کچھ بوکھلا سے گئے لیکن اپنی بیوی کو اور طرف الجھانا چاہ رہے تھے۔

''پھر دینی پڑے گی شادی کی تاریخ۔ پوچھ لو کہ کب آنا چاہ رہے ہیں۔ ہم کوئی چھوٹی موٹی دعوت کا انتظام کر لیں گے اور خاندان کے چند لوگوں کو مدعو کر لیں گے۔''

''افوہ! آپ کو تو خاندان کے لوگوں کو بلانے کی فکر پڑ گئی۔ پہلے بیٹے کی پروا تو کریں، وہ روٹھا بیٹھا ہے۔ آپ کیسے باپ ہیں، اسے منا بھی نہیں سکتے۔ ان کا بیٹا شادی میں شرکت کے لیے امریکا سے آرہا ہے، ہمارا دوسرے شہر سے نہ آئے گا۔''

''بیگم! اب یہ تو سراسر آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ آپ چاہیں گی تو وہ ابھی دوڑا چلا آئے گا۔''

''اچھا تو اب وہ اس طرح شرطیں منوا کر ہمیں بلیک میل کرے گا۔ بڑا ماں باپ کی فرماں برداری کا دعوے دار بنتا تھا۔''

''تم بلاوجہ مجھے اس بحث میں گھسیٹ رہی ہو، جبکہ میرا کوئی تعلق نہیں ہے اس بحث میں۔''

''واہ تعلق کیوں نہیں، آپ تو ابھی مجھ سے تعلق سے بھی انکاری ہو جائیں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ آپ ہی کی شہ پر اتنی ضد پکڑے بیٹھا ہے، اسے خبر ہے کہ باپ میرے ساتھ ہے۔''

''توبہ کرو بیگم! صرف میرے ساتھ دینے سے اگر اس غریب کا کام بن سکتا تو وہ یوں تمہاری رضامندی کے انتظار میں اپنی نیندیں گنوائے نہ بیٹھا ہوتا۔ سوچ لو کہ یہ صرف تمہاری محبت اور فرماں برداری ہی ہے کہ وہ تمہارے جواب کے انتظار میں بیٹھا ہے، ورنہ آج کل کے دور میں جوان اولاد کو اپنی من مانی کرنے سے کون روک سکتا ہے۔''

''خبردار! میری اولاد اتنی نافرمان اور گھٹیا ہرگز نہیں ہے۔'' عالیہ بیگم کو کرنٹ لگا۔
''اسی لیے کہتا ہوں اس کی بات مان لو، چل کر سمیعہ کے والدین سے ایک بار مل تو لو۔''
''مجھے رتی برابر پسند نہیں آئی یہ لڑکی۔'' ان کا مزاج اسی طرح تنذر رہا۔
''روحیل کو تو پسند ہے۔'' سہیل صاحب نے اپنی بساط پھر بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی، وہ ''اونہہ'' کہہ کر وہاں سے اٹھ گئیں۔

آج تیسرا دن تھا، شرجیل نے اس سے ڈھنگ سے بات نہ کی تھی، صبح اٹھ کر ناشتا کرتا اور اسپتال چلا جاتا اور رات کو بھی آتے ہی کھانے کے لیے شور شروع کر دیتا۔ دو پانچ منٹ اِدھر اُدھر ہو جاتے تو فوراً چلاتا۔ ''میں جا رہا ہوں۔'' اور اس کے چلے جانے کی دہشت میں آصفہ جتنا دوڑ رہی ہوتی، اس سے تیز دوڑنے لگتی۔
وہ خود بھی غصے میں اور الجھی ہوئی رہتی تھی۔ اس دن کے بعد سے شرمین بھی اکھڑی اکھڑی رہنے لگی تھی۔ اپنی ساس کے پاس بھی وہ جاتی تو شرمین خاص طور پر منہ پھیر لیتی اور بات نہ کرتی لیکن عالیہ آنٹی خود روحیل اور شرمین کے مسائل میں الجھی ہوئی تھیں، اس لیے اس کی طرف دھیان نہ دے پا رہی تھیں۔ یوں بھی ان کا دھیان اس کی طرف اس وقت لگتا جب وہ اسے تھوڑا سا مطمئن یا شرجیل کو اس کی طرف تھوڑا سا مائل دیکھ لیتیں۔ ابھی تو جو اس کی چند دنوں کی غیر موجودگی سے کھل کر فائدہ اٹھایا گیا تھا، اسی کا سکہ جم کر چل رہا تھا۔
''کیا قسم کھالی ہے کہ پورا ہفتہ سبزی اور دال ہی پکاؤ گی۔'' دو دن تو اس نے صبر سے کھالیا، تیسرے دن اس کا پارہ ہائی ہو گیا۔
''جب پورا فریج خالی ہو گیا اور کچھ بچا ہی نہیں تو کیا پکاؤں۔''
''تمہیں شرمین کو بتا دینا چاہیے تھا کہ فریج کا سامان نہ چھیڑے، ہم بعد میں استعمال کر لیں گے۔''
اس سارے قصے میں شرجیل نے بڑی ڈھٹائی سے چن چن کر ہر لمحے آصفہ کی ہی غلطیاں ڈھونڈی تھیں۔
''مجھے شرمین نے بتایا تھا کہ وہ فریج کا صفایا کرنے والی ہے؟''
''دیکھو آصفہ! تم بدتمیزی چھوڑ دو تو بہتر ہے۔ اپنی غلطی نہیں مانتیں، شوہر تھکا ہارا آیا ہے اور اس کے سامنے الا بلا رکھ دو۔''
''کل کے لیے یہ سبزی اور دال بھی نہیں ہے، راشن ختم ہو رہا ہے۔ سبزی منگوانے کی بھی کل باری نہیں ہے اور چاول تو میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ ایک پیکٹ آیا ہے۔ وہ تو اتنے دن دعوت وغیرہ میں نکل گئے ورنہ بہت دن پہلے ختم ہو جاتے۔''
''اچھا تو تمہارے میکے کی دعوتوں کے کھانوں پر ہم زندہ تھے ورنہ اب تک بھوکے مر جاتے۔''
''ارے سیدھی بات کیوں نہیں سن لیتے آپ، گھر میں کھانے پکانے کی چیزیں نہیں ہیں، کچھ منگوا دیجیے گا۔''
وہ بھی چڑ سی گئی۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ترسنا، منتیں کرنا، عجب امتحان لے رہی تھی قسمت

بھی۔اس نے بھلا کب زندگی میں آٹے اور چاول کے حساب پر غور کیا تھا۔ یہ وہی مرد ہیں جن پر اللہ نے اپنی عورتوں کا نان نفقہ فرض رکھا ہے۔ یہی کھانے پکانے کی چار چیزوں کے لیے عورت کو یوں بے بھاؤ کر دیتے ہیں کہ آصفہ جیسی عورتیں تو یہی بھولنے لگتی ہیں کہ وہ اپنا حق ہی کھا رہی ہیں۔

''اپنے باپ سے کہو ایک نوکر لگوائیں تمہارے لیے، صبح شام دال دلیہ لانے کا کام کرتا رہے گا۔'' شرجیل جلا بھنا اسے ہی سنا رہا تھا۔

''اگر میرے ہاتھ میں چار پیسے ہوں تو گھر کا دال دلیہ میں خود ہی منگوا لیا کروں گی، آپ کم سے کم مجھے تھوڑا جیب خرچ تو دیا کریں۔''

آج اس نے مانگ ہی لیا۔اب تک وہی اس کا جھجکنا اور شرمانا کہ حق ہے تو خود ملنا چاہیے اور مانگنا ہی ٹھہرا تو پھر حق کی کیا تعریف رہ گئی۔

''فقیر بنا کر بھیجا ہے میکے والوں نے، چند روپے بھی نہیں ہیں تمہاری جیب میں۔''

''اوہ خدا! اگر چند پیسے نہیں ہیں تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ آپ کیسے اجنبی بن کر بات کر رہے ہیں۔اپنا گھر چلانے کے لیے پیسے میکے سے منگواؤں، آپ کہتے ہیں تو یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔''

''تم کسی طرح گرفت میں نہیں آتی ہو۔''

''آپ بھی تو ایک جائز بات کو اتنا بڑھا رہے ہیں۔گھر کی سو ضرورتیں ہوتی ہیں۔''

''میں اپنی تنخواہ تمہیں نہیں دے سکتا، وہ تو پہلے دن سے امی جان کے ہاتھ میں رکھنے کی عادت ہے۔اب اگر عادت بدلی تو نہ صرف یہ کہ بہت برا لگے گا بلکہ امی جان بہت زیادہ خفا بھی ہو سکتی ہیں۔''

''دراصل آپ جیسے انسان کو شادی قطعی نہیں کرنی چاہیے۔بے وجہ کسی کی زندگی خراب کر کے رکھ دی۔'' اس کا لہجہ بھی بہت خراب ہو گیا۔

''اگر تمہاری زندگی خراب ہی ہو رہی ہے تو کیوں پڑی ہو یہاں، دفع ہو جاؤ۔''

اس سے کچھ بعید نہیں تھا، وہ کچھ بھی کہہ دیتا پھر بھی آصفہ کو ہر بری بات پر نئے سرے سے دکھ میں مبتلا ہونے کی عادت تھی۔

شرمین کے مسئلے سے مجبور ہو کر اور ماں کی ممتا سے ہار کر (عالیہ بیگم کے رویے سے ظاہر نہ ہو سکتا تھا کہ ان پر کون سا جذبہ غالب تھا) انہوں نے روحیل کو فون کیا۔اس نے اپنی خیر خیریت اور ماں کی طبیعت بہت نارمل انداز میں بتائی اور پوچھی۔حالانکہ ماں کے فون پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ان دنوں اس کے ذہن و دل میں عجب انتشار بپا تھا، لیکن وہ ایک سلجھا ہوا آدمی تھا۔اندر کا طوفان سطح پر ظاہر ہو جائے یہ قطعی اس کی فطرت نہ تھی، سو ماں کو فون پر اندازہ نہ ہو سکا کہ اس فون کا روحیل کس قدر بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

''شرمین کے سسرال والے شادی کی تاریخ کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ہم سوچ رہے ہیں اس ویک اینڈ پر انہیں دعوت دے ڈالیں۔تم دو دن کے لیے کراچی آ جاؤ۔''

انہوں نے صاف بات کہی کہ ادھر سے بھی صاف جواب ملے کہ بیٹے کا ارادہ جانچ سکیں۔

''اتنی جلدی شادی کی تاریخ، وہ لوگ تو منگنی کی بڑی دعوت اور رسم وغیرہ کی بات کر رہے تھے۔''
روحیل نے عام سے انداز میں کہا۔ جواب میں انہوں نے شرمین کے دیور کا مسئلہ بتایا تو روحیل نے ''ٹھیک ہے'' کہہ کر ''اللہ حافظ'' بھی کہہ دیا۔
'سوری امی! ذرا میری مارچ کا ٹائم ہو رہا ہے۔'' وہ فون بند ہی کر دیتا، اگر عالیہ بیگم تیزی سے نہ چیختیں۔
''ارے روحیل! پوری بات سننے کے لیے دو منٹ بھی نہیں ہیں۔''
''اف امی! دو منٹ کیا، آدھا منٹ بھی لیٹ ہو جائیں تو ہنٹر پڑتے ہیں۔''
''اچھا بتا دو کہ کس دن کراچی آ رہے ہو، اس حساب سے ہم دعوت کا انتظام کر لیں۔'' انہوں نے آؤ گے یا نہ آؤ گے کا چکر نہ ڈالا تھا بلکہ ''آنا'' ہے کا سیدھا حکم سنا دیا۔
''امی! آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے دعوت میرے اعزاز میں ہو رہی ہے۔ بھئی جس دن چاہے رکھ لیں، میری شرکت کون سی لازمی ہے۔''
وہ بات کی تفصیل میں جانا تو خود بھی چاہتا تھا لیکن مصروفیت اور لاپروائی ظاہر کر کے اپنی ماں پر اپنی لاتعلقی محسوس کرانا چاہ رہا تھا۔
''بہن کی شادی پہ نہ آؤ گے، اس کا دیور امریکا سے آ رہا ہے۔'' عالیہ بیگم اس کے اطمینان پر کڑھ کر رہ گئیں۔
''یہ تو والدین کی محبت اور پکار ہے کہ اولاد اتنی دور سے اڑ کر بھی آ جائے۔'' روحیل نے ماں پر اپنی ناراضی کا اظہار یوں کیا۔
''اولاد پر بھی والدین کی فرماں برداری لازم ہے۔''
''اگر کبھی کوتاہی کی ہو تو آپ بے شک جوتے مار لیں۔''
''اب کر تو رہے ہو۔''
''اگر نافرمان ہوتا تو اب تک بہت کچھ کر چکا ہوتا امی جان! لیکن بس آپ کی دعاؤں کے انتظار میں بیٹھا ہوں کہ آپ ضرور سر پر ہاتھ رکھیں۔ پسند ناپسند کا حق تو مذہب نے بھی ہمیں دیا ہے، آپ کو میری خواہش کا خیال کرنا چاہیے۔ آپ جان لیں کہ اگر میں نے سمیعہ سے شادی نہ کی تو کبھی شادی نہ کروں گا، نہ کبھی کراچی آؤں گا۔''
''یہ تم اپنی خواہش منوا رہے ہو یا دھمکیاں دے کر بلیک میلنگ کر رہے ہو۔'' عالیہ بیگم اس کی قطعیت پر چڑ گئیں۔
''آپ بھول رہی ہیں امی جان! میں نے بڑی محبت سے آپ سے اجازت لینا چاہی تھی، جواب میں آپ نے نہ صرف میری خواہش کو دھتکار دیا بلکہ اتنے دن پلٹ کر خیریت بھی نہ پوچھی کہ آپ کے یوں جھٹلانے پر بیٹے کے دل پر کیا قیامت گزری ہوگی۔''
یہ روحیل سہیل احمد ہی تھا جس کے سامنے عالیہ بیگم کی بے جا ضد اور طراری کہیں دور رہ گئی۔ مگر اس کی طرف سے آزمائش بھی کڑی تھی مگر وہ صرف بیٹے کی پسند جس میں نہ ان کی مرضی، نہ خیال پر کیسے مان

جاتیں۔

''دیکھو روحیل بیٹا! اگر والدین کی فرماں برداری کا اتنا ہی دعوا کرتے ہو تو دو تین روز میں کراچی چلے آؤ، تم جانتے میں اپنی مرضی کے بغیر کام نہیں کرتی۔''

''آپ جانتی ہیں کہ میں نہیں آؤں گا۔''

''بہنوں کے لیے بھائی بہت کچھ کر لیتے ہیں۔''

''اور اولاد کے لیے ماں باپ بہت کچھ سہہ لیتے ہیں۔ آپ بڑائی ثابت کریں تو ہم آپ کے بچے بھی آپ کی تقلید کریں گے'' اب روحیل نے فون بند کر دیا۔

وہ کمرے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہل ٹہل کر تھک گئی تھیں۔ ٹانگیں بری طرح درد کرنے لگی تھیں مگر غصہ ہرا حساس کو کھا رہا تھا۔

ان کا دل مٹھی میں لے کر کوئی زور زور سے بھینچ رہا تھا۔ ابھی تو سمیعہ غیر ہے اور روحیل اس کے لیے اتنا دیوانہ ہو رہا ہے اور جب اس کی اپنی ہو جائے گی پھر کیا کچھ نہ کر ڈالے گا۔ حسد انہیں جلا کر راکھ کر رہا تھا اور اسی آگ میں وہ سمیعہ کو گھسیٹ کر اسے بھی جلا مارنا چاہتی تھیں۔

''ارے عالیہ بیگم! تم اتنی کمزور کب سے ہو گئیں، ایک چھوٹی سی لڑکی سے ڈر گئی ہو۔ کیا کر لے گی آخر، اس گھر میں آ کر۔ یہ تمہارا ہی گھر ہے اور تمہارا ہی رہے گا۔''

وہ خود کو راضی کرنے کے بہانے تلاش کر رہی تھیں۔ ایک انتہائی ناخوش گوار فیصلے پر راضی ہو جانا بھی قیامت سے کم نہ تھا۔

لیکن انہوں نے مان لیا، ایک گھنٹہ اپنے کمرے میں قدم سے قدم ملا کر چل چل کر انہوں نے اپنے اندر کی آگ کو کس طرح بجھایا، یہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔

کسی کو پتا نہ چلا کہ انہوں نے کس قدر جبر کے بعد اپنا فیصلہ بدلا اور خود پر یہی جبر کر کے اب انہوں نے سمیعہ ظفر علی خان کے صبر کا امتحان لینا تھا۔

روحیل اس پر بھی نہ مانا کہ ابھی کراچی چلا آئے، بلکہ اسی پر اڑ گیا کہ امی جان پہلے آ کر ایک بار سمیعہ کے والد سے مل لیں۔

روحیل نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ اگر شرمین کا معاملہ درمیان میں نہ ہوتا تو یقیناً اتنی آسانی سے مغلوب نہ ہوتیں۔

''میرا یہ تھوڑا سا سامان ہے، نیلے والے چھوٹے سوٹ کیس میں ڈال دینا۔ میں دوپہر کھانے کے وقت تک گھر آ جاؤں گا۔ تین بجے کی فلائٹ سے امی جان کے ساتھ اسلام آباد جا رہا ہوں۔''

آصفہ کو ہدایت دے کر واش روم میں چلا گیا۔ وہ کچھ دیر تک سارے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی اور پھر جلدی جلدی ناشتے کی تیاری میں مصروف ہو گئی۔

''اسلام آباد کیوں جا رہے ہیں، کیا عالیہ آنٹی راضی ہو گئیں روحیل کی بات پر۔''

''لگتا تو یہی ہے لیکن وہ بہت غصے میں ہیں۔''

''کیا مطلب؟ آپ ساتھ جا رہے ہیں اور آپ کو پوری بات کا علم نہیں۔''

وہ آملیٹ اور پراٹھا شرجیل کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ساتھ میں اس نے دودھ پتی والی چائے بھی بنائی تھی۔ ناشتا دیکھ کر شرجیل کا موڈ انتہائی خوش گوار ہو گیا تھا۔

''بھئی، کل ابو جان نے اسپتال فون کر کے کہا تھا کہ اگلے دن کے لیے چھٹی کی درخواست منظور کرالوں۔ مجھے امی جان کے ساتھ اسلام آباد جانا ہے اور رات تمہارے سامنے ہی امی جان کے پاس گیا تو شدید سر درد میں مبتلا تھیں، دوائی کھا کر لیٹی ہوئی تھیں، کتنے بجے جانا ہے اور اگلا پروگرام بھی ابو نے ہی بتایا تھا۔'' وہ ناشتا پر توجہ دے رہا تھا۔

وہ بھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور ناشتا کرنے لگی۔

''یہ آج اتنا بھرپور ناشتا کس خوشی میں بنایا ہے۔ پچھلا پورا ہفتہ تو تم نے کنجوسی کے سارے ریکارڈ توڑ دیے تھے۔'' شرجیل ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

''بھئی کنجوسی ہی کی تھی، بھوکا تو نہیں رکھا تھا۔''

اس نے بھی ہنس کر ٹالا، اصل بات نہ بتائی کہ ناشتے کے معاملے میں تو وہ دو دن سے بے ایمانی کر رہی تھی۔ امی جان کا دھیان ادھر نہ تھا اور شرمین بھی اپنی شادی اور اس کے خوابوں میں الجھی ہوئی تھی، سو وہ حبیب خان سے مسلسل تین دن سے انڈے، مکھن، دودھ، ڈبل روٹی سب منگا رہی تھی۔

گوشت اور مرغی وغیرہ بھی اس نے زچ ہو کر اپنے پیسوں سے حبیب خان کے ہاتھوں منگوا لیے تھے۔ یہ وہ پیسے تھے جو طلعت کی شادی میں بطور رنگ ملے تھے۔

''اوہو! چائے بھی دودھ پتی ہے۔ اچھا ہی ہے جو امی جان کنٹرول میں رکھتی ہیں، ورنہ تم تو کھلا پلا کر مجھے اتنا موٹا کر دو کہ لوگ پہچاننا چھوڑ دیں۔''

''اونہہ، ہر ناجائز کا جائز ثابت کرنا تو کوئی آپ سے سیکھے۔'' ماں کو ہر انداز میں یاد کرنا بھی اس کی کمزوری تھی۔

''رات دس بجے کی فلائٹ سے واپسی ہے، ساڑھے بارہ ایک بجے تک گھر آجائیں گے لیکن اگر تمہیں اکیلا پن محسوس ہو تو رات کو شرمین اور ابو جی کے پاس چلی جانا اور اگر امی کہیں تو دوپہر سے ہی وہاں چلی جانا۔'' ٹیبل سے اٹھ کر واپس کمرے میں جاتے ہوئے شرجیل نے کہا تو وہ بولی۔

''اگر آپ مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔'' یونہی اس کے منہ سے پھسل گیا۔ ایک آرزو، ایک حسرت، اس کے دل میں بھی خواہشیں مچلتی تھیں۔ شرجیل نے اسے دیکھا۔

''آج کل تنہائی سے بڑی وحشت ہوتی ہے۔ بیٹھے بیٹھے عجیب طرح سے دل گھبرانے لگتا ہے۔''

وہ دونوں ہفتوں میں کبھی ایک بار اپنی کیفیت بیان کیا کرتی۔ اس نے دیکھا شرجیل شاید خود اس کی خواہش میں مبتلا ہو گیا۔

''ہاں، تم ساتھ چلتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔ میں اسپتال سے ایک دن کی چھٹی لے لیتا، ہم اسلام آباد گھومتے، شکر پڑیاں، راول ڈیم، فیصل مسجد لیکن امی جان کا موڈ اس وقت اتنا خراب ہے، کچھ کہے سننے کی کوئی ہمت بھی نہیں کر سکتا۔''

اچھی بات، اچھے خیال اور خواب کو سوچتے سوچتے وہ خود بھی سہم گئی۔ بھلا عالیہ آنٹی اپنے ساتھ اسے لے جانے پر راضی ہو سکتی تھیں۔

طلعت کی شادی ہو جانے کے بعد تہنیت بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ اس کو عجیب قسم کی وحشت محسوس ہوتی رہتی سارا دن۔ پڑھائی کی طرف دھیان لگاتی، کالج کے کاموں میں مگن رہنے کی کوشش کرتی لیکن بس یوں لگتا دن نہ نکلے گا، وقت نہ گزرے گا اور ایک دن گزر جاتا تو دوسرا ویسا ہی دن سامنے آن کھڑا ہوتا۔ امی جان کا رویہ اس کے ساتھ کھنچا ہوا سا ہی رہتا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہمیشہ ہی سے ایسا تھا اور اب اسے زیادہ محسوس ہونے لگا یا اب ایسا ہو گیا ہے۔ طلعت تھی تو اسے شاید کسی اور کے رویّوں پر غور کرنے کی اتنی فرصت نہ ملتی تھی، یوں بھی وہ خود بڑی بے چین فطرت کی مالک تھی۔

''تہنیت! تمہاری نانی جان شام کو آئیں گی، کچھ کھانے کی تیاری میں میرا ہاتھ بٹا دو۔'' وہ جب اکیلی لاؤنج میں بیٹھی بے کار کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی تو امی جان نے آواز لگائی۔

''جی اچھا امی!'' وہ فوراً رسالہ پھینک کر کھڑی ہو گئی۔

''امی! طلعت کو فون کر کے پوچھوں، شاید وہ بھی آ جائے۔'' اس نے فوراً طلعت کو یاد کیا، یوں بھی پورا ہفتہ ہو گیا تھا، وہ آئی نہ تھی۔

''نہیں بیٹا! ابھی اسے رخصت ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں، مصروف ہو گی۔ کہہ تو رہی تھی دعوتوں اور آنے جانے کا سلسلہ بہت ہے، یوں بھی جب بیٹی پرائی ہو جائے تو اس کی آس میں نہیں رہنا چاہیے۔''

''کیوں نہیں رہنا چاہیے امی! آخر شادی کر کے لڑکی سے رشتہ تو نہیں ختم ہو جاتا۔'' تہنیت اپنی بحث کی عادت سے مجبور ہو کر فوراً الجھی۔

''رشتہ ختم تو نہیں ہو جاتا مگر سسرال کی گلیاں بڑی عجیب ہوتی ہیں بیٹا! کہاں پیر رکھوا اور کیا سامنے آ جائے، کچھ پتا نہیں ہوتا۔ ایسے میں اگر پیچھے سے آوازیں تنگ کریں تو لڑکی دھیان نہیں لگا سکتی۔ اس کا دل مچل جاتا ہے، ایسے میں کسی اندھے موڑ سے ٹکرا جائے تو لڑکھڑاہٹ ساری عمر کے لیے اس کا ''طعنہ'' بن جاتی ہے۔ یہ ابتدا کے دن ہی ساری زندگی کا اصل امتحان ہوتے ہیں۔''

آمنہ بیگم چھوٹی بیٹی کو مٹر کی پھلیوں کو چھیلتے ہوئے سسرال کی گلیوں میں چلنے کے انداز سمجھا رہی تھیں۔

''اتنی احتیاط، ایسا احساس، اپنوں کو بھولنا، غیروں کو اپنانا۔ ساری سختیاں لڑکیوں کے لیے کیوں ہیں، لڑکوں کے لیے کوئی امتحان نہیں کہ اپنوں کو بھولتے ہیں نہ اپنے کسی احساس کو۔ یہ ناانصافی کیوں ہے معاشرے میں اور یوں مٹ کر بھی عورت کو ملتا کیا ہے، چند بچے، الجھنیں اور خوف۔'' تہنیت جب بحث کرنے پر آئی تو بھول گئی کہ اس کے سامنے اس کی ماں بیٹھی ہے جس سے سچ پوچھو تو اپنے دل کے کسی کونے میں وہ ناراض منہ چھپائے ہی بیٹھی تھی۔

''ارے تہنیت! تم اتنی مایوسی کی ناخوش گوار سوچیں کیوں رکھنے لگی ہو۔ تم میری بیٹی ہو اس لیے

میں تمہیں ایک فرماں بردار بیٹی کے فرائض سمجھا رہی ہوں کہ کس طرح اسے ماں باپ کے گھر رہتے ہوئے والدین کی عزت بڑھانی چاہیے اور جب سسرال جائے تو اسے عزت کا بھرم ہر قدم پر رکھنا چاہیے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر تمہاری جگہ میرا بیٹا ہوتا تو میں اسے بیٹے کے فرائض سمجھاتی کہ کس طرح ماں باپ کی عزت کا پاس رکھنا چاہیے اور شادی کے بعد تمام تر رشتوں میں انصاف سے کام لینا چاہیے۔''

''رہنے دیں امی جان! برتری کا پہلا سبق والدین کے گھر ہی بیٹوں کو ملتا ہے۔ ایک چاکلیٹ ہے تو ماں بیٹے کو کھلا دے گی اور بیٹی سے کہے گی تم صبر کرو۔''

ابھی تہنیت کچھ اور بھی کہتی لیکن آمنہ بیگم نے فوری جواب دیتے ہوئے اسے کچھ کہنے کا موقع نہ دیا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے بیٹا! ماں باپ کو اپنی تمام اولاد اتنی ہی پیاری ہوتی ہے، اگر ماں اچھا کھانا بیٹے کو دیتی ہے تو اچھا کپڑا بیٹی کو پہناتی ہے۔ یہ ساری چھوٹی چھوٹی باتیں صرف فطرت کے تقاضے ہیں اور کچھ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ماں کے پیار میں ناانصافی کی تاویلیں گھڑنا زیادتی ہے۔ دیکھو شکر کی ڈلیاں تو ایک سی میٹھی لگتی ہیں نا، چاہے کوئی چھوٹی ہو کوئی بڑی۔ اب پچھلے دنوں تم سوچتی تھیں کہ اماں صرف طلعت کو چاہتی ہیں، مجھے نہیں لیکن دیکھو وہ میرے جگر کا ٹکڑا مجھ سے جدا ہو رہی تھی تو مجھے بس اس کی تمنا رہنے لگی تھی لیکن اب لگتا ہے کہ جب تم جدا ہو گی تو میں بالکل ہی دیوانی ہو جاؤں گی پھر کہو گی کہ اماں شاید سب سے زیادہ مجھے ہی چاہتی ہیں۔''

آج آمنہ بیگم نے پہلی بار تہنیت کے سامنے اپنی اس بھرپور محبت کا اظہار کیا تھا اور اسے سمجھایا بھی تھا جو خود انہیں سمجھنے میں شاید ذرا دیر لگ گئی تھی، حالانکہ ان کے شوہر انہیں بہت دنوں سے سمجھا رہے تھے۔

شرمین کی منگنی کی رسم بھی ہو گئی اور شادی کی تاریخ بھی طے ہو گئی۔ وہی آصفہ جسے اپنی منگنی کی تیاریوں کے وقت عالیہ آنٹی اور خود شرمین نے پلٹ کر کچھ پوچھنے نہ بتانے کی زحمت کی، دولہا کا جوڑا، انگوٹھی وغیرہ خرید نے کئی بار وہ ماں بیٹی شرجیل کے ساتھ بازار گئیں لیکن اسے یوں نظر انداز کیا جاتا جیسے اس کا وجود اس گھر میں موجود ہی نہ ہو۔

بہرحال اسی آصفہ کو جب وقت پڑا تو دوبارہ کچن سمیت عالیہ آنٹی نے گھر کے تمام کاموں کی ذمہ داری سونپ دی۔ اور اس نے ذمہ داری نباہ بھی لی۔

وہ لڑکیاں جنہیں اپنے ماں باپ کی عزت، اپنے گھر کی عافیت عزیز ہوتی ہے وہ برداشت کی انتہا تک دکھ سہ لیتی ہیں۔

''آپ کو مبارک ہو!'' روحیل کو دیکھ کر اس نے مبارک باد دی۔ دعوت کی گہما گہمی اور کام کاج کی مصروفیت میں پہلے دو دن تو سلام دعا کے سوا اسے روحیل سے بات کرنے کی بھی فرصت نہ ملی۔

''آپ اسی گھر میں رہتی ہیں؟'' وہ اسے دیکھ کر طنزاً ہنس دیا۔

''نہیں یہاں تو نہیں رہتی۔ اپنے گھر میں رہتی ہوں۔'' وہ بولی تو روحیل نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کی رنگت زرد ہو رہی تھی، چہرے پر صحت کی کوئی علامت نہ تھی۔ ایک تو کام کی زیادتی آرام کی کمی، پھر

مزاج اس کا عجیب تر ہو گیا تھا۔ کھانا جب اچھا لگتا تھا تو ملتا نہ تھا اور ملتا تھا تو اچھا نہ لگتا تھا۔ دراصل انتہائی تھکن کے عالم میں ان چند دنوں میں اسے کھانے سے بھی وحشت ہونے لگی تھی۔

ادھر شرجیل بھی اسی کی طرح بے حد مصروف تھا۔ امی جان نے کتنے کام اس کے ذمے ڈال دیے تھے۔

''میں نے بھائی جان کو خوب سنایا تھا، وہ آپ کو ساتھ لے کر اسلام آباد نہیں آئے۔''

وہ چپ ہو کر روحیل کی صورت دیکھنے لگی۔

''سچ یہ ہے کہ مجھے پوری امید تھی کہ آپ آئیں گی۔ آپ کو آنا چاہیے تھا۔'' روحیل نے اپنی بات دہرائی۔

''آپ یہاں کے حالات جانتے تو ہیں۔''

''دیکھیں، اب حالات کو سنوارنا آپ دونوں میاں بیوی کا کام ہے۔ آخر کب تک دوسروں کے بنائے گئے رستوں پر چلیں گے۔''

''اچھا یہ بتائیں، آپ کی شادی کب تک ہو رہی ہے؟''

''ارے آپ کو نہیں پتا شرمین کی شادی کے ٹھیک دو مہینے کے بعد۔۔۔'' وہ حیران رہ گئی۔

''مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔ اور کیوں بتائیں۔ میرے شادی میں شریک نہ ہونے کی کسی کو پروا ہی نہ ہوگی۔''

''ارے آپ کیوں نہ شریک ہوں گی، آپ سچ مچ مجھے اپنا کوئی نہیں سمجھتی ہیں کیا؟'' روحیل چڑ گیا۔

اب وہ روحیل کو کیا بتاتی کہ شرمین کی شادی کے ٹھیک دو مہینے بعد وہ شاید کسی ہسپتال کے بستر پر پڑی ہوگی یا ہسپتال جانے کی تیاریوں میں ہی مصروف ہوگی۔

''میری شادی میں آپ نہ آئیں تو قسم سے میں قاضی جی کو بھری بارات سے واپس بھیج دوں گا۔'' وہ جوش سے کہتے کہتے رکا۔ اسے یک دم کچھ خیال آیا۔

''اف! کیا آپ کی ڈلیوری۔۔۔'' اس نے سر ہلا دیا تو وہ رک گیا اور پھر غصے میں کھڑا ہو گیا۔

''امی جان نے پروا کی نہ شرجیل بھائی نے۔ میں ابھی جا کر پوچھتا ہوں ان سے۔'' وہ پلٹ کر اسی طرح غصے میں لاؤنج سے اندر کمرے کی طرف چلا گیا اور وہ کچھ دیر یونہی بیٹھی روحیل کی اپنائیت پر غور کرتی رہی۔

یہ شرمین کا بھائی ہی تو ہے لیکن شرمین سے بالکل مختلف، اپنے دل میں وہ اس کے خلوص کو شرمین کے دل تک تو منتقل نہ کر سکتی تھی۔ اس کی نیک نیت کا ہی کمال تھا کہ اس کا جوڑ بھی خدا نے اتنا اچھا بنایا تھا۔ سمیعہ ظفر علی خان ہر لحاظ سے بہترین تھی، جب کہ شرمین کا جوڑا سے لگا تھا کسی کی نیت کا ہی پھل تھا۔ صورت شکل نہ بھی دے خدا لیکن کسی اچھے جذبے کا ہنر تو دے دے۔ اس کا ساتھی تو مایوس کن حد تک ناقابل برداشت شخصیت کا مالک تھا۔

اسے دیکھ کر بے وجہ اسے شرمین پر ترس آیا جو اسے خبر تھی خود شرمین کو نہ آتا ہوگا کیونکہ شرمین کی نظر

بھی ماں کی طرح بنگلے گاڑیوں اور دولت جائیداد پر تھی۔

''اوہ خدا مگر وہ کیوں سوچ رہی تھی ایسی بری اور بے وجہ باتیں۔ خدا شرمین کو خوش رکھے، اس نے خلوص نیت سے دعا کی۔ اسی شرمین کے لیے جس نے خود بھی آصفہ کی کسی خوشی کو اچھی نظر سے نہ دیکھا تھا۔

''دیکھیں امی! آج پھر آپ کا بی پی بہت ہائی ہے۔ آخر آپ کیوں اتنا ٹینشن لیتی ہیں۔ ہر کام اپنے وقت پر خدا کے حکم سے ہو ہی جائے گا۔''

شرجیل اب تقریباً روزانہ ہی تفصیلی چیک اپ کرلیا کرتا۔

''میں تو کچھ نہیں کرتی بیٹا! صرف سوچ سوچ کر ہی مجھے ڈپریشن ہونے لگتا ہے۔ آخر شرمین کی شادی کی تیاری اتنی جلدی کیسے مکمل ہوگی۔''

''بھئی، ہو جائے گا سب، لوگ تو ہفتے بھر میں بیٹوں کی شادیاں کر دیتے ہیں ہمارے پاس تو پھر بھی پورا مہینہ ہے اور یوں بھی بازار میں جاؤ ہر چیز تیار ملتی ہے بس جیب بھری ہوئی ہونی چاہیے۔'' روحیل بھی ماں کو سمجھانے لگا۔ رات کھانے کے بعد وہ سب لوگ عالیہ آنٹی کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''تم لوگ مرد ہو نا اس لیے بس باتیں کر لیتے ہو، ان لڑکیوں کے نخرے دیکھو تو پتا چلے ذرا ذرا سی چیز کے لیے گھنٹوں بازار میں خوار ہوتی ہیں اب مجھ سے تو بازاروں کے اتنے دھکے بھی نہیں کھائے جاتے اور یہ تمہاری بہن میرا ہی سر کھاتی ہے۔ ہر چیز لینے اور پسند کرنے کے لیے اسے امی چاہیے۔'' عالیہ آنٹی اپنی مشکل کی پہلے سے تمہید باندھ رہی تھیں۔

''اونہہ امی! تو پھر کس کے ساتھ بازار جاؤں، عینی آپا تو روز آ نہیں سکتیں اور تو کوئی ہے نہیں گھر میں۔'' شرمین اٹھلا کر بولی تو روحیل نے فوری جواب دیا۔

''کیوں آصفہ بھابھی ہیں نا، کبھی ان کے ساتھ بھی چلی جایا کرو۔ امی جان کو بھی تھوڑا آرام رہے گا۔'' اس نے سیدھے طور پر بات کہی۔

''ہونہہ آصفہ بھابھی!'' پہلے تو شرمین نے ناک چڑھا کر اس طرح کہا کہ صرف خود آصفہ کو نہیں وہاں موجود سب لوگوں کو برا لگا لیکن پھر وہ فوراً بولی۔

''اگر امی کے آرام کا اتنا ہی خیال ہے تو آصفہ بھابھی سے کہیں یہاں رہ جائیں۔ گھر اور بازار دونوں کی ٹینشن میں وہ زیادہ بیمار ہو رہی ہیں۔''

''سچ بات یہ ہے نا بیٹا کہ اب آصفہ کی طبیعت خود ایسی نہیں کہ وہ گھنٹوں دھوپ گرمی میں بازاروں کے چکر کاٹ سکے، لیکن اگر گھر کی ذمہ داری بھی سنبھال لے تو میرا بوجھ بہت بٹ جائے گا۔ دیکھو نا عینی تو پرائی ہے اس پر کیا زور۔ گھر کے کام ہی کیا ہوتے ہیں، کھانا پکانا اور نوکروں پر نظر رکھنا۔''

اف اتنا میٹھا، اتنا نرم لہجہ! سمجھانے کا اتنا پیارا انداز۔ شرجیل کے ساتھ ساتھ روحیل نے بھی ہاں میں ہاں ملانی شروع کر دی۔ بلکہ آصفہ خود قائل ہوگئی کہ آخر کیا برا ہے۔ آخر لڑکیوں کو سسرال کو اپنا گھر سمجھ کر یہیں کے لیے مشقت کرنی چاہیے۔

اور یہ اس کی سمجھ کی خرابی ہی تھی، لیکن آصفہ شاید اتنی نااہل ہی تھی کہ عالیہ آنٹی کی چوکھٹ سے ہی بار بار دھوکا کھاتی اور پھر نئے سرے سے راضی ہو جاتی۔

چند روز تو ٹھیک ٹھاک گزر گئے حالانکہ سہیل انکل بالکل قائل نہ ہوئے تھے۔

''بھئی تم کچھ اعتراض تو کر سکتے تھے، یہی کہہ سکتے تھے کہ جب آپ کو بازار جانا ہوا کرے آصفہ کو بلا لیا کیجیے گا۔ تمہاری ماں نے اسے پابند کر لیا تو ایک لمحے کے لیے نہ چھوڑیں گی۔'' شرجیل کو احساس ہوا کہ کچھ غلطی ہو گئی ہے اور آصفہ کا احساس شدید ترین ہوتا جا رہا تھا۔

روحیل بھی دوسرے دن ہی واپس چلا گیا۔

''میں اگلے ویک اینڈ پر پھر آجاؤں گا۔ شرجیل بھائی سوری، ساری ذمہ داری آپ کو اکیلے اٹھانا پڑ رہی ہے۔ لیکن میں کوشش کروں گا کہ اپنے حصے کا کچھ حق ادا کر سکوں۔''

''ارے پاگل ہوئے ہو، چھوٹے بھائی بہن اسی لیے تو ہوتے ہیں کہ بڑوں سے لاڈ اٹھوا سکیں۔ پھر بھی تم نے ان چند دنوں میں میرا کتنا ساتھ دیا۔''

''چلیں بھابھی! اپنا خیال رکھیے گا۔ شرمین کی شادی کے ٹھیک دو مہینے بعد ہمارا بہت اہم مشن پروگرام شروع ہو رہا ہے، میں کسی طرح کراچی آ ہی نہیں سکوں گا۔''

اس کا اشارہ سمجھ کر وہ ہنسی اور پھر دیر تک دل میں خوش بھی ہوئی کہ روحیل واقعی اس کا خیال کرتا ہے۔ ورنہ عالیہ آنٹی نے اس کی شادی کی تاریخ چن کر ایسی سوچی تھی کہ آصفہ ہرگز شریک نہ ہو سکے۔ حالانکہ تاریخ ابھی طے نہ کی گئی تھی۔ سمیعہ کے والد سے بھی بات نہ ہوئی تھی لیکن عالیہ آنٹی نے سمجھو پکا کر ہی لیا تھا۔

''صبح مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے! آپ ہسپتال جاتے ہوئے مجھے امی کے ہاں ڈراپ کر دیں گے؟''

وہ سونے سے پہلے شرجیل سے مخاطب تھی، آج کل وہ تھک بہت زیادہ جاتا تھا، ہسپتال کی ڈیوٹی پھر گھر کا کام، شرمین کے جہیز کی تیاری سے لے کر دعوتوں کا انتظام کرنے تک ہر کام میں وہ باپ کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ ماں بہن کے ساتھ الگ جب ضرورت ہوتی خوار ہوتا۔

''امی جان سے پوچھ لیا ہے؟''

صبح انہیں بتا دوں گی، پوچھ تو آپ سے رہی ہوں۔''

''لیکن مجھ سے پوچھنے کا کیا فائدہ! تم کیا سارا دن میرے پاس بیٹھی میرے پیر دباتی ہو کہ مجھے کوئی فرق پڑے گا۔ امی جان کو مسئلہ ہوگا انہی سے پوچھ لینا۔''

''اب ڈاکٹر کے پاس جانا تو ضروری ہے، ایک دن امی سے کہیں گے تو وہ کچھ اور انتظام کر لیں گی۔'' وہ چڑ گئی۔

''بھئی ڈاکٹر کے پاس تو تم دوپہر کو جاتی ہو۔ کام کاج سے فارغ ہو کر پھر چلی جانا اور جلدی واپس آجانا۔ ضروری تو نہیں کہ دو گھنٹے کے کام کے لیے تم سارا دن اپنی ماں کے ہاں گزارو۔''

''اف شرجیل! آپ تھوڑا بہت تو میرے آرام کا بھی خیال کرلیا کریں۔''

''اب آرام تو تم نے خوب کیا ہے آصفہ! جب اکیلی یہاں ہوتی تھیں تو سارا دن چند کاموں کے بعد آرام ہی کرتی تھیں نا۔ اور یوں بھی مجھے پسند نہیں کہ کسی کو آسرا دلا کر خود درمیان میں ہیرا پھیری کریں۔ جب تم نے امی جان سے ساتھ دینے کا کمٹ منٹ کیا ہے تو تمہیں پورا کرنا چاہیے۔''

اس کے لیے تو شرجیل کو سمجھانا ہی ہر بات میں پہاڑ جیسا مسئلہ ٹھہرتا تھا۔

''اب دوپہر کو میں کس کے ساتھ جاؤں گی اور کیسے واپس آؤں گی۔''

''ارے یہ تو تمہاری ماں کا مسئلہ ہے۔ میرا درد سر تو نہیں۔''

''اپنی ماں کے لیے تو دل و جان حاضر ہیں اور میری ماں کے بارے میں زبانی کلامی اچھا سوچنا بھی گوارا نہیں۔'' اس کا دماغ گھوم گیا۔

''سو جاؤ آصفہ صبح بات کریں گے۔'' شرجیل تھکا ہوا اتنا تھا کہ بحث کرنے کے بھی قابل نہ تھا۔

''جب آپ نے قسمت کو سلا دیا ہے تو ہم جاگ کر کیا کریں گے۔''

وہ طلعت کی شادی کے بعد اس سے ملنے کے بہانے بھی میکے نہ گئی تھی کیونکہ فوراً ہی شرمین کی منگنی وغیرہ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور اب لگتا تھا شادی ہو جانے تک وہ جا نہ سکے گی۔

''پلیز آپ پوچھ تو لیں امی جان سے، بہت دن ہوئے میں میکے گئی ہی نہیں ہوں۔'' اس نے صبح اٹھ کر پھر بات کی۔

''اور وہ جو ایک ساتھ ہفتہ بھر رہ کر آئی تھیں جب وہاں شادی تھی تو میں نے تمہیں نہیں روکا اور اب یہاں تمہارے سسرال میں شادی ہے تو تمہیں خود جانے کی بات نہ کرنی چاہیے۔''

''اف خدا شرجیل! شادی میں تو ابھی بہت دن پڑے ہیں۔''

''تم نے تو رات سے میرا دماغ چاٹ لیا ہے۔ بھئی کہہ دیا نا ایسا ہی دل کرتا ہے تو امی جان سے خود بات کر لینا۔ مجھے یہ بدعہدی والی باتیں نہیں پسند۔'' وہ اپنے کپڑے تولیہ اٹھاتا باتھ روم میں گھس گیا۔ اور وہ اپنے آنسو جذب کرتی کچن کی طرف چلی گئی۔

اس نے ڈھنگ سے ناشتا بھی نہ کیا۔ جس طرح جلدی جلدی روزانہ کام نمٹاتی تھی کچھ بھی نہ کیا اور شرجیل کے ساتھ ساس کی طرف چلی آئی۔

''امی جان! آپ نے دوائی لی۔'' وہ ماں سے پوچھنے لگا۔

''آنٹی! آج مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔''

''ارے آج! تم نے پہلے کیوں نہ بتایا آج تو ہمیں جیولر کے پاس جانا تھا۔ بارہ بجے گھر سے نکل جائیں گے۔ میں تو صبح تمہیں جلدی بلوانے والی تھی لیکن پھر یہی سوچا کہ شرجیل اچھی طرح ناشتا نہ کر سکے گا اس لیے آواز نہ دی۔'' وہ اپنے آپ کو بھول کر، مٹا کر اس گھر میں جی سکتی تھی۔ لیکن بھلا یہ کون سی زندگی ہوئی۔

''مگر تمہارا ڈاکٹر کے پاس جانا بھی لازمی ہے! خیر شرجیل بیٹا تم تو جاؤ، بے وجہ پریشانی میں مبتلا نہ ہو ویسے ہی سارا دن بھاگ دوڑ کر کے تھک جاتے ہو۔ ہم کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔'' بیٹے کو بیوی کی

پریشانی بھی اٹھانے کی اجازت نہیں۔ بے چارہ فکر کر کے کیوں اپنی جان ہلکان کرے۔

وہ چپ چاپ پلٹ کر اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہوگئی جس کے لیے یہاں بلائی جاتی تھی۔

''ایسا کرنا، اپنے بھائی سے کہنا آ کر تمہیں لے جائے۔ جلدی جلدی کام نمٹالو تو چلی جانا، اس کے سوا تو کوئی چارہ ہی نہیں۔''

اگلے دن وہ ناشتا کیے بغیر ہی دوسری طرف چلی آئی۔ دراصل شرجیل کی طبیعت رات کو کچھ خراب ہوگئی تھی۔ صبح اٹھا تو بخار میں تپ رہا تھا، بہت کوشش کی لیکن بخار کچھ کم نہ ہوا تو ایک گھنٹے بعد اس نے ہسپتال فون کر کے اپنی طبیعت کی خرابی کا مسئلہ بتا کر چھٹی کی درخواست لی، پھر اس نے آصفہ سے چائے بنانے کے لیے کہا اور چائے کی پیالی کے ساتھ دوائی کھا کر دوبارہ سو گیا۔ شرجیل کی دیکھا دیکھی اس نے خود خالی پیٹ چائے پی لی پھر اس کی طبیعت کتنی دیر تک بے چین سی رہی، ناشتا بھی نہ کر سکی اور نو بجنے لگے تو سوچا عالیہ آنٹی کو شرجیل کی طبیعت کا بھی بتا دے اور کام وغیرہ بھی دیکھ لے۔

''آج دیر ہوگئی نا آصفہ! اب جلدی آؤ میں تمہیں کچن میں کام سمجھا دوں پھر ابھی مجھے ایک ملنے والی کے ہاں جانا ہے۔ کل تمہیں پتا ہے، جیولر کے پاس بھی کتنے کام ادھورے رہ گئے اور آج رات کو شرمین کے دیور کو کھانے پر بلایا ہے۔ اف میرا تو سوچ سوچ کر بی پی ہائی ہونے لگا ہے۔''

وہ اس سے کم وبیش اسی لہجے میں بات کر رہی تھیں جیسے اپنی کام والی سکینہ سے کیا کرتی تھیں۔ اور اس کو تو پھر بھی کچھ رعایت حاصل تھی۔ آصفہ کے لیے عجیب ہی انداز تھا ان کا۔

''شرمین کی سسرال سے تو پانچ چھ لوگ ہی آئیں گے اور بس تمہارے تایا اور تائی اور ہم گھر کے لوگ ہیں۔ اب اتنی چھوٹی دعوت کے لیے تو کھانا گھر پر ہی پکانا چاہیے، ذرا شرمین کی سلیقہ شعاری کا بھی رعب پڑے نا اس کے سسرال والوں پر اور اس کا دیور تو امریکا سے آیا ہے۔ ایسا کھانا پکانا کہ وہ کھا کر اور خوش ہو کر جائے، میں شرمین کو بھی تمہارے ساتھ شام سے ہی کچن میں بھیج دوں گی۔''

ابھی صبح تھی اور شام کتنی دور تھی کیا وہ جب تک کچن میں بکھیرے سارے سامان کو یونہی رکھے انتظار کرے گی۔

''ارے ہاں شرجیل ہسپتال نہیں گیا اب تک!'' گھر سے نکلتے نکلتے انہیں یاد آیا تو انہوں نے پلٹ کر پوچھا۔

''جی انہیں رات سے بخار تھا، اب بہت تیز ہوگیا ہے۔''

''اچھا کیا، آرام بھی ہو جائے گا اور گھر کے کچھ کام بھی ہو جائیں گے۔''

''جی۔۔۔!'' وہ حیران ہوئی مگر انہوں نے رک کر نہ اس کی کوئی بات سنی نہ حیرانی دیکھی۔ شرمین جانے کہاں تھی ضرور اب تک سو رہی ہوگی۔ وہ کچن میں آئی تو پھر حیران ہوئی کہ کام کہاں سے شروع کرے، یہ سوچ کر کرے کہ سب کچھ اسے ہی کرنا ہے یا کسی اور کی امید لگا کر بیٹھے اور سوچے۔ نہایت ہوشیاری اور ہنرمندی سے عالیہ آنٹی نے مینو میں بتائی گئی ہر چیز پکانے کی ضرورت کی اشیاء کچن میں پھیلا کر رکھ دی تھیں۔

وہ شرجیل کے پاس جانے کا سوچتی رہی اور کام کرتی رہی، ایک بار کچن سے نکلنے لگی تو سکینہ آ گئی

دوسری بار اٹھی تو شرمین نیند میں انگڑائی لیتی کچن تک آئی۔

''پلیز بھابھی! مجھے ناشتا دے دیں، آج میرا سر بے حد دکھ رہا ہے۔''

''تم شاید یہ بھول گئی ہو آصفہ بی بی کہ ایک بیمار آدمی تمہارا شوہر بھی ہے، جسے اگر تم پوچھ لیتیں کہ زندہ ہے یا مر گیا تو تمہارے گراں قدر وقت کے خزانے میں کوئی کمی نہ آجاتی۔'' وہ نہ دو منٹ کے لیے رکا نہ خود اس کی حالت اور کام کے حساب کتاب پر غور کیا اور تیزی سے پلٹ کر باہر کی طرف نکل گیا۔

عینی آپا گھر آئیں۔ کھانا کھا کر کے چلائیں۔ ''کیا پکائیں گی، کیسے کتنا۔''

''امی جان نے کہا تھا آج بہت کام ہے، اس لیے میں بہت جلدی میں اپنے گھر کا سارا کام جیسے تیسے نمٹا کر آئی ہوں۔'' وہ سمجھی شاید عینی آپا کچن کے کاموں کی زیادتی کا احساس کر کے آئی ہیں۔ اور انہوں نے چند منٹوں کے لیے اس کے ساتھ بیٹھ کر کسی کام کو ہاتھ لگایا، کچھ آگے بڑھایا کہ شرمین تیزی میں کچن کی طرف آئی۔

''چلیں چلیں، آپا ڈرائیور آ گیا۔ پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔'' وہ سموسوں کی پٹیوں میں قیمہ بھرتی ایک سموسہ اسی مرحلے پر ادھورا چھوڑ کر قیمہ، پٹیاں پرے ہٹاتی فوراً کھڑی ہو گئیں۔ تھوڑی سی شرمندگی کی لہر ان کے چہرے پر ابھری جسے شرمین کی اگلی پکار نے فوراً مٹا دیا۔

''شرمین بچے۔۔۔؟'' عینی آپا ان کے بارے میں بھی کچھ فیصلہ نہ کر پائیں۔

''ارے بھابھی ہیں نا، یوں بھی ہم تو تھوڑی دیر میں واپس آ رہے ہیں۔ دیر بھی لگی تو امی تو بس اب آنے ہی والی ہوں گی۔'' کچن کے باہر ہی دونوں بہنیں الجھ رہی تھیں۔

''بھابھی! میرے بچے امی کے کمرے میں سو رہے ہیں پلیز خیال رکھیے گا۔ ہم ابھی آ رہے ہیں۔'' عالیہ آنٹی بھی صبح کی گئیں، ابھی ہی آنے والی تھیں۔ اور اب یہ دونوں بہنیں بھی چل پڑیں، سکینہ کچھ دیر پہلے ہی کام نمٹا کر چلی گئی تھی۔

اب وہ گھر میں اکیلی ہی تھی۔ کچن کا کام اسے لگ رہا تھا کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔ اسے بھوک بھی لگ رہی تھی۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ اسے کھانا کھا لینا چاہیے پھر سوچا کہ عالیہ آنٹی کا انتظار کرے۔ پھر بھوک برداشت نہ ہوئی تو اس نے کھا ہی لیا اور چائے پینے کے لیے باہر لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تو اس کا جی چاہا تھوڑی دیر کے لیے وہیں لیٹ جائے۔ تھکن کے مارے اس کے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔

اور اپنی خواہش سے مجبور ہو کر ابھی وہ لیٹی ہی تھی کہ عینی آپا کا بیٹا یک دم اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی ماں کو نہ پا کر اس نے قیامت مچا دی۔ مسلسل رویا، کسی چیز سے نہ بہلا، اتنا رویا کہ وہ ہلکان ہو گئی اور پھر تو زچ ہو کر اسے ایک تھپڑ جڑ دیا۔ وہ بالکل ہی باؤلا ہو گیا کسی طرح قابو میں نہ آیا۔ آصفہ اس کو چپ کرانے کی دھن میں اپنے کاموں کو بھول گئی۔

اور ابھی اس کو روتا چھوڑ کر کچن میں اپنے ہی کام کا اندازہ لگانے جانے لگی تھی کہ گیٹ پر بیل بجی۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا تو پیچھے ہی دوڑتا وہ آیا اور اپنی نانی جان کی ٹانگیں پکڑ لیں۔

''نانو انہوں نے مجھے مالا بہت مالا۔۔۔۔'' وہ نئے سرے سے تڑپ تڑپ کر رونے لگا۔

''تمہاری ماں کو بھی بہت جلدی مچی رہتی ہے۔ یہاں اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں۔'' عالیہ آنٹی اس کی

موجودگی کو یکسر نظر انداز کر گئیں، کچھ کہتیں کیسے ابھی تو انہوں نے اسی آصفہ سے بہت سے کام نکلوانے تھے لیکن ان کا نظر انداز کرنا بھی کاٹ کر رکھ دینے والا تھا۔

''صبح سے کام بکھرا پڑا ہے۔ چلو اب جلدی جلدی سمیٹتے ہیں۔'' بہت سے کام تکمیل تک پہنچنے والے تھے۔ ڈھائی کلو قیمے کے کوفتے بنانا، ڈیڑھ کلو کے سموسے اس کے کئی گھنٹے ان ہی دو کاموں کے پیچھے ختم ہو گئے۔ مگر عالیہ آنٹی کا انداز ایسا تھا جیسے اس نے کچھ کیا نہیں۔ بہر حال آخری آدھے ایک گھنٹے کے لیے انہوں نے اس پر ہدایات کی بھرمار کی۔ سب چیزوں کو دیکھا۔ سونگھا کسی کو چکھا۔

''کارن سوپ کی سب تیاریاں کر کے رکھ دو۔ بنے گا تو وقت پر!

سموسے بھی مہمانوں کے آنے کے وقت ہی تلے جائیں گے اور بریانی کے چاول بھی شام کو بھگوئے جائیں گے اور پھر تو عینی ہو گی، شرمین ہو گی، فٹافٹ سارے کام کروا دیں گی۔

پڈنگ تیار ہے، ابھی اوون میں رکھنے کا مرحلہ باقی ہے۔'' وہ اندازہ لگا رہی تھیں کہ شام دور نہیں اور بکھیڑے ابھی سمٹے نہیں۔

''اف میری دوائی کا بھی وقت ہو گیا، شرمین ہوتی ہے تو یاد رکھتی ہے۔'' اتنا کچھ وہ کہتی چلی جا رہی تھیں اور کوئی آصفہ بی بی سے پوچھے کہ آپ کے منہ میں بھی زبان ہے کہ نہیں۔

''تم آج کل کی لڑکیاں ذرا سے کام سے گھبرا جاتی ہو۔ ہمارے زمانے میں کبھی پوچھنا اپنی تائی سے ایسی دعوتیں روز ہوتی تھیں۔ دوپہر کو پتا چلا کہ رات کو مہمان آ رہے ہیں، بھرا پرا سسرال تھا کبھی کوئی آ رہا ہے، کبھی کوئی۔ بس سلسلہ لگا رہتا اور ہم بھی لگے رہتے۔'' وہ جی جی کرتی سنتی گئی۔

''اونہہ بھرے پرے گھر کی دعوتیں تو میں نے دیکھیں ہیں آنٹی! ہمارے ماموں کے ہاں ہر ہفتے ایسا میلہ لگتا اتنا کام ہوتا مگر پتا نہ چلتا کہ کیسے ہوا، ہر کوئی اپنا حصہ اور حق ادا کرنے کے لیے پیش پیش رہتا۔ مل جل کر کام کرنے کی برکت کا مطلب شاید آپ کو کبھی سمجھ میں نہ آ سکے۔''

''بھئی عینی! اب تم کچن سنبھالو، آصفہ تیار ہو کر آئے، تم ابھی تیار ہونے مت بیٹھ جانا، یوں بھی تمہیں اتنی دیر نہیں لگتی، تم تو بہت پھرتیلی ہو۔'' شام گئے بالآخر عالیہ آنٹی کو اس کے تیار ہو جانے کا خیال آیا تو انہوں نے یوں جتایا وہ جیسے بہت سست رو ہو۔

''آؤ آصفہ بیٹھو!'' سب مہمانوں کی موجودگی میں عالیہ آنٹی کا رویہ اس سے قطعی بدل گیا۔ لہجہ میٹھا شکر اور انداز واری وصدقے۔

''کھانا بہت مزے کا ہے۔'' جب کھانا شروع ہوا تو ہر کسی نے اتنی تعریف کی کہ اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے پھر بیٹھ کر کھاتے ہوئے آصفہ اپنی محنت کی ایسی وصولی پر بہت خوش ہوئی۔ سوچتی رہی ابھی عالیہ آنٹی اس کا نام لیں گی اور سب اس کو سراہیں گے، اس اعزاز کے لیے دن بھر کی محنت کیا بڑی بات ہے۔

کوفتے تندوری نان کے ساتھ واقعی بہت مزے کے لگ رہے تھے مگر نوالہ اس کے حلق میں اٹک گیا۔

''جی سارا کھانا گھر میں پکا ہے۔''

''ہاں ماشاء اللہ، آپ کی بہو بھی بہت سلیقہ شعار لگتی ہے۔'' شرمین کی ساس تو پہلے دن سے اسے

اتنا پسند کرتی تھیں کہ وہ کبھی کبھی خود نادم ہو جاتی۔

''جی لیکن میری شرمین کو گھر داری کا بڑا شوق ہے، خود ہی کہا کہ سب کھانا گھر میں پکائیں گے، صبح سے کچن میں لگی ہوئی ہے جانے رات ڈھنگ سے سوئی بھی یا نہیں۔''

''اتنا کام کر لیتی ہے شرمین؟'' اس کی نند نے منہ بنا کر کہا۔

''بہت اچھی بات ہے نا بیٹا۔'' ساس نے سراہا لیکن دل سے نہ کہا تھا شاید۔

''میرے پاس دو دو نوکرانیاں ہیں نا اور یہ لڑکی تو سارا دن میرے پاس رہتی ہے، ہر کام کر لیتی ہے۔ اس کی تو طبیعت اچھی نہیں رہتی۔ کچھ کر کہاں سکتی ہے اور میں نے تو شروع سے ہی یہ عادت ڈالی ہے ہر کام سب مل کر کریں۔ پھر پتا ہی نہیں چلتا کہ کام کیسے ہوا۔ یہ میری عینی بھی صبح کی آئی ہوئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں مگر ایسی سگھڑ اور پھرتیلی کبھی ساس کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔''

اتنا جھوٹ، ایسا سفید اور اتنی دیدہ دلیری انہیں خبر تھی کہ ایک بے وقوف لڑکی ان کی بہو ہے جو کبھی کچھ نہ بولے گی۔ اگر وہ یہ کہہ دے کہ شرمین نے تو دن بھر میں کچن کی صورت بھی نہیں دیکھی تو اس کا امریکا پلٹ دیور جو پاکستانی کھانوں کا بہت شیدائی لگ رہا تھا اور لہک لہک کر اپنے بڑے بھائی کے ساتھ کھڑا اپنی شرمین بھابھی کے ہاتھ کے ذائقے اور کھانوں کی لذت کی تعریف کرتا نہ تھک رہا تھا۔

''بھئی جو کھانا بچے وہ پیک کروا دیجیے گا۔ میں کل بھی کھاؤں گا۔''

''ہیلو! آصفہ بھابھی بول رہی ہیں۔'' دوسری طرف روحیل کی آواز سن کر وہ کچھ گڑبڑائی۔

''امی جان تو گھر پر نہیں ہیں۔'' اس کی خود روحیل سے کبھی فون پر بات نہ ہوئی تھی۔

''اچھی بات ہے، میں نے آپ سے بات کرنے کے لیے ہی فون کیا تھا۔'' وہ کچھ حیران ہوئی۔

''کوئی ضروری کام ہے کیا؟ عالیہ آنٹی اور شرمین حسب معمول گھر سے باہر تھیں۔

''ہاں دراصل سمیعہ آپ سے بات کرنا چاہتی تھی۔'' وہ یک دم متاثر سی ہوگئی اسے اندازہ نہیں تھا کہ سچ مچ سمیعہ اس سے بات کرنے یا ملنے کی ایسی خواہش رکھتی ہوگی۔

''جی سمیعہ بول رہی ہوں! کیا آپ بھی ہمارے حق میں زبردستی ووٹ دینے والوں میں سے ہیں۔'' پہلے تو وہ سمجھی نہیں مگر جونہی بات سمجھ میں آئی اس نے کہا۔

''نہیں قطعی نہیں! بلکہ مجھے تو آپ بہت اچھی لگی تھیں۔ اتنی پراعتماد، باحوصلہ، اسمارٹ سی۔'' وہ سچ مچ بہت خوش ہو رہی تھی۔

''تھینک یو لیکن مجھے تو آپ بہت اچھی لگیں، اتنی خوب صورت، مخلص اور معصوم سی۔'' اس نے بالکل اسی کے انداز میں اس کی تعریف کی تو آصفہ کو بہت ہنسی آئی۔

''اوہ خدا آپ ہنستی ہوئی کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔''

''آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے مجھے دیکھ رہی ہوں۔''

''مجھے لگ رہا ہے کہ میں آپ کو دیکھ ہی رہی ہوں۔'' سمیعہ کی باتیں اسے اتنی بھلی لگی یوں لگا اس کی زندگی میں ایک خوش گوار جھونکا آ گیا ہو۔

''آپ جانتی ہیں کہ آپ کی مہرالنساء بھابھی میری بھابھی کی بیسٹ فرینڈ ہیں۔''

''ہیں۔۔۔!سچ؟'' اپنی پیاری بھابھی کے ذکر پر وہ کھل سی گئی۔

''مجھے تو خود دو دن پہلے پتا چلا جب روحیل ہمارے گھر ڈنر پر آئے ہوئے تھے وہیں ان کی ملاقات مہرالنساء بھابھی سے ہوئی تھی۔''

''ہوں روحیل بھائی کے بڑے مزے ہیں۔''

''آپ خود پوچھ لیں۔'' اب سمیعہ نے فون چھوڑ دیا اور روحیل کو تھما دیا۔

''میں نے آپ کی سمیعہ سے اس لیے بات کروائی کہ آپ خوش ہوں اور تھوڑا خود پر اعتبار بھی کریں کہ آپ واقعی بہت اچھی ہیں۔ سمیعہ اس دن کی تھوڑی دیر کی ملاقات سے ہی آپ سے بہت امپریس ہے، پہلی نظر کے تاثر پر بھروسہ مجھے اس کی کیفیت دیکھ کر اب آیا۔ یوں بھی وہ بہت نظر شناس ہے۔''

''بڑی تعریفیں کر رہے ہیں۔'' وہ ہنسی۔

''میں اسے سراہوں گا جب ہی تو دنیا اسے مانے گی۔'' وہ بھی ہنسا اور پھر یونہی ہنستے ہنستے بات ختم کی۔ عورت کو اتنا بھرپور اعتماد بخشنے والا مرد ہی ہوتا ہے اور چھیننے والا بھی مرد۔

شرمین کی شادی ہوگئی لیکن اس کے ولیمے کے دوسرے ہی دن سے وہ بری طرح بیمار ہوگئی۔ اس نے ان سارے دنوں میں یوں اپنے آپ کو ضائع کیا اس کے جسم کے ہر عضو نے اس سے پناہ مانگی، نہ چل سکتی مگر چلتی، نہ جاگ سکتی تھی مگر جاگتی، نہ بھاگ سکتی تھی مگر پھرتی دکھائی۔ اتنے دنوں میں شرجیل بھی اس سے بہت ناراض اور روٹھا روٹھا سا رہا۔ وہ اسے وقت نہ دے سکتی تھی، اس کا خیال نہ رکھ سکتی تھی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ عالیہ بیگم نے دونوں میاں بیوی کو خوب رگڑا تھا۔ سگے بیٹے پر بھی اکثر رحم نہ کھاتی تھیں۔

یہ درمیان میں جو گیٹ بنوایا تھا اس نے بھی آصفہ کو بڑا ستایا، ہر کام، ہر غرض کے لیے اسے گھر سے باہر نکل کر سڑک سے ہو کر دوسری طرف جانا پڑتا۔ اس نے شرجیل سے کہا تو اس نے سختی سے کہہ دیا۔

''ایک تالا ہی تو ہے ابھی کھل جائے گا لیکن پھر اگر دوبارہ بند نہ ہو سکے تو مجھ سے شکایت نہ کرنا۔''

اور اس نے سچ جان لیا کہ شرجیل نہ اصول پسند ہے نہ اس کی طبیعت ایسی سخت کہ فیصلہ کرے اور قائم رہے۔ وہ چپ رہ گئی اپنی بھلائی بھی برائی بنی تو خود ہی سہتی رہی۔

''آپ عجیب آدمی ہیں، بیوی کی ایسی طبیعت ہوگئی، آپ کو نظر نہ آئی تھی۔''

''جی میں تو بہت خیال کرتا ہوں کیونکہ میں خود ڈاکٹر ہوں۔'' لیڈی ڈاکٹر جب شرجیل کو ڈانٹنے لگیں تو اس نے رعب جھاڑنے کے لیے اپنا پیشہ بتایا۔

''بہت خوب ڈاکٹر ہیں، کہیں جعلی ڈگری لے کر تو کامیاب نہیں ہوئے۔ آپ کی بیوی کا بلڈ پریشر اتنا بڑھا ہوا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ خیال کرتے ہیں۔''

''یہ ابھی ہی بڑھا ہے ورنہ روزانہ تو نارمل ہوتا ہے، میں چیک کرتا رہتا ہوں۔'' شرجیل شرمندہ ہوا

تو جھوٹ بول گیا ورنہ اس نے کبھی ایک بار بھی اتنے دنوں میں اس کا کوئی چیک اپ نہ کیا تھا۔ پہلا بچہ میکے والوں کی ذمہ داری ہے، اماں نے پٹی پڑھادی تھی کہ ذہن میں یہی بیٹھا ہوا تھا کہ کہیں خود اپنی ذات سے اپنی ہی اولاد کو کوئی فائدہ نہ پہنچ جائے۔ سوچ یہی تھی کہ یہ ''پہلا بچہ'' ہے اپنا بچہ نہیں۔

''قطعی نہیں! بالکل غلط ہے ان کا بلڈ پریشر تو چوتھے مہینے سے ہی اتنا بڑھا ہوا رہتا ہے کہ میں ہر بار ان کو وارن کرتی ہوں اگر احتیاط نہ کی تو ماں اور بچے دونوں کا نقصان ہے۔'' یہ ڈاکٹر تو تھیں ہی بہت سخت اور کھری کھری سنانے والی۔

''ان کی بھی ذمہ داری ہے نا ڈاکٹر! کہ کچھ بتایا کرے۔'' وہ چڑ گیا۔

''جی ہاں پہلے دن سے آخر تک انہی کی ذمہ داری ہے آپ کا کچھ نہیں لگے گا۔ یوں بھی بڑی بری روایت ہے آپ لوگوں کے ہاں کہ پہلا بچہ تو میکے کی ذمہ داری ہے اس لیے باپ تو یوں لاتعلق بن جاتا ہے جیسے بچہ تو جہیز میں لے کر آنا عورت کا فرض ہے۔ ارے ہر پندرہ دن میں یہ لڑکی میرے پاس دھکے کھاتی ہے۔ میں نے کبھی آپ کی تو صورت بھی نہیں دیکھی کہ پتا چلے اس کی اس حالت کا ذمہ دار کون ہے۔ آپ آئیں ڈاکٹر سے بات کریں تو آپ کو پتا بھی چلے کہ بے چاری بیوی کے ساتھ کیا مشکلیں ہیں، قطعی جاہل قوم ہے ہماری، پڑھ لکھ کر بھی گنوار کے گنوار ہی رہتے ہیں۔'' ڈاکٹر نگہت نے شرجیل کو اتنا سنایا ذرہ برابر نہیں بخشا آخر آصفہ کا اتنا بی پی شوٹ کرتا ہے تو تھوڑا اس کا بھی اوپر پہنچانا چاہیے کہ نہیں، دو دن وہ ہسپتال میں ایڈمٹ رہی اور تیسرے دن امی کے گھر رہنے کے بعد وہ گھر واپس آئی تو شرجیل کا مزاج بدترین ہو رہا تھا۔

''جھوٹے بہانے سے تم اس لیے مجھے اس دن اس ڈاکٹر کے پاس لے گئیں کہ تمہارے دل میں جتنا زہر بھرا ہے وہ مجھے سنا کر تمہاری تسکین کرائیں۔ اچھی ڈاکٹر ڈھونڈی ہے تمہاری اماں نے، نہ کسی کا لحاظ کرتی ہیں نہ کسی کی عزت کرنا جانتی ہیں۔''

وہ سمجھی تھی شرجیل کے دل پر کچھ اثر ہوا ہوگا۔ وہ شاید اس کا اب بہت خیال رکھے گا لیکن اسے اپنی توہین یوں محسوس ہوئی تھی اس کا تو اندازہ ہی نہ تھا۔

''اتنی برائیاں تم اپنے سسرال کی، اور میری اس غیر ڈاکٹر کے سامنے کرتی ہو، سچ آصفہ امی ٹھیک ہی کہتی ہیں تم جتنی بھولی نظر آتی ہو اندر سے اتنی ہی کمینی ہو۔'' اسے ڈاکٹر نے قطعی غصہ کرنے اور ٹینشن لینے کو منع کیا تھا۔ وہ چپ رہ گئی۔

برے بھلے جیسے تھے دن گزر ہی رہے تھے، عالیہ آنٹی روزانہ نئے طریقے سے شرجیل اور سہیل انکل پر واضح کرتیں کہ وہ تنہا ہیں، بیمار ہیں، کوئی ساتھ ہوتا تو آسرا ہوتا۔ یا آصفہ ساتھ رہتی تھی تو اچھا ہی تھا بلکہ دو دن پہلے یہاں تک کہا کہ آصفہ پھر ساتھ مل کر رہنے لگے تو کیا بری بات ہے۔ لیکن شرجیل ٹال رہا تھا، جانتا تھا کہ اگر آصفہ پھر ہاتھ لگ گئی تو امی جان اسے بخشیں گی نہیں۔ ضرور پھر اس کا تیل نکالیں گی۔ وہ آصفہ پر جتا رہا تھا مگر بہرحال اب اس کا خیال ضرور اس کے دل میں رہنے لگا تھا۔ وہ بہت چاہتا کہ ماں بھی ناراض نہ ہو، لیکن وہ بہرحال اس سے خفا ہی تھیں۔

''یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے امی جان! آپ لوگوں نے، بھابھی ادھر الگ بستر سے لگی پڑی ہیں۔ آپ ادھر بیمار رہتی ہیں۔ دونوں ایک ساتھ مل کر رہیں تو ایک دوسرے کا آسرا بھی رہے اور خیر خبر بھی رہے۔''
عینی نے تو ماں کو نئے سرے سے جوش دلایا۔
''بس سب تمہارے بھائی اور ابا کی مرضی چل رہی ہے۔''
''ابو جی! آپ شرجیل بھائی سے کہیں اب ختم کریں ڈراما، کون سا لمبا چوڑا خاندان ہے یہاں جس سے الگ جا کر رہ رہے ہیں وہ، غضب خدا کا ماں باپ بیٹوں کی دعائیں اسی دن کے لیے مانگتے ہیں کہ اس عمر میں انہیں اکیلے چھوڑ کر چلے جائیں۔'' عینی نے ہر کسی کو بری طرح شرمندہ کر کے رکھ دیا۔ شرجیل آیا تو اسے بھی نہ بخشا۔
''دیکھو بھائی! یہ تو دنیا سے نرالی ریت اپنائی ہے تم نے، ماں باپ کو اکیلا چھوڑ کر تم بیوی کی بھلائی دیکھ رہے ہو۔ تمہاری بیوی کو ایسی کوئی انوکھی بیماری نہیں ہے۔ دنیا کی عورتیں بچے پیدا کرتی ہیں، جب کہ امی جان بیمار بھی ہیں۔ شرمین کے جانے کی وجہ سے دکھی بھی ہیں اور بڑھاپے نے انہیں کمزور کر دیا ہے، کچھ بھی کہہ لو، تمہاری جنت تو ان ہی کے قدموں کے نیچے ہے نا۔''
شرجیل کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ عینی نے آصفہ کے سامنے بیٹھ کر ساری باتیں کہی تھیں۔
''سچ تو یہ ہے کہ میرے سسرال میں تو باتیں بننے لگی ہیں اور برا مت ماننا آصفہ! سب تمہیں ہی کہیں گے کہ ایک ساس کا کتنا بوجھ تھا جسے چھوڑ کر بہو الگ رہنے لگی ہے۔'' وہ دونوں بس قائل ہو کر امی جان کے پاس اٹھ کر آنے ہی والے تھے۔
''عینی کی باتیں ٹھیک ہیں اب اس کے سسرال میں یہ باتیں بھی ہونے لگی ہیں کہ آصفہ کے یہ آرام کے دن ہیں۔ اسے اپنے میکے چلے جانا چاہیے۔'' سہیل احمد نے کہا تو عینی باپ کی بات پر کچھ جز بز سی ہو گئی۔
''بیٹا عینی! ایک بات کا تم بھی برا نہ ماننا کہ تمہارے سسرال کا کوئی فرد یہاں نہیں آتا جو اِدھر کی باتیں اُدھر لے جا سکے سوائے تمہارے۔''
''ابو جی! آپ کبھی کبھی بہت زیادتی کر جاتے ہیں۔'' وہ ناراض ہو گئیں۔
''حقیقت کو جاننا اور ماننا زیادتی نہیں ہے بیٹا! یوں بھی اگر تم دونوں آنکھیں کھلی رکھو تو تم آصفہ کے الگ رہنے کی قباحتوں کے ساتھ ساتھ وضاحتوں پر بھی نظر رکھ سکو گی۔ تم سے تو مجھے اچھی امید ہے کہ تم نظر شناس ہو۔'' عینی آپا قائل ہو جاتی تھیں بات کو سمجھ لیتی تھیں۔
''میں تو صرف وہی کہہ رہی تھی جو نظر آتا ہے۔''
''اب تم یہ بات اپنی ماں سے کہنا بلکہ انہیں قائل کرنا کہ چند دن ان کے ساتھ رہ کر آصفہ اپنی ماں کے پاس چلی جائے۔''
اور پھر وہ عالیہ آنٹی کے پاس چلی آئی۔ اکیلے اس کا دل اپنے گھر میں بھی گھبرایا کرتا تھا۔ اور یہاں عالیہ آنٹی کے پاس بھی اس کا دل نہ لگتا۔ ان کی عجیب ہی مصروفیات تھیں، گھنٹوں فون پر باتیں کرتی رہتیں یا اپنے کمرے میں بیٹھی اپنی الماریوں میں سے بے وجہ جانے کیا کیا کریدتی رہتیں، پھر فارغ ہوتیں تو

''ابھی آجاؤں گی'' کہہ کر گھر سے نکل جاتیں اور ان کی واپسی کا کوئی وقت مقرر نہ ہوتا۔
پہلے دن کے لحاظ کے بعد انہوں نے سارا کچن آصفہ کو ہی سونپ دیا۔
''بس آج کچھ زیادہ نہیں پکانا، سالن چاول بنالو اور چاہو تو ساتھ کوئی سبزی بنالینا'' پھر سکینہ کی ذمہ داری اپنے گھر کا کام وہ سارا کچھ کرتی اور اسے برا نہ لگتا۔ اس طرح اس کا وقت گزر رہا تھا ورنہ اکیلے بے مقصد بیٹھے رہنے سے وہ بھی اکتا جاتی تھی۔
لیکن دو دن بعد انہوں نے شرمین کی خاص طور پر دعوت کا انتظام کیا اور وہی عینی آپا، تایا تائی جان پھر شرمین کے دیور کو بھی بلایا جانا تھا کیونکہ وہ واپس جا رہا تھا اس کا سارا دن ویسا ہی گزرا جیسا پچھلی بار دعوت میں گزرا تھا۔ عالیہ آنٹی عینی آپا یا شرمین کو کوئی احساس نہ تھا اور شرجیل کو فرصت نہ تھی لیکن سہیل احمد کڑھ رہے تھے۔
''میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ ہوٹل میں دعوت کر لیتے ہیں'' وہ بیگم سے اب الجھتے نہ تھے لیکن آج آصفہ کا حال دیکھ کر چپ نہ رہ سکے۔
''بھئی ایسا کیا ہوگیا۔ آخر ابھی تو شادی کے اتنے اخراجات سے فارغ ہوئے ہیں پھر روحیل کی باری ہے، کتنا خرچہ ہو جاتا ہے۔ آپ کی بھلائی کے لیے ہی میں نے سوچا۔''
عالیہ آنٹی کا لہجہ تیز اور انداز جارحانہ ہونے لگا تھا۔ وہ چپ ہو گئے۔
''آصفہ کو اب اس کے میکے بھیج دو عالیہ۔'' تائی اماں نے آخر میں کہا۔
''ہاں بس بھیجنے ہی والی ہوں، بس دعوت کی وجہ سے ہی روکا ہوا تھا، بہو گھر میں نہ ہو تو دعوت کا کرنا اچھا نہیں لگتا نا'' انہوں نے نرمی سے جواب دیا۔
''آصفہ بیٹا! ادھر آ کر بیٹھ جاؤ۔ بہت صابر بچی ہے۔ اللہ تمہیں ضرور چاند سا بیٹا دے گا۔''
ان کی دعا عالیہ آنٹی کو اتنی بری لگی وہ سب کے درمیان سے اٹھ کر یک دم چلی گئیں اور دوسرے دن ہر پل اور ہر قدم پر انہوں نے آصفہ کو عجیب نظروں سے دیکھا۔
''اگر اس کا بیٹا ہوا تو شرجیل میرا بیٹا قطعی نہ رہے گا۔ اسی کا شوہر بن کر رہ جائے گا۔''
وہ الجھیں اور الجھتی چلی گئیں۔ عجیب فکر میں ڈال گئی تھیں انہیں ان کی ساس۔
''آصفہ بیٹا! میں نے اپنی ایک چادر اوپر چھت پر ڈلوائی ہے، دو دن سے پڑی ہے سکینہ آتی ہے تو بھول جاتی ہوں اور خود تو سیڑھی چڑھ بھی نہیں سکتی اگر تم اوپر جا سکو تو لے آؤ'' آصفہ تو ان کے برے لہجے پر کبھی نہ انکار کرتی تھی۔ اتنے پیار سے کہنے پر کیسے منع کر دیتی۔
وہ چھت پر چلی گئی اور اس کے جاتے ہی عالیہ بیگم نے سیڑھی پر کھوپرے کے تیل کی شیشی انڈیل دی۔ بلکہ شیشی توڑ ہی دی۔
''اوہ خدایا دیکھو کیا ہوا۔ سارا تیل بہہ گیا'' پھر انہوں نے خود ہی شور مچایا۔
''میں نے سوچا کہ ڈھلکن بہت سخت ہو گیا ہے، دھوپ میں بوتل رکھوں گی تو ذرا پھیل جائے گا، اسی لیے سیڑھی پر رکھنے لگی لیکن ہاتھ سے ہی چھوٹ گئی۔
ارے دیکھو آصفہ! سنبھلنا کہیں پھسل نہ جاؤ۔''

وہ بولتی رہیں، آصفہ جب ان کی الجھن اور گھبراہٹ سنتے سنتے آدھی سیڑھیاں اتر گئی پھر انہوں نے سنبھالنے کی ہدایت اس طرح کی کہ وہ گھبرا کر لڑھک ہی گئی۔ پیر پھسلا اور وہ نیچے آن گری۔۔۔ عالیہ آنٹی کی چیخ بلند ہوئی۔

''آخر آصفہ کیوں اتنا گھٹ گھٹ کر بے بسی کی زندگی گزار رہی ہے۔'' جواد ماموں اپنے بیٹے کی صورت غور سے دیکھنے لگے۔

''ہم ہیں نا سب، وہ لاوارث تو نہیں، اس کی ساس جو جی میں آئے اس کے ساتھ سلوک کر جاتی ہے اور ہم کچھ کہہ بھی نہیں سکتے، اس لیے کہ آصفہ ''اف'' نہیں کرتی۔'' وہ جوش میں کہہ رہا تھا۔

شرمین کی شادی میں وہ شریک ہوا تھا اور آصفہ کی صورت دیکھ کر اس کے دل کو عجیب چوٹ سی لگی تھی۔ آصفہ بہت نڈھال، بیمار اور مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی۔ یہ صرف اکیلے انصار نے محسوس نہیں کیا تھا، سب ہی نے دیکھا تھا اور آمنہ خالہ نے تو بہن سے یہاں تک کہا۔

''بس اب تم بلا لو آصفہ کو، ان کے گھر بیاہ بھی نمٹ گیا۔ یہ اس کے آرام کرنے کے ہی دن ہیں۔''

وقار اور مہر النساء بھابھی تو جلتے کڑھتے رہتے ہی تھے۔

لیکن امینہ بیگم اور سہیل احمد جانتے تھے کہ ان کے کچھ بھی کرنے اور کہنے سے پہلے آصفہ کی رضامندی لازمی ہے اور اگر وہ کچھ نہ کرنا چاہے تو ان کے پاس کوئی چارہ نہیں سوائے دل جلانے کے۔

''کیا آصفہ نے تم سے کچھ کہا ہے؟''

''کبھی کچھ کہتی ہے۔''

''بس بیٹا! جب تک وہ کچھ نہیں کہتی تو کسی کو حق حاصل نہیں، اس کے بارے میں کچھ کہنے یا کرنے کا۔''

''دیکھیں، ہم سب عالیہ آنٹی کے ظلم میں ان کے برابر کے شریک ہیں۔ کیونکہ انہیں خبر ہے وہ کچھ بھی کر لیں، ان کے سامنے خاموشی ہی خاموشی ہوگی۔'' انصار کو غصہ آ گیا۔ کیونکہ سب لوگ بس باتیں ہی باتیں کرتے رہ جاتے۔

اور جلال احمد سے کوئی کچھ کہا نہ کرے تو بھی بھلا وہ کیا بیٹی کی آنکھوں کی ویرانی اور پیشانی کی لکیروں کا دکھ پڑھ نہ سکتے تھے۔

''ناشتا کیوں نہیں کر رہے؟'' امینہ بیگم شوہر کی بے چینی سے خود گھبرائی رہتی تھیں۔ رات گئے تک جاگتے تھے، کھانا شوق سے نہ کھاتے، بس چائے پیتے رہتے۔ ابھی بھی کچھ کھائے بنا یہ دوسرا کپ تھا جو حلق میں انڈیل رہے تھے۔

''آج تو ناشتا کرنے کو جی نہیں چاہ رہا۔'' انہوں نے ایسے کہا جیسے آج جانے کیا ہوا ہو۔

''کیوں، آج کیا ہے؟'' امینہ بیگم نے پوچھا بھی تو وہ چپ رہ گئے۔

''وقار چلا گیا؟'' کچھ دیر بعد انہوں نے پوچھا۔

''ہاں، آپ نے کہا تھا نا کہ آج آپ دیر سے جائیں گے۔''

''کسی آدمی کے ساتھ بینک جانا ہے، اگر کوئی کام ہو تو مجھے میرے موبائل پر فون کر دینا، دفتر شاید دوپہر تک ہی پہنچ سکوں گا۔''

کچھ کام بھی پڑے گا وہ انہیں فون بھی کریں گی، جلال صاحب عجیب گمان میں لگ رہے تھے۔ امینہ بیگم خود ناشتا کی میز پر ہی ایسی سوچ میں گم ہوئیں کہ وقت کا احساس ہی نہ کر سکیں۔ جب فون کی گھنٹی بجی اسی وقت چونکیں۔ فون اٹھانے سے پہلے ہی گھبراہٹ ان پر طاری ہوگئی۔ بہت گھنٹیاں بجنے کے بعد وہ فون اٹھانے گئیں۔ ''آصفہ اسپتال میں ہے۔''

انہوں نے حواس پر قابو پاتے ہوئے وقار کو فون کیا، اسے سمجھا کر اپنے باپ کو بتانے کا کہا اور خود اسپتال کے لیے فوراً نکل گئیں۔

''فوراً آپریشن کیا جائے گا۔ ماں اور بچے دونوں کی جان کو خطرہ ہے۔ ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آپ سائن کر دیں۔'' کوئی ڈاکٹر شرجیل سے کہہ رہا تھا۔

''آخر ہوا کیا ہے؟'' امینہ بیگم نے جھنجھلا کر شرجیل کو مخاطب کیا۔

''آنٹی! دراصل آصفہ سیڑھیوں سے گر گئی۔'' شرجیل جانے کیسے کہہ سکا۔

''کیسے، کہاں، تمہارے گھر میں تو کوئی سیڑھیاں نہیں ہیں۔'' کیسے کی تو شرجیل کو بھی خبر نہ تھی۔ وہ تو دوڑا تھا جب امی جان نے فون کیا تھا اور تب سے دوڑ ہی رہا تھا۔

پھر سب دوڑے چلے آئے۔

''میں کتنا چیخی، کتنا چلائی لیکن آصفہ نے سنا ہی نہیں۔ ایسی منحوس گھڑی تھی جانے کیسے تیل کی بوتل ہاتھ سے پھسل گئی، اسی وقت وہ سیڑھی پر آئی، میرا تو دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور پھر ہاتھ پاؤں سے جان نکل گئی۔ بس خدا نے غیبی طاقت دی کہ میں شرجیل کو فون کرنے کے قابل رہی ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا، میں خود بھی بے ہوش ہو کر گر پڑوں گی۔''

عالیہ آنٹی نہ گھبرائیں، نہ کہانی سنانے میں ہچکچائیں۔ ان کا لہجہ، لہجے میں گداز ایسا تھا کہ جس نے سنا وہ وقتی طور پر سوائے ہاں میں ہاں ملانے کے کچھ نہ کہہ سکا۔ دو طویل گھنٹے باہر ٹہلتے ایسے لگ رہا تھا صدیاں ہوں کہ نہ کٹ رہی ہوں۔ امینہ بیگم اور جلال صاحب ایک بینچ پر ایک ہی جگہ پر خاموش بیٹھے ہوئے تھے، ہر کسی سے ہوں ہاں کرتے، ان کا دل بس ایک دعا کی تسبیح کر رہا تھا۔

جب ڈاکٹر نے آ کر بتایا کہ۔

''مبارک ہو شرجیل صاحب! آپ کے یہاں بیٹا ہوا ہے۔'' تو کسی کو یقین نہ آیا۔

''آصفہ تو ٹھیک ہے۔'' کسی نے پوچھا۔

''وہ بالکل خیریت سے ہیں، لیکن انہیں صحت یاب ہونے میں بہت دن لگیں گے۔''

پھر پتا چلا کہ ڈاکٹر نگہت اکرم کہہ رہی تھیں۔

''بڑا ہی عجیب کیس تھا میری زندگی کا۔ میں نے آپریشن کی ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں اور پھر اچانک آصفہ کا بی پی اتنا شوٹ کر گیا کہ کسی قسم کا رسک لینے کا سوال ہی نہ رہا اور پھر اس کی ڈلیوری بھی ہوگئی۔ ذرا سی دیر میں کیا سے کیا ہو گیا، ابھی لگا کہ آپریشن لازمی ہے پھر لگا کہ دونوں میں سے ایک کی

جان تو ختم ہی سمجھو اور پھر اچانک دونوں ہی زندہ سلامت ہمارے سامنے تھے۔''

آصفہ اتنی خوش تھی، اتنی مطمئن کہ سب زیادتیاں، سارے دکھ بھول گئی۔ اللہ کو بھولنے والے قدم قدم پر ملیں گے لیکن اللہ تو کسی کو نہیں بھولتا، وہ شکر گزاری اور عاجزی کی عجیب کیفیت میں مبتلا ہوگئی۔ بندے کے دیے گئے دکھ خدا کی طرف سے لکھ دیے گئے، سکھ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آصفہ کی گود میں ایک بیٹے کے تصور نے عالیہ بیگم کو اتنا خوف زدہ کر دیا کہ وہ جھنجھلا کر انسانیت کی سطح سے بھی گر چکی تھیں۔

''ارے آپ نے تو اتنی جلدی دکھائی، حالانکہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں صرف آپ کی خاطر اپنی شادی کی تاریخ آگے بڑھا دوں گا۔''

روحیل کا فون مبارک باد دینے کے لیے آیا تو آصفہ کو اس سے بات کر کے بڑی خوشی ہوئی۔

''بیٹا مبارک ہو، آپ جان گئیں کہ انسان انسانوں سے کھیل سکتا ہے نصیبوں سے نہیں۔'' سمیعہ نے بھی فون پر بات کی۔

''آپ کیا کچھ جانتی ہیں۔'' وہ حیران ہوئی سمیعہ کے انداز پر یوں بات کر رہی تھی جیسے اس کے ساتھ، اس کے برابر والے کمرے میں ہی رہتی ہو۔

''وہ سب کچھ جو مجھے جاننا چاہیے۔'' اس نے ہنس کر فون بند کر دیا تھا۔

''تمہاری امی نے میری امی جان کے ساتھ بدتمیزی کی ہے، اللہ نے بیٹا دے دیا ہے تو اس میں اتنا مغرور ہو جانے والی کوئی بات نہیں۔''

پانچویں روز شرجیل صبح کے وقت اس کے پاس آیا تو اس سے کہنے لگا۔ وہ سمجھی تھی اس کے لیے دنیا بدل گئی ہے، اس کے سامنے کا سارا منظر تبدیل ہو گیا ہے لیکن شرجیل وہی تھا، آنکھیں پھیرتا تو جان پہچان کی ساری صلاحیتیں کھو دینے والا۔

''بیٹا تو آپ کا بھی ہے، اچھا چھوڑیں شرجیل! ان بے کار باتوں کو۔ دیکھیں ہمارا بیٹا کتنا خوب صورت ہے۔'' وہ پھر اسی دنیا میں لوٹنا نہیں چاہ رہی تھی۔

''بے کار ہوں گی تمہارے لیے، میرے لیے تو تم جانتی ہو میری ماں ہی سب کچھ ہے۔'' وہ چپ ہو گئی، اور سر جھکا لیا۔

''کیسی معصوم بن جاتی ہو، جب تمہارا قصور ہوتا ہے تو معصومیت سے یوں نظریں جھکا لیتی ہو کہ اگلا بندہ کچھ کہہ ہی نہ سکے۔ پورے گھنٹے بھر تک میری امی بولتی رہیں کہ آصفہ گر گئی، اس کا پاؤں پھسل گیا مگر وہ یوں ہوں ہاں کرتی منہ پھلائے بیٹھی رہیں جیسے خدانا خواستہ امی جان نے ہی تمہیں دھکا دیا ہو۔''

وہ ساری رات ماں کے قدموں میں گزار کر آیا تھا، اب اس کا آصفہ کی کسی بات پر دھیان دینا یا مان لینا ناممکن ہی تھا، لیکن اس کے آخری جملے پر آصفہ نے یوں اس کی صورت دیکھی جیسے اس سے کہہ رہی ہو۔

''جاؤ جاؤ، اپنا منہ دھو کر آؤ، اگر آئینہ دکھایا تو سچائی سہ نہ سکو گے۔'' وہ تو بھول گئی تھی، معاف بھی کر چکی تھی، مان لیا تھا جب کہا گیا کہ وہ پھسل گئی تو پھسل ہی گئی ہو گی لیکن شرجیل بحث کرنے آیا تھا، اس سے

الجھنے آیا تھا اور وہ چپ رہی۔ سچائی پھر بھی نہ بتائی یا صابر وشاکر تھی کہ خدا نے مہربانی تو کر ہی دی تھی، بلا وجہ کسی کو کیوں شرمندہ کرے۔

ظالم خود نادم ہوا ہوگا لیکن اس نے دیکھ لیا کہ کوئی نادم نہ تھا۔ حتیٰ کہ شرجیل بھی بڑی ڈھٹائی سے اسی پر برس کر چلا گیا۔

''ارے بھئی، وہ جو سمجھیں ان کی مرضی، ضروری تو نہیں ان کے سامنے اپنے ہر رویے کی وضاحت دینا۔'' شرمین کی زبان کی تیزی اسی طرح قائم تھی اور مزاج میں تکبر اور رکھا پن بھی آہستہ آہستہ سب پر عیاں ہو رہا تھا۔

''شرمین! وہ میری ماں ہیں، انہیں حق ہے کہ اولاد سے ان کے رویوں کی وضاحت طلب کریں اور انہوں نے صرف اتنا ہی کہا کہ تم زینو آپا کے گھر ان کے بچے کی سالگرہ میں اتنی دیر سے کیوں آئیں۔ اس وقت تو تم نے ٹال دیا اور آج انہوں نے تیسری بار اسی بات کو پوچھا جس کا نہ صرف تم نے جواب نہیں دیا بلکہ بدتمیزی بھی کی۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گا۔''

''بھئی، آپ کی مرضی جہاں تک برداشت کرنا چاہیں کریں، نہ چاہیں تو میری صحت پر کوئی اثر نہیں ہوگا بیٹھے جلتے کڑھتے رہا کریں۔''

وہ ہنوز اسی لاپروا انداز میں ٹانگ پر ٹانگ رکھے اپنے کرسی نما صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کا شوہر اسے چاہتا اور سراہتا بہت تھا کیونکہ اس گھر میں وہی ایک حسین صورت تھی بس سمجھو چندن راون میں اتری تھی۔ خدا نے ان لوگوں کو ہر نعمت سے نوازا تھا لیکن بس ایک حسین صورت سے محروم رکھا تھا اور اسی خوبی کا جیسے جیسے شرمین کو زیادہ احساس ہو رہا تھا، وہ اسی طرح مزید مغرور اور لاپروا ہوتی چلی جا رہی تھی

''دیکھو شرمین! یہ بات میں نے بھی محسوس کی ہے کہ تم زینو آپا یا ان کے بچوں کو اچھی طرح ٹریٹ نہیں کرتیں۔ آخر وہ بہنوں میں سب سے بڑی ہیں اور ہم سب ان کی عزت کرتے ہیں۔''

''لیجیے اماں نے کم پوچھ پوچھ کر بے حال کیا تھا، اب صاحبزادے انٹرویو لیں گے۔ ارے بھئی انسان کو جو اچھا لگے اس سے بات کرے، اس سے ملے یہ عجیب پابندی ہے۔'' اس نے بالکل اسی انداز میں گول مول سے جواب اپنی ساس کو بھی دیے تھے۔

''وہ تمہاری نند ہیں، تمہیں ان کی عزت کرنی چاہیے، اس میں پسند ناپسند کا کیا دخل۔''

''اونہہ! عزت صورت دیکھی ہے انہوں نے اپنی، ویسے بھی یہ مڈل کلاس لوگ مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔ تھوڑا سا ان سے بے تکلف ہو جاؤ تو ہماری اچھی چیزوں، اچھے کپڑوں اور اچھے کھانوں پر نظر لگانے لگتے ہیں۔''

''اوہ یو شٹ اپ شرمین! تمہارا دماغ لگتا ہے بالکل ہی خراب ہے، ایک سے ایک چیزیں برت کر گئی ہیں زینو آپا جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے شادی کو اور میڈم اترانے لگی ہیں۔'' وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

''شرمین! تین چار دن کے لیے یوں رہنے آ گئی ہو، کہیں تمہارے میاں ناراض نہ ہو جائیں۔''
عینی آپا نے چھوٹی بہن سے پوچھا۔
''ارے وہ مجھ سے ناراض نہیں ہو سکتے، وہ تو میرے آگے پیچھے پھرتے ہیں، میری صورت پر مرتے ہیں۔'' اس نے اترا کر اپنی آپا کو دیکھا، سسرال میں ان کا مقام ضرور تھا لیکن اس مقام کے لیے وہ بڑی محنت کرتی تھیں۔ خدمت گزاری، کچھ چالاکی، کچھ میاں کی خوشامد۔ شرمین کا انداز ایسا تھا کہ آپ کی طرح خوار نہیں ہوں۔
''پھر بھی عینی ٹھیک کہتی ہے، اتنے دن شوہر کو چھوڑ دینا اچھا نہیں ہے، اپنے مرد پر نظر رکھنی چاہیے۔'' دونوں بہنوں کی بحث سن کر عالیہ بیگم کہنے لگیں۔
''اونہہ امی! ابھی سے خیال رکھنے، دھیان رکھنے کے چکر میں پڑ جاؤں، ابھی تو میرے ہنسنے، کھیلنے، انجوائے کرنے کے دن ہیں۔''
''یہی دن تو شوہر کی توجہ حاصل کرنے کے بھی ہیں، تمہاری ساس نندیں جتنی بھولی لگتی ہیں، ایسی ہیں نہیں۔ خاص کر دونوں چھوٹی نندیں کافی تیز ہیں۔''
''اونہہ! کالی بلیاں میرا کیا بگاڑ لیں گی۔ ان کی تو صورت ہی ایسی نہیں کہ وہ کھڑے ہو کر ان کی بات سنیں۔'' اس نے اترا کر اپنے چہرے پر آئے بالوں کو ایک ادا سے پیچھے کیا۔
''پاگل ہو گئی ہو، بہنیں ہیں وہ ان کی، ان کی بات سننے کے لیے کیا وہ پہلے شکل دیکھیں گے۔'' عینی آپا کو شرمین کی نادانی اور لاپروائی پر ٹھیک ٹھاک غصہ آ گیا تھا۔
''عینی آپا! آپ اپنی سسرال کے تجربے زبردستی مجھ پر ٹھونس رہی ہیں۔ میرا کوئی مسئلہ نہیں ہے اور آپ زبردستی مسئلے کھڑے کرنا چاہ رہی ہیں۔''
ان کو اتنا برا لگا کہ تھوڑی دیر کے لیے وہ منہ پھیر کر اپنے بچوں میں مصروف ہو گئیں۔ جانتی تھیں کہ شرمین تو کسی کی پروا کرنے والی نہیں اور یوں بھی وہ سدا سے ایسی ہی ہے، منہ پھٹ اور بدتمیز۔
''اچھا شرجیل کہہ رہا تھا ان کے بیٹے کا نام تو سوچو، آج چھ دن ہو گئے یا پھر وہ خود ہی رکھ لیں۔'' عین آپا نے ٹاپک بدلتے ہوئے کہا۔
''ارے واہ! خود کیسے رکھیں گے، ہم رکھیں گے یہ تو ہمارا حق ہے اور اب ایسی جلدی بھی کیا ہے، ابھی تو وہ اسپتال میں ہی ہے۔''
''امی جان! لوگ تو بچہ پیدا ہوتے ہی اذان کے ساتھ نام رکھ دیتے ہیں، مجھ سے تو روز پوچھا جاتا ہے، نام رکھا اپنے بھتیجے کا۔''
''بھئی عینی! کیوں الجھ رہی ہو تم اس سے، وہ تو بچی ہے۔ کچھ صبر تو کرو، شرجیل نے کہا ہے تو کیا ہوا، دو ایک دن میں نام بھی رکھ لیں گے۔''
عالیہ بیگم نے کہا اور عینی نے گردن جھٹکی۔ ''امی کے اسی بے جا لاڈ اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے کی عادت نے اس کا دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے، نہ کسی کا لحاظ کرتی ہے، نہ پروا۔ خود ہی خوار ہو گی تو پتا چلے گا۔''

''آپ غلط کر رہی ہیں امی! بے وجہ اس کو اتنا سر چڑھا رکھا ہے، اب بچی تو نہیں رہی۔''
''ارے وہ تو ہے ہی ایسی سر پھری، تم کیوں اس سے بحث کرتی ہو۔''
''اس کی ہر ناجائز بات کو آپ نے ہمیشہ صرف ٹال کر جان چھڑائی ہے۔'' وہ ناراض ہو کر اٹھ گئیں۔

لطف وہ عشق میں پائے ہیں کہ جی جانتا ہے
رنج بھی ایسے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے
انہی قدموں نے تمہارے، انہی قدموں کی قسم
خاک میں اتنے ملائے ہیں کہ جی جانتا ہے

''کیوں رکھیں گے آپ ایسا نام۔'' وہ کڑھ کر رہ گئی۔
''ارے کوئی برا نام تھوڑی ہے، اس کا مطلب بھی اچھا نکلتا ہے۔''
''لیکن اتنا پرانا نام ہے اور پسند بھی تو ہونا چاہیے مجھے۔''
''آصفہ! اچھا بھلا نام ہے۔ تم خوامخواہ نخرے دکھا رہی ہو۔ ویسے بھی ہمارے گھر میں روایت ہے کہ پہلے بچے کا نام پھوپھیاں رکھتی ہیں، اب شرمین نے رکھ دیا ہے تو میں ٹال تو نہیں سکتا۔''
''میں نے عینی آپا سے پوچھا تھا تو وہ تو احمر اور سمیر وغیرہ نام بتا رہی تھیں۔''
''ٹھیک ہے پھر تم ''سمیر'' نام رکھ لو، شرمین کا جو دل چاہے گا اس نام سے پکار لے گی۔''
''یعنی اس نے جھوٹی ضد ہی کی ہے نا ایسا نام رکھنے کی۔'' وہ پھر الجھی۔
''دیکھو آصفہ! میں نے تم سے کہہ دیا ہے نا اب تم تسلی سے بیٹھ جاؤ۔ ''سمیر'' نام ٹھیک ہے نا، بس یہی رکھ لیتے ہیں۔'' شرجیل کو خود یہی نام پسند تھا مگر اس کی پسند ناپسند بھی عجیب الجھنوں کی بھینٹ چڑھ جاتی۔

''تم گر کیسے گئیں؟'' مہرالنساء بھابھی نے بہت اچانک یہ سوال اس سے کیا تھا۔ اتنے دن ہو گئے تھے اسے اسپتال سے آئے، کسی نے اس سے اس واقعے کے بارے میں پلٹ کر سوال نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ تایا جان آئے تو انہوں نے بھی کچھ نہ پوچھا تھا۔
لیکن آج وہ بری طرح چونک گئی، وہ تو خود بھول گئی تھی۔ اپنی ساس کے ہر سلوک کا اذیت ناک پہلو۔
مہرالنساء بھابھی کی صورت کئی منٹ تک دیکھتے رہنے کے باوجود اسے جواب نہ سوجھا۔
''بہت اچانک جھوٹ بولنا، کوئی بہانا گھڑنا بہت مشکل ہوتا ہے نا۔'' مہرالنساء بھابھی قطعی بخش دینے والوں میں سے نہ تھیں لیکن آصفہ شرجیل بھی یوں دکھ رو لینے والوں میں سے نہ تھی۔
''میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ نے یہ سوال کیوں پوچھا، میری ساس نے اس کہانی کو اتنا دہرایا ہے کہ اب تو ہر کسی کو ازبر ہو گئی ہو گی۔'' وہ بہت نارمل، بہت محتاط رہی۔

''اور حیرت ہے کہ یہی بات تم نے ایک بار بھی نہیں دہرائی۔ وہی بات کہ جھوٹ بولنا مشکل ہے، خاص کر تمہارے لیے اور حد یہ ہے کہ یہی مشکل کام تم بڑی خوبی سے کر رہی ہو، جب سے اس گھر میں بیاہ کر گئی ہو۔''

''پلیز بھابھی! آپ بے وجہ بات کو اس رنگ تک نہ لے جائیں جو مجھے خود نہیں معلوم۔''

''کھاؤ اپنے بیٹے کی قسم کہ یہی سچ ہے جو کچھ عالیہ آنٹی کہہ رہی ہیں۔''

''آپ سے اس طرح کی بات کی میں نے کبھی توقع نہ کی تھی اور آپ تو جانتی ہیں کہ قسم کسی انسان یا چیز کی نہیں کھانی چاہیے، اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ قسم تو صرف اللہ کی ذات کی کھائی یا دی جا سکتی ہے۔''

''دیکھو آصفہ! مجھے قائل کرنے کی کوشش نہ کرو، یہ کوئی ایسا قابل معافی جرم نہیں ہے جس پر تم پردہ ڈال کر خاموش رہنا چاہتی ہو۔ جو کچھ ہوا ہے اس کا اعلان کرنا اور اس سے نمٹنا تمہارا فرض ہے۔''

مہر النساء بھابھی قطعی اس کے احساسات سمجھنے والی نہ تھیں، وہ اپنے غصے اور جوش میں سب کچھ کہہ اور کر سکتی تھیں۔ ان کا غصہ بالکل بجا تھا لیکن آصفہ کو ایسا غصہ نہ آتا تھا اور آتا بھی ہو تو وہ ضبط کے کھلے خزانوں کی مالک تھی۔

''جو کچھ ہوا ہے مجھے ٹھیک طرح بتا دو پھر تمہارے بھائی بات کر لیں گے۔ عالیہ آنٹی کے اتنا کرنے پر خاموش رہنا صرف ان کی حوصلہ افزائی کرنا ہے پھر وہ جو جی چاہے گا کریں گی۔'' مہر النساء بھابھی نے اس کی مشکل کے ہر مرحلے پر اسے ساتھ دینے اور ہمت دینے کی کوشش کی تھی، وہ ان کے خلوص کو مانتی تھی لیکن۔۔۔۔

''بھابھی پلیز! آپ کسی سے کچھ نہ کہیں، میں نے اس معاملے کو اپنے اللہ پر چھوڑا، وہ انصاف کرنے والا ہے۔'' وہ منت سے انہیں سمجھا رہی تھی۔

''اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ظلم پر چپ رہو، یہ ظالم کا ساتھ دینے کے برابر ہی ہے۔'' مگر آصفہ کا ارادہ مضبوط تھا، وہ عالیہ آنٹی کے سامنے کھڑی ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ نہ کہہ سکتی تھی۔ ''آپ نے مجھے دھکا دیا۔''

''بس ختم ہو گئی بات، میں نے سمجھ لیا۔ آپ بھی سمجھ لیں۔ جب اللہ نے انہیں ان کے ناپاک ارادے میں کامیاب ہی نہیں کیا تو پھر کیوں انہیں کچھ کہیں۔'' اس نے اتنی سختی سے بات پلٹی کہ مہر النساء بھابھی کا سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا، بلکہ اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ ناراض بھی ہو گئیں اور اس گھر کے کتنے لوگ اس سے روٹھ جایا کرتے تھے۔

اس نے اپنے بیٹے کو سلا کر خود بھی چادر تان لی۔

روحیل کی شادی کی تاریخ مقرر کرنے عالیہ آنٹی پھر اسلام آباد گئیں تو وہ اپنے گھر لوٹ آئی، کیونکہ شرجیل اکیلا رہ گیا تھا، یوں بھی اسے کافی دن ہو گئے تھے اور شرجیل جب خود بلانے گیا تو جانا لازمی تھا۔

وہ گھر آئی تو اس کے اندازے کے بالکل برخلاف وہاں حشر برپا تھا۔ شرجیل کے میلے دھلے ہوئے، ڈرائی کلین کیے سب کپڑے بستر پر یوں پھیلے تھے جیسے برسوں سے سنبھالے نہ گئے ہوں۔

الماریاں اور درازیں تک کھلی پڑی تھیں، فرنیچر پر گرد اور زمین پر کچرا یوں پھیلا ہوا تھا جیسے وہاں کوئی صفائی ہی نہ ہوئی ہو۔ فریج کا بھی حال برا تھا، کتنے دنوں کے تو جھوٹے برتن اس میں ٹھونس رکھے تھے اور کچن خالی اور ویران ضرور تھا مگر گندا ویسا ہی تھا، بلکہ چھوٹے چھوٹے لال بیگ اور چیونٹیاں لائٹ کے جلتے ہی چھپتے بھاگتے نظر آئے۔ اس نے یہ سوچا ہی نہ تھا کہ اس طرح ہوگا۔ شرجیل سے کئی بار پوچھا تھا تو اس نے اطمینان سے ہر بار کہا تھا۔ ''ہاں سب ٹھیک ہے، گھر تو فرسٹ کلاس پڑا ہے، وہاں کوئی جاتا ہی نہیں کہ ابتری پھیلے۔''

''یہ کیا ہے شرجیل! ایسی بدحالی اور گندگی۔ آپ تو ڈاکٹر ہیں، اس طرح رہ رہے تھے۔''

''کیا کروں مجبوری تھی، تمہیں پتا ہے مجھے وقت نہیں ملتا اور گھر میں ہر کسی کو میں نے خاص تاکید کی تھی کہ کوئی اس طرف نہ آئے، تمہیں پسند جو نہیں۔ جو ماسی تم نے رکھی تھی، وہ بھی چھٹی لے کر چلی گئی، اسے اپنی بہن کی شادی پر گاؤں جانا تھا۔''

''شرجیل! میں نے ایسا بھی کچھ نہیں کہا تھا کہ کسی کو آنے نہ دیا جائے اور اگر ایسا ہی تھا تو آپ کم سے کم مجھ سے ہی کہتے، میں خود چلی آتی۔ ہفتے میں دو بار صفائی وغیرہ کروا لیتی اور آپ خود بھی بہت کچھ کر سکتے تھے۔'' اسے رنج کے ساتھ غصہ بھی آ رہا تھا۔

''ارے دفع کرو نا ان سب خرافات کو، آج تو ہم یوں بھی امی کے ہاں رہیں گے۔ وہیں سوئیں گے۔ صبح ماسی کے ساتھ ساری صفائی کروا لینا۔''

اس نے بہت کوشش کے بعد اپنی چڑ اور مایوسی پر قابو پایا۔ بحث ضرور تھی مگر اس وقت بحث بے کار تھی۔

''کم بخت اس چڑیل کا نام نہ لیں آپ میرے سامنے۔ ہر وقت ہوس بھری رہتی ہے اس کی ہر نظر اور ہر انداز میں۔۔۔''

اگلی طرف سے جانے کیا جواب دیا گیا کہ شرمین نے چیخ کر کہا۔

''آپ کی بہن ہیں جب ہی تو دکھ ہے ورنہ رونا کس بات کا تھا۔ ان کے بچوں کو نہیں دیکھا کیسے ندیدوں کی طرح ماموں کے آگے پیچھے پھرتے رہتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ ماموں ابھی سود و سوان پر لٹا ڈالیں گے۔''

شرمین اپنے شوہر سے فون پر بات کر رہی تھی اور اس کا لہجہ اور انداز اتنا جارحانہ تھا، لگتا تھا شوہر کے گھر والوں کو نہیں، گھر کے نوکروں کو گالیاں دے رہی ہو۔ نہ صرف یہ کہ اس کا لہجہ انتہائی خراب تھا بلکہ وہ زبان بھی انتہائی خراب استعمال کر رہی تھی۔ زینو آپا سے لے کر چھوٹی بہن اور پھر بھابھی تک اس نے کسی کو نہ بخشا۔

وہ تو صرف آنکھیں پھاڑے شرمین کے تیور دیکھ رہی تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ اس کا میاں کتنی فراخ دلی سے سب کچھ سن رہا تھا۔

''آج کیا پکا رہی ہیں بھابھی؟'' وہ صبح سویرے شرجیل کے جاتے ہی چلی آئی تھی۔ پہلے دو گھنٹے

سوئی رہی پھر نئے سرے سے ناشتا کیا اور گھنٹہ بھر فون گھماتے رہنے کے بعد اب کچن میں آئی تھی، جب آصفہ سکینہ کو کام سمجھا رہی تھی۔

صبح ہی صبح شرمین کی صورت دیکھ کر اس کا موڈ غارت تو ہو گیا تھا، اسے اپنے گھر اور وہاں کی صفائی کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ وہ سکینہ کو یہاں سے فارغ کر کے وہاں لے جانے کا ارادہ رکھتی تھی، لیکن شرمین کو دیکھ کر اسے اپنا پلان بگڑتا نظر آیا پھر اس کے ذہن میں آیا کہ اگر وہ سکینہ کو کچھ پیسے دے دے تو وہ اس کا کام کر دے گی اور یہی کہنے وہ کچن تک آئی تھی کہ شرمین پیچھے چلی آئی۔

''کھانا تمہارے بھائی باہر سے لیتے آئیں گے۔'' اس نے لمحہ بھر سوچ کر صاف بات بتا دی۔

''ہائیں! دوپہر کو بھائی گھر آئیں گے۔'' کھانا آنے پر اعتراض کرنے سے پہلے اس نے اپنے بھائی کے آنے کے پر اعتراض کیا۔

''ہاں، گھر میں کچھ کام تھا تو کہہ رہے تھے کہ جلدی آجائیں گے۔ تمہیں کوئی مسئلہ ہو تو نہ آئیں۔'' آصفہ چڑی ہوئی تو بہت تھی۔

''کھانا باہر سے آرہا ہے، بھائی کام چھوڑ کر آرہے ہیں، آپ دونوں میاں بیوی نے سوچا کہ دو ایک دن امی گھر پر نہیں ہیں تو مزے کر لیں۔'' وہ قہقہہ مار کر بولی تو آصفہ کو اتنا برا لگا کہ بات کا جواب ہی نہ دیا۔

''ملے بھی آپ لوگ بہت دنوں بعد ہیں نا۔'' اس کی ہنسی قائم تھی۔

اپنا گھر سکینہ کے ساتھ مل کر صاف کرتے ہوئے اس نے ایک ایک چیز کو ترتیب سے رکھا اور چیزیں رکھتے رکھتے اس کا دل جیسے بند ہونے لگا، جب الماری میں اندرونی خانے کی تجوری کھلی اور خالی پڑی دیکھی، اس کا سارا زیور غائب تھا۔

امی کے گھر ہوتے ہوئے اسے کئی بار اس چیز کا خیال آیا تھا، دراصل وہ اسپتال اتنی ایمرجنسی میں گئی تھی کہ پیچھے گھر پر کسی چیز کو ترتیب سے رکھنے کا اسے موقع ہی نہ ملا تھا۔ وہ سوچتی رہی کہ شرجیل سے ذکر کرے، اس سے کہے کہ خیال رکھے۔ اس کا سارا زیور گھر ہی میں پڑا ہے، لیکن پھر سوچتی شرجیل کے موڈ کا کیا بھروسہ، اٹھا کر اپنی ماں کے حوالے کر دے گا کہ وہ پروا کریں گی، سنبھال کر رکھیں گی تو وہ کیا کر لے گی۔ الماری کی چابی یہاں رہ گئی تھی لیکن تجوری کی چابی تو اسی کے پاس تھی۔ وہ چپ رہی اور اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ آج اس کی تجوری خالی پڑی تھی اور اسے صاف نظر آرہا تھا کہ تالا توڑا گیا تھا۔

اس کا دل پھر بے چین ہو گیا، شرجیل بھی کھانا کھا کر اسپتال گیا تھا، شرمین کو دیکھ کر جلد ہی چلا گیا تھا۔ سکینہ باتھ روم کی صفائی کر رہی تھی اور وہ سب کچھ چھوڑ کر وہیں سر پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہ گئی تھی۔

''کیا ہوا بھابھی! ایسے کیوں بیٹھی ہیں۔ یوں سر پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھیں، خدا خیر کرے، امی اور ابو سفر پر گئے ہیں، بدشگونی ہوتی ہے۔'' شرمین اسی وقت وہاں چلی آئی۔

''بے فکر رہو۔ تمہاری اماں کو کچھ نہیں ہوگا، ابھی تو انہوں نے جانے کتنے اور دکھ مجھے دینے کے لیے زندہ رہنا ہے۔'' اس نے جل کڑھ کر سوچا مگر مزاج اتنا خراب تھا کہ شرمین سے بات کرنا تو دور کی، بات اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

''ایک بیٹے کی ماں کیا بنی ہیں، آپ تو بہت مغرور ہوگئی ہیں بھابھی! ارے ایک چوں چوں کرتا چابی کا کھلونا ہی تو ہے۔ جانے کب اس کی چابی بند ہو جائے۔'' اس کی زبان کو لگام کبھی نہ تھی۔

''ارے اللہ نہ کرے، کیسی باتیں کر رہی ہو'' اس کا دل اچھل کر حلق تک آ گیا۔

''تو آپ بھی تو صبح سے مجھے کسی بات کا ڈھنگ سے جواب نہیں دے رہیں، یہاں آنے کا امی جان مجھے کہہ کر گئی تھیں۔ آپ نے تو ایک وقت کا کھانا پکا کر بھی مجھے نہ کھلایا۔''

''بھئی میری طبیعت ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی۔ وہ تو صرف شرجیل کے کہنے پر ابھی یہاں آ گئی ہوں اور نہ ابھی آنا نہیں چاہتی تھی۔'' وہ سچ مچ آج شرمین سے بے زار تھی۔

''نواب زادیوں کی طرح نخرے کر رہی ہیں آپ!''

''شرمین! تم پلیز اُدھر چلی جاؤ، امی جان نے تمہیں اپنے گھر پر بلایا تھا۔'' وہ اتنی پریشان اور دکھی بیٹھی تھی، مزید وہ بے وجہ سر کھا رہی تھی پھر اس نے بھی لحاظ نہ کیا اور کہہ ڈالا۔

''میرے سارے زیور کہاں گئے شرجیل!'' اس سے صبر نہ ہوا، وہ گھر آیا اور ابھی اس نے کپڑے ہی بدلے تھے کہ آصفہ نے پوچھ ڈالا۔

''بھئی۔ امی جان کے پاس رکھے ہیں، تم تو انہیں یہیں خالی گھر میں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔'' بس یہی جواب سننا تھا۔

''جن زیورات کو نکالنے کے لیے آپ کی امی کو تجوری توڑنی پڑی۔ وہ کس لحاظ سے غیر محفوظ لگے آپ کو۔ یہ اچھی زبردستی ہے۔''

''خبردار آصفہ! الٹی سیدھی کوئی بات منہ سے نہ نکالنا، یہ تجوری کا تالا میں نے ہی توڑا ہے۔ تمہارے اندر عقل نام کو نہیں ہے۔ میں تو سارا دن گھر سے باہر رہتا ہوں، گھر سے کوئی بھی کسی بھی وقت کوئی چیز اڑا کر لے جا سکتا ہے۔''

''کوئی اور لے جاتا تو مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا مگر آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر میری امانت کیوں نکالی۔''

''افوہ آصفہ! تم تو بات کا بتنگڑ بناتی ہو، مجھے جو ٹھیک لگا وہ میں نے کیا۔ امی جیسے ہی آئیں گی، ان سے اپنی امانت واپس لے لینا۔''

''مجھے آپ سے ایسی امید نہ تھی۔'' وہ مایوس تو ہو ہی گئی تھی۔

''تو کون سی قیامت آ گئی، تم تو ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ لے کر جھگڑا کرنے بیٹھ جاتی ہو، میں تو اتنا اچھا موڈ اور ایسی اچھی باتیں سوچ کر آیا تھا۔ دوپہر کو شرمین نے موڈ برباد کر دیا، اس وقت تم تباہ کر رہی ہو۔''

پھر شرجیل نے اسے منایا، یقین دلایا کہ امی جان کے آتے ہی زیور واپس لے لیں گے، کھانا کھا کر شرمین کو چھوڑنے کے لیے جاتے جاتے اسے بھی ساتھ لیا اور واپسی پر انہوں نے ''اسنو وی آئس کریم پارلر'' سے آصفہ کی پسند کی آئس کریم کھائی۔ اس کے چھوٹے سے بیٹے کو گود میں لیے سامنے بیٹھی وہ اسے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ بیٹا اس کی گود میں آ گیا تھا تو سچ مچ وہ بڑی معتبر اور شرجیل کے لیے انتہائی اہم

ہوگئی تھی۔

''میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔'' شرجیل نے اسے کئی بار یقین دلایا۔ چاہت ثبوت مانگتی ہے، اعتبار چاہتی ہے۔

چاہت میں دوسرے کی پروا کی جاتی ہے۔

اور چاہت میں انسان کو آسرے کی بھی طلب رہتی ہے۔

وہ سمجھتی تھی کہ عالیہ آنٹی کے رویے میں کچھ تبدیلی آجائے گی، وہ اپنی ایسی گھٹیا حرکت پر شرمندہ ہوں گی اور پھر اس کے چپ رہنے پر اور زیادہ نرم دل ہوجائیں گی کہ اس نے کسی سے کچھ نہ کہا، حتیٰ کہ اپنے شوہر کو بھی اصل بات نہ بتائی۔

''لیکن ایسا کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ مہرالنساء بھابھی کے تمام اندازے بالکل درست تھے، ان کی ساری حرکتیں ان کی شیطانی چالیں ہنوز ویسی ہی تھیں۔ اسلام آباد سے آکر اور شرمین کی لگائی بجھائی سن کر انہوں نے آصفہ کو دس باتیں سنائیں۔

''آصفہ! کھانا تیار ہے۔ آج امی ابو بھی یہیں کھانا کھا رہے ہیں۔'' وہ کچن میں روٹی پکا رہی تھی، جب شرجیل کی آواز صحن سے آئی۔

''آئیں آنٹی! السلام علیکم انکل!'' وہ کس طرح انکار کرسکتی تھی۔

''آج امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، ابھی باہر سے کھانا منگوا رہی تھیں، میں نے ہی کہا کہ ہم کس لیے ہیں۔ آپ کی خدمت کے لیے ہی بیٹھے ہوئے ہیں نا۔'' وہ سرہلاتی سوچ رہی تھی کہ کھانا کیسے پورا ہوگا، اس کے پاس تو ان دنوں ایسی تنگی چل رہی تھی کہ دو آدمیوں کا کھانا وہ بوٹیاں اور روٹیاں گن گن کر پکاتی تھی۔

''سالن کم ہو تو اور پکالو، میں روٹی باہر سے منگوا دیتا ہوں۔'' شرجیل نے فوری آکر اس سے کہا۔ وہ بھلا اتنا کم سالن ماں باپ کو کھلانے پر راضی ہوسکتا تھا۔

اس کا بیٹا رونے لگا تو عالیہ بیگم نے آواز لگائی۔

''بھئی۔ یہ بہت رو رہا ہے، اسے یہاں سے لے جاؤ، میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔''

وہ ایسی نڈھال ہوگئیں کہ کھانے کے بعد وہیں اس کے بستر پر لیٹ گئیں۔

''امی! آپ اس طرح بستر میں پڑی رہیں تو روحیل کی شادی کی تیاریاں کون کرے گا۔ چلیں اٹھیں، آپ ہمت تو کریں۔'' دوسرے دن عینی آیا آئی تھیں، وہ حیران ضرور ہوئی تھی۔ عالیہ آنٹی لاکھ بیمار سہی، اپنا گھر چھوڑتی نہ تھیں۔ اس احوال میں بھی کہیں کوئی بدنیتی ضرور پوشیدہ تھی۔

''ارے جب لڑکی روحیل نے ڈھونڈلی، رشتہ تمہارا باپ طے کرآیا تو شادی کی تیاریاں بھی یہی لوگ کرلیں گے۔ مجھے تردد کرنے کی کیا ضرورت ہے، میں تو خود بیمار ہوں۔''

''دیکھیں امی! جب آپ مان ہی گئی ہیں تو پھر رسم ورواج اور دنیاداری بھی تو ہمیں نبھانی پڑے گی۔''

''عینی! اگر تمہیں تمہارے باپ نے بھیجا ہے تو ان سے کہہ دینا انہیں اپنی کسی کوشش میں کامیابی نہ

ملے گی اور اگر روحیل نے کوئی سفارش کی ہے تو اس کو بھی سمجھا دینا کہ میرے راضی ہو جانے کو ہی احسان مانے۔ باقی وہ سمجھ رہا ہے کہ میں اس کی بیوی کا شاندار استقبال کروں گی، اس کے لیے گھر سجا کر رکھوں گی تو کہہ دینا کہ ایسا کوئی خواب نہ دیکھے۔'' عالیہ آنٹی بیٹوں کے معاملے میں شاید سچ مچ پتھر ہی تھیں۔

''آپ کو یہ سب کرنا پڑے گا امی! میں نے کہا نا کچھ نہیں تو دکھاوے کی خاطر ہی سہی۔ دیکھیں لوگ کیا کہیں گے، میری سسرال ہے۔ شرمین کی تو ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے پھر ہماری پوری برادری ہے۔ آپ اگر یونہی ناراض رہیں تو شادی تو ہو جائے گی بس زمانہ ہنسے گا۔'' عینی آپا ہر طریقے سے ماں کو سمجھا رہی تھیں۔

''زمانے کی پروا تو میں نے کبھی نہیں کی، لیکن تم لوگوں کی سسرال کا مسئلہ ہے مگر اپنے ابا کو پہلے سمجھاؤ، وہ میری بات نہ مانیں گے تو میں کچھ نہ کروں گی۔''

''انہوں نے کیا بات نہیں مانی؟''

''بس میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ گیٹ کھلوا لیا جائے گا، سمیعہ یہاں رہے گی اور آصفہ اُس طرف میرے پاس۔ میں سمیعہ کو تو اپنے برابر والے کمرے میں ہرگز نہ رکھوں گی۔ تمہارے ابا خوامخواہ اس مسئلے پر اڑے ہوئے ہیں۔''

''کیا ہو گیا ہے امی آپ کو، روحیل ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا ہے، اسے اب کیوں الگ کریں گی۔ اور وہ تو یہاں رہے گا ہی کب، اسلام آباد واپس جائے گا تو بیوی کو لے ہی جائے گا کہ نہیں۔''

''دیکھو کسی نے مجھ سے الجھنے کی کوشش کی نا تو میں چیزیں اٹھا کر اس کے سر پر پھینکنا شروع کر دوں گی۔'' وہ اتنی سختی سے کہہ کر منہ لپیٹ کر لیٹ گئیں کہ عینی کو مزید کچھ کہنے کی ہمت نہ ہو سکی اور آصفہ کو اب سمجھ میں آنے لگا تھا عالیہ آنٹی کا سارا پلان۔

امی جان دوسرے دن صبح گھر چلی ہی گئیں اور ان کا انداز ایسا ہی تھا کہ اپنی شرط منوا کر رہیں گی۔ شرجیل نے اس موضوع پر اس سے کوئی بات نہ کی تھی لیکن وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ کچھ کہنے والا ہے، کچھ منوانے والا ہے۔

''آصفہ! تم نے امی جان کی بات تو سن لی ہے نا۔'' رات کو سوتے وقت شرجیل نے کچھ کہنے کی ہمت کی۔

''جی۔'' اس نے تکیے پر سر رکھ کر چادر تان لی۔

''پھر اب کیا کریں گے؟'' وہ جانتی تھی کہ وہ صرف دبے لہجے میں اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔ باقی جو کچھ کرنا تھا، وہ اس کی ماں اسے اچھی طرح بتا چکی تھی۔

''ہم کچھ نہیں کر سکتے، آپ نے درمیان میں پڑنے والے اس تالے کو نہ کھولنے کی قسم کھائی ہے۔''

''لیکن یہاں سے کہیں نہ جانے کی تو قسم نہیں کھائی۔''

''یہاں سے جانا ہی ہے اور امی جان کو روحیل بھائی کے لیے یہی گھر چاہیے تو ہم اپنے لیے دوسرا

گھر تلاش کر لیتے ہیں۔'' شرجیل کو یوں کرنٹ لگا جیسے آصفہ نے دنیا سے انوکھی کوئی بات کہی ہو۔

''پاگل ہوگئی ہو، ایسی بات کبھی سوچنا بھی مت۔ میں اپنی ماں کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''اور میں آپ کی ماں کے ساتھ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' اس نے بھی صاف کہہ دیا۔

''ٹھیک ہے تو پھر تم دفع ہو جاؤ یہاں سے، مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔'' اس کے لیے یہ بات اتنی آسان تھی کہ وہ اسے دہرا دہرا کر تھکتا نہ تھا، وہ چادر پھینک کر اٹھ بیٹھی۔

''میں دفع ہو جاتی ہوں لیکن آپ کی یہ بات نہ مانوں گی'' وہ سچ مچ الماری سے اپنی چادر سخت ضرورت کی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔

''اس وقت کہاں جاؤ گی؟'' شرجیل سمجھا وہ یونہی دکھاوا کر رہی ہے، لیکن آصفہ کا دماغ گھوم گیا تھا۔

''کہیں بھی، آپ کے خیال میں تو مجھے دفع ہی ہو جانا چاہیے۔''

''چلو پھر آؤ، میں تمہیں خود تمہاری امی کے گھر چھوڑ آؤں۔'' وہ اب بھی سمجھ رہا تھا کہ آصفہ ہمت نہ کر سکے گی۔

''خدا کی قسم آپ کو اگر ایک دن مجھے میری امی کے گھر ہی چھوڑنا تھا تو بیاہ کر کیوں لائے۔'' وہ بیگ تھامے، چادر اوڑھ کر اپنے بیٹے کو گود میں اٹھا چکی تھی۔

''آپ کو قطعی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں، جہاں جانا ہوا میں خود چلی جاؤں گی۔'' وہ کمرا کھول کر باہر نکل گئی تو شرجیل کا دل بری طرح دھڑکا، وہ اس کے پیچھے دوڑا۔

''پاگل ہوئی ہو آصفہ! کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔''

''کچھ نہیں کہے گا، سوائے اس کے کہ آصفہ تنگ آ کر ڈاکٹر شرجیل سہیل کے گھر سے دفع ہی ہوگئی۔'' وہ آخر اپنے حساب کے دکھوں اور زیادتیوں کو کہاں تک نبھائے۔

''اچھا چھوڑو آصفہ! پلیز ٹھنڈے دل سے سوچو، ہم بیٹھ کر آرام سے بات بھی کر سکتے ہیں۔''

''آپ کچھ نہیں کر سکتے شرجیل صاحب! اگر آپ کچھ کر سکتے تو میں اپنے ہی گھر میں اتنی بے بس اور مجبور نہ ہوتی کہ کبھی کھانے کے لیے ترس رہی ہوں تو کبھی کہیں جانے کے لیے مچل رہی ہوں۔ ہزاروں روپے کمانے والے ڈاکٹر صاحب کا نوزائیدہ بیٹا دودھ بھی ناپ ناپ کر پیتا ہے کہ دودھ کا ڈبا وقت سے پہلے ختم ہوگیا تو دوسرا نہ ملے گا۔'' گود میں اس کا بیٹا چیخ چیخ کر رونے لگا تھا اور وہ خود آنکھوں میں بھرے آنسوؤں کا بوجھ اٹھائی تھکنے لگی تھی۔

''یہ کیسے دکھ ہیں شرجیل! جنہیں میں کہتے ہوئے شرماتی ہوں اور آپ سوچتے ہوئے کتراتے ہیں۔''

شرجیل اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے واپس کمرے میں لے آیا اور دروازہ بند کر دیا۔

''امی جان نے کہا تھا کہ وہ دودھ کے ڈبے بے حساب لے آئی ہیں۔''

''وہ کیوں لے آئی ہیں۔ میرے بچے کی بھوک اور پیاس کا حساب بھی آپ نے ان کے ہاتھ میں کیوں دے رکھا ہے جن کو اس بچے سے کچھ لگاؤ ہی نہیں۔''

''تم کیسی فضول سی باتیں کرتی ہو، امی جان کوئی ہماری دشمن تھوڑی ہیں۔ دیکھو میں اتنی محنت سے کماتا ہوں تو اگر وہ کمائی کو سنبھال سنبھال کر خرچ کرتی ہیں تو کیا برائی ہے۔ اور ابھی شرمین کی شادی پر کتنا خرچہ ہوا، ابھی روحیل کی شادی کے اخراجات باقی ہیں، ابو جی تو کچھ ہی عرصے میں ریٹائر ہونے والے ہیں پھر مجھے ہی گھر کا خرچہ چلانا پڑے گا نا۔'' وہ اس کے سامنے روتی بے وقوف ہی لگتی جسے اس کی بات سمجھنے کی توفیق ہی نہ تھی۔

''دراصل تم اچھے خاصے کھاتے پیتے گھر سے آئی ہو نا، اس لیے تم کو برا لگتا ہے۔ لیکن تمہارے باپ کی طرح میری کوئی جائیداد تو نہیں اور ہم مڈل کلاس لوگ تو اسی طرح گزارا کرتے ہیں، بچت کر کے اور پائی پائی جوڑ کر رکھتے ہوئے۔''

عالیہ بیگم نے ٹھیک ٹھاک طریقے سے بیٹے کو بہو کی طرف سے اٹھنے والے ہر اعتراض کا جواب سمجھا دیا تھا۔

''بہر حال شرجیل! ایک بار درمیان میں دیوار اٹھ جائے تو پھر گرا نہیں کرتی۔ میں دوبارہ اس طرف رہنے نہیں جاؤں گی۔ آپ کو مجھ پر گزری وہ تکلیفیں تھوڑی یاد ہوں گی جو میں نے ادھر اٹھائی تھیں۔''

''بھئی اب وہ دن نہیں رہے، وہ تو امی جان کا وقتی غصہ تھا جو اب ختم ہو گیا ہے۔ اب تو تمہیں وہ پورا گھر سونپ دیتی ہیں اور پھر وہاں رہیں گے تو تمہیں یہ جو خرچے اور راشن میں تنگی رہتی ہے، یہ جھنجٹ بھی ختم ہو جائے گا۔''

''آپ مجھے بے وقوف نہ بنائیں، میں اس بارے میں آپ کی کوئی بات نہ سنوں گی۔'' وہ اپنے بیٹے کو بہلا پھسلا کر جھولا دے کر دوبارہ سلا چکی تھی۔

''اچھا رہنے دو، بعد میں بات کریں گے۔ آؤ اب سو جاؤ، صبح مجھے اسپتال بھی جانا ہے۔''

''آپ سو جائیں مجھے نیند آئی تو میں بھی سو جاؤں گی۔'' اس کے مسئلے، باتیں، مشکلیں سب ادھوری رہ گئیں، وہ روز کی الجھنوں سے نمٹنے کے لیے وہی اکیلی کی اکیلی تھی۔ شرجیل منہ لپیٹ کر سو چکا تھا۔

شرجیل نے پھر اس موضوع پر اس سے بات نہ کی اور اس کی امی جان تو یوں بھی خود کو دنیا سے ناراض ظاہر کر رہی تھیں، سو اس سے بھی سیدھے منہ بات نہ کرتی تھیں۔ وہ شرجیل کے ساتھ صبح ان کے پاس جاتی اور نہ جاتی تو کسی نہ کسی کام کے بہانے بلا بھیجتیں۔ کھانا تو وہ تقریباً روز ان کے لیے وہاں پکاتی یا خود پکاتی اور بھیجتی۔۔۔ کبھی کہتیں۔

''تمہارے انکل کے کہنے پر شاپنگ کے لیے جا رہی ہوں۔'' کبھی ''طبیعت خراب ہے، آج شرمین آ رہی ہے، عینی بھی آئے گی۔'' ایسے ان خدمت گزاریوں کا قطعی ملال تھا نہ اکیلی اور بوڑھی ساس (جو اپنے کسی بھی مطلب یا مشغلے کے لیے قطعی بوڑھی نہ تھیں) کا خیال رکھنے سے کوئی الجھن تھی لیکن یہی ساس اگر اس کے لیے بھی کوئی احساس، ذرا سا درد دل رکھتیں تو شاید وہ ان کے لیے جان لٹا دیتی۔

اور پھر اسے خبر ہوئی کہ روحیل آ رہا ہے، شادی کے دن قریب ہی آ رہے تھے۔ اب بات حتمی ہونی

تھی، اسے اندازہ تو ہو گیا تھا کہ شرجیل اب بھی زبردستی ہی کرے گا۔ وہ کمرے خالی نہ کرے گی تو اس کا ساتھ کون دے سکتا تھا۔ اس نے سوچا سہیل انکل سے بات کرے حالانکہ وہ بھی آج کل اس سے کترائے ہوئے ہی رہتے تھے۔ شاید شرمندگی کا احساس ان پر طاری تھا۔

وہ اتنی ٹینشن اور اذیت میں تھی کہ سارا دن بے چین پھری۔ کام کی زیادتی، چھوٹے بچے کی دیکھ بھال، اسے فرصت نہ ملنی چاہیے تھی مگر وہ کسی طرح اس وحشت ناک خیال سے نکل ہی نہ پا رہی تھی۔

اور ہوا یہ کہ روحیل نے صاف انکار کر دیا۔

''آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں شادی کے بعد بدل جاؤں گا۔ بھلا اپنے گھر کا یہ حصہ کیوں چھوڑوں گا اگر یہ حصہ چھوڑنا پڑا تو میں بیاہ کر اپنی دلہن کو کراچی ہی نہ لاؤں گا۔''

''نہ لائیں یہاں کون انتظار میں بیٹھا ہے۔'' شرمین کے دل سے ماں کی طرح کدورت مٹانہ کرتی تھی۔ آصفہ کی جان میں جان آئی تھی اور شرجیل کے ذہن سے بھی بڑا بوجھ ہٹا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کے اندر واقعی ہمت نہ تھی ورنہ وہ بھی زندگی متوازن اور بہت بہتر طریقے سے گزار سکتا تھا۔

''پاگل ہوا ہے روحیل تو، کیا ساری برادری کو لے کر دوسرے شہر جائیں گے۔ ہم دونوں میاں بیوی شرمین اور شرجیل کو لے کر چلے جائیں گے۔ عینی چاہے تو ہمارے ساتھ چلی آئے اور کسی کی کیا ضرورت ہے بھلا۔''

''ارے کیا اپنی بڑی بہو کو نہیں لے جاؤ گی اور امی ابا اور دونوں داماد نہ بلائے جائیں گے۔ بہر حال بارات کے لیے بھی فہرست تو لمبی بنے گی۔'' سہیل احمد الجھے۔

''بھئی کس کس کو سنبھالیں گے اور آصفہ کا تو چھوٹا بچہ ہے، وہ کیسے جا سکتی ہے۔''

''کیوں نہیں جا سکتی امی! اسمیعہ کے گھر والے تو سو آدمیوں کا دعوت نامہ بھیجنے والے ہیں آپ کو، اور آپ ہیں کہ گھر کے لوگوں کو بھی نہ لے جانے کی بات کرتی ہیں۔''

''بیٹا! تم اپنی شادی کی ذمہ داری خود ہی نبھالو تو بہتر ہے، جب کسی معاملے میں ہماری سنتے ہی نہیں تو ہمارے مشوروں کا بھی کیا جواز رہ جاتا ہے۔'' عالیہ آنٹی چھوٹی چھوٹی باتوں میں آج کل اپنے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے سے الجھ رہی تھیں لیکن مجال ہے جو روحیل کے ماتھے پر بل آتا ہو۔ وہ بھی برداشت کی حد کر رہا تھا کہ بات بات پر ماں کو منانے بیٹھ جاتا۔

آخر ہو بھی وہی رہا تھا جو روحیل چاہتا تھا، سو نہ سہی پچاس ساٹھ مہمان کراچی سے لے کر عالیہ بیگم اسلام آباد ضرور گئیں۔

آصفہ نے بھی روحیل کی شادی کے لیے اپنی دسترس سے بڑھ کر تیاریاں کی تھیں۔ وہ خوش بھی بہت تھی اور جوش میں بھی کافی تھی۔

''آپ امی جان سے میرے زیور کے بارے میں کچھ نہ کہیں گے۔'' اس نے آج حتمی لہجے میں اپنے شوہر سے پوچھا تھا۔

''تم تو زیور کے لیے مرے جا رہی ہو، دیکھ تو رہی ہو۔ امی جان کا مزاج کتنا بگڑا ہوا ہے، ان سے کچھ بھی کہنے سننے کی ہمت کی جا سکتی ہے۔''

''آپ کی سوچ عجیب نرالی ہے۔ جوان کا مزاج بگاڑنے کے ذمہ دار ہیں، وہ اپنی ہر بات کہہ سن رہے ہیں بلکہ منوا بھی رہے ہیں اور ہم اپنی ہی چیز جو زبردستی انہوں نے اپنے قبضے میں لے لی ہے، ان سے طلب بھی نہیں کر سکتے۔'' وہ کئی بار شرجیل کو زیورات کے بارے میں یاددہانی کرا چکی تھی بلکہ دو چار روز پہلے تو شرجیل کا سرد رویہ دیکھ کر ان زیورات کو رو بھی چکی تھی۔ اس کے بری کے علاوہ جہیز کے بھی اتنے قیمتی زیورات عالیہ بیگم نے کیسی دھاندلی اور چالاکی سے ہتھیا لیے تھے۔ وہ سوچ سوچ کر آزردہ ہوئی جا رہی تھی۔ چند ایک چھوٹے موٹے سیٹ کے علاوہ جو اس کی امی کے پاس پڑے تھے، اس کے سارے زیور اسی لاکر میں موجود تھے جس کی چابی وہ خود بہت احتیاط سے رکھا کرتی تھی، لیکن کس طرح اس کے ہاتھ سے نکل گئے اور اس میں شرجیل برابر کا شریک تھا۔

اور یہ تو آصفہ سے کہا گیا تھا کہ شرجیل برابر کا شریک تھا، ورنہ سچ یہی تھا کہ عالیہ بیگم نے اپنے مالی کے لڑکے کو جو ہفتے میں دو ایک بار ان کے پاس آیا کرتا تھا، چند روپے دے کر آصفہ کی تجوری کا تالا تڑوایا تھا اور زیور اطمینان سے نکال کر اپنے بیگ میں رکھ رہی تھیں، مگر اس دن جانے شرجیل کی طبیعت یک دم کیوں گھبرائی اور خراب ہوئی کہ وہ اسپتال سے آدھی چھٹی لے کر گھر آ گیا اور اپنی ماں کی ساری کارگزاری دیکھ لی۔

اچانک شرجیل کو دیکھ کر عالیہ بیگم بس لمحے بھر کے لیے ہی گھبرائیں۔

''اچھا ہوا تم جلدی گھر آ گئے، میں تمہیں فون کرنے ہی والی تھی۔ ذرا دیکھو اپنی بیوی کی غیر ذمہ داری اور لاپروائی۔ لاکھوں کا زیور اس الماری میں یوں رل رہا ہے، جیسے پیتل یا تانبے کا ہو۔ اگر آج اس کام والی نوکرانی کو میں رنگے ہاتھوں نہ پکڑتی ہم تو لٹ چکے ہوتے۔''

انہوں نے جلد ہی ایک انوکھا ڈرامہ پلاٹ کر لیا۔

''میں سمجھا نہیں امی جان! آخر کیا ہوا تھا؟'' وہ خود ساری صورت حال دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔

''ارے سمجھنا کیا، یہاں کام والی تو روز صفائی کے لیے آتی ہے، اب میری جان میں تو اتنا دم نہیں کہ اس کے پیچھے بھاگوں، ادھر سکینہ سر پر کھڑی ہوتی ہے اور گھر کے کتنے بکھیڑے ہوتے ہیں مگر بس آج بیٹھے بیٹھے جی میں آیا تو سوچا، چلو آج تمہارے گھر کی بھی خبر لوں۔ کم بخت ماسی کون سا کام ڈھنگ سے کرتی ہوگی، کون سا نہیں۔ ادھر آئی تو دیکھا وہ تو الماری کھول چکی تھی، ساری چیزیں زمین پر پھینکے تجوری کا تالا توڑنے میں لگی ہوئی تھی، بلکہ دو اسکرو تو نکال بھی چکی تھی، پوچھ لو اس حمید سے۔ بتا تو صاحب کو، دیکھا تھا نا اس چڑیل کو تالا توڑتے ہوئے۔'' اور حمید کے ہاتھ میں ابھی تک عالیہ بیگم کا تھمایا نوٹ گرمی دے رہا تھا۔ وہ ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کیا کر سکتا تھا۔

''یہ تو خیر ہوئی کہ یہ گھر میں موجود تھا، آج ہی اتفاق سے آیا۔ اس کو چپ چاپ اس لیے بلایا کہ حبیب خان پیٹ کا ہلکا ہے، چار گھروں میں بات پھیلاتا اور گھر کی عزت جاتی۔'' اور پھر انہوں نے جیسا کہا شرجیل نے مان لیا جو کرنا چاہا، وہ روک نہ سکا۔ سارے زیور بیگ میں ڈال کر انہوں نے شرجیل سے کہا۔

''میں آج ہی انہیں لاکر میں رکھوا دوں گی، غضب خدا کا اتنا سونا گھر میں رکھنا بھی نہیں چاہیے،

چوری ڈکیتی کی وارداتیں کب ہوتی رہتی ہیں اور جان جانے کا الگ خطرہ۔ لوٹنے والے خالی ہاتھ تھوڑی آتے ہیں۔'' اور اسی طرح انہوں نے دوپہر سے لے کر رات تک اور پھر ہر روز کسی نہ کسی طرح اس موضوع پر بات کرتے کرتے شرجیل کو قائل کرلیا کہ آصفہ انتہائی لاپروا ہے، اس قابل بھی نہیں کہ ایسے قیمتی زیور پہنے۔ بینک میں ہوں گے تو کل تمہاری ہی اولاد کے کام آئیں گے، وغیرہ۔

شرجیل نے خود ہی یہ بھی کہا کہ کسی سے حمید وغیرہ کا ذکر نہ کریں، وہ کہے گا زیور خود اس نے آپ کو دیے ہیں کہ بینک میں رکھوا دیں اور ان سب باتوں کے بعد جب آصفہ آئی اور اس کا غصہ شرجیل نے دیکھا تو اسے خود بخود یہ خیال آیا کہ سچ مچ زیادتی ہوئی ہے، لیکن وہ آصفہ کو ڈھنگ سے مطمئن نہ کرسکا لیکن اگلے دو روز میں آصفہ نے طے کرلیا کہ وہ خود ہی عالیہ آنٹی سے بات کرے گی۔

شام کا وقت تھا جب تایا اور تائی جان بھی آئے ہوئے تھے، شرمین اور عینی آپا سہیل انکل اور روحیل وغیرہ سب عالیہ آنٹی کے کمرے میں موجود تھے، چائے پی چکے تھے اور سب باتوں میں مگن تھے۔

''تم بھی یہاں آکر بیٹھ جاؤ آصفہ!'' تائی جان نے اسے بلایا تو وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اس کے ذہن میں ایک ہی بات کلبلا رہی تھی۔ چائے کے برتن خالی ہوئے تو وہ پھر اٹھ گئی۔

''تم بیٹھی رہو نا۔''

''نہیں تائی جان! مجھے اور بھی کام ہیں۔'' اس نے تہیہ کیا تھا کہ عالیہ آنٹی سے زیور کے بارے میں خود ہی بات کرے گی اور سب گھر والوں کے درمیان بیٹھ کر کرے گی لیکن ایک بات کہنے کے لیے اس نے کتنی بار نیت باندھی، بہانے سے پلٹ پلٹ کر ان کے کمرے میں گئی لیکن کبھی اس کی آواز گلے میں اٹک جاتی، کبھی ماتھے پر پسینہ آجاتا، کبھی دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی اور کبھی ذہن میں اتنی ہلچل مچتی کہ وہ ساری بات بھول جاتی اور پھر نئے سرے سے اسی بات کو ذہن میں ترتیب دینے لگتی۔ آخر وہ کیوں اتنا گھبرا رہی تھی، کیوں اس کے دل میں ایسا ڈر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر نیت باندھی اور اب نہ رکی۔ گلا سوکھا، حلق میں کانٹے پڑے، پسینے کے موٹے موٹے قطرے پیشانی پر صاف نمایاں ہوئے، حتیٰ کہ لہجہ تک کانپ گیا لیکن وہ بولی۔

''آنٹی! میرے زیورات آپ کے پاس رکھے ہیں، پلیز مجھے بھائی کی شادی میں پہننے کے لیے چاہئیں، آپ دے دیں۔'' عالیہ بیگم اتنی حیران ہوئیں کہ شاید زندگی میں پہلی بار وہ سب کی موجودگی میں اتنا گھبرائیں کہ لب پر آئی بات بھول گئیں۔ گو کہ وہ سنبھل گئیں، فوراً ہی خود پر قابو پالیا لیکن جانچنے والوں نے ان کی آواز کی لرزش کو فوراً پالیا۔

''کیا بات ہے عالیہ! کیا زیور کہیں رکھ کر بھول گئی ہو۔'' تائی جان نے فوری آصفہ کا ساتھ دیا اور بس عالیہ بیگم کا پارہ وہیں آسمان کو چھو گیا۔

''اس سے پوچھیں ذرا اماں! کہ یہ ایسے قیمتی زیور پہننے کے لائق ہے، سنبھالنے کی تو عقل نہیں ہے۔ گھر کے پچھواڑے کھلی الماری میں چھوڑ کر اسپتال چلی گئی تھی اور آٹھ دن گزر گئے تھے۔ شرجیل تک کو خبر نہ کیا کہ میاں الماری میں زیور پڑے ہیں، ذرا خیال رکھ لینا۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ میں وقت پر پہنچ گئی ورنہ اس کی دو ٹکے کی نوکرانی آج اسی زیور پر عیش کر رہی ہوتی۔ بی بی زیور تو میں نے رکھوا دیا ہے

لاکر میں، اب اسے میں نکلوانے تو نہیں جاؤں گی۔''

اتنا تیز جواب، اتنا صاف الزام، صرف وہ ہی چپ کی چپ نہ رہ گئی، سب خاموش ہو گئے۔ اسے بولنا چاہیے تھا، بحث کرنی چاہیے تھی، کہنا چاہیے تھا کہ وہ لاپروا نہیں، نہ ہی تجوری کا تالا اتنا ہلکا تھا کہ کسی نوکرانی سے ٹوٹ جائے اور اگر وہ گھر میں موجود نہ تھی تو اس گھر کی حفاظت کا ذمہ شرجیل کے سر تھا اور کہیں جاتا تو گھر لاک کر کے جاتا یا اپنی ماں کو سونپ کر جاتا پھر کسی دو ٹکے کی نوکرانی کی کیا مجال کہ اس کے گھر کی چیزوں کو ادھر اُدھر کر سکتی۔

وہ اتنا روئی کہ اس کو خدا نے ہمت ایک آنہ نہ دی اور مشکلیں اتنی بے حساب مل گئیں۔ تھوڑی دیر بعد تائی اماں اس کے پاس آئیں، اس سے ساری بات کی تفصیل پوچھی۔

''تو تم نے سب کے سامنے کہا کیوں نہیں کہ شرجیل نے بتایا تھا کہ زیور خود اس نے لاک توڑ کر اپنی ماں کے حوالے کیا ہے۔''

''اس بات پر وہ زیادہ اکڑ جاتیں کہ جب شرجیل نے دے دیا تو پھر تم مانگو بھی نہیں۔''

''بھئی تمہاری چیز ہے، چاہے تم اسے سنبھالو کہ اس کی پروا نہ کرو، اس پر کوئی اس طرح قبضہ نہیں کر سکتا۔ شرجیل آتا ہے تو میں تمہارے تایا سے کہہ کر بات کرواتی ہوں۔'' پھر تایا جان نے خود شرجیل سے بات کی، سہیل صاحب سے بھی کہا۔

''کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے دادا جان! امی جان ذرا ناراض ہیں اس لیے ایسا کہہ دیا۔ دراصل آصفہ نے لاپروائی برتی پھر ان پر تو بھروسا نہ کیا، مجھے بھی کچھ نہ بتایا اس لیے انہیں زیادہ غصہ آ گیا۔ ایک دو دن میں خود ہی ٹھیک ہو جائیں گی زیور تو آصفہ شادی میں ضرور پہنے گی، اسی کی امانت ہے، امی جان نے صرف سنبھالنے کے لیے ہی رکھے ہیں۔ اس میں برائی بھی کوئی نہیں۔ میں نے خود تو کہا تھا۔''

''سنو بیٹا! اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو تو میں عالیہ سے بات کروں، مجھے پتا ہے کہ اس کے غصے اور ضد سے تم بھی ڈرتے ہو۔'' لیکن شرجیل نے تایا جان کو یوں مطمئن کر دیا جیسے سارے معاملے میں اس کی مرضی شامل ہو اور اسی کی ایما پر معاملہ چٹکی بجاتے میں سلجھ بھی جائے گا۔

مگر اسلام آباد جانے کے لیے گھر بھر کے لوگوں کے سامان کی پیکنگ بھی ہو گئی، بات جہاں رکی تھی وہاں سے آگے چلی ہی نہیں۔ اس نے جان لیا کہ شرجیل نے بھی اسے بے وقوف بنایا ہے۔

اس نے مان لیا کہ عالیہ آنٹی کی ضد کے آگے اس کے اپنے حق اور سچائی کی بھی کوئی اہمیت نہیں تو پھر معاملہ کبھی کسی طرح آگے بڑھ ہی نہ سکتا تھا۔

''پلیز اللہ کے لیے آصفہ! تھوڑے دن کے لیے اپنے زیور بھول جاؤ، اس وقت میں امی جان سے کسی سلسلے میں کوئی بات نہیں کر سکتا۔'' روحیل کی شادی، اسلام آباد جانے کی خوشی اس کے لیے پھیکی پڑی رہی۔

سمیعہ ظفر علی بیاہ کر سہیل کمال احمد کے گھر کی بہو بن گئی۔ عالیہ بیگم کے پہلو میں، یعنی ان کے بیڈ روم کے برابر والے کمرے میں، روحیل کی ضد سے مجبور ہو کر اس کا حجلۂ عروسی سجایا گیا تھا۔ نکاح اس کا

اسلام آباد میں دھوم دھام سے ہوا تھا اور دوسرے دن صبح وہ سب لوگ کراچی آ گئے اور یہیں ''ہالیڈے اِن'' میں چھوٹی سی تقریب اور رسم کے ساتھ ظفر علی صاحب، ان کی بیگم اور فیملی نے اسے رخصت کر کے روحیل کے ساتھ روانہ کر دیا۔

''امی کہاں ہیں، اب بہت دیر ہو رہی ہے، بھابھی سچ مچ تھک گئی ہوں گی۔'' عینی آپا نے شرمین سے پوچھا۔

''بھئی وہ کہیں بیٹھ تھوڑی گئی ہیں، کچھ کام ہی نمٹا رہی ہیں اور روحیل اور شرجیل دونوں دوستوں کے ساتھ جانے کہاں نکل گئے ہیں۔''

''آ جائیں گے وہ بھی، بھابھی تو اپنے کمرے میں جائیں بہت وقت برباد ہو رہا ہے۔'' وہ کھڑی ہو گئیں۔ ''میں دیکھتی ہوں امی کو۔''

''آج تو دن ہی تھکنے کا ہے، عینی آپا کچھ زیادہ جذباتی ہو رہی ہیں۔'' سمیعہ کو خود اب الجھن سی ہونے لگی تھی۔

''ارے تم لوگ یہیں بیٹھی ہو، ابھی باتیں ختم نہیں ہوئیں۔ چلو شرمین! باقی باتیں صبح پوچھ لینا کہ کون سی چوڑی اور کون سی انگوٹھی کہاں سے خریدی ہے۔'' شرجیل اسی وقت باہر سے آیا اور اندازہ ہو گیا کہ روحیل بھی آ گیا ہوگا۔ سمیعہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

''شرجیل بھائی! امی کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے، بالکل بے ہوش ہو چکی ہیں۔'' کہیں سے عینی آپا کی آواز آئی اور شرجیل کے پیچھے شرمین بھی دوڑ پڑی اور آصفہ کو لازمی دوڑنا پڑا۔

روحیل کہاں تھا، شاید وہیں اپنی امی کے پاس اور اب سمیعہ وہاں لاؤنج میں بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ خالی دیواریں اور بڑھتی ہوئی رات، یک دم اسے سناٹا چبھنے لگا۔

یہ سسرال ہے۔ اس کی ساس کا گھر یا اس کا اپنا گھر۔ بہرحال منزل یہی تھی اور منزل پر آ کر وہ بھٹک رہی تھی۔ جیسے اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہی ہو، کس زمین پر پاؤں رکھنا ہے، کس زمین پر ٹھہر کر دم لینا ہے۔ شرجیل نے اچھی طرح ماں کا معائنہ کر کے فوراً کہا۔

''انہیں اسپتال لے جانا پڑے گا، فوری انجکشن یا ڈرپ لگانا ضروری ہے۔'' سب پریشان ہو گئے، سب سے زیادہ سہیل احمد مشکل میں پڑ گئے۔

''آؤ ہم دونوں لیے چلتے ہیں، بیٹا روحیل! تم گھر پر ہی رہو، بلکہ تم لوگ سو جاؤ ان شاء اللہ کوئی مسئلہ نہ ہوگا۔'' سہیل احمد نے روحیل سے کہا تو وہ بے چین ہو گیا۔

''ارے نہیں ابو جی! کیسی بات کرتے ہیں، آپ چاہیں تو گھر پر رہیں، میں تو ساتھ جاؤں گا۔ بھلا مجھے یہاں رہ کر کب چین آئے گا۔'' وہ شرجیل کے ساتھ آگے ہی بڑھ گیا تو سہیل انکل عینی آپا کو ہدایت دے کر خود بھی آگے بڑھ گئے۔

''میں بھی چلوں گی۔'' شرمین پیچھے دوڑی۔ تھوڑی دیر میں عینی آپا آصفہ کے ساتھ پلٹ کر لاؤنج میں آئیں۔

''اوہ بھابھی آپ! پلیز آئیں، اپنے کمرے میں آ جائیں۔'' سمیعہ کو ابھی تک اکیلے لاؤنج میں

بیٹھے دیکھ کر، وہ دونوں شرمندہ ہوگئیں۔

نئی نویلی دلہن جسے گھر کے اندر کے راستے تک کی خبر نہ تھی، جس کو نے میں بٹھا دی گئی تھی، وہیں بیٹھی رہی تھی۔

''تو بی بی سمیعہ روحیل! آپ کی سسرال میں پہلی رات ہی یوں گزر رہی ہے کہ آپ کو لانے والے آپ کو بھول چکے ہیں۔'' اس نے اٹھتے ہوئے آصفہ کی طرف دیکھا تھا اور روحیل سے کہا گیا اپنا ایک جملہ اسے یاد آرہا تھا کہ ہر لڑکی آصفہ نہیں ہوتی۔

اور وہ نہیں جانتی تھی کہ عالیہ بیگم ہر لڑکی کو ''آصفہ'' بنا سکتی تھیں۔

اسپتال پہنچ کر تشخیص اور علاج کے بعد پتا چلا کہ عالیہ بیگم نے اپنی دوائیں وقت پر نہ کھائی تھیں پھر تھکن اور ٹینشن سے ان کا بلڈ پریشر ایک دم بڑھ گیا تھا۔

شرجیل ڈاکٹر کرامت کی باتیں سن کر کچھ حیران ہوا، روحیل کی شادی کے سارے دنوں میں حتیٰ کہ سفر کے دوران بھی دوائیں تو وہ خود باقاعدگی سے اپنی ماں کو دے رہا تھا۔ ابھی تین ساڑھے تین گھنٹے پہلے بھی اس نے خود گولیاں نکال کر امی جان کو دی تھیں۔

''امی ابھی کھالیں، سکینہ! فوراً پانی لے آؤ۔ دیکھیں آپ کی نیند اور آرام بالکل نہیں صحیح طریقے سے ہو رہا ہے، کہیں مسئلہ نہ ہو جائے۔''

''ہاں دوائی تو ضرور کھاؤں گی، سر میں بھی شدید درد ہو رہا ہے اور چکر بھی آرہے ہیں۔'' تو کیا امی جان نے کہنے کے باوجود جان بوجھ کر دوائی نہ کھائی ہوگی۔ سوچتے ہوئے شرجیل کا اپنا سر گھومنے لگا۔

جب اسپتال سے فارغ ہو کر امی کو ساتھ لیے ہوئے وہ تینوں باپ بیٹے گھر پہنچے تو صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔

اوہ خدا کیسی طویل رات تھی۔

روحیل سے کئی بار ابو اور شرجیل نے کہا کہ گھر جائے بلکہ شرجیل نے تو منت کر ڈالی کیونکہ وہ صورت حال کو کچھ کچھ سمجھ چکا تھا لیکن روحیل بھلا ہٹ دھرم اور ضدی آدمی، یوں بات مان لیتا۔ سو سمیعہ کی سہاگ رات اپنے میاں سے ملے بغیر ہی گزر گئی۔ دن کی روشنی میں روحیل ملا تو کہہ رہا تھا۔

''یہ جوڑا تبدیل کرلو پھر مل کر امی جان کے پاس چلتے ہیں تاکہ ان کی خیریت معلوم کرلیں۔'' اس نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا کہ وہ اب تک بجی سنوری اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ وہ دراصل اس سے محبت بہت کرتی تھی، ورنہ بھلا وہ یوں ساری رات انتظار کی کوفت سہتی لیکن روحیل کے انداز نے اسے شدید توہین کا احساس دلایا۔ وہ چپ چاپ اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

عالیہ بیگم اپنے بستر پر ٹیک لگائے بیٹھی تھیں جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوئی۔

''السلام علیکم امی جان! اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔'' انہوں نے اشارے سے سر ہلا کر سمیعہ کو دیکھا۔

''ایک سہاگ رات ہی تو تھی جو تمہیں نہ ملی اور یہ رات پلٹ کر کبھی زندگی میں دوبارہ نہ آئے گی۔''
عالیہ بیگم کی آنکھوں میں بڑی عجیب چمک تھی اور چہرے پر گہری ان دیکھی مسکراہٹ جسے محسوس کر کے سمیعہ کا جی چاہا اس گھر اور اس کمرے سے ابھی اسی لمحے بھاگ کھڑی ہو۔

اس کے چہرے پر پھیلی تاریکی جانے دوسرے کنارے پر کھڑی آصفہ کو کیوں بہت کڑوی لگی۔

''تم میں اور مجھ میں بہت زیادہ فرق ہونا چاہیے۔'' اس نے سوچ کر اس گھر میں اپنی شادی کی پہلی رات اور دن کو یاد کیا۔

''حد ہوگئی، کیسی قسمت ہے ہماری، دوسری بہو کا گھر میں قدم بھی اچھا شگون نہ رہا۔ آتے ہی امی جان بستر پر پڑ گئیں لیکن خیر ہماری ماں بہت ہمت والی ہیں نا آپا!''

شرمین حسب عادت اپنی ذہنیت کے مطابق بات کر رہی تھی۔ آصفہ ناشتے کی تیاری کے لیے کچن کی طرف گئی تو دیکھا تھا، دونوں بہنیں لاؤنج میں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

''اچھا بس اب اتنی تیز آواز میں ایسی باتیں نہ کرو۔ کسی نے سن لیا تو خوامخواہ بدمزگی ہوگی۔ ویسے ہی سب بہت پریشان اور تھکے ہوئے ہیں۔'' انہوں نے شرمین کو احساس دلایا۔

''اونہہ! بدمزگی تو ہو ہی گئی نا، کل تک کیسی رونق تھی اس گھر میں، آج کسی کے آتے ہی چراغوں سے روشنی چھن گئی ہے۔'' ان کی باتیں جانے کون کون سن سکتا تھا۔

عالیہ بیگ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہوگئی تھی، ہلکی سی تھکن اور کمزوری محسوس ہو رہی تھی، جسے انہوں نے بہت تسلی سے قابو کر لیا تھا۔ رات ولیمے کی دعوت میں شرکت کے لیے انہوں نے دن بھر آرام کر کے خود کو تازہ دم کر لیا۔

''بیٹا! اپنے گھر والوں سے ان کی طبیعت کا کچھ ذکر نہ کرنا، وہ لوگ بے حد پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور دل میں اچھے برے خیالات آئیں گے۔'' صبح جب اپنی بھابھی کے ساتھ سمیعہ واپس جا رہی تھی، سہیل احمد نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا۔ اس نے کچھ دیر نا سمجھی سے ان کی صورت دیکھی اور پھر سر ہلا دیا۔

''آپ بھی سن لیں بھابھی! امی جان نے منع کیا ہے ان کی طبیعت کی خرابی کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے۔ آپ میاں مٹھو بن کر ساری رام کہانی ہر کسی کے سامنے رٹنے نہ بیٹھ جایئے گا۔'' شرمین نے بہت برے لہجے میں آصفہ کو تنبیہ کی۔

ولیمے کی دعوت میں تیاری ان تینوں کی شام سے شروع ہوگئی تھی اور وہ تو صرف امی جان کی طبیعت پوچھنے کے لیے ان کے پاس گئی تھی۔

وہ پھر رکی نہیں، اس کے اپنے بہت کام تھے۔ اب چھوٹے بچے کے ساتھ وہ سارا وقت مصروف ہی رہتی تھی پھر دعوت میں جانے کی تیاری اس کو بھی کرنی تھی، آج شرجیل کی فرمائش پر اس نے ساڑھی پہننے کا ارادہ کیا تھا، لیکن ساتھ ہی بیٹے کو سنبھالنے کا مسئلہ تھا۔ امی جان سے اس نے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ سنبھال لیں گی۔

پیازی رنگ کی پرنٹڈ ڈبل جارجٹ کی ساڑھی طلعت نے اسے بیٹا ہونے کی خوشی میں تحفے کے

طور پر دی تھی۔ جس کا رنگ شرجیل کو اتنا پسند آیا تھا کہ اس نے پہلی بار طلعت اور اس سے متعلق کسی چیز کی دل کھول کر تعریف کی تھی۔

''اوہ گاڈ آصفہ! تم تو جنت سے آئی کوئی مخلوق لگ رہی ہو، اس دنیا کی باسی تو لگ ہی نہیں رہیں۔''

وہ تقریباً تیار ہو کر آئینہ دیکھ رہی تھی، جب شرجیل آیا تھا۔ وہ خود سیاہ تھری پیس سوٹ میں بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس کے تعریف کے انداز پر آصفہ بہت کھل کر ہنسی۔

''آپ وقتی طور پر انسان کو خوب بے وقوف بنا لیتے ہیں۔''

''قسم سے یہ ساڑھی تم پر اتنی جچ رہی ہے، آج میں طلعت کا شکریہ خود ادا کروں گا، اگر وہ دعوت میں آئی تو؟''

''آئے گی کیوں نہیں، ضرور آئے گی اور آپ ضرور اپنے خیالات اس تک پہنچایئے گا۔ وہ سچ مچ بے پناہ خوش ہوگی۔'' آصفہ نے شرجیل کو خاص ہدایت کی۔

''ویسے شکر ہے کہ اپنے بھائی کی شادی سے اتنی فرصت تو ملی کہ آج آپ نے اپنی بیوی کو غور سے دیکھا، ورنہ اتنے دنوں سے تو یوں رشتہ داری نباہ رہے تھے جیسے کسی بھولے بسرے کو پہچاننے کی کوشش کرتے اور پھر ٹینشن سمجھ کر ٹال دیتے ہیں۔'' اس کی مثال پر شرجیل بہت ہنسا۔

وہ دونوں میاں بیوی آج بہت خوش تھے۔ ساتھ چلتے ہوئے بہت جچ بھی رہے تھے اور ان دونوں کو مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے سب سے پہلے عالیہ بیگم نے دیکھا تھا، اور پھر بار بار دیکھتی رہی تھیں۔

سمیعہ کے حسد میں الجھ کر وہ آصفہ کو بھولی تو نہیں تھیں۔ آصفہ تو ان کا پہلا نشانہ تھی، وہ کیسے ذہن سے نکل سکتی تھی۔ بس ذرا وقتی طور پر وہ الجھ گئی تھیں۔

''اف آصفہ بھابھی! آپ ہمیشہ سے اتنی چالاک رہی ہیں۔ اکیلے اکیلے ساڑھی پہننے کا پروگرام بنا لیا، مجھے بتا دیتیں تو میں بھی پہن لیتی۔'' شرمین نے لوگوں سے بھرے ہوئے شادی ہال میں چیخ کر اس سے کہا تو وہ بوکھلا گئی۔

''تمہارے بھائی پیچھے پڑ گئے تھے ورنہ میرا موڈ نہیں تھا۔'' شرمین کو مطمئن کرنے کے لیے اس نے ایسا جواب دیا اگر شرجیل سن لیتا تو ضرور برا مانتا۔

''ہائے، آپ اتنی حسین لگ رہی ہیں، اپنی نظر اتار کر آیا کریں۔ سچ ہر فنکشن میں آپ سب سے زیادی پیاری لگی ہیں۔'' شرمین کی نند شرمین کے سامنے ہی اسے کریڈٹ دے رہی تھی۔

''نظر ضرور اتارا کریں ورنہ سب سے پہلے یہی نظر لگائے گی۔ اتنی ندیدی بنتی ہے جیسے اس کی اپنی بھابھیاں تو ہیں ہی نہیں۔'' اس کی جٹھانی نے اسے دیکھ کر خاص ادا سے مسکراتے ہوئے کمال کا جملہ مارا۔ شرمین بری طرح جل کر راکھ ہوگئی۔

آصفہ مسکرانے لگی اور اس مسکراہٹ نے ہی جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کی جٹھانی نے صاف اسی پر طنز کیا ہے، وہ خود پانچ بچوں کی ماں اپنا موازنہ آصفہ سے تو کرنے سے رہی۔

''انہیں تو یونہی عادت ہے مجھے برا بھلا کہنے اور میری خامیاں ڈھونڈنے کی۔'' ذرا لحاظ نہ برتتے

ہوئے شرمین بالکل ڈائریکٹ ہوگئی۔

''لیجئے آپ کو ہم نے کیا کہا ہے، آپ کی بھابھی کی تعریف ہو رہی ہے، آپ کو خوش ہونا چاہیے مگر یہاں تو جلنے کی بو آرہی ہے۔'' اس کی نند کیوں پروا کرتی۔ تماشا بننے کا خیال نہ چار لوگوں کے سن لینے کی الجھن، بھلا اس کے بھائی یا بہن کا ولیمہ تھوڑی تھا۔

''دیکھیں بڑی بھابھی! انہیں سمجھالیں ورنہ میں بری طرح پیش آؤں گی۔ خود جیسے بڑی حور پری ہیں۔'' شرمین کو اپنے بھائی کے ولیمے کی پروا کرنے یا ماں باپ کی عزت جانے کی غرض سے برداشت کر لینے کی کوئی تربیت ہی نہ تھی۔

''ارے شرمین! ختم کرو، یہ کیا نادانی ہے۔ ہال میں اتنے مہمان موجود ہیں۔'' آصفہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے دوسری طرف لے جانے کی کوشش کی۔

''ارے چھوڑیں آپ! آپ بھلا میری انسلٹ پر کیوں نہ خوش ہوں گی۔'' اس نے بری طرح آصفہ کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''بس بی بی بہت ہوگیا، تمہارے گھر آئے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم یوں عزت افزائی کرو۔ جا کر اپنی ماں بہن کے پاس بیٹھ جاؤ، ہم عزت والے لوگ ہیں ورنہ ابھی اٹھ کر دعوت سے چلے جاتے پھر دیکھتے کہ تم کیسے سکون سے اپنے بھائی کے ولیمے کا کھانا کھا سکتیں۔'' شرمین کی بات پر اس کی نند تو صدمے اور غصے سے چپ ہی رہ گئی، لیکن اس کی جٹھانی نے صاف سنا ڈالا۔

''تو چلی جائیں نا، آپ کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔'' وہ شرمین کے منہ پر ہاتھ رکھتی یا اسے بازو سے گھسیٹ کر ان سے دور کرتی، اب تو لوگ بھی متوجہ ہونے لگے تھے۔ وہ بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی، کوئی معاملے کو سنبھالنے والا نظر آئے، معاملہ اچانک اتنا بگڑ گیا تھا، ہاتھ سے نکل بھی سکتا تھا۔

''پلیز بھابھی! پلیز سوری۔ ہم اسے سمجھاتے ہیں، آپ بیٹھیں۔ آپ آگے کی طرف نکل جائیں۔'' شرمین کے معاملے میں بیچ میں بولنے کی وہ کوشش نہ کرتی لیکن اب تو گھر کی عزت کا سوال تھا اور شرمین تو کسی طرح ہاتھ ہی نہ آرہی تھی۔ رائل پرپل رنگ کے سوٹ کے قمیص کے دامن اور پورے کام والے ٹراؤزر کے ساتھ ہم رنگ اونچی ایڑی کے جوتے پہنے نہایت مہارت سے میک اپ کیے شرمین کے چہرے پر غصے کی سرخی اور آنکھوں سے برستی آگ کو آصفہ قطعی نہ بجھا سکتی تھی اور اسی بے بسی میں عینی آپا اس طرف آتی نظر آئیں۔

''عینی آپا! آپ شرمین کو ذرا اس طرف لے جائیں، اب دولہا دلہن آنے والے ہوں گے۔''

''ہاں، مجھے لے جائیں تاکہ یہ ان کی پیٹھ تھپک کر انہیں شاباش دیں کہ کیسے شرمین کو نیچا دکھایا ہے۔''

''اللہ کی پناہ! آپ کی بہن ایسی زبان دراز ہے، ہمیں خبر ہوتی تو ہم کبھی آپ کے گھر کا رخ نہ کرتے۔'' عینی آپا نے اور کچھ نہ پوچھا، معاملے کی نزاکت کو پوری طرح سمجھ گئیں۔ زبردستی شرمین کو اپنے ساتھ لے گئیں۔

''آصفہ بھابھی! آپ یہیں رہیں، میں کسی کو بھیجتی ہوں۔''

''کچھ سکھایا نہیں ہے کیا اسے ماں باپ نے، آپ کے گھر میں ایسا لہجہ اور ایسی طراری تو ہم نے کسی میں نہیں دیکھی۔'' اس کی نئداب کچھ کہنے کے قابل ہوئی ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اتنی توہین پر اس کا بہت دل دکھا تھا اور بہت تپی بھی تھی، اگر برداشت نہ ہوتی تو وہاں قطعی نہ رہتی۔

''بس ذرا چھوٹی ہے نا، لاڈلی بہت ہے، آنٹی بہت سمجھاتی ہیں اسے۔'' آصفہ کو بوکھلاہٹ میں کچھ سوجھ ہی نہ رہا تھا۔

''یقین کریں صرف آپ کے اخلاق اور حسنِ سلوک کی وجہ سے یہاں موجود ہیں ورنہ ایک پل نہ رکتے۔'' اس کی جٹھانی کہہ رہی تھیں، جب ہی عالیہ آنٹی اور تائی جان وہاں چلی آئیں اور پھر معاملہ سنبھل گیا۔

بات شروع ہو کر اِدھر اُدھر پھیل گئی تھی اور شرمین کے شوہر تک پہنچ گئی۔ اسے برا ضرور لگا لیکن وہ بہت سلجھی ہوئی طبیعت کا مالک شخص تھا پھر بھی شرجیل نے جب بات سنبھالنے کے لیے وہی لاڈ پیار کا لفظ استعمال کیا تو اس نے بہت سخت اور صاف لہجے میں چبا چبا کر شرجیل کے سامنے اپنا نقطہ نظر واضح کیا۔

یہ تو اچھا ہوا کہ طعام کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا اور مہمانوں کی رخصتی کا وقت تھا۔ شرجیل نے بہت پیار اور نرمی سے اسے تسلی دے کر اس کی ہاں میں ہاں ملائی، اس کی خاطر مدارت کی، کہیں سے چائے منگوائی، جلدی سے پان لا کر دیا۔

بالآخر وہ شکریہ کہہ کر ہاتھ ملا کر رخصت ہوا تو شرجیل کی جان میں جان آئی۔ دعوت میں کتنے مہمان تھے۔ دوست، احباب، کولیگ، شرمین تو بالکل ہی نادان نکلی۔ اس نے چڑ کر سوچتے ہوئے ہال کے داخلی دروازے سے واپسی کا راستہ لیا۔

آج روحیل اور سمیعہ ساتھ ہی گھر آئے۔ انگوری رنگ کا خوب صورت گھاگرا، سلور اور انگوری ہی رنگ کے کام والے دوپٹے اور قمیص کے ساتھ بہت دلکش لگ رہا تھا۔ آج بھی وہ اتنی ہی پیاری اور جاذب نظر لگ رہی تھی۔

''آپ کو میری دلہن پسند آئی ہے نا۔'' روحیل نے تین دفعہ پلٹ پلٹ کر اپنی دادی سے پوچھا تھا اور انہوں نے اسی محبت سے ہر بار جواب دیا تھا۔

''اتنی پیاری ہے کہ ہم ایسی ہرگز نہ ڈھونڈ سکتے۔''

''آج میں بہت تھک گیا ہوں۔'' وہ تین چار بار کہہ چکا تھا لیکن عینی آپا مووی اور تصویروں کا سلسلہ ختم کرنے کے موڈ میں ہی نہ لگ رہی تھیں۔

''اس بلا کو گھر کون لے آیا ہے۔'' اس نے مووی والے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''بھئی یہ پروگرام تو کئی دنوں سے طے تھا کہ ولیمے والے روز سکون سے فیملی کے ساتھ بیٹھ کر گھر پر مووی بنوائی جائے گی، اسی لیے تو سب یہاں آئے بھی ہیں۔ دادا، دادی جان، عینی کا میاں، امی کے چند رشتہ دار اور شرمین کا میاں کہاں ہے۔'' شرجیل کو خیال آیا۔

''شرمین!'' اس نے ہنستی مسکراتی، مووی والے کو ہدایتیں دینے میں مگن بہن کو پکارا۔ اسے کسی بات کی پروا نہ تھی، ابھی کچھ دیر پہلے دعوت میں جو کچھ ہوا تھا اس الجھن یا پریشانی کی کوئی جھلک اس کے

چہرے پر نہ ابھر رہی تھی۔ البتہ اس نے تو آصفہ کو بہت ٹینشن میں دیکھا تھا اور جب ہی اس سے کہا بھی تھا۔

''کیوں اتنی بوکھلا رہی ہو، جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔'' لیکن آصفہ کو عجیب وحشت سوار ہو گئی تھی۔ شرمین کی فطرت سے وہ واقف تھی، وہ اسے بخشنے والی نہ تھی۔

''شرمین! تم نے اپنے میاں کو گھر آنے کا نہیں کہا۔'' پاس بلا کر شرجیل نے پوچھا۔

''ہونہہ! اس لائق تھے وہ اور یوں بھی مووی بنواتے وہ کیا اچھے لگتے۔ آدمی کی صورت بھی تو ایسی ہو۔''

''السلام علیکم امی جان!'' عالیہ بیگم اخباریوں دیکھ رہی تھیں جیسے ملکی معاملات انہیں ہی حل کرنے ہوں۔ سمیعہ نے سلام کیا، انہوں نے جیسے سنا نہیں۔

''امی! سمیعہ سلام کر رہی ہے۔'' روحیل پاس ہی کھڑا تھا، انہیں اخبار رکھنا پڑا۔

''اچھا اچھا، کیسے ہو بچو! آؤ بیٹھو۔'' روحیل کو دیکھ کر انہیں اپنا لہجہ بھی سنوارنا پڑا۔ خوب صورت شوخ آتشی اور اورنج رنگ کے پھولوں والی ساڑھی پہنے سمیعہ بہت اچھی طرح تیار ہوئی تھی۔

''جی امی! ہم دراصل باہر جا رہے ہیں، میرے بہت گہرے دوست نے آج ڈنر پر بلایا ہے۔ ہوسکتا ہے رات کو واپسی میں دیر بھی ہو جائے، آپ سو جایئے گا۔'' وہ کہتے ہوئے اپنی ماں کی صورت دیکھنے لگا۔

''اچھا تو کھانا باہر کھاؤ گے، تمہیں مجھے پہلے بتانا چاہیے تھا نا بیٹا! دلہن آج پہلی بار گھر پر رکی تھی، میں نے تو آج بہت اہتمام سے کھانا پکوایا ہے۔'' انہوں نے فوراً اعتراض کیا۔

''افوہ امی! یہ بتانے اور سنانے کے معاملے میں میری یادداشت کمزور ہے، آپ کو تو پتا ہے اور پھر ابھی کچھ دنوں تو رات کا کھانا باہر ہی کھایا جائے گا، کئی دعوتیں تو آپ کے علم میں ہیں۔'' اس کے جواب پر عالیہ بیگم الجھیں۔

''شادی کے بعد اپنی عادتیں بدلنی بھی چاہئیں۔ تم لوگ اس گھر میں رہتے ہو تو آنے جانے کے لیے اجازت لینے کی بھی روایت ڈال لو، سب یہی کرتے ہیں۔''

''امی! میں بڑا ہو چکا ہوں۔ آپ ایسی انوکھی باتیں نہ کریں۔ آؤ سمیعہ!'' وہ دونوں جانے کے لیے مڑے۔

''اچھا امی جان! اللہ حافظ۔'' انہوں نے سمیعہ کو پھر جواب نہ دیا۔ اب یوں ظاہر کیا کہ ناراضی ہے۔

''امی جان! اللہ حافظ کہہ دیں کہ ہم خیریت سے پلٹ کر آئیں۔'' روحیل بولا۔

''اچھا، اللہ حافظ۔''

وقار کو اکاؤنٹس کی کسی کتاب کا مطالعہ کرنا تھا، اس لیے وہ دو دن سے لائبریری جا رہا تھا۔ کمپیوٹر کی

دی گئی کسی معلومات سے اسے عجیب الجھن سی ہوئی تھی۔ اس کے دماغ میں جب کوئی کیڑا سا تاتو وہ بات کے پیچھے ہی پڑ جایا کرتا تھا، اسی لیے اب وہ کتاب کا سہارا لے رہا تھا۔

بھلا ریاضی کے سیدھے سے اصول دو جمع دو چار پر یہ ماہرین دیکھو پورا بازار سجا کر بیٹھ گئے تھے لیکن اس بازار میں منطق سے ہٹ کر کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ اسی نقطے پر وقار بھی اٹکا ہوا تھا۔

ایک کتاب کو پڑھتے پڑھتے کسی اور حوالے کا خیال اس کے ذہن میں آیا تو وہ کھڑا ہوا اور ریک سے کتاب کھوج کر پلٹتے ہوئے اس کی نظر سامنے کرسی پر بیٹھی کسی کتاب کو پڑھنے کی کوشش کرتی تہنیت پر پڑی۔ کوشش اس لیے کہ اس کے سامنے کوئی اجنبی بیٹھا مسلسل اس سے الجھ رہا تھا۔ وقار بہت حیران ہوا، آمنہ خالہ کی لڑکی اور یوں کسی غیر سے الجھے یا کوئی غیر اسے الجھائے۔ وہ اپنی نشست پر واپس بیٹھ گیا لیکن اب اپنی الجھن سے اس کا دھیان ہٹ گیا۔ وہ اسے دیکھ سکتا تھا وہاں سے بھی لیکن تہنیت کی نظر اس پر نہ پڑی تھی۔

''پلیز تہنیت! آخر کب تک تمہارا پیچھا کروں، کوئی تو راستہ مجھے بتا دو۔'' وہ کب سے اسے اکسانے کی، بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اسے جواب نہ دیتی لیکن اب دینا پڑا۔

''نہ کریں، خدا کے لیے پیچھا نہ کریں۔ میں نے کب آپ سے کہا ہے۔'' وہ بھی چڑ کر بولی۔ اب لائبریری میں نوٹس بنانے کے لیے آنا بھی محال لگ رہا تھا۔ آج پھر وہ اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔

''تم اتنی آسانی سے جو کچھ کہہ رہی ہو، وہ میرے لیے ممکن نہیں۔ دیکھو پلیز، میں تمہیں بہت چاہنے لگا ہوں اور سیدھے راستے سے تمہارے گھر ہی آنا چاہتا ہوں اور مائنڈ نہ کرنا، میں نے تمہارے گھر کا راستہ بھی دیکھ ہی لیا ہے۔ اگر تم ہاں نہ کہو گی تو میں خود ہی کسی دن تمہارے گھر اپنی ماں کے ساتھ آجاؤں گا۔'' وہ صاف بات کہہ رہا تھا اور تہنیت کی سانس پھر اٹک گئی۔

''بے کار ہے، صرف زیاں ہے، آپ کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ بس میری عزت جائے گی اپنے گھر اور خاندان والوں کے سامنے۔'' وہ اس ڈھیٹ ترین شخص کو کیسے سمجھائے۔

''میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس میں بے عزتی کا کیا سوال ہے، تم ایک لڑکی ہو اور تمہارا رشتہ مانگنے تمہارے والدین کے پاس کوئی بھی آسکتا ہے۔''

''نہیں آتا، یونہی کوئی منہ اٹھائے نہیں چلا آتا۔ تمہاری سمجھ میں میری بات اس لیے نہیں آئے گی کیونکہ تمہارا تعلق کسی کنزرویٹو فیملی سے نہیں ہے۔'' وہ آہستہ آواز میں اس کے سامنے بولتی تھک سی گئی۔ بالآخر کتابیں سمیٹ کر وہاں سے اٹھنے لگی۔

یہ شخص نہ اسے ڈھنگ سے پڑھنے دے گا، نہ کوئی کام کرنے دے گا۔ وہ اٹھی تو وہ شخص بھی اس کے پیچھے لپکا اور وقار کو یہ صورت حال بے حد بری لگی۔ کتابیں سمیٹ کر اپنا کارڈ واپس کراتے ہوئے وہ خود بھی اٹھ گیا۔

''تہنیت! آؤ تھوڑی دیر کے لیے کینٹین میں ہی بیٹھ جاتے ہیں۔'' وہ اس سے پہلے بھی اس سے اس طرح کی بات کہہ چکا تھا۔ وہ زچ ہو گئی تھی اسے ٹالتے ہوئے اور منع کرتے ہوئے۔ ایک لمحے کے لیے اس کے جی میں آیا کہ اس سے کسی جگہ بیٹھ کر ڈھنگ سے بات کر لے۔ اس کو بیٹھ کر اچھی طرح

سمجھائے کہ جو کچھ وہ کہتا تھا، یہ ممکن ہی نہیں۔ ہمارے خاندان میں اور خاص کر ہماری امی برادری سے باہر لڑکیوں کی شادی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتیں۔ گراؤنڈ پر پہنچ کر باہر راہداری سے گارڈن کے دائیں طرف کا راستہ کینٹین کو جاتا تھا اور سیدھا راستہ باہر گیٹ کی طرف، اس نے اگلے ہی لمحے خود کو بری طرح ٹوک دیا اور سیدھی چلتی رہی۔ سیدھے راستے طویل ہوتے ہیں، لیکن آدمی کو گرنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ گر جائے تو آدمی کا بھرم ہی کیا رہ جائے۔

''تہنیت! اتنی ضدی لڑکی میں نے نہیں دیکھی، ایک ذرا سی بات ماننے میں کیا حرج ہے۔''

''مگر کیوں مان لوں، آپ ہوتے کون ہیں جس کی بات مان کر میں ثواب کماؤں۔ دیکھیں اس سے پہلے کہ کسی دن میں اتنے لوگوں کے درمیان آپ کی بے عزتی کروں، آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔''

''یہ تم نہیں کرسکتیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''کیوں نہیں کرسکتی، آپ شاید بے وجہ ہی اتنی خوش فہمیوں میں مبتلا ہوگئے ہیں۔''

''مبتلا تو تم نے خود ہی مجھے کیا ہے، بے عزت کرنے والی لڑکیاں تو پہلے ہی دن برس پڑتی ہیں۔''

وہ چڑ گئی کہ آج سچ مچ جوتا اتار کر اسے مارنے لگتی۔ اسے اپنا مان اور وقار سب سے زیادہ عزیز تھا۔ اس نے گھور کر اسے دیکھا۔

''وقار!'' اس کے پیچھے آتے وقار پر اب اس کی نظر پڑی اور اس کی سانسیں ساکت رہ گئیں۔ یہ شخص ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا جوتا مارنے والی لڑکیاں اتنے دن ٹال سکتی ہیں۔ اگر مار چکی ہوتی تو آج یہ شخص اس کے پیچھے نہ ہوتا اور وہ سامنے آتے وقار سے نظریں ملانے سے یوں نہ گھبراتی۔ وقار قریب آچکا تھا اور اب دونوں کو دیکھ کر کچھ عجیب طرح سے تہنیت کو دیکھنے لگا۔

''وقار! تم لائبریری میں۔۔۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''السلام علیکم! مجھے فہد کہتے ہیں۔'' وہ شخص اپنا تعارف کرواتے بھی نہ شرمایا۔ کیوں شرماتا، کئی دنوں سے تہنیت کا پیچھا کر رہا تھا اور جس طرح مکھی اڑاتے ہیں، ہاتھ ہلا کر خاموش رہ جاتی۔ اب اسے جرات نہ ہوگی تو کسے ہوگی۔

''تم گھر جارہی ہو تو میرے ساتھ چلو۔'' وقار نے اسے کوئی اہمیت نہ دی، کیونکہ تہنیت کی ایک آدھ بات اس کے کان میں پڑ چکی تھی اور اس کے انداز پر بھی وہ مسلسل غور کر چکا تھا۔

''جی میں گھر ہی جارہی ہوں، چلیں۔'' وہ فوراً راضی ہوگئی۔

''اس شخص سے کوئی بات کرنا باقی تو نہیں رہ گئی۔'' وہ تیوری چڑھا کر پوچھنے لگا۔

''مجھے تو کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ گھبراہٹ اور الجھن میں ٹھیک طرح بول بھی نہ پارہی تھی۔

''لیکن مجھے بات کرنی ہے۔'' وقار اور تہنیت پلٹتے پلٹتے چونک گئے۔

''آپ تہنیت کے کون لگتے ہیں؟'' وہ پوچھنے لگا۔ وقار کی ناک کے نتھنے پھڑکنے لگے۔

''کیا یہ ان کا مسئلہ ہے تہنیت!'' اس نے بہت آواز دبا کر اپنی کزن سے پوچھا۔

''قطعی نہیں، بالکل بھی نہیں ہے ان کا مسئلہ۔'' وہ تیزی سے جواب دے کر بولی۔ اس کا حلق سوکھنے لگا تھا اور دل کی دھڑکن بہت تیز ہوگئی تھی، پھر تیزی سے وقار کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے اس کے

پاؤں لڑکھڑائے نہیں۔

''تم بے باک اور ضدی ہو، لیکن خودسر اور نادان تو نہیں ہو تہنیت!'' گاڑی میں بیٹھ کر وقار نے کہا۔

''پلیز وقار! یہ آدمی خود ہی ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ میں تو اسے جانتی بھی نہیں۔''

''کوئی آدمی کسی لڑکی کا یوں ہی پیچھا نہیں کر سکتا، جب تک لڑکی کی شہ نہ ملے۔'' اس نے گاڑی چلاتے ہوئے بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھا کر تہنیت سے کہا۔

''نہیں وقار! یہ میرے مسلسل جھڑکنے اور منع کرنے کے باوجود ایسا کر رہا ہے۔'' اس کے جی میں آئی کہ ابھی ابھی اللہ کے آگے سجدے میں گر جائے کہ جس نے اسے اس احمقانہ فیصلے سے باز رکھا۔ اگر وہ جوش میں آ کر اس کے ساتھ کینٹین تک چلی جاتی پھر کبھی وقار یا کوئی بھی اس کی نیت پر بھروسہ نہ کرتا، چاہے وہ انہیں دل چیر کر دکھا دیتی۔

''اوہ مالک تُو نے کیسا بچا لیا، ورنہ میں تو اپنے اس غیرت مند اور جوشیلے کزن سے نظر بھی نہ ملا سکتی۔''

''تو پھر تم کسی کو اعتماد میں لے کر اپنا مسئلہ بیان کر سکتی تھیں۔'' وہ سر ہلا کر خاموش ہو گئی۔ آگے کیا ہونا تھا، ابھی تو اس کی فکر بھی پڑی تھی۔

آج آصفہ نے اپنے گھر میں نئے دولہا دلہن کی دعوت کی تھی، حالانکہ عالیہ آنٹی کی طرف بھی سمیعہ اتنے دنوں سے آصفہ کے ہاتھ کا کھانا ہی کھا رہی تھی۔

سمیعہ ابھی تک خاموشی سے اس گھر کے ہر فرد اور ہر روٹین کا جائزہ لے رہی تھی۔ ان چھ دنوں میں اس نے کسی سے بھی بہت گھلنے ملنے یا خود کو کسی پر ظاہر کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔

عورت کی زندگی کا یہ عجب نازک دور ہوتا ہے۔ اپنے لوگ، اپنا آنگن، اپنے احباب، اپنا بچپن، لڑکپن، بس سارا اپنا پن چھوڑ کر ایک انجانے اجنبی گھر، ماحول، لوگوں میں آ کر اسے اپنی جگہ تلاش بلکہ مقرر کرنی پڑتی ہے۔

''لائیں بھابھی! میں آپ کا ہاتھ بٹا دوں۔'' آصفہ صبح سے اپنے گھر میں کام میں مصروف تھی، اس کے گھر دعوت کے لیے عینی آپا، شرمین، تایا جان اور تائی جان حسب معمول آ رہے تھے، بلکہ عالیہ بیگم نے شرمین کے میاں اور پھر اس کی دیکھا دیکھی عینی کے کہنے پر اس کے میاں کو بھی کہہ دیا تھا۔

کام بہت پھیلا ہوا تھا، بریانی اور آئس کریم باہر سے منگوائی جا رہی تھی۔ باقی ہر چیز گھر میں تیار کرنا تھی۔ کام کرتے کرتے آصفہ کام والی نئی ماسی کی راہ بھی دیکھتی، بار بار گھڑی پر نظر ڈال رہی تھی۔ اسے بہت زیادہ کام کرنے کی اب عادت پڑ گئی تھی لیکن اپنے گھر میں دعوت ہو تو صفائی ستھرائی کا ٹینشن بھی اسی کو اٹھانا پڑتا تھا اور وہ الجھی الجھی کام میں مگن ہی تھی کہ سمیعہ اس کے ساتھ کام کروانے آ گئی۔

اور آج پہلی بار اس گھر میں اسے اپنائیت کے احساس سے آشنائی ہوئی۔ میکے میں تو اس نے ساری عمر دکھ سکھ سے لے کر سوچ اور احساس تک بانٹنے اور دوسروں کا خیال رکھنے اور اپنا رکھوانے میں

گزاری تھی۔

ہر کام اتنے طریقے اور سلیقے سے ایک دوسرے کی مدد سے خوش اسلوبی سے نمٹ رہا تھا، آصفہ کی آنکھیں سچ مچ خوشی سے چمکنے لگیں۔

''بس سمیعہ! اب آپ جائیں۔ تھک گئی ہوں گی، آپ نئی نئی دلہن ہیں۔''

''ارے نہیں، ابھی سے کیوں تھک جاؤں گی۔ اتنا کام پڑا ہے اور آج تو خاص الخاص مہمان آرہے ہیں بھئی، اچھا کھانا بنے گا تو تعریف ہی ہوگی۔'' وہ سمیعہ کو دیکھنے لگی۔

''ہاں آج شرمین کے میاں اور عینی آپا کے میاں پر ہمارا رعب بھی کچھ پڑے نا۔''

وہ جی ہی جی میں ہنسی کہ اس گھر میں یہ چیزیں نہ ملیں گی، لیکن اس کا دل نہ توڑا۔

''اوہ خدایا سمیعہ! تم یہاں ہو، میں نے تمہیں پورے گھر میں تلاش کرلیا۔ بیٹا! گھر سے باہر نکلو تو بتا ضرور دیا کرو۔'' اسی وقت عالیہ بیگم اسے ڈھونڈتی پکارتی آصفہ کے گھر میں آئی تھیں۔

''امی! گھر سے باہر کہاں نکلی ہوں، گھر میں ہی تو ہوں۔'' نرمی سے اس نے فوری جواب دیا۔

''یہ آصفہ کا الگ گھر ہے بیٹا! جہاں آنے کے لیے گلی میں نکلنا پڑتا ہے۔''

''فاصلہ تو کوئی نہیں امی! آپ مجھے اس طرف کھڑے ہو کر پکارتیں تو بھی میں آپ کی آواز سن لیتی۔''

''بہرحال بتا کر آنا چاہیے تھا۔'' وہ چڑ گئیں۔

''امی! دراصل آپ کے بیٹے کی طرح مجھے بھی کہنا سننا اتنا یاد نہیں رہتا۔'' اس نے صاف کہہ دیا۔

''ارے۔'' جواب میں وہ کوئی سخت سست کہنا چاہ رہی تھیں، لیکن چھوڑ دیا۔ موقع اور وقت کی نزاکت کا خیال انہیں کرنا پڑا۔

''ہاں آصفہ! کتنی تیاری ہوئی، دیکھو ابھی عینی آتی ہی ہوگی، تم انتظار کرلو۔'' عینی کا آنا اور اس کا ہاتھ بٹانا اسے پتا ہی تھا کہ کیسا تھا، وہ بے وقوفوں کی طرح انتظار کیا کرتی۔

''بس آنٹی! ہم کر رہے ہیں کام، ختم ہو ہی جائے گا۔''

''نئی نویلی دلہن کو تم نے کام پر لگا دیا، اس سے تو ابھی میں نے کھیر بھی نہیں پکوائی۔'' وہ یہاں بھی اعتراض کر گئیں۔

''آنٹی! یہ خود ہی آئی ہیں، میں منع بھی کر رہی تھی۔''

''ارے منع کیا، تمہیں کام دینا ہی نہ چاہیے تھا۔ تمہاری تائی ابھی آگئیں تو دیکھ کر چار باتیں مجھے ہی سنا کر جائیں گی۔''

''جی آنٹی!'' آصفہ کچھ کہہ نہ سکی اور سوچنے لگی کہ وہ تو کبھی ان کے آگے کچھ کہہ نہ سکے گی۔

''میں بہت بور ہو رہی تھی امی! اور آصفہ بھابھی کے پاس کام بھی زیادہ ہے۔ تو میں نے سوچا کہ ان کا ہاتھ بٹا دوں تو بہتر ہے۔''

اب سمیعہ نے جواب دیا تو عالیہ بیگم نے اسے گھورا۔

''تم بہت بولتی ہو، میں نے تو آج سنا ہے۔ ابھی تمہاری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔''

''کیا شادی کے لیے زبان کٹوا کر آنا پڑتا ہے۔''
عالیہ بیگم پلٹ کر جانے لگیں تو وہ بڑبڑائی تھی، لیکن اس طرح کہ وہ سن لیں۔
رات کھانے کے دوران سمیعہ نے سنا، عالیہ بیگم کہہ رہی تھیں۔
''کیا کریں آصفہ کا تو بچہ چھوٹا ہے اور سمیعہ کو بیاہ کر آئے دن ہی چار چھ ہوئے ہیں۔ اتنا کام کہاں ہوتا ہے۔ میں نے شرجیل سے کہہ دیا تھا، اس نے تقریباً کھانا باہر سے ہی پکوالیا۔'' وہ شاید تائی جان سے مخاطب تھیں۔
''یہ شامی کباب لیں نا آپ! خاص آپ کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے آصفہ بھابھی نے بنائے ہیں، بلکہ انہوں نے پورا مینو آپ کی پسند شامل کر کے ترتیب دیا تھا۔ کہہ رہی تھیں یہ خاص تحفہ ہے ہم دونوں کے لیے ان کی طرف سے۔'' سمیعہ نے اپنے شوہر کو کھانے کی ہر چیز کے بارے میں بتاتے ہوئے اور پیش کرتے ہوئے کہا اور پھر خاص طور پر اِدھر اُدھر دیکھا، تائی جان قریب ہی تھیں۔
''چکن کڑاہی تو بہت لذیذ بنی ہے۔ واہ بھابھی! کمال کر دیا آپ نے۔'' روحیل کو صرف اشارے کی ضرورت تھی پھر اس نے گن گن کر چیزوں کے نام اور ان تعریف کو آگے تک بڑھا دیا۔ سب مہمانوں کو خبر ہوگئی کہ شامی کباب، چکن کڑاہی، چائنیز رول، رشین سلاد اور فرنچ فرائز آصفہ نے گھر میں خود اپنے ہاتھ سے بنائے تھے اور سمیعہ کی اس چالاکی اور ہوشیاری پر عالیہ بیگم اچھا خاصا تلملائیں۔
''بڑی پٹاخہ ہیں بھئی آپ کی بیگم تو، ہفتہ بھر شادی کو ہوا انہیں اور سب مہمانوں کی خاطر مدارت اس طرح کر رہی تھیں جیسے اسی گھر میں پیدا ہوئی ہوں۔'' کھانے کے بعد سب لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے تھے اور باہر صحن سے سب چیزیں سمیٹی جا رہی تھیں۔ شرمین نے روحیل کو پکڑ کر کہا۔
''بہت اچھی بات ہے نا، لڑکی کو شادی کے بعد سسرال کو پہلے دن سے ایسا ہی سمجھنا چاہیے کہ یہی ہمیشہ سے اس کا اصل گھر ہو۔''
''چلیں کچھ شرمانا جھجکنا بھی تو ہوتا ہے، ہمارے میاؤں کی موجودگی میں انہیں تھوڑا ریزرو رہنا چاہیے کہ نہیں۔'' عینی آپا بھی ان دونوں کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔ شرمین کو تو یہی بات چڑا رہی تھی کہ پھر آصفہ کی واہ واہ اس کے شوہر کی زبان پر ہوگی۔
''بھئی بعد میں آرام سے بیٹھ کر ڈسکس کریں گے، ابھی مہمان گئے ہیں اور دیکھیں، آپ دونوں کی چہیتی بھابھیاں کچن میں سخت محنت کر رہی ہیں، آپ بھی ہاتھ بٹائیں۔'' وہ ڈرائنگ روم میں گھس گیا۔
''آپ کیوں گئیں ڈرائنگ روم میں چائے لے کر آپ کو مجھے دینا چاہیے تھی۔'' ٹرالی میں چائے سجا کر اس نے بڑے سلیقے سے رکھی تھی اور وہی ٹرالی گھسیٹ کر وہ مہمانوں کے پاس لے گئی اور چائے صرف ڈرائنگ روم تک اس نے پہنچائی تھی۔ سرو تو شرجیل نے کی، لیکن پلٹ کر آئی تو شرمین نے اسے یوں بری طرح جھڑک کر کہا جیسے اسی کا گھر ہو اور وہ اس کے حکم کی غلام ہو۔
''ارے سارا انتظام میں ہی کر رہی ہوں تو آخر میں کیوں چھوڑ دوں۔ ویسے بھی تم مہمان ہو، بیٹھ کر آرام سے چائے پیو۔'' اس نے آہستہ سے جواب دیا۔
''آپ مجھ پر طنز کر رہی ہیں، حالانکہ آپ جانتی ہیں کہ میرا دماغ خراب ہے۔ ایک دعوت کھلائی

ہے تو احسان جتا رہی ہیں کہ سارا کام آپ نے کیا ہے۔'' دراصل شرمین کو حسد نے بری طرح جلایا ہوا تھا۔ اس کے سسرال میں اب بلا دریغ آصفہ کی تعریف کی جاتی تھی اور اس کا خون کھولتا رہتا تھا۔

''شرمین! آرام سے مہمانوں میں جا کر بیٹھو نا، کیوں بے وجہ ٹینشن میں پڑتی ہو۔'' وہ اپنے کچن میں کھڑی اپنی نند سے الجھنا نہ چاہتی تھی۔ اسے پھر شک ہوا کہ وہ بات بڑھانا چاہتی ہے۔

''ایسے کہہ رہی ہیں جیسے میں کوئی پاگل، ناسمجھ ہوں۔ خیر میں بھی آپ کو چھوڑوں گی نہیں۔'' وہ صاف دھمکی پر اتر آئی۔ آصفہ چپ رہی۔ سمیعہ اب اندر بیٹھ گئی تھی۔

''اونہہ! مجھے تو آپ کی نیت میں ہی کھوٹ لگتا ہے۔ میرے میاں کے منہ سے ذرا سی تعریف سن لی ہے تو اسی کے اردگرد منڈلاتی رہتی ہیں۔'' وہ بری طرح ہاتھ ہلا کر ایسی بات اس کے منہ پر مارتی چلی گئی۔ آصفہ کا رنگ غصے سے سرخ پڑ گیا۔

اگر وہ سمیعہ جیسی دلیر ہوتی تو پلٹ کر پھر ڈرائنگ روم میں جاتی اور ان ہی مہمانوں کے درمیان بیٹھ جاتی۔ اس سے کسی نے نہیں کہا تھا کہ اپنے ہی گھر آئے مہمانوں سے چھپتی پھرے، لیکن شرمین کی باتوں سے اس کا جی اتنا خراب ہوا وہ پھر اس طرف گئی ہی نہیں۔ حتیٰ کہ عینی اور شرمین کے شوہر چلے گئے پھر تائی اماں خود اسے بلانے آئیں۔

''چھوڑ دو نا ان کاموں کی جان، یہ ساری زندگی ختم نہیں ہوں گے۔ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں، تم بھی وہیں آ کر بیٹھو۔''

''جی چلیں، میں تو منّے کا فیڈر تیار کر کے رکھ رہی تھی، ابھی اٹھنے والا ہوگا۔'' وہ ان کے ساتھ ہو لی۔

''ارے صرف کھیر کیا امی جان! آج سمیعہ سارا کھانا پکائے گی، آج اس کے امتحان کا پہلا دن ہے۔''

صبح ناشتے پر عالیہ بیگم نے سمیعہ سے کھیر پکانے کے لیے کہا تو روحیل نے بات سن کر کہا۔

''ابھی کہاں اس کو ان مشکلوں میں ڈال رہے ہو، پھر تو ساری عمر یہی کرنا ہے۔'' عالیہ بیگم نے کچھ اعتراض کرنا چاہا۔

''جب یہی کرنا ہے تو شروع ہو جانا چاہیے نا، چلو بھئی سمیعہ! کھڑی ہو جاؤ۔''

''ارے بیٹا! اس کو ناشتا تو پورا کرنے دو۔'' سہیل احمد نے ٹوکا۔ حقیقت یہ تھی کہ سمیعہ اور روحیل کے آنے سے ان کے گھر میں بے حد رونق اور زندگی آ گئی تھی۔

''افوہ بھئی، دوپہر میں زیادہ کھا لینا، اٹھو سمیعہ! دیکھو میرے ساتھ زندگی تو ایسی ہی گزرے گی۔ ابھی بیٹھے ہیں، ابھی بھاگ رہے ہیں، ابھی سو رہے ہیں تو ابھی اڑ رہے ہیں۔''

''ابھی کھانا کھا رہے ہیں تو ابھی پکا رہے ہیں، بھئی روحیل! ابھی دوپہر کے کھانے میں بہت گھنٹے پڑے ہیں۔''

''میری مدد کی ضرورت ہے کہ نہیں، ابو! آج ہم دونوں میاں بیوی مل کر کھانا پکائیں گے۔ آپ کو پتا تو ہے نا ایمرجنسی میں، میں ایک بہترین کک بھی ہوں۔''

''ہاں میاں پتا ہے اور اب یہ بھی پتا چل گیا کہ اب تم بیوی کی خاطر کچن بھی سنبھال سکتے ہو۔''

''بے ایمانی ابو جی! دیکھیں آپ نے اپنی بیوی کی خاطر کیا کچھ نہیں کیا۔'' روحیل نے ہنس کر کہا تو عالیہ بیگم تپ گئیں۔ انہیں ویسے ہی بیٹے اور شوہر کی دل لگی اچھی نہ لگ رہی تھی۔

''چپ رہو روحیل! ایک غیر لڑکی کے سامنے تم ماں باپ سے ایسا مذاق کر رہے ہو، وہ اجنبی ہے اس گھر کے لیے، وہ کیا سوچے گی۔'' انہوں نے بیٹے کو ڈانٹ دیا۔

''پلیز امی! سمیعہ نہ غیر ہے، نہ اجنبی۔ آپ کو اس بات کے لیے سوری کرنا چاہیے۔''

''روحیل! تم اپنے ہوش میں تو ہو یا شادی کر کے بالکل باؤلے ہو گئے ہو۔'' وہ یک دم بھڑک گئیں۔ اس کا موڈ بری طرح خراب ہو گیا۔ وہ بے زار ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''چلیں نا روحیل! ذرا سی بات پر موڈ خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امی جان کا خیال ٹھیک ہی تو ہے، نئے لوگوں کے سامنے آدمی کو سنبھل کر رہنا چاہیے۔''

سہیل احمد نے تعریفی نظروں سے سمیعہ کو دیکھا، جس نے دو منٹ میں اپنے شوہر کے موڈ کو بحال کر دیا اور اس کی اچھی بات اور اچھے اخلاق کے آگے عالیہ بیگم کو بھی اپنا رویہ بہتر کرنا پڑا۔

تھوڑی دیر اپنے کمرے میں اطمینان سے بیٹھ کر عالیہ بیگم نے کچن کا رخ کیا تو سمیعہ تقریباً کام شروع کر چکی تھی۔ روحیل صرف ایک طرف اسٹول پر بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ انہیں جھٹکا سا لگا۔ سمیعہ نے نہ ان سے یہ پوچھا کہ آج کیا پکایا جائے یا کون سی چیز کتنی یا کس طرح پکائی جائے، نہ یہ معلوم کرنے ہی ان کے پاس آئی کہ کچن کا کون سا سامان کہاں رکھا ہے۔ دراصل وہ اپنے کمرے میں تھوڑی دیر چپکی اسی لیے بیٹھی رہی تھیں کہ ابھی سمیعہ آئے گی اور ہر چیز، کام کے لیے ان کی مرضی اور خیال معلوم کرے گی، لیکن وہ بڑے سکون سے اپنے کام میں مگن تھی۔

''کیا پکا رہی ہو بیٹا!'' انہوں نے بڑی مشکل سے پوچھا۔ حالانکہ انہیں سخت برا لگ رہا تھا۔

''سرپرائز، یہ قطعی سرپرائز ہے آپ کے لیے، بلکہ آپ کو کچن میں آنا بھی نہیں چاہیے تھا۔''

''کچن میں کیسے نہ آؤں، آخر اس کو کیا پتا کہ کون سی چیز کہاں رکھی ہے، روزانہ گھر میں کھانا کتنا پکتا ہے، کس طرح کا پکتا ہے، مرچ مسالے تیز، کم۔۔۔۔''

''امی! یہ آپ کی بہو آپ کے گھر میں آپ کو سکھ دینے کے لیے آئی ہے۔ آپ کو کام بھی کوئی نہیں کرنا اور کسی قسم کی فکر یا ٹینشن پالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بہت سی باتیں میں نے اسے سمجھا دی ہیں، باقی چیزیں ڈھونڈنا کون سا مشکل کام ہے۔ اتنا سا کچن ہے ہر چیز ڈھونڈنے پر مل جائے گی۔''

''مجھے سکھ دینے آئی ہے یا اس گھر پر قبضہ کرنے۔'' انہوں نے جل کر سوچا لیکن روحیل کے سامنے کہہ نہ سکیں۔ روحیل دوسروں کی ناراضی کی پروا کم کرنے والا اور خود جلدی ناراض ہو جانے والا تھا پھر انہوں نے سوچا کہ آخر سمیعہ کتنے دن ان کے پاس رہے گی، روحیل کے ساتھ چلی ہی جائے گی۔ وہ چپ چاپ پلٹ گئیں۔

دوپہر کے کھانے پر روحیل نے آصفہ کو بھی بلایا تھا۔ قورمہ، چاول، نان، رائتہ اور کھیر۔۔۔ سب

سمیعہ نے اپنی مرضی اور سمجھ کے مطابق بنالیا تھا۔

''روٹی کہاں ہے؟'' عالیہ بیگم کا موڈ آصفہ کو دیکھ کر خراب ہوگیا تھا۔ ان کی مرضی کے بغیر ان ہی کے گھر میں کیا کچھ ہوگیا، ورنہ وہ آصفہ کو اس گھر میں ایک دن بھی بلاغرض اور مفت تیار کھانا کھلانے پر آمادہ ہوسکتی تھیں۔

''امی! یہ آپ کی بہو روٹی بنانے کے معاملے میں ذرا سست ہے، باقی ہر کام میں پرفیکٹ ہے۔''

''کیا سمیعہ کی زبان بھی تم نے اپنے منہ میں رکھ لی ہے۔ ہر بات کا جواب تم ہی دے رہے ہو، اسے بولنے دو۔'' انہوں نے چڑ کر کہا۔

''میں کل صبح دس بجے واپس جارہا ہوں۔'' شام کو چائے پیتے ہوئے روحیل نے اعلان کیا۔ عالیہ بیگم اس بات پر کچھ الجھیں۔ روحیل کی طرف سے ہر بات میں انہیں بے خبری ہی ہاتھ آرہی تھی۔

''اتنی جلدی، پہلے بتایا بھی نہیں۔ سمیعہ کچھ تیاری وغیرہ تو کرلیتی۔''

''سمیعہ میرے ساتھ تو نہیں جارہی۔'' عالیہ بیگم کو اتنی زیادہ حیرت اور مایوسی ہوئی کہ وہ کچھ دیر چپ ہی رہ گئیں۔ البتہ سہیل احمد خوشی سے ہنس کر بولے۔

''جیتے رہو بیٹا! میں سمجھ رہا تھا کہ تم دونوں چلے جاؤ گے تو ہم میاں بیوی اکیلے پاگل ہی ہونے لگیں گے مگر تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ کچھ دنوں بعد اسے بھی لے جانا، یہ تھوڑا تمہارے ساتھ رہے گی، تھوڑا ہمارے پاس تو ہمارا بڑھاپا سہولت سے گزر جائے گا۔''

''آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے سمیعہ آپ کی بیٹی ہو۔ بھئی یہ اس کی بیوی ہے۔ اسی کے ساتھ رہنا چاہیے۔ خوامخواہ ان لوگوں کو مجبور کررہے ہیں۔'' عالیہ بیگم کی طبیعت اور تربیت میں خلوص تو شاید کہیں نہیں تھا مگر وہ کبھی کبھی بے مروت بھی ہوجاتیں کہ سامنے والے کی آنکھ میں ضرور پانی آجائے۔

کتنے اطمینان سے انہوں نے اعلان کردیا کہ وہ بیٹی نہیں اور روحیل اسی پتھر دل عورت کے پاس اسے چھوڑ کر جارہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا بڑا کڑا امتحان تھا، وہ بددل ضرور ہوئی لیکن اسے یہ چیلنج تو قبول کرنا تھا۔

''امی! آپ اچانک اتنی روڈ ہوجاتی ہیں، اس نے خود کو آپ کی بیٹی سمجھ کر ہی تو یہاں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب آپ کہاں تک اس کا مان رکھتی ہیں یہ سراسر آپ پر منحصر ہے۔'' روحیل کو بھی برا لگا اور سہیل احمد کو بھی، لیکن انہوں نے ابھی مزید بحث نہ کی لیکن روحیل نے بہت اکھڑے لہجے میں ماں سے شکایت کرڈالی۔

''میرا مقصد یہ تھا کہ ابھی تمہاری نئی نئی شادی ہوئی ہے، یوں بیوی کو چھوڑ کر جارہے ہو، خاندان والے باتیں بنائیں گے اور مجھے ہی کہیں گے کہ عالیہ بیگم نے نہ جانے دیا ہوگا۔ چند دن کہیں گھوم پھر ہی آتے تو بات رہ جاتی۔'' دراصل سمیعہ سے دل لگانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ روحیل کی خاطر وہ اسے برداشت کررہی تھیں لیکن انہیں وہ پسند قطعی نہ تھی۔

''امی! سارے خاندان کو پتا ہے کہ میں فوجی بندہ ہوں، میرے پاس وقت قطعی نہیں ہوتا۔ یوں

بھی اسلام آباد میں ساتھ رہنے کا انتظام ہونے میں دیر لگے گی۔ ابھی تو سمیعہ یہیں رہے گی۔ چند دنوں کے بعد اس کے بھائی لینے آئیں گے اور یہ میکے جائے گی تو ہم تھوڑا گھوم پھر لیں گے۔ میں اب زیادہ چھٹیاں بھی نہیں لے سکتا۔'' اگلے سارے ان کے پروگرام طے تھے سمیعہ کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے چائے کے برتن سمیٹنے لگی تھی۔

''آپ عجیب سے گمان میں مبتلا ہیں، آپ کو اندازہ نہیں ہوا کہ میرے یہاں رک جانے سے امی جان قطعی خوش نہیں ہیں۔''

''اور انہیں خوش کرنے کے لیے ہی تو میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔ یہ کام تمہیں کرنا ہے سمیعہ! صرف میری خاطر۔'' روحیل بہت زیادہ پرامید لہجے میں اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا۔

''یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ بندہ مولی بوکر گاجر کے اگنے کی امید کرے۔ آپ اپنی ماں کو پچھلے اٹھائیس سال سے جانتے ہیں اور مجھ سے، بقول آپ کی امی جان کے ہی ایک غیر اور اجنبی لڑکی سے آپ ایسی انہونی تمنا کر رہے ہیں۔''

''کل تک تو تم نے میرے اس فیصلے پر ایسا خاص اعتراض نہیں کیا تھا۔'' اس کی مایوسی پر روحیل کو ہی دکھ ہوا تھا۔

''آج امی جان کی اتنی صاف بے رخی اور بے زاری دیکھ کر دل ٹوٹ گیا ہے۔''

''اوہ کم آن، یو بریو گرل! میں تو تمہیں اس سے زیادہ سخت آزمائشوں کے لیے تیار دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''زبردستی آپ مجھ سے قربانی وصول کریں گے، مرد عورت کو ہمیشہ ایک ہی چکی میں پیستا آیا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔

''دیکھو تم جانتی ہو کہ میری نیت بری نہیں ہے۔''

''نیت میری بھی اچھی تھی۔ میں نے تو ہمیشہ اپنے اردگرد محبتوں اور اخلاص کا ماحول دیکھا ہے، اس طرح ناپسندیدگی اور بے دردی کے ماحول میں کیسے زندہ رہوں گی۔'' وہ چپ ہوگئی۔ اس کی آواز بھی بھاری ہوگئی تھی۔

''تم نے مجھے اتنی آس کیوں دلائی تھی سمیعہ! میں نے تمہارے ہی حوالے سے اس گھر کے سنور جانے کے اتنے ڈھیر سارے خواب دیکھ لیے ہیں۔'' وہ سر جھکا کر کہہ رہا تھا۔

''لیکن ٹھیک ہے، صرف اپنی غرض اور اچھی سوچ کی خاطر تمہارے ساتھ زیادتی کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ چلو تم اپنا بھی سامان پیک کرلو۔'' وہ روحیل کی بات پر چونکی پھر سچ مچ اٹھ کر سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے اس میں کپڑے ڈالنے لگی۔

روحیل اس سے کہہ کر کمرے سے باہر چلا گیا تھا، وہ کچھ دیر تو بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں کمرے میں کام نمٹاتی رہی، لیکن پھر خود اپنے آپ سے ہی الجھنے لگی پھر یک دم گھبراہٹ اس پر طاری ہونے لگی۔ وہ اٹھ کر بے وجہ کمرے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلنے لگی۔

اس نے اتنی سلجھی ہوئی صاف ستھری اور بامقصد زندگی گزاری تھی۔ الجھن شیئر کرنے والے، پریشانیوں کو بٹانے والے، برے وقت سے نمٹنے کے لیے ہر لمحہ ساتھ دینے کو تیار رہنے والے، شاید ہر لڑکی کو میکے کے ایسے احساس سسرال آ کر ستاتے ہی ہوں، کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ یہاں اکیلے الجھنا، اکیلے لڑنا، اکیلے نمٹنا، جیسے یک دم بڑے شہر سے انسان تنہائیوں کے جنگل میں نکل آئے۔ اسے خبر تھی کہ وہ جانے کا فیصلہ کرے گی تو بھی روحیل کچھ کہے گا نہیں، مایوس بہت زیادہ ہوگا لیکن کیا صرف اسے مایوسی سے بچانے کے لیے وہ خود کو داؤ پر لگا دے اور بدلے میں اسے بے حساب مایوسیاں ملنے والی تھیں۔

آخر وہ اتنی ناامید کیوں تھی وہ تو گھبرا کر یوں پیچھے ہٹ جانے والوں میں سے نہ تھی اور سہیل احمد کا وہ یک دم روشن ہوتا چہرہ اور اسے دیکھ کر آصفہ کے چہرے کی چمک، شرجیل بھائی کا خلوص اور ایثار والا رویہ، یہ سب لوگ مایوس ہو جائیں گے۔ روحیل یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس نے ایک اچھی لڑکی سے شادی کی ہے اور اس کا فیصلہ صرف ضد نہیں تھا مگر یہ ''اچھی لڑکی'' اگر روحیل کی ''اچھی بیوی'' کے سوا کچھ ثابت نہ کر سکے تو کیا برائی تھی۔

مگر اس نے سارے زمانے کا ٹھیکہ تو نہیں لیا اور اس کا فرض بھی اتنا ہی تھا کہ روحیل کے لیے اچھی شریکِ حیات ثابت ہو۔

ایک اور ''مگر'' بھی تھا۔ اس کے اندر ایک عام لڑکی سے زیادہ مضبوط قوت ارادی، ہمت اور حوصلہ موجود تھا۔ اس کے والد نے ہمیشہ اسے یہی تربیت دی تھی۔ خود کو ثابت کرنے کے لیے اپنے دائرے سے نکل کر بھی دنیا کی پروا کرنی چاہیے، اپنی فطرت کی نیکی اور اچھائی جہاں تک پھیلا سکیں پھیلانی چاہیے۔'' اس نے فیصلہ کر لیا۔

رات کے کھانے کے وقت روحیل کو اس نے بتا بھی دیا۔

''میں تمہارا ساتھ دوں گا، لیکن ہر قدم پر یہ یاد رکھنا کہ یہ گھر تمہاری ساس کا گھر ہوگا مگر میری ماں کا گھر ہے۔''

''ابھی تو میں نے فیصلہ کیا ہے اور ابھی آپ نے دل دہلانے والی بات کہہ دی ہے۔'' اور ابھی وہ سب لوگ کھانا کھا کر امی جان کے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، شرجیل اور آصفہ بھی ابھی ہی آئے تھے کہ باہر صحن میں شرمین کی آواز آئی۔ وہ بھی اپنے میاں کے ساتھ روحیل سے ملنے ہی آئی ہوگی۔ سب کا یہی خیال تھا۔

''ابو! یہ آپ کو باہر بلا رہے ہیں۔'' وہ کمرے میں آ کر سیدھی باپ کے آگے جا کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا چہرہ بہت زیادہ خراب موڈ کا واضح اشارہ دے رہا تھا۔

''ارے اندر ہی چلے آتے، یہیں لے آتیں اپنے شوہر کو۔'' پہلے شرجیل نے بات کی، لیکن وہ کوئی بھی جواب دیے بغیر کھڑی رہی۔

''چلیں ابو۔۔۔'' سہیل احمد اس کے ساتھ چل پڑے۔

''آپ اپنی بیٹی کو اس وقت تک یہیں بٹھائے رکھیں جب تک اس کا دماغ درست نہیں ہو جاتا۔'' اس نے دوسری کوئی بات نہ کہی، نہ کچھ آگے کسی کی سنی اور تیزی سے پلٹ کر چلا گیا۔ سہیل صاحب کے

پیچھے ان کے دونوں بیٹے بھی کمرے سے نکلے تھے۔ شرجیل نے پھر پلٹ کر شرمین کو دیکھا۔

''کیا ہوا شرمین؟'' اس نے ذرا سختی سے پوچھا تھا۔

''ساری آگ تو آپ کی بیوی کی لگائی ہوئی ہے پھر مجھ سے پوچھ رہے ہیں کیا ہوا؟'' شرمین کا انداز بھرپور جارحانہ تھا۔ اس کے غصے اور مزاج سے صاف اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ اپنے گھر میں اپنے شوہر سے بری طرح لڑ کر آئی ہے۔

''حد کرتی ہو تم شرمین! اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی آصفہ بھابھی تمہارے گھر میں کیا آگ لگا سکتی ہیں۔'' روجیل نے کہا۔

''کم بخت سارے مردوں کو کیا گھول کر پلاتی ہے، اس گھر کے سارے مرد اسی کے دیوانے ہیں۔''

روجیل کا ہاتھ اٹھ گیا، اس نے ایک تیز تھپڑ گھما کر ایسا شرمین کے منہ پر رسید کیا کہ کچھ دیر تو وہ گنگ ہی رہ گئی اور پھر طیش میں آکر پلٹی اور پیچھے ہی کھڑی آصفہ کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ جب تک شرجیل اور روجیل دوڑے یاسمیعہ نے اس کا ہاتھ کھینچا چاہا وہ تین چار تھپڑ آصفہ کے گال پر گھما کر لگا چکی تھی، روجیل نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا، لیکن وہ تیزی سے اچک رہی تھی۔ اچھل کر بھائی کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''روجیل چھوڑ دو بہن کو، یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' عالیہ بیگم چیخیں تو اس نے ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیے اور وہ پھر پھرتی سے آصفہ کی طرف لپکی۔

''ڈائن چڑیل! صرف تمہاری وجہ سے میرے گھر میں شوہر نے پیٹا اور یہاں بھائی پیٹ رہا ہے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تمہیں اس گھر میں رہنے نہیں دوں گی۔ تم دفع ہو جاؤ، چلی جاؤ یہاں سے۔'' وہ ہر بری بات اور ہر بری انتہا سے گزر جانے والی تھی۔

''سمجھائیں نا اب، پکڑیں اسے امی! کم بخت اپنا گھر برباد کر کے آئی ہے، اب اس گھر کو تباہ کرنے پر تلی ہے۔ اس کی باتیں سنیں، اتنی لمبی زبان ہے، کون آدمی اسے اپنے گھر میں رکھے گا۔'' روجیل کو بھی طیش آیا تو اس نے بھی نہ بخشا اور یوں تپنا تو شرجیل کو چاہیے تھا اور وہ تپ بھی رہا تھا، لیکن شرمین کے ایسے جلال سے گھبرا بھی گیا تھا۔ آصفہ خود ایسی افتاد پر گھبرا گئی تھی اور پھر شرمین کے یوں مارنے پر وہ آگ بگولہ ہو گئی تھی، لیکن کہنے کے لیے اسے بھی کچھ نہ سوجھ رہا تھا۔ یہ بالکل اچانک ہی آفت تھی جو اس پر ٹوٹی تھی۔

''آپ کچھ نہ کہیں گے، ہر زیادتی پر یونہی خاموش رہیں گے۔'' جب اس کو کچھ عقل آئی تو وہ شرجیل کی طرف آئی۔

''چھوڑو چلے جاؤ تم سب لوگ یہاں سے، میری بیٹی کا گھر اُجڑ رہا ہے۔ اور یہاں ہر کوئی اپنا اپنا تماشا لیے بیٹھا ہے۔'' عالیہ بیگم نے ایک شرمین کی ہمدردی میں ہر کسی کو ناجائز نادم کرنا چاہا۔

شرجیل نے آصفہ کو کھینچا اور اسے لے کر نکلنے لگا۔

''آپ اسے اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتے شرجیل بھائی! یہ اگر اس گھر میں رہی تو میں اس کی اور اپنی دونوں کی جان ایک کر دوں گی۔'' شرمین پھر آگے آئی۔

''تم ادھر آؤ شرمین! ایک حد ہوتی ہے پاگل پن کی بھی۔ بے وجہ تم اس کے پیچھے پڑ گئی ہو، جاؤ اندر اپنی ماں کے پاس جاؤ۔'' اب سہیل احمد نے شرمین کو ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف دھکیلنا چاہا۔

''تم لوگ جاؤ۔'' انہوں نے شرجیل کو حکم دیا۔

''میں اندر نہیں جاؤں گی، یہاں کھڑے ہو کر اتنا شور کروں گی کہ سڑک پر چلنے والے لوگ رک رک کر تماشا دیکھیں گے۔ اگر آپ نے اس چڑیل کو گھر سے باہر نہ نکالا۔۔۔۔'' وہ ہٹ دھرمی پر اتری ہوئی تھی۔

''ہاں جاؤ سڑک پر کھڑے ہو کر تماشا کرو، تم جیسی بد بخت بیٹیاں جس گھر میں ہوں وہاں عزت کا کیا سوال۔'' سہیل احمد کو بھی اب غصہ چڑھ گیا۔

''ارے اس بد بخت کے لیے سب مل کر میری بیٹی کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ آپ بھی اپنی اولاد کے دشمن ہو گئے، اس سے پوچھیں تو سہی، پتا تو کریں آخر بات کیا ہوئی ہے۔ یونہی پاگل نہیں ہو رہی۔ کوئی بات ایسی سامنے آئی ہوگی نا، اپنی اولاد پر بھروسہ نہیں کرتے۔'' اب عالیہ بیگم پھر درمیان میں آئیں۔

''آپ رہنے دیں امی! آپ کے سر چڑھانے کی وجہ سے ہی اس کا دماغ اتنا خراب ہوا ہے۔'' تیزی سے کہہ کر شرجیل آصفہ کو لے کر وہاں سے چلا گیا۔

''یہ دیکھو سگے بیٹے کو ماں سے بدظن کر دیا، کیسا منہ پر جملہ مار کر چلا گیا بیٹا اور آپ کھڑے منہ دیکھ رہے ہیں۔ پورے گھر کو کھا جائے گی یہ منحوس! مگر آپ کو یقین نہ آئے گا کہ اس گھر کی ساری بربادی اس کا براقدم ہی لایا ہے۔''

سہیل صاحب نے سر پیٹ لیا، روحیل نے توبہ کر لی، سمیعہ چپ کی چپ رہ گئی۔ وہ دونوں ماں بیٹیاں اپنے کمرے میں گئیں تو دیر تک اونچی آواز سے آصفہ اور پھر نیچی سی آواز میں سمیعہ کو بھی کوسنے لگیں۔

روحیل کو اتنا دکھ ہو رہا تھا، سمیعہ الگ پریشان اور صدمے میں پڑ گئی۔ اس کے لیے یہ سب کچھ اتنا برا اور بے درد تجربہ تھا، وہ خود کو نئے سرے سے سمجھانے کے عمل سے نہ گزرنا چاہ رہی تھی۔ بس اس کا فیصلہ آخری تھا۔

''آصفہ! تمہیں اس دن شرمین کے معاملے میں نہیں بولنا چاہیے تھا، وہ تب ہی سے تمہاری دشمن ہو گئی ہے۔'' کمرے میں جا کر شرجیل نے کہا تو وہ حیرت سے اس کی صورت دیکھنے لگی۔

''آپ جانتے ہیں ساری بات میں نے وضاحت سے آپ کو بتائی ہے، پھر بھی ایسے کہہ رہے ہیں۔'' اس کو اتنا دکھ ہوا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اس کا دل ویسے ہی بہت بھرا ہوا تھا۔

شرمین کا یوں اسے مارنا اور کوسنا ہی بڑی اذیت ناک بات تھی۔ اسے خود پر حیرت تھی کہ وہ چپ چاپ سہ گئی، کچھ بولی کیوں نہیں، کیوں نہ کچھ بول سکی۔ مار تو جانور کو لگے تو وہ بھی چلاتا ہے۔ رات کے بارہ بجنے لگے تھے، نیند نہ شرجیل کو آ رہی تھی، نہ آصفہ کو۔ وہ تو بستر میں لیٹی بھی نہ تھی۔ عجیب بے چین اور بے بس طبیعت ہو رہی تھی اس کی۔

جب دروازے پر گھنٹی بجی تو شرجیل خالی چھت کو گھور رہا تھا اور آصفہ صوفے پر بیٹھی روتے روتے

چپ ہو جاتی اور پھر کچھ دیر میں نئے سرے سے رونے لگ جاتی۔
شرجیل یک دم کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے ہی دروازہ بھی کھولنے کے لیے کمرے سے باہر کا رخ کیا۔
''روحیل تم! خیریت؟'' پیچھے اسے سمیعہ بھی نظر آئی۔
سامنے دیکھتے ہوئے روحیل نے اشارہ کر کے کہا۔
''آپ کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک یہ گھر چھوڑ چکی ہوتی۔ آپ نے ہمت دکھانے میں سچ مچ حد کر دی ہے۔''
''نہیں، اس وقت گھر چھوڑ کر جانے کا مطلب ہے کہ آصفہ یہ مان لے کہ وہی غلطی پر ہے۔'' سمیعہ نے فوری کہا تو شرجیل نے سوچا کہ یہ شاید ان کے دکھ کا ان سے زیادہ احساس کرنے والے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے چھت کو گھورتا شرجیل اپنی کم ہمتی پر سر ہی تو پیٹ رہا تھا۔
میں چلا جاؤں گا تو سوچا تھا کہ بھائی آپ کو سمیعہ کا خیال رکھنے کا کہہ کر جاؤں گا، لیکن اب تو سمیعہ کو کہنے والا ہوں کہ تم دونوں کا خیال رکھے۔''
''اب جتنی رہ گئی ہے، وہ بے عزتی تم کر لو۔'' شرجیل نے دکھ سے کہا۔
''کیوں نہیں، اپنی عزت اور اپنی ساکھ آدمی خود ہی بنا سکتا ہے۔'' وہ شرجیل کے اوپر بھی بہت جلا بیٹھا تھا۔
وہ لوگ آپس میں بات چیت کر رہے تھے، جب پھر گھنٹی بجی اور حبیب خان نے بتایا کہ دونوں بھائیوں کو عالیہ بیگم نے بلایا ہے۔
''اس وقت پھر کوئی ڈرامہ ہو گا۔'' روحیل نے کلائی کی گھڑی دیکھ کر کہا۔
''میں اب اس سے الجھنا نہیں چاہتا، میں نے اس کے دماغ کی گرمی دیکھی ہے۔ وہ اپنے شوہر کو بھی آصفہ سمجھتی ہے، اس کی عزت نہیں کرتی، بہت تکبر میں مبتلا ہے، اچھا ہے چار دن گھر سے بے گھر بیٹھے گی تو عقل ٹھکانے آ جائے گی۔'' شرجیل کہہ رہا تھا۔
''چلیں امی جان سے بات تو کر لیں، اس کی عقل کا تو امی جان نے ہی ستیاناس کر کے رکھا ہوا ہے۔'' روحیل بھائی کو لے گیا۔
ادھر آصفہ اور سمیعہ بیٹھی بس چپ ہی تھیں۔ بہت دیر خاموشی میں گزر گئی۔
''آپ جا کر سو جائیں سمیعہ! ان کو اب ماں کے پاس بیٹھ کر رات ڈھل جانے یا دن تک نکل آنے کا ہوش نہیں رہے گا۔'' وہ بہت جلی بھنی تھی، سمیعہ سے کہنے لگی۔
''اور روحیل بھائی اسی گھر میں انقلاب لانے کے لیے آپ کو بٹھا کر جا رہے ہیں۔ ارے بڑے بڑے ملکوں اور شہروں میں انقلاب لایا جا سکتا ہے، لیکن ہمارے ملک کے ایسے بیسیوں گھر ہیں جن میں بہت انقلابات کی ضرورت ہے مگر کسی ایک گھر میں انقلاب نہیں آ سکتا۔ جہاں سے آدمی کے سچ جھوٹ کی پہچان ختم ہوتی ہے وہیں زوال ہوتا ہے۔ یہ بڑی کھوٹی جنگ ہے۔'' آصفہ ہر طرح مایوس تھی۔ سمیعہ نے بات شروع کی تو واقعی اس کا ذہن بٹ گیا تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن میں پتا نہیں کیا سوچ کر یہاں رہنے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔'' وہ خود ابھی تک مطمئن نہ تھی۔

شرجیل اور روحیل آئے تو انہیں کچھ حیرت ہوئی۔ روحیل پھر یہاں آیا تھا، کوئی بات ضرور ہوگی۔

''آصفہ! صبح تم اپنی امی کے گھر چلی جانا، میں تمہیں خود چھوڑ آؤں گا۔'' شرجیل نے کہا تو حیرت اور صدمے سے اس کی جان ہی تو نکل گئی تھی۔

''دو چار دن کی ہی بات ہوگی، آصفہ! دیکھو معاملہ بہت الجھا ہوا ہے اور شرمین ایسی خودسر اور ضدی ہے کہ کسی کی سن ہی نہیں رہی۔''

''تو صرف اس کی جھوٹی اور بے جا ضد کے لیے آپ اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیں گے۔ واٹ نان سینس اور روحیل! آپ بھی ساتھ ملے ہوئے ہیں۔'' سمیعہ اتنی زیادہ چڑ گئی کہ پیر پٹخ کر بولی تھی۔

''شرمین کی ضد کی وجہ سے نہیں، اپنے والدین کی مجبوری کی وجہ سے چپ ہیں۔ شرمین کہہ رہی ہے کہ آصفہ اپنی ماں کے گھر نہیں جائے گی جب تک وہ اپنے گھر نہیں جائے گی، اور ہم نے یہ کہا ہے کہ صبح آصفہ بھابھی کو ان کی ماں کے گھر چھوڑ کر شرمین کو اس کے گھر چھوڑ آئیں گے۔ اس کے شوہر سے بات کر کے معاملہ دبانا ضروری ہے نا، بڑھ گیا تو مشکل ہوگی۔ آصفہ بھابھی آپ سمجھتی ہیں نا۔'' روحیل اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

''بجائے اس کے کہ آپ اسے سمجھائیں، آصفہ بھابھی کو سمجھانے چلے آئے ہیں۔ آپ لوگ کیسی الٹی طبیعت کے بندے ہیں۔'' وہ پھر تیزی سے بولی۔

''اسے نہیں سمجھا سکتے، وہ نہیں سمجھتی، نادان ہے، بے عقل ہے، جبھی تو آصفہ بھابھی کو سمجھانے بیٹھے ہیں کہ یہ سمجھ جائیں گی۔'' وہ جھنجھلا کر بولا۔

''نادان اور بے عقل کہہ کر آپ کی بہن مقدمے سے ہی چھوٹ گئیں۔ بہت غلط بات ہے، ابھی کچھ دیر پہلے آپ اعتراف کر رہے تھے کہ سراسر غلطی بلکہ زیادتی شرمین کی ہی ہے۔''

''ہم اب بھی یہی کہہ رہے ہیں، لیکن امی جان خود شرمندگی سے کہہ رہی ہیں۔ وہ بھی مان گئی ہیں کہ شرمین کی غلطی ہے اور کہہ رہی ہیں کہ ہوسکتا ہے رات یا شام تک ہی میں آصفہ کو لینے چلا جاؤں۔'' شرجیل نے آصفہ کو دیکھ کر بہت نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میں صبح چلی جاؤں گی۔'' آصفہ نے سر جھکا کر کہا تو سمیعہ نے غصے سے پلٹ کر اسے دیکھا اور ابھی وہ اسے کچھ سنانے ہی والی تھی کہ آصفہ نے بات آگے بڑھائی۔

''لیکن پھر واپس اپنی مرضی سے آؤں گی، آپ لینے نہ آیئے گا۔ اور ہوسکتا ہے کبھی نہ آؤں۔'' اتنی سختی سے اس نے کہا کہ دونوں بھائی قطعی حیران اور پریشان رہ گئے۔

''دیکھو آصفہ! ایسی باتیں نہ کرو جنہیں نبھانا مشکل ہو جائے۔ تم ضدی تو نہیں ہو، نہ ہی ہٹ دھرم ہو۔''

''جو ضدی نہیں ہوتے وہ کبھی کبھی ضد کر جاتے ہیں اور اس بار شاید آپ کو میری ضد بہت مہنگی پڑے۔'' وہ اتنی پتھر بن گئی کہ شرجیل سے بات کرنا مشکل ہو گیا۔

''آصفہ بھابھی! یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے، آپ ایک دو دن کے لیے میکے تو جاتی ہی ہیں، بس اسی طرح جائیں اور واپس آجایئے گا۔'' روحیل بھی کہنے لگا۔

''مت منائیں انہیں، آپ نے ایک شخص کو قربانی کا بکرا ہی سمجھ لیا ہے، ہر الٹی سیدھی بات ان ہی سے منوالیں۔ مجھے ''آپ'' سے ایسی امید نہ تھی۔'' سمیعہ نے ''آپ'' پر زور دے کر اپنے شوہر سے کہا۔

''دیکھو شرمین کو سمجھانا بہت مشکل ہے، وہ بالکل سر پھری ہے۔''

''تو آپ لوگوں نے سوچا مشکل کام کون کرے، آسان کام کیے لیتے ہیں۔''

''تم اتنی کیوں الجھ رہی ہو، ایک چھوٹی سی بات کو اتنا بڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔''

''آپ کی بہن اپنے میاں سے لڑ جھگڑ کر آگئی، یہ چھوٹی بات ہے۔ اب وہ کہہ رہی ہے بھابھی کو گھر سے نکال دو تاکہ اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو، اب بھائی کا گھر داؤ پر لگا دیں، یہ بھی چھوٹی بات ہے۔''

''دیکھو سمیعہ! یوں مت بولو ہمارے معاملات میں، آخر ہے تو بہن، میں اس طرح کی بات اس کے بارے میں نہیں سن سکتا۔'' سمیعہ کاندھے اچکا کر پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

پھر شرجیل آصفہ کو منا نہ سکا۔ اس نے کوئی بات ہی نہ کی۔ وہ ساری رات پریشان رہا۔ کتنی دیر آصفہ سے الجھا لیکن وہ بحث سے بھی بچ کر رہی۔ صبح روحیل ناشتا کیے بنا بڑے بھائی کی طرف چلا آیا۔

''میں نے امی جان سے کہہ دیا ہے، آصفہ نہیں جائے گی اور آپ زبردستی دھکے دے کر اسے نکال نہ سکیں گی۔'' وہ چھوٹے بھائی کا منہ تکنے لگا۔

''شرمین بہت واویلا مچائے گی۔''

''سمیعہ کا کہنا ٹھیک لگ رہا ہے، وہ بے وجہ ایسی حرکت کر رہی ہے ورنہ اپنے فیصلے وہ آصفہ کی وجہ سے بدلنے یا بگاڑنے والی نہیں۔''

''روحیل! ہمیں اپنی بہن کی خاطر تو بہر حال کچھ کرنا چاہیے۔''

''آصفہ کی کوئی غلطی نہیں، اس کے ساتھ زیادتی ناممکن ہے۔ چھوڑ دو، خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ۔ امی جان خود ہی کچھ کر لیں گی۔ آخر چارہ نہ رہا تو شرمین ہی کو منائیں گی نا۔'' وہ بہت جھنجلایا، خود روحیل بہت دکھی سا اسلام آباد کے لیے روانہ ہو گیا۔ دس بجے کی اس کی فلائٹ تھی۔ ایک بار امی اور شرمین کو اس نے منانے کی کوشش کی لیکن آصفہ بھابھی کو اب سوائے اللہ حافظ کے اس نے کچھ نہ کہا۔

شرمین اپنی ماں کے ساتھ مل کر گھر جانے لگی تھی۔ یہ بات سمیعہ نے سمجھی تھی مگر ایسا نہیں تھا، وہ اس کی تیاری سے دھوکا کھا گئی۔ حقیقت یہ سامنے آئی کہ عالیہ بیگم خود آصفہ کے گھر آگئیں۔

''جب میں نے کہہ دیا ہے کہ تم چلی جاؤ پھر یہاں کیوں بیٹھی ہو۔'' انہیں دیکھ کر آصفہ سٹپٹا ضرور گئی لیکن پھر تن کر کھڑی ہو گئی۔

''میں ابھی نہیں جاؤں گی، میرا جی نہیں چاہ رہا۔'' وہ کہہ گئی۔

''ارے کیسے نہیں جاؤ گی، چلو جلدی تیاری کرو، اپنا سامان پکڑو، پہلے میں تمہاری ماں کے گھر روانہ کروں گی پھر شرمین اپنے گھر جائے گی۔ یہ اس کی ضد نہیں، بس سچائی یہی ہے۔ میں نے پہلے دن

سے جان لیا تھا کہ تم اس گھر کے لیے منحوس ہو۔''

''پلیز آنٹی! آپ اس طرح میرے گھر میں کھڑے ہو کر مجھ سے ایسی باتیں نہ کریں۔''

''ارے تیرا گھر، کیا جہیز میں لائی ہے۔ میرے بیٹے کا ہے سب کچھ، سیدھی طرح چلتی ہو کہ چوکیدار کو بلاؤں۔ خیر تجھے دھکے دینے کے لیے تو میں اور شرمین ہی کافی ہیں۔''

عالیہ آنٹی کے تیور دیکھ کر وہ بری طرح گھبرا گئی۔ وہ سمجھی تھی جو نظر آ رہا ہے، سب بدل گیا ہے تو عالیہ آنٹی کا مزاج بھی بدل گیا ہوگا لیکن یہ کیسے ممکن تھا۔

''لڑکی جو کچھ جہیز میں لائی ہے، وہی اس کی ملکیت نہیں ہوتی اور اگر ایسا ہے تو آپ جس گھر میں کھڑی ہیں، وہ آپ کا بھی نہیں کیونکہ آپ اسے جہیز میں تو نہیں لائیں۔''

''ارے تم میرے ساتھ زبان چلاتی ہو، تمہاری یہ مجال کہ تم مجھے طعنہ دو۔'' وہ بڑھ کر اسے ایک تھپڑ گھما کر رسید کر دیتیں لیکن آصفہ فوراً پیچھے ہو گئی۔ عالیہ بیگم کو بہت جھٹکا لگا لیکن وہ فوراً سنبھل گئیں۔ وہ حیران تھیں یہ آصفہ کیسے ایسی زور آور بن گئی۔

ساری اس کم بخت سمیعہ کی کارستانی ہے۔ اسے تو ایسا سبق دوں گی کہ عمر بھر یاد کرے گی۔

لیکن آصفہ کو سبق دینے والی سمیعہ نہیں تھی، اس کو ہمت اس کے اپنے خیالوں نے ہی دی تھی۔ وہ پہلے دن سے اس گھر میں زیادتیاں سہہ رہی تھی۔ قدم قدم پر مرتی، مٹتی، پس جاتی اور پھر اسی گھر میں خود کو ممکن کر لیتی مگر کب تک۔ اب عالیہ آنٹی کو ایسا جنون چڑھا تھا، وہ اسے گھر سے نکالنے کے درپے تھیں۔ پہلے بھی اسی طرح ایک بار کی ناکامی کے بعد انہوں نے اسے اکیلے دیکھ کر اس پر حملہ کیا تھا۔ وہ سب کچھ سہہ کر چپ رہ گئی تھی۔ اب شرمین کو جوش چڑھا تھا۔ جھوٹا دعوا اور کھوٹا جنون۔۔۔ اس بار بھی اس کے سامنے وہ کامیاب نہ ہوئیں تو اکیلے میں اس پر چڑھائی کرنے آئی تھیں، لیکن یہ کیا کہ جب جس کا جی چاہے اسے اس گھر سے نکل جانے کا کہتا منہ اٹھائے چلا آئے۔ اب تو گھر کا حصہ بھی اس کا اپنا بنا دیا گیا تھا۔

''حبیب خان! او حبیب خان!'' کچھ دیر میں عالیہ بیگم نے چلا کر چوکیدار کو آواز دینی شروع کر دی۔ ان کی آواز پر شرمین پہلے دوڑی ہوئی آئی۔

''جی بیگم صاحبہ!'' چوکیدار بھی پیچھے دوڑا آیا۔

''گاڑی نکلواؤ، آصفہ بی بی اپنے گھر جا رہی ہیں اور شرمین بھی۔'' انہوں نے سختی سے کہا۔ ان کا خیال تھا، اب ضرور آصفہ کا دل دہل گیا ہوگا۔

لیکن آصفہ مڑ کر اندر اپنے کچن میں چلی گئی۔ چولہے پر سے دودھ کو اس نے اطمینان سے نیچے اتارا اور دوسرے کام میں لگ گئی۔

یک دم عالیہ بیگم کی سمجھ میں اس کا اطمینان نہ آیا تو وہ اتنی جھنجلائیں کہ شرمین کو بری طرح جھڑک دیا۔

''تم خود کچھ نہیں کر سکتیں تو میرے کان کیوں کھاتی ہو۔'' شرمین جو خود بھی آصفہ کے انداز پر حیران ہوئی تھی، کچن کی طرف لپکی۔

''ارے آپ کس بات پر اتنا اکڑ رہی ہیں۔'' وہ اپنے کام میں مگن رہی۔ کسی ڈبے سے دال نکال کر اسے چن کر اب پتیلی میں ڈال کر دھو رہی تھی۔

''چھوڑو یہ سب اور نکلو یہاں سے۔'' اب شرمین نے بڑھ کر اس کے ہاتھ پر اتنی بری طرح ہاتھ مارا کہ دال کی پتیلی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور ساری دال سنک میں ارد گرد تک بکھر گئی۔ وہ شدید جھلائی لیکن شرمین کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''اچھا آؤ چلو۔'' اس نے شرمین کی کلائی پر اپنا ہاتھ مضبوط رکھا تھا۔ شرمین کچھ سمجھی نہیں، مگر اس کے ساتھ تیزی سے چلتی باہر گیٹ کی طرف ضرور آئی۔

''اپنے بیٹے کو تو لے لو۔'' ان کے پیچھے عالیہ بیگم کی آواز آئی۔

لیکن شرمین کو گیٹ کے باہر کھڑا کر کے وہ پھرتی سے اندر لپکی اور تیزی سے گیٹ بند کر دیا۔

''اب تم جا کر ہر کسی سے کہہ دینا کہ میں نے تمہیں اپنے گھر سے نکال دیا ہے۔'' وہ چیخ کر شرمین سے کہتی ہوئی صحن میں حیران سی کھڑی عالیہ بیگم کو دیکھنے لگی۔

''آپ میرے گھر میں آئیں، بیٹھیں، میں آپ کی عزت کروں گی لیکن اپنے گھر سے اپنی مرضی کے بغیر نہیں جاؤں گی۔'' عالیہ بیگم تلملا کر رہ گئیں۔

''میں ابھی شرجیل اور سہیل صاحب کو بلاتی ہوں۔'' وہ پیر پٹختی باہر نکلیں تو آصفہ نے پھر تیزی سے اپنا گیٹ بند کر دیا۔

آصفہ نے سب کچھ اتنی پھرتی اور جوش میں کیا کہ وہ دونوں ماں بیٹی صرف ہاتھ ملتی رہ گئیں۔

''کم بخت، چھوڑوں گی نہیں۔''

''آجائیں شرجیل بھائی! آج اسے گھر سے نکلوا کر دم نہ لیا تو میرا نام شرمین نہیں۔''

''ارے اس کے آنے کا انتظار کریں گے، فون ملاؤ، ابھی ابھی بلاؤ۔ بولو امی جان کی طبیعت بہت خراب ہے، دوڑا ہوا آئے گا۔''

سمیعہ اپنے کمرے سے لاؤنج کا چکر لگاتے سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔ اسے پتا نہ تھا کہ آصفہ کے ساتھ ان کا کیا معاملہ ہوا تھا، بلکہ اسے اندازہ ہی نہ ہوا تھا کہ وہ آصفہ کے پاس گئی ہیں۔ شاید وہ نہانے گئی تھی اور یہ دونوں آصفہ کی طرف چلی گئی تھیں لیکن اب ان دونوں کی باتوں اور جلے بھنے لہجوں سے اسے کافی اندازہ ہو رہا تھا۔

پھر اس نے دیکھا شرجیل سچ مچ دوڑا ہوا آیا۔ ماں کو ٹھیک ٹھاک دیکھ کر حیران ہوا مگر انہوں نے اس طرح بیٹے کو سارا قصہ الف سے یے تک سنایا کہ اس کا خون کھول اٹھا۔ کسی بھی شخص کا خون کھول سکتا تھا، اگر اسے ایسی باتیں سنائی جائیں۔

''اس نے شرمین کو ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر سے باہر نکال دیا، بے چاری صرف اس سے ملنے گئی تھی۔ میں نے طرف داری کی تو مجھے بھی خوب سنائیں، کہتی ہے جس گھر میں آپ رہتی ہیں وہ بھی میرے انکل کا ہے، آپ کا نہیں اور میں نے شرمین کی طرف داری کی تو مجھے بھی کہہ دیا کہ اس کے گھر سے چلی جاؤں۔ اب شرمین کے میاں کو فون کرنے گئی تھی، کہہ رہی تھی ایسا اسے سناؤں گی کہ دوبارہ شرمین کی

صورت دیکھنے نہ آئے گا۔ بس اسی لیے تمہیں فون کیا، مجھ سے تو وہ رو کی نہیں جاتی۔''

''آرام سے دیکھو بیٹا! کوئی تلخ کلامی نہ کرنا، یہ ٹھنڈا پانی تو پی لو۔'' شرمین پانی میں کوئی شربت گھول کر لے آئی تھی۔

شرجیل اٹھ کر اپنے گھر کی طرف گیا تو اس کے تیور خطرناک تھے۔ سمیعہ شرجیل کے ساتھ عالیہ بیگم کی بات چیت تو زیادہ نہ سن سکی تھی کیونکہ اپنے کمرے میں انہوں نے اسے سب سنایا تھا لیکن اندازہ بہت کچھ لگا لیا۔

''کیا کہا تھا تم نے، اس بار گئیں اپنی ماں کے گھر تو واپس نہ آؤ گی، جب اپنی مرضی ہوگی تب آؤ گی۔''

وہ تپتا، جھلستا، انگارے برساتا اس کے سامنے کھڑا تھا، وہ سچ مچ سہم گئی۔ اپنی ہر سچی بات، اپنا ہر ٹھیک اندازہ کہ وہ حق پر تھی، وہ ٹھیک کر رہی تھی، لیکن آپ کی ہر سچائی کو ثابت کرنے والا کوئی تو ہو، امید کسی سے تو ہو، مگر کس سے؟ شرجیل جیسے جیون ساتھی سے۔ کم ہمت، کم اعتبار، ہر وقت مجبور ہو جانے والا۔

وہ بکھر گئی اور پھر بگڑ گئی۔

اس نے پلٹ کر اپنے گھر کی طرف دیکھا، غصے سے بے قابو ہوتے اپنے شوہر کو دیکھا اور اپنے چھوٹے سے بیگ میں سامان سمیٹنے لگی۔

اپنے بچے کو گود میں اٹھایا، دوسری طرف کاندھے پر اپنا بیگ لٹکایا اور باہر کی طرف چل پڑی۔

''ٹھہرو، رکو، اکیلی کہاں جاؤ گی، میں خود تمہیں تمہارے ماں باپ کے حوالے کرنے جاؤں گا۔ کہہ دوں گا کہ اپنی امانت اپنے پاس ہی سنبھال کر رکھیں، ہم سے تو نہیں سنبھلتی۔'' لپک کر شرجیل اس کے پیچھے گیا، لیکن آصفہ نے کان بند کر لیے تھے، دل بند کر لیا تھا، بس آنکھیں کھلی رکھیں جو پلٹ کر دیکھنا نہ چاہ رہی تھیں۔

''ارے رکو آصفہ! سن کیوں نہیں رہی ہو۔''

لیکن وہ باہر سڑک تک نکل گئی تھی، اسی دم پاس سے گزرتے ایک رکشے کو ہاتھ دیا جو فوراً رک بھی گیا اور وہ بہت تیزی سے اس میں سوار ہونے لگی۔

''پاگل ہو، رک جاؤ۔ میں کہہ رہا ہوں، میں تمہیں اس طرح نہیں جانے دوں گا۔'' اس نے بہت ہلکی آواز میں کہا۔

''جب مجھے آپ کے گھر سے چلے ہی جانا ہے تو طریقوں پر غور کرنا حماقت ہے۔''

وہ بھی بہت نپی آواز میں جواب دے کر رکشا میں بیٹھ گئی۔

شرجیل کچھ دیر تو الجھا، جھنجھلایا پھر صورت حال کو سمجھ کر اسے اچانک عجیب دکھ نے آگھیرا۔

آصفہ اس کے گھر سے چلی گئی۔

اس نے مار کھائی، طعنے سہے، بھوک کاٹی، کیسے کیسے ظلم برداشت کیے، انجام یہی ہونا تھا تو اس کی ساری تپسیا تو بے کار گئی، اس کا ضبط رائیگاں گیا۔

''چلی گئی، سچ مچ دفع ہوگئی۔'' عالیہ بیگم کو یقین نہ آ رہا تھا، حالانکہ شرمین بار بار کہہ رہی تھی کہ اس

نے سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

''خدا کا احسان، میرے بچے کی جان چھوٹی۔''

''چل شرمین! اب میں تجھے بھی تیرے گھر چھوڑ آؤں۔''

وہ اطمینان سے ہوئیں تو شرمین کے مسئلے کی طرف دھیان دیا، لیکن شرمین اپنے بالوں کو اونچے جوڑے میں باندھ کر لاپروائی سے ٹانگ پھیلا کر بیٹھ گئی۔

''چھوڑیں امی! کل چلی جاؤں گی۔ آج موڈ نہیں ہو رہا۔'' اسی وقت شرجیل اپنی ماں کے پاس چلا آیا۔

''ارے تم نے جینا حرام کیا ہوا تھا کہ آصفہ جائے گی تو میں اپنے گھر جاؤں گی۔ اب آصفہ چلی گئی تو تمہارا یہاں رکنے کا جواز۔۔۔ چلو اٹھو، میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑتا ہوا واپس اسپتال جاؤں گا۔'' شرجیل رکھائی سے کہنے لگا۔

''بیوی کو نکال کر کیا بہن کو گھر سے نکالیں گے، جب میں کہہ رہی ہوں کہ آج میرا جی نہیں چاہ رہا تو آپ زبردستی کریں گے کیا؟''

شرجیل کی مثال ایسی ہی تھی کہ آپ کھوئے آپ ہی روئے۔

''امی! اس کو سمجھانے والا دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوا کیا۔'' وہ دھم دھم کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

سمیعہ اتنی دلبرداشتہ ہوئی تھی کہ اپنے کمرے سے نکلنے کا اور اپنے ہی گھر کے لوگوں سے (اب سسرال ہی اس کا گھر تھا) ملنے کا اس کا جی نہ چاہ رہا تھا۔

شام ڈھلنے لگی تھی، اس کو خبر تھی، کھانا وہ نہ پکائے گی تو اس گھر میں چولہا ہی نہ جلے گا۔ اس کے ساتھ آصفہ والے سارے سلوک دہرائے جاتے تھے۔ وہ اتنا گھیرے میں نہ آئی تھی لیکن اب اس نے انجام کو اتنے قریب سے دیکھا تھا کہ اندر سے وہ کپکپا اٹھی تھی۔

جب اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تو وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بے خبر چھت کو گھور رہی تھی۔ اس نے زندگی بھر میں ایسی وحشت اور یوں تنہائی کا مقابلہ نہ کیا تھا۔

دستک بہت بڑھی تو وہ اٹھی اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے شرمین کھڑی تھی۔

''خیریت ہے بھابھی! آپ اتنی دیر سے کمرے میں گھسی ہوئی ہیں، ہم سمجھے جانے کیا ہو گیا ہے۔'' وہ یوں کہہ رہی تھی جیسے خدانا خواستہ اس کے مر ہی جانے کا گمان کر رہی ہو۔ یوں بھی وہ اس وقت اتنی فتوطی ہو رہی تھی کہ کوئی اچھی بات نہ سوچ سکتی تھی۔

''امی جان کو تو ایسی فکر لاحق ہوئی ہے، جانے کہاں سے کہاں تک خیالات چلے جاتے ہیں۔''

اس کا دل اتنا ہولا تھا کہ شرمین کی بات کے جواب میں شیطان نے پورا زور لگا دیا کہ وہ اپنا ضبط گنوا کر رکھ دے لیکن اتنا کچھ دیکھ اور سن کر وہ برداشت کر رہی تھی تو اب کیونکر ہار جاتی۔ یوں بھی شرمین سے نہ الجھنے کی اس نے پہلے دن سے ٹھان لی تھی۔

''بس ذرا نیند زیادہ آ گئی اسی لیے سر بھاری ہو رہا تھا۔''

''آپ کے بھی ٹھاٹ ہیں، شادی کے بعد بھی اپنی مرضی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ جب چاہا سو لیا

جو چاہا کھالیا اور نصیب دیکھیں۔ راتوں کو بھی نہیں جاگنا پڑتا، کوئی ستانے والا ہی نہیں۔'' شرمین کو یوں بھی دل لگی کے لیے کوئی معاملہ چاہیے تھا۔

''امی جان کہاں ہیں اور کھانا بن گیا یا نہیں۔ مجھے بڑی بھوک لگ رہی ہے۔'' اس نے یوں کہا کہ جیسے شرمین کی کوئی بات سنی ہی نہ ہو۔

''آپ کھانا پکائیں گی تو کھائیں گے نا، یہ امی جان اسی لیے آپ کو بلا رہی تھیں۔''

''بھلا اس وقت تک کھانا ہی نہیں پکا، آخر تم اتنے گھنٹوں سے کیا کر رہی تھیں۔''

''آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں گھر بھر کے لیے کھانا پکاتی پھروں گی۔ یوں بھی میں تو یہاں مہمان ہوں۔''

''تم اور مہمان۔۔۔ مہمان اسے کہتے ہیں جو واپس جانے کا نام ہی نہ لے۔'' اس نے کڑک لہجے میں کہا۔

''افوہ! تو آپ نے بھی اپنی اوقات دکھانا شروع کر دی، ارے میں اپنی ماں کے گھر ہوں۔ میری مرضی، چاہے جتنے دن رہوں، آپ مجھے کچھ بھی نہیں کہہ سکتی ہیں۔''

''یہی تمہاری ماں کا گھر ہے اور اب یہی میرے میاں کا گھر بھی ہے، میں پورا حق رکھتی ہوں اعتراض کرنے کا۔''

''امی۔۔۔ اوامی! کہاں ہیں آپ، سب میرے دشمنوں کو ہی آپ نے اپنے گھر میں پالا ہے۔'' وہ چیختی چلاتی ماں کے کمرے کی طرف جانے لگی تو سمیعہ بھی اس کے پیچھے ہی چل دی۔

''لیجیے اب یہ آپ کی چھوٹی لاڈلی بہو نے بھی مجھے طعنے دینے شروع کر دیے۔'' شرمین نے کہا اور اس سے پہلے کہ عالیہ بیگم کچھ سمجھتیں اور اسے جواب دیتیں سمیعہ نے فوراً بات بڑھائی۔

''دیکھیں امی! کہہ رہی ہے کہ یہ میری ماں کا گھر ہے اور اسے پروا بھی نہیں کہ کھانا اب تک نہیں پکا تو پکا بھی لیا جائے، آخر سب گھر والے کیا کھائیں گے۔''

''ہائیں، کھانا پکانا میرا کام تھوڑی ہے۔ آپ کا گھر ہے آپ پکائیں۔'' وہ بولی تو سمیعہ ہنس دی۔

''چلو تم نے مان لیا کہ یہ میرا گھر ہے، تمہارا نہیں۔'' عالیہ بیگم صرف سمیعہ کی تیزی اور چالاکی پر غور کرتی رہ گئیں۔

''یہ میں نے کب کہا کہ میرا نہیں۔ میرے ماں باپ کا گھر، میرا ہی ہوا۔''

''جب تمہارا ہی ٹھہرا تو تم پروا کیوں نہ کرو اس گھر کی، ایک بات پر ٹک ہی نہیں رہیں۔''

''دیکھ رہی ہیں امی! ایک ذرا سا کھانا پکانے کے لیے کتنی تاویلیں گڑھ رہی ہے۔ آپ کی بیٹی کو اتنا کام چور تو نہیں ہونا چاہیے امی جان!''

''تم کس سے الجھ رہی ہو سمیعہ! یہ اپنی مرضی کی مالک ہے، ویسے بھی یہ تو دو چار دن کی مہمان ہے، اسے مت تنگ کرو۔''

ان کا لہجہ جانے کیوں دب سا گیا تھا یا وہ کسی اور طرح ظاہر ہونے کے چکر میں تھیں۔

''ٹھیک ہے امی! پھر کھانے کا کیا انتظام کریں، آج تو میری طبیعت عجیب سی ہے، مجھ سے کچھ نہ

پکایا جائے گا۔'' وہ بھی لاپرواا ور بے نیاز ہی بنی رہی۔
اور عالیہ بیگم سر ہلا کر سچ مچ نہ پکائے جانے کا حل سوچنے بیٹھ گئیں۔

آصفہ اپنی ماں کے گھر کی دہلیز پر سر جھکا کر چلی آئی۔ نہ روئی، نہ چلائی۔ اپنا بیگ اور پرس چپ چاپ جا کر اپنے کمرے میں رکھ دیا۔ گود میں سوئے ہوئے بیٹے کو بستر پر آرام سے سلا دیا اور خود ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کروں، اتنی دیر میں اپنی ماں کو اپنے پیچھے کھڑا محسوس کیا۔
''کیسی ہیں امی آپ! اور گھر میں سب لوگ کیسے ہیں؟'' وہ بہت نارمل نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔
''سب ٹھیک ہیں، تم ٹھیک تو ہو۔'' وہ بھی خود کو نارمل ظاہر کرنا چاہ رہی تھیں، حالانکہ آصفہ کا یوں بے وقت اکیلے میکے چلے آنا۔ ان کا یہ انداز تھا کہ وہ رکشا میں آئی تھی، کیونکہ باہر گیٹ پر رکشا رکنے کی آواز آئی تھی اور آصفہ کی صورت پر صاف لکھا نظر آتا تھا کہ اس کی قسمت کی لکیر مایوسیوں کی زد میں ہے لیکن وہ اسی کی خاطر پوز کر رہی تھیں کیونکہ وہ خود بھی اپنے حالات پر چپکی بیٹھ رہنے کی ٹھانے ہوئے تھی۔
''میں بالکل ٹھیک ہوں، یہاں رہنے کے لیے آئی ہوں، آپ کو بہت گلہ تھا نا کہ میں آپ کے پاس کم آتی ہوں۔'' (اب ہمیشہ کے لیے آ گئی ہوں)
آصفہ اتنی دلیر جانے کیسے ہوگئی تھی، بہت کچھ سہہ کر چپ رہنا تو اس نے سیکھ ہی لیا تھا، اب چھپانا بھی سیکھ رہی تھی۔
''ٹھیک ہے، کچھ کھاؤ گی پیو گی یا ابھی آرام کرو گی۔'' امینہ بیگم بیٹی کی صورت دیکھ دیکھ کر گھبرا رہی تھیں۔ ایسی صورت حال سے بڑے بڑے دل گردے والے لوگ پناہ مانگتے ہیں۔ وہ جی ہی جی میں یہی ورد کر رہی تھیں کہ جو کچھ وہ سوچ رہی ہیں، وہ غلط ہی ہو۔
''امی! ابھی میں آرام کروں گی، منا بھی سو رہا ہے تو میری بھی کچھ تھکن دور ہو جائے گی۔ شام تک ابو بھی آ جائیں پھر سب مل کر چائے پئیں گے اور باتیں کریں گے۔''
اور ابو آئے تب تک وہ اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی۔ ایک ٹھہراؤ سا اس کے اندر آ گیا تھا۔
''السلام علیکم ابو جی!'' وہ جلال صاحب کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔
وہ ابھی آفس سے کچھ ہی دیر پہلے آئے تھے اور شاید امینہ بیگم نے ابھی اس کے بارے میں انہیں کچھ نہیں بتایا تھا، جب ہی وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔
''او ہو ہماری آصفہ آئی ہے۔ بھئی بیگم! پہلے نہیں بتایا بلکہ فون ہی کر دیتیں، میں کچھ فروٹ یا گرم گرم سموسے اور دہی پھلکیاں وغیرہ ہی لے آتا۔''
جلال صاحب بیٹی کی صورت دیکھ کر ہی خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے، کچھ غور کرنے یا سوچنے اور فکر کرنے کی حد تک نہ پہنچے تھے۔ یوں بھی آصفہ جب بھی آتی ان کی اس سے اسی طرح ملاقات ہوتی۔ یہ کوئی انہونی بات نہ تھی جس پر وہ تردد کرتے۔
''ہاں تو کیسی ہے ہماری آصفہ! اور ہاں ہمارا ننھا شہزادہ کہاں ہے؟'' انہوں نے تیزی سے نظر

دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں یوں رو رہا ہے جیسے کچھ کھو گیا ہو۔'' امینہ بیگم نے چائے دانی میز پر رکھتے ہوئے آصفہ کو دیکھا۔

''ارے بیگم! آپ تو بچے کے رونے میں فلسفہ تلاش کر رہی ہیں۔'' وہ چپ چاپ چائے پیالیوں میں انڈیلنے لگی اور ایک ایک پیالی اپنے امی اور ابو کی طرف بڑھاتے ہوئے خود بھی چائے پینی شروع کر دی۔

''ارے خالی چائے کیوں پی رہی ہو، یہ بسکٹ یا کیک لو اور کباب تو میں نے تمہارے لیے ہی تلے ہیں۔ رات کو طلعت اپنے میاں کے ساتھ آئی تھی تو میں نے بنائے تھے۔''

''امی! طلعت آئی تھی، کیسی ہے وہ۔'' اپنی گہری دوست کے ذکر پر اس کے لہجے میں ایک ملال سا گھل گیا۔

''بہت اچھی ہے بلکہ شادی کے بعد اور اچھی ہو گئی ہے۔ اپنے میاں کے ساتھ خوش بہت ہے نا۔''

اسے لگا یہ پہلا جھٹکا اسی کی ذات کی دیواروں پر دراڑیں ڈالنے کے لیے لگایا گیا ہو۔ جیسے دنیا کی ہر لڑکی اپنے گھر میں اپنے میاں کے ساتھ خوش رہ رہی ہو، سوائے اس کے۔

وہ چائے کی پیالی بہت جلدی میں ختم کر کے اٹھ گئی۔ ''منا رو رہا ہے نا۔''

''آصفہ! تم نے کچھ کھایا کیوں نہیں، میں تو چائے کے ساتھ لنچ کر رہا ہوں، بھوک بہت لگی ہے۔'' جلال صاحب نے اسے اٹھتے دیکھ کر کہا۔

''لیکن میں نے دوپہر کو کھانا اچھی طرح کھا لیا تھا ابو جی! اب اس وقت کچھ کھاؤں گی تو طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''بھئی بیگم! اسے خود خبر ہے کہ طلعت بہت خوش ہے، اتنی وضاحتیں نہ دیا کرو، اسے گراں گزرتا ہوگا۔ کوئی آدمی اپنا نصیب خود تو نہیں بناتا۔''

''کمال کرتے ہیں آپ! اس نے خود ہی تو پوچھا کہ طلعت کیسی ہے اور اتنی سی بات سے کچھ نہیں ہوا، اس کا مزاج دوپہر سے ایسا ہی ہے۔ وہ آج اپنے گھر سے کچھ عجیب انداز میں آئی ہے۔'' وہ حیران سے ہوئے اور کچھ متردد بھی۔

''تم نے پوچھا نہیں کہ کوئی مسئلہ ہے یا بات ہے۔'' انہوں نے اپنی بیگم سے پوچھا۔

''ایک تو آپ کے بچے آپ کی طرح بولتے اتنا کم ہیں، ان کے سامنے ہم زیادہ بولنے لگیں تو ہم بے وقوف دکھتے ہیں۔'' وہ چڑ کر کہنے لگیں۔

''اب آصفہ دوپہر کو جب سے آئی تھی ایسا منہ بنا کر بیٹھی ہوئی تھی کہ سچ مچ کوئی اس سے کیا بات کرے۔''

''ہوں، میں خود پوچھتا ہوں۔'' وہ اٹھنے لگے۔

''عالیہ کو بیٹی دے کر کیسے خوار سے ہو گئے ہیں ہم، خدا ایسی غلطی ہم سے آئندہ بیس صدیوں میں نہ کروائے۔'' امینہ بیگم کا چائے پینے کا جی بھی نہ چاہ رہا تھا۔

''آصفہ! اب تک بچے کو چپ نہیں کرا سکی ہو بیٹا۔'' جلال احمد یوں ہی ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگے، لیکن وہ مسلسل روئے جا رہا تھا۔ جب سے اٹھا تھا قابو میں ہی نہ آ رہا تھا اور شاید امی کی اس نئی نوکرانی کو بچہ سنبھالنا بھی نہ آتا تھا۔

''ارے ابو! آپ بیٹھیں، میں اسے دیکھتی ہوں۔''

''چھوڑو تم اسے، اپنے باپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرو اور بچے کو مجھے دے دو۔'' کچھ ہی دیر میں امینہ بیگم آئیں تو انہوں نے بچے کو آصفہ کی گود سے لے لیا اور اسے لے کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

''جی ابو! آپ یہی پوچھنے آئے ہیں کہ میں ٹھیک ہوں یا نہیں۔ یہ بات تو آپ جانتے ہیں کہ میں پہلے دن سے ہی اپنے گھر میں خوش نہیں ہوں اور اب میں نے سوچ لیا ہے کہ جب ناخوش ہی رہنا ہے تو میں وہاں کیوں رہوں۔ اس دنیا میں اور بہت سے ٹھکانے ہیں۔'' تھوڑی دیر کے لیے جلال صاحب حیرانی سے بیٹی کو دیکھنے لگے۔

تھوڑی دیر گزری تو آصفہ نے باپ کو ٹھنڈے لہجے میں ساری بات جو سمیعہ کی شادی سے شروع ہوئی تھی اور اب تک گزری تھی، یوں بتائی جیسے کسی اور کی بات بتا رہی ہو۔ دراصل وہ اپنے طور پر ایک فیصلے تک پہنچ گئی تھی اور اب جب وہ خود قائل تھی، اسے دنیا میں کسی کو قائل کرنا یا کسی کا سامنا کرنا مشکل نہ لگ رہا تھا۔

''ٹھیک کیا ہے تم نے اور ٹھیک سوچا بھی ہے۔ یہی بات بہت دنوں سے ہم تمہیں سمجھا رہے تھے۔''

شرمین پلٹ کر اپنے گھر واپس چلی گئی لیکن اس کا مزاج ہنوز کوہ پیما ہی تھا۔ وہ اپنے مطلب کی ہر بات سے یاری کرتی اور دوسروں کی غرض کی قطعی پروا نہ کرتی۔ پلٹ کر آئی تھی تو اس کے میاں نے سمجھا تھا کہ کچھ سُدھر کر آئی ہوگی، لیکن اس کا مزاج مزید بدتر ہو گیا تھا۔

صبح ناشتے کی میز پر اس نے یکے بعد دیگرے چھ انڈے تل کر رکھ دیے۔ ڈبل روٹی کے سلائس پورے کھول کر ٹرے میں سجا دیے اور چائے پورا تھرماس بھر کر میز پر رکھ دیا۔

''جی ناشتا تیار ہے۔'' کی صدا لگا کر اس نے خود کرسی گھسیٹی اور ناشتا کرنا بھی شروع کر دیا، حتیٰ کہ اس کا میاں بھی ابھی ناشتے کے لیے نہ پہنچا تھا۔

''ارے شرمین! بھوک بہت زیادہ لگی ہے کیا؟''

''کیا کروں، ناشتے کے بعد کاموں کے لائن لگی پڑی ہے۔ سارے گھر کا کام میری اکیلی جان پر ڈال کر بڑی بھابھی کیسے مزے سے میکے چلی گئی ہیں۔''

''توبہ کرو تم اتنے دنوں میکے رہ کر آئیں تو انہوں نے مجال ہے کہ اُف بھی کی ہو، سارے گھر کا کام کرتیں اور کسی کو پتا بھی نہ لگتا کہ کام ہوا ہے۔''

''آپ کو تو بڑی بھابھی سے انوکھا عشق ہے، ہر کام ان ہی کا بھلا لگتا ہے۔''

''اوہ گاڈ! کیسی فضول باتیں کرتی ہو، شرمین! تمہاری زبان حد درجہ خراب ہے۔''

''میری زبان خراب ہے، کام خراب ہیں، میں خود خراب ہوں پھر کیوں بٹھائے رکھا ہے آپ نے

مجھے اپنے اس قید خانے نما گھر میں۔''

وہ خود تو ناشتا تقریباً کر ہی چکی تھی، اب اسے پروا نہ تھی کہ باقی لوگ کچھ کھائیں بھی یا بھوکے رہیں۔

اس کی ساس اسی وقت ناشتے کے لیے دونوں بچوں (اس کی نند کے دو بچے رہنے آئے ہوئے تھے) کو ساتھ لیے آرہی تھیں۔ ایک تو شرمین کی تلخ کلامی، مزید ناشتے کی میز پر پھیلا پھوہڑ پن سے رکھا ناشتا۔ ان کا بھی دماغ تپ گیا۔

''صبح ہی صبح تم دونوں میاں بیوی شیطان کو اپنے پاس بلا کر بیٹھ جاتے ہو۔''

''ہاں میں ہی قصور وار ہوں، کب سے اٹھی بیٹھی ہوں، سب کے لیے ناشتا تیار کیا پھر بھی کوئی کریڈٹ نہیں۔''

دراصل بڑی بھابھی میکے بہت کم جاتی تھیں اور شرمین خود ناشتا بہت کم تیار کرتی تھی، اس لیے اسے لگ رہا تھا بغیر کسی کے کہے سنے کام کر کے اس نے بڑا تیر مارا ہے۔

''یہ ناشتا اگر تم نہ تیار کرتیں تو ہی بہتر تھا۔'' اس کی ساس نے بے ترتیبی سے پھیلی انڈے کی پلیٹوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ اتنے ڈھیروں انڈے کس کے لیے بنا ڈالے ہیں۔''

''کیوں، سب ناشتا نہیں کریں گے، بچے بھی تو ہیں۔''

''سب ملا کر بھی ہم پانچ لوگ ہیں اور تم نے چھ انڈے بنائے ہیں اور وہ بھی بغیر کسی سے پوچھے۔ میں تو گرمیوں میں انڈا کھاتی ہی نہیں، نہ ہی یہ بچے شوق سے انڈا کھاتے ہیں اور جس طرح تم نے گھنٹہ بھر پہلے یہ انڈے بنا کر رکھ ڈالے ہیں، کوئی شوقین آدمی بھی انہیں کھانا پسند نہ کرے۔''

''دیکھ لیا آپ نے، کوئی کام کرو وہ غلط، یہ عزت افزائی ہے میری اس گھر میں۔'' وہ چیخنے ہی لگی۔

''ارے جب غلط کام کرو گی تو ڈانٹ تو پڑے گی۔ ایک ناشتا کیا بنایا ہے تم نے، چیزوں کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ ڈبل روٹی بھی یوں کھول کر پھیلا دی ہے جیسے چڑیوں کو دانا ڈالا ہو، ڈبل روٹی یوں پیش کی جاتی ہے۔ یہ بھی ساری برباد ہو کر رہ گئی۔''

''لیجیے اماں نے کم بخشا تھا کہ اب بیٹے بھی حساب لے رہے ہیں۔'' وہ پیر پٹخ کر وہاں سے اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''دو دو پیسے کی چیزوں کے لیے مرتے ہیں سب اس گھر میں۔'' اس کی بڑبڑاہٹ کی آواز یہاں تک آرہی تھی۔

''اس کی ماں نے اچھی خاصی لڑکی کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔''

اس کی ساس بھی بے چاری بڑبڑ کرتی باقی گھر کا سارا کام خود کرنے لگ گئیں۔ جانتی تھیں کہ اب شرمین ہاتھ نہ آئے گی اور زبردستی اس سے کوئی کام کروایا تو وہ الٹا ستیاناس ہی کرے گی۔

''اچھی صورت دیکھ کر لڑکی پسند کی تھی، کیا خبر تھی کہ اندر سے سیرت ایسی کھوٹی نکلے گی۔ اس سے اچھی تو میری دبے رنگوں کی بچیاں بھلی ہیں، اپنے گھر اور بچوں کو سنبھالے اپنے سسرال

میں عزت سے بیٹھی تو ہیں۔'' پھر وہ دیر تک کام والی نوکرانی کے سامنے اپنی قسمت کو روتی رہیں اور انہیں خود سے زیادہ اپنی بیٹے کی پروا تھی۔ حقیقت میں تو اس کی زندگی برباد ہوئی تھی۔ وہ کتنا صبر والا کہ بیوی کی ہر جا و بے جا برداشت کر رہا تھا۔

''لیکن جی کب تک برداشت کریں گے، مردوں میں اتنا حوصلہ کہاں ہوتا ہے۔''

''حوصلہ تو بہت ہے میرے بیٹے میں، دیکھو کہ اس کی بیوی کتنا ستا سکتی ہے۔''

''جس گھڑی سے بچ بچ کر اتنے دن کاٹ لیے تم وہی نامراد گھڑی سر پر لیے کھڑے ہو گئے۔'' وہ خود سر جھکائے اپنے کمرے میں بیٹھا اس خالی پن سے لڑ رہا تھا جس کا اس نے کبھی تصور کیا تھا، نہ جس سے کبھی ڈرا تھا لیکن اب وقت کا پہلا ناگوار احساس ہی اتنا بھاری تھا، وہ خود جھنجلا سا گیا تھا۔ اب سامنے باپ کو دیکھ کر بوکھلا گیا۔

وہ کھڑا ہو گیا مگر اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

''آخر تم کس طرح سب کچھ بگاڑ کر بیٹھ گئے۔'' وہ اتنے پریشان اور مایوس ہوئے تھے، آفس سے آ کر جب انہیں اس بات کا علم ہوا۔

وہ اب بھی کچھ بھی نہ بولا۔

''شرجیل! میں تم سے کہہ رہا ہوں، روز کے ڈراموں، روز کے جھنجٹ سے تم نے کوئی سبق نہ سیکھا تھا۔''

وہ اسے شرمندہ کر رہے تھے، لتاڑ رہے تھے اور یہ صرف اتنا کچھ اس کے لیے کافی نہیں تھا، وہ اپنے عمل پر اتنی جلدی نادم ہوا تھا کہ جس کا اسے خود اندازہ نہ تھا اور ایسا شخص کہ جسے اپنے اعمال کا خود ٹھیک اندازہ نہ ہو وہ کامیابی کی طرف جا ہی نہیں سکتا۔

''آپ بیٹھیں پلیز ابو!''

''اب کہاں بیٹھوں، تمہارے گھر میں رونق رہی نہ دل میں جگہ۔''

''ابو! میں بہت پریشان ہوں، میں بہت بکھر گیا ہوں۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''ابھی سے بکھر گئے ہو، ابھی تو بہت بکھیرے جاؤ گے۔'' سہیل احمد نے بیٹے کی صورت دیکھ کر مایوسی سے کہا۔

''آپ نے ابو! آپ نے اس گھر کا سارا نظام برباد کیا ہے، صرف آپ کی وجہ سے آپ کی ساری اولاد پریشان حال اور برباد ہے۔ اگر آپ نے پہلے، بہت پہلے ان ساری خرابیوں اور غلطیوں کو دور کر دیا ہوتا تو ہم یوں نہ بکھرتے۔'' اسے کوئی راہِ فرار، ندامت مٹانے کا کوئی تو راستہ چاہیے تھا۔

''جب میری کمزوریوں سے سبق ملا ہی تھا کہ وہ غلطیاں ہیں تو تم نے کیوں اپنی کمزوریوں کو نہ سنوارا۔ قدم قدم پر ٹوکا اور سمجھایا لیکن تمہاری جذباتیت اور بے صبرے پن کا علاج ممکن ہی نہ ہوا۔''

آج انہیں اپنی بیوی اور بیٹی سے زیادہ شرجیل پر غصہ آ رہا تھا اور ان کا غصہ جائز تھا، اس لیے شرجیل زیادہ بحث نہ کر سکا۔

سب کچھ جیسے ختم ہو گیا، وہ اس گھر سے نکل کر اس گھر تک چلی آئی تو جیسے ایک ہی رات میں ساری قباحتیں، رنجشیں، شکوے، مظالم، دھوکے سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اف کیا یہ سب اتنا آسان تھا۔

یہ راستہ جو کھلا تھا اور جانے کہاں تک جا رہا تھا، اس پر آنے میں اس نے کتنے دن لگا دیے۔ جیسے اس نے ابھی ابھی سوچنا شروع کیا تھا، ابھی سوچنا سیکھا تھا۔

اس نے صبح اٹھ کر امی جان کے ساتھ ناشتا بنایا تھا، سکون سے اپنے والدین اور بھائی کے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کیا تھا اور اب معمول کی طرح گھر کے دوسرے کاموں اور اپنے بچے میں یوں مگن ہو گئی جیسے یہی اس کی روزمرہ کی روٹین ہو۔

جب دوپہر کو شرجیل کا فون آیا تو وہ اخبار کی سرخیاں دیکھ رہی تھی۔ امی جان نماز میں مصروف تھیں اور شانی باہر صحن کی صفائی کر رہی تھی، اس لیے فون اسی نے اٹھایا تھا۔ شرجیل کی آواز سن کر اس نے فوراً فون بند کر دیا۔

لیکن اسی وقت گھنٹی دوبارہ بجی اور مسلسل بجتی رہی، کچھ دیر وہ نظر انداز کرتی رہی پھر فون اٹھا لیا۔

''جی فرمایئے۔'' اس نے اجنبی انداز میں پوچھا۔

''آصفہ! کیسی ہو؟''

''جب آپ کے گھر میں رہتی تھی تو آپ نے کبھی نہ پوچھا کہ کیسی ہو۔''

''سنو، رات کو تیار رہنا، میں تمہیں لینے آؤں گا۔''

اتنی آسانی سے، اتنی جلدی وہ ہار گیا۔ اس نے تو کہا تھا وہ کبھی اسے لینے نہ آئے گا۔ یہ کیسا شخص ہے۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے سختی سے منع کر دیا۔

''دیکھو ابھی چلی آؤ، جتنی دیر لگاؤ گی واپسی مشکل ہوتی چلی جائے گی۔''

''میرا خیال ہے کہ میں واپسی کے دروازے بند کر کے ہی آئی ہوں۔'' اس نے بھی لمبی بات کرنا نہ چاہی۔

''ذرا سی بات کے لیے اتنے بڑے بڑے فیصلے نہ کرو جو نباہ نہ سکو۔''

''ذرا سی بات۔۔۔ جو کچھ میں نے سہ لیا، وہ آپ کو ذرا سی بات ہی لگے گی۔''

''جب تم نے اتنا برداشت کیا تو تھوڑا حوصلہ اور کر لو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ دیکھو، میں اتنی جلدی شرمندہ ہو کر تمہیں لینے آ رہا ہوں۔''

لیکن اس کے ذہن نے فوری تنبیہ کی کہ یہ کوئی اتنی اچھی بات بھی نہیں کہ وہ اتنی جلدی نادم ہو گیا ہے، یہ اس کے تھرڈ لے پن کا ہی ثبوت ہے پھر کب بدل جائے، بگڑ جائے، کہنا مشکل ہے۔

''آپ نے تو کہا تھا عمر بھر مجھے نہ بلائیں گے۔'' اس نے کہہ ہی دیا۔

''وہ تو یونہی غصے میں کہہ دیا تھا۔''

''آپ یوں غصے میں جانے کیا کچھ کر سکتے ہیں، کبھی بھی کچھ کر سکتے ہیں۔'' اب اس نے پکا تہیہ کر لیا تھا کہ سارے حساب برابر کر کے ہی رہے گی۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے آصفہ! ایک دن ماں کے گھر رہ کر اتنی دلیر ہو گئی ہو۔'' وہ خود اتنا الجھا ہوا تھا اور ضرور کم عقل بھی تھا کہ بجائے اس کے کہ پہلے اپنی الجھنوں کو دور کرتا پھر آصفہ کو بلانے آتا پھر بلا رہا تھا اور پھر ضرور مشکلوں میں کھونا چاہ رہا تھا۔

آصفہ نے فون بند کر دیا اور پھر دوبارہ گھنٹی بجی تو ریسیور اٹھا کر نیچے رکھ دیا۔

شام کو وقار اس کے پاس آیا، دراصل اگلے دو دنوں میں وہ کچھ الجھا ہوا تھا، اسی لیے بہن سے کچھ کہہ سن نہ سکا مگر آج اس نے بات کرنا ضروری سمجھا، اسی لیے اس کے کمرے میں چلا آیا۔

بات کیا ہوئی تھی، یہ تو اسے ابو جی نے صبح آفس جاتے ہوئے تفصیل سے بتا دیا تھا اور اس بار آصفہ کی سمجھ کی اس نے خود داد دی۔

''جو کچھ کیا تم نے بالکل ٹھیک ہی کیا۔ مذہب، معاشرہ، قانون کوئی نہیں کہتا کہ عورت ناجائز ظلم سہے یا اپنے حقوق سے منہ موڑ کر جیے۔''

''وقار! اب تک میری نیت صاف ہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ آخری حد تک عورت کو اپنے گھر کے لیے سمجھوتے کرنے چاہئیں۔''

''یہ خیال بھی ٹھیک تھا لیکن تم نے حد سے زیادہ برداشت کر لیا۔''

''لیکن میری برداشت کو ان لوگوں نے شاید مذاق جانا، میری بے وقوفی سمجھا یا اپنی بڑائی مان لیا، میں نے سمجھا کہ اب چپ رہنا بلکہ اس گھر میں رہنا ہی بے وقوفی ہے۔''

''ٹھیک ہے، اب تم جس طرح چاہو اور جو چاہو کرنا۔ کوئی بھی فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔ عالیہ بیگم کو اتنے زعم میں تم نے ہی مبتلا کر دیا کہ وہ تمہیں لاوارث ہی سمجھنے لگیں۔''

وقار کو آصفہ کی دور اندیشی اور سمجھ داری پر خوشی ہی ہوئی تھی۔

''عالیہ آنٹی کے واسطے میں نے کچھ نہیں کیا، میں تو سب کچھ صرف اپنے گھر اور شوہر کے لیے ہی کرتی رہی مگر وہ کم ظرف اور کم فہم نکلا۔''

تہنیت چائے بنا کر پیالی اپنی ماں کے آگے رکھ چکی تھی اور اب اپنی پیالی سامنے رکھ کر بیٹھی ہی تھی کہ باہر گیٹ پر گھنٹی بجی۔ وہ اٹھنے لگی کہ آمنہ بیگم نے اسے روک دیا۔

''رکو بیٹا! میں دیکھتی ہوں، شام ڈھلنے کا وقت ہے، جانے کون ہو۔'' وہ کچھ حیران سی ہوئی، وہ تو دن رات صبح شام گیٹ کھولنے کے لیے دوڑا کرتی تھی، یوں امی جان نے کبھی روکا نہ تھا۔

بہر حال وہ رک گئی اور امی جان نے باہر گیٹ جا کر کھولا۔

دیکھا کہ کون آیا ہے۔

اور جب پلٹ کر وہ واپس آئیں تو ان کے پیچھے سر جھکائے آتے وقار کو دیکھ کر اس کی جان جیسے سولی پر لٹک کر رہ گئی۔

اس طرح وقار اکیلا عام دنوں میں گھر نہیں آتا تھا، سوائے بہت ضروری کام کے۔ عموماً وہ خالہ کو لے کر آتا تھا یا کبھی چھٹی والے دن چکر لگا لیا۔

اسے بجھائی تو دے رہا تھا اور وہ لاشعوری طور پر انتظار بھی کر رہی تھی کہ وقار ضرور آئے گا، لیکن اب اسے امی جان کے ساتھ دیکھ کر اس کی جان نکل رہی تھی۔

وہ کوئی بھی شکایت کر سکتا تھا، ان کے سامنے اس سے کوئی الٹی سیدھی بات پوچھ سکتا تھا۔

''تم آئے، یہی بڑی بات ہے، آج کل مصروف بہت زیادہ ہو گئے ہو نا۔'' آمنہ بیگم اپنے اس بھانجے کو دیکھ کر بے وجہ کسی آس میں پڑ جاتی تھیں۔

''بس خالہ! کام بھی ضروری ہیں نا، اب تو آفس سے اٹھتے ہوئے بھی دیر ہو جاتی ہے پھر ابو کے بہت سے کام بھی میں نے اپنے ذمے لیے ہیں۔ ان کی ذمہ داریاں بٹانا بھی ضروری ہیں نا۔''

وہ بات کرتے ہوئے کئی بار تہنیت کو دیکھ چکا تھا اور اس کی بے چینی محسوس بھی کر چکا تھا۔

''دراصل میں یہ بتانے آیا تھا کہ آصفہ آئی ہوئی ہے، طلعت کو بتا دیجیے گا اور تہنیت کو گھر بھیج دیں تو وہ خوش ہو گی۔'' اس نے کہا تو تہنیت کچھ مطمئن ہوئی لیکن یہ اطلاع امینہ خالہ فون پر بھی دے سکتی تھیں، وہ پھر الجھی۔

''کل کالج سے واپسی پر چلی جانا، میں بھی دوپہر کو آ جاؤں گی۔'' آمنہ بیگم نے تہنیت سے کہا۔

''کیوں روزانہ کالج آنا جانا لگا رکھا ہے اس نے خالہ! بے وجہ اپنی انرجی اور آپ کا پیسہ ضائع کر رہی ہے۔''

اسے اتنا غصہ آیا وقار پر کہ جی چاہا کہ سنا کر رکھ دے۔ ذرا سی اس کی کمزوری اس کے ہاتھ کیا آئی تھی، وہ اس کی خود مختاری اور خودداری کے درپے ہو گیا تھا۔

اس کی امی ویسے ہی اس کے کالج جانے سے کچھ مطمئن نہ تھیں۔ یہ ان کا کمزور سا حوصلہ تھا جسے وقار جان بوجھ کر چھیڑ رہا تھا کیونکہ ان کی مخالفت کی حقیقت سے سب ہی واقف تھے۔

''کیا کروں، تم تو جانتے ہو عجب سر پھری سی لڑکی ہے یہ۔ اگر میری مانے تو آج ہی کالج جانا چھوڑ دے، بس اپنے ابا کی شہ پر ہے۔'' امی کا جواب اسے پتا تھا۔

''اگر سر پھری ہے تو پھر تو آپ کو اسے زیادہ باندھ کر رکھنا چاہیے، کسی دن کوئی الٹی سیدھی حرکت کر ڈالی تو ہم سب کے گلے مصیبت پڑ جائے گی۔'' وقار اس کے آنکھیں دکھانے اور چڑنے کی قطعی پروا نہ کر رہا تھا۔

''وقار!'' اب وہ چیخ پڑی۔

''تم زیادہ ہی پھیل رہے ہو، تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میری ماں کو یوں میرے خلاف ورغلاؤ۔''

اب اس نے تیزی سے کہا اور وقار یوں ہنسا جیسے اسے جلانا ہی اس کا مقصد ہو۔

''اچھا تم مجھ سے کون سی دشمنی نکال رہے ہو۔'' وہ جل کر بولی۔

''اتنا چھوٹا سا دل ہے تمہارا، تم تو ذرا سا مذاق برداشت نہ کر سکیں۔ میں تو یونہی تمہیں چھیڑ رہا تھا ورنہ اب تو خالہ بھی قائل ہو گئی ہیں کہ میری یہ چھوٹی لاڈلی بیٹی ضرور پڑھ لکھ کر نام اونچا کرے گی۔'' اب وہ

سمجھ گئی کہ وقار سچ مچ اسے تنگ کر رہا تھا۔

''سچ یہ ہے کہ میں تو اب اس فکر میں ہوں کہ اس کے فرض سے بھی فارغ ہو جاؤں، اسی لیے آج بھی کسی سے کہہ رہی تھی بلکہ بہت لوگوں کو کہہ رکھا ہے۔'' وہ اتنی چڑی کہ وہاں سے اٹھ گئی۔

''اوہو خالہ! آپ مائیں بھی بس بیٹیوں کو چین نہیں لینے دیتیں، ابھی اس کو پڑھنے دیں، ابھی اسے کہاں اس جھنجھٹ میں ڈالنے کا سامان کر رہی ہیں۔ آپ خود ابھی طلعت کی جدائی کا تازہ غم لیے بیٹھی ہیں۔''

اب وقار اس کی حمایت کر رہا تھا۔ وہ دروازے کے دوسری طرف کھڑی سن رہی تھی۔

''تمہیں کیا خبر ہماری فکروں اور ہمارے خدشات کی۔'' خالہ کے چہرے پر تفکرات کی اتنی لکیریں دیکھ رک وقار بھی کچھ الجھن میں پڑ گیا۔

''خالہ! ماشاء اللہ تین بیٹیاں تھیں، ان کے ہوتے ہوئے آپ کبھی یوں فکر مند نہ ہوئیں اور اب ایک رہ گئی ہے تو اس کے لیے اتنی پریشان ہو رہی ہیں۔''

''ہاں، مجھے بھی لگتا ہے تہنیت کی فکر میں نے کچھ زیادہ ہی اپنے ذہن پر سوار کر لی ہے۔''

سمیعہ کھانا پکا کر ابھی کچن سے نکلی ہی تھی کہ عینی آپا آ گئیں۔

''ارے عینی! تم بغیر اطلاع کے آ گئیں۔'' اسے دیکھتے ہی عالیہ بیگم نے کہا۔

''آئی نہیں ہوں امی جان! بس یوں سمجھیں کہ بھیجی گئی ہوں۔'' وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جیسے کوئی جائزہ لے رہی ہو، کہنے لگی۔

''تم کیوں بھیجی گئی ہو؟'' انہیں تشویش ہوئی۔

''آصفہ بھابھی کہاں ہیں؟'' سوال کے جواب میں اس نے سوال ہی کیا۔

''کیوں، اس سے تمہیں کیا کام ہے۔'' وہ چڑ سی گئیں۔

''کام کیا ہونا تھا، بس یہی پوچھنا تھا کہ وہ گھر میں ہیں یا نہیں۔''

''گھر میں رہنا اور گھر کو بسانا اس کا مزاج ہی کہاں تھا، چلی گئی ہے اپنے باپ کے گھر۔'' انہوں نے بے زاری سے کہا۔

''اوہ امی! آپ ہر معاملے کو اتنا سرسری کیوں لیتی ہیں۔ آپ کو خبر نہیں کہ اگر آپ کی بہو اس گھر میں نہیں بس سکتی تو آپ کی بیٹیوں کو بھی اپنے گھر میں مسائل کا سامنا ہے۔ میری ساس اور نندوں نے آصفہ بھابھی کے بارے میں پوچھ پوچھ کر میرا جینا حرام کر دیا ہے اور آپ کو میں کیسے سمجھاؤں کہ اس گھر میں جو کچھ ہوا کرے، وہ مجھے بتا تو دیا کریں، آخر یہ میرا میکہ ہے۔''

عینی آپا بہت زیادہ طیش میں آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنی نند سے سنا تھا۔

''تو آپ کی اماں نے آصفہ کو گھر سے نکال کر ہی دم لیا۔'' وہ اتنی حیران ہوئی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں، اگر ہوتی تو مجھے آپ سے پہلے خبر ہوتی۔'' وہ ڈٹ کر تردید بھی نہ کر سکیں، لیکن شرمندگی چھپا کر پھر بھی بات کرنے لگی تھی۔

''ارے تمہیں کیا خبر ہوگئی، یہ کوئی جھوٹ تو نہ کہے گی۔ یوں بھی یہ بات تو ہر ایک کو پتا لگ گئی ہے۔'' اس کی ساس نے کہا تو وہ بھی چونکیں۔

''یونہی ملنے ملانے گئی ہوں گی یا ان کے میکے میں کوئی تقریب وغیرہ ہوگی۔''

''تم کیوں پردہ داریاں کر رہی ہو، تمہاری ماں نے اس بے چاری کو ایک دن بھی اپنے گھر میں سکون سے رہنے ہی کہاں دیا ہے۔'' وہ عجیب مشکل میں پڑ گئیں۔

''اور ایسا ہی ہے تو صبح جا کر خود صورت حال معلوم کر کے آیئے گا۔ کمال ہے، آپ کی امی تو بڑی بیٹی کو بھی کچھ نہیں سمجھتی ہیں۔ کم سے کم آپ کو تو بتانا چاہیے تھا آپ کے گھر میں جو کچھ ہوا ہے۔'' اور اسی لیے آج عینی آپا اپنی ماں کے گھر آئی تھیں۔

''چلو تم ٹھنڈی ہو، پہلے کھانا کھاتے ہیں پھر ساری بات تمہیں سمجھاؤں گی۔''

''اب کیا سمجھنا اور سمجھانا امی جان! بات تو وہی ٹھیک ہے جو سارا زمانہ کہہ رہا ہے۔''

''ہاں تو پھر سارے زمانے سے ہی تم پوچھ لینا، میرا دماغ نہ چاٹو۔'' وہ غصے سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور وہ لاؤنج میں کھڑی ہو کر عجیب سی باتیں سوچنے لگیں۔

''سمیعہ بھابھی! آپ کیسی ہیں؟ سوری، وہ پریشانی میں، میں نے آپ کی طرف دھیان ہی نہ دیا۔'' وہ ڈائننگ ٹیبل کے ایک کنارے بیٹھی سلاد کاٹ رہی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں کیا حال ہیں۔''

''آپ نے سنا نہیں، حال تو بہت بے کار ہیں۔'' پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولیں۔

''کیا ہوا تھا، وہی شرمین کا جھگڑا پھر چلا ہوگا۔''

''جھگڑے تو سب چلتے ہیں لیکن ان کو گھر سے نکالنے والے شرجیل بھائی ہیں۔''

''اچھا، مجھے ایسا ہی کچھ لگ رہا ہے۔ اتنے بے عقل آدمی ہیں شرجیل بھائی اور آپ دیکھیں بھابھی! کہ اس گھر میں کسی کو یہ احساس نہیں کہ ایک گھر کے بننے اور بگڑنے سے دوسرے ساتھ رہنے والے لوگوں کے گھروں کی دیواروں میں بھی دڑاریں پڑ رہی ہیں۔ امی جان بہت بے رحم لگتی ہیں کبھی کبھی اپنی سگی اولاد کے بارے میں کچھ نہیں سوچتیں۔'' عینی آپا آج بہت زیادہ اپ سیٹ تھیں۔

''یہاں کوئی کسی کو اچھی بری بات نہیں سمجھاتا آپا۔'' سمیعہ نے ایک بات کہی۔

''چلو کھانا لگاؤ سمیعہ! کچھ اور پکایا یا نہیں۔ اب عینی بھی آئی ہے، بچے ہیں۔'' اسی وقت عالیہ بیگم واپس لاؤنج میں آئیں، انہیں شاید عینی اور سمیعہ کا ساتھ بیٹھنا اور بات کرنا پسند نہ آیا تھا۔

''اب اس وقت کیا پکاؤں، قیمہ پکایا ہے نا، سلاد ہے، اچار ہے، سالن بہت ہو جائے گا۔'' اس نے کہہ کر کچن کا رخ کیا اور کھانا لگانے لگی۔

''اونہہ، یہ لڑکی تو میری بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتی۔''

''آپ کی باتیں سن کر اور مان کر بڑی والی نے کیا سکھ پالیا۔'' زچ ہو کر عینی آپا نے سوچا اور اپنی ماں سے ناراضی کا اظہار کرنے کے لیے سمیعہ کے پاس کچن میں چلی گئی۔ اسی وقت سمیعہ نے حبیب خان کو آواز دے کر نان لانے کے لیے کہا۔

''اب روٹی بھی گھر میں نہ بناؤ گی۔'' عالیہ بیگم نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔
''بنائی تو ہیں لیکن کم پڑیں گی، قیمے کے ساتھ ویسے بھی نان بہت مزا دے گا۔'' سمیعہ نے کچھ زیادہ اعتراض انہیں نہ کرنے دیا۔

اس سے ہسپتال میں نہ کام ڈھنگ سے ہوتا تھا، نہ کسی سے صحیح طرح بات ہو رہی تھی۔ دو تین دن میں وہ اتنا پریشان اور جھلایا سا ہو گیا تھا کہ اس کے کولیگ بھی اس کی بدمزاجی محسوس کرنے لگے تھے۔
اب بھی وہ اکیلا ایکسرے لیبارٹری میں بیٹھا بار بار اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔ عجیب سی سوچ اس کے ذہن میں آ رہی تھی۔ حد یہ تھی کہ وہ اپنے ہی خیالات اور اعصاب پر گرفت کھوتا جا رہا تھا۔ کبھی وہ سوچتا اسے اپنے سر کو دیواروں سے ٹکرانا چاہیے، کبھی خیال آتا کہ سب چھوڑ کر جنگل میں نکل جانا چاہیے۔ تین دن میں یوں دیوانہ ہوا پھر رہا تھا جیسے چند اور دن گزرے تو مر ہی جائے گا۔ اسے خبر ہی نہ تھی کہ آصفہ اس کے لیے اتنی اہم ہے۔
اسے اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ اتنی بڑی غلطی کر رہا ہے۔ اس نے بہت غلطیاں کی تھیں، لیکن پکڑ میں نہ آیا تھا۔ آصفہ اتنی نرم دل، اتنی رحم دل، اتنی بھولی فطرت والی عورت تھی کہ ادھر روتی، ظلم سہتی، ادھر بھول جاتی مگر اب وہ پتھر ہو گئی تھی اور اس کے لہجے کی اجنبیت اور انداز کا روکھا پن اسے احساس دلا رہا تھا کہ شاید اس نے اسے کھو ہی دیا ہے۔
وہ ایک ہی رخ پر ضرب لگاتے لگاتے بھول گیا تھا کہ وہ کوئی دیوار نہیں، ایک جیتا جاگتا وجود ہے جسے اگر ہوش آیا تو شاید وہ کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہی بن جائے۔
''ڈاکٹر شرجیل! ایسا کیا مسئلہ ہو گیا ہے، آپ تو بالکل ہی بدحواس سے ہو رہے ہیں آج کل۔''
ڈاکٹر غزالہ بہت دیر سے اسے ڈھونڈ رہی تھی، اس کی بے چینی بھی محسوس کر چکی تھی۔ آخر اس کی کولیگ ہی تھی اور اس کی قریبی دوست بھی۔ خیالات اور انداز زندگی میں بہت فرق آ گیا تھا مگر بہرحال ساتھی کو دوست کی حیثیت دینے کے لیے اس کی کمزوریوں کو بھولنا پڑتا ہے۔
''پلیز ڈاکٹر غزالہ! میں عجب آدم بے زار سا ہو رہا ہوں، آپ کسی اور دوست کی کمپنی تلاش کر لیجیے۔'' وہ اس کے رویے پر نالاں ہوئی لیکن اٹھی نہیں۔
''میں اپنے لیے کمپنی تلاش نہیں کر رہی، آپ کو کمپنی دینے کے خیال سے آپ کو ڈھونڈ رہی تھی۔ آخر کیا الجھن ہے، کبھی کبھی شیئر کرنے سے دل ہلکا ہو جاتا ہے۔''
''ایسی سختی پڑی ہے زندگی میں کہ کسی طرح دل ہلکا نہیں ہو سکتا۔'' وہ خود پر ہنسا۔
''ڈاکٹر شرجیل! آپ تو بزدلوں جیسی بات کر رہے ہیں۔''
''میں بزدل ہی تو ہوں، کم ہمت بھی ہوں، بے اعتبار اور جھوٹا بھی۔ ایسا برا آدمی بے زار اور پریشان ہی رہ سکتا ہے کہ نہیں۔'' ڈاکٹر غزالہ اسے اچھا خاصا جان چکی تھی لیکن پھر بھی اس سے خفا ہونے کے بجائے خود ہی اس سے ہمدردی بھی کرنے لگ جاتی۔
''آپ بتائیں تو سہی کہ کیا ہوا ہے۔''

''کچھ نہیں، حد ہوگئی۔ بس میں نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا ہے۔'' وہ یک دم سے بول گیا تو ڈاکٹر غزالہ کو اتنا شاک لگا کہ کچھ دیر تو وہ ساکت سی بے یقینی سے شرجیل کا چہرہ دیکھتی رہی اور پھر اٹھ کر اس کے سامنے سے چلی گئی۔

''اوہ گاڈ! یہ آدمی سچ مچ کمینہ اور کم ظرف ہے۔'' وہ بری طرح الجھ گئی۔ لمبی راہداری پر تیز تیز چلنے لگی۔

''اس نے اس بے چاری عورت کو گھر سے ہی نکال دیا، اسے کوئی کچھ کہنے والا نہیں تھا۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھی رہتی تو اسے اتنی گالیاں دیتی کہ ان کا آپس میں جھگڑا ہی ہو جاتا۔

''لیکن ڈاکٹر غزالہ! آپ اس سے ہمدردی کرنے گئی تھیں، وہ تو بتا ہی چکا تھا اور مسلسل کہہ ہی رہا تھا کہ اس نے برے کام کیے ہیں، اچھے کام تو کیے نہیں۔ جب آپ اسے دوست مان ہی رہی ہیں تو برائی سے سمجھوتہ بھی لازم ہے۔''

وہ اسی رفتار سے پلٹ کر واپس ڈاکٹر شرجیل کی طرف جا رہی تھی۔

''تم نے اس بے چاری عورت کو گھر سے ہی نکال دیا۔'' وہ پھر اس کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی۔

''ڈاکٹر غزالہ! میں بے حد شرمندہ ہوں، مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس طرح اس گھڑی کو واپس لے آؤں۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔''

''تو اب جاؤ نا اس کے پاس، اسے منا کر لے آؤ، اس سے معافی مانگ لو۔''

''نہیں مانے گی وہ، کسی طرح نہیں مانے گی۔ میں نے اس کو اتنا ستایا ہے اور اتنی معافیاں مانگی ہیں کہ اب اسے میری معافی تلافی پر کوئی اعتبار نہیں رہا ہے۔''

''تم نے کوشش کی؟''

''بہت فون کیے ہیں۔''

''فون نہیں، خود جاؤ، جا کر روبرو بات کرو، آمنے سامنے بیٹھ کر بات زیادہ صاف ہوتی ہے۔''

''اپنی بے عزتی سے ڈرتا ہوں۔ اب وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ہے، بڑی محفوظ جگہ پر ہے، بہت عزت اور نام والا ہے اس کا میکہ۔ یہی وہ فخر ہے جس کو اس نے کبھی نہیں جتایا، ورنہ اونچے خاندان کی لڑکیاں تو تنکی کا ناچ نچا کر رکھ دیتی ہیں۔''

''تم نے اس کو اتنا خوار کیا اور اب ذرا سی اپنی بے عزتی سے ڈرتے ہو۔ کیا ہوگا، زیادہ سے زیادہ وہ تمہارے ساتھ نہیں آئے گی یا اس کے گھر والے تمہیں برا بھلا کہیں گے۔ سوچو اس نے تمہارے گھر میں کیا کچھ سہا ہے۔''

وہ سر ہلانے لگا۔ ڈاکٹر غزالہ اب اسے سمجھانے بیٹھ گئی تھی، یہی دوستی کا تقاضا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں کل جاؤں گا۔'' وہ مان رہا تھا، یہی سب باتیں وہ خود بھی سوچ رہا تھا، لیکن اس کی کم ہمتی آڑے آ رہی تھی۔

''کل پر اگر ٹالا تو اس کا مطلب ہے کبھی نہ جاؤ گے، آج کی بات کرو۔'' وہ اسے اکسانے لگی۔

''دیکھو شرجیل! درمیان میں جتنے زیادہ دن گزریں گے، فاصلہ بڑھتا جائے گا اور پھر جو کچھ آج آپ

سوچتے ہیں، آج کر سکتے ہیں، چند دنوں بعد نہ کر سکیں گے، سب کچھ بدل جائے گا، بات بنانی بہت مشکل ہو جائے گی۔'' اس نے خود بھی یہ باتیں سوچی تھیں لیکن اب غزالہ کہہ رہی تھی تو زیادہ سمجھ میں آ رہی تھیں۔

''تھینک یو ڈاکٹر غزالہ! آپ نے مجھے حوصلہ دیا ورنہ میں اس قابل بھی نہیں ہوں۔''

''دیکھیں، جب آپ اپنی غلطیوں کو پہچانتے ہیں تو اس کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ آپ سوچ سمجھ کر ہر فیصلہ کریں، بات کبھی آپ کے ہاتھ سے نہ نکلے گی۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اور پھر ہسپتال سے نکل کر وہ اپنے والد کو لینے چلا گیا جنہیں فون کر کے وہ کہہ چکا تھا۔

''آج ہسپتال سے جلدی فارغ ہو گئے؟'' سہیل صاحب نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بیٹے سے پوچھا، وہ اس کی پریشانی اور بے چینی محسوس کر رہے تھے۔

''بس طبیعت بہت اپ سیٹ ہو رہی تھی۔ سوچا جلدی اٹھ جاؤں۔'' وہ گاڑی چلاتا رہا۔

''میں آصفہ کو لینے جا رہا ہوں۔'' تھوڑی ہی دیر گزری تو اس نے باپ کو بتایا۔

''اس کے منع کرنے کے باوجود۔۔۔ وہ اب نہیں آئے گی۔''

''تو کیا میں کوشش نہ کروں۔'' وہ الجھا

''ایسا کام کیا کیوں کہ اب اسے معافی مانگنے اس کے گھر جانا پڑے۔'' وہ بھی الجھ گئے۔ اپنے باپ اور چچا کے سامنے شرمندگی کے خیال سے ان کی پیشانی پر پسینہ آ رہا تھا۔

''بہر حال اب اس کا حل تو نکالنا ہے نا ابو!''

''ٹھیک ہے، جب تم نے کام بگاڑا تو بھی مجھ سے نہ پوچھا تھا، اب کیوں پوچھ رہے ہو۔''

''میں نے سوچا کہ ضرورت پڑے تو آپ ساتھ چلیں گے۔''

''ہرگز نہیں، میں اس معاملے میں کہیں نہیں ہوں اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تمہارے حالات اور خیالات ویسے ہی ہیں، وہ پلٹ کر آئے گی تو ضرور پھر تکرار ہو گی۔''

''نہیں ابو! میں دوبارہ ایسی غلطی کبھی نہ دہراؤں گا۔'' اسے باپ کی طرف سے ایسی امید نہ تھی۔ انہوں نے صاف منع ہی کر دیا۔

''ایسا کرو، مجھے یہیں اتار دو، میں رکشا لے کر گھر چلا جاؤں گا، تم آصفہ کو لینے چلے جاؤ۔''

''نہیں، نہیں، میں آپ کو گھر تک چھوڑ کر پھر چلا جاؤں گا۔'' اس نے گاڑی کا رخ گھر کی طرف ہی رکھا۔

''نہیں، میں کہہ رہا ہوں نا، بس یہیں رک جاؤ۔ نیک کام کے لیے جا رہے ہو تو اتنے رخ نہ بدلو اور وہاں تمہاری اماں کو پتا چلا تو سو سوال کریں گی۔''

بات شرجیل کی سمجھ میں بھی آ گئی۔ اس نے سہیل صاحب کو سگنل سے آگے اتارا اور خود گاڑی بھگا کر لے گیا۔

شرجیل کو دیکھ کر امینہ بیگم تھوڑی دیر تو حیران ہوئیں پھر اسے اندر بلایا اور اطمینان سے بٹھایا اور کہا کہ میں آصفہ کو بلاتی ہوں۔

آصفہ خود بھی شرجیل کی آمد کا سن کر پہلے بہت حیران ہوئی پھر اپنی امی سے کہا۔
''اس سے کہہ دیں، آصفہ گھر پر نہیں یا سو رہی ہے۔''
''پاگل ہوئی ہو، وہ خود چل کر آیا ہے تو اس سے بات تو کرو۔ شکر کرو کہ ہمارے کوئی پاپڑ بیلنے کے بجائے اسے خود خیال آیا، تم سے رابطہ تو رکھا ہے اس نے۔ یوں بھی آدمی جب اپنی غلطی مان لے تو پھر کیا رہ جاتا ہے۔''
''یعنی اگر وہ مجھے لینے آیا ہے تو میں اس کے ساتھ واپس چلی جاؤں۔'' وہ ماں کی صورت دیکھنے لگی۔
''تو کیا نہیں جاؤ گی۔'' انہوں نے الٹا سوال کیا۔
''آپ میرے سب حالات سے واقف ہیں امی جان! پھر بھی۔۔۔'' اس کا دل دکھ کر رہ گیا۔ امینہ بیگم اس کی کیفیت جان گئیں پھر کہنے لگیں۔
''بیٹا! تمہارے کسی فیصلے میں ہم نہ کچھ کہیں گے، نہ تم پر دباؤ ڈالیں گے لیکن سمجھانا تو فرض ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا، بگڑ جائے گا تو تم ہی نہ سہ سکو گی۔''
وہ بالکل چپ سی ہوگئی پھر اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔
شرجیل آصفہ کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑی ہوگئی۔ اسے وہ دن یاد آیا جب وہ بڑے ماموں کے ڈرائنگ روم کے دروازے کی اوٹ میں کھڑی ڈرائنگ روم کے اندر بیٹھے اس شرجیل کو دیکھ رہی تھی جو اس کے خوابوں کا شہزادہ تھا۔ گھر کی نوکرانی مانا آئس کریم دے رہی تھی اور وہ بس اچھے اچھے خواب اور خیالوں میں الجھی مسکراتی رہتی تھی۔ کیسا بھولپن اور معصومیت کا زمانہ تھا۔ نہ زمانے کی سفاکی کا احساس تھا، نہ وقت کا خوف تھا۔ یوں لگتا تھا، یہ شخص مل گیا تو خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔
اب یہی شخص سامنے بیٹھا تھا تو لگتا تھا، نہ کوئی خواب آنکھ میں ہے، نہ کوئی خوشی مٹھی میں۔
''آؤ آصفہ! رک کیوں گئی ہو، کیسی ہو۔ اوہ کتنے دن ہوگئے تمہیں دیکھے ہوئے۔'' وہ یوں کہہ رہا تھا، جیسے اس کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر مر رہا ہو۔ اس کا حال کچھ مجنوں جیسا بھی لگ رہا تھا۔
''شرجیل! میں نے کہا تھا کہ آپ یہاں نہ آئیے گا۔''
''پھر کہاں جاؤں، تم یہاں ہو تو میں تمہارے پیچھے یہیں تک آسکتا ہوں۔''
''مجھے چند دنوں کے لیے چھوڑ دیں شرجیل! میں ابھی فیصلہ نہیں کر پا رہی ہوں۔''
''پاگل ہوئی ہو، کون سا فیصلہ کرنا چاہ رہی ہو۔ بس گھر چلو، بات بڑھائیں گے تو فاصلہ بہت بڑھ جائے گا۔'' وہ سیدھے صاف لہجے میں کہہ رہا تھا۔
وہ سوچنے لگی، اس نے فیصلہ کر لیا تھا، ابھی شرجیل کی کوئی بات نہ ماننے کا سخت ارادہ کر لیا تھا لیکن امی جان نے جو کچھ کہا، وہ ایک لمحے میں ساری دیواریں توڑ دینے والی بات تھی۔ وہ پھر یک دم سے مجبور اور بے بس ہوگئی، اسے لگا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں، ساری زندگی بھی وہ خود اپنے حساب سے کوئی فیصلہ نہ کر سکے گی۔

جب کچھ بھی نہ کر سکے گی تو یہاں کیوں بیٹھی ہے، شرجیل کے ساتھ جا کر اپنے گھر میں ہی رہنا چاہیے۔ چاہے پستی رہے، مرتی رہے یا ہر وقت ڈوبتی رہے۔

''اوہو شرجیل میاں آئے ہیں، بڑے کمال کی بات ہے۔ اللہ میاں نے اتنا حوصلہ دیا ہے کہ پلٹ کر ہمیں اپنی صورت دکھا سکو۔'' اسی وقت جلال صاحب ڈرائنگ روم کے اندر آئے تھے۔

''السلام علیکم انکل! میں آصفہ کو لینے کے لیے آیا ہوں۔'' وہ جلدی سے کہہ گیا۔

''بہت خوب، تم بڑے ہوشیار نکلے۔ کبھی بیوی کو گھر سے نکال باہر کرتے ہو، کبھی واپس لے جانے کی بات کرتے ہو اور یہاں سارے لوگ تمہارے خیال میں بے وقوف بیٹھے ہیں کہ جو تم کہو، کرو، مانتے چلے جائیں گے۔'' وہ جلال میں آ گئے۔

''انکل! آصفہ جانے کے لیے راضی ہے، آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ کبھی کبھی انسان بہت زیادہ پریشانی اور ٹینشن میں غلطی کر بیٹھتا ہے۔''

''تم نے کوئی ایک غلطی نہیں کی جس کی معافی مانگنے چلے آئے ہو اور یوں بھی ابھی تمہارے بارے میں کسی گنجائش کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ ابھی آصفہ بہت سوچنے اور غور کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے، تم چلے جاؤ اور اسے ڈسٹرب کرنے یا ستانے کا خیال دل سے نکال دو۔''

انہوں نے اتنی دوٹوک بات کی کہ آصفہ یا شرجیل کسی کے کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہی۔

''تو کیا میں چلا جاؤں؟'' اس نے آصفہ کی طرف دیکھا۔

''نہیں، آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے چائے بھجواتی ہوں اور اگر کھانا نہ کھایا ہو تو کھانا بھی کھا کر جائیں۔'' آصفہ کے کہنے پر شرجیل کی پیشانی پر غصے کی لکیریں ابھر آئیں، لیکن پھر فوراً ہی وہ خود پر قابو پا گیا۔

''آصفہ ٹھیک کہہ رہی ہے، آرام سے بیٹھو۔ کھانا وانا کھاؤ، اپنے بچے سے ملو، یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔'' پھر جلال انکل نے یہ پیش کش دہرائی تو وہ بولا۔

''اپنا گھر کیسے سمجھوں، آپ لوگ میری بات نہیں سن رہے، آخر میں خود ہی چل کر اپنی بیوی کو لینے آیا ہوں۔ آصفہ! تمہیں تو سوچنا چاہیے۔''

''سوچنے کا ہی تو کہہ رہی ہے، تم اسے کچھ دنوں کے لیے بھول جاؤ۔''

''درمیان کا وقت طویل ہو جائے تو جذبے ٹھنڈے بھی پڑ سکتے ہیں۔''

''یہی تو دیکھنا ہے کہ لگن کتنی سچی ہے، وقت کے ساتھ مٹ جاتی ہے کہ بڑھتی ہے۔''

اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ جلال انکل اس سے ایسی باتیں کریں گے لیکن وہ بات کہہ کر اب کمرے سے باہر چلے گئے۔

''میں منّے کو بھجواتا ہوں، شرجیل کو اپنے بیٹے سے ضرور ملنا چاہیے۔'' جاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''آصفہ! یہ کیا پاگل پن ہے، ختم کرو ساری بات۔ یوں تماشا نہ بنواؤ۔''

''میں اپنے میکے میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ اس میں تماشے کی کیا بات ہے۔ پلیز شرجیل! اصولاً آپ کو ابھی یہاں نہیں آنا چاہیے تھا، جب میں نے منع کیا تھا۔''

''نہ آؤں گا تو سر پکڑ کر روؤ گی، آ گیا ہوں اسی لیے شیر بن رہی ہو۔'' وہ چڑ گیا۔
''دیکھ لیا نا آپ کے اندر کی کدورتیں یوں آسانی سے مٹ نہیں سکتیں۔''
اسی وقت نوکرانی بچے کو گود میں لیے آئی۔ شرجیل نے بچے کو گود میں لے لیا اسے خوب پیار کیا اور وہ چلا چلا کر رونے لگا۔
''اسے بھی برا لگا ہے میرا آنا۔''
''سلوک کا احساس شاید خدا نے اسے بھی دیا ہے۔ جب آپ نے مجھے گھر سے نکال باہر کیا تو یہ بھی ساتھ تھا نا۔''
''میں چلتا ہوں۔ اب بھی سوچ لو۔ اپنے گھر چلو تو بہت سے فیصلے ہم مل کر کر لیں گے۔''
''اس نے بچے کو اپنی گود میں لے لیا۔
''اچھا اللہ حافظ۔'' اس نے جیسے کچھ نہ سنا۔
''اتنی سنگ دل اور بے رحم ہو گئی ہو۔ تم شاید نہیں جانتیں میرے گھر میں اور میرے دل میں ویرانی چھا گئی ہے۔'' وہ پھر اسے پھسلانے لگا۔
''اپنے کام کی طرف دھیان دیں، ماں باپ کی خدمت کریں۔ دھیان بٹ جائے گا۔''
''اونہہ! طنز کر رہی ہو۔'' وہ پھیکی ہنسی ہنسا۔
''اچھی بات کو آپ طنز کہہ رہے ہیں۔''
وہ پلٹنے لگی تو شرجیل نے بھی جانے کے لیے قدم اٹھایا۔
''میرے بیٹے کا خیال رکھنا۔ کہیں تمہاری ضد اسے خوار نہ کر دے۔'' وہ نئی بات میں اسے الجھانے لگا۔
''میں اپنے بچے کے لیے بہت اچھا سوچ سکتی ہوں۔''
''بچے کے لیے ماں باپ دونوں کی اچھی سوچ کی ضرورت ہوتی ہے۔''
''آپ اتنی اچھی باتیں صرف تھوڑی دیر کے لیے کیوں کرتے ہیں جیسے ادھاری ہوں۔ ان باتوں کی پہلے بہت ضرورت تھی۔''
''آپ کمال کرتے ہیں، کیوں اسے اس طرح لوٹا دیا؟ اس سے کوئی ڈھنگ کی بات بھی نہ کی۔''
امینہ بیگم اپنے شوہر پر غصہ نکالنے لگیں۔
''بھلا وہ اس قابل ہے کہ اس سے اچھی بات کی جائے!'' جلال احمد کی آنکھوں میں ابھی تک وحشت اتری ہوئی تھی۔
''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ، داماد تو ہے ہمارا اور اگر کچھ غلطی کی تھی اس نے تو اس کی تلافی کے لیے ہی آیا تھا۔ آصفہ سے روز فون پر معافی مانگتا ہے، پھر کیا کرنا چاہیے، مرد ہے بار بار پلٹ کر تھوڑی آئے گا۔'' امینہ بیگم کے دل کے اپنے خدشات تھے۔
''تو کیا ہم اس کے پلٹ کر آنے کی آس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ارے اب اس چوکھٹ پر ناک بھی رگڑے گا نا تو جب تک آصفہ اشارہ نہ کرے گی میں اسے معاف نہ کروں گا۔ داماد ہے تو ٹھیک ہے،

نہ بھی رہے تو مجھے پروا نہیں۔'' وہ بھی غصے سے کھول رہے تھے۔

''جلال صاحب! آپ صرف غصے میں ہی سب باتیں سوچ رہے ہیں، ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرلیں، بیٹی کو بٹھائے رکھنا اتنا آسان تو نہیں ہے۔''

''امینہ بیگم! میں آپ سے کہوں گا کہ آپ غور کرلیں، ہماری پھول جیسی بچی کو انہوں نے کیسا ستایا ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ بچے کی پیدائش کے وقت آصفہ ہمیں تو اسپتال پہنچی ہوئی ملی تھی۔ وہ خود نہ گری تھی، سیڑھیوں سے گرائی گئی تھی۔'' وہ اپنی بیگم کو جوش دلانے لگے۔

''یہ بات تو میں اسی وقت جان گئی تھی۔ عالیہ بیگم کے چہرے پر لکھا ہوا تھا، آصفہ کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہا تھا لیکن۔۔۔۔''

پھر وہ چپ ہوگئیں، یہ بات انہیں یاد آئی تو ان کی زبان بھی گنگ ہی رہ گئی۔ ذہن وکالت کرنا بھول گیا۔ اپنی بیٹی کی تکلیف کی وہ گھڑی یاد آئی جب وہ اپنی اور اپنے بچے کی زندگی کے لیے لڑی تھی تو انہیں خود ہر دوسری بات بھول گئی۔

''کیا ہوا۔ آپ کیوں رک گئیں۔ ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا نا، اولاد کا دکھ زبان روک رہا ہے نا۔ بتاؤ بیگم! ہم اپنی بچیوں کو اسی لیے ناز و نعم سے پالتے ہیں کہ شوہر کے گھر جا کر وہ خوشی کا مطلب ہی بھول جائیں۔

شرافت اور نیکی کا درس دے کر ہم نے اس سے کہا تھا کہ کبھی کسی کو دکھ درد نہ دینا، سسرال کو اپنا گھر سمجھنا اور کوئی کام ایسا نہ کرنا کہ والدین کی عزت پر حرف آئے۔''

''وہ بے چاری اسی بات پر ڈٹی رہی۔ اتنی نیک سیرت ہماری بچی کی ان لوگوں نے ذرہ برابر قدر نہ کی۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، اب ہم آصفہ ہی کی مرضی پوچھیں گے۔''

''آصفہ کی مرضی وہاں پلٹ کر جانے کی ہرگز نہ ہوگی اور ہوئی بھی تو میں نہ جانے دوں گا۔ اس تھرڈ کلاس آدمی کے ساتھ ایک بار بھیج کر غلطی ہوگئی۔ دوبارہ غلطی نہ ہوگی۔'' وقار ابھی آیا تھا۔

صبح اس کی آنکھ بہت دیر سے کھلی۔ رات وہ بہت دیر سے سویا تھا اور الجھن میں گھڑی کا الارم بھی سیٹ کرنا بھول گیا تھا اس لیے صبح سوتا ہی رہ گیا اور تیزی سے باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے اس کے منہ سے نکلا۔

''آصفہ ناشتا جلدی تیار کرنا!'' اور اسی دم اسے اپنی بات کے خالی پن کا احساس ہوا تو ٹھنڈی یخ چوٹ جیسی سارے جسم میں دوڑ گئی۔ کبھی کبھی دل یوں بے اندازہ دُکھتا ہے کہ ہم چلتے چلے جاتے ہیں اور دل دکھتا چلا جاتا ہے۔

وہ پانچ منٹ میں نہایا، دو منٹ میں تیار ہوا لیکن جوتے پہنتے ہوئے موزے اسے نہ ملے۔ کتنا ڈھونڈا، کہیں کوئی جوڑی دروازے کے پیچھے سے ملی، کوئی موزہ پلنگ کے نیچے سے برآمد ہوا، کوئی ڈریسنگ ٹیبل پر ٹشو باکس کے نیچے پڑا تھا اور کوئی تکیے کے نیچے دبا ہوا ملا۔ لیکن سارے موزے میلے تھے اور اسے کتنی شدید چڑ تھی استعمال شدہ موزے دوبارہ پہننے سے، وہ آصفہ کو کئی بار بتا بھی چکا تھا۔

''دیکھو میں ایک بار کا پہنا ہوا جوڑا دوبارہ پہن لوں گا لیکن موزے دوسرے دن ہرگز نہ پہنوں گا اور اب اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا اس وقت میلے موزے پہننے کے سوا۔ کیونکہ پانچ منٹ وہ پہلے ہی گنوا چکا تھا۔

چار دن میں اس کا کمرا کباڑ خانہ بن چکا تھا۔ کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر نہ رہی تھی۔ آصفہ کیسے صبح ہی صبح بوتل کے جن کی طرح ہر چیز اس کے لیے تیار رکھتی تھی۔ تولیہ، کپڑے، موزے، ٹائی، ناشتا، چائے۔ اف چائے کے بغیر تو اس کا سر گھوم رہا تھا۔ روز تو وہ ناشتا حبیب خان سے منگواتا اور چائے خود بنانے لگا تھا۔ امی کے پاس جاؤ تو وہ خود تو سوئی ہوئی ملتی تھیں اور سمیعہ بھابھی سے کہنا اسے اچھا نہ لگتا تھا۔

اس وقت بھی وہ امی کی طرف گیا، صرف اس آس میں کہ شاید ناشتا تیار ہو رہا ہو۔ چائے بن رہی ہوگی تو وہ خود سمیعہ سے چائے مانگ لے گا۔ لیکن وہاں سب سوئے ہوئے تھے، حبیب خان نے بتایا کہ عینی آپا آئی ہوئی ہیں لیکن وہ بھی اپنے بچوں کے ساتھ سوئی ہوئی ہیں۔ اسے فقط ایک پیالی چائے کی کتنی طلب ہو رہی تھی، لیکن وہ چڑتا جھنجھلاتا گاڑی نکال کر اسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔

''اونہہ امی جان نے میری بیوی کو تو گھر سے نکلوا دیا لیکن ایک بار بھی پلٹ کر نہیں پوچھا کہ بیٹا تمہارا کیا حال ہے یا تمہارا گھر کیسا ہے۔ ناشتا کیسے بناتے ہو، اپنی چیزیں کیسے سمیٹتے ہو، رات کو اکیلے سوتے ہوئے گھبراتے تو نہیں۔ تنہائی تو محسوس نہیں کرتے۔ کسی چیز کی تکلیف ہو تو بتانا لیکن نہیں وہ تو آصفہ کو اس کے گھر سے نکلوا کر خود اسے بھی بھول گئی تھیں۔ رات کو صرف کھانے کے لیے اسے روکتیں، وہ بھی اس لیے کہ وہ بے شرم بن کر اسپتال سے سیدھا ان کے پاس آجایا کرتا تھا۔ نہ جائے تو وہ پلٹ کر پوچھنے بھی نہ آئیں۔ جس طرح کل رات کو وہ اتنی دیر سے گھر لوٹا، آصفہ کے پاس سے ہو کر شہر میں اِدھر اُدھر گھومتا پھرا تھا رات بارہ بجے کے بعد گھر لوٹنے کا خیال اسے آیا تھا۔

رات کو عینی آپا بھی تھیں مگر کوئی اسے پوچھنے یا جھانکنے نہیں آیا۔ وہ غصے میں بھوکا ہی سو گیا تھا اور اس وقت بھی بھوکا اسپتال جا رہا تھا۔ اسے ہر کسی پر خاص کر اپنی ماں پر اتنا غصہ آیا کہ جی چاہا اب پلٹ کر انہیں کبھی اپنی صورت نہ دکھائے۔

رات وہ اسپتال سے سیدھا اپنے گھر کی طرف ہی چلا آیا۔ اپنے کمرے میں بہت دیر تک بے وجہ ادھر ادھر ٹہلتا رہا اور پھر اکتانے لگا تو گھر سے باہر نکل گیا ابھی سڑک تک آیا تھا کہ پیچھے سے عینی آپا کا بچہ دوڑتا ہوا آیا۔

''ماموں! آپ کو میری امی بلا رہی ہیں۔'' عینی آپا دروازے کے پاس کھڑی تھیں وہ بے زار سا پلٹا اور بڑی بہن کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

''کہیں جا رہے تھے؟'' عینی آپا نے پوچھا۔

''کہاں جاؤں گا! آوارہ گردی کرنے جا رہا تھا۔''

''کیوں بھئی گھر میں بیٹھو، امی کے پاس نہیں آئے، وہ تمہیں یاد کر رہی تھیں۔''

''وہ بستر پر بیٹھے بیٹھے اپنے بچوں کو یاد کرنے کا کام خوب کر لیتی ہیں۔'' شرجیل کا دماغ تپا ہوا تھا

اس کے منہ سے اچھی بات اس وقت نہ نکل سکتی تھی۔
''شرجیل بھائی ایسے کیوں کہہ رہے ہیں؟ چلیں اندر تو چلیں۔'' انہوں نے بھائی کا ہاتھ تھام لیا۔
''کوئی کام ہو تو بتائیں ورنہ مجھے یہاں بیٹھ کر گھبراہٹ سی ہوتی ہے۔''
''کام تو بہت ہیں، تم مجھے اندر اپنے کمرے میں بیٹھنے کے لیے تو لے جاؤ۔'' اس نے جھلاتے ہوئے کمرے کا لاک کھولا اور چابی پھر جیب میں ڈالتے ہوئے بستر پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ عینی آپا بھی اندر آ کر سامنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔
''اوہ گاڈ! یہ تمہارے کمرے کا کیا حال ہے، صفائی نہیں ہوتی یہاں کیا؟''
''خیال کرنے والی کو میں نے نکال دیا، اب کسی کو کیا ضرورت پڑی کہ یہاں دھیان دے۔''
''کیوں نکال دیا، میں یہی پوچھنے آئی ہوں۔'' عینی آپا کی پیشانی پر تردد کی لکیریں تھیں۔
''اب پوچھنے آئی ہیں؟ آپ کو بھی وقت نہ ملا ہوگا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔
''ارے بھائی میں تو کل سے آئی ہوئی ہوں کل رات بارہ بجے تک تمہارا انتظار کیا، گھر آئے ہی نہیں۔ پھر میرے بچے کو دو دن سے بخار آ رہا ہے اسی کے پیچھے جاگتے جاگتے کل اتنا تھک گئی تھی کہ سوچا تھا تھوڑی دیر لیٹتی ہوں مگر آنکھ ہی لگ گئی اور صبح بھی جلدی اٹھ نہ سکی۔''
وہ اپنی مجبوری سنا رہی تھی اور شرجیل سوچ رہا تھا کہ اللہ نے یہ خوب نظام بنایا ہے کہ ہر انسان کو شریک حیات جیسی نعمت سے نوازا ہے وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت زندگی کے سفر پر اپنی تمام ترجیحات کو ایک دوسرے کے لیے وقف رکھتے ہیں۔ مرد اپنے گھر اپنے بیوی بچوں کے لیے روزی کماتا ہے، اسی کے لیے محنت کر کے روٹی مہیا کرتا ہے اور عورت اپنے شریک سفر کی چھوٹی چھوٹی ضرورت کے لیے بڑے بڑے مقاصد قربان کر دیتی ہے۔ شرجیل جیسے بے وقوف کم ہی ہوتے ہیں کہ بے جا اور غلط باتوں میں آ کر اپنا ہی گھر برباد کر لیتے ہیں۔
''بہت انتہائی قدم اٹھا لیا تم نے، ہمارے گھر کے جھگڑے تو روز کے ہیں۔''
ٹھیک ہی بات تھی ان کی۔
''پتا نہیں عینی آپا! مجھے کیا ہو گیا تھا۔ آپا! آپ دیکھ تو رہی تھیں، امی اسے کسی طرح بخشتی ہی نہ تھیں۔'' اتنا اونچا قد، چوڑی پیشانی اور بڑی بڑی آنکھوں والے شرجیل کا دل بھر آیا۔ اس کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔
''غلطی تمہاری ہے میرے بھائی! امی کو ہم سمجھا نہیں سکتے لیکن ہم خود تو سمجھ رکھتے ہیں۔ شرمین کی فضول باتیں کیا تمہاری دیکھی سنی نہ تھیں یا امی کا رویہ؟ تم کیوں باتوں میں آ گئے۔''
عینی آپا، بھائی کی حالت دیکھ کر اور پریشان ہو گئیں۔
''میں اُس لمحے کو کوس کوس کر تھک گیا ہوں آپا۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر رہ گیا۔
''اُس کو جا کر لے آؤ بھائی۔ امی کے کہنے کا انتظار نہ کرو۔'' عینی آپا نے یوں بات کہی جیسے بہت پتے کی ہو۔
''میں گیا تھا، میں نے فون بھی بہت کیا لیکن وہ اب اس طرح نہیں آئے گی۔ اس کے والدین

نہیں بھیجیں گے۔'' پھر شرجیل نے اپنے جانے کی کچھ تفصیل بتائی۔

''ہے تو یہ حقیقت ہم نے آصفہ کے معاملے میں بہت بے رخی اور بے وقوفی برتی ہے۔ وہ ایک بامروت اور اچھی لڑکی تھی اس لیے ہم نے اس کو بہت پیس ڈالا۔ ورنہ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ایسا سلوک چار دن بھی برداشت نہ کرتی۔ وہ خاندان، مرتبے، دولت، ہر چیز میں تم سے برتر ہے بھائی مگر مجال ہے جو کبھی اس نے اس بات کو جتایا ہو۔''

''کتنی حیرانی کی بات ہے یہی بات پہلے ہم میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آئی، اب سب کو سوجھ رہی ہے۔''

''شاید اس لیے کہ اب اس نے اپنی مرضی سے اپنے معاملے میں اپنے خاندان کو شامل کیا ہے، اور اب اس کے خاندان تک بات گئی ہے تو نمٹنا مشکل ہے۔''

''کیا مشکل ہے اگر ابو جا ہیں تو بات ابھی بن جائے، میں نے ان سے کتنا کہا لیکن وہ ساتھ چلنے کے لیے راضی نہ ہوئے۔'' شرجیل کو مشکل سے کوئی ہمدرد میسر آیا تھا۔

''نہیں وہ تو کبھی تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے۔ ان کے لیے جلال انکل کی دو باتیں سن لینا ممکن نہ ہوگا۔ وہ قطعی برداشت نہ کریں گے، تم جانتے ہو وہ درجنوں بار امی سے بھی اسی بات کی بنیاد پر جھگڑ چکے ہیں کہ کوئی اونچ نیچ ہوئی تو وہ اپنے باپ اور چچا کا سامنا نہ کرسکیں گے۔''

''جب وہی کچھ نہیں کرسکتے تو کسی کی بھی کیا آس رکھوں، میں خود تو ناکام ہو چکا ہوں۔''

''تم دادا جان سے بات کرو۔ وہی آصفہ بھابھی کو منا سکتے ہیں۔'' عینی آپا سب سے زیادہ ٹھیک بات کر رہی تھیں۔

''لیکن دادا جان پہلے میری گردن پکڑیں گے پھر آصفہ کو منائیں گے۔'' اب عینی آپا اٹھیں اور کمرے کی پھیلی ہوئی چیزیں سمیٹنے لگیں۔

طلعت اور تہنیت آئیں تو آصفہ ان سے مل کر اتنی خوش ہوئی کہ کچھ دیر کے لیے سب کچھ بھول گئی۔

''تم بتاؤ جواد صاحب کیسے ہیں۔'' آصفہ نے ہنس کر پوچھا۔

''بہت اچھے، ہمیشہ کی طرح اتنے ہی پیارے۔'' طلعت نے کھل کر تعریف کی۔

''افوہ بھئی اچھے بھی، پیارے بھی۔'' وہ اور کھل کر ہنسیں۔

''کیا کروں بھئی بندہ تعریف کے لائق ہو تو اس کی تعریف کرنی ہی چاہیے نا۔''

''ضرور کرو تعریف! اب تمہارے لیے زمانے بھر کے دوسرے کام تو ختم ہو کر رہ گئے ہیں نا۔'' تہنیت نے چڑایا۔

''اور تو سارے کام ختم ہو گئے ہیں، تمہاری فکر کرنی پڑتی ہے اس لیے ذرا دماغ دکھ جاتا ہے۔''

''ارے واہ میری فکر میں دماغ دُکھانے کا مشورہ کس نے دیا ہے۔''

''کیا کروں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتی رہتی ہوں کہ میری ایک بے وقوف، منہ پھٹ اور بے صبری

بہن کے لیے بھی اچھا رشتہ بھیج دے۔'' اب طلعت اور آصفہ ہنس دیں اور تہنیت نے غصے میں گود میں رکھا تکیہ کھینچ کر طلعت کو دے مارا۔

''ذرا شادی ہوگئی اور میاں اچھا مل گیا تو ان محترمہ کا دماغ ہی خراب ہوگیا ہے۔ بس ذرا سال بھر پورا ہونے دو، شوہر صاحب اپنی اصلیت پر آئیں گے تو تم سے پہچانے نہیں جائیں گے، پھر اپنے دکھ رونے کے لیے ہم جیسے مخلص دوستوں کا کندھا ہی چاہیے ہوگا۔'' وہ تنک کر بولی۔

''نہ نہ اللہ نہ کرے، تہنیت! ایسے مت بولو اللہ اس کے میاں کو ہمیشہ اتنا اچھا اور نیک ہی رکھے۔ عورت ان مردوں کے آسرے پر ہی تو سب کچھ چھوڑ کر ان کے گھر جاتی ہے۔'' آصفہ کے دل پر تو ایسی بات فوراً اثر کرنے والی تھی۔

''اوہ میں تو مذاق کر رہی تھی، ورنہ اس کے لیے تو ہر وقت دعا ہی کرتی ہوں۔''

''چھوڑو بھئی مذاق کی بات میں کیا سیریس ہوگئے۔''

''طلعت! جواد امیر بہت پوزیسو ہے نا۔''

''حد سے زیادہ! اتنا کہ کبھی کبھی بہت غصہ آنے لگتا ہے۔ لیکن محبت اتنی کرتا ہے کہ اس کے لیے اس کمزوری سے سمجھوتہ کر لیتی ہوں۔''

''ہاں اگر مرد غصہ کرتا ہے تو پیار بھی دیتا ہے، جبھی تعلق بھلا لگتا ہے۔'' تہنیت نے کہا۔

''ہر چاہنے والے پر حقوق کی ادائیگی فرض ہونا چاہیے۔''

سمیعہ اپنے کپڑے پریس کر کے الماری میں لٹکا چکی تو عالیہ بیگم کے لیے دلیہ پکانے کچن کی طرف آ گئی انہیں کچھ بدہضمی ہوگئی تھی اس لیے انہوں نے سمیعہ سے کہا تھا کہ دوپہر کے وقت وہ سوائے دلیے کے کچھ نہ کھائیں گی۔

''کیا ہوا۔ کھانا تیار ہے، ہے تو نکال دو۔'' ابھی وہ کچن میں گئی ہی تھی کہ اس کی ساس کی آواز آئی۔ ابھی ظہر کی اذان ہوئی ہی تھی۔ عموماً وہ دو بجے کھانا کھایا کرتی تھیں۔

''بس امی! تھوڑی دیر میں ہو جائے گا۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''بھئی مجھے تو تھوڑا سا دلیہ ہی کھانا ہے، ایک پیالے میں ڈال کر دے دو۔''

''دلیہ ہی ابھی بنانے کے لیے رکھا ہے، ابھی تو ایک ہی بجا ہے۔

''ایک چھوٹا سا کام تم نے ابھی تک نہیں کیا جبکہ میں نے تمہیں صبح ناشتے پر ہی بتا دیا تھا کہ دلیہ کھاؤں گی۔'' عالیہ بیگم چڑ گئیں۔

''جی امی! ہے تو چھوٹا سا ہی کام ابھی ہو جائے گا۔''

''تمہارا اپنا ہی حساب کتاب ہے، بھئی اگر دلیہ پہلے بنا لیتیں تو کیا حرج تھا۔''

''ہم روزانہ دو بجے کھانا کھاتے ہیں اور دو بجنے میں ابھی بہت دیر ہے۔''

''اچھا اب کھانا بھی میں اپنی بھوک کے وقت نہ کھاؤں۔ گھڑی دیکھ کر تمہارے حساب سے کھاؤں۔''

''خوامخواہ میں بات بڑھا رہی ہیں آپ امی! بس تھوڑی دیر صبر کرلیں۔'' وہ بھی چڑ گئی۔
''توبہ اللہ کی پناہ ہے کیسی تیز زبان ہے اس لڑکی کی، منہ سے بات چھینتی ہے۔'' وہ ابھی اور بھی کچھ کہتیں لیکن اپنی ساس اور سسر کو گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر چپ ہو گئیں۔
''خیریت ہے عالیہ! کس پر برس رہی ہو۔''
''السلام علیکم دادی جان، دادا ابا۔'' اسی وقت سمیعہ نے بڑھ کر سلام کیا۔
''بس کھانے کے لیے کہہ رہی تھی بھوک لگی ہے مگر بہو بیگم کہہ رہی ہیں ابھی وقت نہیں ہوا دو بجے کھانا ملے گا۔'' وہ ہنس کر اپنے شوہر کو دیکھنے لگیں۔
''امی پلیز، ایک دلیہ ہی تو بن رہا ہے آپ خود سوچیں دادی جان کتنی جلد بن جاتا ہے۔''
''کچھ اور نہیں پکایا دوپہر کے کھانے کے لیے، بھئی ہم کھانا کھا کر نہیں آئے۔'' اب کمال صاحب بھی کچھ مسکرا رہے تھے۔ وہ دونوں میاں بیوی عالیہ بیگم کی بے زاری محسوس کر چکے تھے۔
''نہیں دادا جان قورمہ پکایا ہے، مونگ کی دال بھگو کر رکھی ہے اور ابھی چاول بھی پکالوں گی، آپ نا بھی کہتے تو ہم آپ کو کھانا کھائے بغیر تھوڑی جانے دیتے۔''
''مگر شرط یہ ہے کہ کھانا دو بجے کے بعد ہی ملے گا۔'' وہ ہنسنے لگے۔
''آپ خود ہی بتا دیں دوپہر کے کھانے کے لیے دو بجے کا وقت موزوں ہے یا نہیں اور ہم روزانہ دو بجے کے بعد ہی کھانا کھاتے ہیں آج ہی امی جان کو جلدی کھانے کا جی چاہا ہے۔''
وہ پھر وضاحت کرنے لگی اور پھر کچن میں جا کر کھانا پکانے کا بقیہ کام نمٹانے لگی۔ روٹی خود ہی اس نے اپنی مرضی سے باہر سے منگوالی۔ مونگ کی بھنی ہوئی دال بھی اس نے جلدی جلدی مسالہ ڈال کر تیار کرلی اور ابھی دو بجے ہی تھے کہ اس نے کھانا بھی میز پر لگا دیا۔ وہ ہر کام پھرتی اور ترتیب سے کرتی تھی۔ کاموں کے بارے میں وہ پہلے ہی طے کرلیتی کہ اتنا کچھ وہ کر سکے گی۔
''روٹی گھر میں نہیں بنائی۔ بنا لیتیں تو میں بھی ایک آدھ کھا لیتی، تمہیں خبر ہے کہ میرا ہاضمہ خراب ہے، باہر کی روٹی تو ہرگز نہیں کھاؤں گی۔''
عالیہ بیگم اب اسے کسی کی موجودگی کی پروا کیے بغیر مسلسل ٹوک دیا کرتی تھیں، پھر وہ بھی سب کے سامنے ہی وضاحت کرتی۔
''آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ آپ صرف دلیہ کھائیں گی۔ روٹی پکانے کا تو قطعی وقت نہیں تھا، تھوڑے وقت میں جتنا کام ہو سکتا تھا میں نے کرلیا۔''
''سمیعہ بیٹی! ہم نے تمہیں بے وقت آ کر پریشان کر دیا، صبح سے تمہاری دادی کو کہہ رکھا تھا کہ فون کر دینا لیکن یہ بھول گئیں بلکہ بھول کیا گئیں مجھے یقین ہے کہ جان بوجھ کر نہ کیا۔ ان عورتوں کو بہوؤں کو آزمانے کا بہت شوق ہوتا ہے نا۔''
دادا جان نے کہا تو سمیعہ ہنس دی۔ دادا جان نے کہا سمیعہ کے لیے لیکن عالیہ بیگم نے اشارہ اپنی طرف جان کر اور مزاج خراب کرلیا۔
''آپ ناحق مجھے بدنام کر رہے ہیں، میں نے فون ملایا تو تھا مسلسل انگیج تھا۔''

''یہ سمیعہ ہی کسی سے بات کر رہی ہوگی۔ فون تو اس کا بس چلے تو گلے میں لٹکا لے۔''

''کیا کروں دادا جان! سارا دن اکیلی بور ہوتی ہوں، میرے تو والدین دوست احباب سب اسلام آباد ہی میں ہیں نا، کوئی نہ کوئی فون ضرور کرتا ہے میں خود کسی کو نہیں کرتی۔''

''ہاں تو اب روحیل آئے تو اس سے کہنا کارڈ لیس لگوا لے۔ کمرے میں یا اِدھر اُدھر لے جانے میں آسانی رہتی ہے۔''

''ہاں تو پھر وہ اپنی جگہ پر کبھی ملے گا ہی نہیں۔ کوئی ایمرجنسی فون بھی نہ ملا کرے گا۔''

''اپنے ایمرجنسی فون کے لیے تم ایک موبائل رکھ لو نا عالیہ۔''

وہ جی کڑا کے دلیہ کھاتی رہی۔ سمیعہ کی من مانی انہیں اتنی کھلتی تھی کہ وہ ہر وقت اس طرح چڑی ہوئی اور بے زار ہی رہتی تھیں۔ ابھی روٹی کے ساتھ اپنی مرضی سے اس نے مٹھائی بھی منگوالی تھی اور وہ خود کھا نہ سکتی تھیں، اس لیے انہیں سمیعہ کی یہ من مانی اور بری لگی تھی۔

''کھانا پسند آیا یا نہیں دادا جان؟'' وہ لوگ کھا چکے تو سمیعہ نے پوچھا۔

''بہت اچھا تھا۔ قورمہ تو تم نے لاجواب بنایا تھا اور مونگ کی دال بھی ہم دونوں میاں بیوی کو بے انتہا پسند ہے۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''فارغ ہو چکی ہو بیٹا تو آصفہ کو بلا لینا، اس سے بھی بہت دن ہوئے نہیں ملے۔'' سمیعہ برتن سمیٹ چکی تو دادی جان نے کہا۔

''وہ تو چار دن سے اپنی امی کے ہاں ہی رہ رہی ہیں۔'' سمیعہ نے فوراً جواب دیا تو عالیہ بیگم نے غصے سے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''چار دن! کیوں خیریت ہے عالیہ؟''

''چار دن کہاں؟ آج دوسرا ہی دن ہے۔ سمیعہ بھول گئی ہے، اس کے بیٹے کی طبیعت خراب تھی اور اسے خود بھی کچھ نزلہ وغیرہ ہو رہا تھا میں نے کہا جاؤ اپنی ماں کے ہاں آرام کر لو۔'' ان کے یوں صاف جھوٹ بولنے پر سمیعہ دنگ رہ گئی۔

''اچھا طبیعت زیادہ خراب تو نہیں، بیٹا ذرا فون تو ملاؤ۔''

دادا جان عالیہ بیگم کے جھوٹ کو صاف بھانپ گئے تھے اور دراصل وہ صورت حال جانچنے کے لیے ہی یہاں آئے تھے، کیونکہ انہیں اپنے بھائی جلال احمد کے ذریعے آصفہ کا سب احوال معلوم ہو چکا تھا۔

''نہیں ابا جان! اب ایسی بھی طبیعت خراب نہیں۔ آپ فکر مند نہ ہوں اور آج تو وہ آ ہی جائے گی۔ آپ تو رات تک یہیں رہیں گے، پھر آئے تو ہی خیریت معلوم کر لیجئے گا۔''

عالیہ بیگم کی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کمال عروج کو پہنچ چکی تھی۔ آصفہ کے لوٹ کر آنے کا قطعی کوئی امکان نہ ہوتے ہوئے انہوں نے کیسے صاف طور پر جھوٹ بات کہی۔

''نہیں تم فون تو ملاؤ سمیعہ بیٹا۔'' وہ بھلا عالیہ بیگم کے کہنے پر رکنے والے تھے۔

''ہیلو آصفہ! کیسی ہو بیٹا! طبیعت ٹھیک ہے اور تمہارے بیٹے کا بخار کیسا ہے۔'' انہوں نے اپنی بہو

کے جھوٹ کو مکمل دہرایا اور ابھی اگلی بات کرتے کہ عالیہ بیگم اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔
ادھر سے آصفہ یہی کہہ رہی تھی کہ نہ اس کی طبیعت خراب ہے نہ اس کے بیٹے کو بخار ہے۔
''پھر گھر آجاؤ بیٹا! ہم یہاں کھانے پر آئے ہوئے ہیں۔ رات تک رکیں گے۔'' انہوں نے آصفہ سے کہا تو وہ یک دم کنفیوژ ہوگئی۔ بھلا تایا جان کو کیا جواب دے۔
''کیا ابھی آنا نہیں چاہ رہی ہو؟'' ادھر سے خاموشی پر اس کے تایا جان نے پھر پوچھا۔
''جی تایا جان! ابھی نہیں آؤں گی۔''
''ٹھیک ہے پھر ہم خود اپنی بیٹی سے ملنے آجائیں گے۔'' انہوں نے فون رکھ دیا اور اپنی بیوی کی صورت دیکھنے لگے۔
''سمیعہ! کیا یہ حقیقت ہے کہ شرجیل نے اسے خود گھر سے نکالا ہے؟'' دادا جان نے سیدھا اس سے سوال کیا، لیکن ابھی وہ جواب دیتی کہ اس سے پہلے دادی جان نے کہا۔
''ارے اس سے کیوں پوچھ رہے ہیں، اس سے کچھ مت پوچھیں۔ یہ تو خود اپنے شوہر اور والدین سے دور یہاں اکیلی عالیہ کے آسرے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ عالیہ کی فطرت کو مزید آزمائیں گے کیا؟ آپ کو جو کچھ پوچھنا ہے سیدھا اپنے بیٹے اور بہو سے پوچھے گا، یا پھر شرجیل سے ہر بات کا حساب لے لیجیے گا۔''
اپنی بیگم کی بات انہیں بالکل درست لگی۔
عالیہ ہی کے گھر میں بیٹھ کر سمیعہ سے اس کے خلاف کوئی بات کہلوانی خطرناک ہی تھی۔ سمیعہ بااعتماد اور نڈر لڑکی ضرور تھی لیکن عالیہ بیگم کی فطرت بڑی کمینی تھی۔
شام کو چائے بنا کر اس نے سب کو دی ہی تھی اسی وقت سہیل صاحب بھی آگئے۔ اپنے والدین کو دیکھ کر انہیں اپنی شامت اعمال صاف دکھائی دینے لگی اور چائے پیتے ہی کمال صاحب نے پوچھا۔
''آصفہ کو گھر سے نکال کر جھوٹی سچی کہانیاں گھڑنے کے بجائے آپ میاں بیوی کو کہیں چھپ کر بیٹھ جانا چاہیے تھا۔'' عالیہ بیگم بھی اب لاؤنج میں موجود تھیں۔
''دیکھیں سہیل صاحب اپنے والد سے کہہ دیں مجھ سے اس طرح بات نہ کریں۔ آصفہ کو گھر سے اس کے شوہر نے نکالا ہے۔ ہم نے کچھ نہیں کہا۔ یہ غیر کی بیٹی آپ کے سامنے کھڑی ہے اس سے پوچھ لیں۔''
''عالیہ! تم نے کبھی نہ اپنے بڑوں کا ادب کیا ہے نہ ان کا مان رکھتی ہو۔ اپنے چھوٹوں کو کبھی تم سکون سے رہنے نہیں دیتیں۔ آخر کو اکیلی رہ جاؤ گی تو کیسے زندگی گزارو گی۔'' ان کی ساس یک دم طیش میں آکر آج بہت دنوں بعد انہیں نصیحت کرنے چلی تھیں۔
''اماں! میں جانتی ہوں کہ آپ نے زندگی میں کبھی مجھے دعا نہیں دی؟ اب بھی اکیلے رہ جانے کی بددعا دے رہی ہیں لیکن دیکھیے گا کہ میرے دونوں بیٹے ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گے۔''
''آپ کو میں کہہ رہا ہوں کہ اب آپ درمیان میں نہ بولیے گا۔'' کمال صاحب کو بہت غصہ آگیا پھر انہوں نے خود ہی بات شرجیل کے آنے تک ٹال دی۔
رات کو شرجیل پھر اسپتال سے ہو کر اپنے ہی گھر چلا آیا، اسے بلایا گیا۔ اپنے دادا اور دادی کو دیکھ کر

وہ بھی سٹپٹا گیا، لیکن پھر کچھ مطمئن بھی ہوا کہ آخر اس کی مشکل کا کوئی حل بھی نکلے گا۔ کھانے کے بعد کمال صاحب نے شرجیل سے پوچھا۔

''اپنی بیوی کو اپنے گھر میں رکھنا نہیں چاہتے؟''

''اللہ نہ کرے دادا جان! وہ میرے بیٹے کی ماں ہے، میں تو اسے لینے بھی گیا تھا۔''

''تم اسے لینے گئے تھے، مجھ سے پوچھے بغیر، بتائے بغیر تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ اب میں واپس اسے اس گھر میں آنے دوں گی۔'' عالیہ بیگم اتنے زور سے بولیں کہ شرجیل پھر گڑبڑا گیا۔

''گھر تو وہ واپس آئے گی نا امی جان۔''

''نہیں آئے گی۔ بس تم اسے تین لفظ لکھ کر بھیج دو، یہی میرا فیصلہ ہے، ابا جان آپ جا کر اپنے بھائی کو بتا دیجیے گا۔''

وہ بات بنانا چاہتا تھا اور اس کی ماں سرے سے اسے ختم ہی کر دینے کے درپے تھیں۔ وہ پھر اپنا سر پیٹتا رہ گیا۔

''سہیل احمد! جب تمہارے گھر میں سارے فیصلے طے ہو چکے ہیں اور بڑوں کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی ہے تو ہماری موجودگی یہاں بے معنی ہے، لیکن یاد رکھنا اگر تمہارے گھر سے یہ غلط کام ہوا تو ہم ساری عمر تمہاری صورت نہ دیکھیں گے۔''

''دادا جان پلیز! آپ ناراض نہ ہوں، ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ آپ بیٹھیں، یہاں رہیں پلیز ہمارے پاس۔'' شرجیل اب دادا کو منانے لگا۔

''کیسے نہیں ہوگا۔ اب آصفہ کا نام تمہاری زبان پر آیا تو میں اس گھر میں نہ رہوں گی۔''

''امی پلیز! وہ میرے بیٹے کی ماں ہے۔ اس کی گود میں میرا بچہ ہے، میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تو ہمیں چھوڑ دینا۔ اپنی زندگی سے نکال دینا۔'' پھر عالیہ بیگم کی ضد تھی ان کی بے جا ہٹ تھی اور سب مجبور تھے کہ وہ قطعی لحاظ نہ کرتی تھیں۔

انہیں سہیل احمد نے بہت سمجھایا، دوسرے دن روحیل کراچی آیا اسے بھی بلایا گیا تھا۔ وہ بھی اپنی ماں کو سمجھانے لگا، لیکن ان کے دماغ پر بھوت سوار تھا۔ ان کی زبان پر ایک ہی لفظ تھا آصفہ کے لیے۔ کوئی سمجھا نہ سکا کوئی ان کی ضد توڑ نہ سکا۔

''کیا ملے گا تمہیں اپنے بیٹے کی زندگی برباد کر کے۔'' سہیل احمد کہنے لگے۔

''برباد کیوں، میں اس کی دوسری شادی کروں گی۔''

''اونہہ تم اس کی کسی بھی بیوی کو برداشت نہ کر سکو گی۔ کیسے حسد نے جنم لے کر ڈیرہ جما لیا ہے تمہارے دل میں، یہ اچھا جذبہ نہیں ہے، یہ تمہیں خود بھی برباد کر دے گا۔''

''آپ میری پروانہ کریں اور مجھے نہ سمجھائیں۔ میں کسی طرح اب آصفہ کو برداشت نہ کروں گی۔''

روحیل، شرجیل تھک گئے، سمیعہ تو حیران اور پریشان قدم قدم پر اپنی حیثیت بھول جاتی اس گھر میں۔

''کیا آپ آصفہ بھابھی کو چھوڑ دیں گے شرجیل بھائی؟'' آخر اس کی بے تابی ختم ہی نہ ہوئی تو وہ

ایک رات کو شرجیل کے کمرے میں آئی۔ روحیل بھی ساتھ تھا اور اس نے پوچھ ہی لیا۔
''کبھی نہیں چھوڑوں گا، چاہے ساری زندگی معاملہ یونہی چلتا رہے۔'' اس نے سمیعہ کی طرف دیکھ کر سختی سے کہا۔
''معاملہ یونہی کیسے چلے گا۔ فیصلہ بہت ضروری ہے۔''
''کروں گا میں کچھ نہ کچھ کروں گا روحیل یا تو پھر ایک دن پاگل ہو جاؤں گا۔'' اس کا دماغ یونہی پک رہا تھا آج کل۔
ادھر آصفہ اب منٹ بھر کے لیے فون پر بات بھی نہ کرتی تھی وہ جانے فیصلے کے کون سے راستے پر چل رہی تھی۔ کبھی کہتی میں ٹھہر کر تھوڑا عرصہ خاموشی سے زندگی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ کبھی لگتا اب وہ پلٹ کر آنے والی راہ پر دیکھنے والی ہی نہیں۔ کبھی شرجیل کو وہم ہوتا کہ وہ پچھتانے لگی ہے کہ اس نے اتنی زندگی شرجیل کے ساتھ برباد کیوں کر دی۔
''شرجیل بھائی! آپ نے اپنی ماں کی ناجائز باتوں میں ان کا ساتھ دے کر ان کو بھی گناہ گار کیا، خود بھی پچھتائے اور آصفہ بھابھی کا بھی برا انجام کیا ہے۔ میں تو صاف بات کہوں گی کہ اگر اب ان سب کی تلافی آپ کر سکیں تو ٹھیک ہے ورنہ معاملہ ختم کر دیں۔ ایک عورت کسی مرد پر ناجائز قربان ہو جانے کے لیے پیدا نہیں ہوتی ہے۔'' سمیعہ بڑے دنوں سے شرجیل کے لیے جی میں بھڑاس لے کر بیٹھی ہوئی تھی۔

''کیا چاہتی ہے آصفہ، ایک بار ڈھنگ سے اس سے پوچھ کر دیکھو۔''
''کیا پوچھوں! کوئی بات تھوڑی کرتی ہے وہ، اور مجھے تو یوں بھی کچھ نہیں بتاتی، اپنے باوا سے ہی ساری باتیں کرتی رہتی ہے۔'' امینہ بیگم کئی دنوں کا دل میں مچلتا شکوہ اپنی ماں سے بیان کر رہی تھیں۔
''تم ساتھ بیٹھ کر سن لیا کرو پھر اپنے میاں سے پوچھ لیا کرو۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے غم میں بڑی باتوں اور مسئلوں کی اہمیت گم ہو جاتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ بیٹھ کر پوچھو تو آصفہ ہر بات زیادہ تفصیل سے تمہیں ہی بتائے گی۔'' نانی جان اپنی بیٹی کو سمجھا رہی تھیں۔
''میں اتنا تو سمجھ رہی ہوں کہ اب وہ واپس جانے کا خیال دل میں نہیں رکھتی ہے۔''
''ٹھیک ہی ہے نا یہ عالیہ تو ہماری بچی کی زندگی برباد کر کے رکھ دے گی۔ اور شرجیل میں کون سے ہیرے جڑے ہیں کم بخت صبح شام ماں کی تسبیح پڑھتا ہے۔ بیوی بچوں کو کیا دیکھے گا۔ اچھا ہی ہے ابھی فیصلہ ہو جائے، ابھی ہماری آصفہ کی عمر ہی کیا ہے۔ ابھی اسے اچھے سے اچھا بر مل جائے گا۔ اس شرجیل نام کی بلا سے تو جان چھوٹے۔
نانی جان تو بہت دور کی سوچنے لگی تھیں اور ان کی سوچ نے امینہ بیگم کے دماغ میں بھی بتی جلا دی۔
''اماں! ابھی یہ تو بہت دور کی باتیں ہیں، آصفہ کے سامنے کچھ نہ کہیے گا۔''
''ارے مجھے پاگل سمجھا ہے کیا، کسی سے کچھ نہ کہوں گی۔ یہ ہم ماں بیٹی کے درمیان راز سمجھو، میں تو تمہیں اس لیے خبردار کر رہی ہوں کہ مائیں بیٹیوں کی فکر کر سکتی ہیں اس طرح کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔''

نانی جان یوں بھی شرجیل کے رشتے پر کبھی خوش نہ ہوئی تھیں۔ ''مجھے تو یہ بات بھی کھٹکتی ہے اماں کہ عالیہ اور سہیل بھائی دونوں میں سے کوئی بھی نہ آیا ہے نہ فون کیا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کمال بھائی کو تو کچھ خبر ہی نہ تھی۔ ساری بات انہوں نے ہی بتائی تھی۔''

''کیا بتائیں گے کس کو، منہ چھپا کر بیٹھے ہیں کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ کسی سے کہہ سکیں گے۔ لاوارث بے یارومددگار سمجھ لیا ہماری بچی کو، گھر سے کیسے نکال دیا۔ ایک بار عالیہ ملے تو اس کا جینا حرام کردوں۔''

''اتنا سب کچھ ہوگیا سمیعہ! تم نے مجھے کچھ بتایا بھی نہیں۔''

''ابو جی نے سختی سے منع کیا تھا اور میں نے بھی سوچا کہ آپ کو پریشان کرنے سے حاصل کچھ نہ ہوگا پھر ابو جی نے خود ہی آپ کو بلایا، لیکن سب بے فائدہ ہے۔ آپ کی امی کو کوئی سمجھا نہیں سکتا۔ دراصل انسان تو انسان ہی ہے نا اس کو اتنی اونچائی پر پہنچا دینا کہ وہ پھر کبھی نیچے کا تصور ہی نہ کرے زیادتی بھی ہے اور نادانی بھی۔'' سمیعہ کہہ رہی تھی۔

''اب ہمارے گھر میں ہر مقام پر امی جان ابو سے آگے نکل کر کھڑی رہیں تو انہیں عادت پڑ گئی ہر ناجائز میں انہوں نے اپنی ہی برتری چاہی۔ اب یہ بے جا ضد ہی ہے نا ان کی، اپنے بیٹے کو ہی تباہ کرلیں گی۔ شرجیل بھائی کم ہمت ضرور ہیں لیکن کبھی کبھی بہت جنونی ہوجاتے ہیں اور ان کا جنون خطرناک ہے۔''

''ان کے ساتھ زیادتیاں بھی تو بہت ہورہی ہیں۔ گھر ان کا تباہ ہورہا ہے، بیوی ان کی چلی گئی ہے۔ اب بے چارے کا نہ کھانے کا پتا ہے نہ سونے کا، جانے کیا ناشتا کرتے، کہاں چائے پیتے ہیں، ان کے کپڑے چیزیں دیکھنے والا بھی کوئی نہیں۔ امی جان تو ان کے کھانے پینے کی بھی پروا نہیں کرتیں اور مجھے بھی کچھ نہیں کہا اور میں اپنی مرضی سے کرنے لگوں گی تو نہ معلوم کتنی ناراض ہوجائیں یا کیا کہہ بیٹھیں۔''

''پھر بھی تھوڑا بہت تو خیال کرلیا کرو، ناشتا کھانا وغیرہ تو انہیں دے دیا کرو۔''

''پتا نہیں امی جان کیا سوچتی ہیں، پہلے رات کا کھانا یہاں کھاتے تھے شرجیل بھائی، اب چند دن نہیں آتے تو امی جان نہ خود پوچھتی ہیں نہ پوچھنے کے لیے کہتی ہیں۔''

''حبیب خان سے کہہ کر بلا لیا کرو نا پلیز میری خاطر ان کا خیال رکھ لو۔ میں بہت دعا کرتا ہوں ان شاء اللہ ضرور ان کی مشکل کا کوئی حل نکلے گا۔''

''دراصل میں نے کل آصفہ بھابھی سے ملنے کا سوچا ہے، میری بات ان کی سمجھ میں ضرور آئے گی۔''

''میں بھی ساتھ چلوں؟''

''نہیں ابھی نہیں۔ ان کے گھر والے جانے کیا سلوک کریں۔ تمہارا جانا اچھا نہ لگے گا۔ کسی نے تمہیں کچھ کہہ دیا تو میں برداشت نہ کرسکوں گا۔''

''نہیں میں آپ کی خاطر بہت کچھ برداشت کرلوں گی۔''
''تمہارا مجھے اعتبار ہے مگر پھر بھی ابھی میرے ساتھ نہ جانا۔''

''السلام علیکم روحیل بھائی! آپ کب آئے اسلام آباد سے۔'' آصفہ روحیل کو اپنے گھر میں دیکھ کر خوش ہوئی۔

''دو دن ہی ہوئے ہیں۔ آپ سے ملا نہیں تھا تو مزا نہیں آرہا تھا۔'' روحیل آصفہ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''آپ ٹھیک تو ہیں آصفہ بھابھی! نظر تو بہت خوش آرہی ہیں۔'' وہ بہت جانچ کر مودّب لہجے میں اس سے بات کررہا تھا۔ آصفہ سمجھ رہی تھی کہ اس کے آنے کا کیا مقصد ہوگا۔

''اپنے والدین کے سائے میں تو سب ہی خوش رہتے ہیں، بدنصیب ہی ہے وہ اولاد جسے والدین کی چھت بھی چین نہ دے سکے۔'' اس نے کہا تو روحیل نے سر ہلا دیا۔

''اچھا برا نصیب بنانا تو اب انسان کے اپنے ہاتھ میں نہیں۔''

''سمیعہ کیسی ہے، اسے ساتھ نہیں لائے۔ بہت دن ہوئے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ وہ خود آئی بھی نہیں نہ فون کیا۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''ساتھ کیسے لاتا، جانے یہاں کیا سلوک ہوتا۔ اس کا تعلق آپ کے سسرال سے ہے، جس سے آپ ناراض ہوئی بیٹھی ہیں، اب کوئی سخت سست کہہ جاتا تو آپ جانتی ہیں میں برداشت کرسکتا تھا۔''

''تو آپ کے خیال میں یہاں سب آپ لوگوں کو سخت سست کہنے کے لیے تیار بیٹھے ہوئے ہیں، گویا آپ بھی سسرال والے ہی بن کر آئے ہیں، میں تو سمجھتی تھی بھائی بہن کی محبت میں کھنچا چلا آیا ہے۔'' آصفہ نے طنز سے کہہ کر روحیل کی طرف دیکھا۔

''دیکھیں نا جب آپ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہوگیا ہے تو پھر آپ جانتی ہیں کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔''

''نہیں میں نے کوئی اعلانِ جنگ نہیں کیا روحیل بھائی! آپ غلط قسم کی بات کررہے ہیں۔'' اس نے بھی اپنا لہجہ دھیما کرلیا۔

''خاندان بھر میں بات پھیل گئی۔ ہر کسی کو داستانِ غم سنائی جارہی ہے تو یہ کیا مقصد ہوا۔ دادا جان تو اتنے مشتعل ہیں کہ ہم سے ناراض ہی ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔''

''دیکھیں جب بات پھیلی ہے تو آپ کیوں گھبرا رہے ہیں۔ جو کچھ ہے سچ ہی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جب ایک چیز سامنے آجائے تو لوگ تماشا تو دیکھیں گے۔''

''آصفہ بھابھی! آپ ایسی تو نہیں تھیں۔ وہ مروّت، وفا، ایثار، سب کیا دکھاوا تھا۔ جب وقت پڑا تو آپ نے تو کوئی چیز اپنی پٹاری سے نہ نکالی۔'' روحیل نے بھی کہہ دیا۔

''مروّت، وفا، ایثار! بس عورت سے آپ لوگ یہی توقع کرتے ہیں۔ بدلے میں چاہے اسے کچھ نہ ملے دُکھوں کے سوا۔ دیکھیں ہر حال میں وہاں پڑی ہوئی تھی آپ کے گھر میں حتیٰ کہ آپ کی ماں

نے میری اور میرے بچے کی جان تک لینے کی کوشش کی، حرف شکایت زبان پر نہ لائی۔ میرا گھر، زیور، میری عزت نفس، کوئی چیز اس گھر میں میری نہ تھی۔ میں سب سہہ گئی، لیکن جب آپ کے بھائی نے ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے گھر سے باہر نکالا تو میں نے کہہ دیا تھا کہ اب اس کے بلانے پر بھی نہ جاؤں گی۔ اپنی مرضی ہوگی تو پلٹوں گی۔ میرے اندر سے ساری مروت، ساری وفا اور محبت کو کھینچ کر آپ کے بھائی نے مٹی میں ملا دیا۔ اس نے میری ایک نہ سنی، وہ جانتا تھا کہ میں غلط نہیں تھی، لیکن صرف اپنی بہن کی جھوٹی ضد، اپنی ماں کی انا پر اس نے مجھے قربان کر کے رکھ دیا، یہی سمجھ کر کہ ایک بے وقوف سی لڑکی ہے۔ دو دن بعد منانے جاؤں گا تو دُم ہلاتی ہوئی میرے پیچھے چلی آئے گی۔

سچ ہے روحیل بھائی! ہم لڑکیاں اتنی ہی بے وقوف ہیں، ایک گھر کے لیے پتا نہیں کیا کیا چھوڑنے پر راضی ہو جاتی ہیں۔ لیکن میرا وہ مان جو ٹوٹ گیا ہے کبھی نہ جڑے گا۔ مجھے اسی چیز سے وحشت تھی کہ میری داستان گھر گھر کہی جائے۔ میرے حال پر ہر کوئی آنسو بہائے۔ میرے دکھ کا ہر دیوار پر اشتہار لگا ہو۔ روحیل بھائی! مجھے اس چیز سے نفرت تھی، اس چیز سے بچنے کے لیے میں نے کبھی اپنی سگی ماں کو اپنے دکھ نہ بتائے، میرے دکھوں کو جان کر میرے باپ کا دل ویران ہو جاتا لیکن میں انہیں مطمئن کرتی رہتی۔

مگر اب سب ختم ہو گیا۔ میرا وہ مان جو ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا اسے آپ کا بھائی کبھی نہ جوڑ سکے گا، اس کے گھر میں، میں نے بہت کچھ سہا اور اس نے سمجھ لیا کہ کھلی سڑک پر بھی جب چاہے وہ مجھ پر پتھر برسا لے گا۔ اس نے غلط سمجھا، میں کوئی لاوارث اور گری پڑی لڑکی نہیں ہوں۔ اپنے گھر میں اس نے مجھے لاوارث بنا دیا تھا۔''

اس کی آنکھوں سے قطار در قطار موتی کی لڑیوں کی طرح آنسو بہہ رہے تھے اور اس نے ان آنسوؤں کو نہ روکا۔

تھوڑی دیر وہ دونوں ہی چپ رہے۔

''میں نے سوائے تایا جان کے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ لیکن میں کسی کو روک بھی نہیں سکتی۔ جب تک میں اس گھر میں تھی یہ سب میری اپنی باتیں تھی۔ اس گھر سے نکل گئی تو سب کچھ میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ اب کوئی ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے میں کچھ نہیں کر سکتی۔'' ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑ رہی تھی۔

''آصفہ بھابھی! سارا قصور میرے بھائی کا ہے تو اب اسے سزا بھی ایسی ہی مل رہی ہے وہ اتنا بے چین اور ادھورا ہے کہ آپ گمان نہ کر سکیں گی۔''

''اپنے بھائی کی وکالت مت کریں روحیل بھائی! اب میں اس بارے میں کچھ کہنا سننا نہیں چاہتی۔ کیا ضرورت ہے، اتنے لوگ کہہ سن رہے ہیں۔ میرے کچھ کہنے کی کہاں گنجائش ہے۔'' اب اس کی ہچکی بندھ گئی۔ وہ سسک سسک کر رونے لگی۔ اپنا گھر چھوڑے ہوئے آج اسے آٹھ دن ہو گئے تھے اس نے سوچا تھا وہ بالکل نہ روئے گی۔ نہ اس بے وفا شخص کو یاد کرے گی۔ لیکن روحیل نے آ کر اس کا عہد تڑوا دیا۔

روحیل۔ نے دروازے سے باہر جھانکا۔ شاید نوکرانی سامنے سے جا رہی تھی۔

''سنو! ایک گلاس اور پانی کا جگ دے جاؤ۔'' یہ وہی نوکرانی تھی جس نے امینہ بیگم کے کہنے پر

روحیل کو آصفہ کے کمرے تک پہنچایا تھا۔ جب تک پانی آیا اور روحیل نے اسے گلاس تھمایا، تب تک وہ اسی جوش اور آواز کے ساتھ رو رہی تھی۔

''بس آصفہ بھابھی ختم کریں، پلیز چپ ہو جاؤ۔ آپ کے گھر والے مجھے نہیں چھوڑیں گے کہ ان کی بیٹی کو اس طرح رلا دیا۔''

وہ بمشکل چپ ہوئی، ایک گھونٹ پانی پیا اور پھر اسے کچھ خیال آیا تو اٹھ کر واش روم کی طرف جانے لگی۔

''ایک منٹ، آپ بیٹھیں۔'' وہ منہ دھو کر اچھی طرح چہرہ رگڑ کر تولیے سے خشک کیا۔ بالوں کو پھر سے کھول کر ہاتھ میں لپیٹتے ہوئے سخت سا جوڑا بنا کر کلپ میں ڈالتے ہوئے آئینے میں دیکھا۔

آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، باقی چہرہ ٹھیک تھا۔ سرسر کرتی ناک کو ٹشو پیپر سے پونچھ کر وہ باہر آئی۔

''سمیعہ تو پیچھے ہی پڑ گئی تھی کہ مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔'' وہ بیٹھی تو روحیل نے بات بدلنے کے لیے کہا۔

''تو آپ لے آتے میرا خود اس سے ملنے کا اتنا دل چاہ رہا ہے، میں تو روز آس لگاتی ہوں کہ شاید وہ فون ہی کرے۔''

''یہ آپ کی بھول ہے کہ وہ اسی سسرال میں رہ رہی ہے جہاں آپ رہ کر آئی ہیں۔'' روحیل ہلکے سے مسکرایا۔

''لیکن میرے اور اس کے حالات میں فرق ہے۔''

''فرق نہیں ہے، فرق بنایا گیا ہے۔'' روحیل نے کہا تو آصفہ نے بھی سر ہلا دیا۔

آصفہ کے پاس وہ کافی دیر بیٹھا پھر جلال انکل اور امینہ آنٹی سے بھی بات چیت ہوئی، لیکن آصفہ نے تو جتا ہی دیا تھا کہ اس کے موضوع پر بات نہ کی جائے۔ آنٹی اور انکل نے بھی یہی رویہ رکھا اور وہ ناکام ہی لوٹ آیا۔

''آپ کس طرح مانیں گی آصفہ!'' اسلام آباد جانے سے ایک دن پہلے پھر روحیل نے اسے فون کیا۔

''آپ کیوں مجھے منانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ابھی تو میں نے خود یہ کوشش نہیں کی۔'' وہ ابھی تک اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

''میں واپس جا رہا ہوں بھابھی! اور یقین کریں صرف اپنے بھائی کے لیے ہی تین دن کے لیے کراچی آیا تھا۔ اب ناکامی کا سوچ رہا ہوں تو بہت غصہ آ رہا ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''بھائی کے لیے آپ کیا کر سکتے ہیں، ہر انسان کو اپنا گڑھا خود کھودنا پڑتا ہے۔''

''ایسی خطرناک باتیں نہ کریں۔''

''اک وقت میں یہ باتیں خطرناک لگتی ہیں اور دوسرے لمحے میں یہی حقیقت نظر آتی ہیں۔ خیر چھوڑیں۔ آپ ہنسی خوشی جائیں، کن چکروں میں پڑ گئے ہیں۔ ہم نے خود اپنی پروا چھوڑ دی ہے۔ آپ ہمارا غم نہ کریں۔''

وہ اسی طرح ظالم بنی رہی۔
''بھابھی! پھر میں شاید اگلے پورے مہینہ نہ آسکوں گا۔''
''اوہ گاڈ تو پھر سمیعہ کو ساتھ لے جائیں نا۔''
''اس بار سوچا تھا کہ ساتھ ضرور لے جاؤں گا، لیکن یہاں حالات ایسے ہو گئے ہیں۔''
''اف حالات۔۔۔ آپ کو لگتا ہے کہ حالات بدلیں گے۔ بے چاری کو تنہا یوں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔''
''ہاں، وہ خود بہت اپ سیٹ ہے، لیکن خود ہی کہہ بھی رہی ہے کہ ابھی یہیں رہ جاتی ہوں اور وہ صرف بے چاری اکیلی یہاں تنہا نہیں ہے میں بھی بہت تنہائی محسوس کرتا ہوں۔'' اس نے کہا۔
''ارے آپ تو ویسی ہی زندگی گزار رہے ہیں۔ کام کاج اور بس کوئی فکر نہ فاقہ وہ بے چاری تو اپنا گھر، شہر اپنے سب لوگ چھوڑ کر آپ کے لیے یہاں چلی آئی ہے اور ستم یہ کہ آپ بھی یہاں نہیں ہیں۔''
''اچھا اس کی پروا کر رہی ہیں، سوچیں میں بھی شادی شدہ ہوتے ہوئے کنواروں جیسی زندگی گزار رہا ہوں۔ اب تو دوست بھی مذاق اڑاتے ہیں کہ شادی ہوئی بھی ہے یا یونہی ڈرامہ رچایا تھا۔'' آصفہ ہنسنے لگی اور پھر چند اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔
اس نے باتوں باتوں میں سب بتایا تھا کہ شرجیل اسے ستایا کرتا ہے۔ کتنا پریشان اور دکھی ہے، نہ کوئی اس کے کھانے کی پروا کرنے والا ہے نہ رہنے کی۔
وہ چپ چاپ اپنے بستر پر چادر تان کر لیٹ گئی۔
شادی شدہ ہوتے ہوئے تنہائی۔ شرجیل بھی ایسی ہی زندگی گزار رہا تھا۔ جانے اس کا احساس بڑھ رہا ہوگا کہ ختم ہو رہا ہوگا۔
''محبت مٹ بھی تو جاتی ہے۔ وقت زیادہ گزر جائے تو ختم بھی ہو جاتی ہے۔ مادیت کا زمانہ ہے ہر چیز مایا ہے کسی شے میں ٹھہراؤ نہیں۔ کسی شے کو ابدیت نہیں ملی۔ پھر جذبے کہاں ہمیشہ رہ سکتے ہیں۔''
روحیل کا کہنا ہے، وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ اسے خود اپنی محبت کی سمجھ نہیں ہے، اگر سمجھ لے تو جنت جیسا ایک محل بنا کر تمہیں اس دنیا میں ہی جنت جیسی جگہ پر رکھے۔

سمیعہ فون پر اپنی ماں سے بات کر رہی تھی کہ عالیہ بیگم ٹھٹھک گئیں، اس کی ایک بات پر ان کے قدم رک گئے۔
''میری طبیعت اچھی نہیں رہتی۔ ڈاکٹر کو دکھایا ہے، کل رپورٹ ملے گی۔''
وہ اتنی حیران ہوئیں۔ سمیعہ اچھی خاصی چالاک تھی۔ وہ کب ڈاکٹر کے پاس گئی، اس کی طبیعت کی گرانی، انہیں کچھ نظر کیوں نہیں آیا عالیہ بیگم کو اتنا شاک لگا کہ وہ اپنے کمرے میں دو گھنٹے تک بیٹھی الجھتی ہی رہیں۔ سوچتی ہی رہیں۔
ان کے دل سے حسد، ان کے ذہن سے رقابت اور ان کی روح سے شیطانیت کو کوئی الگ نہیں کر سکتا تھا۔ عجیب طرز پر وہ سوچتی تھیں کہ ان کے بچے صرف ان کی طرف مائل رہیں۔ کسی اور طرف نہ

سوچیں اور بچہ ہو گیا تو شرجیل کی طرح روحیل بھی بیوی کی محبت میں ایسا الجھے گا کہ پھر نکل ہی نہ سکے گا۔ جیسے شرجیل آصفہ کے غم میں ماں کو بھلا بیٹھا ہے۔ ماں کے کہنے میں آ کر بیوی کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوا۔ وہ سوچ سوچ کر اتنا ہلکان ہوئیں کہ سر دُکھنے لگا۔

پھر وہ کمرے سے باہر نکلیں تو ان کے دماغ میں ایک خیال جم سا گیا تھا۔

''خیریت تو ہے امی جان! آپ بے وقت لیٹی ہوئی ہیں۔'' سمیعہ نے انہیں دیکھا تو پھر پوچھا۔

''بس بیٹا ذرا طبیعت بوجھل سی ہو گئی تھی۔ سر درد کی گولیاں منگوا لینا حبیب خان سے۔''

''جی اچھا امی! کھانا لگا دوں؟''

''ہاں لگا دو۔ اب بھوک بھی لگنے لگی ہے۔''

ان کا لہجہ سمیعہ کے ساتھ میٹھا اور نرم ہو گیا۔ سمیعہ بھی ان کے مزاج کے مطابق چلتی۔ وہ چاہتیں تو ان سے ڈھیروں باتیں کر لیتیں۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر وقت گزارتی۔ ان کے ساتھ کھانا کھاتی چائے پیتی۔ جب ان کا مزاج اچھا نہ ہوتا تو وہ اس سے بات نہ کرتیں۔ کوئی کام نہ بتاتیں۔ اکثر تو کھانا اور چائے بھی الگ بیٹھ کر پی لیتیں۔ وہ بُرا نہ مانتی اکثر پروا بھی نہ کرتی کیونکہ یہ سب کچھ روحیل کی بتائی ہوئی اور سمجھائی ہوئی باتیں تھیں۔

اب ان کا مزاج اچھا بلکہ اسے لگا بہت دنوں بعد کچھ زیادہ اچھا ہو گیا تھا تو وہ بھی ان کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ آخر وہ بھی تنہائی کی ماری تھی۔ اپنے شوہر، میکے دوستوں سب سے دور۔

سچ تو یہ ہے کہ نا کہ انسان ہی انسان کا دوست، ساتھی، رفیق اور وقت پڑنے پر وقت گزارا اس سے بہتر کوئی ہو ہی نہیں سکتا، سمیعہ بھی یہی سمجھ کر ان کی باتوں اور لہجے میں پھنس گئی۔

اس نے بات بات میں انہیں ہمدرد تو بنا لیا لیکن عالیہ بیگم اکتا رہی تھیں کہ اچانک ایک سرا سمجھائی دیا۔

صبح وہ ہلکے ہلکے پیٹ میں درد کا ذکر کر رہی تھی۔ پھر ناشتا بھی ڈھنگ سے نہ کیا۔ دوپہر تک وہ پیٹ کے درد سے اتنا بلبلائی کے گھبرا کر عالیہ بیگم کی دی ہوئی دو گولیاں پانی کے ساتھ نگل لیں۔

''پھر بھی طبیعت ٹھیک نہ ہوئی تو شام کو ڈاکٹر کے پاس چلیں گے۔'' عالیہ بیگم نے اس سے ہمدردی ظاہر کی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی تھیں، اس دوا سے مجھے کچھ فائدہ ہوا ہے۔'' سمیعہ کچھ سمجھ نہ سکی پھر عالیہ بیگم نے اتنا اچھا کردار ادا کیا چند میٹھی باتیں اور کیں۔ رات تک اس کے پاس بیٹھی رہیں کہ اگلی صبح اس نے پھر ذرا سے پیٹ درد پر دو گولیاں اور کھا لیں۔

اور دوپہر تک اسے ڈاکٹر کے پاس بھاگنا ہی پڑا۔ اس کا پیٹ قطعی طور پر ٹھیک ہو گیا، قے اتنی ہوئی اور بوجھ جو ہلکا ہو گیا۔

ڈاکٹر کے پاس عالیہ بیگم لے گئی تھیں۔ اس نے کچھ بتایا لیکن اگلے دن اپنے ڈاکٹر سے تصدیق کروا کر سمیعہ کو بات سمجھ میں آ گئی۔

اس کو اپنی بے وقوفی اور عالیہ بیگم کی بے دردی پر شدید صدمہ ہوا لیکن صحیح معنوں میں وہ اس وقت مکمل طور پر بے بس تھی۔

پھر سمیعہ روحیل نے اپنے تئیں ہنگامہ برپا کر کے رکھ دیا۔ کھڑے کھڑے روحیل کو اسلام آباد سے بلوایا، اس پر یوں جتایا کہ جیسے اس کی جان پر بنی ہوئی ہے، اس کی زندگی اور موت کا سوال ہے اور روحیل دوڑا آیا۔ اس نے شروع سے آخر تک بہت سچائی سے سارا قصہ اسے بتایا۔ وہ حیران پریشان اور بہت دکھی بھی ہوا۔ اس سے شکوہ بھی کیا کہ اسے کیوں نہ بتایا لیکن سمیعہ نے اسے قائل کر لیا کہ بتانے کا وقت آنے سے پہلے ہی اس سے ایسی زیادتی کی گئی کہ مثال نہ ملے گی اور جب وہ اپنے ماں باپ کے سامنے اپنا شکوہ لے کر گیا تو عالیہ بیگم کے تیور بالکل مختلف تھے۔

بہت حیرانی سے انہوں نے روحیل کی بات سنی، ایسے جیسے یقین ہی نہ آ رہا ہو۔ کتنی دیر بے یقینی کی کیفیت میں رہیں، پھر اچانک انہوں نے رونا شروع کر دیا اور وہ اس طرح روئیں کہ ان کے سامنے موجود ہر شخص اپنا غم بھول گیا۔

''سمیعہ نے مجھے کچھ بتانا گوارا نہ کیا۔''

''ہائے میں تو بے خبری میں لٹ گئی۔''

''مجھے تو خبر ہی نہیں تھی کہ یہ مسئلہ ہوگا۔''

''روحیل! میرے بچے! میں تیرے گھر کی خوشی کبھی نہیں چھین سکتی۔ خدا گواہ ہے کہ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتی۔ ہائے کیسی کم عقل میں، میں نے تو اسے پیٹ صاف کرنے کی گولیاں دے دیں۔ بڑا ظلم کیا تم پر سمیعہ! مجھے بتایا نہ خود دھیان کیا۔ چھپانا ہی تھا تو دوائی لینے سے پہلے کچھ تو عقل کا استعمال کر لیتیں کہ یہ بڑھیا تو بے خبر ہے، کوئی بھی دوائی اٹھا کر دے دے گی جو نقصان بھی کر سکتی ہے اور نقصان ایسا نقصان۔۔۔ میرے بچے کی خوشی روٹھ گئی۔''

اب کسی میں اتنی جرات نہ تھی کہ وہ عالیہ بیگم سے مزید جرح کرے۔ حتیٰ کہ سمیعہ بھی کچھ گھبرائی کہ واقعی انہیں اس کے مسئلے کی خبر ہی کیا تھی کہ وہ احتیاط سے دوا دیتیں۔

پھر سہیل احمد، شرجیل اور روحیل نے بھی سمیعہ کو ہی قصوروار مان لیا۔

''تم پڑھی لکھی جاہل نکلیں۔ سچ ہی تو ہے، انہیں خبر نہ تھی، تم تو عقل رکھتی تھیں۔ سوچ سمجھ کر دوائی کھاتیں۔'' وہ تو باقاعدہ سمیعہ پر برس ہی پڑا۔

''میں پیٹ کے درد سے ایسی بلکان ہو گئی تھی۔ مجھے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا۔''

''ارے پیٹ کے درد سے گھبرا گئیں اور یہ جو ساری عورتیں نو مہینے تکلیفیں جھیلتی ہیں، وہ پاگل ہیں کیا۔''

اس کا مزاج اپنی چہیتی محبوب بیوی کے سامنے پہلی بار یوں بگڑا تھا کہ خود سمیعہ گڑبڑا کر حواس کھونے لگی۔

''شاید یہی ہماری قسمت میں لکھا تھا۔ آپ مجھے تسلی دینے کے بجائے مجھے ہی برا بھلا کہہ رہے ہیں۔''

''اچھا اس بات کو پہلے قسمت نہ تسلیم کر لیا، بے وجہ امی جان کے سامنے میں شکایت لے کر گیا۔ وہ تو بے چاری بالکل ہی لاعلم تھیں، کیسی بے عزتی ہوئی ہے میری سب گھر والوں کے سامنے۔ مجھے تم سے قطعی ایسی نادانی کی توقع نہ تھی سمیعہ!''

روحیل کیا کرتا، اپنے دکھ پر روتا، اپنی بے عزتی پر کڑھتا یا اپنی بیوی پر گرجتا برستا۔

''افوہ، سب سے بڑھ کر نقصان تو میرا ہوا ہے۔ ایسی قیمتی نعمت مجھ سے چھن گئی۔ آپ مجھ سے ذرہ

برابر ہمدردی نہیں کریں گے۔''

وہ خود شاید زندگی میں پہلی بار اپنی ہی عدالت میں آپ ہی مجرم بن کر رہ گئی تھی۔ اسے وہ سرا نہ مل رہا تھا جہاں سے اس کی غلطی شروع ہوئی تھی۔

''حد ہو گئی، ایک شخص بُرا ہے سب کی نظروں میں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اب ہر برائی گن گن کر اسی کے کھاتے میں ڈال دی جائے۔ کیسے تم نے سنسنی پھیلا کر مجھے اسلام آباد سے کھڑے کھڑے بلایا اور بنا سوچے سمجھے تم نے اپنا سارا قصور امی جان کے کھاتے میں ڈال دیا۔ سمیعہ! میں بھی تمہیں یہاں اس لیے تو نہیں چھوڑ گیا تھا۔ اگر تمہیں یہاں نہیں رہنا تو صاف کہہ دو، یوں چالاکی کرنے والوں سے مجھے سخت چڑ ہے، تم جانتی ہو۔''

''بس بھی کریں، اب آپ مجھے کتنا ذلیل کریں گے۔ سب کچھ بالکل انجانے میں ہو گیا، مجھے خود ساری بات ٹھیک طرح سمجھ میں نہیں آئی ہے۔'' وہ سوچتی، سمجھتی پھر الجھتی اور پھر سوچ میں پڑ جاتی کہ آخر کہاں کوتاہی ہوئی۔

روحیل سر پکڑ کر بیٹھ گیا، وہ اس سے پہلی بار ناراض ہوا تھا۔ سمیعہ نے صاف الزام لگایا تھا کہ ''امی جان نے مجھے غلط دوائی کھلا دی۔''

امی جان بھلا اس حد تک ظالم تو قطعی نہیں ہو سکتیں اور وہ بھی بے وقوفوں کی طرح سب کے سامنے بات کی صفائی مانگنے چلا گیا۔ ابو جی کیا سوچتے ہوں گے اور شرجیل بھائی کیا خیال کریں گے۔ وہ اتنا جھنجلایا گھر سے باہر چلا گیا اور سمیعہ وہ طریقہ سوچنے لگی، جس سے روٹھے شوہر کا دل صاف کر سکے۔ ساری صورت حال ہی الٹ ہو گئی تھی۔

اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ اس کے شوہر نے آفس سے جلدی آنے کا وعدہ کیا تھا اور اب تک نہ آیا تھا۔ بڑی بھابھی زینو آپا کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں، انہیں بھی وہاں دوائی لینے میں دیر ہو گئی یا تو وہ یہی سوچ رہی تھی کہ دونوں نند بھاوج کہیں گھومنے کے لیے نکل گئی ہوں گی۔ اب اسے رات کے کھانے کے لیے سالن پکانا پڑ رہا تھا اور امی جان کو چائے بنا کر دینی پڑی تھی، پھر اب زینو آپا اور بڑی بھابھی کے بچے بھی دوپہر کی نیند سے جاگ گئے تھے۔ گو کہ انہیں سنبھالنے والی تو ان کی نانی یا دادی یعنی ایک شرمین کی ساس ہی تھیں، لیکن ابھی وہ اسے ہی آواز دیتیں کہ کسی کو بسکٹ چاہیے تو کسی کو چپس، کوئی دلیہ کھائے گا تو کوئی ٹافی چاکلیٹ۔ وہ اتنی بے زار اور چڑچڑی ہو رہی تھی کہ ہر کام جھنجلاتے ہوئے کر رہی تھی۔

جیسے تیسے سالن پکایا اور وہیں ساس صاحبہ کی آواز کانوں میں پڑی۔

انہوں نے صرف زینو آپا کی چھوٹی بیٹی کے لیے دلیہ دودھ میں ملا کر دینے کا کام اسے سونپا، باقی ہر بچے کو خود ہی سنبھال کر بیٹھی رہیں مگر وہ چڑ سی گئی۔

اور جب اس کی ساس مغرب کی نماز ادا کرنے کھڑی ہوئیں تو سب بچوں نے مل کر اودھم مچانا شروع کر دیا۔ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے دوڑتے۔ زینو آپا کی چھوٹی بیٹی دلیے کی پیالی لے کر کہیں دوڑی تھی اور دوڑتے دوڑتے ایسی منہ کے بل گری کہ اس کی نکسیر ہی پھوٹ گئی۔ ایک دھار کے ساتھ خون اس کی ناک سے بہنے لگا۔ اس کے بڑے بھائی نے اسے اٹھا کر بٹھایا، اسے بہلانے کی کوشش کی

لیکن اسے تکلیف اتنی زیادہ تھی کہ کہاں چپ ہوتی۔

''چاچی۔۔۔ چاچی۔۔۔ وہ منی گر گئی ہے، اس کی ناک سے خون نکل رہا ہے۔'' ابھی شرمین اپنے میاں کو فون ملانے کے لیے لاؤنج میں بیٹھی ہی تھی کہ بڑی بھابھی کا بیٹا دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا۔

''ارے دفع ہو جاؤ، گر گئی ہے تو میں کیا کروں، میں کوئی ڈاکٹر ہوں کیا۔'' وہ تو تھی ہی آدم بے زار، بری طرح جھڑک کر بچے کو بھگا دیا۔

وہ منہ لٹکا کر واپس آیا تو منی کے بڑے بھائی کو طیش آ گیا۔

''تم منی کو سنبھالو، میں بلاتا ہوں۔'' وہ جوش میں اٹھا۔

''مامی! چھوڑیں نا فون کو، میری بہن بہت رو رہی ہے۔'' اس نے بڑوں کے انداز میں رعب جماتے ہوئے شرمین سے کہا تو اس کا تو دماغ ہی گھوم گیا۔ اس نے بری طرح ایک چانٹا دے مارا اور پھر اتنی ہی تیزی سے دوسرا چانٹا زینو آپا کے دس سالہ بیٹے کے منہ پر رسید کر دیا۔ وہ بلبلا اٹھا۔

''ارے رو رہی ہے تمہاری بہن تو میں نے گناہ کیا ہے، اپنی ماں کو نہیں ڈھونڈتے۔ جانے کہاں زمانے بھر میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ جنگلی! میرا خون پینے کے لیے سب جمع ہو گئے ہیں۔ نہ تمیز، نہ لحاظ، نہ پیار، نہ کوئی احساس۔'' شرمین اپنی بدمزاجی سے گھر بھر میں نحوست پھیلائے بیٹھی تھی۔

بس ایک نماز میں مصروف ہوئی تھیں ان بچوں کی نانی کہ ان پر اتنی مشکلیں آن پڑیں۔ دونوں بچے چیخ چیخ کر رو رہے تھے اور شرمین ''کھٹ'' سے اپنا دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں گھس کر بیٹھ گئی تھی۔

رات کا کھانا اتنا بدمزا تھا لیکن سارے گھر والوں نے خاموشی سے کھا لیا۔ شرمین کی ساس نند یا بھاوج کسی نے بھی کھانے سے پہلے گھر کے مردوں سے کوئی بات نہ کی، لیکن بعد میں اس کی ساس نے اپنے بیٹے کو آہستہ آہستہ دھیمے لہجے میں سمجھایا کہ کسی طرح اپنی بیوی کو بھی سمجھائے کہ آخر ایسی بدمزاجی اور چڑچڑاپن اور سختی سے سسرال میں کتنے دن نباہ کر سکے گی۔

''تم نے زینو آپا کے بچے کو کیوں اتنی بری طرح مارا؟''

ماں کی تمام تر نرمی اور دھیمے پن کے باوجود اس کا لہجہ بیوی کے سامنے بہت سخت اور کھردرا تھا۔ حد ہو گئی، اس عورت میں کوئی خوبی نہ تھی۔ وہ بے وقوف تھا کہ آزمائے جا رہا تھا۔ ایک تو ایسا خراب ذائقے والا کھانا کھا کر اس کا موڈ پہلے ہی بری طرح بگڑا ہوا تھا۔

''اونہہ! تو لگائی بجھائی کر کے ماں بہنوں نے دماغ خراب کر کے بھیج دیا صاحبزادے کا اب جا کر بیوی سے حساب لو۔'' وہ تو پہلے ہی میاں سے ناراض تھی، اسے بازار جانا تھا اور وہ جلدی گھر نہ آیا تھا۔

''شرمین! اپنی انتہا کو مت آواز دو، میرا دل برا ہو گیا ہے تم سے۔'' وہ لہجہ چبا کر بول رہا تھا۔

''سارے دن کا تھکا ہارا انسان گھر میں بھی سکون نہ پائے تو کہاں جائے۔''

''اچھا یہاں تک بھڑکا دیا، یہ زینو آپا ہیں ہی ایسی کمینی۔۔۔۔'' اس کا ہاتھ اٹھ گیا اور شرمین نے ایک تھپڑ کھایا تو ایسا چیخی اور اتنا روئی کہ گھر کی دیواروں کو ہلا کر رکھ دیا۔

''سارے بے عقل میرے ہی گھر میں جمع ہو گئے ہیں کیا۔ میں نے اس طرح بات کرنے کے لیے کہا تھا۔'' اپنی ماں سے اسے ہی جھڑکیاں سننی پڑیں مگر پھر بھی شرمین کے لیے اب اس کے دل میں کدورتیں

جمع ہوگئی تھیں۔

''تمہیں زینو آپا سے معافی مانگنی پڑے گی۔'' صبح اٹھ کر اس نے شرمین سے حتمی لہجے میں کہہ دیا، حالانکہ یہ بات اس سے کسی نے کہی نہ تھی لیکن اس نے خود ہی انتہا تک سوچ لیا تھا۔

''آپ سے کس نے کہہ دیا کہ ایسا ہوگا۔'' اس کے روئیں روئیں سے غرور ٹپک رہا تھا۔ وہ بھلا اپنے میاں کی ایسی مرضی پر سر ہلاتی۔

''میں جو کہہ رہا ہوں اور سمجھ لو کہ یہ آخری بات کہہ رہا ہوں۔ تم نے بلاوجہ زینو آپا کا دل دکھایا ہے۔ ان کی بیٹی گرگئی تھی تو تمہیں ضرور اسے دیکھنا چاہیے تھا، یہ تمہارا اخلاقی فرض تھا لیکن مان لیا کہ تمہارے اخلاق کے بارے میں، میں باز پرس نہیں کرسکتا۔ رمیز کو تم نے بلاوجہ پیٹا، صرف اپنی بھڑاس ہی نکالی نا۔ وہ میری بہن کی اولاد ہے اور میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ زینو آپا ہماری سب سے زیادہ عزیز اور چاہنے والی بہن ہیں۔ اگر تم میرے گھر والوں کی عزت نہیں کرسکتیں تو میری نظر میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔''

وہ بہت زیادہ دل برداشتہ ہو چکا تھا اور شرمین ابھی تک گہرائی سے بہت دور سطح پر بیٹھی سطحی باتیں ہی سوچ رہی تھی۔

''ہونہہ، رہنے دیں زینو آپا کو، زندگی آپ نے زینو آپ کے ساتھ گزارنی ہے یا میرے ساتھ۔''

''تم چپ کر جاؤ فضول عورت! ہر وقت بکواس ہی کرتی رہتی ہو، ماں باپ نے کچھ نہیں سکھایا۔ تمیز، لحاظ، ادب۔۔۔ بس صرف گز بھر کی زبان دے کر رخصت کر دیا ہے۔''

وہ بہت کچھ سہہ کر شرمین کے سامنے چپ ہی رہ جاتا تھا لیکن اب لگتا تھا کہ ضبط کی انتہا ہوگئی ہے۔

''توبہ توبہ کیسا زینو آپا نے آپ کا دماغ خراب کیا ہے۔ اتنا چڑھا کر بھیجا ہے، بات سننے کے قابل نہیں رہے۔''

''تمہارے پاس کوئی بات ہو تو سناؤ نا۔'' وہ اپنے آفس جانے کے لیے بالکل تیار تھا۔

''تم زینو آپا سے معافی مانگ رہی ہو کہ نہیں؟'' اس نے شاید آخری بار پوچھا۔

''معافی مانگتی ہے میری جوتی۔'' وہ یونہی اکڑی رہی۔

''ٹھیک ہے پھر اسی جوتی کو چاٹتی رہنا۔'' وہ پیر پٹخ کر کمرے سے باہر چلا گیا اور شرمین نے سوچا کہ میاں جی کا دماغ کچھ زیادہ ہی خراب ہوگیا ہے۔

روحیل یونہی ناراض اور روٹھا سا اسلام آباد واپس چلا گیا۔ اس نے اپنے تئیں بہت کوشش تو کی اسے پیار اور محبت سے راضی کرنے کی لیکن اس کا روکھا پن آخر تک قائم رہا تھا۔

''کچھ معاملے خدا پر چھوڑ دینے چاہئیں۔'' اسے اپنے باپ کی نصیحت یاد آتی رہی۔ اس نے بھی پھر بحث اور حجت سے بات بڑھانے کی کوشش نہ کی۔

دوسرے دن صبح وہ حسب معمول ناشتا بنا کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے لپک کر اٹھا لیا کہ شاید روحیل ہو، لیکن دوسری طرف اس کی بھابھی تھیں۔

''ہاں بھئی! خوش خبری کب سنا رہی ہو، ہم تو انتظار کر رہے تھے کہ تم فون کرو گی۔'' اور جواب میں

وہ بری طرح رو پڑی۔

''میرے نصیب سے یہ خوشی اتنی جلدی مٹ گئی۔''

وہ روتے روتے انہیں ساری بات بتانے لگی۔ اس کی بھابھی نے اسے تسلی دی، حوصلہ رکھنے کو کہا اور فون بند کر دیا۔ انہیں خود بہت دکھ ہوا لیکن اتنی دور بیٹھ کر وہ کر ہی کیا سکتی تھیں اور جب بات کر کے وہ پلٹی تو اس نے عالیہ بیگم کو ڈائننگ ٹیبل کے دوسری طرف کھڑے دیکھا۔ ان کے چہرے پر عجیب سی چمک اور مسکراہٹ تھی اور اس کے دل میں جتنے وہم تھے وہ سب حقیقت کی طرح سامنے نظر آ رہے تھے۔

وہ پھر اپنے کمرے میں آ کر بری طرح رو دی۔ سمیعہ روحیل احمد ایسی بے بس بھی ہو جائے گی، اسے اندازہ نہ تھا۔ بھلا یہ حقیقت جو اسے نظر آئی تھی، وہ اپنے شوہر پر کیسے ظاہر کر سکے گی۔ وہ تو پہلے بھی اس کے سامنے کمزور بلکہ ڈھے ہی گئی تھی ورنہ عالیہ بیگم پر اس کا شک غلط تو نہیں تھا لیکن ان کا ڈرامہ اس نے خود پر جھیلا تھا، روحیل نے تو نہ دیکھا تھا۔

اتنی جلدی وہ دن آ گیا کہ وہ ہار کر تکیے میں منہ دیے رو رہی تھی۔

بس اتنا ہی حوصلہ تھا سمیعہ بی بی! تم تو آصفہ کو دوش دیا کرتی ہو کہ وہ کم ہمت نکلی۔ وہ تو تم سے زیادہ ہمت والی تھی۔ تم تو ایک بار بھی اپنے شوہر کی بے رخی اور ناراضی سہ نہ پائیں اور رو پڑیں۔ وہ تو پہلے دن سے ہر حال میں اکیلی لڑتی رہی، اس کے شوہر نے کبھی اس کا ساتھ نہ دیا۔ اس کی ہمت اور جرات سے تمہاری ہمت کا مقابلہ کبھی جائز نہیں ہو سکتا پھر بیٹھ کر رونے کے بجائے، روحیل کو سمجھاؤ، اس کو مناؤ۔ سچ کبھی نہیں چھپتا۔ وہ خود ہی اپنے آپ سے الجھ کر اپنے آپ کو سمجھا رہی تھی۔

آصفہ کوئی کتاب پڑھ رہی تھی، مگن نہیں تھی مگر خود کو مگن رکھنا چاہ رہی تھی۔ جب امی جان نے اسے بتایا کہ سمیعہ آئی ہے۔

''اوہ اچھا۔'' وہ اتنی حیران اور خوش ہوئی کہ فوراً کتاب پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ جلدی سے بالوں کو دو ایک برش مار کر ٹھیک کیا اور کیچر میں جکڑ کر کمرے سے نکل گئی۔

''اوہ سمیعہ! کیسی ہو، تم مجھ سے ملنے کے لیے آئی ہو؟'' کبھی کبھی انسان کو اپنی اہمیت کا سوچ کر کس قدر خوشی ہوتی ہے۔

''میں نے سوچا کہ جب آپ نے نہ آنے کی ٹھان لی ہے تو مجھے تو ملنے کے لیے جانا چاہیے۔'' وہ ہنسی۔ اسمارٹ اور پراعتماد سی سمیعہ اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''تم بہت دنوں بعد آئیں؟'' اس نے شکوہ کر ہی لیا۔

''میرے آنے کا کوئی جواز نہ بنتا تھا، میں تو آپ کے آنے کی آس لگائے بیٹھی تھی۔ اپنے گھر میں کسی سے کچھ پوچھنا تو جائز نہیں۔ روحیل آئے تو انہوں نے آپ کے خطرناک ارادوں کے بارے میں اشارہ دیا تھا لیکن پھر بھی یہ نہ کہا کہ تم جا کر آصفہ بھابھی سے مل آؤ۔''

''تو تم اپنی مرضی سے سب گھر والوں سے چھپ کر مجھ سے ملنے آئی ہو۔''

''نہیں، چھپانے کی کیا ضرورت ہے اور بتانے کی ضرورت بھی میں نے نہ سمجھی۔ اگر خود پتا لگ گیا

تو ٹھیک ورنہ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔''

''تم گھر واپس جاؤ گی تو عالیہ آنٹی باز پرس نہ کریں گی کہاں گئی تھیں۔''

''ہوسکتا ہے کریں، ہوسکتا ہے نہ کریں۔ لیکن میرے جی میں آئی تو بتاؤں گی ورنہ ایک کام سے گئی تھی، کہہ کر اپنے کمرے میں چلی جاؤں گی، کیونکہ میں نہیں سمجھتی کہ مجھ سے باز پرس کرنے کا حق وہ رکھتی ہیں۔'' سمیعہ نے صاف جواب دیا، یوں بھی ابھی اس کا دل عالیہ بیگم کی طرف سے بہت خراب تھا۔

''لیکن دیکھو روحیل اس وقت یہاں اپنے شہر میں موجود نہیں تو اصولاً وہی تمہاری سرپرست اور بزرگ بھی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ باز پرس کا حق رکھتی ہیں۔ میں صرف عالیہ آنٹی کی بات نہیں کر رہی، ایک عام سی بات کر رہی ہوں کہ شوہر کی ماں ہونے کے ناتے ساس کا ادب اور احترام لازم ہے۔''

''بھابھی! جتنی اچھی آپ کی باتیں ہیں، اتنا اچھا نہ زمانہ ہے، نہ لوگ ہیں اور جس قسم کی ساس کو آپ نے بھگتا ہے، اس کے بعد میرے خیال سے آپ کو دنیا بھر کی ساسوں کے خلاف ہو جانا چاہیے۔''

''ہرگز نہیں، کیا یہی ایک مثال ہے۔ میری ماں بھی ایک ساس ہیں اور اتنی اچھی ہیں کہ کیا ہی اچھی ماں ہوگی۔''

آصفہ خود اتنی سلجھی ہوئی فطرت رکھتی تھی کہ زمانے کی سختیاں سہ کر تلخ ضرور ہوگئی تھی۔ لیکن جب پلٹ کر سکون کی طرف آئی تو پھر اپنی اچھی فطرت پر بھی لوٹ گئی۔

''آپ ایک آئیڈیل ہیروئن کا کردار ادا کر رہی ہیں جو محبوب کے تمام تر ستم سہ لینے کے باوجود فلم کے آخر میں اسی کے وفا کے گیت گاتے ہوئے ملتی ہے اور ایسا ہی ہے تو اب جا کر اپنے محبوب سے مل لیں، بڑی سزا کاٹ لی ہے صاحبزادے شرجیل نے۔ اب تنہا بیٹھ کر روتے ہیں اور آپ کو ہی یاد کرتے ہیں۔'' سمیعہ نے بڑی ہوشیاری سے بات کی۔ اس رخ پر پلٹا جس مقصد کے لیے وہ اس کے پاس آئی تھی۔

''مجھے رونے والے مرد پسند نہیں ہیں، چاہے وہ میری ہی یاد میں بیٹھ کر آنسو کیوں نہ بہاتے ہوں۔''

''آپ اتنے دنوں سے بیٹھی شاید اپنی ذات کے تجزیے کرتی رہی ہیں، اپنی پسند ناپسند کا خیال آپ کو بھی آسکتا ہے۔ یہ بات حیران کن ہے لیکن اچھی علامت ہے۔''

''گلے میں زنجیر اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر کوئی شخص اپنی ذات کی طرف نہیں دیکھ سکتا اور عورت کو تو صدیوں سے یونہی اسیر کر لیا جاتا رہا ہے۔'' وہ سچ مچ اپنی ہی باتیں کر رہی تھی۔

''بھابھی! کچھ دنوں کے لیے آپ کا وہاں سے نکلنا ضروری تھا لیکن پلٹ کر تو اپنے گھر جانا ہی ہے نا۔''

''سنو سمیعہ! تم خود آئی ہو یا بھیجی گئی ہو؟'' اسے عجیب شک سا ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ سمیعہ کبھی اسے واپسی کے راستے پر جانے کا نہیں کہہ سکتی اور شاید غلط ہی تھا اس کا خیال۔

''اگر کسی کے کہنے پر میں آتی تو دو ایک دن میں ہی آپ کے پاس آتی اتنے دنوں میں نے یہی سوچنے میں تو لگا دیے کہ کہیں آپ گمان نہ کریں کہ میں آپ کے کسی ارادے کو بدلنے آئی ہوں یا کسی کے کہنے پر آئی ہوں۔'' آصفہ تھوڑی دیر کے لیے اس کی صورت دیکھنے لگی۔

''بھابھی! دراصل میں خود بھی اس بات پر الجھی ہوئی تھی کہ آپ کو واپسی کا راستہ دکھانا چاہیے یا نہیں لیکن اب میں قائل ہوگئی ہوں۔'' سمیعہ نے کہا تو وہ پھر حیران ہوئی۔

''یعنی تم قائل ہوگئی ہو کہ میں لوٹ جاؤں۔''

''ہاں، میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایک شیطانی سازش تھی آپ کو اپنے گھر سے دور کرنے کی اور شرجیل کو آپ سے دور کرنے کی اور آپ اپنے گھر اور شرجیل سے دور ہیں تو شیطان تو کامیاب ہوگیا نا۔'' وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ ''آپ کو مقابلہ کرنا چاہیے، اپنے اس حق کے لیے ڈٹ جانا چاہیے جو آپ کا ہے اور اگر شرجیل کم ہمت ہے تو اسے بھی حوصلہ دینا چاہیے۔''

''بہت خوب، اتنے دنوں میں تمہیں یہی سمجھ آیا ہے کہ میرے فرائض کیا ہیں۔ شرجیل یا اس کے گھر والوں کی کوئی ذمہ داری تمہیں نہ دکھائی دی۔''

''بھابھی! اگر شرجیل اور اس کے گھر والے ذمہ دار ہوتے تو کیا آپ اپنا گھر چھوڑ کر میکے میں بیٹھی ہوئی ہوتیں۔''

''تو انہیں ذمہ دار ہونا چاہیے، کم سے کم اب تو ہو جانا چاہیے۔''

''سنیں، یہ ''چاہیے'' والے سارے جملے آدمی کو اپنے اوپر استعمال کرنے چاہئیں۔ دوسروں پر اختیار حاصل کر لینا آسان نہیں۔''

''سمیعہ! اس موضوع کو یہیں ختم کر دو، ابھی یہ بات میں آسانی سے ختم نہ کروں گی۔'' وہ سختی سے کہہ گئی تو سمیعہ چپ ہی ہوگئی۔

''تم بتاؤ۔ روحیل کے ساتھ اسلام آباد کب جاؤ گی۔''

''اسلام آباد جا کر رہنا اور گھر بنانا تو شاید روحیل کے پلان میں شامل ہی نہیں ہے۔'' وہ خود اپنے حالات سے بھی جلی بیٹھی تھی۔

''یہ تو کوئی انداز نہیں ہے زندگی گزارنے کا۔'' آصفہ ایسے کہہ رہی تھی جیسے خود بڑی نارمل اور پرسکون زندگی گزارتی چلی آرہی ہو۔

''کیوں بہت سے مرد روزی روٹی کی خاطر اپنے شہر یا ملک سے دور رہتے ہیں اور ان کی بیویاں گھروں میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرتی ہیں۔''

''ہاں مگر ان کے گھروں کے ماحول ایسے نہ ہوتے ہوں گے۔''

''ارے اس سے بھی برے ہوتے ہوں گے۔ ہمارے ہاں تو ساس ہمیشہ سے ہی ایک بے درد اور ظالم کا کردار ادا کر رہی ہے۔''

''میں یہ خیال کرتی تھی کہ تم اس کردار کو بدل کر رکھ دو گی۔''

''بھابھی! اگر میرے حالات آپ سے الگ ہیں تو صرف اس لیے کہ میں ''سمیعہ'' ہوں۔ میں عالیہ بیگم کو تو نہیں بدل سکتی۔ ہاں خود کو آصفہ بننے سے ضرور بچا سکتی ہوں۔''

جانے آصفہ کے اندر وہ جوش جگا سکی یا نہیں لیکن اس ملاقات سے اس کا وہ جذبہ ضرور بے دار ہوا کہ اب وہ اپنے موقف پر نئے سرے سے ڈٹ کر حالات کا مقابلہ کرے گی۔

''اچھی بات ہے، میں تمہارے لیے بہت خلوص سے دعائیں کرتی ہوں۔''

''اپنی دعاؤں میں شرجیل بھائی کو بھی شامل کر لیں، وہ بہت دکھی ہیں۔''

''کیا ایک دھکے دے کر گھر سے نکال دی جانے والی عورت سے بھی زیادہ دکھی ہیں؟''

''ہر بات کو اتنی انتہا پر جا کر سوچیں گی تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ شرجیل بھائی اس وقت ہر طرف سے دھتکارے جا رہے ہیں۔''

''یہ وقت تو ان پر آنا ہی تھا اور یہ اتنا برا وقت بھی نہیں۔ ابھی تو اس سے زیادہ برا وقت ان کے ذمے نکلتا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کی رسی دراز کرتا ہے تو واپس کھینچنا بھولتا نہیں۔'' وہ ناک سکیڑ کر رکھائی سے کہہ رہی تھی۔

''آئی ڈونٹ بلیو بھابی! آپ اتنی سخت دل ہیں ہیں، شاید آپ کی پیٹھ تھپتھپانے والے یہاں بہت لوگ ہیں۔'' سمیعہ کچھ زیادہ حیران ہو گئی تھی۔

''میں نے تمہیں منع کیا، اس کے باوجود میں صرف تم سے اس موضوع پر اتنی زیادہ بات کر رہی ہوں، ورنہ یہاں میں اپنے ذاتی معاملے میں کسی سے اتنی لمبی بات نہیں کرتی۔''

''بات کرنے سے انسان کو خود جانچنے کا موقع ملتا ہے کہ نہیں۔''

''دیکھ لو، میں خود کو جانچ رہی ہوں تو تمہیں برا لگ رہا ہے۔ بہرحال میرے اندر بہت سختی جم گئی ہے۔ میں بتا نہیں سکتی کہ وقت کے ساتھ یہ بڑھ جائے گی یا ختم ہو گی۔''

سمیعہ اس کے پاس سے اٹھ گئی، اسے واپس اپنے گھر بھی جانا تھا۔

اس کے جانے کے بعد آصفہ اپنے گھر کے پچھواڑے گلاب کے پودوں کے اردگرد کتنی دیر تک ٹہلتی رہی۔ وہی پچھلے دنوں جیسا اس کا انداز تھا لیکن وہ خود کیوں اتنا بدل گئی تھی۔ اگر سب زنجیریں توڑ کر پھر اسی آنگن میں آ بیٹھے تو یہ دیواریں اسے فوراً سہارا دے دیں گی لیکن کیا وہ ایسا کر سکے گی۔

سمیعہ ٹھیک ہی کہہ گئی تھی، اس کی پشت پر بہت سے لوگ تھے، اسی لیے وہ بڑے سکون سے اپنا گھر چھوڑے یہاں بیٹھی تھی، لیکن کتنی ایسی لڑکیاں ہوں گی کہ ایک بار سسرال کے جہنم میں جھونک دی جائیں تو انہیں پلٹ کر دیکھنے کے لیے کوئی روشنی نہ ملتی ہو گی۔ آخر ان کے دکھوں کا مداوا کہاں ہو سکتا ہو گا۔

وہ عجیب سی سوچوں میں گرفتار رہتی۔

''شرجیل بہت دکھی ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے یہ سرگوشی اس کے کان میں گونجنے لگی۔

جب وہ شرجیل کے گھر میں تھی تو عقل اسے کیسے کیسے راستے دکھایا کرتی، مگر اس کی اکثر سوچوں کی انتہا یہ ہوتی کہ وہ شرجیل کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بھلا اس آدمی کو چھوڑے گی کس طرح، لیکن وہ زندہ تھی، اس کے بغیر بھی جی رہی تھی۔ اس نے اپنے گالوں کو، اپنے ہاتھوں کو پھر ہاتھوں سے آنکھوں کو ہونٹوں کو چھوا، کوئی کسی کے بغیر نہیں مر جاتا۔

اس کی آنکھوں میں پانی بھر گیا۔ وہ دوڑتے ہوئے اپنے کمرے میں گئی۔ دروازہ لاک کیا اور اپنے بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

اپنا گھر چھوڑنے کے بعد وہ آج پہلی بار یوں روئی تھی۔

جانے شرجیل کے لیے۔

اپنے گھر کے لیے۔

اپنے بچے کے مستقبل کے لیے یا۔

شرجیل کے ان دکھوں کے لیے جن کا سمیعہ اس کے سامنے اعلان کر کے گئی تھی۔
محبت یک طرفہ ہو تو آپ اسے جتنا بھی چاہیں، حلق سوکھتا ہی چلا جاتا ہے۔ پیاس بجھتی ہی نہیں کہ بدلے میں ستم اور بے رخی ہی ملتی ہے۔

آندھی طوفان کی طرح اپنی ماں کے گھر میں داخل ہوئی اور عالیہ بیگم کے کمرے میں آ کر ایک طرف پرس پھینکا، ایک طرف چھوٹا اٹیچی کیس اور خود دھم سے پلنگ پر بیٹھ گئی۔
''کم بختوں کے چہرے تو کالے ہیں، دل بھی کالے ہو گئے ہیں، یہ منحوس زینو آپا اللہ کرے ان کی زبان کٹے، آنکھیں پھوٹیں، ہر وقت بھائی کو میرے خلاف بھڑکاتی ہی رہتی ہیں۔ اتنا بہکایا کہ میاں کو میری صورت دیکھنا بھی گوارا نہیں۔ دیکھ لوں گی اب میں بھی سب کو، جوتیاں گھس گھس کر اس چوکھٹ پر خوار ہو جائیں گے، اب میں پلٹ کر نہ جاؤں گی۔'' وہ آئی تو عالیہ بیگم واش روم میں تھیں، اس کی آواز سن کر جلدی جلدی باہر آئیں۔ شرمین کا انداز اور غصہ دیکھ کر سمجھ تو گئیں کہ ضرور اپنے گھر سے لڑ جھگڑ کر آئی ہے لیکن حالات کی سنگینی کا انہوں نے قطعی نہ سوچا۔
''کیا ہو گیا، کیوں اتنی بگڑ رہی ہو۔''
''ایک کالے بلّے سے میری شادی کر دی آپ نے، میں نے کچھ نہیں کہا۔ اب کیا وہ پنجے مارے گا تو چلاؤں بھی نا۔'' شرمین کی ہر بات بے تکی ہوتی۔ اس کے نصیب کے سارے رنگ اس کی صورت پھیل کر ختم ہو گئے تھے۔ اچھے رنگ کا سیرت پر ایک چھینٹا بھی نہ پڑا تھا۔
''حد ہے، تم تو ہر بات کا ہنگامہ مچاتی ہو۔ اب تو تمہارے سامنے ماں کھڑی ہے، اب تو تمیز سے بات کر لو۔'' انہیں بھی کوفت ہوئی۔
''تمیز آپ نے سکھائی ہوتی تو آج ہر کسی سے تمیز سے ہی بات کرتی۔ قدم قدم پر بدتمیزی کے طعنے تو نہ ملتے۔'' وہ کسی کی بھی گردن پر چھری پھیر سکتی تھی۔
''توبہ ہے، زبان پر خود کی قابو نہیں اور الزام ماں کو دے رہی ہو۔ ارے میری طرف سے مرو کہ جیو، میں کیوں پوچھوں، اس لیے کہ تم مجھے ہی چار باتیں سناؤ۔''
''ہاں آپ کو اپنی کسی اولاد کی کہاں پروا، سب مر ہی تو رہے ہیں۔ آپ اکیلی جئیں اور خوش رہیں۔'' وہ بہت غصے میں تھی، جو منہ میں آیا بولے گئی۔
''اولاد کہاں سکھ دینے والی ہے۔ دیکھو تو ماں کے آگے آ کر بول رہی ہے۔ ارے تیرے لیے تو میں نے اپنی بہو کو گھر سے باہر نکال دیا۔''
''دفع کریں، مجھ سے اپنی لاڈلیوں کا ذکر نہ کیا کریں، میری طرف سے دوسری کو بھی نکال دیں۔ میرے تو ویسے ہی دل و دماغ ٹھکانے پر نہیں۔''
''یہ شرمین کیا پھر رہنے آئی ہے؟'' شرجیل کھانے کے بعد اپنے والد سے کسی کام کے سلسلے میں کچھ بات کرنے آیا تھا، شرمین کو یہاں دیکھ کر عجیب کوفت میں مبتلا ہو گیا تھا۔
''یہ کس لہجے میں تم بہن کے بارے میں بات کر رہے ہو۔'' عالیہ بیگم نے فوراً اعتراض کیا۔

''آخر اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔'' وہ الجھ کر پوچھ رہا تھا۔
''وہ تو خود ایک مسئلہ ہے، مسئلہ اس کے سامنے کیا حیثیت رکھے گا۔'' سہیل احمد تپ کر کہہ رہے تھے۔
''آپ کو کیا ہو گیا ہے، آپ کا لہجہ بھی اتنا برا ہے۔''
''لہجہ کیا، نصیب برے ہیں۔'' وہ دکھی ہو گئے۔
''کیا پھر اپنے گھر سے جھگڑ کر آ گئی ہے، اب کس نے اسے جینے نہیں دیا۔'' شرجیل پوچھ رہا تھا۔
''وہ خود کسی کو جینے نہیں دینا چاہ رہی۔ یہ دونوں ماں بیٹی اسی لیے پیدا ہوئی ہیں کہ سب کا چین وسکون برباد کر کے رکھ دیں۔'' سہیل احمد آج کل اپنے گھر اور گھر والی دونوں سے بہت بگڑے ہوئے تھے۔
''امی! شرمین یہاں نہیں رہے گی، اس سے کہیں کہ وہ ابھی واپس اپنے گھر جائے۔'' شرجیل نے اچانک سختی سے کہا اور اس کی بات کمرے میں آتی شرمین نے بھی سن لی۔
''کون مجھے یہاں اپنے ماں باپ کے گھر میں رہنے سے روک سکتا ہے۔'' شرمین کو تو جیسے تنکے ہی لگ گئے۔
''میں روکوں گا۔ اب یہ گھر تمہارا نہیں ہے، تم نے بہت من مانی کر لی، چلو بیگ اٹھاؤ، میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں۔ یہ کیا طریقہ ہے کہ جب جی چاہا منہ اٹھائے چلی آئیں۔''
''دیکھیں امی! یہ مجھے گھر سے نکال رہے ہیں۔'' وہ چیخی۔
''ہاں، جب میں اپنی بے قصور بیوی کو اس کے اپنے گھر سے نکال سکتا ہوں تو تمہیں بھی اس گھر میں نہیں رہنے دوں گا۔''
''پاگل ہوئے ہو، کیا کہہ رہے ہو تم، یہ اپنے ماں باپ کے گھر نہ رہے گی تو کہاں جائے گی۔''
''امی! پلیز آپ اس کی طرف داری نہ کریں، جب اس نے ایک ناجائز بات کے لیے گھر سر پر اٹھا لیا تھا تو آپ نے اس کو روکنے کے بجائے اسی کا ساتھ دیا تھا۔ آج اگر میں بھی آپ کے خیال میں کوئی ناجائز بات کر رہا ہوں تو آپ میرا ساتھ دیں۔ یہ اپنے گھر جائے گی ابھی اور اسی وقت۔ آپ کے خیال میں آ صفہ کے یہاں رہنے سے اس کا گھر نہ بس رہا تھا، اب تو بس جانا چاہیے۔''
شرجیل کا دماغ اس مسئلے پر بالکل الٹ گیا تھا۔ وہ بہت دنوں سے بہت کچھ دیکھ اور برداشت کر رہا تھا۔
''امی! دراصل بھائی جان تھک گئے ہیں، بے چارے اتنے دنوں سے اپنی بیوی سے جدا ہیں نا۔''
شرمین نے طنزیہ ہنس کر یوں کہا کہ شرجیل آپے سے باہر ہو گیا لیکن اس سے پہلے سہیل احمد نے بیٹی کو جھڑکا۔
''چپ ہو جاؤ، تمہیں شرم نہیں آتی بڑے بھائی سے اس طرح بات کرتے ہوئے۔ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ تم کیوں ہر دو دن بعد اپنا گھر چھوڑ کر چلی آتی ہو۔'' باپ کی سرزنش پر شرمین شرمندہ ہونے کے بجائے چیخنے لگی۔
''میرے سسرال والوں نے میرا جینا حرام کیا ہوا ہے، میری بڑی نند اور جٹھانی تو چاہتی ہی نہیں کہ میں اپنے گھر میں رہوں۔ اتنا بے عزت اور ذلیل کیا ہے۔ ایک زینو آپا کے بیٹے کو ہلکا سا تھپڑ مار دیا ہے تو سارا گھر پیچھے پڑ گیا ہے۔ اب بچہ بدتمیزی کرے گا تو اسے کچھ کہوں گی یا نہیں۔۔۔ مگر میرے میاں بھی ضد پکڑ کر بیٹھ گئے ہیں کہ معافی مانگو۔ بھلا میں اتنے سے بچے کی خاطر معافی مانگتی پھروں گی، ہرگز

نہیں۔ اگر آپ نہیں چاہتے کہ میں یہاں رہوں تو چلی جاتی ہوں، کہیں بھی چلی جاؤں گی، بہت ٹھکانے مل جائیں گے۔''

اس نے پاؤں میں چپل اڑسے، پرس اٹھایا اور بڑا بیگ بھی سمیٹنے لگی۔

''جاؤ گی کہاں، یہ تمہاری ماں کا گھر ہے، اس سے اچھا ٹھکانہ کہاں ملے گا تمہیں، چلو بیٹھو۔''

''بھئی! کیوں بٹھا رہی ہیں آپ اسے جانے دیں۔ معافی مانگ لے گی تو کیا حرج ہوگا اور یہ بھی سب اس کا ڈرامہ ہے، بات کیا ہوگی اور بتائے گی کیا۔ اس کے سسرال والے بے چارے اسی کے ہاتھوں تنگ ہوں گے۔'' شرجیل بدترین لہجہ استعمال کر رہا تھا۔

''دیکھو شرجیل میاں! اگر تمہاری بیوی تم سے لڑ کر میکے میں روٹھی بیٹھی ہے تو اس کا بدلہ تم اپنے گھر میں کسی سے نہ لو۔ ایسے ہی بے چین ہو تو جاؤ ہاتھ جوڑ کر اس فساد کی جڑ کو منالو۔'' عالیہ بیگم شرجیل کی اس سے زیادہ سچائی برداشت نہ کر سکتی تھیں۔

''اب آپ بھی اس کی زبان بول رہی ہیں۔ سچ ہے امی! میں بہت پریشانی میں ہوں، صرف آپ دونوں ماں بیٹی کی وجہ سے میرا گھر برباد ہوا ہے اور اب آپ اس بات پر اٹکی ہوئی ہیں کہ شرمین بھی اپنا گھر تباہ کر لے لیکن میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔'' اس نے خود ہی بڑھ کر شرمین کا سامان اٹھایا۔

''چلو تمہیں ابھی اپنے گھر جانا پڑے گا، اور جو تمہارا میاں کہتا ہے، وہ کرنا پڑے گا۔''

'کیوں، آپ نے مجھے اس کالے بلے کے ہاتھوں بیچ ڈالا ہے کیا۔''

''حد ہے شرمین! کچھ تو لحاظ کرو۔''

''لحاظ کرنے کا ہی تو یہ نتیجہ ہے کہ مجھے کہا جا رہا ہے کہ اب اتنے چھوٹے سے بچے کے لیے معافی مانگوں۔ کل کہا جائے گا، ان کو پالنے لگ جاؤں۔'' اس نے جھٹ جواب دیا۔

''امی! آپ اسے اپنے گھر ابھی واپس بھیج رہی ہیں یا نہیں؟''

''تم خوامخواہ ہتھیلی پر سرسوں جما رہے ہو، ایک دو دن ٹھہرو یہ خود ہی ٹھنڈی ہو جائے گی تو اپنے گھر چلی جائے گی، ابھی غصے میں ہے۔''

''امی! آپ سن لیں کہ میرا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوگا اور شاید اس بار میں اتنی آسانی سے واپس جاؤں گی بھی نہیں۔''

''سن لیا، اور چڑھائیں سر پر۔ آپ کی صاحب زادی خود ہی پھونکیں مار مار کر اپنا گھر جلانے پر تلی ہوئی ہے۔''

''ہوا تو آپ دے رہے ہیں چنگاریوں کو، میں تو چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے ہی آ کر مجھے چھیڑا اور غصہ دلایا۔''

''لیجیے، اب نواب زادی کو کچھ کہا بھی نہ جائے۔ ابو! آپ کچھ کہہ کیوں نہیں رہے۔''

''ارے، یہ کیا کہیں گے۔ خوب تماشا ہو گیا، اب تم بھی اپنی بکواس بند کرو اور یہاں سے نکل جاؤ ہاتھ دھو کر بہن کے پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔'' عالیہ بیگم کی اپنی ہی ضد تھی۔

''آپ میری بات کی پروا نہیں کر رہیں، لیکن ابھی اگر میں آپ کے گھر سے گیا تو کبھی پلٹ کر ادھر

نہیں آؤں گا۔'' ایک جھنجلایا ہوا، الجھا ہوا انسان ہر قدم غلط ہی اٹھاتا ہے۔ شرجیل جانتا تھا کہ اس کی ماں اس کی نہ سنے گی پھر بھی اپنے راستے بند کر رہا تھا۔

''نہ آنا، تمہارے آنے نہ آنے سے اس گھر کا کون سا دانا پانی بند ہو جانے والا ہے۔''

عالیہ بیگم نے سختی سے کہا اور شرجیل کے دل پر جا لگی۔ وہ اتنا زیادہ مایوس اور دکھی ہو کر ماں کے کمرے سے نکلا کے سامنے کھڑی سمیعہ بھی چونک پڑی۔

''یوں نہ جائیں شرجیل بھائی! یہ آپ ہی کا تو گھر ہے۔'' اس نے کہہ تو دیا مگر شرجیل نے اس کی طرف دیکھا اور پھر کچھ بھی جواب دیے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا گھر کے دروازے کی چوکھٹ پر اس نے قسم کھائی کہ اب پلٹ کر یہ دہلیز پار نہ کرے گا۔

''ابو جی! آپ نے کچھ بھی نہ کہا تھا کسی سے۔'' صبح وہ ناشتا تیار کر رہی تھی، جب ہی سہیل احمد نے کچن میں آ کر اس سے کہا کہ انہیں چائے بنا کر دے دے۔

وہ چائے کے ساتھ ناشتا بھی لے آئی اور ان کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر ترتیب سے رکھ دیا۔

''میں کچھ کھاؤں گا نہیں، بس چائے پینی ہے۔'' وہ بہت پریشان اور دکھی لگ رہے تھے اور جب وہ صرف چائے پی رہے تھے تو اس نے کہا تھا۔ اسے خود گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔ عجیب ٹینشن زدہ سا ماحول تھا اس گھر کا اور وہ بالکل اکیلی۔ اپنے دکھ سکھ، سوچ، خیال، کسی سے شیئر نہ کر سکتی تھی۔

وہ اس کی بات کے جواب میں اس کی صورت دیکھنے لگے۔

''رات کی بات کر رہی ہوں، شرجیل بھائی ناراض ہو کر چلے گئے ہیں۔''

''یہ اس لیے کہ اس پر برا وقت پڑا ہے تو اسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ملی ہے۔ یہی انصاف کی باتیں پہلے سوچ لیتا تو اتنا خوار نہ ہوتا لیکن میری طرح کم ہمتی کی مار کھا گیا۔'' وہ پھر چائے پینے لگے۔

''لیکن اب بھی شکر ہے کہ اس نے حق کی بات کہی۔ اسے سچ کہنے کا حوصلہ ملا ہے تو کسی نہ کسی طرح اپنا مقصد حاصل کر ہی لے گا۔'' وہ بہو کے سامنے اپنی بات کرتے ہچکچا رہے تھے، اسی لیے اس کی سوچ کا رخ بھی شرجیل کی طرف موڑنا چاہا۔

''مگر ابو جی! آپ بڑے ہیں، آپ شرمین کو جو کہتے، وہ کرتی، اسے کرنا پڑتا۔'' مگر اس نے اپنی سوچ کا رخ نہ موڑا۔

''بیٹا! جب اولاد اپنی من مانی کرنا سیکھ جائے تو بڑے چھوٹے کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔ میں ان دونوں ماں بیٹی کے ہر رویے سے تنگ ہوں مگر مجبور ہوں۔ ان پر زبردستی کا نتیجہ بھی تم نے دیکھا ہوا ہے۔''

''شرجیل بھائی پہلے ہی پریشان اور اکیلے ہیں اور پوری جان لگا کر امی جان نے ان کا گھر خالی کروایا، بیوی چلی گئی پھر پلٹ کر ان کی تنہائی کا احساس بھی نہ کیا ہے۔''

وہ ان کے سامنے ہی کھڑی تھی اور سہیل احمد چائے پی چکے تھے مزید کچھ کہنا چاہ رہے تھے کہ اسی وقت عالیہ بیگم سامنے کمرے سے نکل کر ادھر لاؤنج کی طرف آتی نظر آئیں۔ سمیعہ فوراً پلٹ کر کچن میں چلی گئی۔ وہ زیادہ تر ہر معاملے میں خاموش ہی رہتی تھی۔ آج اس نے کوئی بات یوں گھر کے بیچ کھڑے ہو

کر سہیل احمد سے کی تو عالیہ بیگم کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ تیزی سے وہاں آئی تھیں، کچھ سنا تھا یا نہیں، یہ اندازہ لگانا مشکل تھا۔

پہلے دن تو اس نے ہر کام حسب معمول کر لیا، لیکن دوسرے دن ناشتا بنا کر اور اپنے کمرے کی صفائی کروا کے سکینہ سے کہہ دیا۔

''شرمین بی بی کچن میں آئیں تو ان سے کہہ دینا دوپہر کا کھانا بنالیں، میں کچھ چیزیں خریدنے مارکیٹ جا رہی ہوں اور حبیب خان کو میں لے کر جا رہی ہوں، اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو گلی کے اسٹور تک تم چلی جانا۔'' وہ تھوڑی دیر میں نکل گئی اور واپس آئی تو اس کے حسب توقع گھر میں اچھا خاصا ہنگامہ تیار کھڑا تھا۔

''آ گئیں گھوم پھر کر، میاں اس شہر میں نہیں ہیں تو بیگم صاحبہ کے عیش ہیں۔ جانے کہاں کہاں منہ مارتی پھرتی ہیں۔''

شرمین کا انداز انتہائی گرا ہوا تھا اور اس کا دماغ ایسا گھوما کہ گھما کر ایک تھپڑ اس کے منہ پر ہی رسید کر دیتی لیکن اس نے غضب کا ضبط کیا، صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا کہ یہی اس کی تعلیم تھی۔

''تم اپنا گھر چھوڑے بیٹھی ہو، اسی لیے کسی کو بھی سکھ سے اس کے گھر میں بیٹھا دیکھ نہیں سکتیں۔''

''ارے امی! دیکھیں آپ اپنی چہیتی کو، مجھے گھر چھوڑنے کا طعنہ دے رہی ہے۔''

''میں نے کیا کہا ہے، ابھی تو ساری دنیا کہے گی۔ ایسا ہی برا لگتا ہے تو واپس چلی جاؤ میاں کے پاس۔'' سمیعہ قطعی جھجکے بنا بات کر رہی تھی۔

''بھلا کسی کی مجال کے میرے منہ لگے، میں اس کا جینا نہ حرام کر دوں۔'' اس نے زور سے چیخ کر کہا۔

''دراصل میں نے کھانا پکانے کی ذمہ داری تمہارے اوپر ڈالی ہے، اسی لیے تم اتنا چڑ رہی ہو۔ بغیر کام کاج کیے تو کوئی زندگی نہیں گزار سکتا۔''

''تم ہوتی کون ہو میرے اوپر ذمہ داریاں ڈالنے والی۔ میں نے کوئی کھانا وانا نہیں پکانا اور نہ کبھی پکاؤں گی، اس کام کے لیے تھوڑی رہوں گی یہاں۔''

''اب یہاں رہو گی تو کام تو برابر کرنا پڑے گا۔ بیٹھے بیٹھے روٹیاں کھلانے والی تمہاری آصفہ بھابھی تو چلی گئیں۔''

''دیکھو سمیعہ! تم مجھ سے الجھو گی تو نقصان اٹھاؤ گی۔'' وہ زچ ہو رہی تھی۔

''بہرحال اگر کھانا نہیں بنایا تو باہر سے منگوالو، میں تو بہت تھک گئی ہوں۔''

''تم چالاکی مت کرو میرے ساتھ، جلدی سے کھانا پکاؤ، امی جان کو بھوک لگی ہے۔ ایک تو ان سے پوچھے بغیر تم ڈرائیور کو اپنے ساتھ لے کر چلی گئیں، انہیں خود بہت کام تھے۔''

''سمیعہ! کہیں باہر جاؤ تو بتا کر جانا چاہیے، حد یہ کہ تم ڈرائیور کو بھی ساتھ لے گئیں اور مجھے نہ بتایا۔''

ان دونوں کی تکرار کچھ تو عالیہ بیگم نے سن لی تھی، اسی لیے اندر سے نکلتے ہوئے لہجہ نرم ضرور رکھا لیکن شکایت ضرور کی۔

''امی! کسی نے بھی تو یہ دستور نہیں بتایا کہ کہیں جائے تو بتا کر جائے یا ڈرائیور کو لے جائے تو

دوسروں سے پوچھ لیا کرے۔'' اس نے صاف بات کہی۔

''میں کہہ رہی ہوں، اس کا مطلب ہے کہ یہی دستور ہے۔'' انہوں نے اسی انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے پھر یہی دستور سب کے لیے ہونا چاہیے۔ سب گھر والے ایک دوسرے کو بتا کر باہر جائیں۔ میں، شرمین، ''آپ'' اس نے ''آپ'' پر زور دیا۔

''کیا میں تم سے اجازت لے کر کہیں جاؤں گی۔'' وہ چڑ گئیں۔

''امی! بتانے اور اجازت لینے میں فرق ہے، اجازت لینے کی پابندی تو میں خود اپنے آپ پر لگانا جائز نہیں سمجھتی۔''

''اچھا ہوشیار تو تم بہت ہو، لیکن تھوڑا سنبھل کر چلو تو بہتر ہے۔ زندگی اتنی سیدھی بھی نہیں جتنی تم نے سمجھ لی ہے۔''

''ارے امی جان! اگر نیت صاف ہو تو منزل آسان ہوتی ہے۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''خیر اب ڈرائیور کو کہیں لے کر جاؤ تو مجھے بتا دیا کرنا، میرے بہت سے کام اٹک کر رہ گئے۔'' انہوں نے پھر اپنی بات کہی۔

''سب بتا کر جائیں گے تو میں کیوں نہ اس دستور پر عمل کروں گی۔'' اس نے بھی پھر اپنے انداز میں بات سمجھائی۔

''اونہہ! چلو کھانا لگاؤ، بہت بھوک لگی ہے، کتنا ٹائم زیادہ ہو گیا ہے۔''

''امی! مجھے تو راستے میں بھوک لگی تو میں نے برگر کھا لیا تھا۔ شرمین! تم امی جان کو کھانا دے دو اور خود بھی کھا لو۔ اب تو میں تھک بہت گئی ہوں۔''

اس نے قطعی پروا نہ کی کہ جب کھانا پکا ہی نہیں تو شرمین کیا ماں کو کھلائے گی اور کہاں سے خود کھائے گی۔ نہ شرمین کے برا ماننے یا اول فول سنانے کی پروا کی۔ مسکین سی صورت بنا کر اپنی بات کہتے ہوئے بہت تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''ارے کیسی ڈھیٹ ہو تم! میں نے کہہ دیا، میں نے کھانا نہیں پکایا پھر بھی مجھے ہی یہ کام سونپ رہی ہو اور خود مزے سے ہوٹل کا کھانا کھا کر آ گئیں۔'' وہ پیچھے سے چیخی مگر اس نے کوئی جواب دیے بغیر کمرے میں گھستے ہی دروازہ پیچھے سے بند کر لیا۔

''تم روزانہ دوپہر کا کھانا کیوں نہیں پکاتی ہو۔'' اس نے روزیہ کا کام شرمین کے بہت ہی جلنے کڑھنے اور واویلا کرنے کے باوجود اس ہی کے سر پر ڈالا۔

''تم کیوں شرمین کے پیچھے پڑی ہوئی ہو، وہ خود پریشان اور دکھی ہے۔ اس کا جی کچن میں اور کھانا بنانے میں کہاں لگے گا۔''

''بھئی امی! کچھ کرے گی تو دھیان بٹے گا اور ذہن بھی ہلکا پھلکا ہو گا۔ بیٹھی کڑھتی رہے گی تو اور پریشان ہو گی۔'' اس نے بات بناتے ہوئے کہا۔

''دیکھو بی بی! وہ تمہارے مشوروں پر تو چلے گی نہیں۔ تم جانتی ہو کہ کیسی ضدی ہے۔''

''تو امی! آپ کو اسے سمجھانا چاہیے، اب وہ گھر میں رہے گی تو میرا ہاتھ بٹانا تو اس کا فرض ہے نا۔''

اب اس نے زور دے کر کہا۔
''جب وہ نہیں تھی تو تم ہی کام کیا کرتی تھیں نا۔''
''صاف بات ہے امی! میں آپ کی اور ابو جی کی خدمت کر لیتی ہوں، یہی احسان بہت ہے۔ اب آپ کی بیٹیوں، دامادوں یا ان کے بچوں کی خدمت کی ذمہ داری میری نہیں ہے۔ آپ خود ہی سب کو سمجھا دیں، کوئی اگر مہمان بن کر ایک دن کے لیے آئے تو میری ذمہ داری ہے، میں اپنی ہمت سے زیادہ کام نہیں کر سکتی۔'' اس نے سوچ لیا کہ مروت برتنا بے وقوفی ہے۔ جہاں صلے کی امید نہ ہو وہاں خود کو کیا مٹانا۔
''سمیعہ! میں تمہیں کچھ کہتی نہیں اس لیے تم بہت زیادہ سر پر چڑھ رہی ہو۔ شرمین پر تم اپنا حکم یا دھونس نہیں چلا سکتیں۔''
عالیہ بیگم تو تاؤ کھا کر رہ گئیں۔ ان کی پوزیشن ان دنوں بری تھی ورنہ ایسی بات پر وہ بہو کو کلائی سے پکڑ کر گھر سے باہر سڑک پر کھڑی کر دینے والی تھیں۔
''انصاف کی بات ہے امی جان! آپ اسے بے وجہ حکم یا دھونس کہہ رہی ہیں۔ اچھا ہوا آپ نے خود بات چھیڑی، میں تو آپ سے کہنے ہی والی تھی۔ اب روزانہ ایک دن چھوڑ کر ایک دن ناشتا میں بناؤں گی اور رات کا کھانا میں پکا لیا کروں گی۔ باقی کام شرمین کو کرنا چاہیے۔'' اس نے کھرے لہجے میں کہہ دیا۔
''روحیل آجائے تو میں تمہارا ابھی فیصلہ کرواتی ہوں جتنا نرمی سے بات کرتی ہوں، اتنا ہی پھیل رہی ہے۔'' پہلا جملہ انہوں نے اونچی آواز میں کہا اور دوسرا بڑبڑاتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل گئیں۔

دوپہر کو وہ سونا چاہ رہی تھی لیکن نیند نہ آئی اور اسی وقت حبیب خان نے آکر بتایا کہ اس کے مہمان آئے ہیں۔
اس کے بھائی اور بھابھی اسلام آباد سے آئے تھے۔
''بغیر اطلاع کے۔'' وہ اتنی خوش اور پرسکون ہوئی۔ کئی دنوں سے وہ بے حس بنی دن گزار رہی تھی۔
بھائی اور بھابھی سے مل کر ان کے پاس چند گھنٹے بیٹھ کر وہ اتنی خوش ہو گئی۔ عالیہ بیگم اور شرمین بھی ان سے اچھی طرح ملیں۔ عالیہ بیگم نے انہیں رات تک کھانے کے لیے رکنے کے لیے بھی کہا لیکن وہ نہ رکے اور سہیل احمد کے آتے ہی ان سے مل کر روانہ ہو گئے۔
''بس مٹھائی، خشک میوہ اور ایک سوٹ!'' شرمین نے ان کے جاتے ہی حقارت آمیز لہجے میں کہا۔
''مہینہ بھر بعد بہن کے گھر آئے اور بس یہ چند چیزیں پھینک کر چلے گئے۔ سچ ہے، آج کل اپنوں کے دل بھی کیسے تنگ ہو گئے ہیں۔''
''ارے تم میرے لیے لائی گئی چیزوں پر اتنے دھڑلے سے تبصرہ کیسے کر رہی ہو۔'' اسے غصہ ہی آگیا۔ اس نے فوراً لپک کر اپنی چیزیں سمیٹ کر شاپنگ بیگ میں ڈالیں اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔
''ہر سچی بات ان محترمہ کو بری لگ جاتی ہے، بھئی چار سوٹ گرمیوں کے ہی لے آتے، دوسرے شہر سے آئے ہیں، کون سا روز آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ان کے اوپر سے تو سچ مچ کا بیٹی کا بوجھ کم ہوا ہے۔'' وہ

بولے چلی گئی۔

''خبردار! ابو جی! اس کو منع کر دیں، میرے معاملے میں یوں نہ بولا کرے۔ اپنا گھر تو چھوڑے بیٹھی ہے، دوسروں کا بھی بستے دیکھ کر اسے جلن ہوتی ہے۔ اس سے پہلے بھی اس نے بہت بار مجھ سے گھٹیا ترین باتیں کی ہیں اور میں نے برداشت کی ہیں۔''

اس کا جی ہی جل کر خاک ہوا۔ ساری خوشی غارت ہوتی نظر آئی۔

''اسے نہیں دیکھ رہے آپ، کیسی جرات ہے، چلتے پھرتے مجھے گھر چھوڑنے کے طعنے دیتی ہے۔ میں اپنی ماں کے گھر بیٹھی ہوں تو اسے کیوں حسد ہو رہا ہے۔''

''خدا نہ کرے، میں کیوں حسد کروں۔ کون سا کمال کیے بیٹھی ہو جو کوئی تم سے حسد کرے گا۔ بس تمہاری ہی دیدہ دلیری ہے کہ ایسے حالوں میں بھی زبان کو لگام نہیں۔''

''شرمین! صبح میں نے تمہارے میاں کو بلایا ہے، اس سے صاف بات کرنی ہے۔ اتنے دن گھر پلٹ کر نہیں گئیں۔ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ تمہاری ماں نے تو اولادوں کی شادی کو گڈا گڈی کا کھیل سمجھ لیا ہے۔ ادھر بیاہ کیا، ادھر تباہ کرنے پر تل جاتی ہیں۔ بیٹی کو بجائے اس کے کہ سمجھا بجھا کر اسے اس کے گھر واپس بھیجتیں، اس کو اور سر پر چڑھا رہی ہیں۔ ساری عمر اپنے پاس بٹھانے کا ارادہ ہے۔''

''آپ تو بس مجھے سنانے بیٹھ جاتے ہیں، ارے اس کے سسرال والے دل کھول کر زیادتی کیے جا رہے ہیں۔ ہم کوئی حساب کتاب نہ لیں۔ تھوڑے دن نہ جائے گی تو خود ہی اس کے میاں کا دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔''

''سمیعہ بیٹی! تم جاؤ اپنے کمرے میں، میں اسے سمجھا دوں گا۔'' وہ سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی۔

''عالیہ بیگم! خدا کے لیے سدھر جاؤ، اس دن سے ڈر و جب اس کا میاں تین لفظ لکھ کر کاغذ ہماری دہلیز پر پھینک جائے گا۔ ارے بیٹیوں کے والدین کو اتنی اکڑ زیب نہیں دیتی۔'' اپنی بیگم کو سمجھاتے سمجھاتے ان کا دم آدھا رہ گیا تھا مگر عالیہ بیگم سمجھنے والی نہ تھیں۔

''آپ سے ایسی امید کبھی نہ تھی، بیٹی کے لیے ایسے الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔''

''جب بیٹی ایسے حالات پیدا کر رہی ہے تو ہونی کو کون روک لے گا۔''

شرجیل بہت عجلت میں ہسپتال جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ آج اس کی آنکھ ذرا دیر سے کھلی تھی، رات دیر تک عجیب سے خیالوں میں گم رہتا، وہ اکثر نیند پوری کر نہ پاتا۔

''تم تیار ہو گئے بیٹا!'' سہیل احمد آج اس کے پاس چلے آئے۔

''بس ابو جی! ذرا آنکھ دیر سے کھلی۔ آپ بیٹھیں میں ابھی تیار ہو جاتا ہوں۔''

''ہاں میں نے سوچا، آج تمہارے ساتھ آفس کے لیے نکل چلوں۔''

وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے، وہ بھاگا۔ ایک پل میں الماری میں گھڑی بنے اپنے کپڑوں سے شرٹ ڈھونڈ رہا تھا۔ دوسرے پل استری آن کر کے اسی شرٹ کو پریس کرنے لگا۔ اندازہ ہوا کہ استری ابھی گرم نہیں ہوئی تو اسے چھوڑ کر اپنی فائل اور کچھ کاغذات سمیٹ کر بریف کیس میں ڈالنے لگا اور واش

روم میں شاید منہ دھونے گیا تو سہیل احمد اٹھ کر اس کی شرٹ استری کرنے لگے۔

''ارے ابو! کیوں مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔'' وہ جلدی سے ان کی طرف لپکا۔

''بس تم جلدی کرو، شرمندگی وغیرہ کا خیال اب کرنا چھوڑ دو۔'' وہ کڑھ رہے تھے یا طنز کر رہے تھے، اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ جلدی سے جوتے موزے پہن کر کھڑا ہوا تھا کہ شرٹ استری ہوگئی اور اس نے پہن لی۔ سوئچ آف کر کے شرجیل کے پیچھے وہ بھی کمرے سے باہر نکلے۔

''ناشتا نہ کرو گے۔'' انہوں نے پوچھا۔

''وہیں ہسپتال میں کچھ کھالوں گا۔'' وہ اس کے گھر کی حالت دیکھ کر بے چین ہوگئے، نہ کچن کا کچھ اچھا انداز، نہ کمرے میں کوئی ترتیب اور خود شرجیل کا چہرہ کیسا بے رونق ہوگیا تھا۔

''کتنے دن ہوئے شیو نہیں بنائی؟'' انہوں نے بیٹے سے پوچھا۔

''بس ابو! عجیب الجھن ہے آدھے کام رہ جاتے ہیں۔''

''بھئی! تو شیو بڑھا کر داڑھی رکھ لو، کیوں اتنی الجھنیں پالی ہوئی ہیں۔ جتنا کام خود کر سکتے ہو، اتنی مصیبت پالو، ایک یہ پینٹ شرٹ کے پیچھے میں نے تمہیں اکثر خوار ہوتے دیکھا ہے۔ کبھی ٹائی ڈھونڈ رہے ہو تو کبھی موزے۔ شرٹ کے کالرز کی استری میں کتنی جان لگاتے ہو اور پینٹ کا بیلٹ نہ ملے تو الگ مشکل۔ ارے بیٹا سیدھا سیدھا کرتا شلوار پہن لیا کرو اب تمہارے نخرے اٹھانے والا تو کوئی رہا نہیں۔''

گاڑی چلاتے ہوئے شرجیل نے اپنے باپ کی ساری دل جلانے والی باتیں سنیں اور چپ ہی رہا۔ انہیں پورا پورا حق پہنچتا تھا۔

''اور ہاں، یوں بھوکے رہنے یا مسلسل باہر کا کھانا کھانے سے تو بیمار ہو جاؤ گے۔ اس کا بھی کوئی انتظام کر لو، کوئی اچھی سی ماسی یا نوکر رکھ لو کہ گھر کا کام کاج بھی کرے اور کھانا بھی پکالے۔''

''پلیز ابو! مجھے ہر طرف سے اتنا مایوس نہ کریں کہ خودکشی کر لوں۔''

''مایوس کیا ہونا، حقیقت کو قبول تو کرنا پڑے گا۔ بے وجہ کیوں جھوٹی آس میں پڑو۔ اب آصفہ واپس نہیں آئے گی۔'' گیئر بدلتے ہوئے اس نے گاڑی کی اسپیڈ بھی بڑھا دی۔

''شرجیل میاں! جو گڑھا ہم اپنے ہاتھ سے کھودتے ہیں، اس میں دفن تو ہونا پڑتا ہے۔ اب تمہارا نہ کوئی ساتھ دینے والا ہے، نہ کوئی تمہارا حمایتی ہے، اس لیے تمہیں چاہیے کہ اب تم اپنے مسائل آپ حل کرو۔''

''کر لوں گا ابو جی! میں خود ہی سب کچھ کر لوں گا۔ آخر کتنے لوگ ہیں اس دنیا میں جو تنہا زندگی گزارتے ہیں۔ میں بھی سمجھ لوں گا کہ میرا دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں اور آپ دیکھیے گا جلد ہی یہ گھر بھی چھوڑ دوں گا۔''

''بہت اچھی بات ہے، ہوسکتا ہے کسی نئی جگہ پر رہنے جاؤ تو وہاں پڑوسی ہی اچھے مل جائیں۔''

سہیل احمد اس کے لیے بالکل پرائے اور غیر بن رہے تھے۔

اگلے موڑ پر ان کا آفس آیا تو وہ اتر گئے۔

''آج میں نے شرمین کے میاں کو اپنے دفتر بلایا ہے، تم اگر چاہو کوئی بات کرنا تو اس کے آتے ہی میں تمہیں فون کر دوں۔''

''جب میری شرمین سے ہی کوئی بات نہیں ہوسکتی تو اس کے میاں کا کیا کروں گا۔''
''تمہارے مسائل اپنی جگہ لیکن اپنے فرائض کو چھوڑنا صحیح نہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔
''کہو تو فون کروں، تم میرے ساتھ ہو گے تو مجھے بات کرنے میں آسانی رہے گی۔''
''اگر آپ کا ساتھ دینا ہے تو ضرور بتایئے گا۔''
''تم نے اپنا دل بھی چھوٹا کرلیا ہے اور ذہن بھی۔ بس میری دل جلی باتیں بھی ایسی ہیں کہ تمہارے دکھ پر اور کڑوی ہو جاتی ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ دبا کر بولے۔
''آپ مجھے فون کر دیجیے گا، اگر کوئی ایمرجنسی نہ ہوئی تو میں فوراً آؤں گا۔'' وہ سر ہلا کر گاڑی سے اتر گئے۔
گھڑی دیکھتے ہوئے اس نے گاڑی ہسپتال کی طرف دوڑا دی۔

شرمین کے میاں کا دماغ واقعی خراب ہو گیا تھا۔ سہیل احمد کے بلانے پر وہ آ گیا، یہ اس کا احسان لگ رہا تھا، ورنہ اس کے انداز اور باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ بھر پایا ہے، اس کی شرمین میں ہر دلچسپی ختم ہوتی لگ رہی تھی۔
''آپ نے مجھے بلایا تو میں آ گیا انکل!'' وہ پھر بھی مودّب بنا سہیل احمد کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا لہجہ بھی نرم اور نارمل تھا۔
''بیٹا! دیکھو، میں مانتا ہوں کہ زیادتی شرمین کی طرف سے ہوئی ہوگی، ورنہ تم تو بہت سمجھ دار اور برداشت کرنے والے انسان ہو۔ بس اور تھوڑا ضبط کرلو، اس بار شرمین کو میں بھی بہت سمجھاؤں گا اور تم بھی سمجھانا۔''
''آپ سمجھا لیں، میرے اندر اب وہ حوصلہ نہیں رہا کہ اس سے الجھوں۔'' اب رکھائی اس کے لہجے میں گھل گئی، اسی وقت شرجیل بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔
''دیکھو بیٹا! مرد کو تو بہت ہمت اور بڑا دل رکھنا پڑتا ہے۔ میری بیٹی بہت نادان ہے، تم اس کو نرمی اور اپنائیت سے سمجھاؤ گے تو ضرور تمہارے ساتھ رہے گی۔'' وہ بہت دھیرے سے اس سے بات کر رہے تھے۔
''بات یہ ہے کہ ہم الجھ گئے ہیں اور آپ سے مدد چاہتے ہیں، آپ ضرور ہمارا مسئلہ سلجھا سکتے ہیں۔'' شرجیل بھی اس کا انداز دیکھ کر مایوسی سے کہنے لگا۔
''آپ لوگ خیال تو کریں ذرا۔ سوچیں، کیا میں نے شادی ان مسئلوں کو سلجھانے کے لیے کی ہے۔ میں بہت سخت اور بری باتیں سوچ کر آیا تھا، لیکن سچ یہ ہے انکل! کہ آپ کے سامنے کچھ نہیں بول سکتا۔ آپ اتنے اچھے انسان ہیں کہ میں اپنے رویّے پر شرمندہ ہوتا ہوں۔''
شرجیل اس کی بات سن کر نادم ہوا۔ نادانی اور حماقت کا کوئی علاج اس کی میڈیسن کی کتابوں میں کہیں لکھا ہوتا تو وہ ضرور اپنی بہن کا فوری علاج کرتا۔ ایک اچھا اور سلجھا ہوا شخص ان ہی کے گھر والوں کی وجہ سے برباد ہو رہا تھا۔
''تم آؤ گے نا شرمین کو لینے؟''

''سوری انکل! لینے تو میں نہیں آؤں گا، اس کے اوپر میرے بہت سے حساب باقی ہیں لیکن ہاں اگر خود آ گئی تو پچھلے حساب ضرور بھلا دوں گا۔'' وہ بنا قصور کیے صرف سہیل احمد کے دکھ کے آگے خود ندامت محسوس کرتا وہاں سے چلا گیا۔

دو دن بعد شرجیل واقعی اپنا سامان پیک کر رہا تھا۔ اتوار کا دن تھا، اسی لیے اس نے موزوں جانا کہ چھٹی ہوگی تو وہ سارے کام نمٹا لے گا۔ اس نے ایک کرائے کا مکان لے لیا تھا اور فی الحال اسی میں شفٹ ہونے کے ارادے سے سامان اٹھوا رہا تھا۔

دوپہر میں جب سوزوکی پک اپ میں شرجیل کا سامان لد رہا تھا، سکینہ دوڑی ہوئی عالیہ بیگم کے پاس آئی اور انہیں یہ بات بتائی۔

''سامان کیوں اٹھوا رہا ہے، جاؤ حبیب خان کو بلاؤ۔'' وہ سچ مچ گھبرا گئیں۔

حبیب خان نے آ کر یہی بتایا کہ شرجیل میاں کسی کرائے کے گھر میں شفٹ ہو رہے ہیں۔

''کم بخت سب کو پتا ہے۔ اور مجھے ہی کسی نے نہ بتایا۔'' وہ فوراً کھڑی ہوئیں۔ اب یوں بیٹا اٹھ کر برابر سے چلا جائے اور وہ کچھ نہ بولیں، ایسا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

''آپ کو خبر ہے کہ شرجیل گھر چھوڑ کر جا رہا ہے۔'' لاؤنج میں بیٹھے سہیل احمد اخبار پڑھ رہے تھے انہیں جھنجھوڑ دیا۔

''جب آپ نے اس سے واسطہ ہی ختم کر دیا ہے تو پھر ایسی جھنجھلاہٹ کس لیے، دفع کریں، اسے کرنے دیں جو کرتا ہے۔'' سہیل احمد نے صاف جواب دیا۔ لاؤنج میں موجود سمیعہ نے بھی یہ بات سنی۔

''اب عمر بھر کے لیے واسطہ تھوڑی ختم کیا ہے، وقتی ناراضی ہے۔ ابھی دور ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ہے، اگر دور ہوتی ہے تو کر لیجیے دور۔'' وہ لاپروا بنے رہے۔

''آپ کچھ نہ کہیں گے اسے، نہ روکیں گے۔''

''میں تو کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تمہاری مہربانی سے ہی ایسا نااہل بن گیا ہوں میں۔''

''چھوڑیں نا امی! چار دن کرائے کے مکان میں رہیں گے تو خود ہی عقل ٹھکانے آ جائے گی۔'' شرمین انہیں پاؤں میں چپل ڈال کر باہر کی طرف جاتا دیکھ کر بولی۔

''تم تو چپ ہی رہو، تمہاری ہی وجہ سے وہ مجھ سے ایسا ناراض ہوا ہے۔ کم بخت تم تو ساری دنیا کو چھوڑ دینے پر راضی بیٹھی ہو۔'' انہوں نے بری طرح شرمین کو جھڑک کر باہر کا رخ کیا۔ وہ اپنا سامان سمیٹ رہا تھا۔ عالیہ بیگم کو تھوڑی دیر کے لیے اپنی کم عقلی اور کوتاہی کا بری طرح احساس ہوا۔

یہی وہ بیٹا تھا جس کی محبت پر وہ صرف اپنا قبضہ چاہتی تھیں۔ اس کے دل، اس کے دماغ، اس کے خیال پر کسی کا سایہ برداشت نہ ہوتا تھا۔ عجیب سی ان کی سوچ تھی کہ وہ اکیلا ہو گیا تو بھلا کہاں جائے گا۔ ان ہی کے سائے میں تو پڑا ہے، یعنی وہ کسی کو نہ چاہے اور کوئی اسے نہ چاہے وہ اکیلا زمانے میں رل ہی جائے۔ وہ اس کی طرف سے مکمل طور پر لاپروا ہو گئی تھیں۔

منفی رویوں سے آپ انسان کو کتنی دیر تک برت سکتے ہیں۔

''شرجیل بیٹا! ذرا سی ناراضی کی اتنی بڑی سزا۔'' انہیں پورا مان تھا کہ اپنے اس بیٹے کے سامنے جا کر وہ جب بھی کھڑی ہوں گی، اس کے لیے ساری دنیا سمندر ہو جائے گی۔ نہ اسے کچھ سوجھے گا، نہ وہ کسی کو دیکھے گا۔

''ارے امی! آپ، آئیں بیٹھیں، میں ذرا مصروف ہوں۔'' وہ کسی مزدور کے پیچھے چلا گیا۔

یہ شرجیل تھا انہیں جھرجھری آ گئی۔ ماں کو دیکھ کر رکا نہ ٹھٹکا، نہ بے تاب ہوا۔

''شرجیل! کیا تماشا ہے بیٹا! تم گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔''

''میں تو سمجھ لیں کہ جا چکا امی جان! اسی دن چلا گیا تھا جس دن آپ نے جتایا تھا کہ آپ کو پروا نہیں، اب تو بس عمل ہو رہا ہے۔''

''پاگل ہوئے ہو، ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں تو گھر میں ہزاروں ہوتی ہیں۔ تم دل پر لے کر بیٹھ گئے ہو۔''

''نہیں امی! پاگل تو میں پہلے تھا، اب ہوش میں آیا ہوں اور ہوش میں آیا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ پاس کچھ نہیں ہے۔'' اس نے کسی طرح اپنے کام کو نہ روکا۔

''اپنی ماں سے ناراض ہوتے ہو، جانتے ہو میں اس وقت شرمین کے مسئلے میں کیسی الجھی ہوئی ہوں۔ راتوں کو نیند نہیں آتی۔''

''اللہ کی پناہ، امی! شرمین کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، اس کے میاں نے اسے بلایا، آپ نے نہ بھیجا۔ آپ ہی اس مسئلے کو ہوا دے رہی ہیں۔ تمام تر زیادتیوں کے باوجود اسے واپس بلایا گیا، اس سے زیادہ ایک آدمی کیا کر سکتا ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا بیٹا کہ تمہیں شرمین سے ایسی کیا دشمنی ہو رہی ہے، وہ اتنا روتی پیٹتی ہے کوئی جھوٹ تو نہیں بولتی ہوگی، اس کی ساس نندیں بے حد ظالم ہیں۔''

''خود شرمین سے زیادہ ظالم نہ ہوں گی۔'' شرجیل نے کہہ دیا اور عالیہ بیگم پھر بگڑ گئیں۔

''اب تم دشمنی پر تلے ہوئے ہی ہو تو تمہیں کون منائے۔''

''آپ کہتی ہیں، شرمین روتی دھوتی ہے، میں نے تو اسے ایک بار بھی دکھی نہیں دیکھا۔ میں نے تو اس دن بھی اسے فکرمند نہ دیکھا تھا، جب ہمارے گھر کی دعوت ولیمہ سے اس کے سسرال والے اس کے میاں سمیت ناراض ہو کر گئے تھے۔''

اس نے سوچا تھا، اس موضوع پر اب کسی سے نہ الجھے گا مگر پھر چپ نہ رہ سکا۔ اس کا دل اپنی ماں کے رویے پر اتنا جل اور کڑھ رہا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ شرمین کا کیا ہوگا مگر کر کچھ نہ سکتا تھا۔

''بہرحال تم کہیں نہیں جاؤ گے، سب سامان واپس رکھواؤ۔''

''امی جان! آپ کیوں اپنی بات گنوانا چاہ رہی ہیں۔''

''میں تمہیں نہیں گنوانا چاہتی بیٹا! تم جانتے ہو، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔'' وہ سچ مچ آنکھیں نم کیے بیٹے کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔

''کتنے دن گزر گئے آپ نے میری صورت نہیں دیکھی اور اتنی اچھی بھلی ہیں، خوامخواہ مذاق کر رہی ہیں میرے ساتھ۔'' وہ مسکرایا۔

''کتنی خودسری دکھاؤ گے۔ ارے ناراض ہی ہوئے تھے نا، یہ آسرا تو تھا کہ برابر میں موجود ہو۔ سوچتی تھی، ایک دن منالوں گی۔ بھلا ماں سے اولاد کتنے دن ناراض رہ سکتی ہے۔''

''آپ نے سوچا کہ فرصت ملی تو منالوں گی، ورنہ پڑا رہے گا پالتو جانور کی طرح برابر کے پنجرے میں۔ انسان تو آپ نے مجھے بنایا ہی نہیں پھر انسانوں جیسے سلوک کی کیسے توقع کرلوں۔'' وہ دکھی ہونے لگا۔

''شرجیل! اتنی بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کرو، کیا چاہتے ہو کہ ماں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگے۔ میں تو تمہارے لیے اتنا سوچ کر بیٹھی ہوں، تمہارے لیے اچھی سی دلہن ڈھونڈوں گی۔ مجھے تمہاری تنہائی کا بھی بھرپور احساس ہے۔''

''ارے کس طرح ٹیڑھا کر کے آپ سامان گھسیٹ رہے ہیں، صوفوں کی پالش خراب ہوجائے گی، احتیاط سے اٹھائیں۔'' آگے بڑھ کر سامان اٹھانے والے ایک مزدور کو اس نے بری طرح جھڑکا۔

اور یوں باہر نکل گیا جیسے ماں کی کوئی بات سنی ہی نہ ہو۔

اب عالیہ بیگم اتنی جھنجلائیں کہ اس کے پیچھے باہر نکل آئیں۔

''تم میری بات کو نظر انداز کر رہے ہو شرجیل! اگر اس طرح میرے گھر سے جاؤ گے تو عمر بھر مجھے منا نہ سکو گے۔'' انہیں اپنی بات کے بے اثر ہونے کا غصہ زچ کر گیا تھا۔

''دیکھ لیجیے امی جان! انتہائی بات آپ ہی کی طرف سے پہلے بھی ہوئی تھی اور اب بھی ہو رہی ہے اور آپ یہ کیوں سمجھ رہی ہیں کہ ضد صرف آپ کرسکتی ہیں یا شرمین کرسکتی ہے۔''

وہ اندر صحن میں آکر ان سے بات کرنے لگا۔

''میرا غصہ برا ہے شرجیل! اور دل بھی برا۔ تو پھر ہاتھ رکھنے نہ آنا۔''

''پلیز امی! اس وقت آپ کچھ بھی کہہ لیں، میں جاؤں گا ضرور۔ بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے اطمینان سے رخصت کردیں۔''

اسی وقت سہیل احمد اور ان کے پیچھے سمیعہ اور شرمین بھی وہاں آگئیں۔

''بس اب اتنی زیادہ ضد اچھی نہیں ہوتی شرجیل بیٹا! سامان واپس رکھوادو۔'' سہیل احمد نے بیٹے کو روکا۔

''شرجیل بھائی! چھوٹی چھوٹی باتوں پر یوں ناراض نہیں ہوتے، رک جائیں۔'' شرمین بھی بولی۔

''آپ کیوں آئے ہیں ابو جی! میں نے آپ کو منع کیا تھا۔''

''ماں باپ کا مان رکھنا آپ کے لیے لازم ہے شرجیل بھائی! یہ کوئی ضد اور انا کا مقابلہ نہیں ہے۔'' سمیعہ بھی بولی۔

''پلیز پلیز! ابو جی! جب میرے کسی معاملے میں اس گھر کا کوئی فرد کبھی میرا ساتھ دینے نہیں آیا تو اب یہ مجمع کیوں؟ میں یہ گھر چھوڑ چکا ہوں، آپ لوگ چاہتے ہیں کہ کسی اور گھر میں نہ جاؤں تو سڑک پر سو جاؤں گا مگر یہاں نہ رہوں گا۔'' اس نے اونچی آواز میں کہا اور باہر نکل گیا۔

پھر کوئی نہ بول سکا۔ شرجیل سب کچھ سمیٹ کر جانے لگا۔ سب کو اللہ حافظ کہا۔ کسی نے جواب نہ دیا، صرف سہیل احمد نے کہا۔

''سب کچھ بکھر رہا ہے اور کوئی ماننے پر تیار نہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک ضد کرنے والے موجود ہیں۔'' اس نے کچھ نہ کہا اور گھر کی چابیاں عالیہ بیگم کے ہاتھ میں تھما کر باہر نکل گیا۔ غصے میں آ کر عالیہ بیگم نے چابیاں صحن میں ہی کہیں پھینک دیں اور سب خاموشی سے پلٹ گئے۔

سمیعہ سمجھتی تھی کہ اب عالیہ بیگم بہت خاموش، بہت اداس ہو جائیں گی۔ شاید کھانا پینا بھی چھوڑ دیں اور کچھ دنوں کے لیے اپنی دوسری مصروفیات یا دلچسپیاں بھی ترک کر دیں لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ بس وہ اسی رات اپنے کمرے میں رہیں، کھانا بھی وہیں منگوالیا اور دوسرے دن صبح شاید انہیں یاد بھی نہ رہا کہ ان کا بڑا بیٹا ان سے ناراض ہو کر دور چلا گیا ہے۔

ایک دن بعد ہی روحیل اسلام آباد سے آیا تو پہلے جو ٹینشن اور فکریں گھر سے لے کر گیا تھا، انہیں دور کرنے کا پورا تہیہ کر کے آیا تھا لیکن گھر کا تو نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ سمیعہ ٹھیک تھی، امی جان بھی ٹھیک تھیں، شرمین وہیں تھی اور لگ وہ بھی ٹھیک رہی تھی۔ سہیل احمد ابھی آفس میں تھے۔

دوپہر کا کھانا شرمین کے ذمے تھا اور اس نے اپنے مزاج کے مطابق شوربے والا گوشت پکا کر رکھ دیا تھا۔ روٹی پہلے ہی حبیب خان کو آواز دے کر منگوا ڈالی تھی۔

کھانے کے بعد روحیل نے پوچھا۔

''شرجیل بھائی کیسے ہیں عینی آپا اور ان کے بچے ٹھیک ہیں؟''

''ہاں سب ٹھیک ہیں، خوش ہیں۔ شرمین! عینی کو فون کر دو بھائی آیا ہے۔''

''اور شرجیل بھائی کو بھی فون کر دیں، جلدی گھر آ جائیں۔ آج رات سب مل کر کھانا کھائیں گے۔''

روحیل نے دیکھا کہ اس کی بات کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ شرمین تو کرسی گھسیٹ کر شرجیل کا نام سنتے ہی اٹھ گئی۔ عالیہ بیگم بھی سکینہ کو آواز دیتی ہوئی کچن کی طرف لپکیں اور سمیعہ جلدی سے اٹھ کر میز پر سے برتن سمیٹنے لگی۔

''سمیعہ! ادھر آؤ، اندر کمرے میں چلو۔''

''آپ چلیں، میں تھوڑا کام کر کے آتی ہوں۔''

''ارے میں ابھی بلا رہا ہوں، تم بعد کی بات کر رہی ہو۔ چھوڑو کام شرمین کر لے گی۔''

اس نے بہت سختی سے کہا تو سمیعہ ہر کام اسی طرح چھوڑ کر اس کے ساتھ کمرے میں چلی آئی۔

عالیہ بیگم اور شرمین ان میاں بیوی کا انداز دیکھ کر بہت جھنجلائیں لیکن صبر کا گھونٹ پینا پڑا۔

''حد ہو گئی، جب سے آیا ہوں، تم کچن میں یوں مصروف ہو جیسے سو آدمیوں کا کھانا پکا رہی ہو۔'' وہ بے زار لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''دو اچھی چیزیں آپ کے لیے بنا رہی تھی اور تو کچھ نہیں کیا۔ آپ اچانک آ گئے ورنہ میں پہلے ہی تیاری کر کے رکھ لیتی۔''

''شرجیل بھائی کے ذکر پر سب خاموش کیوں ہو گئے؟'' جو بات جاننے کی اسے بے چینی ہو رہی تھی، وہ اس نے جلدی سے پوچھ ڈالی۔

''اس لیے کہ وہ گھر چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔''
وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔
''دیکھو، اس قسم کا مذاق میں برداشت نہیں کروں گا۔''
''کیوں آپ مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہیں۔''
''کیوں، کب، مجھے کیوں نہ بتایا؟'' وہ چلّا اٹھا۔
''میں نے سوچا آپ اتنی دور رہ کر کیا کر لیں گے، صرف پریشان ہی ہوں گے۔''
''اس پریشانی سے میرا خون کا رشتہ ہے بے عقل عورت۔'' اس نے غصے میں آ کر سمیعہ کو ایک تھپڑ بھی دے مارا۔
''روحیل! آپ حد کر رہے ہیں، غصہ ہر کسی کو آتا ہے۔'' وہ الجھی لیکن اس کے صرف دکھ کا احساس کر کے وہ تھپڑ سہ گئی، کچھ دیر خاموش رہی۔
''سوری سمیعہ! آئی ایم رئیلی سوری۔'' وہ ندامت سے سر جھکا کر بیٹھ گیا، تو آہستہ آہستہ سمیعہ نے ساری بات اسے بتائی۔
''گھر میں اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے کچھ بتایا نہیں گیا۔''
''بتا تو رہے ہیں اور جب آپ یہاں نہ ہوں تو بتانے سے حاصل۔ جب یہاں رہنے والے کچھ نہیں کر سکتے تو آپ جان کر وہاں سے کیا کر لیتے۔''
''کچھ تو کروں گا، اب تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا سمیعہ!'' وہ بھی سر ہلانے لگی۔
اپنے باپ سے بھی ناراض ہوا اور ماں سے بھی لیکن جو ہو گیا سو ہو گیا تھا۔ شام کو سمیعہ کو لے کر وہ دادا جان سے ملنے گیا۔
''آپ بہت دن ہوئے گھر نہیں آئے دادا جان!'' سمیعہ نے شکایت کی۔
''دادا، دادی اب بوڑھے ہو گئے ہیں، نہیں آ سکتے تو آپ کو خود آ جانا چاہیے تھا۔''
''میں تو آئی ہوں نا دادا جان! مگر آپ بوڑھے نہیں ہوئے، ناراض ہو گئے ہیں اور ناراضی کی لپیٹ میں ہم بھی آ گئے ہیں۔''
''اب اگر تم سمجھتی ہو تو اس موضوع کو رہنے دو بیٹا! تمہارے دادا جان کڑھتے بہت رہتے ہیں۔'' دادی جان نے سمیعہ سے کہا۔
''ارے یہ بات کرے نہ کرے، میرے دماغ میں تو یہی بات رہتی ہے۔ شرجیل کو دیکھ کر دکھ بڑھ جاتا ہے لیکن ہر معاملہ آصفہ کی خاموشی میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ وہ کچھ بولے گی تو شاید بات بنے۔''
''شرجیل سے آپ ملے ہیں دادا جان! آپ کو پتا ہے کہ۔۔۔''
''ہاں میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں، ہر دوسرے دن میرے پاس آتا ہے۔''
''وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا، آپ نے اسے روکا نہیں دادا جان!''
''اچھا کیا جو چلا گیا، میں نے اس فیصلے پر اسے داد دی۔'' روحیل کو یہ جواب ملا تو وہ چپ ہی ہو گیا۔
''اور میاں صاحب زادے! تم بھی یہ فرماں برداری اور خدمت کا ناٹک چھوڑو اور اپنی بیوی کو

اپنے ساتھ رکھو۔ بجائے اس کے کہ شرجیل کی طرح ایک دن تم اسے بھی اس شہر میں کہیں گلیوں محلوں میں ڈھونڈتے پھرو۔"

"پلیز دادا جان! ایسے تو نہ کہیں۔ سمیعہ ماشاءاللہ ہوشیار اور ہمت والی لڑکی ہے۔"

"بیٹا ہمت والی تو ہے۔ ارے ہوشیاری، کمینگی اور جھوٹ سے مقابلہ نہیں کرسکتی، سمجھے اور وہ بھی اس طرح کہ جب یہ اکیلی ہے۔"

"دادا جان! ماں باپ کو یوں چھوڑا بھی تو نہیں جاسکتا۔"

"شرجیل کی طرح ذلیل وخوار اور ناکام ہوکر چھوڑ دینے سے یوں چھوڑ دینا بہتر ہے۔"

"رہنے دیں، آپ بچوں کو کیوں الٹی پٹی پڑھا رہے ہیں۔ خدا ان کو نیک ہدایت اور حوصلہ دے۔ ٹھیک ہے بیٹا! آخر وہ تمہارے والدین ہیں۔ سب سے بہتر عمل یہ ہے کہ تم انہیں راضی رکھ سکو۔" دادی جان نے کہا۔

"رہنے دو تم بیگم! وہ اولاد سے کبھی راضی نہ ہوئے اور اولاد کا ہی صرف فرض ہے کہ انہیں راضی رکھتی پھرے۔" دادا جان صاف گوئی سے بولے۔

"اوہو میاں! کیا برائی کا جواب برائی سے ہی دیا جائے تو اچھائی کے لیے کہاں جگہ رہ جائے گی۔"

"تمہاری بھی نرالی منطق ہے، عالیہ بیگم نے کبھی کوئی سکھ تمہیں بھی نہیں دیا ہے لیکن تم اور آصفہ دونوں شاید ایک ہی مٹی سے بنی ہو۔ وہ بھی کچھ ایسی ہی باتیں کرتی ہے۔"

"داد جان! آصفہ بھابھی کے معاملے میں کچھ کریں، بھائی تو بالکل خوار ہوکر رہ گئے ہیں۔ گھر اور گھر والی دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔"

"اگر یہ جرات پہلے ہی کرلیتا اور آصفہ کو لے کر دور الگ گھر بنالیتا تو آج سکھی ہوتا۔"

"رہنے دیں، اس کے دماغ کے بھی بہت سے پرزے ڈھیلے تھے۔ یہ خواری اسے سبق سکھائے گی تو ہوش ٹھکانے آئیں گے۔"

پھر وہ دونوں چائے وغیرہ پی کر وہاں سے اٹھ گئے۔ کھانے کے لیے دادی جان نے بہت روکنا چاہا مگر انہوں نے کہا امی ناراض ہوں گی۔

"ابھی شرجیل بھائی کے پاس چلیں۔" گھڑی دیکھتے ہوئے روحیل نے کہا۔

"ابھی تو بہت دیر ہوجائے گی، ہم نے کھانے کے بارے میں امی سے کچھ نہیں کہا، وہ ناراض ہوں گی اور ابو جی بھی آفس سے آگئے ہوں گے، ان سے نہیں ملیں گے؟" بات اس کی سمجھ میں آگئی تو اس نے گاڑی گھر کی طرف موڑ دی۔

گھر پہنچے تو نو بج رہے تھے۔ ابو سے مل کر روحیل نے فوراً کھانے کے لیے آوازیں دینی شروع کر دیں تو سمیعہ کچن کی طرف لپکی اور وہاں ہر طرف سناٹا دیکھ کر خود سناٹے میں آگئی۔

"اوہ گاڈ! تو شرمین نے کھانا ہی نہیں پکایا اور امی جان نے بھی پروا نہیں کی۔" وہ سوچتے ہوئے پلٹی۔ اسے شدید غصہ آرہا تھا۔

"امی جان! کھانا نہیں پکا۔" وہ لاؤنج میں آکر بولی۔ روحیل اور سہیل احمد بھی وہیں بیٹھے تھے۔

"اب یہ تو تمہاری ذمہ داری تھی، تم جانتی ہو کہ تم بھی کئی دن شرمین کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتی

تھیں۔ بے چاری ایک تو اپنے گھر سے دکھی اور پریشان آئی تھی، رات دیر تک سو نہ سکتی تھی تو صبح اٹھ بھی نہ سکتی تھی مگر اس کی باری میں نہ کبھی ناشتا تم نے بنایا اور جس دن سے یہ گھر میں آئی ہے، دوپہر کا کھانا تو تم نے کبھی پکا کر نہیں دیا۔ اب تم بھی سوچ لو کہ تمہاری ذمہ داری کون نبھائے گا۔''

وہ صرف پوچھنے گئی تو عالیہ بیگم نے الٹی بلا اس کے گلے میں ڈال دی۔

''لیکن امی جان! آپ کے بیٹے آئے ہیں اسلام آباد سے۔ ہم لوگ تو ان سب باتوں سے نمٹ لیتے ہیں، ان کا تو خیال آپ کو کرنا چاہیے تھا۔'' وہ بہت رسان سے بولی۔

''جب تم نے شرمین کی ماں کا خیال نہ کیا تھا، وہ دن یاد ہے نا۔ جب تم بازار گئی تھیں اور دوپہر کا کھانا ہوٹل سے کھا کر چلی آئیں کہ مجھے بھوک بہت لگی تھی اور میری بھوک اور بڑھاپے کا ذرا نہ پاس کرتے ہوئے ''میں تو تھک گئی'' کہہ کر کمرے میں چلی گئیں۔ اب یہ تمہارا یا تمہارے میاں کا خیال کیوں کرے گی۔ بھلے تمہارا میاں اس کا بھائی ہی لگتا ہو۔''

عالیہ بیگم کی بحث اور سمیعہ کی الجھن سن کر روحیل چونکا بھی اور تلملایا بھی۔ اوہ گاڈ! کیا ان ہی حالات کے لیے وہ سمیعہ کو چھوڑ کر جاتا رہا ہے۔

''تم اتنی لمبی بحث کر رہی ہو، اس سے بہتر ہے جا کر کھانا پکالو۔ بھوکے رہنے سے بہتر ہے کہ دیر سے کھالیں۔'' اس نے بیوی کو ہی ٹوک کر اسے کچن میں بھیجا۔

''اب کہاں وہ پکائے گی، تم ہوٹل سے کچھ لے آؤ۔''

''ابو جی! کچھ تو خیال کریں میں گھر سے دور گھر کے کھانے کے لیے ترستا ہوں، اب یہاں آ کر بھی ہوٹلوں کا کھانا کھاؤں جبکہ گھر میں تین تین عورتیں موجود ہیں۔'' وہ چڑ گیا۔

سمیعہ کچن میں پہنچ چکی تھی۔ کوتاہی اسی سے ہوئی تھی۔ اسے ایک لمحے کے لیے خیال نہ آیا تھا کہ اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ گھر میں موجود نہیں تو کھانا کون پکائے گا۔

پھر کھانا تو تیار ہو گیا، کھا بھی لیا گیا، اس نے اکیلے سارا کام بھی سمیٹ لیا لیکن دو گھنٹے لگ گئے۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے، وہ تھک بھی بہت گئی اور شرجیل سے ملنے بھی جانا تھا۔ ''تم پانچ منٹ میں تیار ہو سکتی ہو تو چلو، ورنہ میں ابو جی کے ساتھ چلا جاؤں گا۔''

''آپ سب لوگ ہر طرح سے عورت کو ہی آزمانے پر تلے رہتے ہیں، کب سے آپ کے سامنے مسلسل بھاگے چلی جا رہی ہوں، اب پانچ منٹ میں تیار ہو جاؤں۔''

''تو یہ تمہاری اپنی ہی غلطی ہے، تمہیں یاد نہیں رہا تھا کہ تمہیں کھانا بھی پکانا ہوگا۔''

''غلطی ہو گئی صاحب! آپ کی صورت دیکھ کر خوشی میں، میں اپنی ذمہ داریاں بھول گئی تھی۔''

آج اس کا جی چاہا کہ روحیل سے کہے۔ ''بس بہت ہو گیا، بالکل بے کار ہے یہ ڈرامہ۔ آپ کی ماں بہن کا دل جیتنا میرے بس کی بات نہیں، آپ مجھے اپنے ساتھ اسلام آباد ہی لے چلیں۔''

لیکن بس یہ اس کی ہار تھی۔ منہ سے کہے جبکہ حقیقت واضح طور پر روحیل کو نظر تو آ رہی تھی۔

وہ اپنے حساب اور اندازے سے گھر کے سارے گزرے واقعات راستے میں شرجیل کے پاس جاتے ہوئے روحیل کو بتا رہی تھی۔

سمیعہ کی یہ خوبی تھی کہ ہر بات من وعن روحیل کو بتایا کرتی تھی اور اس کے لیے فرصت، سکون یا اس کے موڈ کے اچھا یا خراب ہونے کا انتظار نہ کرتی، وقت اسے زیادہ ملتا ہی نہ تھا کہ وہ کسی قسم کے چونچلوں میں پڑے لیکن جب بھی آتا، اس کی غیر حاضری کے دنوں کی ساری باتیں ایک ایک کر کے سناتی مگر ابھی اس کا موڈ خراب تھا، اپنی ماں اور بہن کی بہت سی باتوں میں زیادہ بری اسے کون سی بات لگی ہوگی، یہ بھی اس نے جان لیا تھا لیکن راستے بھر سہیل احمد ساتھ تھے، وہ چپ ہی رہی۔

شرجیل کا فلیٹ چھوٹا مگر اچھا تھا۔ ہر چیز اپنے ٹھکانے پر احتیاط سے رکھی ہوئی تھی۔ بھائی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، ابو جی اور سمیعہ سے بھی اچھی طرح ملا۔

''فلیٹ تو اچھا لیا ہے شرجیل بھائی!'' سمیعہ نے سب سے پہلے تعریف کی۔

''ہاں بھئی! فلیٹ تو بہت شاندار ہے اور جگہ بھی پرسکون ہے۔''

''بس ضرورت کے لیے کافی ہے۔''

''کھانے پینے کا کچھ انتظام ہوا، کوئی ایسا نوکر رکھ لو کہ تمہارا کام کر دیا کرے۔ کھانا وانا بنا کر چلا جایا کرے۔'' سہیل احمد کو اس کے کھانے پینے کی زیادہ فکر تھی۔

''ایسا ہو نہیں سکتا نا، یہاں میں بالکل نیا ہوں۔ کسی کو اتنا جانتا بھی نہیں اور میں خود صبح نو بجے چلا جاتا ہوں، کسی بھی نوکر پر اس طرح بھروسہ کیسے کر سکتا ہوں۔''

''کیا ہو گیا ہے ابو جی! آپ کن چکروں میں پڑ گئے ہیں، آصفہ بھابھی کو منا کر لائیں اور ختم کریں اس قصے کو، بھلا ساری عمر یوں ہی گزاریں گے دونوں میاں بیوی۔''

''یہ قصہ تو ختم ہی سمجھو بیٹا!'' سہیل احمد نے سختی سے کہا۔

''ارے اللہ نہ کرے، آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں ابو!''

''ایسا ہی ہے، ہم سب کو مان لینا چاہیے، آصفہ کو منانا اب مشکل ہے۔''

''ہم جائیں گے، میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ دادا جان اور دادی کو بھی لے جائیں گے پھر ان کی مجال نہ ہوگی کہ آنے سے انکار کریں۔ ابو جی! بہت دنوں پہلے چلا جانا چاہیے تھا، آخر آپ کے چچا کا گھر ہے۔ یہ مسئلہ تو حل کرنا ہے۔ ہمارے گھر کا نظام ہی بگڑ گیا ہے۔'' روحیل جذباتی ہو گیا۔

''تم ہوٹل کس کے ساتھ گئی تھیں؟'' سمیعہ کو خبر تھی کہ یہی بات اس کے شوہر کے دل میں کھٹک رہی تھی۔ رات کو کمرے میں آ کر پہلی بات روحیل نے اس سے یہی پوچھی۔

''اگر کسی کے ساتھ جاؤں تو آپ کیا کر لیں گے۔''

''ارے شوٹ کر دوں گا تمہیں، تم پاگل ہو رہی ہو یا مجھے کر رہی ہو۔'' اس نے کپڑے بدل لیے تھے اور اب اطمینان سے ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی بالوں کو برش کر رہی تھی اور روحیل کی چڑ کا مزا بھی لے رہی تھی۔

''دیکھیں، آپ اس شہر میں رہتے نہیں ہیں۔ میرے سر پر موجود نہیں ہوتے، آپ کو کیا خبر کہ میں کہاں جاتی ہوں، کہاں آتی ہوں، آپ کو میں نہ بتاؤں یا کوئی بھی نہ بتائے میرے بارے میں تو آپ کیسے جان لیں گے۔'' اب وہ ڈریسنگ چیئر کا رخ موڑ کر شیشے کے بجائے روحیل کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''ایسی عجیب باتیں کیوں کر رہی ہو، اگر تمہارے دل میں کہیں چور ہے تو صاف صاف بتا دو۔''
''ہاں یہی تو بات ہے، میرے دل کا چور بھلا آپ کیسے پکڑ سکتے ہیں۔'' وہ اب بھی ہنس رہی تھی۔
''کیا مذاق ہے سمیعہ! کیوں ستا رہی ہو، میں پہلے ہی پریشان ہوں۔''
''تو آپ کیوں الجھ رہے ہیں اور آپ کی ہر الجھن کا حل ''اعتبار'' ہے جو شاید اس بار آپ اسلام آباد بھول کر آ گئے ہیں۔''
''یا اللہ! کیسی عورت ہے، ایک سیدھی بات کا ڈھنگ سے جواب نہیں دے رہی۔''
''اور یا اللہ! یہ کیسا آدمی ہے کہ ایک چھوٹی سی بات پر شک کا پہاڑ اپنے دل میں بنا رہا ہے۔'' وہ جھنجلاتا ہوا واش روم میں چلا گیا۔
''مجھے آپ کا یہ انداز بہت برا لگا ہے۔ روحیل! اگر اگلی بار آپ آئے اور کسی نے کہہ دیا کہ سمیعہ کہیں گئی یا کسی کے ساتھ گئی تھی تو آپ مجھے ہاتھ پیر زنجیروں پر کھڑا کر دیں گے۔'' وہ بستر پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔
''مجھے تم پر اعتبار ہے سمیعہ! لیکن ایسی بات ہوئی ہے کہ میں الجھ گیا، امی جان بلاوجہ شکایت نہیں کرتیں۔''
''آپ اپنی ماں کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اب تک آپ کو مجھے بھی جان لینا چاہیے۔ شرمین اپنی من مانی میں حد سے آگے بڑھ رہی تھی، میں نے تھوڑی ذمہ داری اس پر ڈالنے کی کوشش کی تو امی جان کو بھی برا لگا۔ میں اس دن مارکیٹ گئی تو مجھے خبر تھی واپسی پر کھانا پکا ہوا نہ ہوگا۔ میں نے راستے میں مکڈونلڈ کا برگر لیا، گاڑی میں بیٹھ کر کھایا اور گھر آ گئی۔ تصدیق کرنا چاہیں تو حبیب خان سے پوچھ لیجیے گا مگر اس طرح وضاحت کرتے ہوئے میرا دل اندر سے بہت کڑھ رہا ہے۔''
''پلیز سمیعہ! کبھی کبھی انسان پریشانیوں سے گھبرا جاتا ہے پھر اس طرح کی کوئی چھوٹی سی وضاحت سکون دیتی ہے۔'' روحیل نے اسے منا لیا اور وہ مان بھی گئی۔

سمیعہ درزی کے پاس گئی تھی۔ ابھی تک واپس نہ آئی تھی۔ وہ باہر صحن میں ٹہلنے لگا۔
''وہ یونہی بازاروں کے چکر لگایا کرتی ہیں لیکن میاں گھر میں ہیں تب تو انہیں خیال کرنا چاہیے۔ سچ ہی سنا ہے جن عورتوں کے میاں ان سے دور رہتے ہیں، وہ عجیب مزاج کی بن جاتی ہیں۔'' شرمین بہت اونچی آواز میں ڈائننگ ٹیبل پر سلاد کاٹتی عالیہ بیگم سے تبصرہ کر رہی تھی اور روحیل سب سن رہا تھا۔
پھر ٹہلتے ٹہلتے اس کے پاؤں دکھ گئے لیکن سمیعہ واپس نہ آئی۔ وہ پلٹ کر اندر آ گیا۔ کھانے کے لیے کسی نے آواز لگائی تو وہ سیدھا ڈائننگ ٹیبل پر جا کر بیٹھ گیا۔ ''روحیل بیٹا! ذرا اگلی سے چھ تندور کی روٹی تو لے آؤ، حبیب خان تو سمیعہ کے ساتھ ایسا گیا ہے کہ پلٹا ہی نہیں۔'' امی جان نے اس کے بیٹھتے ہی کہا۔
''افوہ شرمین سے کہیں، کبھی روٹی گھر میں بھی پکا لیا کرے۔''
''پکا لیتی لیکن اس کے چہرے پر دانے بہت نکل آئے ہیں نا، چولہے کے پاس زیادہ دیر کھڑے رہنے سے الرجی بڑھ جائے گی۔''
''آپ اسے کچھ نہ کرنے دیں گی امی!'' وہ اٹھا بھی نہیں۔

''چھوڑیں روٹی کو، صرف چاول کھالیں گے۔'' اس کی چڑ اور الجھن بڑھ رہی تھی۔ ڈھنگ سے کھانا بھی نہ کھایا گیا۔

''سمیعہ ابھی تک نہیں آئی، درزی کے پاس اتنی دیر لگتی ہے کیا، اچھی خاصی الہڑ اور لاپروا ہے۔ بازار تو جب جاتی ہے سمجھو پورا دن ہمیں نظر نہ آئے گی۔'' پھر اس کا ذکر چھیڑا گیا۔

''میاں کی سر چڑھی جو ہے۔'' شرمین نے ہنس کر کہا اور روحیل کھانا چھوڑ کر اٹھ گیا۔

چار بجے وہ آئی تو بہت سے تھیلے اس کے ہاتھ میں تھے اور تھکن سے اس کا برا حال تھا، لیکن روحیل آنکھوں پر ہاتھ رکھے بے نیاز سا لیٹا رہا۔

وہ چیزیں ایک طرف رکھ کر منہ ہاتھ دھونے واش روم میں گھس گئی پھر گھڑی دیکھی تو یک دم چونک گئی۔

''اوہ چار بج گئے۔'' اسے اپنی افتادِ طبع اور کام کی زیادتی میں گھڑی دیکھنا یاد ہی نہ رہا۔

''جب ہی میاں صاحب کا منہ اتنا پھولا ہوا ہے۔'' وہ دل ہی دل میں ہنس دی۔

''روحیل! پوچھیں گے نہیں کہ میں بازار سے کیا لائی ہوں۔''

''بازار! تم تو درزی کے پاس جانے کا کہہ کر گئی تھیں۔''

''وہ تو بہانہ کیا تھا، آپ کو پہلے بتاتی تو مجھے اکیلے بازار تھوڑی جانے دیتے۔''

''کیوں، اکیلے جانے کا بہت شوق ہے۔ میں نہیں ہوتا تو یوں بھٹکنے کا شوق پورا نہیں ہوتا کہ میرے ہوتے ہوئے بھی منہ اٹھا کر چلی گئیں۔''

''مجھے تو آپ کو سرپرائز دینا تھا روحیل!''

''دفع کرو، مجھے نہیں چاہئیں ایسے سرپرائز، آدھا دن گزر گیا، تم جانے سڑکوں پر کہاں ماری ماری پھرتی رہیں، یہ سرپرائز ہی تو ہے میرے لیے۔''

تھوڑی دیر پہلے شرمین کا تبصرہ سن کر اس کی رگ رگ میں آگ لگی تھی۔

''روحیل۔۔۔ روحیل بہت برا کر رہے ہیں آپ! چپ ہو جائیں ورنہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔''

وہ تو پاگل سی ہوا تھی، روحیل کے الفاظ اتنے سخت نہ تھے جتنا اس کا انداز۔ سرخ آنکھوں سے نکلتا دھواں، پیشانی پر بنی ہوئی لکیریں اور چہرے کا انتہائی برا تاثر، سمیعہ نے چیزیں الماری کے نچلے خانے میں ٹھونسیں، الماری کو تالا لگایا اور چابی کھڑکی کھول کر سڑک پر پھینک دی۔ روحیل دیکھ رہا تھا لیکن کچھ نہ بولا۔

رات تک دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات ہی نہ کی اور ان کے بگڑے موڈ دیکھ کر شرمین کے چہرے پر ایسی ہنسی پھیل رہی تھی، وہ رات کا کھانا کھاتے ہوئے بھی بے وجہ چہک رہی تھی۔ روحیل کو بہت برا لگا۔ وہ سمجھ رہا تھا۔ شرمین کی فطرت تو وہ جانتا ہی تھا پھر بھی اس کی باتوں میں آ گیا۔

''بڑے استاد بنتے تھے ہمیشہ شرجیل بھائی کو برا بھلا کہتے کہ وہ بڑے بے عقل ہیں۔ اب تم کون سے افلاطون بن گئے۔ آخر ان عورتوں کے شر میں آ ہی گئے۔''

سمیعہ تو ہمیشہ ایسی ہی ہے، بولڈ اور بے باک۔ اپنا ہر کام خود ہی پہلے بھی کیا کرتی تھی۔

''مجھے تو دس روپے کا ایک ہیئر بینڈ بھی خریدنا ہو تو خود بازار جاتی ہوں، کبھی کبھی سوچتی ہوں جن لڑکیوں کی مائیں ہوتی ہیں، وہ کیسے پروا کرتی ہوں گی۔ چن چن کر بیٹیوں کے لیے چیزیں جمع کرتی ہوں

گی لیکن خیر اب تو مجھے عادت ہوگئی ہے بلکہ اب تو کوئی میرے لیے کچھ لائے تو مشکل سے پسند آتا ہے۔ خود ہی چوائس کرنے کی لت پڑ گئی ہے نا۔'' اس نے ایک دفعہ اسے بتایا تھا اور وہ اس کی ہر عادت، فطرت اور مصروفیت کو اچھی طرح جانتا تھا۔

''آپ بھی اگر شرمین ہی کی باتوں کا اثر لینے لگے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہی ایک ٹھیک ہے، باقی ہم سب غلط ہیں۔'' رات کو جب وہ عینی آپا کو چھوڑنے جا رہا تھا تو راستے میں انہوں نے اس سے کہا۔

''دیکھو رو حیل! شرمین ہماری بہن ضرور ہے لیکن اس کے من کا شر ہم سے پوشیدہ نہیں، اپنی زندگی، اپنی نادانی سے خود برباد کرو گے تو پچھتاؤ گے۔ باقی شرمین تو پچھتانے کے مطلب سے بھی واقف نہیں۔ وہ جانے کس بری گھڑی کا انتظار کر رہی ہے۔'' عینی آپا اپنے میکے کے حالات سے بالکل ہی مایوس تھیں۔

''اس طرح نہ کہیں عینی آپا! آخر ہماری بہن ہی ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

اور یونہی الجھا، روٹھا وہ گھر پلٹ کر آ گیا۔ عینی آپا کی باتیں اور اپنی سوچوں نے اسے اچھا راستہ سمجھایا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا، جب کچن سے چائے بنا کر نکلتی شرمین ٹکرا گئی۔

''اس وقت کس کے لیے چائے بنا رہی ہو اور اگر بنا ہی رہی ہو تو ایک کپ مجھے بھی دے دو۔''

''پہلی بات تو یہ کہ یہ چائے نہیں، کافی ہے۔ امی کا بلڈ پریشر بہت لو ہو گیا ہے، اس لیے بنا کر لے جا رہی ہوں اور دوسری بات یہ کہ آپ چاہیں تو ضرور آپ کو بھی بنا کر دے دوں لیکن بیگم صاحبہ تو آپ کی گھر میں ہیں نہیں، آپ کافی پی کر رات دیر تک کس کے لیے جاگیں گے۔''

''کیا مطلب، سمیعہ اس وقت کہاں ہے۔'' اس کی آواز بالکل ہی ڈوب رہی تھی۔

''بتا کر تو وہ ہمیں کچھ بھی نہیں گئیں، ہاں البتہ کوئی آدمی انہیں اپنی گاڑی میں لینے آیا تھا۔'' شرمین کا انداز تھا کہ وہ بھڑک ہی اٹھا۔

''وہ کہیں بھی، کسی بھی وقت کسی کے ساتھ چلی جائے، امی کچھ نہیں کہتیں، بس دیکھتی رہتی ہیں۔ کہاں ہیں امی۔''

''میں نے بتایا نا، ان کی طبیعت بہت گھبرا رہی ہے، اپنے بستر میں لیٹی ہوئی ہیں۔'' وہ ان کے کمرے کی طرف جاتے جاتے رک گیا اور پھر تیزی سے اپنے کمرے میں جا کر پیچھے سے دروازہ بند کر لیا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔ یا اللہ مجھے برداشت کرنے کا حوصلہ دے۔''

وہ پاکستانی فوج کا ایک ہونہار اور جانباز سپاہی، قدم قدم پر سختیوں کا مقابلہ کرنے کی ٹریننگ لینے والا، اپنی گھریلو الجھنوں کے آگے بالکل عام آدمی کی طرح ہار سا گیا تھا۔ بہت تیزی سے اپنے کمرے کے چکر کاٹتے اچانک اسے خیال آیا تو وہ باہر نکلا اور پھر اسے شرمین ٹکرائی۔ اسے خبر نہ تھی کہ شرمین اس کے کمرے کے گرد ہی گھوم رہی تھی، صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کا اگلا قدم کیا ہوگا۔

''ابو جان کہاں ہیں۔''

''آپ عینی آپا کو چھوڑنے گئے، آپ کے پیچھے وہ بھی کہیں چلے گئے ابھی تک آئے نہیں۔'' اس نے ہتھیلیاں آپس میں رگڑیں اور سر ہلا کر پھر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

صبح سمیعہ کی آنکھ کھلی تو روحیل جاگا ہوا تھا، اپنے بیگ میں سامان ڈال رہا تھا اور خود اپنے جوتے اور کپڑے بھی نکال کر تیار کر چکا تھا، وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔

''سامان کیوں پیک کر رہے ہیں؟'' وہ الجھی۔

''جا رہا ہوں واپس، تاکہ تمہیں آسانی رہے۔'' وہ حیران ہو کر اس کی صورت دیکھنے لگی، رات جب وہ واپس آئی تو روحیل سو چکا تھا اور گہری نیند میں تھا۔ اسے کوفت بہت ہوئی تھی لیکن کچھ کہنا سننا بے کار تھا پھر وہ بھی سو گئی اور صبح آنکھ کھلنے کے ساتھ عجب صورت حال کا سامنا ہوا تھا۔

''آپ تو آٹھ دن کے لیے آئے تھے۔'' وہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض تھے۔

رات شرجیل اسے اتنی جلدی میں بلانے آیا تھا اور ابو جی نے بھی اسے جلدی جانے کی ہدایت کی تھی، امی جان سے اس نے خود جانے کے بارے میں کوئی بات نہ کی تھی، لیکن جب لاؤنج میں بیٹھے جوتے پہننے کے ساتھ چائے پیتے وہ جانے کی جلدی میں تھی، اس نے سہیل احمد کو عالیہ بیگم سے کہتے سنا تھا کہ 'سمیعہ، شرجیل کے ساتھ ابا جان کے پاس جا رہی ہے، انہوں نے بلوا لیا ہے۔'' اور عالیہ بیگم نے کہا تھا کہ ''آپ نہیں جا رہے۔'' جس کے جواب میں انہوں نے کہا تھا کہ ''انہیں کہیں اور جانا ہے۔'' اور پھر وہ تو نکل گئی تھی اور اسے پتا تھا کہ یہ ساری صورت حال روحیل کو بھی بتا دی گئی ہوگی۔ لہٰذا اس بات پر اس کی ناراضی کا کوئی سوال نہ تھا۔

''میں تو تمہارے لیے آیا تھا۔'' وہ واش روم میں جاتے ہوئے کہہ کر گیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ شرمین اور عالیہ بیگم نے روحیل کو ذہنی طور پر اتنا مفلوج کر دیا ہوگا کہ وہ شک اور بے اعتباری کی آگ میں جلنے کے سوا کچھ کر سکنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔

اگلے دس منٹ میں وہ بالکل تیار، اس کے سامنے کھڑا تھا اور وہ ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا سوچ میں ہی پڑی ہوئی تھی کہ وہ بیگ اٹھا کر جانے لگا۔

''روحیل! کیا ہے یہ سب کچھ، آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔''

''یہ سوال میں نے تو تم سے نہیں پوچھا تھا۔ بہرحال مجھے جانا ہے ابھی اور اسی وقت، گیارہ بجے میری فلائٹ ہے۔''

''میں چلتی ہوں آپ کو ایئرپورٹ چھوڑنے۔۔۔ اور ناشتا تو کر لیں۔''

''نہیں، تم کہاں میرے پیچھے وقت برباد کرو گی، تمہاری اور بہت سی مصروفیات ہیں۔''

''آپ سے بڑھ کر میری کوئی مصروفیت نہیں ہو سکتی۔'' وہ لجاجت سے کہنے لگی۔

''تم نے اس قول پر کوئی کہانی پڑھی ہے، دھوکا بازوں سے ہوشیار رہیے۔'' وہ یوں کہہ کر ہنسا جیسے اپنی ہی ہنسی اڑا رہا ہو اور اس کا مزاج اور انداز اس قدر الجھا رہے تھے کہ سمیعہ ایک گہری فکر میں مبتلا ہو گئی۔

''کیا بات ہے، تم دونوں صبح ہی صبح کہاں جانے کی جلدی میں ہو۔'' سہیل احمد حیران ہوئے، روحیل کے سامان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ واپس جا رہے ہیں ابو جی!''

''خیریت، کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہے کیا۔'' انہوں نے بیٹے سے پوچھا۔

''بس واپسی کا ارادہ ہو گیا ہے۔'' وہ پلٹنے لگا۔
''تمہیں ایئر پورٹ تک چھوڑنے کی ضرورت نہیں، میں خود ہی چلا جاؤں گا۔'' پھر اس نے سمیعہ سے اتنی رکھائی سے کہا کہ وہ رک ہی گئی اور باپ کو اللہ حافظ کہہ کر وہ جلدی سے باہر نکل گیا۔
''اسے کیا ہو گیا، کوئی جھگڑا ہو گیا ہے کیا؟'' وہ سمیعہ سے پوچھنے لگے۔
''جھگڑا کیسے ہو، ہماری تو رات کو ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ رات کو میں آئی تو یہ سو گئے تھے، صبح آنکھ کھلی تو یہ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔''
''اوہ گاڈ! میں کچھ سمجھ رہا ہوں اور کچھ نہیں۔'' وہ خاموشی سے سر ہلانے لگے۔
''روحیل چلا گیا، اچھا ہوا۔'' عالیہ بیگم نے کہا تو سمیعہ انہیں دیکھتی رہ گئی اور سہیل احمد بھی چونک گئے۔
''میرا مطلب ہے اچھا ہوا ٹھنڈے وقت پر نکل گیا پھر دوپہر چڑھے گرمی بہت ہو جاتی ہے نا۔'' وہ بوکھلائی تھیں لیکن پھر فوراً سنبھل بھی گئیں۔
اور سہیل احمد جو کچھ سوچ رہے تھے، اب وہ ہی سچ دِکھ رہا تھا۔
سمیعہ اپنی تمام تر ذہانت اور عقل مندی کے باوجود اپنی زندگی کے انتہائی نازک موڑ پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

''آصفہ پلیز کسی اچھی جگہ پر بیٹھ کر مجھ سے بات ہی کر لو تاکہ میں تم سے ڈھنگ سے معافی مانگ سکوں۔'' شرجیل بے حد نادم تھا۔
''رہنے دو شرجیل بیٹا! پھر کبھی جب آصفہ خود چاہے گی ہم اس سے بات کریں گے۔'' اندر سے تایا جان باہر آئے تھے اور آصفہ کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کر کے شرجیل کو پھر گھر کے اندر جانے کے لیے کہا۔
''دادا جان! میں اپنے بیٹے سے تو مل لوں۔'' اس نے گاڑی کے شیشے میں منہ دے کر آصفہ کی گود میں سوئے بچے کو دیکھا۔
''ہاں آصفہ بیٹا! بچے کو تھوڑی دیر کے لیے اسے دے دو۔'' وہ انکار نہ کر سکی۔
شرجیل اپنے بچے کو گود میں لے کر اسے دیوانہ وار چومنے لگا۔ بڑا دیکھنے والا تھا وہ منظر۔ ایک انسان رشتوں کے معاملے میں ہر طرف سے مار کھا کر ایک چند ماہ کے بچے پر اپنا سب مان، ایمان لٹا دینا چاہتا تھا۔ اس کے بیٹے نے شاید باپ کے لمس کو محسوس کر لیا تھا لیکن اسی لمس کے انجانے پن پر احتجاج کرتے ہوئے بلک بلک کر رونے لگا۔
''ہم سے ناراض ہو کر مت جانا بیٹا! شرجیل سے تمہارا کوئی خون کا رشتہ نہیں مگر ہمارا ہے، اس لیے ہم اس کے دکھ کو محسوس کرنے پر مجبور ہیں۔'' گاڑی میں تایا جان نے اس سے کہا تو وہ چپ رہ گئی تھی۔

وہ کالج سے نکلی تو حسبِ معمول فہد اپنی گاڑی لیے سامنے سڑک پر کھڑا تھا۔ وہ بھی اپنے معمول ہی کے مطابق اسے نظر انداز کرتی بس کا انتظار کرتی، لڑکیوں کے ہجوم میں جا کر کھڑی ہو گئی۔
''ارے وہ دیکھو میاں مجنوں! بہن کا فائنل ایئر ختم ہو گیا، لیکن انہوں نے اسٹاپ نہیں چھوڑا۔''
اب یہ طنزیہ باتیں، کبھی طنزیہ ہنسی، کبھی شرارتی لڑکیوں کے آپس کے اشارے بھی اس نے محسوس

کر نے چھوڑ دیے تھے۔ وہ کسی کو بھی روکنے یا ٹوکنے بیٹھ جاتی تو خود ہی تماشا بن کر رہ جاتی۔
بس کی طرف جاتے ہوئے اس کے قدم ٹھٹک گئے وقار کی گاڑی سامنے آ گئی تھی۔
''آپ! میرا مطلب ہے وقار تم!'' وہ اچھل ہی پڑی۔ یوں کالج کے اسٹاپ پر وقار کو دیکھ کر وہ گڑبڑا گئی۔
''کیوں ڈر گئیں۔'' وقار کے انداز پر اسے عجیب سی وحشت ہوئی۔
''ارے ڈروں گی کیوں، تمہارے خیال میں کیا چوری کر کے بھاگ رہی ہوں۔'' اس کا جواب بھی سیدھا نہ تھا۔ وقار کے اشارہ کرنے پر وہ اس کی گاڑی میں فوراً ہی بیٹھ گئی تھی کیونکہ وہاں قطار بنائے کھڑی لڑکیاں جھٹ سے دوسری کہانی گڑھ لینے کی منتظر تھیں۔
''فوراً ہی چڑ جاتی ہو، مجھے اس طرح بات بات پر چڑ جانے والی لڑکیاں بالکل پسند نہیں۔''
''آپ کی پسند، ناپسند کا میں نے ٹھیکہ تھوڑی لیا ہے۔'' اس نے اسی تیزی سے جواب دیا تو وقار ہنسنے لگا۔ گاڑی اسے سیدھی سڑک پر لے جانی چاہیے تھی لیکن وقار نے درمیان کے موڑ سے گاڑی کو موڑا اور سامنے سڑک پر کھڑے فہد کی گاڑی کے پاس اپنی گاڑی لے گیا۔ تہنیت کا دل دھک سے رہ گیا لیکن وقار نے اس سے کچھ کہا نہیں، صرف بری طرح گھور کر دیکھا اور پھر گاڑی آگے بڑھا دی۔
''ایک بات بالکل سچ بتانا تہنیت!'' وہ بہت دیر بعد بولا تھا۔ وہ اس کی شکل دیکھنے لگی۔
''آپ مجھے جانچنے کے لیے ہی یہاں تک آئے ہیں تو پھر وضاحت کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ مجھے یوں اپنے بارے میں وضاحتیں دینا پسند نہیں ہے۔''
''اب میں کہوں گا کہ تمہاری پسند ناپسند کا میں نے ٹھیکہ تو نہیں لیا''
''آپ بے ایمانی کر رہے ہیں، میری بات اور تھی اور آپ کا مسئلہ اور ہے۔''
''چلو اب اگر ہم ایک دوسرے کو اپنی اپنی پسند ناپسند کا ٹھیکہ دے دیں تو کیسا رہے گا۔'' وہ بہت ہی زیادہ حیرانی سے وقار کی صورت دیکھنے لگی۔
''آپ شاید بھول رہے ہیں کہ میں خاندان کی وہی لڑکی ہوں جسے سب سے زیادہ ناپسند کرتے ہیں۔'' اس کا گھر بہت نزدیک آ گیا تھا۔ اس کی بہادری پر وقار کو حیران نہیں ہونا چاہیے تھا۔
''یہ بات بھی میں نے تو تم سے نہیں کہی۔''
''انسان کے رویے اور انداز بہت کچھ بتاتے ہیں۔''
''تو میرا یہ رویہ اور انداز اب کیسا ہے، یہ بھی جانچ لینا۔'' وہ اسے گھر تک ڈراپ کر کے چلا گیا۔

سمیعہ نے رات ہی روحیل کو فون کیا اور اس نے چھوٹتے ہی سمیعہ کو بری طرح جھڑک دیا۔
''خبردار! کہا تھا نا مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔ میں تمہارے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا، سمجھیں۔'' اس کا لہجہ قطعی تھا۔
''اسے کیا ہو گیا ہے۔'' وہ سوچ سوچ کر تھکنے لگی تو سہیل احمد کے پاس چلی آئی۔ گھبراہٹ کے مارے اس کا تو چین ہی لٹ گیا۔

''ابو جی! روحیل جانے کیوں ناراض ہو کر اس طرح چلے گئے ہیں۔''

''بات کیا ہوئی تھی تم نے بتایا نہیں، میں نے صبح بھی پوچھا تھا۔'' وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے اپنی کسی فائل پر کام کر رہے تھے۔

''بات ہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہی، بس یہی لگ رہا ہے کہ کل رات کو جب میں شرجیل بھائی کے ساتھ گئی ہوں، اسی وقت کوئی غلط فہمی ہوئی کہ انہوں نے غصے کے مارے مجھ سے کسی قسم کی وضاحت کے بغیر ناراضی مول لی ہے۔''

''کل تو تم اس سے پوچھ کر شرجیل کے ساتھ گئی تھیں نا۔''

''وہ اس وقت گھر میں ہی کہاں تھے اور اس کے بعد بھی میری اس موضوع پر کوئی بات ہی نہ ہو سکی۔ ظاہر ہے امی جان یا شرمین نے انہیں بتایا ہوگا۔''

''اور کیا بتایا ہوگا؟ یہ سوچ اب اس کے دماغ میں داخل ہو رہی تھی۔ کچھ نہ بھی بتایا ہو صرف یہی کہہ دیا ہو کہ ہم نہیں جانتے، وہ اس وقت کہاں گئی ہے تو اتنی سی بے یقینی اسے پوری طرح بھڑکا دینے کے لیے کافی تھی۔ ''اوہ مائی گاڈ! اوہ مائی گاڈ!'' اس نے جی ہی جی میں بڑبڑا کر خود اپنا ماتھا پیٹا۔ ایسی ہی کچھ بات سہیل احمد بھی صبح سے سوچ رہے تھے۔ لیکن کہا کسی سے کچھ نہیں تھا۔

حالانکہ وہ صبح بیٹے کا مزاج دیکھ کر ہی سمجھ گئے تھے کہ ضرور وہ کسی برے وسوسے میں گرفتار ہے مگر اللہ نے انہیں اتنی صلاحیت نہ دی تھی کہ جانتے اور مانتے ہوئے کسی کے لیے کچھ کر سکیں۔

صبح اٹھ کر ناشتا کر لینے کے ساتھ ہی انہوں نے شرمین کو بلایا۔

''تم اپنا سب سامان سمیٹ لو، میں آج ہی تمہیں تمہارے گھر چھوڑنے جاؤں گا۔''

''ارے کیا کبھی باپ اور کبھی بیٹے کے سر پر بھوت سوار ہوتا ہے اسے اس کے گھر چھوڑنے کا اس کے میاں کو تو لینے کے لیے آنے دیں۔ یونہی پھینک آئیں گے بیٹی کو۔ اس مردود کو کیا خاک عقل آئے گی۔'' شرمین کچھ بولتی اس سے پہلے عالیہ بیگم چیخنے لگیں۔

''تم چپ کر جاؤ، کیا ساری عمر اس کا میاں لینے نہ آئے گا تو ساری عمر بیٹی کو گھر بٹھائے رکھو گی۔''

''ارے اللہ نہ کرے، کیوں لینے نہ آئے گا۔ تم تو جب نکالنا بیٹی کے لیے منہ سے بد فال ہی نکالنا۔ ساری دعائیں بہوؤں کو دے کر کوٹہ جو ختم ہو جاتا ہے۔'' وہ پھر اسی طرح چلاتے ہوئے شوہر سے الجھیں۔

''عالیہ بیگم! آج تم اسے نہیں روکو گی۔ یہ اپنے گھر واپس جائے گی اور پھر اس طرح جھگڑ کر شوہر سے آئی تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔'' یہ غصہ وہ پہلے دکھاتے تو شاید زیادہ اثر ہوتا۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گی، اُس گھر میں تو ہرگز واپس نہیں جاؤں گی۔ آپ چاہیں کچھ بھی کر لیں ابو جی!'' شرمین نے زیادہ دلیری سے کہا۔

''تو اس گھر میں بھی تم نہیں رہ سکتیں۔ جاؤ کہیں اور ٹھکانا کر لو۔''

''امی! دیکھیں ابو کیا کہہ رہے ہیں۔ ماں باپ کے گھر کے سوا کہاں ٹھکانا مل سکتا ہے۔''

''اپنے گھر میں ٹھکانا ڈھونڈو، اپنی جگہ وہاں بناؤ شرمین بیٹا! ہر کسی لڑکی کے لیے سسرال ہی سچا ٹھکانا ہو سکتا ہے۔'' اب وہ لہجہ بدل کر خود سر بیٹی کو سمجھانے لگے۔

''خوامخواہ بچی کے پیچھے پڑ گئے ہیں، اس کے شوہر نے اسے گھر سے نکالا ہے تو اب ماں باپ بھی نکال دیں۔ آپ کی بہو بھی تو اپنے ماں باپ کے گھر پڑی ہوئی ہے، اس کا باپ کیا اسے واپس چھوڑنے آیا ہے۔''

''عالیہ بیگم! خود ہی تو آپ نے اس معصوم کو گھر سے نکالا ہے، اب اس کے نہ آنے پر اعتراض۔''

''میری بیٹی کو بھی گھر سے نکالا گیا ہے، وہ اس طرح واپس نہیں جائے گی۔''

''ارے اپنی بیٹی کے کرتوت تو دیکھو، کہاں اس معصوم کو اپنی نالائق بیٹی سے ملا رہی ہو۔'' وہ بہت جوش اور غصے میں تھے۔

''دیکھیں سہیل صاحب! آپ ایک پرائی لڑکی کے لیے میری اولاد کو برا بھلا نہیں کہہ سکتے۔ نالائق ہوگی وہ آپ کی چہیتی آصفہ، اور اس کا پورا خاندان بھی۔۔۔''

ابھی عالیہ بیگم آگے کچھ کہتیں کہ سہیل احمد کا ہاتھ اٹھا اور انہوں نے ایک بھرپور تھپڑ عالیہ بیگم کے منہ پر رسید کر دیا۔

''آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا، ان کل کی دو ٹکے کی چھوکریوں کی خاطر میری بے عزتی کی۔'' عالیہ بیگم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بڑھ کر سہیل احمد کا گریبان ہی پکڑ لیا۔

''ارے قسم خدا کی میں سڑک پر کھڑی ہو کر سارے محلے کو بتاؤں گی، آپ کا اس گلی میں سر اٹھا کر نکلنا دوبھر کر دوں گی۔'' انہوں نے اپنی چادر سمیٹی اور صحن میں نکل گئیں۔

''میری بلا سے، گلی میں مرو یا سڑک پر۔ تمہاری انتہا لگتا ہے یہی ہے۔'' سہیل احمد ہر چیز کو ٹھوکر میں لیتے آندھی طوفان کی طرح گھر سے باہر نکل گئے پھر گلی تک تو نہ گئیں لیکن صحن میں ہی کھڑے ہو کر عالیہ بیگم نے اپنے شوہر کے پورے خاندان خاص کر جلال احمد اور ان کی بیٹی کو اتنے کوسنے دیے کہ جس نے سنا اس نے توبہ توبہ کر کے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

سمیعہ اپنا چین گنوا چکی تھی، کوئی دکھ سننے والا نہ تھا، نہ کوئی تسلی دینے والا، روحیل یہ کس عذاب میں چھوڑ کر گئے ہیں۔

اس نے بہت ہی گھبرا کر امی جان اور شرمین کو کھانے کے بعد اپنے کمرے میں جاتا دیکھ کر اسلام آباد فون ملایا۔

''تم نے پھر کیوں فون کیا ہے؟'' روحیل کے لہجے کی بے زاری مٹی نہ تھی، نہ دوری نے احساس کو کوئی آنچ دکھائی تھی۔

''پلیز روحیل! آپ کیوں اس طرح ناراض ہیں، میں بالکل نہیں سمجھ پا رہی ہوں۔'' اس کے لہجے میں التجا ہی التجا تھی۔

''دیکھو سمیعہ! تم کچھ دنوں کے لیے بالکل خاموش ہو جاؤ، مجھے تمہاری طرف سے کسی آواز یا آہٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی بات کے جواب میں کوئی انتہائی بات کہہ ڈالوں اور پھر سب کچھ ختم ہو کر رہ جائے۔''

''آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں، میرا پہلے ہی یہاں آپ کے گھر میں بہت دم گھٹ رہا ہے۔ یہاں کے حالات۔۔۔''

وہ ابھی کہنا چاہ رہی تھی، اسے کچھ سنانا چاہ رہی تھی مگر وہ اتنی زہریلی ہنسی ہنسا کہ تلخی میلوں دور فون کے اس طرف بھی اسے محسوس ہوئی۔

''تو نکل پڑو کسی ساتھی یا سجن کی تلاش میں، اب تو تمہیں اچھی خاصی پریکٹس ہوگئی ہوگی اپنا دل بہلانے کا سامان کرنے کی۔'' تو اس کا اندیشہ ٹھیک ہی نکلا۔ اس کے شوہر کا دل اس کے خلاف انجان وسوسوں اور بے اعتباری سے بھر دیا گیا تھا لیکن اس کی محبت کیا اتنی کمزور تھی کہ ایک ذرا سی آگ دکھانے سے یوں راکھ ہوگئی۔

''روحیل! بہت زیادتی کر رہے ہیں آپ، کوئی اعتبار کے بغیر کسی سے محبت کیسے کر سکتا ہے۔'' وہ رو پڑی تھی لیکن اگلی طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔

کتنے دھڑلے سے روحیل نے اس پر الزام لگایا۔ کتنی سفاکی سے اپنی ماں اور بہن کی غلط بیانی پر بھروسا کر لیا۔ اس کی اتنی شدید محبت کی بس اتنی تھوڑی زندگی تھی۔ وہ بے وقوف ہے کہ اس شخص کی خاطر اپنے سب خونی رشتوں کو چھوڑ کر یہاں اتنی دور اجنبیوں کے جنگل میں پڑی ہے۔

تو سمیعہ روحیل! بس اتنی سی کہانی تھی تمہاری بہادری اور عقل مندی کی، تم نے خود کو نہ آصفہ جتنا بزدل مانا، نہ اس کے جیسا کم عقل۔۔۔ پھر اب اپنی ہوشیاری اور سمجھ داری کے تمغے سجائے کہاں تک پھروگی۔ وہ اتنا روئی یوں چیخیں مار مار کر کسی کے سن لینے، کسی کے دیکھ لینے کی پروا نہ کی۔ کمرا بھی کھلا رکھ چھوڑا تھا اور آواز بھی۔

سہیل احمد نے شرجیل کو سب کچھ بہت احتیاط سے سمجھایا۔ سمیعہ کی پریشانی، روحیل کی ناراضی، ان کے اپنے خدشے۔

''تم پہلی فرصت میں اسلام آباد جاؤ، میرے دل کے وہم بڑھتے جا رہے ہیں۔ مجھے لگتا ہے روحیل کسی انتہائی غلط فہمی کا شکار ہے۔ اس رات جب سمیعہ تمہارے ساتھ ابا جان کے پاس گئی تھی، تمہاری امی نے اسے یقیناً کچھ الٹا سیدھا کہا ہوگا یا شرمین نے کچھ بتایا ہوگا۔ یہی کہہ دیا ہوگا کہ انہیں خبر نہیں سمیعہ کہاں گئی ہے کیونکہ صبح وہ کسی بات یا وضاحت کے بغیر چلا گیا تھا۔ شرجیل تم جاؤ بیٹا! بس جلدی ہی چلے جاؤ۔''

''میں چند روز میں اسلام آباد جانے کا سوچ ہی رہا تھا لیکن آپ کہتے ہیں تو کل ہی چلا جاؤں گا، میں نے پچھلے دو ہفتوں سے آف ڈے نہیں لیا تو مجھے اسپتال سے چھٹی بہت آرام سے مل جائے گی۔''

''اوہ شرجیل بھائی! خیریت، آپ یہاں کیسے آئے۔'' روحیل، بھائی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ وہ خود عجیب سی الجھنوں میں گھرا آج کل بڑے بے زار دن گزار رہا تھا۔

''تمہارے کان کھینچنے آیا تھا، سنا ہے بہت نالائق ہو گئے ہو۔''

''دیکھ لو بھائی! ایک کامیاب فوجی جوان کو نالائق کہہ رہے ہو، کل ہی مجھے پروموشن لیٹر ملا ہے اور اگر بارڈر پر تعیناتی کی آفر قبول کر لوں تو سمجھیں ڈبل پروموشن ملے گا۔''

''نہیں، نہیں روحیل! بارڈر پر کیوں جاؤ گے۔ ابھی تو تمہیں کراچی چلنا ہے، میں تمہیں لینے آیا ہوں۔''

''ارے ابھی چند دن پہلے تو کراچی سے آیا ہوں، وہاں رکھا ہی کیا ہے، اپنے گھر میں ٹینشن اور بے اعتباری۔'' وہ بول پڑا، اس کے اندر کئی دنوں سے بسا لاوا پک رہا تھا۔

''تم تو اپنا سب مال متاع کراچی میں ہی چھوڑ آئے ہو اور بہت غلط کر رہے ہو۔ اپنی زندگی جیو ورنہ زندگی بھی تمہاری نہ رہے گی۔'' اس نے بات بڑھائی۔

''رہنے دیں بھائی! زندگی سے اب کہاں کوئی طلب رہی ہے، مجھے تو لگتا ہے میں نے سب گنوا ہی دیا ہے۔ بس ایک نازک سی ڈور رہ گئی ہے، کھینچ کر تنگ تو ہو چکی ہے، جانے کب ٹوٹ جائے۔'' وہ اتنا دل برداشتہ اور دکھی تھا اور اپنا دکھ کسی سے بھی کہہ نہ سکتا تھا۔ اب بھائی کے سامنے تو دل کا بوجھ کم کر سکتا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں روحیل! ایسی مایوسی اور اتنی بے اعتباری، بغیر کیسی ثبوت کے تم کس طرح اتنے بے یقین ہو سکتے ہو۔ جانچنا اور پرکھنا تمہارا فرض ہے۔ روحیل! خاص کر اس صورت میں جب تم نے خود کچھ برائی نہیں دیکھی۔''

''میں سمیعہ کے معاملے میں قطعی فراخ دل نہیں ہوں بھائی! شاید انتہائی محبت آدمی کو اتنا ہی جذباتی بنا دیتی ہے اور یہ بات وہ بھی اچھی طرح جانتی ہے کہ اس کے معاملے میں، میں کوئی بے یقینی ہرگز نہیں سہار سکتا۔''

''یہ اچھی کہی، تم اپنے گھر والوں اور ان کے کرتوتوں کو نہیں جانتے یا سمیعہ ہی کو جتنا جانتے تھے، وہ بھی بھول گئے ہو۔''

''آپ کچھ بھی کہیں لیکن شرمین میں اتنی جرات نہیں کہ وہ اس طرح کا جھوٹ بول سکے۔ اب آصفہ بھابھی کو ہی لے لیں، لاکھ اماں اور شرمن نے ان میں کیڑے نکالے مگر ایسی بات کبھی ان کے بارے میں نہ کہہ سکیں، اس لیے کہ سچ تو ایسا ہو نہ سکتا تھا اور جھوٹ اس لیے نہیں کہ وہ جانتی تھیں کہ ہم بھائی مرنے مارنے پر تل جاتے۔''

''روحیل! تمہاری عقل پر ماتم کرنا چاہیے جو ماں، سگے بیٹے اور بہو کو گھر سے نکال سکتی ہے، وہ کچھ بھی کر سکتی ہے اور ایسے کتنے سچ جھوٹ کے دعوے تم لے کر بیٹھو گے۔ آصفہ کے بارے میں بھی پہلا پتھر انہوں نے رسوائی کا ہی پھینکنا چاہا تھا۔ ایک بار جب ہم سارے گھر والے اسے اکیلا چھوڑ کر پکنک پر چلے گئے تھے اور میرا کوئی کولیگ میرے بارے میں پوچھتا ہوا گھر آیا تھا تو امی جان نے کہہ دیا کہ آصفہ اکیلی ہی تھی نا، آصفہ نے خود اسے گھر پر بلایا تھا۔ میں نے اس بات پر ذرہ برابر یقین نہ کیا کیونکہ میں دونوں کو اچھی طرح جانتا تھا، آصفہ کو بھی اور اپنے دوست کو بھی۔ پھر ابو جی نے بھی امی کو خوب سنایا، وہ ڈر سی گئیں، صرف اس لیے کہ آصفہ ایک مضبوط خاندان کی لڑکی ہے اور ہمارے اپنے خاندان کی لڑکی ہے۔ دادا جان تو ایسی بات پر جان بھی لے سکتے تھے لیکن تمہاری بیوی سمیعہ وہاں اکیلی ہے، اس کے خاندان کو کوئی نہیں جانتا اور پھر تم اسے اپنی پسند سے امی جان کے خیال میں جانے کس گلی سے اٹھا کر لے آئے ہو۔ ایسی لڑکی کو امی جان بڑی آسانی سے بدنام کر سکتی ہیں اور میرا یہ خیال تھا کہ تمہارے سوائے وہ ہر کسی کو اس بات کا یقین بھی دلا سکتی ہیں لیکن لطیفہ یہ ہے کہ تم ہی سب سے پہلے ان خرافات پر یقین کرنے پر تلے بیٹھے ہو۔ مجھے تو سمیعہ پر حیرت ہے، اسے تو صدمے سے مر جانا چاہیے، تمہارے لیے ہی وہاں بے چاری

اکیلی عذابوں میں گھری ہے اور تم ہی نے اسے ناامیدی کے دریا میں پھینک دینا چاہا ہے۔'' شرجیل نے روحیل کو رسان سے سمجھایا۔

''میں اسے جانتا ہوں لیکن تنہائی انسان کو پاگل کر سکتی ہے، اگر وہ تنہا نہیں رہ سکتی تھی تو مجھے بتاتی، میں نے اسے وہاں زبردستی نہیں روکا، اس کی بھی پوری مرضی شامل ہے۔ شرمین نے مجھے بتایا تھا اس دن، رات کو وہ کسی آدمی کے ساتھ گھر سے باہر گئی تھی، میرے گھر میں ہوتے ہوئے وہ کسی کے ساتھ چلی گئی، وہ کوئی بھی ہو میں کیسے برداشت کرلوں اور شرمین نے یہی بتایا کہ وہ کب کس وقت گھر سے باہر جایا کرتی ہے، کسی کو بتا کر نہیں جاتی۔''

جب شرجیل نے اسے کھل کر اتنی باتیں سنا ڈالیں تو اس نے بھی اپنے دل کے خدشے اور وہم بھائی کو بتائے۔

''جی چاہتا ہے کہ اتنے طمانچے ماروں کہ تمہارا منہ کوئی نہ پہچان سکے۔ تم نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ وہ کس کے ساتھ گئی تھی۔ کسی بھی انسان کو وضاحت کا موقع دیے بغیر تم اسے سزا نہیں دے سکتے اور یہ ساری آگ شرمین نے لگائی ہے، ہمیں خدشہ تھا اس لیے ابو جی نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔''

''لیکن شرجیل بھائی! وہ جو کوئی بھی ہو، اسے مجھے یا امی جان کو بتا کر جانا چاہیے تھا۔'' روحیل اپنی ہی آگ میں ابھی تک سلگ رہا تھا۔

''اگر جاننے والوں نے تمہیں نہیں بتایا تو اس میں سمیعہ کا کیا قصور، تم جاننا چاہتے ہو کہ وہ کس کے ساتھ گئی تھی۔'' شرجیل بے حد غصے میں تھا۔

''آپ جانتے ہیں؟'' وہ فوراً اپنی ہر حس کو سماعت بنانا متوجہ ہو گیا۔

''بے عقل انسان! وہ شخص میں خود تھا۔ شرمین کا اپنا سگا بھائی جسے اس نے ''کسی شخص'' کہہ کر تمہارے دل میں ایسا زہر بھرا، میں تو اپنے چکر میں پڑا اسے عجلت میں دادا جان کے گھر لے گیا تھا، جہاں آصفہ آئی ہوئی تھی۔''

''میرے اللہ۔۔۔ ایسی کمینگی، اف شرمین نے ایسا کیا۔'' روحیل کو اپنی سماعت پر، اپنے احساس پر، اپنی سوچ پر اور شرمندگی ہوئی۔

''ہاں شرمین نے ایسا کیا، اب بتاؤ تم کیا کرو گے، مرنے مارنے پر تل جانے والے تھے نا، اب کیا اس کی گردن کاٹ سکو گے یا امی جان سے کچھ کہہ سکو گے۔''

اس کا تو دماغ بری طرح گھوم رہا تھا۔ وہ پاگل سا ہونے لگا۔ اگر وہ اس وقت اکیلا ہوتا تو پھوٹ پھوٹ کر روتا۔

''سوری شرجیل بھائی! سوری، میں تو اپنے بے رحم خیالات پر اتنا نادم ہوں، آپ کو کیا خبر۔ یہ دیکھیں۔'' اس نے اپنی دراز کھول کر ایک کاغذ بھائی کے سامنے کیا۔

''میں تو اس پرزے کو صبح، شام ساتھ لیے پھر رہا ہوں کہ ابھی دستخط کرتا ہوں۔'' شرجیل نے جھپٹ کر طلاق کے اس کاغذ کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

''تم نے میرے حالات سے، میری ناکام زندگی سے کوئی سبق نہیں سیکھا روحیل!''

''میں سمیعہ کے معاملے میں بہت جذباتی ہوں بھائی! اسے بہت زیادہ چاہتا ہوں نا، شاید جنون کی حد تک اور جنون کا نصیب تو خواری ہے۔ بس اب میں اسے وہاں نہیں رہنے دوں گا۔ میں اسے فوراً کراچی سے لے آؤں گا۔''

''سمیعہ کو فون کر کے ناراضی تو دور کرلو، کراچی جانے میں تو تمہیں دو چار روز لگ جائیں گے۔''

''سوچ رہا ہوں اسے ''بہترین سرپرائز'' دوں۔ فون پر بات کرنے میں کیا خاک مزا آئے گا۔''

صبح ناشتے کے دوران دونوں بھائی باتیں کر رہے تھے۔

''الو کے پٹھے، تم تو یہاں مطمئن ہو گئے ہو غلط فہمیاں دور کر کے لیکن وہ بے چاری وہاں الجھ رہی ہوگی۔'' شرجیل نے اس کو جھڑکا۔

''بات تو ٹھیک ہے، خیر میں رات کو بات کروں گا۔''

''ہم مرد لوگ صرف اپنی برتری کے زعم میں عورت کو اتنا ستاتے ہیں کہ اگر سوچنے بیٹھیں کہ اس کا حساب بھی دینا پڑے گا تو اپنی ساری چوکڑی بھول جائیں۔'' شرجیل کو خود عقل، ضرورت سے زیادہ آ گئی تھی مگر اسے دیر بھی شاید زیادہ ہی ہو گئی تھی۔

عینی آپا آج صبح آئی تھیں لیکن دوپہر کے کھانے کے فوراً بعد چلی گئیں۔ ارادتاً اب وہ میکے کم آیا کرتی تھیں اور آتیں بھی تو جلد چلی جایا کرتی تھیں۔

''بس مجھے عجیب سی وحشت ہوتی ہے یہاں، جانے تم کیسے رہتی ہو۔''

''میری تو مجبوری ہے نا آپا!'' سمیعہ اپنے کام سمیٹنے میں لگی ہوئی تھی۔ وقت گزارنا اور وقت کو دھکا دینا دو الگ چیزیں ہیں۔ اب وہ وقت کو دھکا ہی دیا کرتی تھی۔

''تمہاری کیا مجبوری ہے، کیوں یہاں رکی ہوئی ہو، مجھے تو تمہارے یہاں رہنے کی منطق ہی پسند نہیں آئی مگر میرے بھائی بھی عجیب بے وقوف ہیں یا تو اپنی جان ہی لٹا دیں گے یا دوسرے کی جان ہی لے لیں گے۔''

عینی آپا زیادہ تر وقت سمیعہ سے باتیں کرتی رہیں کیونکہ امی ڈرائیور کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں اور شرمین بھی ان کے ساتھ چلی گئی تھی۔ وہ اب یوں بھی اپنی بڑی بہن سے کتراتی تھی، اسے ان کی نصیحتیں اچھی نہ لگتی تھیں۔

''اتنے جذباتی تو نہیں ہیں روحیل، میرا خیال ہے ہر کام سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔'' اسے روحیل کی باتیں کرنا اچھا لگ رہا تھا۔

''ہاں یوں تو ہر چھوٹا کام سوچ سمجھ کر کرتا ہے لیکن جب نہ سوچنا چاہے تو پل بھر میں طوفان کھڑا کر سکتا ہے۔'' انہوں نے یونہی سی بات کہی تھی لیکن سمیعہ کا دل عجیب طرز پر دھڑکنے لگا۔

''اب تم کچن میں کام کرنے جا رہی ہو، شرمین تو کہہ رہی تھی اس نے کھانا پکا لیا ہے۔'' وہ کچھ دیر بعد کچن کی طرف لپکی تو عینی آپا نے کہا۔

''آپ دیکھ لیں کہ وہ کیا پکا کر گئی ہے۔ ایک بڑے دیگچے میں گوشت ڈالا، پانی ڈالا، مسالا ڈالا۔

جاتے جاتے بھول گئیں سو چمچ بھر کر تیل بھی انڈیل دیا اور کہہ گئی ہیں کہ چولہا ایک گھنٹے بعد میں بند کردوں۔'' سچ مچ انہوں نے ڈھکن کھول کر دیکھا تو شرمین نے ایسا ہی سالن بنایا تھا کہ دیگ بھر پانی میں آدھا کلو گوشت کی بوٹیاں چولہے کی گرمی سے رقص کر رہی تھیں۔

''کبھی امی جان سرپرستی کرلیں تو سالن میں کچھ بہتری آجاتی ہے، ورنہ ہم روزانہ ایسا ہی سالن کھاتے ہیں۔''

''رہنے دو تم کیوں زحمت کرتی ہو، وہ میری ماں ہیں، ان کے پاس میرے لیے خلوص نہیں تو تم کیوں بے وجہ اس شے کو لٹاتی پھر رہی ہو۔ اس گھر میں اچھا بدلہ تمہیں کبھی نہ ملے گا۔''

''کیوں نہ ملے گا، انسان توقعات تو اچھی رکھ سکتا ہے۔ میں تو یہی سوچ کر یہاں رہ رہی ہوں کہ ایک دن ان شاء اللہ اس گھر میں سب خلوص اور محبت سے مل کر رہیں گے۔''

عینی آپا نے اتنے زور سے قہقہہ لگایا کہ سمیعہ کو بہت برا لگا۔

''یوں مایوس نہ ہوں آپا! سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''سمیعہ! تم بہترین لڑکی ہو، سمجھ دار اور بہادر۔ میں تمہاری جگہ ہوتی تو میں بھی ضرور سوچتی کہ میں حالات بدل کر رکھ دوں گی لیکن حالات بدل ڈالنا کبھی کبھی ممکن نہیں ہوتا۔ جب انسان کے دل پر مہر لگ جائے تو وہ سمجھتا ہی نہیں۔''

عینی آپا جلدی چلی گئیں تو اسے افسوس ہوا، ان سے باتیں کر کے دل بہل رہا تھا مگر انہیں اپنی نند کے ساتھ ضروری شاپنگ کے لیے جانا تھا۔

''آپ نے جان بوجھ کر آج کا پروگرام بنایا ہے نا، پہلے میکے آنے کے لیے آپ دوسرے ضروری کام بھی پس پشت ڈال دیا کرتی تھیں۔'' اس نے انہیں جتایا تھا اور وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہوگئی تھیں۔ رات کا کھانا آج اس نے جلدی ہی بنالیا۔ شام کی چائے بھی جلدی پی لی۔

عجیب گھبراہٹ سی اس کے دل پر طاری ہو رہی تھی۔ وہ شرمین کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

جانے وہ کس طرح اپنی زندگی کے اس انداز سے خوش تھی۔ اسے پروا ہی نہ تھی کہ اس کا شوہر پلٹ کر اسے پوچھنے نہیں آیا ہے یا اس کی خیریت ہی معلوم کرنے کی وہ جستجو کرلیتی۔ بس بے کار جاہلوں اور کاہلوں کی طرح وقت گنوا رہی تھی۔

وہ بے وجہ لاؤنج میں ٹہلنے لگی۔

ٹہلتے ٹہلتے کتنی بار اس نے سوچا کہ اب پلٹ جائے لیکن پاؤں میں چکر پڑا ہوا تھا۔ ساکت ہونے کا نام نہ لے رہا تھا، اسی وقت گیٹ پر گھنٹی بجی۔ جانے کیوں اس نے دوڑ لگادی۔ حالانکہ چوکیدار موجود تھا، وہی جواب دے سکتا تھا۔

گیٹ کے اس طرف اسے کوئی عجیب سا ہی چہرہ نظر آیا۔

''شرمین بی بی کے نام کوئی لفافہ آیا ہے ان کے میاں نے بھیجا ہے۔''

حبیب خان نے لفافہ اسے پکڑا دیا اور اس نے تھام لیا لیکن دل بری طرح گھبرا گیا۔ اندر لاؤنج تک پہنچتے اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے صاف چمکنے لگے تھے۔

عالیہ بیگم اسی وقت لاؤنج میں آئیں، ان کے پیچھے شرمین بھی تھی۔

''کون تھا گیٹ پر؟'' وہ اس کے پیچھے آگے اس طرح نظریں دوڑا رہی تھیں، جیسے اس نے اپنے دائیں بائیں کسی کو چھپا رکھا ہو اور ان کی نظر اس کے ہاتھ میں موجود لفافے پر بعد میں پڑی۔

''یہ کیا ہے۔'' وہ لپک کر آئیں اور لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''معلوم نہیں، حبیب خان نے بتایا کہ شرمین کے میاں نے بھیجا ہے۔'' عالیہ بیگم لمحے بھر کے لیے پلٹا لائیں، لفافہ ایک رجسٹرڈ کاغذ تھا جو واضح طور پر چیخ چیخ کر شرمین کی تباہی کا اعلان کر رہا تھا۔

''کم بخت، ذلیل۔۔۔'' وہ سمجھی کہ عالیہ بیگم کی گالیوں کا رخ شرمین کی طرف ہوگا، ہونا بھی ادھر ہی چاہیے لیکن وہ اس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اس کے کندھوں پر دو ہتھڑ برسا کر اسے کوس رہی تھیں۔

''اسی منحوس گھڑی کو ہم تک پہنچانے کے لیے تو اس گھر میں پڑی ہوئی ہے۔ شرمین کے میاں نے لفافہ بھیجا ہے۔ ارے تیرے میاں نے نہ بھیجا، تجھ پر یہ مصیبت نہ ٹوٹی، تیرے اوپر ایسی آفت نہ آئی۔ خدا کی مار، میری لاڈلی بیٹی کے لیے ایسی خبر لائی اور اب کیسے بے شرموں کی طرح دیدہ دلیری سے یہاں سامنے کھڑی ہے۔ جا، دفع ہو جا، میری نظروں کے سامنے سے دور ہٹ۔''

وہ اپنا دکھ، صدمہ، پریشانی، شرمندگی سب اسی پر نکال رہی تھیں۔ شرمین نے کچھ دیر یہ سب دیکھا پھر چیخیں اور دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا۔

''اماں! میں لٹ گئی، برباد ہو گئی۔''

''میں دیکھ رہی ہوں بدبخت! کب سے اس جگہ پر بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ کان کھڑے کیے، آنکھیں در پر ٹکائے انتظار میں تھی۔ ہونہ ہو اسے سب خبر تھی۔ جانتی تھی جبھی تو گھنٹی بجتے ہی گیٹ پر دوڑ پڑی۔ مرد دو روز انہ گھر سے باہر نکل جاتی ہے، جانے کہاں ماری ماری پھرتی ہے، کس کس سے ملتی ہے۔ شرمین! تیرے میاں اور ساس کو بھی ورغلا کر آتی ہوگی۔ دیکھا نہیں تھا کیسے دوپہر سے سے دوڑ بھاگ کر سارے کام کر لیے، کھانا پک گیا، چائے پی لی۔ منحوس کو پتا تھا، وقت، حالات۔۔۔''

عالیہ بیگم بالکل انوکھے طرز پر الزام تراشی کر رہی تھیں۔

وہ کسی طرح بھی اگلے شخص کو بخش دینے کی روادار نہیں تھیں۔ اپنی بیٹی کا کیا دھرا، اس کو نہ کوس سکیں تو بیٹی پر قہر بن کر نازل ہوئیں۔

مگر ان کے کوسنے کو اس نے نظر انداز کر دیا۔ اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر کے بیٹھ گئی۔ وقت ایسا تھا کہ وہ شرمین کو دلاسا دیتی، ساس سے افسوس کرتی کہ بڑے دکھ کا پہاڑ ان پر ٹوٹا مگر عالیہ بیگم نے اس قابل ہی نہ چھوڑا۔ اس نے عافیت اسی میں جانی کہ منہ چھپا کر اپنے کمرے میں بیٹھ جائے۔

لیکن ابھی آدھا گھنٹہ بھی پورا نہ گزرا تھا کہ اس کے کمرے کا دروازہ دھڑا دھڑ بجنے لگا۔

''کون اس طرح دروازہ پیٹ رہا ہے۔'' اس نے لہجہ مضبوط کر کے پوچھا۔ عالیہ بیگم اس کی جرأت پر تلملائیں تو بہت لیکن پھر زور سے بولیں۔

''باہر آؤ، فوراً باہر آؤ۔'' اس نے دروازہ کھول دیا۔

''چلو اپنا سامان سمیٹو اور دفع ہو جاؤ میرے گھر سے، میں اب تمہیں یہاں برداشت نہیں کر سکتی۔

تمہاری نحوست نے میری بیٹی کا گھر برباد کر کے رکھ دیا۔ بس اب تم یہاں نہیں رہو گی۔''

''ایسے کیسے چلی جاؤں، میرا گھر ہے، آپ کو تو اور کچھ نہیں سوجھتا تو لوگوں کو گھروں سے نکالنے لگ جاتی ہیں جسے نکالنا چاہیے تھا، اسے تو سر پر بٹھائے رکھا، جب ہی تو آج یہ دن دیکھنا پڑا۔ اپنے گھر چلی جاتی، اپنے میاں سے معافی مانگ لیتی تو یہ بدنامی تو ہمارے حصے میں نہ آتی۔''

اس نے سوچ لیا کہ عالیہ بیگم سے دب کر بات کرنا بے وقوفی ہو گی۔

''تُو میرے آگے زبان چلا رہی ہے، میری بیٹی کو الزام دے رہی ہے۔ ارے بدنام ہو گی تُو، تیرا خاندان، بدنامی تیرا نصیب نہ بنا دوں تو میرا نام عالیہ بیگم نہیں۔ جاؤ چلی جاؤ، اسلام آباد دفع ہو جاؤ۔ میرے گھر میں اب تمہارے لیے کوئی گنجائش نہیں۔''

وہ بڑھ کر اب اسے دھکا دینے والی تھیں، لیکن سمیعہ چوک جانے والوں میں سے نہ تھی۔

''آپ بے کار ہنگامہ کر رہی ہیں امی جان! میں ہرگز اس طرح یہاں سے نہیں جاؤں گی۔''

''چلی جاو ورنہ ابھی تمہارے ابا کو فون ملاؤں گی، ویسے ہی دل کا مریض ہے، میری دھمکی پر دنیا سے روانہ ہو جائے تو شکایت نہ کرنا۔'' وہ انتہائی سنگ دلی پر اتر آئیں۔

''کیا ہو گیا ہے امی آپ کو، آپ بے وجہ میری طرف سے اپنا دل خراب کر رہی ہیں۔ میں جانتی ہوں آپ شرمین کے لیے بہت دکھی ہیں لیکن یہی قسمت میں لکھا تھا شاید۔ ہم مل کر یہ دکھ بانٹ لیں گے۔ آپ کسی کو اپنے قریب آنے کا موقع تو دیں۔''

اس نے جانا کہ ان کے انتہائی غصے اور نفرت کو محبت سے کم کرے۔ اس وقت ان کے منفی احساسات کو ٹالنا بہت ضروری تھا۔ بھلا وہ ابھی گھر چھوڑ کر اکیلی کہاں جا سکتی تھی، اور ہر بات گھر کے دوسرے افراد کی موجودگی میں ہونی چاہیے تھی۔

''دیکھا باپ کا نام آیا تو کیسا من من کرنے لگی۔ ساری اکڑ روانہ ہو گئی۔ تو اب یہاں رہے گی نہیں، میری ضد ہے اور تُو جانتی ہے کہ میری ضد بہت سخت ہے۔ چلی جاؤ، کہیں بھی چلی جاؤ، بس آج کے دن کے لیے چلی جاؤ۔ اپنے میاں کے دادا کے پاس چلی جاؤ یا کہیں بھی چلی جاؤ۔'' وہ اپنی رٹ پر ہی تھیں۔

''زبردستی چلی جاؤں، میں ابو جی کو فون کرتی ہوں۔'' وہ فون کی طرف لپکی۔

''ہاں زبردستی چلی جاؤ، ورنہ میں دھکے دے کر نکالوں گی۔ آج میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گی۔''

ان کا لہجہ پتھر اور بے حس تھا، سمیعہ کے سارے سراپے میں خون اور خوف ساتھ دوڑنے لگا۔ انہوں نے فون کا ریسیور اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور کھینچ کر اس کے سارے تار باہر نکال دیے۔

''میں نہیں جاؤں گی امی! آپ چاہیں کچھ کر لیں۔''

''شرمین! فون لے کر آ۔'' وہ دوڑتی ہوئی ماں کا موبائل فون لے آئی۔

''نمبر ملا اس کے باپ کے گھر۔'' شرمین کے چہرے پر وہ اس کا دکھ، اس پر ٹوٹنے والی مصیبت کے پہاڑ کے آثار ڈھونڈنے لگی۔

وہ نمبر ملا چکی تھی۔

''امی پلیز امی! آپ کیا کر رہی ہیں۔'' اس نے لپک کر موبائل فون پر ہاتھ مارا۔ ان کی گرفت

منبوط تھی پھر بھی کوئی بٹن ضرور دب گیا کہ لائن آف ہوگئی۔ موبائل انہوں نے پھینک دیا۔
''دفع کرو، نہیں کرنا فون بھی، تمہارے باپ کو کچھ نہ ہو، مجھے بھلے ہارٹ فیل ہو جائے۔''
عالیہ بیگم اپنے کمرے تک جانے میں، لیکن اس سے پہلے لاؤنج کے صوفے پر لڑکھڑا کر گر پڑیں۔
''دوڑ کر میری دوا لا۔'' انہوں نے شرمین سے کہا۔ ان کی سانس پھول رہی تھی۔ بری طرح پسینے میں نہا رہی تھیں۔
''کیا ہوا امی جان! کیا ہو گیا۔'' وہ تیزی سے ان کی طرف لپکی۔
''مجھے ہاتھ نہ لگانا، مجھے تم سے نفرت ہے، اتنی نفرت کہ جی چاہتا ہے روز صبح تمہاری گردن مروڑوں، میں نے پہلے دن روحیل کو کہا تھا کہ اس کو بیاہ کر نہ لاؤ لیکن وہ نہ مانا۔ ضد کر کے تم سے شادی کی، میری ضد سے ٹکرایا۔''
ان کا دماغ چکرا رہا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنی نفرت اور حسد کا اظہار کر رہی تھیں۔ لوگ محبت میں مر جاتے ہیں، وہ نفرت میں خود کو ختم کر رہی تھیں۔
''آپ کو تو آصفہ سے بھی نفرت تھی۔''
وہ دھیرے سے بولی۔ اس کو اپنے اندر ایسی بجلی دوڑتی محسوس ہو رہی تھی جو بندے کے شعور سے لے کر لاشعور تک ساری حسیات کو سن کرتی چلی جائے۔
''آصفہ سے تو صرف حسد تھا، تم سے تو نفرت بھی ہے اور ضد بھی۔ میں نے اپنے ضبط کی انتہا سے برداشت کیا ہے سمیعہ! چلی جاؤ، اب تو یہاں سے چلی جاؤ، ورنہ میں سکون سے مر بھی نہ سکوں گی۔''
سچ مچ اس کے پاس اس گھر میں رک جانے کا کوئی جواز نہ بنتا تھا۔ ان کا حسد اس درجہ کا تھا تو نفرت کیسی ہوگی۔ اس نفرت کا تو وہ کھل کر کبھی اظہار بھی نہ کر سکی تھیں لیکن آج حد ہو گئی۔ وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں گئی، اپنا سامان سمیٹنے لگی۔
''مجھے پہلے بتایا ہوتا، میں یہاں کبھی نہ رہتی۔''
شرمین نے عالیہ بیگم کو جلدی سے دوائی کھلائی۔ ان کے ہاتھوں اور پیروں کو رگڑنے لگی۔ وقفے وقفے سے انہیں پانی پلاتی رہی اور سمیعہ یہ منظر دیکھتے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔

''امی کیا ہو گیا ہے آپ کو، اب کیسی طبیعت ہے۔''
ان کے اعصاب بہت مضبوط تھے، اسی لیے وہ اتنی آسانی سے بے ہوش نہ ہوتی تھیں لیکن آج ان کی طبیعت واقعی بہت خراب ہو رہی تھی۔ بری طرح نڈھال ہونے کے باوجود انہیں خبر ہوئی تھی کہ سمیعہ چلی گئی ہے اور اس کے چلے جانے کا خیال بہت تقویت دے رہا تھا۔
''ٹھیک ہوں، دوائی کھانے سے فرق پڑا ہے۔'' شرمین واقعی پریشان تھی۔
''میں شرجیل بھائی کو فون کرتی ہوں۔'' وہ تیزی سے اٹھنے لگی۔
''نہیں، اب میں بہتر محسوس کر رہی ہوں بلکہ اب ٹھیک ہوں۔ تم کسی کو فون نہ کرنا، پہلے اپنے ابا کو تو آ لینے دو۔'' انہیں پھر اس مصیبت کا خیال آیا جو لفافے کی صورت میں تھوڑی دیر پہلے ہی ان پر نازل

ہوئی تھی۔

''ابو جی جانے کب آئیں، آپ انہیں فون تو کریں۔'' شرمین آہستہ سے بولی۔

''کیا کہوں فون کر کے انہیں یہ خبر سناؤں کہ آپ کی بیٹی کو پروانہ آزادی مل گیا ہے۔''

''افوہ امی! اپنی طبیعت کے بارے میں بتائیے گا، ہر بات کے پیچھے ہی پڑ جاتی ہیں آپ۔''

وہ جھلا کر بولی۔ وہ تو پہلے ہی الجھی ہوئی تھی۔ اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ اس کے میاں نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ وہ بدصورت، کالا کلوٹا آدمی اسے یوں دھوکا دے گیا۔ اس نے تو یہ منصوبے بنائے تھے۔ اب پلٹ کر گھر جائے گی تو سب کو گھر سے نکال باہر کرے گی یا اپنے لیے الگ نیا گھر بنانے کی فرمائش کر ڈالے گی۔

شوہر کو اب ہوشیاری سے اپنی مٹھی میں کر لے گی، ماں نے اسے نت نئے چالاکی کے منصوبے سکھائے تھے۔ کئی جگہ سے تعویذ اور ٹوٹکے کروا کر دیے تھے کہ اب شرطیہ کامیابی اسی کے لیے لکھ دی جائے گی لیکن سب ختم ہو گیا۔ صرف اس کی حیرانی باقی تھی، وہ تو سمجھی تھی کہ اس کی اداؤں کا جادو اور حسن کی دل فریبیاں کبھی اس کے میاں کو اس کے جال سے آزاد نہ ہونے دیں گی لیکن اس کی سوچ انتہائی غلط اور زعم بالکل کھوٹا نکلا۔ صرف حسن ہی اگر مرد کی ہر طلب کا آخری معیار ہوتا تو دنیا کی ساری سلیقہ شعار، خوب سیرت اور نیک لڑکیاں ایک طرف بیٹھی حسرت سے خوب صورتوں کو تکا کرتیں، لیکن دراصل دنیا کا سارا کاروبار نیکی اور اچھائی کی بنیاد پر چل رہا ہے۔

''آپ نے بے وجہ سمیعہ بھابھی کو نکال دیا، اب ابو جی یا کسی سے بھی ہم کیا کہیں گے۔ وہ تو پہلے ہی میرے بارے میں سن کر انتہائی غم زدہ ہوں گے۔'' اپنی ہار پر شرمین کمزور سی ہو گئی تھی۔

''اسے نکالا کس نے ہے، خود چلی گئی، اپنا سامان لے کر اور بتا کر بھی نہیں گئی کہ کہاں گئی ہے، اس گھر میں اس کا دل نہ لگتا تھا، بہت جی گھبراتا تھا، ہر وقت کہتی تھی کہ وقت نہیں کٹتا۔''

اسی وقت روحیل گھر میں داخل ہوا تھا اور اپنی ماں کے کمرے میں آتے ہوئے اس نے عالیہ بیگم کے آخری دو جملے سنے تھے۔

''کس کا جی نہ لگتا تھا گھر میں امی!'' عالیہ بیگم اس نازک موقع پر روحیل کو دیکھ کر چونکیں اور پھر بہت مطمئن سی ہوئیں۔ اس نے صرف وہی کچھ سنا تھا جو اسے سننا چاہیے تھا اور جو نہ سننا چاہیے تھا، وہ اس کے لیے راز ہی رہ گیا اور ان کے گھٹیا عزائم میں قسمت بھی ان کا بڑا ساتھ دے رہی تھی۔ یہ صرف ان کی سوچ تھی ورنہ شاید قدرت کی طرف سے ذرا رسّی ڈھیلی ہوئی تھی جسے وہ رضا سمجھ بیٹھی تھی۔

''کچھ نہیں بھائی! آپ رہنے دیں، ابھی تھکے ہوئے آئے ہیں۔ اچانک کیسے آ گئے؟'' شرمین نے کہا۔

''اچانک کہاں، امی کو صبح فون پر بتایا تھا نا۔'' وہ ماں کی طرف متوجہ ہوا اور شرمین، لمحے بھر میں آج ہی سمیعہ کو گھر سے نکال دیے جانے کا مطلب سمجھ گئی۔

''ہاں لیکن تم نے وقت نہیں بتایا تھا۔''

''آپ بتائیں، سب کیسے ہیں، ابو جی نہیں آئے ابھی تک۔''

''نامعلوم کہاں رہ جاتے ہیں۔ کبھی شرجیل کے پاس چکر لگاتے ہیں، کبھی اپنے ابا کے ہاں چلے

جاتے ہیں۔ان سے تو اب کوئی کام بھی پڑے تو انہیں ڈھونڈنا پڑتا ہے۔''

وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر چپ ہو گیا، گھر کے حالات پر بحث بے کار تھی۔ وہ ابھی سفر سے تھکا ہوا آیا تھا پھر اسے اپنی بیوی سے ملنے کی جلدی تھی۔ جانے سمیعہ کہاں تھی ورنہ اسے ہمیشہ گھر میں داخل ہوتے ہی نظر آجایا کرتی تھی۔

وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف گیا، سمیعہ سے اپنی ہر کوتاہی اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا چاہتا تھا، بہت کوفت اور اذیت اٹھائی ہوگی اس نے۔

''سمیعہ۔۔۔سمیعہ! کہاں ہو؟'' کمرے میں سامنے وہ نظر نہ آئی تو اس نے آواز دی اور پھر بے چینی سے اسے واش روم میں، دروازے کے پیچھے، الماری کے دوسرے کنارے یوں جھانکنے لگا جیسے وہ کوئی چھوٹی بچی شرارت میں اس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے لگی ہو اور وہ اسے پکڑ نہ پا رہا ہو۔

''سمیعہ!'' اس نے پھر ایک ہلکی سی آواز لگائی جب اسے یقین ہو چکا کہ وہ کمرے بلکہ شاید گھر میں کہیں نہیں ہے تو روحیل سہیل احمد کے اندر ایک عجیب سی گھبراہٹ اترنے لگی۔

''اب آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا امی جان!'' ادھر شرمین کو پھر خیال آیا تو وہ عالیہ بیگم سے پوچھ رہی تھی اور انہوں نے سر ہلا کر ''ٹھیک ہے'' کا اشارہ دیا، جب روحیل پلٹ کر واپس ان کے پاس آیا تھا۔

''امی! سمیعہ کہیں گئی ہے کیا؟'' اسے اپنے گھر میں آتے ہی سمیعہ کو نہ پانے کی کوفت جھلا رہی تھی۔

''ہاں بیٹا! وہ تو چلی گئی ہے۔'' انہوں نے یوں کہا کہ اس کے پہلے ہی گھبرائے ہوئے دل کو کاری ضرب لگی۔

''کہاں چلی گئی ہے؟'' وہ کہاں نہ پوچھنا چاہ رہا تھا لیکن اس کے منہ سے یہی نکلا۔

''بس اپنا سامان سمیٹ کر چلی گئی۔ اسی کا تو کہہ رہی تھی کہ اس کا کبھی بھی اس گھر میں جی نہ لگا۔ تم نے اپنے سے دور اسے یہاں چھوڑ کر اچھا نہیں کیا تھا بیٹا! عورت کو پہلے آزماتے ہیں پھر بھروسا کرتے ہیں۔''

''امی! وہ تو میری بہت آزمائی ہوئی ہے۔ ہم چار سال سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔'' روحیل کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ جس کیفیت سے نکلنے کا تہیہ کر کے یہاں آیا تھا، اسی کیفیت میں پھر سے دھنسا جا رہا تھا۔

''بیٹا! شادی سے پہلے کا آزمانا کیا آزمانا ہوا۔ شادی کے بعد تو انسان مکمل طور پر بدل جاتا ہے اور تم نے تو شادی کے بعد بھی اسے اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ تم ہی کہتے ہو، اسے تمہاری لگن تھی پھر اسے اپنے سے دور ہرگز نہ کرنا چاہیے تھا۔ زمانہ بہت خراب ہے، ہر کوئی تنہائی برداشت نہیں کر سکتا۔''

امی جان بہت خوف ناک جال بُن رہی تھیں۔ روحیل ہر کیفیت سے آزاد بس اب نارسائی کی آگ میں تڑپنے لگا۔ اس نے یہی سمجھا کہ ہر کوئی اسے یہ بات سمجھا رہا تھا کہ اسے سمیعہ کو یہاں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ کیوں۔۔۔ اس کی دماغ کی رگیں پھٹنے لگی تھیں۔ اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا، کچھ نڈھال اور افسردہ سی لگ رہی تھیں وہ۔ شرمین الگ سامنے صوفے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ نہ اکڑ میں تھیں، نہ جوش میں۔

''کیوں چلی گئی وہ، کوئی بات ہوئی ہوگی۔''

''کیا خبر اس کے دل میں کیا آئی، میں تو خود بے ہوش تھی۔ شرمین کی بربادی نے میرا تو جی ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ لفافہ وہی مجھے دے کر گئی۔ اسے کب ملا، ہم ماں بیٹی کو تو یہ بھی خبر نہ ہو سکی۔ ہاں جب وہ مجھے دینے آئی تو خدا کو مانتی ہوں اس لیے سچ کہہ رہی ہوں کہ اسے چار باتیں ضرور سنائیں، لیکن پھر تو اسی افتاد میں ایسی گم ہوئی کہ اس کی صورت کو رو بھی نہ سکی۔ جب وہ اپنا سامان سمیٹ کر یہاں سے گئی تو میرا تو ایسا حال تھا کہ دماغ چکرا رہا تھا، آنکھیں پوری کھل نہ رہی تھیں، ہاتھوں پیروں سے جان نکل جانے کو بے تاب تھی۔ شرمین نے مجھے دوائی پلائی، خدمت کی، وہ یوں غیروں کی طرح نکل گئی جیسے ہمارے کسی دکھ، کسی تکلیف سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔''

انہوں نے انتہائی بے رحمی سے شرمین کی سنگین غلطیوں اور ان پر اپنی پردہ داریوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے روحیل کے دل و دماغ میں صرف اپنی بیوی کی بے وفائی کا ایسا کیڑا ڈالا کہ وہ پھر شرمین اور عالیہ بیگم کے پورے کردار کو فراموش کر گیا۔

''امی جان! کیا وہ سچ مچ اس طرح چلی گئی ہے جیسے آپ کہہ رہی ہیں۔''

''ایسی بات سچ ہوتے ہوئے زبان پر مشکل سے آتی ہے، میں نے تو چند دنوں میں ہی جان لیا تھا کہ تُو نے دھوکا کھایا ہے اور دھوکا کیسے نہ ہو، وہ ہے ہی اتنی اچھی۔ اس کی باتیں اتنی اچھی، اس کا لہجہ اتنا میٹھا، اس کا ہر کام ایسا مکمل، میں لاکھ اس کو جھڑکتی، تھوڑی دیر میں سب بھول کر گھل مل کر بیٹھ جاتی۔ ناراض ہوتی تو خود ہی ہر بات منہ پر کہہ دیتی اور پھر خود ہی ہنسنے بولنے لگتی۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے بیٹا! بس تم اسے اپنے پاس رکھو، اکیلا نہ چھوڑو۔ زمانہ بہت برا آ گیا ہے۔'' وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا پھر طے کر لیا کہ اب اس کے بارے میں کوئی بات نہ کرے گا۔

تھوڑی دیر بعد اسے خیال آیا تو اس نے شرمین کے مسئلے پر بھی بات کی، اسے لتاڑا بھی اور ماں کو اس کا قصور یاد دلایا، لیکن اس کے انداز میں تیزی نہ تھی اور نہ لہجے میں تندہی آ سکی۔

رات کا کھانا اس نے تو نہ کھایا، باقی کسی نے کھایا یا نہیں اسے پتا نہ تھا۔ بس اس کے کان ہر آہٹ پر لگے ہوئے تھے، اس کی ہر حس کہہ رہی تھی کہ ابھی سمیعہ آئے گی، اس کے سامنے مسکرائے گی اور کہے گی ''ارے آپ کب آئے، مجھے خبر ہوتی تو میں کہیں نہ جاتی۔'' وہ وفا شعار بیویوں کی طرح رات گئے گھر آنے والے شوہر کا انتظار کرنے کا سا انداز اپنائے بیٹھ گیا تھا۔ وہ اور طرف سوچ ہی نہ پا رہا تھا۔ ''سمیعہ چلی گئی۔'' اس کے ذہن پر کھٹا کھٹ یہی ہتھوڑے برس رہے تھے۔

''ابو جی دادا جان کے پاس ہیں، ان کا فون آیا تھا۔'' شرمین چائے دینے آئی تو اس کے پوچھنے پر اس نے بتایا۔

''تو امی جان نے ان سے کہا نہیں کہ جلدی گھر آ جائیں، یہاں اتنی مصیبتیں سر پر ٹوٹی پڑی ہیں۔''

''میں کیا کہوں، امی جان کے مزاج کا تو آپ کو پتا ہے، ابھی اتنی بے زار اور روٹھی ہیں۔ یوں بھی آج کل ابو جی سے ناراض ہی رہتی ہیں اور پھر ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں، کسی بات پر زور دیتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔''

اس نے سوچا وہ خود ہی فون کر کے ابو جی سے بات کرے، لیکن کیا بات کرے۔ اس کی ہر سوچ

کے آگے اندھیرا ہی تھا اور یہ بھی عالیہ بیگم کی ہی سازش تھی کہ فون آنے پر نہ انہوں نے سہیل احمد سے ڈھنگ سے بات کی، نہ روحیل کی آمد کا بتایا بلکہ تیز لہجہ بنا کر چھوٹتے ہی کہا۔

''اپنا بوریا بستر اٹھوا لیجیے اور وہیں رہ جایئے اپنی ماں کے قدموں میں، کہیں آپ کی جنت مس نہ ہو جائے۔''

سہیل احمد کو اتنا غصہ آیا کہ گھر آنے کا سوچ رہے تھے مگر ٹال گئے اور مزید دو گھنٹے بعد رات کے ساڑھے بارہ بجے گھر آئے۔ عالیہ بیگم چاہتی ہی یہ تھیں کہ باپ بیٹے اس وقت نہ ملیں، نہ سہیل صاحب کو سمیعہ کے بارے میں کچھ پتا چلے۔ وہ ضرور کوششوں سے میلے کیے گئے ان کے بیٹے کے دل کو صاف کرنے کی کوشش کریں گے۔

رات چائے کے بعد انہوں نے جانچنے کے لیے بیٹے سے کہا تھا۔

''بیٹا! کہیں پتا کرنے کی کوشش کرو، وہ یہیں کہیں کراچی میں اپنے کسی جاننے والے کے پاس ہوگی۔''

''امی جان! اب مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی۔'' وہ اتنی مطمئن ہوئیں کہ بس اس کے بعد انتہا ہی رہ جاتی تھی۔

وہ رات ایک ہولناک عذاب تھی۔ وہ اپنی بیوی کی ہر اچھائی، اپنی محبت کا مان، اعتبار، سب یوں بھول گیا تھا صبح فجر کی اذان کے بعد جب سورج مکمل طور پر طلوع ہو چکا اور ساری دنیا کے لیے روشن سویرا نمودار ہو گیا اس نے سمیعہ اور خود اپنے نصیب میں کالی رات لکھ دی۔ ہمیشہ کے لیے جدائی۔

اور شاید اسی لمحے جب وہ اپنی بے گناہ بیوی کے لیے ہر احساس مٹا رہا تھا موت کے فرشتے نے عالیہ بیگم کی روح قبض کر لی۔ اتنی عجلت میں کہ نہ وہ تڑپ سکیں، نہ کلمہ پڑھ سکیں، نہ اپنے کوئی گناہ بخشوا سکیں، نہ اللہ کو یاد کر سکیں۔ نامراد سی ان کی روح اتنے بوجھ لے کر دنیا سے گئی کہ ان کے اپنے ہر چاہنے والے کے ہزاروں حقوق ان کے ذمے رہ گئے۔

''ابو جی، بھائی۔۔۔ روحیل بھائی دیکھیں۔ امی کو کیا ہو گیا ہے۔'' شرمین گھبرا کر آوازیں دے رہی تھی۔ سہیل احمد نیند سے جاگ ضرور پڑے لیکن سست رہے۔ اونہہ! ٹانگیں کھینچ رہی ہوں گی یا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا ہوگا۔ خود بھی تو سارے زمانے کو فشار خون میں مبتلا رکھتی ہیں۔

''پلیز ابو! جلدی آئیں، امی تو ہل بھی نہیں رہیں۔'' سہیل احمد شرمین کی آواز پر اب بہت زیادہ گھبرائے۔

رات وہ بارہ بجے کے بعد گھر آئے تو بہت تھکے ہوئے تھے۔ سیدھا اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئے تھے، جب عالیہ بیگم نے وہ لفافہ ان کی طرف اچھال دیا تھا۔

''یہ بھیجا ہے اس کے میاں نے۔''

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ انہیں خبر تھی انجام یہی ہونا ہے لیکن بس دعائیں کرتے رہے تھے کہ ایسا نہ ہو، لیکن ایسا ہو جانے میں ان کی بیٹی نے کوئی کسر بھی نہ اٹھا رکھی تھی، پھر ماں کی پوری حمایت حاصل ہوئی اور یہی سوچ کر ان کا غصہ آسمان کو چھونے لگا۔

''بھیج ہی دیا آخر، کیسی ماں ہے کہ اپنے ہاتھوں اپنی بیٹی کا گھر برباد کر دیا۔''

پھر سہیل احمد نے انہیں خوب سنائیں۔ شرمین کو بھی نہ بخشا اور یہ انہونی بات ہوئی کہ عالیہ بیگم نے کوئی بحث نہ کی۔ سر جھکا کر سب کچھ سنتی رہیں، اس لیے کہ اس معاملے میں انہیں بہت حیرانی، صدمے کے بعد تھوڑی ندامت بھی ہوئی تھی لیکن سچ یہ بھی تھا کہ اس وقت وہ جھگڑا نہ کرنا چاہتی تھیں۔ شور ہوتا تو روحیل اپنے کمرے سے نکل آتا اور ان کے میاں پر سمیعہ کے چلے جانے کی بات کھل جاتی اور پھر سہیل احمد قطعی برداشت نہ کرتے، وہ رات کے اس پہر ہی سمیعہ کو ڈھونڈنے نکل جاتے۔

پھر بول بول کر سہیل احمد بھی تھک گئے، سمجھے بیوی کو اپنی غلطی کا بھرپور احساس ہو گیا ہے۔ شرمین کہنے لگی۔

''ابو جی! انہوں نے مجھے دھوکا دیا ہے، ذرا سی بات کو اتنا بڑھاتے ہیں، میں تو۔۔۔'' لیکن عالیہ بیگم نے ہی اسے بری طرح ڈانٹ کر خاموش کرا دیا۔

بے چینی سے کروٹیں بدلتے بدلتے انہوں نے رات کے اگلے دونوں حصے گنوا دیے تھے۔

پھر نیند آ ہی گئی تو انہیں یوں لگا کہ ابھی پل بھر کو سویا ہوں اور شرمین کی آواز نے جگا دیا۔ وہ دوڑ کر عالیہ بیگم کے پاس گئے لیکن اب عالیہ بیگم پیروں کے کھنچاؤ، خون کے فشار اور اپنی بدنیتی سمیت بہت دور چلی گئی تھیں۔ سہیل احمد اتنے حیران ہوئے ان کی نبض دیکھ کر کہ کچھ بول ہی نہ سکے تھے۔

روحیل بھی گھبرایا ہوا باہر آیا۔

''عالیہ بیگم مر گئیں۔'' جس نے سنا اس نے صدمے سے بڑھ کر حیرت کی۔

''چہیتی بیٹی کو طلاق ہو گئی، صدمہ سہ نہ سکیں۔''

''قضا آئی تو ایک پل کی مہلت نہ مانگ سکیں۔''

''ارے چھوڑو، خود ہی بیٹی کا گھر برباد کیا ہے۔ پہلے بہو کو گھر سے نکال باہر کر کے بیٹے کا گھر اجاڑا، دوسرے بیٹے کو بھی کب بخشا۔ بے چاری بہو سارا دن خدمت کرتی اور جھڑکیاں سنتی تھی۔''

''ہاں، کل تو اسے گھر سے باہر ہی نکال دیا۔ جانے کہاں گئی، اب نظر بھی نہیں آ رہی۔''

یہ ساری محلے والی عورتیں تھیں جو فوراً ہی جمع ہو گئی تھیں اور چپکے چپکے کھسر پھسر میں مصروف تھیں۔

''سمیعہ کہاں ہے؟'' شرمین نے کوئی جواب نہ دیا تو سہیل احمد روحیل کے پاس آئے۔ عینی آپا بھی آ چکی تھیں اور شرجیل بھی پہنچ گیا تھا۔ انہیں کھٹکا ہوا، وہ نظر نہ آ رہی تھی، ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ نظر نہ آئے۔

''آپ نہیں جانتے کہ وہ کہیں چلی گئی ہے، گھر سے چلی گئی۔''

''ارے چلی کہاں گئی ہو گی، گھر چھوڑ کر جا سکتی ہے بھلا کب؟'' سہیل احمد اتنے سارے صدمے ایک ساتھ برداشت نہ کر سکتے تھے۔

گھر مہمانوں سے بھرنے والا تھا، ابھی سارا خاندان، دوست، برادری کے لوگ جمع ہونے والے تھے اور پھر سمیعہ کی غیر موجودگی پر استفسار شروع ہو جاتا۔ ان کے ماتھے پر پسینے کے قطرے صاف نمایاں ہونے لگے۔

''امی نے کہا تھا، وہ خود ہی چلی گئی۔ اس کا دل نہ لگتا تھا یہاں۔''

روحیل خود صورت حال سے اتنا بوکھلایا ہوا تھا۔ کتنی انجانی اور اچانک آفتیں ٹوٹ پڑی تھیں ان پر اور اس کے جواب میں سہیل احمد برس پڑے۔

''تمہیں اپنی بیوی کا نہیں پتا کہ وہ کہاں ہے، ڈھونڈ کر لاؤ اسے، سارے خاندان والوں کو کیا منہ دکھاؤں گا میں، تم سب لوگوں نے مل کر پاگل کر دیا ہے مجھے، ساری اولاد نکمی نکلی۔ اے اللہ! یہ کس جرم کی سزا تو نے مجھے دی ہے۔'' وہ سچ مچ صدمے سے ہلکان ہو رہے تھے۔

''سچ سچ بتاؤ، کہاں گئی ہے سمیعہ! نہیں بتاؤ گی تو تمہاری ماں کے ساتھ تمہیں بھی دفن کر دوں گا۔''

زندگی میں پہلی بار شرمین، باپ کی سختی اور غصے سے خوف زدہ ہو کر کانپنے لگی۔ وہ بہت آہستہ آواز میں دروازہ بند کیے روحیل کے کمرے میں باتیں کر رہے تھے۔

''وہ امی جان نے انہیں بہت برا بھلا کہا تھا اور گھر سے چلے جانے کے لیے بھی کہا تھا۔'' سب ساکت ہو گئے، چپ ہو گئے۔

پھر کچھ نہ پوچھا گیا، کچھ نہ کہا گیا۔ وہ امی جان ہی نہ رہیں جنہوں نے اتنے ستم ڈھائے۔ سہیل احمد خاموش ہو گئے اور روحیل گم صم۔

''وہ اسلام آباد گئی ہے اپنے والد اور گھر والوں سے ملنے۔ وہاں اطلاع کر دی ہے، وہ لوگ فوراً آ رہے ہیں۔'' سہیل احمد نے مضبوط اعصاب کے ساتھ ہر کسی کو جواب دیا۔ سب سے پہلے اپنے والدین کو مطمئن کیا۔

''ابو! آپ فون کر دیں، انہیں بتانا ضروری ہے، دونوں باتیں بتانا ضروری ہیں۔'' عینی آپا نے کہا۔

''کیا کہوں گا انہیں! یہ کہ آپ کی امانت ہم سے کھو گئی ہے۔ اب آپ اسے خود ہی ڈھونڈ لیجیے۔''

''اللہ کا نام لے کر آپ فون تو کریں ابو! میرا دل کہتا ہے کہ وہ سیدھی اسلام آباد ہی گئی ہو گی۔'' شرجیل نے کہا۔

''اسی لمحے سے ڈرتا ہوں جب ذلیل کیا جاؤں گا، تمہاری ماں نے مجھے کبھی کسی کے سامنے سر اٹھا کر نہ چلنے دیا۔ جاتے جاتے یہ آخری قیامت بھی ڈھا گئی۔''

وہ جانتے تھے فون کر کے اطلاع دینا ضروری ہے اور اس سے زیادہ سمیعہ کا پتا کرنا لازمی تھا۔

''اب چھوڑ دیں ابو وہ چلی گئی ہیں اب ہم بس سب بھول جائیں گے۔'' شرجیل کی آواز بھرا گئی۔

اسے اپنی ماں سے واقعی بہت محبت تھی لیکن بدلے میں اس نے بہت دکھ اٹھائے، بھولنا شاید کسی کے لیے آسان نہ تھا۔

''عالیہ بیگم کا یہ انجام کیسا اذیت ناک ہے کہ وہ اپنے پرائے کسی سے اپنی بخشش نہ کروا سکیں۔ انہیں کوئی اچھے الفاظ میں یاد نہ کر سکے گا۔'' کمال احمد اپنی بیوی سے مخاطب تھے۔

''توبہ توبہ! اپنوں کے دل سے بھی بددعائیں اور آہیں نکل رہی ہیں، ان کی روح پر بڑا بوجھ ہو گا۔''

''کمال احمد۔۔۔'' تائی جان کی آنکھوں سے آخرت کے خوف سے آنسو نکل پڑے۔

''شرجیل! روحیل، شرمین میرا تو کلیجہ پھٹ رہا ہے، کمال صاحب کس کس کے لیے روؤں۔ ماں تو اولاد کے لیے جنت ہوتی ہے نا، یہ کیسی ماں تھی کہ دنیا میں ہی دوزخ بچوں کو دے کر چلی گئی۔ شرمین کی

بربادی انہیں ایک قدم پل صراط پر نہ چلنے دے گی۔ آصفہ کی آہیں انہیں کسی فرشتے کے سامنے نہ ٹھہرنے دیں گی۔ سمیعہ اور روحیل کی مصیبتیں بھلا انہیں رہائی کے راستے پر جانے دیں گی۔''

دوپہر تک سمیعہ اپنے والد اور بھائی کے ساتھ وہاں پہنچ گئی تھی۔

شرجیل کا خیال بالکل درست تھا، وہ سیدھی اسلام آباد ہی گئی تھی، اپنے باپ کو اس نے صاف صاف ساری باتیں بتادی تھیں۔ روحیل کی ناراضی کا حال بھی سنا دیا تھا۔ وہ اتنی اکیلی اور دکھی ہو رہی تھی کہ اس نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ ہر بات میں والد کے مشورے کو اوّل درجہ دے گی۔

ظفر علی نے ہی بیٹی کو مشورہ دیا کہ وہ خود اسے صبح روحیل کے پاس چھوڑ آئیں گے اور اس سے بات بھی کرلیں گے لیکن صبح فون کرنے پر خبر ہوئی کہ روحیل تو کراچی چلا گیا ہے۔ اور تھوڑی دیر بعد ہی ان لوگوں کو عالیہ بیگم کی موت کی خبر ملی۔ سمیعہ کو یقین نہ آرہا تھا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔

روحیل سے ملی تو حال پوچھنے کے سوا کوئی بات نہ کرسکی۔

آصفہ آئی تو شرجیل نے اس سے صرف ایک بات کہی۔

''ہوسکے تو میری ماں کو معاف کردینا۔'' لیکن روحیل رات گئے اپنے کمرے میں جانے سے بھی کترا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کوئی آدمی نہ ملے تو دیوار ہی مل جائے، جس سے وہ لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رودے اور چیخ چیخ کر کہے کہ ''میں اپنی ماں کو کبھی معاف نہ کرسکوں گا۔'' وہ ایسی کڑی صورت حال سے دوچار تھا جس میں نہ کوئی اس کے ساتھ تھا، نہ ہمدرد ہوسکتا تھا۔

اندر کمرے میں سمیعہ ابھی تک یہی سمجھ رہی تھی کہ روحیل کی ناراضی دور نہیں ہوئی یا ہوسکتا ہے وہ ماں کے صدمے سے بہت زیادہ نڈھال ہو، وہ خود ہی باہر لاؤنج میں چلی آئی۔

''آپ کو تھوڑی دیر آرام ضرور کرلینا چاہیے۔ ورنہ تھکن سے بیمار پڑ جائیں گے۔''

اسے سامنے دیکھ کر وہ ضبط کے سمندر سے گزرا۔ اسے خود پر حیرت ہوئی کہ نہ دل رکا، نہ دماغ پھٹا۔ یہی لڑکی تھی جس کے بغیر اس نے جی سکنے کی قسم کھائی تھی۔

''بستر میں لیٹیں گے تو نیند بھی آجائے گی۔'' وہ دھیرے سے سمجھا رہی تھی۔

''روحیل کیوں بیٹا! ابھی سونے نہیں گئے۔''

''دل بہت گھبرا رہا ہے ابو جی!'' وہ خود پر قابو پاتے پاتے تھک گیا تھا۔ سہیل احمد نے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ انہی کے کندھے پر سر ٹکا کر رو پڑا۔

ذرا دیر گزری تو اس نے باپ سے پوچھا۔

''سب لوگ کہاں ہیں عینی آپا، شرمین، بھائی وغیرہ۔''

''سب اندر ہمارے کمرے میں بیٹھے ہیں، ان لوگوں کو بھی میں یہی کہہ آیا ہوں کہ اب سو جائیں تمہارے دادا اور دادی کو تو زبردستی سلا دیا۔ وہ بیمار ہی ہو جائیں گے۔''

''آؤ سمیعہ! تھوڑی دیر اندر سب کے ساتھ مل کر بیٹھتے ہیں۔'' سمیعہ کیوں انکار کرتی، وہ تو روحیل کے مخاطب کرنے پر ہی جی اٹھی تھی۔

''آصفہ بھابھی چلی گئی ہیں کیا؟''اس نے عینی آپا سے پوچھا۔
''ہاں! وہ اپنی امی کے ساتھ ہی شام میں ہی چلی گئیں۔''
''اور کیا تو یہاں رک جاتیں۔لوگ ہزار باتیں بناڈالتے۔''عینی آپا نے فوراً کہا۔
''کیوں باتیں بناڈالتے اور بھلا موت کے گھر میں کون بات کرتا ہے۔''
''توبہ کرو بھائی! زمانے سے کبھی کوئی اچھی امید نہ رکھنا۔آج موت کے گھر میں بیٹھ کر ہی شرمین کے مسئلے پر خواتین نے کتنی باتیں بناڈالیں۔''
''بس اب سو جاؤ بچو! نیند بہت ضروری ہے۔''سہیل احمد نے پھر سب سے کہا۔
''ہم بھی کیسے غافل ہیں، ہمیں ابو کی پروا کرنی چاہیے۔ان کے آرام کا خیال کرنا چاہیے کہ الٹا ہم ان سے اپنی فکریں کروا رہے ہیں''
شرجیل نے سب کو اٹھایا خود ان کے پاس آیا اور انہیں سونے کی تلقین کرنے لگا۔
''ہم بہنیں ڈرائنگ روم میں سو جاتی ہیں۔آپ شرجیل بھائی، ابو کے پاس سو جائیں۔''عینی آپا نے کہا۔
''ڈرائنگ روم میں کیوں، تم لوگ سمیعہ کے پاس میرے کمرے میں چلی جاؤ ہم باپ بیٹے یہاں سو جاتے ہیں۔''وہ مشکل جو روحیل سے حل نہ ہو رہی تھی اس کا حل اچانک اسے نظر آیا۔
''کیوں سمیعہ! تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔''اس نے سمیعہ سے بھی پوچھا تو اس کے لہجے کی نرمی پر سمیعہ کے دل کو سکون سا ہوا تھا۔
''نہیں، مجھے کیوں اعتراض ہوگا۔''
''دادا جان کہاں ہیں؟''روحیل کو خیال آیا۔
''ان کو میں نے شرجیل کے کمرے میں بھیج دیا ہے۔''سہیل احمد نے کہا۔
روحیل نے اپنی کوتاہی اور نالائقی پر افسوس کیا۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ ساری ذمہ داری وہ دونوں بھائی سنبھالتے، نہ کہ بوڑھے باپ کو اتنے دکھ اور تنہائی کے باوجود ہر فکر میں مبتلا کیے رکھا تھا۔
تین دن سوگ کے یونہی گزر گئے۔
پھر دادا جان بھی دادی جان کے ساتھ اپنے گھر روانہ ہو گئے۔شام کو عینی آپا بھی کہنے لگیں کہ انہیں گھر جانا ہے۔
روحیل عینی آپا کو چھوڑنے گیا تو شرجیل نے کہا۔
''ابو جی! اب مجھے بھی اجازت دیجیے، روز آتا رہوں گا لیکن اب اپنے سامان ضرورت کی ہر چیز کے لیے مجھے تنگی ہو رہی ہے۔''سہیل احمد نے چپ چاپ سر ہلا دیا۔کچھ بھی نہ بولے۔
''ارے آپ شرجیل بھائی کو کیسے جانے دیں گے اور کہاں جانے دیں گے۔''سمیعہ فوراً سہیل احمد سے الجھ پڑی۔
''اس گھر میں رکنے کی کسی کو کیا ضرورت، سب اپنے اپنے راستوں کو جاؤ اور اپنی دنیا بساؤ۔اور یہاں کے ماضی کو بھول جانا۔سمیعہ تم بھی اپنا سامان باندھ لینا۔روحیل صبح جا رہا ہے، تمہیں اس کے ساتھ

ہی جانا ہے۔ میری بیوی یہی چاہتی تھی کہ یہ گھر ایک ویرانہ بنا رہے تو میں مرنے والی کی خواہش کیسے ٹال سکتا ہوں بس ہم باپ بیٹی یہاں رہیں گے، باقی کوئی نہ رہے۔'' انہوں نے اتنی سختی سے کہا کہ اپنا سامان سمیٹتا شرجیل اور سامنے بیٹھی سمیعہ دونوں کچھ نہ کہہ سکے۔

''آج میں دادا جی کے پاس رہوں گا، پلیز ابو برا نہ مانیے گا۔'' تھوڑی دیر بعد روحیل نے فون کر کے کہا۔

''تو سمیعہ کو بھی لے جاؤ، وہ اکیلی یہاں کیا کرے گی۔'' انہوں نے فوراً کہا۔

''نہیں ابو جی! اسے کام بہت ہیں اپنا سب سامان سمیٹنا ہے اور وہ تھک بھی بہت گئی ہوگی۔ آپ اس سے میری بات کروائیں۔'' روحیل بچنا بھی چاہ رہا تھا۔ اور صاف بچ کر نکل بھی نہ سکتا تھا۔

''ہیلو سمیعہ! ناراض تو نہیں ہو رہی ہو۔'' اس نے نرمی سے بات کی۔

''کیوں بھلا؟''

''دیکھو صبح میں جلدی آجاؤں گا، تم اپنی ہر چیز سمیٹ لینا۔ اور ٹھیک طرح سے آرام بھی کر لینا، کل ساتھ اسلام آباد چلیں گے۔'' وہ فون بند کر چکا تھا اور سمیعہ نے اس کی کسی منطق پر بظاہر غور نہیں کیا لیکن دراصل اس کا دھیان اسی طرف لگا ہوا تھا۔

بستر پر لیٹ کر اسے نیند نہ آئی۔ وہی اس کمرے کا اکیلا پن اس کا نصیب ٹھہرا تھا۔ آنکھیں اس نے بند کر لیں، جب ہی دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔

''اوہ روحیل آ گیا؟'' اس کی خوش فہم محبت لپک کر دوڑی۔ دروازہ کھولا تو سامنے شرمین کھڑی تھی۔

''مجھے خبر تھی کہ آپ جاگ رہی ہوں گی۔'' وہ خود ہی اندر چلی آئی اور سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ شرمین اتنے دنوں میں بہت خاموش اور افسردہ ہو گئی تھی۔ چپ چاپ غم زدہ+ عجیب سے کاموں میں الجھی رہتی، یا ایک طرف خاموشی سے بیٹھی رہتی۔

''خیریت ہے شرمین! تم اس وقت آئی ہو؟''

''مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ مجھے تین دنوں سے نیند نہیں آ رہی۔'' اس نے دیکھا کہ شرمین کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور پھر اچانک وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''شرمین مت روؤ، اس طرح پلیز۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اسے چپ کروائے۔

''پلیز شرمین! نصیب سے کون لڑ سکتا ہے۔''

''میں نے لڑنے کی کوشش کی تھی نا۔ بہت غرور کے ساتھ میں سوچا کرتی تھی کہ میں ہر کسی کو نیچا دکھا سکتی ہوں، اور امی جان میری پیٹھ ٹھونکا کرتی تھیں۔ میرے تو قریب سے یہ خیال کبھی نہ گزرا تھا کہ میں یوں مات کھا جاؤں گی اور بھلا مات کھانے پر امی جان پیٹھ پھیر سکتی تھیں وہ چلی ہی گئیں۔'' شرمین کے سوچنے کا انداز بھی عین حالات کے مطابق تھا۔

''شرمین تمہارے معاملے میں کوئی کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔'' وہ بولی۔

''کیوں نہیں کہہ سکتا، کہنا چاہیے، بولنا چاہیے، لیکن ٹھیک ہی ہے میرے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی

پروا کوئی کیوں کرے۔ جب میں نے سب کی زندگیوں کو بوجھ بنا کر رکھ دیا ہے۔''

''بس! اب ایسا نہ کہو۔ مشکل میں ڈالا ہے اللہ نے تو کوئی راستہ بھی نکالے گا۔''

''اس نے تو بڑے راستے نکالے لیکن ہم نے بند کر دیے۔ سمیعہ بھابھی میں آپ کی سب سے بڑی گناہ گار ہوں، جانے میرا قصور زیادہ تھا یا میری ماں کا لیکن آپ ہمیں معاف کر دیں۔'' وہ پھر رو پڑی۔

''میں نے کہا نا جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔ چلو تم نے کہا اور میں نے معافی تلافی کر دی۔ اب تو بوجھ ہلکا کر لو۔ صبح تمہارے بھائی آئیں گے تو ان سے بھی بات کر لیں گے۔''

''مجھے خدشہ ہے کہ آپ کے ساتھ جو ہوا ہے شاید اس کی تلافی نہ ہو سکے اور آپ شاید ہمیں کبھی معاف نہ کر سکیں گی۔ میں پاگل ہوں جو آپ کے سامنے کھڑی ہو گئی ہوں۔'' وہ یک دم کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے کمرے سے باہر بھی نکل گئی۔

سمیعہ کو عجیب سے گمان میں مبتلا کر کے شرمین تو چلی گئی، پھر وہ رات گئے تک بستر میں کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی۔

دراصل شرمین، روحیل کے بے پناہ سنجیدہ رویے پر مسلسل غور کر رہی تھی۔ وہ سمیعہ سے کترا رہا تھا یہ بھی اس نے نوٹ کیا تھا اور آج وہ دادا جان کے پاس ٹھہر گیا تو اس کا شک انتہا کو پہنچ گیا۔

وہ روحیل کا دل صاف کر سکے اگر تو کوئی ازالہ ممکن ہو مگر جانے اس کے انتہا پسند بھائی نے اس کی گنجائش رکھی ہو یا نہ رکھی ہو۔ اسے روحیل سے ڈر بھی بہت لگ رہا تھا۔

''آہ امی! آپ مجھے سب کے سامنے یوں نادم اور اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں۔ عینی آپا کیسی معتبر اور بارعب بنی سب کی نظروں میں رہتی ہیں۔ عورت اگر اپنے گھر کے لیے قربانیاں دے کر بہت کچھ سہہ لیتی ہے تو پھر اسے اعتبار بھی کتنا ملتا ہے اور اس کی توقیر کتنی ہوتی ہے۔''

روحیل اپنے دادا کے سامنے بیٹھا بہت رو چکا تھا۔

''تم تو ایک بہادر نوجوان ہو، فوج کے افسر کبھی یوں سر جھکا کر روتے ہیں بھلا۔'' دادا جان نے اسے سمجھایا۔

''دادا جان! نہ روتے ہوں گے، مرد روتے بھی نہ ہوں گے، مگر میری طرح کوئی یوں لٹتے بھی نہ ہوں گے۔ میری تو زندگی مجھ سے چھن گئی۔ دادا جان اور ستم یہ ہوا کہ لوٹنے والا اس دنیا میں ہی نہ رہا کہ میں اس سے کوئی حساب کتاب تو کر سکوں۔'' وہ اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے کے باوجود کچھ سمجھ نہ پائے۔

''دادا جان! میں نے بہت ہی برا کیا ہے آپ سمجھ لیں کہ ظلم کی حد کر دی ہے، خود کو خود ہی برباد کر لیا ہے۔'' وہ جانے کیوں پھر رونے لگا۔

''تم پڑھ نہیں کر سکتے۔ سمیعہ تو اتنی اچھی لڑکی ہے، نہیں روحیل بیٹا! تمہارا فیصلہ قطعی غلط اور یک طرفہ ہوگا، وہ بے چاری تو صدمے سے ہی مر جائے گی۔''

''میں خود کہاں جی سکوں گا دادا جان۔'' ایسا کڑا وقت اور ایسی بدترین صورت حال، روحیل آہستہ آہستہ انہیں بتا رہا تھا کہ اس رات کیا ہوا تھا۔ ''اللہ سے ڈرو بیٹے! میاں بیوی کا رشتہ یوں نہیں ٹوٹتا۔''

''وہ بہت سمجھ دار لڑکی ہے وہ تم سے کسی بات کا گلہ نہیں کرے گی بس اب تم اپنا گھر آباد کرو۔'' دادا

جان نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

آصفہ اپنے کمرے میں کرسی کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ اس کا ذہن آج کل بہت زیادہ الجھا ہوا رہتا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اس نے خود ایسا کبھی سوچا بھی نہ تھا، مگر ہونی کو کون روک سکتا ہے۔ وہ خود کو تسلی دیتی رہی تھی کہ اس نے ایسی بد دعا کبھی نہ کی تھی۔ کہنے والوں نے خوب کہا ہوگا کہ اسی کی آہ ہوگی یا اس کی بد دعا۔

''کیا کر رہی ہو آصفہ بیٹا، سوچ رہی تھیں کچھ؟'' امینہ بیگم بیٹی کے پاس آئیں تو اسے اتنا گم صم دیکھ کر کہا۔

''جی امی! یونہی مختلف خیال تو آتے ہی رہتے ہیں۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''اب تم یوں تنہا کمرے میں گھسی بیٹھی رہو گی تو خیال تو آتے ہی چلے جائیں گے نا۔'' وہ خود بھی وہیں سامنے بیٹھ گئیں۔

''کیا کروں امی! کسی چیز میں دل نہیں لگتا ہے۔'' وہ عجیب کشمکش میں پڑ گئی تھی۔

''کچھ نہ کچھ کرنا تو پڑے گا نا بیٹا، یوں بیٹھے بٹھائے زندگی گنوائی تو نہیں جا سکتی۔'' اب اسے خود بھی احساس ہوا تھا کہ اس کے لیے کوئی فیصلہ کر لینا کتنا اہم اور ضروری تھا۔ بہت سے لوگ اس کے فیصلے کے منتظر اور آس لیے بیٹھے تھے۔

''امی میں خود یوں بے کار سی رہتے اکتا گئی ہوں، کچھ نہ کچھ حل سوچ کر ہی اس سکوت سے نکلنا ممکن ہوگا۔ اب میں آپ کو زیادہ پریشان نہ کروں گی۔''

''بیٹا ہماری پریشانی کی بات نہیں، اولاد کوئی بری لگنے والی چیز تھوڑی ہے لیکن بیٹیاں اپنے گھروں میں اچھی لگتی ہیں۔'' وہ لمحے بھر کے لیے چپ ہو گئیں اور اس سے پہلے کہ آصفہ کچھ جواب دیتی امینہ بیگم پھر بولیں۔

''شرجیل آیا بیٹھا ہے۔ اس سے بات کر لو۔'' وہ کھڑی ہو گئی، یہ بے چینی اس کے اندر تھی جو ظاہر ہو گئی یا ابھی ابھی نمودار ہوئی۔

''آپ نے بتانے کے لیے اتنی تمہید باندھی۔'' اس نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہارا دل رکھنا ہمیں سب سے پہلے ضروری ہے نا بیٹا۔''

''آپ کیا چاہتی ہیں، میں شرجیل کو کیا جواب دوں۔'' وہ انہی سے پوچھنے لگی تو امینہ بیگم نے شکر یہ کیا کہ اس نے ملنے سے انکار نہ کیا۔

''کسی کے کہنے یا دباؤ میں آنے کا مسئلہ ہوتا تو بہت پہلے ہم زور دے چکے ہوتے، خود اپنی مرضی اور رضا سے فیصلہ کرنا جو تمہارا دل گواہی دے، ہم تمہارے ہر فیصلے پر راضی بیٹھے ہیں۔''

''آپ کا خیال پوچھا ہے میں نے امی۔''

''میرا خیال ہے کہ اب شرجیل کو عقل آ گئی ہوگی۔ اور اب تو عالیہ بیگم بھی نہیں رہیں کہ۔۔۔''

''اسی بات کو بنیاد بنا کر تو میں کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتی۔ بھلا کیا میں عالیہ آنٹی کے جانے کے انتظار میں بیٹھی تھی۔'' وہ یک دم خفا ہو گئی اور پھر باہر چلی گئی۔

اب بھی شرجیل کو دیکھ کر اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس کے خوابوں نے اسے مسکرانا سکھایا۔ اور حقیقت بن کر اس نے اسے صرف رونا ہی سکھایا تھا۔ کیا درمیان کا عرصہ وہ بیچ سے نکال دے تو خواب پھر سے جی اٹھیں گے؟ وہ چاہتی تو یہی سوال شرجیل سے پوچھ سکتی تھی لیکن اس کے خلاف دل میں بھرا غصہ کسی طرح ختم ہی نہ ہو رہا تھا۔ کدورتیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ محبتوں کو کھا گئی تھیں اور بے اعتباری نے اس کی ذات کو یوں جکڑ لیا تھا کہ اعتبار ڈھونڈے سے نہ مل رہا تھا۔

''آصفہ! کیسی ہو؟'' وہ خود بھی پُر یقین نہ تھا یہاں آ تو گیا تھا لیکن سوچتا تھا کہ کیا خبر آصفہ ملنے سے ہی انکار کر دے۔

''ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں۔'' وہ سامنے بیٹھ گئی تھی۔

''میں تو تمہاری بد دعا کا منہ بولتا ثبوت، تمہارے سامنے موجود ہوں۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''دیکھیں شرجیل صاحب! اپنی بد نصیبی اور حماقت کو میری بد دعا نہ کہیں۔ میں اگر کسی کا برا چاہنے والوں میں ہوتی تو ان حالوں کو نہ پہنچتی۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''تمہارے حالوں کو کیا ہوا، اچھے بھلے تو ہیں۔ اب اور سنوارنے لگی ہو اپنے امریکہ پلٹ کزن ثاقب سے رشتہ جوڑنے والی ہو۔'' شرجیل کو یہ بات انصار کے بتانے پر پتا چلی تھی۔

''شرجیل صاحب! آپ میرے ذاتی معاملات میں اس طرح دخل اندازی نہیں کر سکتے۔''

''آصفہ بیگم! ابھی تک میں تمہارا شوہر ہوں اور اس ناتے سے تمہاری اسی طرح کی سرگرمیوں کا پورا پورا حساب مانگنے کا حق رکھتا ہوں۔'' شرجیل خود اندر سے بہت جلا بھنا ہوا تھا۔

''اچھا تو آپ اس لیے یہاں تشریف لائے ہیں۔ بس چلے جائیں یہاں سے، مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ اٹھ کر اندر کی طرف جانے لگی تو شرجیل نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے دوبارہ اسے بٹھا لیا۔

''شرجیل! اب آپ کی زبردستی کام نہیں دکھائے گی۔ آپ خوامخواہ گمان میں نہ رہیں۔''

''گمان کرنے تو کب کے چھوڑ دیے ہیں میں نے۔ اب تو یقین ہے خود پر کہ تم نہ آئیں تو زبردستی تمہیں لے جاؤں گا۔''

''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔'' اس کا تو دماغ خراب ہونے لگا۔

''تو ویسا بھی کبھی نہیں ہو سکتا جو تم چاہتی ہو، میں تمہیں ثاقب کے لیے کبھی چھوڑوں گا تو نہیں۔''

''تو تمہارے اندر بھی حسد کی بلا موجود ہے۔ اچھا ہوا میں نے فیصلہ کرنے میں دیر لگائی۔'' وہ بالکل آپے سے باہر ہو کر ادب آداب بھی بھول بیٹھی۔

''یہ میرا حسد نہیں آصفہ! سمجھو پلیز، یہ محبت ہے، تم سے دور ہوا ہوں تو جنون بننے لگی ہے۔'' شرجیل اب پھر دھیمے لہجے میں بات کرنے لگا۔

''آصفہ پلیز، میں اپنی طاقت سے زیادہ بھگت چکا ہوں، اب ضد چھوڑ دو۔'' وہ چپ رہی تو اس نے پھر کہا۔

''ان برے دنوں میں ایک اچھی خبر ہے میرے پاس، تمہیں یاد ہے میں نے اپنے امریکہ جانے کا

ذکر کیا تھا، میں نے تعلیم کے ویزے کے لیے درخواست دی تھی تو اسلام آباد سے کال آئی ہے اور ہم دونوں کے لیے آئی ہے۔ کیونکہ میں نے تمہارا نام ہر درخواست میں اپنے نام کے ساتھ رکھا ہے۔''
شرجیل کی بے تابی حد سے بڑھ رہی تھی، لیکن آصفہ اسی حد سے بڑھ کر ضبط کرنا سیکھ رہی تھی۔
''اچھی بات ہے، آپ وہاں پڑھنے میں مگن ہو جائیں گے تو یہاں کی مصیبتوں اور یہاں کے لوگوں کو بھول جائیں گے۔''
''مت بنو یوں اجنبی اور انجان، بہت ہو گیا۔ اب اور کتنا بدلہ لو گی۔'' وہ پھر جھنجھلانے لگا۔
''آپ نے پھر غلط زبان استعمال کی میں اس قابل کہاں کہ کسی سے بدلہ لیتی پھروں۔''
''دیکھو آصفہ! پرسوں رات آٹھ بجے کی فلائٹ سے میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔ اور تم میرے ساتھ جاؤ گی۔'' اس نے مان سے کہا۔
''یہ ضروری نہیں ہے۔'' اس نے قطعیت سے کہہ دیا۔
ضروری ہے آصفہ۔ ہمارے بچے کے لیے ضروری ہے، میں اسے چھوڑ تو نہیں سکتا۔'' اس نے نئی الجھن پیدا کی۔ آصفہ نے ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔ شرجیل نے یوں بھی اس موضوع پر زور دے کر کوئی بات نہ کی تھی اس لیے وہ سمجھی تھی کہ اسے اس معاملے میں زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔
''اب آپ جائیں پلیز، ابھی تو میں، آپ کی کسی بات کا جواب نہ دوں گی۔''
''سارے مسئلے میرے سر رکھ کر خود چین سے بیٹھی ہوئی ہو۔ میرے پاس تو صرف دو دن ہیں۔ آخر اور کتنا وقت لو گی سوچنے میں۔ بس میں کہہ رہا ہوں پرسوں شام تک تم گھر آ جانا میں نے اسلام آباد کے لیے بھی تمہارا ٹکٹ کروا لیا ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔
''یہ تو آپ کی مرضی ہے، آپ سوٹکیٹس کٹوا لیں۔ اپنی زندگی کا سفر تو میں اپنی مرضی سے ہی طے کروں گی۔'' اب وہ خود ہی اٹھ کر ادھر سے جانے لگی۔ ڈرائنگ روم میں اور کوئی نہ آیا تھا لیکن اسے خبر تھی گھر کے سب لوگ اس بات چیت کے نتیجے کے منتظر ہوں گے۔ ہر کسی نے اس سے مختلف ہی آس لگائی ہوئی تھی۔
''میں سمیر سے ملنا چاہوں گا۔'' اس کو جاتا دیکھ کر شرجیل نے کہا۔
''میں اسے بھیجتی ہوں۔'' تھوڑی دیر بعد اس نے سمیر کو نوکرانی کے ساتھ شرجیل کے ساتھ بھیج دیا۔ اور خود اندر جا کر بیٹھ گئی۔
''بس تم اپنا سامان باندھ لو، تمہیں اس کے ساتھ جانا چاہیے۔'' جلال احمد نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر قطعی لہجے میں کہا۔
''یہ آپ حکم دے رہے ہیں ابو جی یا مشورہ۔'' وہ الجھی۔
''مشورہ ہی ہے بیٹا اور میرے خیال میں بالکل درست ہے، کیوں امینہ بیگم؟'' انہوں نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔
''بالکل ٹھیک خیال ہے آپ کا، وقار بیٹا! تم کیا سوچ رہے ہو؟''
''بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آزمائے ہوئے کو آزمانا کوئی دانش مندی نہیں

لیکن اس کا بچہ ہے آصفہ کے پاس۔ اس لیے علیحدگی کا سوچنا بہت مشکل ہے۔''

''بچہ! سمیر کہاں ہے۔'' بہت دیر باتوں میں گزر گئی اور وقار کے ذکر چھیڑنے پر اسے یاد آیا تو وہ بات میں نوکرانی کو آوازیں دینے لگی۔

''جی سمیر بابا کو تو شرجیل صاحب لے کر گئے ہیں۔ کہنے لگے چند کھلونے دلا کر واپس چھوڑ جاتا ہوں۔''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ اس کی وکالت کر رہے تھے، ابو! اب کیا اس کی یہ حرکت ٹھیک ہے۔''

''دیکھو وقار! تم اور میں اس کے مقابلے میں بچے کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ تم لوگ عجیب بچگانہ باتیں کر رہے ہو، جب بچہ اتنے دنوں ہمارے پاس تھا تو اس نے کوئی دعوا نہیں کیا تھا۔ آج اگر وہ چار گھنٹے کے لیے اسے لے گیا ہے تو کیا ہم پرچہ کٹوا دیں اس کے خلاف۔'' جلال احمد بے زاری سے ان سب کی جھنجھلاہٹ کا جواب دے رہے تھے۔

''لیکن انہیں بتا کر لے جانا چاہیے تھا۔'' آصفہ بے قراری سے ٹہل رہی تھی۔

''بھئی! بتا کر تو لے گیا ہے، اب اجازت لینے کا وہ پابند نہیں ہے۔'' ان کے جواب پر آصفہ چپ ہو گئی۔ تھوڑی دیر گزری ہی تھی کہ باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ شرجیل چپ چاپ اپنے بیٹے کو نوکرانی کے حوالے کر کے واپس چلا گیا۔ اس کے ساتھ ایک کھلونوں سے بھرا ہوا تھیلا بھی تھا۔ آصفہ کے دل کو سکون ہوا۔ اس کو یوں بے اعتبار اور بے صبرا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ سارے گھر والے اس کے ساتھ پریشان ہو گئے۔ سمیر کو لے کر وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں وہ اس کی گود میں ہی سو گیا۔

وہ تھیلے سے کھلونے نکال کر دیکھنے لگی، چھوٹی بڑے بہت سے کھلونے تھے۔ شرجیل کا شوق اور محبت صاف ظاہر ہو رہی تھی، لیکن وہ خود اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے بیٹھ گئی۔ خالی بیگ رکھتے رکھتے ایک لفافہ اس کی گود میں آ گرا۔

''مجھے یقین ہے کہ پرسوں شام میرے ساتھ تم بھی کراچی سے اسلام آباد تک کا سفر کرو گی۔ اب میری محبت پر بھروسا کر لو۔'' وہ رات بھر نہ سو سکی۔ فیصلہ اتنا کٹھن اور مشکل ہو گا اس کا اسے احساس ہی نہ تھا۔

''آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمایا نہیں جاتا۔'' وقار کی بات ذہن میں آئی۔

''ارے دفع کرو اس نے کون سی تمہاری قدر کی ہے جو تم اس کا مان رکھو۔ یہ دونوں بھائی ایسے ہی نکلے اور بے وقوف نکلے۔ سمیعہ کی داستان میں نے تمہیں سنائی نا، عالیہ بیگم نے اسے بھی نہ بخشا اور روحیل نے کیسے بے اعتباری دکھائی۔ اپنی ماں کو جنم جنم سے جانتا تھا پھر بھی بیوی پر شک کیا، اور اسی کی شہ میں آ کر عالیہ بیگم نے اسے گھر سے نکالا نا۔'' مہر النساء بھابھی کی تفصیل سے کی ہوئی فون پر بات یاد آنے لگی۔

''دیکھو شرجیل ہمیں تو قطعی پسند نہیں، تمہاری پسند ہے اسی لیے پہلے بھی سمجھوتا کیا تھا، اب چاہو گی تو پھر سمجھوتہ کر لیں گے۔'' طلعت نے کیسے ناک سکیڑ کر کہا تھا۔

''پاگل ہوئی ہے، دوبارہ اسی بے قدرے کے پاس جائے گی۔ جس نے اک بار گھر سے نکال دیا تم اسے زندگی سے نکال دو۔'' نانی جان تو انتظار میں بیٹھی تھیں کہ کب اس کا فیصلہ شرجیل کو ہری جھنڈی دکھائے۔

''اب حالات بدل گئے ہیں، اب آصفہ کو اپنے گھر چلے جانا چاہیے۔'' چھوٹے ماموں اپنی بہن

امینہ سے کہہ گئے تھے اور بڑے ماموں کا خیال بھی کچھ مختلف نہیں تھا، چونکہ ان کی ماں نے ثاقب کا ذکر چھیڑا تھا اس لیے وہ کھل کر نہ کہہ رہے تھے۔

''اب آصفہ کو خود سوچ سمجھ کر ہر قدم اٹھانا چاہیے۔'' انہوں نے کہا تھا۔

''سزا اور جزا کا اختیار ہم انسانوں کو اپنے ہاتھوں میں نہیں لینا چاہیے، اسے قسمت کے حوالے کر دینا چاہیے، قدرت خود ہی انصاف کر دیتی ہے۔ شرجیل کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تمہارے سامنے ہے، وہ اتنا ستایا گیا ہے اب تم اسے اور کیا ستاؤ گی۔'' انصار دو دن پہلے اس کے پاس آیا تھا اور بڑی دیر بیٹھ کر اسے بہت کچھ سمجھا کر گیا تھا۔

''ثاقب برا نہیں ہے لیکن ساری زندگی امریکا میں رہنا چاہتا ہے اس کے خیالات اپنے مفاد میں کبھی بھی بدل سکتے ہیں اور تمہارے بیٹے کے لیے ابھی کوئی مشکل نہیں۔ بعد میں ہو سکتی ہے۔''

''میں ثاقب کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچ رہی۔ یہ تم لوگوں کی خام خیالی ہے۔ بھلا شرجیل کو انکار کر کے کیا میں ثاقب کے حق میں فیصلہ دے دوں گی۔'' اس نے انصار کو واضح طور پر سمجھا دیا تھا کہ اس کا فیصلہ اس طرف کبھی نہ ہوگا۔

''لیکن تمہیں مجبور بہت زیادہ کیا جائے گا۔ کوئی تمہیں اس طرح نامراد تھوڑی رہنے دے گا۔'' انصار کی ہر بات قابل غور تھی۔

''تمہیں شرجیل کے ساتھ چلے جانا چاہیے۔'' ابو جی اور امی جی کا مشورہ، ہدایت اور خواہش اس کے سامنے صاف عیاں تھی۔

اس نے صبح اٹھتے ہی پہلی فرصت میں اپنے بھائی جان شہریار کو اسلام آباد فون کیا۔ وہ ہر کسی سے مشورہ کر لینا چاہتی تھی۔ کسی کی کوئی بات جو اس کے دل کو لگ جائے۔ خدا نے اس کو اتنا اچھا خاندان چاہنے والے رشتہ دار دیے تھے کہ وہ سمجھتی ہر کوئی ایمان داری سے صرف اس کی بھلائی ہی چاہنے والا اور سوچنے والا ہو سکتا ہے

ان کو ساری بات کا علم تو تھا لیکن انہیں ایک بہت بری خبر بھی ملی تھی۔ جس کو سن کر ان کا دل و دماغ تو سکتے میں تھا ان کی بیگم تو بالکل گم صم ہو کر رہ گئی مہر النساء بھابھی بہت کم حادثوں اور مشکلوں کو یوں دل سے لگایا کرتی تھیں، لیکن شہریار نے اپنی بیوی کو ساری عمر میں یوں پریشان اور دکھی نہ دیکھا تھا۔

''میں خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا۔ میں نے تمہارے بارے میں اتنی برائی سے سوچا کہ اب خود کو ہمیشہ کے لیے اس ذلیل سوچ کی سزا دوں گا یہی کہ تم جیسی معصوم اور شریف عورت کو کبھی چھو نہ سکوں۔''

مہر النساء بھابھی کے ذہن میں روحیل کی طرف سے سمیعہ کو دیے گئے اس پرچے کی تحریر مسلسل گونج رہی تھی۔ یہ پرچہ سمیعہ اپنے ہاتھ میں لیے لیے ہی پھر رہی تھی۔ اور دیوانوں کی طرح اسے بار بار پڑھے جا رہی تھی۔

''مہر النساء! روحیل کا یہ انجام دراصل ان سب لوگوں کے لیے ایک کڑا سبق ہے، جو سنی سنائی باتوں میں آ کر اپنی پاک باز بیویوں پر شک کرتے ہیں۔ شک اور گمان تو ہماری کتاب میں واضح طور پر

گناہ لکھے گئے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا نادان ہے۔'' شہریار اپنی بیوی کو بہت سمجھا چکے تھے لیکن یہ دکھ بہت بڑا تھا۔ وہ رہ رہ کر سوچ رہی تھیں کہ سمیعہ جیسی مخلص اور نیک نیت لڑکی کے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔۔۔لیکن قدرت آزمائش کے لیے بھی چند خاص بندوں کو چن لیتی ہے۔

''اور روحیل تو اتنا شرمندہ ہے کہ اسے بھلا کہنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔'' شہریار نے پھر کہا تھا۔

''آج چھٹی کا دن ہے میں نے سوچا تھا آپ گھر پر ہی ملیں گے، اس لیے صبح ہی صبح آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔ دیر تک سونا تو آپ کی عادت نہیں ہے نا۔'' آصفہ نے ہلکے پھلکے انداز میں بات چیت شروع کی۔

''بھائی جان! وہ شرجیل آئے تھے۔'' اصل بات بتاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، مجھے کل ہی امی جان نے فون کیا تھا۔'' ان کی آواز کچھ دھیمی نہ تھی۔

''پھر آپ نے ان سے کیا کہا مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''اب کچھ بھی کرنا حماقت ہے۔ میرا خیال ہے شرجیل بذات خود ایک اچھا انسان ثابت ہوگا۔ اب جب اسے خود اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کا موقع مل رہا ہے وہ ضرور تمہارے معیار پر پورا اترے گا۔ تمہیں اس کو انکار کرنے کا کوئی جواز نہیں رہتا لیکن۔۔۔۔''

بھائی جان کی ساری باتیں منطقی تھیں اور اس کا دل بھی مطمئن ہونے لگا تھا۔ لیکن۔۔۔۔ یہ بھائی جان کی ''لیکن'' پر اس کا دل بہت جھٹکے سے دھڑکا۔

اور آگے اس تمہید کے ساتھ کہ کسی کو ہرگز کچھ نہ بتانا۔۔۔ جو کچھ انہوں نے کہا وہ آصفہ نے جانے کس دل سے سنا۔ وہ اب روحیل کے فیصلے پر رو رہی تھی۔ ''روحیل! اپنے لیے یہ سزا کیوں چنی۔

سمیعہ تو بڑے ظرف والی ہے اس سے معافی تو مانگ کر دیکھتا وہ۔۔۔!''

''تم چاہتی ہو سارے دکھ تمہارے دل سے نکل جائیں اور کل تم اپنے گھر روانہ ہو جاؤ نہیں بے وقوف لڑکی! یہ دکھ تمہارے دل سے کبھی نہ نکلیں گے۔ وہ رو رو کر سر پیٹ کر تھک گئی۔

اس کی ہر آس، ہر سوچ، فیصلہ، امیدیں، پانی ہو گئیں۔ اس نے سر جھٹک کر ہر خیال کو اپنے پاس سے بھگا دیا۔

امی زور زور سے دروازہ بجا رہی تھیں۔ اس نے بالآخر دروازہ کھول ہی دیا۔

''یہ کیا حال بنا لیا ہے، اس طرح رونے سے دکھ ختم ہو جاتے ہیں کیا۔'' امینہ بیگم نے اپنی لاڈلی بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔

''یہ اتنا روئی ہے تو سمیعہ کتنا روئی ہوگی۔'' امینہ بیگم کے پیچھے کھڑی عاصمہ باجی سوچ رہی تھیں۔ روحیل کا فیصلہ شاید سب تک پہنچ گیا تھا۔

''آصفہ تم روحیل کو سمجھانا چند دن بعد اس کی ندامت ختم ہو جائے گی تو وہ خود سمیعہ کی طرف پلٹ جائے گا۔ صد شکر کہ اس نے کوئی انتہائی فیصلہ نہیں کیا۔'' عاصمہ باجی کو بروقت ایک مثبت خیال آیا تھا۔

''دیکھو تہنیت! صاف بات سن لو وقار نے کہا ہے کہ اسے اپنی ماں کی خدمت کے لیے ایک نوکرانی

کی ضرورت ہے اور آج کل کام والی ماسیاں مہنگی بہت ملتی ہیں، تو اس نے سوچا کوئی مفت کی نوکرانی رکھ لے۔ چوبیس گھنٹے خدمت بھی کرے گی اور اس کا بھی خیال رکھے گی۔ اسی لیے شادی کر رہا ہے، تمہیں صاف بات بتا رہے ہیں، پھر نہ کہنا کہ کسی دھوکے میں رکھا اور یہ سارے مرد تو ہوتے ہی ایسے مکار اور جھوٹے سمجھیں۔''

شام کو تہنیت چائے کی پیالی بنا کر خود پینا شروع ہی ہوئی تھی کہ انصار نے اس سے کہا۔

''افوہ! آپ کی مفت کی نوکرانی کیسی چل رہی ہے۔ اپنے بھی تو حالات بتائیں۔'' تہنیت بولتی نہیں، یہ ممکن تھا؟

''ایک دم فرسٹ کلاس، دراصل اسے خدمت ہم نے نہیں سکھائی نا یہ تو خود بہت ماہر اور ہنر مند ہیں۔'' اس نے اپنی بیوی کی طرف مسکرا کر اشارہ کیا۔

''اور میں نکمی لگ رہی ہوں آپ کو، جناب میری امی خاندان کی سگھڑ ترین خاتون ہیں، اور ان کی بیٹیوں نے ان کا ایسا نام روشن کیا ہے کہ آپ کو مثال نہ ملے گی۔''

ارے چپ کرو تہنیت! اپنا مقدمہ آپ لڑ رہی ہو، شرم کرو۔ یہ تمہاری ہونے والی سسرال ہے۔'' عاصمہ باجی نے ٹوک کر اسے چھیڑا۔

''آپ تو میری ہونے والی رشتہ دار ہیں اور ان کی طرف داری کر رہی ہیں۔۔۔ رہنے دیں میں ابھی جا کر خود ہی وقار کو اپنا فیصلہ سنا کر آتی ہوں۔''

''کیسا فیصلہ! اچھا ہے یا برا۔'' پیچھے سے وقار نے کہا۔

''بہت بُرا! آپ مجھے سدھارنے کے چکر میں اپنے پورے گھر اور خاندان کو بگاڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔'' وہ وہاں سے چلی گئی۔

''وقار میاں وہ بہت برا کہہ کر گئی ہیں۔'' انصار نے اسے بھی نہ بخشا۔

''بھئی! تم سب لوگوں کے لیے برا ہوگا۔ میرے لیے تو اچھا ہی ہے۔''

''اوہ!'' سب کزنز نے مل کر کورس میں ''اوہ'' کی۔

''تو صاحب زادے اتنے انوالو ہیں۔'' سنبل بھی چہکی۔

''جی بڑی اماں! انوالو نہیں پورا ڈوب چکا ہوں۔'' کہہ کر وہ بھی وہاں سے فرار ہو گیا۔

شرجیل اپنا سب سامان پیک کر چکا تھا اور اب واقعی دیدہ دل و فراش راہ کیے بیٹھا تھا۔ سہیل احمد بھی منتظر تھے کہ آصفہ اب آ ہی جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے والدین کو دوپہر کو ہی اپنے چچا جلال احمد کے گھر بھیجا تھا اور کمال احمد نے کہا تھا کہ وہ ہر حال میں آصفہ کو لے آئیں گے، لیکن شام آہستہ آہستہ ڈھل رہی تھی۔ شرجیل کے ایئر پورٹ روانہ ہونے کا وقت ہو چکا تھا۔

''آپ فون کر کے پوچھ لیں، کہیں راستے میں ہوں یا ٹریفک وغیرہ میں پھنس گئی ہوں۔'' شرمین نے کہا۔

''یہاں تک پہنچنے کے راستے میں اسے بتا کر آیا تھا پھر اب پلٹ کر پوچھوں گا نہیں۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ حبیب خان نے سامان کا چھوٹا بیگ گاڑی میں رکھ دیا تھا۔ ویزا مل جانے پر اسے اگلے دن ہی واپس آنا تھا پھر امریکا کے لیے تیاری کرنی تھی۔

''چلیں ابو جی! چلتے ہیں، آؤ شرمین تم بھی تیار ہونا۔'' وہ باہر نکل گیا۔ ایک بار مڑ کر دیکھا۔ پھر گاڑی میں بیٹھنے اور سب کے آجانے تک اور پھر گاڑی چل پڑنے پر بھی اس نے مڑ کر نہ دیکھا البتہ شرمین مڑ مڑ کر دیکھ رہی تھی۔

''چھوڑ دو شرمین! ہر انسان کو اتنا بڑا ظرف نہیں ہوتا کہ دوسروں کو معاف کر سکیں۔'' اس نے دل کڑا کر کے کہا سہیل احمد خود بہت حیران تھے۔ آج کے بعد آصفہ کی ضد ناجائز تھی لیکن وہ بہر حال اپنی مرضی کی آپ مالک تھی۔

''آصفہ نہ آئی اور وہ اکیلا ہی جہاز میں سوار ہو گیا۔ سیٹ بیلٹ باندھ کر جب اس نے سر سیٹ کی پشت پر ٹکایا تو کچھ پانی آنکھوں سے چھلک گیا۔ اس نے اپنے کالائٹ کا بٹن آف کر دیا اور اپنی آنکھیں بھی بند کر لیں۔

''آصفہ بھابی نہیں آئیں، میں ان کو فون کر کے پوچھتا ہوں۔'' روحیل اپنے بڑے بھائی کو اکیلا دیکھ کر بہت افسردہ ہوا۔

''نہیں، اب پوچھنے کے چکر سے نکل آؤ۔ میں نے بہت محبت سے راستہ اسے بتایا تھا۔ اب اگر وہ نہیں آنے والی تو زبردستی گھسیٹ لانا بے وقوفی ہے۔'' شرجیل نے خود کو مضبوط ظاہر کیا۔ مگر ساری رات وہ سو نہ سکا۔

''بھائی جلدی سو جائیں، صبح فجر کے وقت ہی ایمبیسی کے لیے نکل پڑنا ہے۔ وہاں بڑی لمبی قطار ہوتی ہے۔ پھر سارا دن بھی آپ وہیں خوار ہوں گے۔'' بہت دیر گزر گئی تو روحیل نے ٹوکا۔

''تم خود کیوں نہیں سو رہے۔'' اس نے پوچھا۔

''میں تو اب ایک ساتھ لمبا سوؤں گا۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' اور پھر شرجیل یک دم اٹھ بیٹھا۔

''ارے سمیعہ بھابی کہاں ہیں تمہیں اکیلا یہاں دیکھنے کی عادت ہے، اس لیے خیال نہ آیا اور شاید میں اپنے ہی میں پڑا کچھ خیال نہ کر سکا۔''

''مجھے اکیلا دیکھنے کی آپ کی عادت اچھی ہے بھائی۔'' روحیل سر جھکا کر ہنس رہا تھا، لیکن آواز رو رہی تھی۔

''کیا بکواس کر رہے ہو۔ تم تو لگتا ہے اتنے ہی بد دل اور مایوس ہو۔ اتنا کچھ ہو گیا، اس کا تم پر کوئی اثر نہ ہوا۔''

''اس سے بھی بہت بڑھ کر بے دل ہو گیا ہوں۔ لیکن پھر بھی ایک مقصد لے کر چلوں گا۔'' اس نے ایک کاغذ شرجیل کو دکھایا۔

''یہ کیا ہے۔'' شرجیل کچھ تذبذب کا شکار ہوا۔

''بارڈر پر تعیناتی کے آرڈر ہیں۔ میں نے آفر قبول کر لی ہے اور میری ڈبل پروموشن بھی ہو گئی

ہے۔آپ مبارک باد دیں۔''

''روحیل! تمہارا دماغ چل گیا ہے۔سمیعہ کے ساتھ کیا کرنے والے ہو تم۔''

''اسے تو میں آزاد کر دوں گا۔ہماری ماں کی خواہش تھی نا، بیٹی کا گھر بھی نہ بسے۔بہو بھی بیٹے کا گھر نہ بسائے۔دیکھو لو تمہاری والی بھی نہ آئی، میں نے اپنی کو چھوڑ دیا۔

شرمین تو بے چاری برباد ہو ہی گئی ہے۔اب ہماری ماں کی روح بہت شانت ہوگی۔وہ بہت سکون سے رہیں گی کہ ان کی عین خواہش کے مطابق ان کی کوئی اولاد آباد نہ ہوئی۔بس عینی آپا اس لیے رہ گئیں کہ وہ سچ مچ پرائی ہو گئیں۔وہ سسرال کو اپنا گھر ماننے لگیں اور اسی میں رہنے لگیں۔'' شرجیل سن سا بیٹھا تھا۔

''امی جان! روزانہ میرے خواب میں آتی ہیں۔مجھے یہاں دنیا میں رہنے تھوڑی دیں گی۔انہیں بیٹوں سے محبت بہت ہے نا۔''

''روحیل! پلیز چھوڑ دو ان کا ذکر، انہیں معاف کر دو۔آخر وہ ہماری ماں تھیں۔''

''میں انہیں معاف کر دوں لیکن سمیعہ سے تو ان کو نفرت تھی نا۔''

''دیکھو جو لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں ان کے لیے زندگی برباد نہیں کرتے تم تو سمیعہ سے محبت کرتے ہو نا!''

بس بھائی! فی الحال اس موضوع کو کلوز کر دیں۔''

امریکن ایمبیسی میں اپنی قطار میں کھڑے ہوئے شرجیل کا دماغ بالکل ماؤف تھا۔نہ کسی کو دیکھ رہا تھا نہ کسی سے بات کر پا رہا تھا۔جیسے آگے کچھ دیکھنے کی چیز نہ ہو اور پیچھے دنیا کسی سمندر میں ڈوب چکی ہو۔وہ تھک گیا تو ایک طرف بیٹھ گیا۔روحیل کی ڈیوٹی کا وقت ہو رہا تھا اس لیے وہ اسے چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

''بیٹا! آصفہ کے کاغذات دے دو۔'' سامنے اس کے جلال انکل کھڑے تھے۔وہ حیران ہوا کہ سمجھا خواب ہی ہے پھر چونکا ان کی پشت کے پیچھے آصفہ کے لہراتے، آنچل نے اندر ہلچل سی مچا دی۔

''آپ کب آئے؟''

''آدھے گھنٹے سے تمہیں ڈھونڈ رہے تھے ابھی تنگ آ کر روحیل کو فون کیا تو اس نے کہا میں آتا ہوں کہ تم مل گئے۔آصفہ! اب اسے فون کر دو کہ نہ آئے۔'' جلال احمد نے بیٹی کو موبائل کو پکڑایا۔

''میں آ رہی تھی لیکن سمیعہ کے دکھ نے روک لیا۔پھر محبت نے بہت اکسایا اتنا کہ دل نہ ٹھہرا'' یہ آصفہ شاید اس کی ماں کی نجات کا راستہ ٹھہرے، ایک بد دعا اور آہ کا راستہ بند ہو گیا۔شرجیل سوچ رہا تھا۔

''سمیعہ کے دکھ کا مداوا ہم کریں گے نا ہم لے آئیں گے اسے پھر روحیل کی کیا مجال کہ اسے زندگی سے الگ کر لے مگر وہ ذرا خود اذیتی کے ان بوجھل دنوں سے نکل آئے۔'' شرجیل تاریخ نہیں دہرانا چاہتا تھا۔یہ ہی وقت نے سبق دیا تھا۔